نور کی یلغار
طاہر جاوید مغل
حصہ اول + دوم
پاک سوسائٹی

نور کی یلغار

حصہ اول+دوم

طاہر جاوید مغل

دیباچہ

طاہر جاوید مغل کا نام اب ڈائجسٹ کے اَن گنت قارئین کے لیے ہی معتبر نہیں بلکہ ان کہانی شناسوں کے لیے بھی اہمیت اختیار کر چکا ہے جو ایک مدت تک ڈائجسٹوں میں چھپنے والے الفاظ کو ادب کے دائرے سے باہر رکھنے کے لیے جدوجہد میں مصروف رہے ہیں۔اس کا سبب یہ نہیں کہ نقادانِ ادب نے پیمانے بدل لیے ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ طاہر جاوید نے اپنے وقت کے معروف ڈائجسٹوں کے لیے جو کچھ لکھا اور جتنا لکھا "کوالٹی کنڑول" کی غیر محسوس دنیا میں سانس لیتے ہوئے لکھا ہے۔ میں نے آغاز سے آج تک اس لمحہ لمحہ آگے بڑھتے تخلیق کار کو دیکھا ہے اور ہمیشہ پہلے سے زیادہ "جھاڑ" کی بہار کو محسوس کیا ہے۔

طاہر جاوید مغل کی کہانیاں جس طرح ڈائجسٹوں میں پہلی ترجیحاتی کشش کی حامل تھیں، اب کتابی صورت میں بھی وہی انداز لیے ہوئے ہیں۔ان کے ہاں کرداروں کے ساتھ انصاف، منظر نگاری میں حقیقت پسندی، جیتی جاگتی زندگی سے ہم آہنگی، تجسس، احتجاج، تڑپ، حیرانگی، کش مکش، گھٹن، خواب اور نتائج کے لیے انتظار کی شدت سے لبریز کیفیات کا جہاں آباد نظر آتا ہے، ان کی پرستش، آندھی، تابان اور جستجو جیسی کتابیں پڑھنے والے یقیناً میرے اس تاثر کو گواہی دیں گے۔

طاہر جاوید مغل اپنی کہانی میں شک کی دنیا سے ایک سرا اٹھا کر ڈرامائی انداز میں کئی کرداروں کے سہارے، کئی مناظر کے بیچ میں سے گزرتے اور گزارتے، یقین کے دوسرے نقطے پر لا کر اس طرح چھوڑتے ہیں کہ قاری

اپنے سامنے ایک دائرہ سا مکمل ہوتے محسوس کرتا ہے اور اس کے دل کی دھڑکن جو کئی مرحلوں کے دوران تیز سے تیز تر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اچانک آخری منزل پر آ کر پر سکون ہو جاتی ہے۔

طاہر جاوید مغل کی زیرِ نظر کتاب "نور کی یلغار" بھی ان کی ان تمام تر خوبیوں سے آراستہ ہے۔ تاریخی پسِ منظر میں لکھی گئی یہ نہایت دلچسپ کتاب ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اپنے قاری کو ایک ایسے ماحول میں لے جاتی ہے جہاں سے واپس آنے کو اُس کا دل نہیں چاہتا۔ اس ماحول میں ایک خواب ناک کیفیت ہے، ایک اسرار ہے، ایک ایسا تجسس ہے جو قاری کو ہر سمت سے گھیر لیتا ہے لیکن ماورائی کہانیوں کی طرح یہ کہانی منطق اور دلیل سے عاری نہیں ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ حقیقت سے قریب تر ہے اور اُس کا نہایت ٹھوس جواز موجود ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ کہانی تاریخی حقائق سے رُو گردانی بھی نہیں کرتی۔ جہاں کہیں تاریخی واقعات لکھے گئے ہیں پوری صحت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ بے شک کہانی کا محور تاریخ نہیں اور نہ محمد بن قاسم ہے لیکن کہانی کو تاریخ اور محمد بن قاسم سے جُدا بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مصنف جب کہانی کے ہیرو اشباح کو پیش آنے والے پُراسرار واقعات بیان کرتا ہے تو قاری کو دھڑکا محسوس ہوتا ہے کہ وہ حقیقت سے دور چلا گیا ہے اور شاید پلٹ کر واپس نہ آ سکے لیکن مصنف ہر بار پلٹ کر واپس آتا ہے اور ایسی ٹھوس دلیلوں کے ساتھ واپس آتا ہے کہ قاری کا اعتبار کہانی پر پہلے سے بڑھ جاتا ہے۔ تاریخ کو مجروح کیے بغیر تخیل اور تحیر کا جہاں آباد کرتی ہوئی یہ کہانی ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پڑھنے والے اسے مدتوں یاد رکھیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نور کی یلغار

حصہ اول

یہ صدیوں پرانے کسی اجاڑ مندر کا کھنڈر تھا۔ حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے صحرا میں نڈھال چاندنی کا پڑاؤ تھا۔ مندر کے کھنڈر میں پانچ انسانوں کے سوا کوئی ذی روح نہیں تھا۔ یہ پانچ انسان پیاس سے بدحال تھے اور جاں ان کے خشک لبوں پر آ چکی تھی۔ بدترین حالت ایک کمسن بچی کی تھی۔ اس کی عمر ڈیڑھ برس کے لگ بھگ تھی۔ وہ ماں کی گود میں بے حرکت پڑی تھی۔ شمع کی روشنی میں اس کا چہرہ بے جان دکھائی دیتا تھا۔ کبھی کبھی ایک آواز کمزور احتجاج کی صورت اس کے ہونٹوں سے نکلتی تھی اور تاریک فضا میں گم ہو جاتی تھی۔ ننھی بچی کا یہ احتجاج اپنی عربی ماں سے تھا اور ہندوستانی باپ سے تھا۔ اس نے ایک تین چار سالہ لڑکے کا سر اپنے زانو پر رکھا ہوا تھا۔ ان چاروں کے علاوہ ایک بوڑھا شخص بھی اس کھنڈر میں موجود تھا۔ وہ گھوڑوں کے پاس کھڑا دور

مغرب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ بوڑھا دونوں بچوں کا نانا داؤد بن مغیرہ تھا۔ شاید اسے آس تھی کہ اس لق ودق صحرا میں کوئی شخص ان کے لیے پانی لے کر آئے گا۔

پھر اچانک بوڑھے کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے پیشانی پر ہاتھ کا سائبان بنا کر نگاہیں دور ایک نقطے پر مرکوز کیں۔ خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی، گھوڑے کی مدہم ٹاپیں اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ دھندلی چاندنی میں ایک ہیولا سادم بدم اس کی سمت بڑھتا آرہا تھا۔ بوڑھا کچھ دیر بے حرکت کھڑا رہا۔ پھر مڑ کر کھنڈر کے اندرونی حصے کی طرف بھاگا۔ اسے دیکھتے ہی جواں سال مرد کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک نظر بوڑھے کی چمکتی آنکھوں میں دیکھا اور بولا۔

"بابا! کیا امرناتھ آگیا؟"

بوڑھے نے اندرونی خوشی کو چھپاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ دونوں آگے پیچھے باہر نکلے اور گھڑ سوار کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ اب ان کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ نوجوان نے دور ہی سے چلا کر پوچھا۔

"امرناتھ! پانی ملا؟"

امرناتھ کی خوشی میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ "ہاں مالک!"

باریش نوجوان لپک کر امرناتھ کی طرف گیا اور اس کے ہاتھ سے پانی کی چھاگل لے لی۔ پھر وہ تینوں آگے پیچھے بھاگتے اندرونی حصے کی طرف بڑھے۔ عورت گود کی بچی کو لے کر ان کی طرف آرہی تھی پانی دیکھتے ہی اس نے بچی کو جلدی سے ریت پر لٹا دیا۔ نوجوان گھٹنوں کے بل ریت پر بیٹھ گیا اور چھاگل کا منہ کھولنے لگا۔۔۔

لیکن اس وقت وہ سب چونک گئے۔ باہر سے گھوڑوں کی ان گنت ٹاپیں سنائی دینے لگی تھیں۔ یکایک نوجوان کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس نے مایوس نگاہوں سے امرناتھ کی طرف دیکھا۔ ادھیڑ عمر امرناتھ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ نوجوان نے کہا۔

"امرناتھ! یہ تم نے کیا کیا۔ پانی کے ساتھ ساتھ دشمنوں کو بھی لے آئے۔"

امرناتھ کے ہونٹ کپکپائے۔ "مم۔۔۔مالک۔ میں نے تو اپنی طرف سے بڑی احتیاط کی تھی۔"

نوجوان نے ایک عزم کے ساتھ تلوار بے نیام کی اور بیوی کی طرف رخ کر کے بولا۔

"سراط! تم بچوں کو پانی دو۔ ہم ان گھڑ سواروں کو دیکھتے ہیں۔"

سراط نے بے قراری سے چھاگل تھام لی۔ اس دوران امرناتھ کے علاوہ بوڑھا بھی اپنی تلوار نیام سے نکال چکا تھا۔ یکایک تیز شور سنائی دیا اور گھڑ سوار گھوڑے بھگاتے کھنڈر میں گھس آئے۔ وہ ہندی زبان میں کھنڈر کے پناہ گزنیوں کو للکار رہے تھے۔ ان کی تعداد چالیس سے کم ہر گز نہیں تھی۔

باریش نوجوان نے نہایت جوش سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور اپنے سسر اور ملازم کے ساتھ گھڑ سواروں پر ٹوٹ پڑا۔ یہ حملہ اتنا شدید اور ہلاکت آفریں تھا کہ چند ہی لمحوں میں گھڑ سوار کھنڈر سے باہر نظر آئے۔ نوجوان اور اس کے دونوں ساتھیوں نے لپک کر اپنے گھوڑے سنبھالے اور ہتھیار تول کر حملہ آوروں کے سامنے ڈٹ گئے۔۔۔ اگر حملہ آور ان سے دو یا تین گنا بھی ہوتے تو شاید وہ انہیں روک لیتے مگر ان کی تعداد تو کہیں زیادہ تھی۔ چند حملہ آور کلاوہ کاٹ کر پھر مندر میں گھس گئے۔ عورت جاں بلب بچی کو پانی پلا رہی تھی۔ گھڑ

سواروں نے اسے بالوں سے پکڑ لیا اور اوپر کھینچنے لگے۔ عورت جان چکی تھی کہ اب حملہ آور اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مگر وہ گرد و پیش سے بالکل لاپرواہ اپنی بچی کو پانی پلانے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ اپنے جسم کی پوری قوت صرف کر کے موت سے پہلے پانی بیٹی کے ہونٹ تر کر دینا چاہتی تھی۔ آخر وہ اس کوشش میں کامیاب رہی۔ اس سے پیشتر کہ حملہ آور اسے بچی سے جدا کر دیتے۔ اس نے اسے دو گھونٹ پانی پلا دیا۔ یہ کام کر کے اس کے چہرے پر ایسا اطمینان نظر آیا جیسے وہ دنیا جہاں کے آلام سے آزاد ہو گئی ہے۔ ایک حملہ آور نے اپنا نیزہ تولا اور عورت کا نشانہ لیا۔ وہ عورت کو مارنا چاہتا تھا لیکن اس نیزے کے سبب ہونے والی موت کسی اور کی قسمت میں لکھی تھی۔ گھڑ سوار کا نشانہ تھوڑا سا چوکا اور نیزہ عورت کی ٹانگ زخمی کرتا ہوا بچی کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ بچی ذرا سی مچلی اور ساکت ہو گئی۔ ماں کی دلدوز چیخ در و دیوار کو لرزا گئی۔ اس کی چیخ سن کر وفادار ملازم امر ناتھ نے باگ کو جھٹکا دیا اور ایک حملہ آور کو تہ تیغ کرتا ہوا مالکہ کی طرف بڑھا۔ نیزہ تول کر اس نے ایک حملہ آور کی پشت میں داخل کیا اور نیچے جھک کر ایک ہی جھٹکے سے عورت کو اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ مندر کے شکستہ دروازے پر شدید لڑائی ہو رہی تھی۔ وجیہہ باریش نوجوان اور بوڑھا عرب بازوؤں کی پوری قوت سے حملہ آوروں کو روکے ہوئے تھے۔ دفعتاً ایک تلوار ڈھال سے پھسلتی ہوئی نوجوان کی پسلیوں میں پیوست ہو گئی اور وہ بے ساختہ گھوڑے پر جھک گیا۔ بوڑھے عرب نے یہ منظر دیکھا تو غضب سے اس کا صحرائی خون کھول اٹھا۔ یکایک اس نے گھوڑے سے چھلانگ اور پوری قوت سے ایک شکستہ دیوار کو دھکیلنے لگا۔ پختہ اینٹوں کی یہ قدیم دیوار کوئی تین گز بلند تھی اور جگہ جگہ سے گری ہوئی تھی۔ بوڑھے عرب نے زور

دار دھکا دیا تو دیوار گڑگڑاہٹ کے ساتھ باہر حملہ آوروں پر جا گری۔ ایک ساتھ کئی چیخیں سنائی دیں اور گرد و غبار چاروں طرف پھیل گیا۔ اس وقت امر ناتھ کی چلائی ہوئی آواز آئی۔

"مالک! ادھر راستہ صاف ہے۔"

بوڑھے عرب نے گھوم کر دیکھا۔ امر ناتھ گھوڑا بھگاتا ہوا مندر کے کھنڈر سے نکل رہا تھا۔ باریش نوجوان نے بھی اب اسے دیکھ لیا تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور امر ناتھ کے پیچھے لپکے۔ چار سالہ بچہ ایک ستون کے ساتھ سہما کھڑا تھا۔

"ابا جان!" اس نے چلاتے ہوئے کہا۔

باریش نوجوان کی نگاہیں شاید اسے ہی تلاش کر رہی تھیں۔ اس نے بھاگتے گھوڑے سے جھک کر بچے کو اٹھایا اور اپنے آگے بٹھا لیا۔ پھر اس سے پہلے کہ گرد و غبار چھٹتا اور حملہ آور سنبھل کر دوبارہ کھنڈر میں داخل ہوتے وہ تینوں گھوڑے بھگاتے عقبی سمت سے باہر نکل چکے تھے۔ وہ چھوٹی سی چھاگل جو امر ناتھ خوشی خوشی لے کر آیا تھا ریت پر اوندھی پڑی تھی۔ اس میں ایک تیر پیوست تھا اور زندگی بخش پانی دھیرے دھیرے ریت میں جذب ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اونچے نیچے صحرائی ٹیلوں میں جلتے سورج کے نیچے وہ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔اب یہ سفر پہلے سے بھی دشوار ہو چکا تھا۔نہ صرف پیاس شدید تر ہو گئی تھی بلکہ وہ زخمی بھی تھے۔ سراط کی ٹانگ پر تو معمولی زخم آیا تھا مگر نوجوان جو سراط کا شوہر تھا اور جس کا نام عثمان سقیل تھا شدید زخمی ہوا تھا۔ تلوار نصف بالشت تک اس کی پسلیوں میں گھس گئی تھی اور اب گھوڑے کا اٹھا ہوا ہر قدم اس کی تکلیف میں اضافہ کر رہا تھا۔ان جسمانی زخموں کے علاوہ ان کے دل بھی زخموں سے چور تھے۔ ننھی زلفہ جو کل تک ان کی ہمراہی اور ان کی تکلیفوں کی حصے دار تھی آج اپنے سارے دکھ انہیں سونپ کر راہی عدم ہو چکی تھی۔اس کی موت غمزدہ سراط کو مسلسل آنسو بہانے پر مجبور کر رہی تھی۔اس بدنصیب کا باپ اور نانا بھی بار بار آہوں میں ڈوب جاتے تھے۔ وفادار ملازم امر ناتھ ایک ایک کو تسلی دینے کی کوشش کرتا تھا اور پھر آزردہ ہو کر خود بھی آنسو بہانے لگتا تھا۔ ان تمام مصائب کے علاوہ انہیں دشمنوں کا خوف بھی تھا۔وہ مسلسل ان کے تعاقب میں تھے اور ان صحرائی بھول بھلیوں میں کسی بھی خونی موڑ پر ان سے ملاقات ہو سکتی تھی۔یہی سبب تھا کہ عثمان کے شدید زخم کے باوجود وہ گھوڑوں کو تیز بھگانے پر مجبور تھے۔ عثمان نے کمال ہمت سے اپنی تکلیف ضبط کر رکھی تھی اور اس خیال سے اس نے اپنا گھوڑا سب سے آگے رکھا ہوا تھا کہ کہیں اس کی وجہ سے وہ سب اپنی رفتار سست نہ کر لیں۔اس وقت رفتار ہی ان کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ تھر کے اس آب و گیاہ ریگستان میں بحرِ ہند کے ساحل تک ان کے لیے کہیں امان نہیں تھی۔زندگی اور موت کی اس دوڑ میں ان کی منزل سمندر تھی۔ گہرا وسیع اور نیلگوں سمندر جس کی لافانی لہریں انہیں نئی حیات کا پیغام دے سکتی تھیں۔موجوں کے دوش پر تیرتا ہوا کوئی

بادبانی جہاز یا بجرہ انہیں اس مہلک صحرا اور ان قاتل حملہ آوروں سے دور لے جا سکتا تھا۔۔۔لہٰذا ان کے گھوڑے بھاگ رہے تھے اور ان کی تھکی ہوئی نگاہیں ساحل کی تلاش میں تھیں۔

پیاس، گرمی اور زخموں کا یہ سفر اگلے روز دوپہر تک مسلسل جاری رہا۔۔اب یہ مختصر سا قافلہ جس علاقے میں سفر کر رہا تھا وہاں ہریالی کے آثار موجود تھے اور مرطوب ہوا ساحل کی آمد آمد کا پتہ دیتی تھی۔آخر ایک چھوٹی سی ساحل بستی سے انہوں نے اپنی پیاس کی ناقابل برداشت شدت کو کم کیا اور تازہ دم ہو کر آگے بڑھ گئے۔ جس وقت صحرا کا آتشیں گولا مغرب کی ٹھنڈی جھیل میں غوطہ زن ہونے کی تیاری کر رہا تھا، یہ قافلہ ساحل کے عین اوپر مچھیروں کی ایک بستی میں اترا۔ کھجوروں سے گھری ہوئی اس چھوٹی سی بستی نے اجنبی مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور انہیں ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کی۔بستی کے سردار نے انہیں اپنے مکان میں ٹھہرایا اور کھانے پینے کا وافر انتظام کیا۔وہ ایک ایسے قافلے کی مہمان نوازی میں فخر محسوس کر رہا تھا جس میں ایک عرب بوڑھا، اس کی بیٹی اور داماد شامل تھے۔وہ چاہتا تھا کہ وہ لوگ ان کے پاس طویل قیام کریں، مگر امر ناتھ نے اسے بتایا کہ انہیں جلد از جلد آگے روانہ ہونا ہے اور اس کی سب سے بڑی مہمان نوازی یہی ہو گی کہ وہ ان کے سفر کا انتظام کر دے۔ سردار کے پوچھنے پر امر ناتھ نے بتایا کہ ہم عمان یا عرب کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ سردار کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔

"ایک گجراتی تاجر کا جہاز پرسوں بھڑوچ کی بندرگاہ سے ساحلِ عرب کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔اس جہاز کو کل شام اس ساحل سے گزرنا ہے اور امید ہے کہ وہ کچھ دیر کے لیے یہاں لنگر انداز بھی ہو گا۔ہماری بستی میں

کچھ سامانِ تجارت پڑا ہے۔ جو کشتیوں کے ذریعے جہاز پر منتقل کیا جاتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کو اس جہاز پر سوار کرا سکوں۔"

امر ناتھ نے کہا۔ "سردار! میرا مالک تہی دست نہیں۔ ہم جہاز والوں کو اپنے سفر کا معقول معاوضہ پیش کریں گے۔"

سردار بولا۔ "آپ ان باتوں کی بالکل فکر نہ کریں۔ بس یہ دعا کریں کہ جہاز یہاں رکے بغیر نہ نکل جائے۔ اگر ایسا ہوا تو آپ کو چند دن مزید انتظار کرنا پڑے گا۔"

یہ بات سن کر امر ناتھ پریشان ہو گیا اور بولا۔ "سردار! انتظار کی بات نہ کرو۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ کچھ دشمن ہمارے تعاقب میں ہیں۔ ایک آدھ روز میں ہمیں ہر صورت یہاں سے نکل جانا ہے۔"

جس وقت امر ناتھ اور بستی کے سردار میں یہ گفتگو ہو رہی تھی زخمی عثمان سردار کے گھر ایک کمرے میں بستر پر لیٹا تھا۔ دیوار سے تیمم کر کے اس نے لیٹے لیٹے عشاء کی نماز ادا کی۔ جونہی وہ نماز سے فارغ ہوا اس کی بیوی سراط اس کے پاس آ بیٹھی۔ عثمان ہندوستانی تھا اور سراط عربی مگر عثمان اپنی بیوی کی عربی زبان اچھی طرح سمجھتا تھا۔ سراط بھی ضرورت کے مطابق ہندوستانی بول سکتی تھی۔ وہ اپنی نرم و شیریں آواز میں بولی۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" پھر خود ہی بولی۔ "امر ناتھ کہتا تھا ابھی کچھ دیر میں جراح پھر آپ کو دیکھنے آئے گا۔"

عثمان نے سراط کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "سراط، اب آپ میرا خیال چھوڑ کر اپنا خیال کریں۔ مجھے گمان ہوتا ہے میں آئندہ سفر میں آپ کا ساتھ نہ دے سکوں گا۔"

سراط نے خاوند کے زرد چہرے پر نگاہ دوڑائی اور تڑپ کر بولی۔ "خدارا ایسی بد فال منہ سے نہ نکالیں۔ اللہ نے چاہا تو آپ چند روز میں بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔""

عثمان کھوئی نگاہوں سے بیوی کا حسین و ملول چہرہ دیکھتا رہا۔ ساتھ کی چارپائی پر اس کا معصوم بیٹا اشباح گہری نیند سویا ہوا تھا۔ عثمان نے آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور بیٹے کے نرم بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ اس وقت امر ناتھ اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوا اور بولا۔

"مالک! ہماری روانگی کا انتظام تقریباً ہو گیا ہے کل کسی وقت ایک تجارتی جہاز بھڑوچ جاتے ہوئے یہاں سے گزرے گا۔ سردار نے کہا ہے کہ جہاز راں اس کا شناسا ہے اور وہ ہمیں بخوشی سوار کر لے گا۔"

"الحمد للہ!" عثمان کے ہونٹوں سے نکلا۔ پھر اس نے کراہ کر آنکھیں بند کر لیں۔

رات کسی پہر زخمی عثمان کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی اس نے سراط سے کہا کہ میں تنہائی میں بیٹھ کر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ سراط نے فوراً کاغذ اور قلم کا بندوبست کر دیا۔ اپنے محترم شوہر کو تکیے کے سہارے بٹھا کر اور شمع دان اس کے قریب کھسکا کر وہ آنسو پونچھتی باہر نکل گئی۔۔۔ کوئی ایک پہر تک عثمان سقیل مسلسل لکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے ملازم امر ناتھ کو بلایا اور کہا کہ اس کے سامان میں سے سفید صندوقچہ لایا جائے۔ امر ناتھ نے چند ہی لمحوں میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک خوبصورت صندوقچہ حاضر کر دیا۔ یہ مضبوط صندوقچہ چوڑائی میں کم اور

لمبائی میں زیادہ تھا۔اس کی چھت پر کچھ نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور دونوں اطراف دو آہنی کھٹکے تھے۔ان کھٹکوں میں پیتل کے دو مضبوط قفل پڑے ہوئے تھے۔امرناتھ کے باہر جانے کے بعد عثمان نے اس صندوقچے میں کچھ اشیاء بند کیں اور مقفل کر کے انہیں بیوی کے سپرد کر دیا۔ پھر کہنے لگا۔

"سراط! میرے خیال میں آپ بڑی حد تک سمجھ گئی ہوں گی کہ میں نے اس میں کیا بند کیا ہے اور یہ بھی جان گئی ہوں گی کہ یہ سب کچھ آپ کو کب تک چھپائے رکھنا ہے۔اس میں ہر اُس سوال کا جواب موجود ہے جو اشباح بڑا ہو کر آپ سے پوچھ سکتا ہے۔اس میں اس کے لیے میری آخری وصیت بھی ہے۔اور آخری تحفہ بھی۔۔۔خدا آپ دونوں پر اپنی رحمتوں کا سایہ رکھے۔"

سراط نے آزردہ ہو کر کہا۔"عثمان، خدا کے لیے میری حالت پر رحم کریں۔کیوں ایسی باتوں سے میرا دل خون کر رہے ہیں۔"

عثمان نے اپنا لرزاں ہاتھ سراط کے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولا۔

"سراط! میں کل رات اللہ سے دعا کرتا رہا ہوں کہ میرا جسم لہروں کی نذر نہ ہو اور اگر مجھے موت آنی ہے تو اسی زمین پر آجائے۔آج مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اللہ نے میری دعا قبول کر لی ہے۔میرا جسم تمہارے اور بابا کے ہاتھ کی مٹی سے محروم نہ رہے گا۔جس مٹی میں ہماری ننھی زلفہ سو رہی ہے۔میں بھی اسی مٹی میں آرام پاؤں گا۔"

سراط اب زور و قطار رو رہی تھی۔بچی کا غم ہی اس کے لیے کچھ کم نہیں تھا اب محبوب شوہر بھی ابدی جدائی کی باتیں کر رہا تھا۔اس نے شوہر کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور اس پر ہونٹ رکھ کر سسکنے لگی۔

عثمان بولا۔"روئیں نہیں سراط! ناکام لوگ روتے ہیں اور خدا کی قسم ہم ناکام نہیں۔ہمارے رسول مقبول ﷺ اپنی زبان مبارک سے ہماری کامیابی کا اعلان فرما چکے ہیں۔۔۔میں سرزمینِ ہند کی تاریکیوں میں روشنی کی کرن پھوٹتے دیکھ رہا ہوں۔کسی روز اسی سمندر کے کنارے اجالوں کی بارات اترے گی اور اسلام کا پاکیزہ سویرا ہر گھر کو منور کر دے گا۔ان شاءاللہ جو زندہ رہے گا وہ یہ دن ضرور دیکھے گا۔"

اگلے روز دوپہر تک عثمان سقیل کی طبیعت کبھی سنبھلتی اور کبھی بگڑتی رہی۔داؤد بن مغیرہ نے جو رسول کریم ﷺ کا صحابی بھی تھا اپنے ہاتھوں سے داماد کو بار بار آبِ زم زم پلایا۔آخر ظہر کی نماز کے بعد عثمان کے چہرے پر نزاع کے آثار نمودار ہوئے۔اس نے اپنے نو عمر بچے کو قریب بلا کر پیشانی پر بوسہ دیا۔غمزدہ بیوی پر الوداعی نگاہ ڈالی اور کلمہ طیبہ کے ورد کے ساتھ سسکیوں کی گونج میں جان جاںِ آفریں کے سپرد کر دی۔

اسلامی طریق کے مطابق میت کو نہلا دھلا کر کفن پہنایا گیا اور بستی سے باہر کھجوروں کے جھنڈ تلے سپردِ خاک کر دیا گیا۔سرزمینِ ہند اسلام کے ایک اور شہید کو آغوش میں لے چکی تھی۔امرناتھ کہیں سے پھولوں سے بھری ہوئی ٹوکری لایا اور اشکبار آنکھوں سے یہ ٹوکری آقا کی قبر پر الٹ دی۔داؤد بن مغیرہ، سراط اور ننھا اشباح ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے جب بستی کا سردار ہانپتا ہانپتا ہوا پہنچا۔اس نے امرناتھ کو بتایا کہ جہاز لنگر انداز ہو گیا ہے۔امرناتھ نے دور سمندر پر نگاہ دوڑائی۔درختوں کے درمیان سے نیلگوں پانی کی جھلک نظر آرہی

تھی اور اس پانی پر ایک جہاز کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ ساحل پر مچھیروں کی ہلچل تھی۔ تین چار کشتیوں پر جلدی جلدی سامان بار کیا جا رہا تھا۔ یہ سامان زیادہ تو ریشم کے کپڑے، صندل کی لکڑی اور گرم مصالحوں پر مشتمل تھا۔ سامان کا مالک جو ٹھگنے قد کا ایک برہمن آبادی تاجر تھا مزدوروں کو چلا چلا کر ہدایت دے رہا تھا۔ بستی کے سردار نے امر ناتھ سے کہا۔

"آپ جلدی کیجیے۔ جہاز سے آنے والے ملاحوں نے بتایا ہے کہ انہیں آج نصب شب سے پہلے بھڑوچ پہنچنا ہے لہٰذا وہ زیادہ دیر نہیں رک سکتے۔"

امر ناتھ تمام سامان پہلے ہی ساحل پر پہنچا چکا تھا۔ تینوں گھوڑے معقول قیمت پر اس برہمن آبادی تاجر نے خرید لیے تھے۔ اب وہ یہاں سے رخصت ہونے کے لیے بالکل تیار تھے۔ سراط کچھ دیر شوہر کی قبر پر سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ پھر اُس نے ننھے اشباح کو سینے سے لگایا اور اشکبار نگاہوں سے قبر کو دیکھتی آہستہ آہستہ ساحل کی طرف بڑھنے لگی۔ ساحل تک پہنچتے پہنچتے اس نے تین چار بار مڑ کر قطر کی طرف دیکھا، یہاں تک کہ شوہر کا آخری نشان بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ بستی کے سردار نے ان چاروں کو ایک کشتی پر سوار کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ جہاز کی سمت بڑھنے لگے۔

جہاز کے اوپر رسے کی سیڑھیاں لٹک رہی تھیں اور مزدور کشتیوں کا سامان اوپر پہنچا رہے تھے۔ بستی کا سردار بھی ایک سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھ گیا۔ جہاز کے کپتان سے گفتگو کرنے کے بعد وہ واپس آیا اور اس نے بتایا کہ معاملہ طے ہو گیا ہے۔ کپتان نے اسے ساحل عرب کی تین بندرگاہوں کے نام بتائے ہیں اور کہا ہے کہ وہ

ان میں سے کسی بھی بندرگاہ کو اترنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ نام سننے کے بعد داؤد بن مغیرہ نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ سب سے پہلے امر ناتھ اشباح کو لے کر اوپر چڑھا اور اس کے پیچھے داؤد بن مغیرہ اور سراط بھی اوپر پہنچ گئے۔۔۔ کچھ ہی دیر بعد بستی کا سردار کشتی سے ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں الوداع کہہ رہا تھا۔

جہاز وہاں سے چلا تو آٹھ پہر بھڑوچ میں رکا رہا پھر کاٹھیاواڑ کے نواح سے ہوتا ہوا مغرب کی سمت روانہ ہو گیا۔ قریباً پانچ روز وہ سلامتی کے ساتھ سفر کرتے رہے۔ چھٹے روز صبح کے وقت جب وہ کھلے سمندر میں سفر کر رہے تھے انہیں سیاہ جھنڈے والا ایک جہاز نظر آیا۔ سیاہ جھنڈا دیکھتے ہی ملاحوں کے رنگ اُڑ گئے۔ سیاہ جھنڈا قزاقوں کی نشانی تھا۔ انہوں نے جہاز کا رخ موڑنے کی کوشش کی مگر اس دوران قزاقوں کا ہلکا پھلکا اور تیز رفتار جہاز ان کے سر پر پہنچ گیا۔ دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ قزاقوں نے سیڑھیاں لگا کر تجارتی جہاز پر چڑھنے کی کوشش کی مگر ہندوستانی ملاحوں نے زبردست مزاحمت سے اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔ اس دوران روغن نفت کے آتش گیر تیروں نے تجارتی جہاز کے بادبانوں میں آگ لگا دی اور ملاحوں کے لیے نیا محاذ کھل گیا۔ اب آدھے ملاح قزاقوں سے مقابلہ کر رہے تھے اور آدھے جہاز کی آگ بجھانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ قزاقوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اور ان میں سے کچھ جیالے کمندیں ڈال کر اوپر چڑھ آئے۔ جہاز پر لوٹ مار شروع ہو گئی۔ ہر طرف کہرام سا مچ گیا۔ سراط کمسن اشباح کو آغوش میں چھپائے ایک کمرے میں دبکی ہوئی تھی۔ ناگاہ کمرے کا چوبی دروازہ دھماکے سے کھلا اور چمکدار سیاہ رنگت والا ایک شرابی قزاق تلوار سونتے اندر گھس آیا۔ اپنے سامنے ایک جواں سال خوبصورت عورت کو پا کر اس کی آنکھیں بھوکے بھیڑیے کی طرح روشن ہو گئیں۔ اس نے دھمکی آمیز نگاہوں سے سراط کو سراپا گھورا اور اس کی طرف بڑھا۔ ننھا اشباح

لپک کر آگے آیا اور اپنے دانت قزاق کی عریاں ٹانگ میں گاڑ دیے۔ قزاق نے غرا کر اشباح کو اٹھایا اور بے دردی سے کاٹھ کباڑ کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ پھر وہ دوبارہ سراط کی طرف بڑھایا۔ اس وقت بغلی کھڑکی کھلی اور امرناتھ نے قزاق کو ہلاک کر دیا۔ تاہم قزاق کی آخری چیخ کام کر گئی۔ اس کے تین اور ساتھی تلواریں سونت کر امرناتھ کے سامنے آ گئے۔ ایک تلوار نے امرناتھ کی پگڑی کو گرایا اور دوسری اس کے پہلو کو چھید گئی وہ دیوانہ وار تلوار چلاتا ہوا چیخا۔

"مالکہ !" اشباح کو لے کر کھڑکی سے نکل جائیں۔ اس وقت عرشہ آپ کے لیے محفوظ رہے گا۔"

سراط نے اشباح کو اٹھایا اور کھڑکی سے نکل گئی۔ کھڑکی سے چند قدم کے فاصلے پر اس نے امرناتھ کی آخری کراہ سنی اور ایک ٹیس اس کے سینے میں ابھر کر رہ گئی۔ اشباح کے ساتھ زینے چڑھتی وہ عرشے پر پہنچ گئی۔ عرشہ ابھی تک ہندوستانی ملاحوں کے قبضے میں تھا اور وہ مورچہ جمائے قزاقوں پر تیر اندازی کر رہے تھے۔ سراط مستول کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں داؤد بن مغیرہ بھی بیٹی اور نواسے کو تلاش کرتا وہاں پہنچ گیا۔ دفعتاً سراط کو سمندری قزاقوں میں ہلچل نظر آئی۔ یہ دیکھ کر اس کے منہ سے شکر کا کلمہ نکلا کہ ایک اور تجارتی جہاز تیزی سے ان کی سمت بڑھ رہا ہے اور اس کے ملاح قزاقوں کو مشترکہ دشمن جان کر ان پر تیروں کی بارش کر رہے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں پانسہ پلٹ گیا۔ دونوں تجارتی جہازوں نے مل کر قزاقوں کو مار بھگایا۔ ان کے جو ساتھی ہندوستانی جہاز پر چڑھ آئے تھے انہیں تہہ تیغ کر دیا گیا۔ یہ دوسرا تجارتی جہاز ایک عمانی کا تھا۔ وہ بذات خود

جہاز پر موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ خبروں کے مطابق راستے میں قزاقوں نے سخت لوٹ مار مچا رکھی ہے لہٰذا دونوں جہازوں کا ساتھ ساتھ سفر کرنا مناسب رہے گا اور یہ بھی مناسب ہو گا کہ وہ معمول کے راستے سے ہٹ کر سفر کریں۔ متاثرہ بادبانوں کی مرمت اور باہمی صلاح مشورے کے بعد دونوں جہاز ایک مختلف راستے سے آگے روانہ ہوئے۔ مرنے والے ملاحوں اور قزاقوں کی لاشیں ایک ایک کر کے سمندر میں پھینک دی گئیں۔ ان لاشوں میں ایک امرناتھ کی بھی تھی۔ داؤد، سراط اور اشباح نے ہچکیوں اور آہوں میں اپنے اس وفادار ساتھی کا آخری دیدار کیا اور دوسری تلخ یادوں کی طرح اس کی یاد کو بھی ہندوستان کی خوشبو میں بسا کر ذہن کے نہاں خانوں میں رکھ لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

راستے کی تبدیلی دونوں جہازوں کو بہت مہنگی پڑی وہ راستہ بھٹک کر عرب کے ایک ویران ساحل سے جا لگے۔ کسی معروف بندرگاہ کی تلاش میں روانہ ہونے سے پہلے خوراک کی فراہمی ضروری تھی۔ اس لیے جہازوں کو لنگر انداز کر کے دونوں جہازوں کے مسافر خشکی پر اتر آئے۔ یہیں پر داؤد بن مغیرہ نے فیصلہ کیا کہ وہ جہاز والوں سے اجازت چاہے گا اور اپنی منزل کی تلاش سمندر کی بجائے خشکی کے راستے کرے گا۔ اس نے کپتان کو طے شدہ معاوضہ دیا اور اپنے سامان کے ساتھ ساحل پر اتر گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی ساحلی بستی تھی۔ اس بستی سے انہوں نے تین اونٹوں کے علاوہ پانی اور خوراک کی وافر مقدار خریدی اور جزیرہ نمائے عرب کے سینے پر رواں ہو گئے۔ در حقیقت داؤد بن مغیرہ رسول ﷺ خدا کے شہر مدینے کا رہائشی تھا لیکن مدینہ اور اس جیسے دوسرے شہر اسے وہ پناہ فراہم نہیں کر سکتے تھے جس کی اسے ضرورت تھی۔ اس کی بیٹی اور نواسے

کے دشمن بہت دور تک پہنچ سکتے تھے۔ ہندوستان اور عرب کا طویل فاصلہ بھی ان کے نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

دو ہفتے کے جاں گسل سفر کے بعد داؤد بن مغیرہ قبیلہ بن عمار میں پہنچا۔ یہ قبیلہ عرب کے دور دراز ریگستانی حصے میں آباد تھا۔ یہاں سے نزدیک ترین شہر عدن تھا اور اس کا فاصلہ بھی بیس روز کے سفر سے کم نہیں تھا۔ قبیلہ بنو عمار کا ایک شخص عرصہ پہلے اپنے دشمنوں کی قید سے بھاگ کر مدینہ پہنچا تھا اور اس نے خلیفہ وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مخالف قبیلے کے مظالم کی داستان سنائی تھی۔ طلحہ نامی اس شخص کو دربارِ خلافت تک پہنچانے میں داؤد بن مغیرہ نے بہت تعاون کیا تھا۔ اس وقت سے داؤد اور طلحہ میں دوستی کا رشتہ استوار ہوا تھا اور بعد کے برسوں میں ایام حج کے دوران کئی مرتبہ مکہ مکرمہ میں ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ اب طلحہ سے ملے داؤد کو کئی برس بیت چکے تھے۔ اسے اس کی خیریت کے بارے کچھ معلوم نہیں تھا، بہر حال ایک موہوم امید کے سہارے وہ بنو عمار آ پہنچا تھا۔

خدا کی شان کہ بنو عمار کی صحرائی بستی میں جس تیسرے شخص سے داؤد کی ملاقات ہوئی وہ طلحہ ہی تھا۔ وہ ایک خچر پر پانی کے دو مشکیزے رکھے جا رہا تھا۔ مشکیزوں کے علاوہ ڈیڑھ دو برس کی ایک بچی بھی خچر پر سوار تھی۔ طلحہ نے داؤد کو اور داؤد نے طلحہ کو پہچانا پھر دونوں بوڑھے بھاگ کر ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ عربی رسم کے مطابق ایک دوسرے کے گالوں کو بوسے دینے کے بعد وہ جدا ہوئے اور تب طلحہ کی نگاہ اونٹ پر سوار سراط اور اشباح پر پڑی۔ اس نے داؤد سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا۔ داؤد بے بسی سے اپنے دوست کی

طرف دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے ہونٹ تھرا رہے تھے اور آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے۔ طلحہ نے اسے جھنجھوڑ کر کہا۔

"کیا بات ہے میرے دوست، تم بولتے کیوں نہیں؟"

پردے کی اوٹ سے سراط نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔

"محترم بزرگ! یہ بول نہیں سکتے۔"

طلحہ حیرانی سے بولا۔ "کیا ہوا اسے؟ کیوں بول نہیں سکتا۔ اس کی آواز تو شہد سے میٹھی اور نغموں سے رسیلی تھی۔"

سراط نے ایک ہچکی لے کر کہا۔ "محترم! یہ۔۔۔ یہ اپنی زبان سے محروم ہو چکے ہیں۔"

طلحہ کرب کے عالم میں کبھی داؤد اور کبھی پردہ نشین عورت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے داؤد کی پیشانی پر ایک گول سا داغ بھی نظر آ رہا تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کا دوست سنگین حادثوں سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہے۔ بہت سے سوالات اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے مگر مہمانوں کا آرام ان سب پر مقدم تھا۔ اس نے حواس پر قدرے قابو پا کر کہا۔

"بیٹی۔ اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تو داؤد کی بیٹی ہے میں نے ایک دفعہ تجھے یثرب میں دیکھا تھا۔ اس وقت تو بہت چھوٹی تھی۔ میں تیرے باپ کا ہم عمر ہوں بیٹی۔ مجھ سے پردہ کیسا میرا نام طلحہ ہے۔"

طلحہ کا نام سن کر سراط نے لرزاں ہاتھوں سے نقاب الٹ دی۔ طلحہ نے غور سے اس کی صورت دیکھی اور بولا۔ "بیٹی، تمہارا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔ تم تو کافی علیل لگتی ہو۔"

ننھا اشباح توتلی زبان میں بولا۔ "میری امی جان کو دو روز سے سخت بخار ہے۔"

طلحہ آگے بڑھا اور اس نے اونٹ کی نکیل تھام کر اسے بٹھا دیا۔ پھر بولا۔ "آؤ بیٹی گھر قریب ہی ہے۔"

سراط نے رضامندی حاصل کرنے کے لیے ایک نظر باپ کی طرف دیکھا۔ اس نے آنکھوں آنکھوں میں بتایا کہ یہ شخص تیرے لیے باپ سے کم محترم نہیں۔

سراط بدقت تمام اونٹ سے اتری۔ مگر ابھی بمشکل اس کے پاؤں زمین سے لگے تھے کہ اسے چکر سا آگیا اور وہ تیورا کر ریت پر جا گری۔ داؤد اور طلحہ نے لپک کر اسے تھاما۔ پھر طلحہ نے ایک مشکیزے سے پانی نکال کر سراط کے چہرے پر چھینٹے دیے۔ کچھ دیر بعد اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔ بخار کی غنودگی میں نیم وا آنکھوں سے خچر کی طرف دیکھا پانی کے مشکیزوں پر بیٹھی ہوئی بچی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ خچر پر ایک بوسیدہ سا چھتر نما سائبان تھا جس نے بچی کے آدھے چہرے پر چھاؤں کر رکھی تھی۔ دھوپ چھاؤں میں بیٹھی ہوئی یہ معصوم بچی سراط کو ہو بہو اپنی زلفہ لگی۔ وہ بھی تو اسی عمر کی تھی اور ایسے ہی اجنبیوں کو دیکھ کر شرمیلی مسکراہٹ چہرے پر سجایا کرتی تھی۔ سراط اٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی بچی کی طرف بڑھی، پھر بچی کو سینے سے چمٹا کر زلفہ زلفہ پکارنے اور رونے لگی۔ یہ منظر دیکھ کر داؤد بن مغیرہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

طلحہ نے ان مناظر کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ کر ننھے اشباح کو اونٹ سے اٹھا لیا اور بانہوں میں لے کر پیار کرنے لگا۔ پھر بولا۔ "اگر میں غلط نہیں سمجھ رہا تو یہ تمہارا نواسا ہے۔"

داؤد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس دوران طلحہ نے دو آدمیوں کو گلی سے گزرتے دیکھا اور انہیں زور زور سے پکارنے لگا۔ یہ اس کے نوکر چاکر معلوم ہوتے تھے۔ اس نے انہیں حکم دیا کہ اونٹوں کو سائے میں لے جا کر پانی دیں اور سامان اتار کر اندر گھر میں پہنچا دیں۔ پھر اس نے اشباح کو بچی کے ساتھ خچر پر بٹھایا اور داؤد اور سراط کو لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر میں طلحہ کے بیوی بچوں نے روایتی گرمجوشی سے مہمانوں کا استقبال کیا۔ ظہر کی نماز کے بعد دونوں دوست اطمینان سے بیٹھے اور تفصیلی گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ اس گفتگو میں ایک دوست زبان استعمال کر رہا تھا اور دوسرا کاغذ و قلم۔ داؤد بن مغیرہ نے طلحہ کو چیدہ چیدہ حالات بتائے جن سے وہ پچھلے پانچ برسوں میں گزرتا رہا تھا۔ طلحہ حیرت کے دریا میں غوطے کھاتا رہا۔ آخر جب داؤد کی روئیداد ختم ہوئی تو طلحہ نے اسے مقامی حالات سے آگاہ کرنا شروع کیا۔ اس نے بتایا کہ قبیلہ بنی سفال سے ان کی دشمنی بدستور جاری ہے۔ اس نے کہا۔

"جیسا کہ تم جانتے ہو اس قدیم رقابت کا سبب وہ کنواں ہے جو ہمارے جدامجد عمار بن مصعب نے کھدوایا تھا اور جس پر بنی سفال اپنا حق جتاتے ہیں۔ آج وہ کنواں پھر اس کے قبضے میں ہے۔ ہمیں پانی حاصل کرنے کے لیے کئی کوس دور جانا پڑتا ہے۔ پچھلے برس ہم نے کنواں حاصل کرنے کے لیے ایک حملہ کیا تھا مگر کشت و خون کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ میرا بیٹا شرجیل بھی اسی لڑائی میں شہید ہوا ابھی تم نے میرے ساتھ جو بچی خچر

پر دیکھی تھی وہ اس کی بیٹی ہے۔ اس کا نام ہلابہ ہے۔ ہلابہ کی ماں بھی اسی جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوگئی تھی۔ اب اس بچی کی پرورش میں کر رہا ہوں۔۔۔"

دونوں دوست دیر تک ایک دوسرے کو اپنے اپنے حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ جب بستی میں مغرب کی اذان ہوئی تو طلحہ اپنے دوست کو قائل کر چکا تھا کہ جب تک دوسری رہائش کا انتظام نہیں ہوتا وہ سراط اور اشباح کے ساتھ اس کے گھر میں مقیم رہے۔

داؤد بن مغیرہ نے اپنے دوست کو زیادہ دیر تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے پاس اب بھی کافی رقم بچی ہوئی تھی۔ چند روز بعد اس رقم سے اس نے طلحہ کے پڑوس میں ایک مکان خرید لیا۔ بعد ازاں اس کی تعمیر میں کچھ تبدیلیاں کر کے اپنی ضرورت کے مطابق بنا لیا۔ کوئی تین ہزار درہم خرچ کر کے اس نے بکریوں کا ایک ریوڑ خریدا اور بستی کے سب سے مشاق اور تجربہ کار چرواہے کے سپرد کر دیا۔ کچھ رقم اس نے بستی کی دو خستہ مساجد کی تعمیرِ نو کے لیے دے دی۔ اس سے جہاں اسے روحانی سکون حاصل ہوا وہاں قبیلے میں بھی اسے ایک مہربان اور نیک شخص کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا۔

سراط اب تندرست تھی۔ ننھا اشباح بہت حد تک ماحول سے مانوس ہو گیا تھا۔ آغازِ تعلیم کے لیے ابھی اس کی عمر کم تھی مگر پھر بھی سراط اسے پڑھانے کی کوشش کرتی تھی۔ قرآن پاک کے علاوہ وہ اسے ہندوستانی زبان سکھانے پر بھی خاص توجہ دیتی تھی۔ جہاں تک تیغ زنی اور دیگر فنونِ حرب کا معاملہ ہے ان قبائل میں بچوں کو یہ سب سکھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ جیسے مچھلی پانی میں خود بخود تیرنا سیکھتی ہے ایسے ہی اس جنگجو آنہ

ماحول میں بچے آپوں آپ حرب وضرب کے ماہر ہو جاتے تھے۔ فارغ وقت میں اشباح ہلابہ کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ یا گھر کے سامنے کھلے میدانوں میں نوعمر لڑکوں کے درمیان ہونے والی مصنوعی لڑائیاں دیکھتا۔ ان لڑائیوں میں لمبے قد کا ایک عقیل نامی لڑکا بہت نمایاں رہتا تھا، عموماً وہ دو سپہ سالاروں میں سے ایک کا کردار ادا کرتا تھا مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ ہلابہ اور اشباح کو یہ لڑکا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت غصیلا تھا اور بات بات پر ساتھی بچوں کو ڈانٹ دیتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۔۔۔اور پھر اسی طرح اٹھارہ برس گزر گئے۔ اٹھارہ برسوں کے ان گنت سورج آگ برساتے اس قطعہ صحرا سے گزرے اور لاتعداد چاند وستارے قافلوں کو منزلوں کا سراغ دے کر آغوشِ سحر میں گم ہو گئے۔۔۔
اشباح اب جوان تھا۔ ریگزار کے جلتے ہوئے سینے پر اسے لو کے تھپیڑوں اور نامہربان موسموں نے پالا تھا۔ وہ جس ماحول میں پروان چڑھا تھا وہاں زندگی جہدِ مسلسل کا دوسرا نام تھی۔ وہی زندہ رہتا تھا جس کے بازوؤں میں طاقت اور سینے میں حوصلہ تھا جو اپنے حق کے لیے لڑ سکتا تھا اور خون بہا سکتا تھا۔ کیا مرد اور کیا عورتیں سب کو اپنی بقا کے لئے آمادہ پیکار رہنا پڑتا تھا۔

مکہ کے افق سے اسلام کا نور پھوٹے قریباً 104 سال ہو چکے تھے۔ اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ اس وقت دمشق تھا اور خلافت ولید بن عبدالملک کے سپرد تھی۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ روم ایران اور افریقہ تک وسیع ہو چکا تھا۔ مگر صحرائے عرب میں ابھی کچھ قبیلے ایسے بھی تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے یا مرکز سے دوری

کی بناپرانہوں نے اس عظیم سچائی کو قبول نہیں کیا تھا۔یہ کافریامرتد قبائل جہاں کثرت میں تھے وہاں مسلمانوں سے ان کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔قبیلہ بنوعمار اوراس کے پڑوسی بھی ہمیشہ ایک دوسرے سے نبرد آزمارہتے تھے۔بڑا جھگڑا اسی کنویں کا تھا۔ان قبیلوں میں چونکہ بنوعمارہی مسلمان تھے اوران کا حق بھی کنویں پر زیادہ تھااس لیے باقی ماندہ تین قبیلوں نے آپس میں اتحاد کررکھا تھااور بنوعمار کے خلاف جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔آج کل ان تین قبیلوں کے غضب کواس لیے بھی ہوا ملی ہوئی تھی کہ ڈلال نامی وہ مشہور کنواں جواس تنازعے کا سبب تھابنوعمار کے قبضے میں آگیا تھا۔اس کنویں کے بنوعمار کے قبضے میں آنے کی کہانی عجیب وغریب تھی۔

کچھ ماہ پہلے شعبان کے پہلے عشرے میں زہار نامی ایک گھڑسوار قبیلے میں پہنچا۔قبیلے والوں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ وہ اس گھڑسوار کے بارے میں پہلے بھی بہت کچھ سن چکے تھے۔سفید گھوڑے کا یہ سوار سنہری لباس میں ملبوس رہتا تھااوراس کے چہرے کوایک سنہری نقاب چھپائے رکھتی تھی۔شایداسی لیے لوگ اسے سنہری شاہین کے نام سے پکارنے لگے تھے۔پچھلے کئی مہینوں سے اس سنہری شاہین نے بہت سے اہم مقامات پر اپنی موجودگی ثابت کی تھی۔دوتین قافلے صرف اس زہار عرف سنہری شاہین کے سبب ڈاکوؤں کی دستِ برد سے محفوظ رہے تھے۔پھراس سال کے دوسرے مہینے میں اس سنہری شاہین نے بنی سفال کی بستی میں گھس کرایک قید خانہ توڑڈالا تھااور بنوعمار کے بہت سے بے گناہ قیدیوں کو رہائی دلائی تھی۔اس کے علاوہ بھی بہت سے اہم اور غیراہم واقعات "سنہری شاہین" سے منسوب کیے جاتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ جب اس دن بنوعمار کے لوگوں نے سنہری شاہین کو پانچ نقاب پوش ساتھیوں کے ساتھ بستی کے چوراہے میں کھڑے

پایاتواسے فوراً پہچان گئے۔قبیلے کا بوڑھا سردار ابوحارث خود بھی کانپتا کانپتا موقعے پر پہنچ گیا۔سب لوگ سنہری شاہین کی آواز سننے کے لیے بے تاب تھے۔اس نے تقریر کرنے والے انداز میں نہایت بارعب لہجے میں کہا۔

"بنوعمار! اگر میں کہوں کہ تم لوگوں کی مدد کے لیے آیا ہوں تو کیا تم یقین کرلوگے؟"

قبیلے کے ایک معتبر بزرگ نے کہا۔"اے نوجوان! ہم نے تجھے نیک نام اورانصاف پسند پایا ہے۔اس لیے ہمیں کوئی شبہ نہیں کہ تم درست کہہ رہے ہو۔مگر کیا تم بتاؤگے کہ کس سلسلے میں ہماری مدد کرنا چاہتے ہو؟"

سنہری شاہین نے ٹھوس لہجے میں کہا۔"اس کنویں کے سلسلے میں جو پچھلے اٹھارہ برس سے تمہارے دشمن قبیلے بنی سفال کے ناجائز قبضے میں ہے۔"

یکایک مجمعے میں جوش وخروش کی لہر دوڑگئی اور وہ سب مرحبامرحبا پکارنے لگے۔بستی کے سردار نے بلند جگہ کھڑے ہوکر لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے خاموش کرایااور سنہری شاہین کی طرف رخ کرکے بولا۔"اے نوجوان! ہمیں تیری شجاعت اور نیک نامی میں کلام نہیں۔مگر ہم ایک ایسے شخص کی معاونت کو کیونکر قبول کرسکتے ہیں کہ جس کا حسب نسب ہمیں معلوم نہیں اور ہم جس کی صورت تک نہیں پہنچانتے۔"

ٹھیک ہے اگر آپ اپنی حق رسی سے زیادہ میری صورت کو اہمیت دیتے ہیں تو میں جارہا ہوں۔"اس نے لاپرواہی سے گھوڑا موڑااور واپس چل دیا۔قبیلے والے کچھ دیر تو ششدر کھڑے رہے،پھر وہ شور کرنے لگے اوراپنے سردار کو نظرانداز کرکے سفید گھوڑے کے سامنے کھڑے ہوگئے۔سنہری شاہین کو مجبور کرنے لگے

کہ وہ سردار کی بات سے خفا ہو کر ان کی اعانت سے ہاتھ نہ اٹھائے۔ قبیلے کے معززین نے رائے عامہ کا بہاؤ دیکھ کر سردار کو بھی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔

زہار عرف سنہری شاہین نے قبیلے والوں کو بتایا کہ اسے اپنے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کنویں کا قابض قبیلہ بنی سفال اپنے حلیف قبیلے بنو حنان کے ساتھ اندرونی خلفشار کا شکار ہے۔ اس پھوٹ نے تینوں قبیلوں کے اتحاد کو کمزور کر دیا ہے اور اگر اس وقت حملہ کیا جائے تو ان پر ضرب کاری لگائی جا سکتی ہے۔

کچھ بحث و تمحیص کے بعد قبیلے والوں نے اپنے اجنبی معاون کی بات مان لی۔ راتوں رات تیاری کی گئی اور علی الصبح بنو عمار کیل کانٹے سے لیس ہو کر بنی سفال پر جا پڑے۔۔۔ سنہری شاہین کا فیصلہ سو فیصد درست نکلا۔ بنی سفال کو زبردست شکست ہوئی۔ نہ صرف وہ کنویں کے قبضے سے محروم ہو گئے بلکہ میدانِ جنگ میں ان کے سو آدمی مارے گئے اور بہت سا مالِ غنیمت بنو عمار کے ہاتھ میں آیا۔ اس لڑائی میں سنہری شاہین کی جانبازی اور شجاعت نے قبیلے والوں کو گرویدہ کر لیا۔ مگر سنہری شاہین زیادہ دیر ان کے قبیلے میں نہیں رکا۔ اگلے ہی روز اس نے کنویں اور اس سے ملحقہ باغ کے گرد ایک مضبوط دیوار چنوانے کا حکم دیا۔ دیوار مکمل ہوئی تو اس نے قبیلے کے منتخب جانبازوں کو کنویں کی حفاظت پر معمور کیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خاموشی سے واپس چلا گیا۔

۔۔۔اور اب ان واقعات کو قریباً چھ ماہ گزر چکے تھے۔ ہم ایک بار پھر داؤد کے نواسے اشباح بن سقیل کی طرف آتے ہیں۔ مغرب کی نماز پڑھ کر نمازی مسجد سے باہر نکلے تو ان میں سب سے نمایاں قد کاٹھ کا شخص

اشباح تھا۔ چوڑے شانے، روشن پیشانی اور دلکش مسکراتا ہوا چہرہ۔ وہ ہند و عرب کی خوبصورتی کا دلنواز امتزاج تھا۔ وہ اپنے نانا داؤد بن مغیرہ کو سہارا دیتا ہوا لا رہا تھا۔ داؤد حالانکہ خود چل سکتا تھا مگر اشباح کا معمول تھا کہ وہ مسجد سے گھر آتے وقت نانا کا بازو تھامے رکھتا تھا۔ مسجد سے گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک گھنی کھجور کے نیچے سے گزر کر انہوں نے جونہی گھر کی دہلیز پار کی سامنے سراط نظر آئی۔ وہ اپنے چاندی سے بالوں پر موٹی اوڑھنی جمائے ایک بکری کا دودھ دھونے میں مصروف تھی۔ جوان بیٹے کو دہلیز پار کرتے دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سا اطمینان کروٹیں لینے لگا۔ مگر پھر جلد ہی اس اطمینان میں ایک دھیمی سی مسکراہٹ بھی شامل ہو گئی۔ وہ زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔ اشباح نے ماں کی اس مسکراہٹ کو محسوس کیا اور جاننے کی کوشش کرنے لگا کہ آخر وہ کیوں مسکرا رہی ہے۔ کیا آج پھر اس کی پیشانی میں مسجد کی چٹائی کا کوئی تنکا چپکا ہوا ہے۔ اس نے غیر ارادی طور پر ہاتھ پھیرا، پیشانی بالکل صاف تھی۔

"کیا بات ہے امی جان، آپ ہنس رہی ہیں۔"

"کچھ نہیں بیٹا۔" سراط نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

اشباح بولا۔ "ہٹیے، میں دودھ دھو دیتا ہوں۔"

سراط بولی۔ "نہیں۔ تم اپنے نانا کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھو میں ابھی کچھ دیر میں کھانا لاتی ہوں۔" اس وقت اشباح کی نگاہ صحن کے کونے کی طرف اٹھ گئی۔ گھاس کے چھپر تلے سے اس کا گھوڑا غائب تھا۔ وہ بے چینی سے بولا۔

"امی جان! گھوڑا کدھر گیا؟"

سراط کے ہونٹوں پر پھر مسکراہٹ دوڑ گئی بولی۔ "باہر کھجور سے بندھا ہو گا۔"

اشباح پریشانی سے بولا۔ "کھجور کے ساتھ نہیں ہے۔ میں ابھی دیکھ کر آرہا ہوں۔"

سراط بولی۔ "پھر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟"

اشباح الجھا ہوا سا باہر نکلا تو گھوڑا واقعی موجود تھا اور پسینے میں شرابور بری طرح ہانپ رہا تھا۔۔اب ساری بات اشباح کی سمجھ میں آگئی۔ ماں کی مخصوص مسکراہٹ کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ چچا طلحہ کی بیٹی ہلابہ اس کی غیر موجودگی میں گھوڑا لے گئی تھی۔ پھر جب وہ نانا کے ساتھ ڈیوڑھی سے صحن میں داخل ہو رہا تھا وہ گھوڑا واپس لائی تھی۔ مگر اسے دیکھ کر خاموشی سے واپس چلی گئی تھی اور گھوڑا کھجور سے باندھ گئی تھی۔

سوچتے سوچتے اس نے چونک کر دائیں طرف دیکھا تو ہلابہ اپنے گھر کی کھڑکی میں نظر آئی۔ تھوڑے سے پٹ کھولے وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جسم پر پھولدار قبا تھی۔ سرخ اوڑھنی کو سر پر جمانے کے لیے اس نے ریشمی ڈور لپیٹ رکھی تھی۔ ایک انگلی دانتوں میں دبائے وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ ملگجے اندھیرے میں اس کا چہرہ دن کی طرح دمک رہا تھا۔

اشباح دانت پیس کر رہ گیا۔ بھڑک کر وہ چچا طلحہ کے گھر کی طرف بڑھا تو ہلابہ فوراً کھڑکی سے غائب ہو گئی اور جب وہ ان کے دروازے پر پہنچا تو وہ دروازے کی دوسری طرف پہنچ چکی تھی۔ ملتجیانہ لہجے میں بولی۔ "اشباح

بھائی۔ خدا کی قسم میں زیادہ دور نہیں گئی تھی۔ اگر تم خفا ہوتے ہو، تو میں معافی مانگتی ہوں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"

اس کی منت سماجت سن کر اشباح سمجھ گیا کہ چچا یقیناً گھر میں ہیں۔ ورنہ وہ اتنی جلدی شرمندہ ہونے والی کہاں تھی۔ ایسے موقعوں پر تو وہ صاف مکر جایا کرتی تھی۔ اشباح نے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زور سے کہا۔

"میرا گھوڑا ہانپ ہانپ کر ہلکان ہو رہا ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ زیادہ دور نہیں گئی تھی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم شعب ابوریاض سے ہو کر آئی ہو۔"

اس نے یہ فقرہ کافی زور سے کہا تھا اور اگر چچا طلحہ گھر میں تھے تو انہیں اب باہر آنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ مگر یہ دیکھ کر اشباح کو حیرت ہوئی کہ دوسری جانب چچا طلحہ کے قدموں کی چاپ سنائی نہیں دی۔ اس نے مزید اطمینان کے لیے دروازہ کھٹکھٹایا مگر لگتا تھا کہ گھر میں ہلابہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ باپ کی غیر موجودگی میں بھی وہ ایسا معذرت کا رویہ اختیار کر رہی تھی۔ اشباح نے اس کی معذرت قبول کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر آئندہ تم نے یہ حرکت کی تو میں ایک لمحہ سوچے بغیر چچا جان سے شکایت کر دوں گا۔"

ہلابہ نے یہ تنبیہہ بھی خندہ پیشانی سے قبول کی۔ اشباح واپس ہوا اور کھجور سے گھوڑا کھول کر ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ گھوڑا دو تین قدم ہی چلا تھا کہ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ لنگڑا رہا ہے۔ اس نے بے تابی سے اس کی ٹانگیں دیکھیں۔ دائیں ٹانگ کے گھٹنے پر چوٹ کا نشان تھا اور خون رس رہا تھا۔ اس مرتبہ اشباح سچ مچ کھول کر

رہ گیا۔اب اسے یہ بھی سمجھ آرہی تھی کہ ہلابہ نے اتنا معذرت خواہانہ رویہ کیوں اختیار کیا۔وہ گھوڑے کو نہ صرف ہلکان بلکہ زخمی بھی کرلائی تھی۔گھوڑے کو سائبان تلے باندھتے ہی وہ غصے میں بھرا ہوا باہر نکل گیا اور نہایت سنجیدگی سے چچا طلحہ کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

"کون؟" ہلابہ کی ڈری ہوئی آواز آئی۔

اشباح نے بے پناہ سنجیدگی سے کہا۔"دروازہ کھولا ہلابہ!"

ہلابہ ہکلائی۔"کک۔۔۔کیا ہے۔"

اشباح پھر دھاڑا۔"میں کہتا ہوں دروازہ کھولو۔"

جواب میں بھاگتے قدموں کی آواز آئی۔ہلابہ شاید اندر چلی گئی تھی۔ذرا دیر بعد دیوار کی منڈھیر پر مٹی کی چھوٹی سی ہنڈیا نظر آئی۔اس میں سے دھواں برآمد ہو رہا تھا اور گندھک کی بو آرہی تھی۔ہنڈیا کے پیچھے ایک سفید ہاتھ اپنی جھلک دکھا کر غائب ہوگیا اور دروازے کی اوٹ سے ہلابہ کی دلکش مگر لرزاں آواز آئی۔

"یہ مرہم لے لو۔۔۔بڑی اچھی ہے۔۔۔میں نے ابھی بنائی ہے۔"

اشباح نے مرہم کی ہنڈیا اٹھائی۔کبھی وہ سیاہ رنگ کی مرہم کی طرف دیکھتا اور کبھی دروازے کی طرف۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اسے ہلابہ پر غصہ آرہا ہے یا اس کی حالت پر ترس آرہا ہے۔ان اٹھارہ سالوں میں کئی ایسے مواقع آئے تھے جب اس نے اس طرح سوچا تھا۔ہلابہ نے اپنی شوخ نازک انگلیوں سے کئی بار اس کے

دل کے تار چھیڑے تھے مگر ان تاروں کی آواز اشباح کے کانوں میں زیادہ دیر کبھی نہیں گونجی تھی۔چند لمحوں کے لیے اس نے کبھی ہلابہ کے بارے میں سوچا بھی تھا تو بہت جلد کوئی دوسری سوچ اس کے ذہن پر غالب آ گئی تھی۔درحقیقت وہ کسی اور مزاج کا آدمی تھا۔اس کی پرورش جس گود میں ہوئی تھی اس گود میں اسے لوریوں کی جگہ رجز سننے کو ملے تھے اور کہانیوں کی جگہ معرکوں کی روئیداد کانوں میں پڑی تھی۔۔۔پھر بھی آخر وہ انسان تھا اور صحرا کا حسن جو خدا تعالیٰ نے ہلابہ کی صورت چند انسانی نقوش میں مقید کر دیا تھا اسے کبھی کبھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتا تھا۔کوئی آواز سرگوشیوں میں اسے کہتی تھی۔"اشباح، میری طرف دیکھو۔ مجھ سے محبت کرو۔مجھے چاہو۔"اشباح دھواں اگلتی ہنڈیا لیے اپنے ردِ عمل کا فیصلہ کر رہا تھا کہ اچانک اسے چونکنا پڑا۔ایک شخص معنی خیز انداز میں کھنکارتا ہوا اس کے پاس سے گزر گیا تھا۔اشباح ہنڈیا وہیں چھوڑ کر جلدی سے اس شخص کے پیچھے چل دیا۔سفید قبا اور سیاہ عمامے میں ملبوس وہ پُراسرار شخص تیز تیز قدم اٹھاتا ایک جانب جا رہا تھا۔تنگ گلیوں سے گزرتا ہوا وہ بستی سے باہر نکل آیا۔اشباح اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"کیا خبر ہے؟"اشباح نے پوچھا۔

سیاہ عمامے والا بولا۔"نہایت اہم خبر ہے جناب۔۔۔بنی سفال،بنی حنان اور بنی لہب کے چیدہ چیدہ سردار اس وقت بنی سفال میں جمع ہو رہے ہیں اور ہم پر حملے کی پوری پوری تیاری کرلی گئی ہے۔کوئی تیس اونٹ، پچاس جنگی گھوڑے اور بہت سا ساز و سامان بنی سفال پہنچ چکا ہے۔آج دوپہر سے تینوں قبیلوں کے رضاکار جنگی ترانے گاتے ہوئے ٹولیوں کی شکل میں سردار عتبہ کے مکان پر جمع ہو رہے ہیں۔راستوں کی سخت نگرانی کی جا رہی ہے تاکہ یہ خبر پھیلنے نہ پائے۔میں نہایت مشکل سے بچتا بچاتا آپ تک پہنچا ہوں۔اگر قبیلے کی سلامتی

درکار ہے تو فوراً تیاری کرلیجئے۔ دشمن سخت غضب ناک ہے اور قرائن بتاتے ہیں کہ صبح تک ضرور حملہ ہو جائے گا۔"

اشباح سکتے کے عالم میں یہ خبریں سن رہا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے چہرے پر خون کی سرخی جمع ہونے لگی اور آنکھوں میں عقابی چمک جاگ اٹھی۔ اس نے سیاہ عمامے والے سے کہا۔

"یاسر! کیا تم نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟" یاسر کا جواب اثبات میں تھا۔ اس نے کہا۔

"جناب! نہ صرف میں نے سب کچھ دیکھا ہے بلکہ بہت کچھ سن کر بھی آرہا ہوں۔ سردار عتبہ نے اپنے حلیف سرداروں سے عہد لیا ہے کہ اس دفعہ وہ میدان میں پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ اگر کسی قبیلے کے کسی شخص نے میدانِ جنگ میں بزدلی دکھائی تو اسے کچے چمڑے میں سلوا کر زندہ دفن کر دیا جائے گا۔ تمام سرداروں نے قسم کھائی ہے کہ وہ پچھلی جنگ میں کام آنے والوں کے خون کا حساب یوں لیں گے کہ ہر مقتول کے بدلے دس افراد کے سر قلم کیے جائیں گے اور۔۔۔"

یاسر کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ اشباح نے کہا۔

"ہاں بولو۔۔۔ بولو۔"

یاسر نے کہا۔ "جناب، سچ پوچھیں تو اس دفعہ ہمارے دشمنوں نے ہمیں مٹانے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہے۔ وہ اس دفعہ نہ صرف "زلال" کا قبضہ حاصل کرنا چاہتے ہیں بلکہ پوری قوت سے حملہ کرکے ہمیں ملیامیٹ کر دینا چاہتے ہیں اور اپنی کامیابی کا انہیں اتنا بھروسہ ہے کہ ملعونوں نے ابھی سے ہمارے گھروں اور عیال کی بندر

بانٹ کرلی ہے۔ بنی سفال اور بنی حنان کے سرداروں میں اس بات پر معمولی تکرار بھی ہوئی تھی کہ۔۔۔"

یاسر پھر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

اشباح دانت پیس کر غرایا۔ "یاسر! میں سب کچھ ایک سانس میں سننا چاہتا ہوں۔"

یاسر نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔ "ان کے منہ میں خاک۔ وہ اس بات پر جھگڑ رہے ہیں کہ ہمارے محترم سردار ابو حارث کی جوان بیٹیوں پر کون قبضہ کرے گا اور ان کے گھوڑے کس کے تصرف میں آئیں گے۔"

اشباح نے ایک طویل اور گہری سانس لی پھر یاسر کو ضروری ہدایات دیتا ہوا واپس بستی کی طرف لپکا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سردار ابو حارث کے مکان میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ سردار ابو حارث کھجور کی چٹائی پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ قبیلے کے معززین نے اس کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا اور روزمرہ کے معمولات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اشباح نے السلام علیکم کہا اور بغیر کسی تمہید کے حاضرین کو اپنی معلومات سے آگاہ کر دیا۔ ابو حارث کے جھریوں بھرے چہرے پر فکر و تردد کے آثار نمودار ہوئے۔ دوسرے اصحاب بھی پریشانی سے اشباح کی طرف دیکھنے لگے۔

عقیل نامی ایک طویل قامت سخت گیر نوجوان نے جو سردار ابو حارث کا بھتیجا تھا گھور کر اشباح کو دیکھا۔ یہ وہی عقیل تھا جو بچپن کی مصنوعی لڑائیوں میں سپہ سالار کا کردار ادا کیا کرتا تھا اور سخت گیری کے سبب تمام بچے اس سے خوف کھاتے تھے۔ اس نے اشباح سے کہا۔

"اشباح بن عقیل، کیا تمہیں اپنی معلومات پر مکمل بھروسا ہے؟"

اشباح نے کہا۔ "عقیل! آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں بھروسے کے بغیر کوئی بات نہیں کرتا۔"

عقیل نے کہا۔ "اس کے باوجود، ہمیں تصدیق کے لیے اپنے آدمی بھیجنا پڑیں گے۔ کوئی بھی بڑا قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں صورتِ حال کا مکمل علم ہونا چاہیے۔"

اشباح نے بھڑک کر کہا۔ "آپ کے آدمی جائیں گے ضرور مگر واپس نہیں آئیں گے۔ میری معلومات کے مطابق راستوں کی سخت نگرانی کی جارہی ہے۔۔۔ اور مجھے کہنے دیجئے کہ جب کبھی بھی مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی ہے اس کا سبب آپ جیسے مصلحت کوش اور حجت ساز رہے ہیں۔۔۔ آپ رات بھر معلومات حاصل کرتے رہیئے اور علی الصبح دشمن ہمارے گھروں پر چڑھ آئے گا۔"

اشباح کے لہجے کی بے قراری اور تڑپ کو سب حاضرین نے محسوس کیا۔ اس سے پہلے کہ عقیل، اشباح کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کی کوشش کرتا، سردار ابو حارث نے اسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش کر دیا اور کہا۔

"بیٹا اشباح! اگر ہم پر واقعی حملہ ہونے والا ہے تو سب سے پہلے میں تمہاری رائے پوچھنا چاہوں گا کہ کیا کیا جائے۔"

اشباح نے ادب سے کہا۔ "آپ بزرگوں کی موجودگی میں، میں کوئی قابل قدر رائے نہ دے سکوں گا۔"

سعد نامی ایک شخص نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ پچھلے برس ہم نے بستی کے تین اطراف جو خندق کھودی تھی اسے دوبارہ صاف کر دیا جائے اور دشمن کو ابو ریاض کے ٹیلوں کی جانب سے حملہ آور ہونے پر مجبور کیا جائے۔ ہم چونکہ بلندی پر ہوں گے لہٰذا انہیں سخت مشکل پیش آئے گی۔"

اس بات پر اشباح سے چپ نہیں رہا گیا۔ وہ بے تابی سے بولا۔ "محترم بزرگ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کل صبح تک ہم نصف خندق بھی صاف نہ کر سکیں گے اور پھر صبح تک تھک کر اتنے چُور ہو چکے ہوں گے کہ دشمن کے مقابلے میں تلوار اٹھانا مشکل ہو جائے گی۔۔۔"

عقیل نے ترش روئی سے کہا۔ "اچھا تم کیا چاہتے ہو؟"

اشباح نے اچانک فیصلہ کن لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں فوری حملہ چاہتا ہوں وہ آگ جو کل صبح تک بھڑک کر ہمارے گھروں تک پہنچنے والی ہے کیوں نہ ہم اسے اس کی جائے پیدائش پر سرد کر دیں۔ کیوں نہ آگے بڑھ کر اس سیلاب پر بند باندھ دیں جو کل ہماری جان و مال کے لیے خطرہ بننے والا ہے۔ دشمن ابھی تیاری میں ہے تیار نہیں ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہتھیار جما کر اور صفیں باندھ کر ہم پر حملہ آور ہو ہم اسے اس کے پڑاؤ میں روند سکتے ہیں۔ بنی سفال کی لشکر گاہ پر ہمارا ایک کامیاب شبخون ہمیں ایک بہت بڑی تباہی سے بچا سکتا ہے۔"

ابو حارث اور چند دوسرے معززین کے چہروں پر پریشانی جھلکنے لگی۔ ابو حارث پہلو بدل کر بولا۔

"اشباح بیٹا! جذبات میں آکر تم نے جو کچھ کہا ہے وہ عملی طور پر ممکن نہیں۔ اگر تمہاری معلومات درست ہیں اور ہمارے تینوں دشمن واقعی ایک جان ہو کر حملہ کرنے والے ہیں تو پھر ان کی حدود میں گھس کر لڑنا خودکشی کے مترادف ہو گا۔۔۔"

اشباح نے سردار کی بات کاٹ کر کہا۔ "سردار! آپ بھول رہے ہیں کہ یہ وہی دشمن ہے جسے صرف چھ ماہ قبل ہم نے زلال کی حدود سے نکال باہر کیا تھا اور عبرتناک شکست دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر ہمارا رعب طاری کر رکھا ہے۔ اس کی نصرت اب بھی ہمارے ساتھ رہے گی، ضرورت صرف قدم اٹھانے کی ہے۔"

عقیل نے کہا۔ "اشباح تم بھی بھول رہے ہو کہ اس وقت ہمارا دشمن متحد نہیں تھا۔ ان کے درمیان پھوٹ پڑی ہوئی تھی اور ہمیں زہار (سنہری شاہین) جیسے جوان مرد کی نصرت حاصل تھی۔"

ایک بوڑھا بولا۔ "ہم میں سے کون ہے جو اس جیسی بے باکی اور دلیری سے قبیلے والوں کو لڑا سکے۔"

ایک شخص نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اس وقت واقعی زہار کی سخت ضرورت ہے۔ معلوم نہیں اس وقت وہ کہاں ہو گا۔"

سردار حارث نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "میں اسی لیے تم لوگوں سے کہتا تھا کہ اجنبی بازوؤں پر بھروسہ نہ کرو۔ زہار کے پاؤں میں چکر ہے وہ ایک سیلابی روح ہے جب کہ ہمیں اسی جگہ اپنے دشمنوں کے درمیان

رہنا ہے ہمیں اتنی ہی دشمنی مول لینی چاہیئے جتنی ہم نبھا سکیں۔" کچھ دیر خاموش رہنے اور سوچنے کے بعد سردار حارث نے بلند آواز سے کہا۔

"کیا تم لوگوں میں سے کوئی زہار کا پتہ ٹھکانہ بتا سکتا ہے؟"

ایک سرخ عربی نے جس کا رنگ چراغ کی روشنی میں دمک رہا تھا اٹھ کر کہا۔ "آقا! زہار کا کہنا تھا کہ وہ اکثر بستی کا چکر لگاتا رہے گا۔ مگر پچھلے چھ ماہ میں ایک مرتبہ بھی اس نے آکر ہماری خیریت دریافت نہیں کی۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے۔ اسے ہمارے مستقبل سے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔"

ایک نوجوان حبشی یعقوب نے جو ایک آزاد کردہ غلام تھا اور اپنی عقل و دانش کے سبب مجلسِ مشاورت کا رکن بن گیا تھا اٹھ کر ادب سے بولا۔ "سردار! میں اپنے اس ساتھی کی بات سے اتفاق نہیں کرتا۔ زہار کی شہرت بے وفائی کی نہیں ہے عین ممکن ہے کہ وہ کسی جگہ کسی مجبوری میں گرفتار ہو گیا ہو۔ میں شعیب ابو ریاض کے دامن میں رہنے والے ایک ایسے چرواہے کو جانتا ہوں جو ایک سے زائد مرتبہ زہار سے مل چکا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور بتا سکے گا۔۔۔"

سردار ابو حارث نے کہا۔ "ٹھیک ہے یعقوب! تم دو ساتھیوں کے ساتھ فوراً شعیب ابو ریاض کی طرف روانہ ہو جاؤ اور کوشش کرو کہ جب واپس آؤ تو زہار تمہارے ساتھ ہو۔"

یعقوب نے خدا حافظ کہا اور ایڑیوں پر گھوم کر تیزی سے باہر نکل آیا۔ سردار ابو حارث تیز لہجے میں دوسرے ساتھیوں کو مختلف ہدایات دینے لگے۔ اشباح سردار کی مصروفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے باہر نکل آیا۔ شام اب

گہری ہو چکی تھی۔ گلی میں کہیں کہیں طاقدانوں کے اندر مٹی کے چراغ جل رہے تھے۔ کہیں سے کسی اونٹ کے بلبلانے یا بکری کے ممیانے کی آواز بھی آجاتی تھی۔ بستی والے ابھی اپنے اپنے گھروں میں سکون سے بیٹھے تھے اور اس سنسنی خیز اطلاع سے بے خبر رہے جو اشباح کی وساطت سے بستی تک پہنچی تھی اور اب معززین کے درمیان گردش کر رہی تھی۔ ابو حارث کے مکان سے نکل کر اشباح نے ایک تنگ راستہ اختیار کیا اور جلد ہی اپنے گھر تک آپہنچا لیکن گھر کی دہلیز پر پہنچ کر اسے خیال آیا کہ اس کا گھوڑا تو زخمی ہے۔ وہیں سے رخ پھیر کر وہ چچا طلحہ کے گھر کی طرف بڑھا۔ دوسری دستک پر ہلابہ نے دروازہ کھولا۔ اشباح کو سامنے پاکر وہ اچانک خوفزدہ ہو گئی مگر اشباح اس وقت اس سے گھوڑے کے بارے میں کوئی بازپرس کرنا نہیں چاہتا تھا۔ نہایت سنجیدگی سے وہ اندر داخل ہو گیا۔ چچا طلحہ ابھی ابھی کہیں سے لوٹا تھا اور دستر خوان پر بیٹھنے سے پہلے وضو کرنے میں مصروف تھا۔

اشباح نے کہا۔ "چچا! آج تو سردار کے مکان پر نہایت اہم گفتگو ہو رہی تھی، آپ کہاں گئے ہوئے تھے؟"

طلحہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! یہ ہلابہ کئی دن سے ضد کر رہی تھی کہ اسے چار رنگوں والا ہندوستانی ریشم لا کر دوں۔ صبح سے مارا مارا پھر رہا تھا۔۔۔"

ہلابہ نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ریشم تو ملا نہیں اور یہ مرغی کے چوزے اٹھا لائے۔ اب یہ چوزے ریشم بنائیں گے اور میں پہنوں گی۔" اس نے ایک چوزے کو ہتھیلی پر اچھالتے ہوئے کہا۔

اشباح نے ہلابہ کی شوخی کو یکسر نظر انداز کر کے سخت لہجے میں کہا۔ "میرے خیال میں ہماری عورتوں کو کٹھن حالات سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ ان کے ہاتھوں میں خون آشام تلواریں اور جسموں پر ریشم کی بجائے زرہ بکتر نظر آئیں۔"

طلحہ نے اس کی بات پر چونکتے ہوئے کہا۔ "اشباح! کیا بات ہے تم بے حد سنجیدہ ہو۔ سردار کے مکان پر کیا بات ہوئی ہے؟"

اشباح نے کہا۔ "چچا! آپ سردار کے ہاں پہنچ جایئے۔ سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ مجھے اس وقت آپ کا گھوڑا چاہیے۔ اسی لیے حاضر ہوا تھا۔"

طلحہ نے کہا۔ "بیٹا! تمہیں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر آخر۔۔۔"

اشباح نے جلدی سے کہا۔ "چچا! معافی چاہتا ہوں۔ بہت جلدی میں ہوں۔ آپ کھانا کھاتے ہی فوراً سردار کے ہاں چلے جایئے۔"

طلحہ نے ابھی تک گھوڑے کی زین نہیں کھولی تھی۔ اشباح صحن میں ہی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور باپ بیٹی کو حیران چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ گلی میں پہنچ کر اس نے کچھ دور تک گھوڑے کو ڈلکی چال چلائی۔ پھر ایڑ لگا کر سرپٹ بھگا دیا۔ اس کا رخ شعیب ابو ریاض کی جانب تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت سردار ابو حارث نے زہار کو ڈھونڈنے کے لیے مختلف اطراف میں اپنے آدمی روانہ کر دیے ہوں گے، مگر زہار کے ٹھکانے کے متعلق وہ۔۔۔ اور صرف وہ جانتا تھا۔ وہ اندھیرے راستوں پر گھوڑے کو تیز رفتاری سے بھگاتا دو کوس دور ابو ریاض

کے ٹیلوں پر لے آیا۔ ٹیلوں کے عقب سے تیرھویں شب کا چاند طلوع ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی مگر چاند کی روشنی ابھی سے سیاہ پتھروں کی اوٹ سے پھوٹتی محسوس ہورہی تھی۔ مختلف بھول بھلیوں سے گزرتا اشباح کا ہانپا ہوا گھوڑا ایک غار کے سامنے جا رکا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے لگام تھامی اور پیدل ہی غار میں داخل ہوگیا۔ بیس پچیس قدم چل کر وہ غار کے دوسرے دہانے سے باہر نکل آیا۔ یہاں کھلے آسمان تلے ایک قدیم بت خانے کا کھنڈر نظر آرہا تھا۔ برسوں پہلے آتشزدگی کے سبب یہ بُت خانہ جل گیا تھا اور بیسیوں بت پرست اس میں زندہ جل گئے تھے۔ ان میں قبیلہ بنی عنان کے کئی مرد، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ اب کوئی دن کے وقت بھی اس بت خانے کا رخ نہیں کرتا تھا۔ مگر اشباح گھوڑا لئے بے دھڑک کھنڈر میں گھسا جا رہا تھا۔ اچانک ایک شخص اوٹ سے نکل کر اشباح کے سامنے آگیا۔ یہ سفید قبا اور سیاہ عمامے والا وہی شخص تھا جسے اشباح نے یاسر کے نام سے پکارا تھا اور جس نے بستی میں پہنچ کر اشباح کو اہم اطلاع پہنچائی تھی۔ اشباح نے سرگوشی میں پوچھا۔

"سب تیار ہیں؟" یاسر نے اثبات میں جواب دیا اور اشباح کو لیتا ہوا کمرے میں آگیا۔ کمرے میں جنگی ہتھیاروں کے علاوہ دو تین چوبی صندوق بھی پڑے تھے۔ یاسر اشباح کو کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اشباح نے ایک صندوق کا قفل کھولا اور اس میں سے ایک چمکدار سنہری لباس نکال لیا۔ نہایت تیزی اور سرعت سے اس نے لباس تبدیل کیا۔ پیٹ اور سینے کو ڈھانپنے والی زرہ پہنی، چمکدار ہتھیار اپنے جسم پر سجائے۔ آہنی خود پہنا اور ایک سنہری نقاب سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا تو یاسر ایک سفید براق گھوڑے کی لگام تھامے چوکس کھڑا تھا۔ چاطلحہ والا گھوڑا اس نے موقعے سے ہٹادیا تھا۔ اشباح بلا کی پھرتی

سے گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک لفظ کہے بغیر ایڑ لگا کر باہر نکل گیا۔ کھنڈر سے باہر پانچ نقاب پوش گھڑسوار چوکس کھڑے تھے۔ اشباح کو دیکھتے ہی انہوں نے اپنی عریاں تلواریں چوم کر تعظیم کا اظہار کیا اور اشباح کے ہمرکاب ہوگئے۔ یہ مختصر دستہ آندھی وطوفان کی طرح بنو عمار کی بستی کی طرف بڑھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بستی میں حملے کی خبر عام ہوچکی تھی۔ لوگوں کی بے چینی عروج پر تھی۔ اس وقت مشرقی مسجد کے مؤذن نے بمشکل عشاء کی اذان ختم کی تھی جب ایک جانب سے غلغلہ بلند ہوا۔ "زہار آگیا۔۔۔ شاہین آگیا" لوگ گھروں سے نکل نکل کر کوچے میں جمع ہونے لگے۔ مسجد کی جانب سے چھ گھڑسوار گھوڑے بھگاتے برآمد ہوئے۔ ان میں سب سے آگے زہار تھا۔ اس کے ہاتھ میں مشعل تھی جس کی روشنی میں اس کا سنہری لباس اور زرہ چمک رہے تھے۔ کسی کی جانب متوجہ ہوئے بغیر گھڑسوار آگے بڑھتے گئے اور سیدھے ابوحارث کے مکان پر جا کر رکے۔ اس وقت تک ابوحارث اطلاع پا کر خود باہر آچکا تھا اور مکان کے سامنے جمع ہونے والے لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر منتشر کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

ابوحارث نے زہار اور اس کے ساتھیوں کا استقبال کیا اور احترام سے مکان کے اندر لے گیا۔ معززین کا گروہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ یہ جان کر حارث اور اس کے ساتھیوں کو حیرت ہورہی تھی کہ زہار کی یہاں آمد کا سبب ان کا بھیجا ہوا کوئی قاصد نہیں بلکہ وہ خود ہی حالات سے باخبر ہو کر یہاں پہنچا ہے۔ یہ بات انہیں اور بھی

مرعوب کررہی تھی۔ زہار نے حارث کے مہمان خانے میں نشست سنبھالتے ہی اپنے مخصوص تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"دوستو! میں وعدے کے مطابق آپ کے پاس پہنچ گیا ہوں مگر مجھے یہ جان کر افسوس ہورہا ہے کہ آپ دشمن کے ارادوں سے باخبر ہونے کے باوجود بے عملی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔" اس نے رخ پھیر کر ابو حارث کو مخاطب کیا۔ "سردار حارث! میں آپ سے پوچھتا ہوں، کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ حملے کی اطلاع ملتے ہی آپ قبیلے میں منادی کراتے اور لوگوں کو تیار رہنے کا حکم دیتے؟"

ابو حارث نے گڑبڑا کر کہا۔ "عزیز مہربان! ہم۔۔۔ ہم یہ سب کچھ کر رہے تھے۔۔۔"

زہار نے غرّا کر کہا۔ "آپ کچھ نہیں کر رہے تھے۔ صرف وقت ٹال رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے کہ آپ نے جو کچھ سنا ہے کاش وہ جھوٹ ہو۔۔۔" حاضرین میں سے کسی کو بولنے کا یارانہ ہوا۔ زہار نے کہا۔ "ابو حارث! اگر آپ کے قویٰ جواب دے گئے ہیں اور آپ کو اپنی جان اور اپنے باغ قبیلے کی سلامتی سے زیادہ عزیز محسوس ہونے لگے ہیں تو رہنمائی کی اس ذمے داری سے سبکدوش ہوجائیے۔ ورنہ اس غفلت کے سبب خدا کے نام لیواؤں پر جو وبال آئے گا حشر کے روز آپ سے اس کی باز پُرس ہوگی۔"

طلحہ نے جو اَب وہاں پہنچ چکا تھا سردار کو سبکی سے بچانے کے لیے کہا۔ "اجنبی دوست! ہم سب قصوروار ہیں۔ درحقیقت ہم تذبذب کا شکار تھے۔ ہمیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس نازک موقع پر ہمیں تمہارے بغیر فیصلے کرنے ہیں یا تمہاری موجودگی میں۔۔۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

طلحہ پر نظر پڑتے ہی "زہار" کا غضب کچھ کم ہوا۔ وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "اگر آپ لوگوں کو اپنی سلامتی مقصود ہے تو اسی وقت تیاری کرکے بنی سفال پر حملہ کرنا ہوگا۔ بنی سفال کی لشکر گاہ میں جو سانپ پھنکار رہا ہے اسے پھن اٹھانے سے پہلے کچلنا ضروری ہے۔ آج کی رات تمہاری تقدیر کی رات ہے۔ اگر آج رات کچھ نہ کروگے تو صبح کی روشنی سے بڑھ کر کسی شے کو نامہرباں نہ پاؤ گے۔"

بیک وقت دو تین افراد نے اٹھ کر کہا۔ "جناب! ہم آپ کے حکم پر جانیں لڑانے کے لیے تیار ہیں۔ جہاں آپ کا پسینہ گرے گا ہم خون بہائیں گے۔۔۔ آپ ہمارے محسن و مربی ہیں۔"

زہار نے کہا۔ "کوئی کسی کا محسن و مربی نہیں۔ ہم سب اس خدائے بزرگ و برتر کے ادنیٰ بندے ہیں لیکن اگر ہم آج اپنے فرض کو پہچانیں گے تو نہ صرف ہمارا نام و نشان باقی رہے گا۔ بلکہ ہمارے دین کا بول بالا ہوگا اور مسلمان کو اپنے دین سے بڑھ کر کسی چیز سے محبت نہیں ہوتی۔"

طلحہ نے اٹھ کر جوش سے کہا۔ "ان شاءاللہ تعالیٰ، ہم آج بدر و حنین کی یاد تازہ کردیں گے۔ میں نے برسوں پہلے اپنی ان ناچیز آنکھوں سے رسول ﷺ عربی کا رخِ مبارک دیکھا تھا اور وہاں یہ بشارت پڑھی تھی کہ بدر کے بعد بھی بہت سے معرکہ ہائے بدر ہوں گے اور شہیدانِ بدر کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے راستے تاابد کھلے رہیں گے۔"

حاضرین میں جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی اور وہ سب تن کر کھڑے ہوگئے۔ زہار نے اپنی شمشیر آب دار نیام سے باہر کی اور گرجدار آواز میں کہا۔

"میں سردار حارث سے درخواست کرتا ہوں کہ فی الفور بستی میں منادی کرائی جائے کہ لوگ نمازِ عشاء کے لیے مرکزی مسجد میں جوق در جوق جمع ہوں، وہاں تازہ ترین صورتِ حال کے حوالے سے اہم اعلان کیے جائیں گے۔"

سردار حارث نے کہا۔ "میں منادی کا حکم دیتا ہوں۔"

زہار نے کہا۔ "آپ کی طرف سے یہ حکم بھی مناسب رہے گا کہ تا حکم ثانی قبیلے کی حدود سے کوئی شخص باہر نہیں جائے گا۔"

سردار نے کہا۔ "میں یہ حکم بھی دیتا ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نمازِ عشاء کے فوراً بعد مرکزی مسجد کے سامنے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے سردار ابو حارث نے اعلان کیا کہ فوراً حملے کی تیاری کی جائے۔ آج رات کسی وقت بنی سفال پر شبخون مارا جائے گا۔

زہار عرف سنہری شاہین کی موجودگی میں ہونے والے اس اعلان نے مرد و زن میں سنسنی اور جوش کی لہر دوڑا دی۔ لوگ فلک شگاف نعرے بلند کرنے لگے۔ زہار نے ہدایت کی کہ جو لوگ جسمانی طور پر جنگ میں حصہ لینے کے اہل نہ ہوں وہ مالی طور پر لشکر کی مدد کریں اور جو مالی طور پر بھی مدد کے قابل نہ ہوں وہ اخلاقی مدد کریں اور لشکر کی حوصلہ افزائی کے لیے موقع پر موجود رہیں۔

اس حکم کے بعد کچھ لوگ بھاگ بھاگ کر گھروں کی طرف گئے اور مجاہدین کے لیے ضروری سامان کی فراہمی شروع ہو گئی۔ مسجد کے سامنے ایک کھلے میدان میں عطیات جمع ہونے لگے۔ گھوڑے، اونٹ، خچر، تلواریں، نیزے، بھالے غرض جنگی نقطہ نظر سے جسے اپنے گھر میں جو چیز کام کی نظر آئی اٹھا کر لے آیا۔ کچھ خانہ بدوش عورتیں ٹولیوں کی صورت میں جمع ہو کر رجز پڑھنے اور جنگی ترانے الاپنے لگیں۔ جنگ میں حصہ لینے والے سپاہی گروہ در گروہ مسجد کے سامنے جمع ہونے لگے۔ کچھ پورے ساز و سامان کے ساتھ آئے اور کچھ صرف نقد جان لے کر لیکن لشکر گاہ میں پہنچ کر ہر کسی کو ضرورت کے مطابق سامان مل گیا۔ زہار بذاتِ خود ہتھیار تقسیم کروا رہا تھا۔ وہ ہر ضرورت مند سپاہی کو اس کی صلاحیت کے مطابق تلوار، نیزے یا حربہ وغیرہ سونپ دیتا تھا۔ البتہ سواریوں کا مسئلہ تھا۔ جنگی گھوڑے صرف تیس اور اونٹ ستر تھے مگر بے شمار نوجوان بنی سفال تک بارہ میل کا فاصلہ پیدل طے کرنے پر مستعد نظر آتے تھے۔ مشعلوں کی روشنی میں لشکریوں کے چہرے دمک رہے تھے۔ ان کے تیور بتاتے تھے کہ اس برسوں پرانے جھگڑوں کے سلسلے میں آج کی رات فیصلہ کن ثابت ہو گی۔

قبیلے کی مرکزی مسجد کے سامنے سیاہ پتھر کا ایک بڑا سا چبوترہ تھا جس کے چاروں طرف مشعلیں جل رہی تھیں۔ اس چبوترے پر بیٹھ کر زہار اور قبیلے کے جنگجو ماہروں نے جنگی منصوبہ تیار کیا۔ زہار نے شبخون کی حکمتِ عملی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ قلب کی قیادت سے سردار ابو حارث از خود دستبردار ہو گیا اور یہ ذمہ داری زہار نے اٹھالی۔ سردار کا بھتیجا عقیل اس سے پہلے میمنہ یعنی دائیں بازو کی قیادت کرتا تھا۔ زہار نے اسے میسرہ یعنی بائیں بازو پر متعین کیا۔ اس فیصلے پر عقیل کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا مگر

موقع نازک تھا اس نے اپنی بھڑکیلی طبیعت پر قابو پانا ہی مناسب سمجھا۔ لشکر میں عورتوں کا ایک دستہ بھی شامل تھا۔ ان بلند ہمت عورتوں میں کچھ نے زرہ بکتر پہن رکھی تھیں۔ کچھ نے اپنی کمروں پر پانی کے مشکیزے اٹھا رکھے تھے اور کچھ مرہم پٹی کا سامان ساتھ لیے ہوئے تھیں۔ لشکر کا معائنہ کرتا ہوا جب زہار ان عورتوں کے قریب سے گزرا تو دفعتاً اس کی نگاہ ہلابہ پر پڑی۔ وہ مکمل جنگی لباس میں تھی۔ ڈھیلی ڈھالی زرہ اس کے جسم پر کچھ عجیب سی لگتی تھی مگر اس کے انداز میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔ زہار اس کے قریب پہنچ کر بھاری آواز میں بولا۔

"محترم خاتون! مجھے آپ لوگوں کا جوش و جذبہ دیکھ کر یقین ہو رہا ہے کہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ مگر کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ آپ براہِ راست جنگ میں حصہ نہ لیتیں۔"

ہلابہ نے سب عورتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے محترم! یہ کفر و اسلام کا معرکہ ہے اور ہم اپنے بھائیوں اور بزرگوں کے شانہ بشانہ شہادت کا رتبہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ دشمن تعداد میں بہت زیادہ ہے اور وقت کا تقاضہ ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں پھولوں کی جگہ خون آشام تلواریں اور ہمارے جسموں پر ریشم کی جگہ زرہ بکتر نظر آئیں۔"

ہلابہ کا آخری فقرہ زہار یعنی اشباح کا اپنا ہی فقرہ تھا جو اس نے کچھ دیر پہلے چچا طلحہ کے گھر میں کہا تھا۔ ہلابہ کی شیریں آواز میں اپنے الفاظ سن کر اس کے سینے میں خوشگوار دھڑکنیں جاگ اٹھیں۔ اس نے توصیفی نظروں سے ان باحوصلہ عورتوں کی طرف دیکھا اور انہیں فی امان اللہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

شب کی پہلی نوبت کے ساتھ ہی فوج کی ترتیب و تنظیم مکمل ہو چکی تھی۔ روانگی سے پیشتر زہار دو رکعت نماز نفل ادا کرنے کے لیے مسجد میں داخل ہو گیا۔ تیرھویں رات کا چاند اونچی خم دار کھجوروں کی اوٹ سے مسجد کے صحن میں جھانک رہا تھا۔ مدھم ہوا شرقاً غرباً چل رہی تھی۔ مسجد کے محرابی دروازوں کے طاقدانوں میں مٹی کے دیے دھیرے دھیرے لڑکھڑا رہے تھے۔ چند ایک بوڑھے صحن کے مختلف حصوں میں نوافل ادا کر رہے تھے۔ زہار نے اپنے وزنی ہتھیار جسم سے جدا کئے اور ایک کونے میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ مگر نیت باندھنے سے پہلے اس کے کانوں میں سسکیوں کی مخصوص آواز آئی۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ ایک کونے میں اس کا بوڑھا نانا داؤد بن مغیرہ چراغ کی روشنی میں قرآن پاک پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر زہار یعنی اشباح کا چہرہ غم کی دبیز تہہ میں چھپ گیا۔ وہ بچپن سے جوانی تک یہ منظر بارہا دیکھ چکا تھا۔ اس نے سینکڑوں بار اپنے نانا کو اس طرح قرآن مجید کھولے، روتے دیکھا تھا۔ اس کی ماں بتاتی تھی کہ اس کے نانا کی آواز نہایت شیریں اور اثر انگیز تھی وہ تلاوت کرتا تھا تو سننے والے مسحور ہو جاتے تھے مگر کسی حادثے نے انہیں زبان سے محروم کر دیا۔ اب وہ قرآن پاک کھولتا تو بے زبانی اسے آنسو بہانے پر مجبور کر دیتی تھی۔ نانا کو یوں روتے دیکھ کر اشباح کو وہ سفید صندوق بھی یاد آ گیا جو اس کے گھر ایک اندھیرے کمرے میں کاٹھ کباڑ کے نیچے پڑا رہتا تھا۔ نانا کی "بے زبانی" کی طرح یہ صندوق بھی اشباح کے لیے ایک گہرا اسرار تھا۔ اشباح کے بار بار پوچھنے کے باوجود ماں نے کبھی اسے نانا پر گزرنے والے حادثے کے متعلق بتایا تھا اور نہ اس صندوق کے متعلق۔ ہاتھی دانت کے بنے ہوئے اس لمبوترے صندوق پر برسوں کی گرد جمی ہوئی تھی اور اس کے کھٹکوں پر پیتل کے دو قفل پڑے رہتے تھے۔ ان قفلوں کو کھولنے کے لیے اشباح کو کسی چابی یا اوزار کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اتنا

طاقتور تھا کہ خالی ہاتھوں سے ان کھٹکوں کو اکھاڑ سکتا۔ مگر ماں کے حکم کو توڑنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس کی فرمانبرداری کا تقاضہ تھا کہ اگر وہ صندوق اس کے سامنے کھلا بھی پڑا ہو تو ماں کی اجازت کے بغیر وہ اس کی طرف آنکھ نہ اٹھائے۔۔۔ ہاں اس صندوق میں جھانکنے کا تجسس جو بچپن سے اس کی گھٹی میں پڑ چکا تھا گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ جواں تر ہوا تھا۔ اس نے جب بھی ماں سے اصرار کیا تھا اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر پیار سے اس کی پیشانی چومی تھی اور کہا تھا۔ "بیٹا! وقت آنے پر تجھے سب کچھ بتادوں گی۔" ماں نے اسے اب تک جو بتایا تھا وہ اتنا ہی تھا کہ وہ ایک ہندوستانی باپ کا بیٹا ہے اور اس کا محترم باپ اس دنیا میں نہیں۔ اپنے اجنبی باپ کو تصور کرتے ہی اشباح کے ذہن میں کچھ دھندلے سے نقوش ابھر آیا کرتے تھے جنہیں وہ کبھی بھی کوئی واضح شکل نہیں دے سکا تھا۔

نوافل کی نیت باندھنے سے پہلے مسجد میں کھڑے کھڑے اشباح نے سوچا۔ "میں ایک خونریز معرکے میں حصہ لینے جا رہا ہوں۔ کیا معلوم خدا کے حضور یہ نماز میری آخری نماز ہو اور آج کے بعد میں کبھی اپنی بستی واپس نہ آسکوں۔ کیا میری ماں آج بھی مجھے اس برسوں پرانے راز سے آگاہ نہ کرے گی، اس کا دل چاہا کہ وہ کوچ سے پہلے ایک دفعہ پھر ماں سے ضد کر کے دیکھ لے مگر کیسے؟ وہ زہار کے لباس میں تھا اور پوری فوج کی آنکھیں اسی پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ ماں تک کیسے پہنچ سکتا تھا۔ اس نے ایک طویل آہ بھر کر اپنی اس خواہش کو دل میں دبا لیا اور نیت باندھ کر پورے خسوع و خضوع سے نماز میں مشغول ہو گیا۔ دوگانہ ادا کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور بولا۔

"اے رب العزت! تُو دلوں کے راز جانتا ہے۔ تُو جانتا ہے میں نے یہ بھیس کیوں بدل رکھا ہے۔ میرے قبیلے کے لوگ سادہ لوح ہیں۔ کلمہ گو ہونے کے باوجود اپنی رسوم اور عقائد کے اسیر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میری رگوں میں ایک غیر قوم کا خون ہے۔ وہ یہ بھولے ہوئے ہیں کہ تیرا رسول ﷺ ہر عربی اور عجمی کا امتیاز مٹا گیا ہے۔ تیری بارگاہ میں سب برابر ہیں، مگر میرے لوگ یہ نہیں سمجھتے۔ وہ مجھ سے محبت ضرور رکھتے ہیں مگر میری رائے کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ وہ مجھ سے رہنمائی حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور میرا دل ان کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ وہ میرے مسلمان بھائی ہیں میں ان کی بہتری چاہتا ہوں۔ اس لئے اپنا چہرہ ان سے چھپائے پھرتا ہوں۔ اے میرے رب! میرے یہ بھائی، میرے یہ دوست، آج میرے شانہ بشانہ ایک اہم مہم پر روانہ ہو رہے ہیں۔ ہمارے مقابل وہ دشمن جوریت کے ذروں کی طرح بے شمار اور شہد کی مکھیوں کی طرح متحد ہے۔ اس کا بچہ بچہ ابو جہل کی طرح خونِ مسلم کا پیاسا ہے۔ اے میرے مولا، آج اس عیار دشمن کے مقابل ہماری مدد فرما۔ اپنی کمتر عقل کے مطابق ہم نے جو قدم اٹھایا ہے اس کی تائید فرما۔ اے قادرِ مطلق، ہم گناہ گاروں کا تیرے سوا کوئی آسرا نہیں، ہم بے کسوں کا تیرے سوا کوئی اتحادی نہیں۔ "ایاک نعبد وایاک نستعین۔ ایاک نعبد وایاک نستعین۔" دعا کے آخر میں اشباح نے یہ الفاظ بار بار دہرائے اور آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا بوڑھا نانا چند قدم کے فاصلے پر بیٹھا قرآنی صفحات پر ابھی تک آنسوؤں کی شبنم گرا رہا تھا۔ اشباح نے اٹھ کر جسم پر ہتھیار سجائے، چہرے پر نقاب درست کی اور باوقار قدموں سے چلتا ہوا مسجد سے باہر آگیا۔

اسے دیکھتے ہی فوج کے جوش و خروش میں اضافہ ہو گیا۔ طبل اور بوق بجنے لگے۔ نقارچی نقاروں کو بے دریغ پیٹنے لگے۔ جوشیلے نوجوانوں نے بلند جگہوں پر چڑھ کر علم لہرانے شروع کیے۔ چند خوش نواؤں نے مشہور عربی شاعر عنترۃ العبسی کی نظم چھیڑی۔ اس نظم کا پہلا شعر تھا۔

واناالمنیتہ فی المواطن کلھا

والطعن منی سابق الاجال

میں ہر معرکہ میں موت ہوں

میری نیزہ زنی اجل سے بھی سبقت لے جاتی ہے

نظم ابھی جاری تھی کہ اشباح نے اپنی تلوار ہوا میں لہرائی اور کوچ کا حکم دیا۔ فوج میں دور دور تک "کوچ" کی صدائیں بلند ہوئیں اور فرزندانِ توحید دشمن پر بجلی بن کر گرنے کے لیے حرکت میں آ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قبیلہ بنی سفال کی بستی ایک اونچے ٹیلے کے دامن میں تھی۔ رات تیسرے پہر بنو عمار کی فوج زہار کی قیادت میں اس ٹیلے کے عقب میں پہنچ چکی تھی۔ اس فوج میں کم از کم ڈیڑھ ہزار افراد تھے جنہیں زہار نے پانچ پانچ سو کے تین متوازن دستوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ راستے میں انہوں نے بنی سفال کے چھ پہریدار بھی پکڑے تھے۔ یہ پہریدار مختلف راستوں پر نگرانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ ان پہریداروں کی زبانی پتہ

چلا کہ بنی سفال کی لشکر گاہ میں اس وقت تک کم و بیش ڈھائی ہزار افراد جمع ہو چکے ہیں اور ابھی مزید دستے آ رہے ہیں۔ اشباح زہار کے بھیس میں ٹیلے کی چوٹی تک پہنچا۔ اس کے ساتھ تین سر کردہ افراد اور تھے۔ انہوں نے بلندی سے دیکھا کہ بنی سفال کی بیشتر آبادی جاگ رہی ہے۔ بستی کے قسط میں جہاں لشکر گاہ تھی خاص طور پر چہل پہل نظر آتی تھی۔ وہاں جلتی ہوئی سینکڑوں مشعلوں کی روشنی دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے بستی کے بیچوں بیچ آگ کا الاؤ بھڑک رہا ہو۔ قبیلہ بنی سفال کے زیادہ تر مکان کچے تھے کہیں کہیں نیم پختہ چوبارے بھی نظر آتے تھے۔ اس بستی کا ایک باغ اپنے شیریں سدر (بیروں) کی وجہ سے دور و نزدیک مشہور تھا۔

بستی کا مکمل جائزہ لینے کے بعد زہار نیچے اتر آیا۔ اس نے اپنی فوج کو آخری ہدایات دیں اور حملے کے لئے تیار ہو گیا۔ فوج کا میمنہ اور میسرہ ٹیلے کا چکر کاٹ کر دو مختلف اطراف سے بستی کی طرف بڑھے۔۔ خود اشباح قلب کے ساتھ دھیرے دھیرے ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ ٹیلا بلند ضرور تھا لیکن چڑھائی زیادہ مشکل نہیں تھی۔ اس طرح اترائی بھی خاصی آسان تھی۔ ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ کر اشباح نشیب میں جھانکنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے فوج کے دونوں بازو دائیں بائیں سے نمودار ہوئے اور اچانک اپنی رفتار بڑھا کر بستی میں داخل ہو گئے۔ ان کی مشعلوں سے ان کی ہمت اور ان کی رفتار کا اندازہ ہو رہا تھا۔ پھر کہیں دور سے نعرہ تکبیر کی ولولہ انگیز صدائیں سنائی دیں اور دو اطراف سے آگے بڑھنے والی مشعلیں بستی کی مرکزی روشنی سے بغل گیر ہو گئیں۔ اچانک ہی جیسے کسی نے ساز شب کے خاموش تاروں کو بے قرار انگلیوں سے جھنجھوڑ دیا تھا۔ بستی کے اندر ایک ہنگامہ محشر برپا ہو گیا تھا۔ اشباح اور اس کے ساتھی کم از کم دو فرلانگ کی دوری پر تھے اس لئے یہ ہنگامہ ان کے لئے دور افتادہ چیخوں اور ناچتی اچھلتی مشعلوں کے نظارے تک محدود تھا۔ جب اشباح نے اندازہ لگایا کہ میدان گرم

ہوچکا ہے اور بوکھلائے ہوئے دشمن پر ضرب کاری لگانے کی ضرورت ہے تو اس نے اپنا علم لہرایا اور دستے کو کوچ کا حکم دیا۔ مشعلیں فروزاں ہوئیں اپنے سواروں کی طرح بے تاب گھوڑے تیزی سے ڈھلوان پر اترے۔ ان کے عقب میں پر جوش پیادے بھاگتے چلے آرہے تھے۔ بستی میں پہنچتے ہی انھیں لڑائی کی شدت کا احساس ہو گیا۔ نیم تاریک گلی کوچوں میں گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا۔ بنی سفال کے لوگ چونکہ جاگ رہے تھے اس لئے بے خبر ہونے کے باوجود وہ بہت جلد سنبھل گئے تھے۔ لڑائی کی سب سے زیادہ شدت لشکر گاہ کے قرب وجوار میں تھی۔ یہ لشکر گاہ مٹی اور گارے کی ایک وسیع چار دیواری تھی جس میں کہیں کہیں گھاس پھونس کے سائبان بنے ہوئے تھے۔ اس چار دیواری کے اندر اور باہر شدید ترین جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ اونٹوں کی بلبلاہٹ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ، تلواروں کی جھنکار، زخمیوں کی چیخ و پکار، اور بہادروں کے للکارے میدان جنگ سے مخصوص ہر آہنگ یہاں موجود تھا۔ اشباح اور اس کے دستے نے اپنے ساتھیوں کو سر دھڑ کی بازی لگاتے ہوئے دیکھا تو وہ جوش سے بے قابو ہو گئے۔ اشباح نے ایک ہاتھ بلند کیا دوسرے ہاتھ میں تلوار سونتی اور نعرہ تکبیر بلند کرتا ہوا دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ اس ولولہ انگیز نعرے کے جواب میں پہلے سے موجود مجاہدوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور ایک نئے حوصلے سے دشمن پر ہلہ بول دیا۔ دشمن جو پہلے ہی حواس باختہ تھا اس نئی افتاد پر بالکل گھبرا گیا۔ چند ہی لمحوں میں بیسوں منکرین گاجر مولی کی طرح کٹ گئے اور لشکر گاہ کی زمین ان کے خون سے نم ہو گئی۔ یہاں اشباح نے چچا طلحہ کو بھی بے جگری کے ساتھ تلوار چلاتے دیکھا۔ جذبہ ایمانی نے اس کے بوڑھے جسم میں بلا کی قوت بھر دی تھی اور وہ میدان میں جوانوں کی طرح داد شجاعت دے رہا تھا۔ اچانک اشباح نے دیکھا دشمن کا ایک سوار نیزہ تول کر طلحہ پر پشت سے حملہ کر رہا ہے۔ اشباح بجلی کی تیزی

سے آگے بڑھا اور سپاہی کو تہہ تیغ کرتا ہوا نکل گیا۔ لڑائی اب نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ نقاب کے اوپر سے اشباح کی عقابی آنکھیں بنی سفال کے سردار کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا وہ چلا چلا کر کہے "سردار عتبہ میرے سامنے آ۔۔۔ میرے سامنے آ" مگر وہ جانتا تھا اس شور محشر میں اس کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہو گی۔ دفعتاً اسے اندازہ ہوا کہ دشمن بھاگ رہا ہے۔ کوئی تین سو سوار اچانک ہی پیٹھ پھیر کر سرپٹ ہو گئے۔ دشمن کا علمبردار اور ان کے بڑے بڑے سرداران گھڑ سواروں میں شامل تھے۔ انھیں بھاگتے دیکھ کر مسلمانوں نے ایک دل ہلا دینے والا نعرہ بلند کیا اور اشباح علم لہرا کر پکارا۔

"تعاقب کرو۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا گھوڑا بھاگتے دشمن کے پیچھے ڈال دیا۔ سالار کو تعاقب میں دیکھ کر لشکر گاہ میں موجود تمام مسلمان سواروں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ بنی سفال کے گلی کوچوں میں روشن چاند کے نیچے ایک زبردست گھڑ دوڑ شروع ہو گئی۔ حالات نے عجب پلٹا کھایا تھا وہ دشمن جو ان کا نام و نشان مٹانے کے لئے کمر باندھ رہا تھا اب اپنی جان بچانے کے لئے پناہ کی تلاش میں تھا۔ اشباح جانتا تھا کہ آبادی کے مشرقی حصے میں ایک زیر تعمیر قلعہ ہے۔ یہ قلعہ اس وقت دشمن کو عارضی پناہ فراہم کر سکتا ہے۔ جلد ہی اشباح کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس نے اپنے سامنے مٹی گارے اور پتھروں کی ایک وسیع عمارت دیکھی۔ عمارت کے صدر دروازے پر بنی سفال کا پرچم لہرا رہا تھا۔ مدھم چاندنی میں برجیوں پر تیر انداز کھڑے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ انھوں نے اپنے سردار کو میدان سے بھاگ کر قلعے کی طرف آتے دیکھ لیا تھا اور اسے پناہ فراہم کرنے کے لئے صدر دروازہ کھول چکے تھے۔ اشباح اور دشمن کے بھگوڑے دستے کے درمیان کوئی پانچ سو

ذراع یعنی ایک فرلانگ کا فاصلہ تھا۔ اگر پہرہ دار پھرتی کا مظاہرہ کرتے تو اپنے دستے کو پناہ دینے کے بعد اشباح کے پہنچنے سے پہلے پہلے دروازہ بند کر سکتے تھے اور اگر اشباح تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتا تو دشمن سپاہیوں کے ساتھ ہی قلعے میں داخل ہو سکتا تھا۔ دونوں کے لئے امکان نصف نصف تھا۔ اشباح نے ساتھیوں کو پکار کر تیز رفتاری کا حکم دیا اور خود بھی رکابوں پر کھڑے ہو کر گھوڑے کو ہوا کر دیا۔ گھوڑا بھی جیسے اپنے مالک کی مرضی سمجھ رہا تھا۔ اس نے پسینے میں شرابور گردن کو ایک مخصوص جھٹکا دیا اور پوری قوت سے بھاگنے لگا۔ دشمن دستہ آندھی و طوفان کی طرح قلعے میں داخل ہوا۔۔۔۔ اور اس سے پہلے کہ اشباح کا گھوڑا دروازے تک پہنچ پاتا ہوشیار پہرہ داروں نے آہنی پٹ بند کر دئے۔ ایک گونج کے ساتھ صدر دروازہ بند ہوا اور دشمن خود کو محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اشباح نے اپنے گھوڑے کو بمشکل دروازے سے ٹکرانے سے بچایا اور باگیں موڑ کر اسے قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ بھگاتا چلا گیا۔ عقب میں آنے والے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ گھوڑوں کا زور ٹوٹا تو وہ کھلاوا کاٹ کر پھر قلعے کے سامنے پہنچ گئے۔ قلعے کی برجیوں سے ان پر بے تحاشا تیر برسائے گئے تھے مگر اتفاقاً انھیں کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اشباح چونکہ سب سے آگے تھا لہٰذا صرف اسے ایک تیر لگا اور بھی وہ جوشنی کی وجہ سے زیادہ گہرا نہیں اتر سکا (جوشن، وہ چھوٹی ذرہ جو صرف سینہ اور پشت ڈھانپتی ہے) یہ تیز ابھی تک اس کے کندھے پر اٹکا ہوا تھا۔ اشباح نے اپنے پہلو میں کھڑے ایک گھڑ سوار کو کہا کہ وہ اس تیر کو نکال دے۔ گھڑ سوار نے چابکدستی سے تیر کو تھاما اور جھٹکے سے سیدا کھینچ لیا۔ معمولی زخم تھا اس لئے زیادہ تکلیف نہیں ہوئی۔ اشباح نے شکریہ ادا کرنے کے لئے گھڑ سوار کی طرف دیکھا اور حیران رہ گیا۔ یہ زرہ پوش گھڑ سوار ہلابہ تھی۔ وہ تیر کی انی کو رومال سے صاف کر کے اپنے ترکش میں رکھ رہی تھی۔ اشباح نے بے

اختیار نقاب درست کی اور کن انکھیوں سے ہلابہ کی طرف دیکھنے لگا۔ خود کے اندر سے ہلابہ کی شفاف آنکھیں چاندنی میں چمک رہی تھیں۔ اس وقت وہ ایک شوخ لڑکی کے بجائے مکمل مجاہدہ نظر آتی تھی۔۔۔۔ سنجیدہ، فکر مند اور خطرناک، اشباح نے اس سے نظریں ہٹا کر قلعے کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ یہ بات تو ظاہر تھی کہ سردار عتبہ اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ قلعے میں پناہ لے چکا ہے، غالباً اس کے دونوں حلیف سردار بھی قلعے میں پہنچ چکے تھے۔ ان سرکردہ دشمنوں تک پہنچے بغیر بنو عمار کی فتح ادھوری تھی۔ اس وقت دشمن کی فوج تر بتر ہو چکی تھی مگر بہت ممکن تھا کہ کچھ دیر تک اکٹھے ہو کر وہ پھر ہلا بول دیں، ایسے میں قلعہ بند دشمن بھی دروازہ کھول کر ان پر دھاوا کر سکتا تھا۔ جب تک سردار زندہ تھے دشمن کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ باقی تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ جلد از جلد قلعے میں داخل ہوا جائے۔

اشباح کے حکم دینے سے پہلے ہی اس کے سپاہی کھجور کے دو تناور درخت کاٹ چکے تھے اور ان کی پیہم ضربوں سے قلعے کا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے مگر یہ کوشش کامیاب ہوتی نہیں نظر آتی تھی تاہم اس جدوجہد کا یہ فائدہ ضرور تھا کہ دشمن کی توجہ دروازے پر مرکوز تھی۔ اشباح نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ماہر تیر اندازوں کو بلایا اور انھیں فصیل کی دو برجیوں پر مسلسل تیر اندازی کا حکم دیا۔ یہ برجیاں ایسے رخ پر تھیں کہ فصیل پر چڑھنے والا براہ راست ان کی زد میں آتا تھا۔ برجیوں پر تیروں کی بارش شروع ہوئی تو اشباح گھوڑے سے اترا اور اپنے پانچ نقاب پوش جانبازوں کے ساتھ تیزی سے فصیل کی طرف بھاگا۔ اس کے ایک ہاتھ میں لوہے کے آنکڑے والی کمند تھی اور کمر کے گرد رسے کی سیڑھی لپٹی ہوئی تھی۔ فصیل کے سائے میں پہنچ کر اس نے اپنی سانسیں درست کیں اور پھر اللہ کا نام لے کر کمند برجیوں کی

طرف اچھال دی۔دوسری کوشش میں کمند کنگروں میں اٹک گئی۔اشباح نے رسی تھامی اور زبردست مہارت اور بے خوفی سے اوپر چڑھنا شروع کیا۔سنسناتے ہوئے تیر اس کے دائیں بائیں سے گزر کر کچی زمین میں پیوست ہو رہے تھے۔اس نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور چند لمحوں میں فصیل پر پہنچ گیا۔اس کامیابی پر نیچے سے اس کے ساتھیوں نے پرجوش نعرے بلند کئے اور علم لہرالہرا کر حوصلہ افزائی کی۔فصیل پر قدم جماتے ہی اس نے کمر کے گرد سے رسی کی سیڑھی کھولی اور نیچے لٹکا دی۔پانچوں نقاب پوش دیدہ دلیری سے اوپر چڑھ گئے۔ان میں سے ہر ایک کی کمر کے گرد ایک ایک سیڑھی تھی۔یہ سیڑھیاں بھی فصیل سے نیچے گرادی گئیں۔اشباح نے تلوار کے اشارے سے نیچے کھڑے ساتھیوں کو اشارہ کیا،اشارے کی دیر تھی وہ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے فصیل کی طرف بڑھے۔یوں لگا جیسے اچانک کوئی بند ٹوٹ گیا ہو اور انسانوں کا غضب ناک ریلا قلعے کی طرف بڑھ رہا ہو۔دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں افراد فصیل پر اور قلعے کے اندر پہنچ گئے۔

قلعے کے اندر جو سب سے پہلا شخص ہلاک ہوا وہ آرب بن عوف تھا۔آرب بن عوف،قبیلہ بنی لہب کا سردار تھا۔اس نے اپنے دستے کے ساتھ پہلے تو قلعے میں گھسنے والی فوج کی مزاحمت کی،بعدازاں جان بچانے کے لئے خود کو خشک بھوسے کے ایک بڑے ڈھیر میں چھپالیا۔جب اشباح نے اس ڈھیر کو مشعل سے آگ دکھائی تو آرب نکل کر بھاگا۔بنو عمار کے ایک نوجوان نے ایسا تاک کر حربہ پھینکا کہ وہ اس کے سینے سے پار ہو گیا۔ایک خون ریز جھڑپ کے بعد دشمن کے پچاس بہترین جنگجو قتل اور کم و بیش دوسو قیدی بنالئے گئے۔مگر اشباح اور اس کے ساتھیوں کو ایک بات کا سخت افسوس رہا۔بنی سفال کا سردار اور اس کا سب سے پرجوش حریف یعنی سردار عتبہ اپنے ساتھیوں سمیت بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

قلعے پر قبضے سے قبیلہ بنو عمار کے ہاتھ بہت سامال غنیمت آیا۔ان میں جنگی ہتھیار،گھوڑے اور غلام شامل تھے۔ان غلاموں میں عمرو نامی ایک شخص بھی تھا جس کی ران پر ایک گہرا زخم تھا اور تمام جسم پر تشدد کے نشانات تھے۔اس شخص نے بتایا کہ وہ مدینے کا رہنے والا ہے۔وہاں کے معروف عالم دین اور قابل صد احترام ہستی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے ایک مراسلہ لے کر شہر تریم جارہا تھا(تریم جزیرہ لمائے عرب کے جنوبی ساحل پر،وادی حضرموت کا قدیم شہر ہے۔اسے ہمیشہ سے علاقے کے علمی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے)کہ راستے میں بنی سفال کے راہزنوں نے اس کا گھوڑا اور دیگر سامان چھین کر گرفتار کر لیا۔اشباح کے استفار پر اس قاصد نے اپنے بوسیدہ لباس کی اندرونی تہوں سے ایک نامہ نکال کر اشباح کے حوالے کیا۔چمڑے کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی یہ تحریر اشباح کے لئے چونکا دینے والی تھی۔یہ تحریر تریم کے ایک بزرگ عالم دین شیخ طالب قحطانی کے لئے تھی اور اس میں والئی بصرہ حجاج بن یوسف کا ذکر ایک ایسے واقعے کے حوالے سے کیا گیا تھا جو یقیناً بے حد تشویشناک تھا۔اشباح نے ایک نظر اس مراسلے کو دیکھا اور پھر بڑی احتیاط سے لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان حیرت انگیز طور پر کم ہوا تھا۔دشمن کے سینکڑوں سپاہیوں کے مقابلے میں ان کے صرف آٹھ اصحاب شہید ہوئے تھے۔ان کی لاشوں کو بڑے احترام سے اونٹوں پر بار کر دیا گیا۔شدید زخمیوں اور معمولی زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔۔۔۔تب مال غنیمت اکٹھا کرنے کے بعد اشباح یعنی زہار کے حکم سے قلعے کے زیر تعمیر حصوں کو گرادیا گیا اور جو حصے تعمیر ہو چکے تھے انھیں آگ لگادی۔بعدازاں بستی کے اندر فوجی اہمیت کی تمام جگہوں کو برباد کر دیا گیا۔جنگی ہتھیار اکٹھے کر کے سواریوں پر لاد دئے گئے۔جنگی گھوڑے،اونٹ اور بار برداری کے جانور ہانک لئے گئے۔یہ کاروائیاں

بنی سفال اور اس کے حلیفوں کی کمر توڑنے کے لئے کافی تھیں اور آئندہ دو تین برسوں کے لئے بنو عمار کو دشمن کی طرف سے فکر مند ہونے کی خاص ضرورت نہیں تھی۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی بنو عمار کامیاب و کامران فتح کے شادیانے بجاتے واپس روانہ ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طلحہ اس جنگ میں زخمی ہوا تھا۔اس کے زیریں سینے میں ایک نیزہ لگا تھا جنگ کی گرما گرمی میں اس نے زخم کا کچھ خیال نہیں کیا اور معمولی مرہم پٹی کے بعد دوبارہ زرہ پہن لی مگر بنی سفال سے بنو عمار کا چار فرسخ یعنی بارہ میل کا فاصلہ طے کرتے کرتے اس کے زخم میں شدید تکلیف ہونے لگی۔وہ ہلابہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے خاموشی سے سفر کرتا رہا تاہم گھر پہنچ کر اس کے لئے ہلابہ سے چھپانا کچھ ممکن نہیں رہا۔ہلابہ نے زخم دیکھا تو سخت پریشان ہوئی اور فوراً مقامی جراح کو بلایا۔ جراح نے پرانی پٹی کھول کر نئی پٹی اچھی طرح کر دی اور کچھ دوائیں دے کر طلحہ کو مکمل آرام کا مشورہ دیا۔

اشباح گھر میں نہیں تھا وہ شام کے وقت چچا طلحہ کی عیادت کو پہنچا۔ طلحہ اس وقت جراح کی خواب آور دوا کے زیر اثر گہری نیند سو رہا تھا۔اشباح کا نانا داؤد صبح سے یہاں موجود تھا اور طلحہ کی چارپائی سے لگا بیٹھا تھا۔اس وقت بھی وہ انگلیوں میں تسبیح گھما گھما کر طلحہ پر پھونک رہا تھا۔دونوں بوڑھوں میں دوستی کا لازوال رشتہ قائم تھا۔اشباح نے نانا سے پوچھا کہ چچا طلحہ کا کیا حال ہے؟ داؤد کے چہرے پر اطمینان کی جھلک تھی اس نے اشاروں سے بتایا کے اب کافی بہتر ہے۔اشباح نے طلحہ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور ہلابہ کی تلاش میں اِدھر

اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر اسے اندازہ ہوا کہ وہ مطبخ میں ہے۔وہ مطبخ میں پہنچا تو رات کی جنگجو لڑکی اسے مکمل گھریلو عورت کے روپ میں نظر آئی۔آنچل کمر کے گرد لپیٹے، آستین چڑھائے وہ چکی پر جو پیسنے میں مصروف تھی۔ قریب ہی چولھے پر قہوہ ابل رہا تھا۔درحقیقت ان قبائل کی زندگی میں جنگ و جدل روز کا معمول تھا۔لڑائی کے بعد مرنے والوں کو دفنانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے بعد یہ باہمت لوگ پھر روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

سرخ ہونٹ کو سپید دانتوں تلے دبا کر چکی پیستی یہ لڑکی اشباح کو بہت بھلی لگی۔وہ بے خیالی میں پسینے کے ان شفاف قطروں کو دیکھنے لگا جو اس کی عارضوں سے اس کی گردن کی طرف پھسلتے جا رہے تھے۔اتنے میں اس نے سر اٹھا کر اشباح کو دیکھا اور ہاتھ روک کر بولی۔

"اشباح۔۔۔۔، بھائی تم کہاں تھے، خدا کی قسم تمہارا کچھ پتہ نہیں چلتا، مجھے تو لگتا ہے رات تم نے لڑائی میں حصہ ہی نہیں لیا۔"

اشباح مسکرا کر بولا۔"تو مجھے اتنا بزدل سمجھتی ہے۔"

وہ بولی۔"باتوں سے ایسے تو نہیں لگتے۔۔۔۔ مگر آنکھ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔آخر تم ایسے موقعوں پر نظر کیوں نہیں آتے؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے، پچھلی دفعہ جب زلال پر ڈھائی پہر لڑائی ہوتی رہی تھی، میں تمہیں ایک دفعہ بھی نہیں دیکھ سکی تھی۔"

اشباح بولا۔"ایسا اتفاق ہو جاتا ہے۔"

ہلابہ نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔"اشباح بھائی، تمھیں تو کوئی زخم نہیں لگا۔"

"نہیں۔"اشباح نے مختصر جواب دیا۔"تمہارا کیا حال ہے تم نے بھی تو لڑائی میں حصہ لیا ہے۔"

ہلابہ کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔اس نے اشتیاق سے پوچھا۔"تم نے مجھے دیکھا تھا۔"

اشباح نے کہا۔"ہاں جب تم سردار زہار کی زرہ سے تیر نکال رہی تھیں۔"

ہلابہ بولی۔"اشباح بھائی، تم نے دیکھا تھا زہار کتنی دلیری سے فصیل پر چڑھے تھے۔میرا تو اوپر کا سانس اوپر رہ گیا تھا۔نجانے کتنی سورتیں میں نے دل ہی دل میں پڑھ ڈالی تھیں۔زہار واقعی اس قبیلے کی سرداری کے قابل ہیں۔"

اشباح نے انجان بن کر پوچھا۔"تو کیا انھوں نے قبیلے کی سرداری قبول کر لی ہے؟"

ہلابہ بولی۔"تم رہتے کہاں ہو۔تمھیں قبیلے کا حالات کا کچھ علم ہی نہیں۔"

اشباح بولا۔"دراصل میں قریبی بستی کے ایک زخمی کو اس کے گھر پہنچانے چلا گیا تھا۔"

ہلابہ نے کہا۔"آج عصر کے بعد مرکزی مسجد کے سامنے بڑا ہنگامہ ہوا۔لوگ چاہتے تھے کہ سردار ابو حارث کی جگہ زہار خود قبیلے کی سردار قبول کر لیں یا کسی ایسے شخص کو سردار بنا دیں جو ابو حارث سے بہتر ہو اور جس پر زہار کو مکمل بھروسہ ہو لیکن لوگوں کے زبردست اصرار کے باوجود زہار نہیں مانے۔انھوں نے کہا کہ قبیلے کا سردار ابو حارث ہی رہے گا۔ہاں وہ مہینے میں تین چار بار بستی کا چکر لگایا کریں گے اور حالات پر گہری نظر

رکھیں گے،لوگ ان کا دامن پکڑ پکڑ کر کھینچ رہے تھے اور انھیں جانے سے روکنا چاہتے تھے مگر وہ چلے گئے۔"

اشباح نے کہا۔"واقعی وہ ہمارے قبیلے کے بے لوث غم خوار ہیں۔"

ہلابہ نے خلوص دل سے کہا۔"اللہ انھیں سلامت رکھے۔"پھر چونک کر بولی۔"اشباح!تم نے میدان میں کسی کو گرایا؟"

اشباح سمجھ گیا کہ ہلابہ نے یقیناً جنگ میں کسی کو گرایا ہے اس لئے وہ یہ موضوع چھیڑ رہی ہے۔اس نے کہا۔"ہاں ایک گھڑ سوار اور تین پیادوں کو تو میں نے موقع پر ہلاک کر دیا،اس کے علاوہ دس بیس کو کاری ضربیں لگائیں۔تم بتاؤ۔۔۔تمہاری کارکردگی کیا رہی؟"

ہلابہ کے چہرے پر معصوم خوشی نظر آئی۔وہ بولی۔"میری تلوار نے دو پیادوں کو جہنم رسید کیا۔اس کے علاوہ میں نے بنی سفال کی ایک پانی پلانے والی کو اس بری طرح گھوڑے تلے روندا کہ اب کبھی لڑائی کا نام نہیں لے گی۔"

دونوں باتوں میں مصروف تھے جب اچانک ایک آواز نے انھیں چونکا دیا۔یہ سراط تھی۔ہلابہ نے آنچل کمر سے کھول کر فوراً سر پر ڈال دیا۔

سراط نے قریب آ کر کہا۔"بیٹا!میں تمھیں گھر ڈھونڈ رہی تھی۔تم یہاں ہو۔"

اشباح نے پیار سے کہا۔ "کیا بات ہے امی جان۔"

سراط بولی۔ "بیٹا ابھی کچھ گھڑ سوار گلی سے گزر کر سردار ابو حارث کے مکان کی طرف گئے ہیں۔ اجنبی لوگ ہیں۔ مجھے شک گزرتا ہے کہ بنی حنان کے آدمی ہیں۔ جا کر دیکھو تو سہی کیا بات ہے۔"

بنی حنان کا نام سن کر اشباح کا ماتھا ٹھنکا۔ اس وقت بنی حنان کے لوگ یہاں پہنچے تھے تو ضرور کوئی اہم بات تھی۔ بنو عمار کے خلاف تین قبیلوں کے اتحاد میں بنی حنان کا کردار ہمیشہ متنازع رہا۔ چھ سات ماہ پہلے بنی حنان کے اپنے دونوں دوست قبیلوں کے ساتھ شدید اختلافات ہو گئے تھے۔ انہی اختلافات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اشباح نے ان پر حملہ کرا دیا تھا اور کنوئیں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد میں ان کے اختلافات دب گئے تھے لیکن دور نہیں ہوئے تھے۔ اس کا ثبوت کل کے واقعات تھے۔ کل یاسر نے اسے حملے کی خبر دیتے ہوئے بتایا تھا کہ بنی حنان اور بنی سفال کے سرداروں میں اس بات پر جھگڑا ہوا ہے کہ ابو حارث کی بیٹیوں پر کون قبضہ کرے گا اور اس کے گھوڑے کس کے استعمال میں آئیں گے۔ بنو عمار کی بر وقت کاروائی سے اس تقسیم تک نوبت نہیں پہنچی مگر اس بات سے یہ ضرور ظاہر ہوتا تھا کہ بنی حنان اور بنی سفال کے درمیان وسیع خلیج حائل ہو چکی ہے۔

ماں کی زبانی اجنبی گھڑ سواروں کی آمد کا سن کر اشباح فوراً سردار کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ مکان سے باہر ببول کے درختوں تلے چھ عدد ہانپتے ہوئے گھوڑے دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ اجنبی سردار کے مکان پر ہی اترے ہیں۔ وہ اندر پہنچا تو نشست گاہ میں اہم گفتگو کا آغاز ہو چکا تھا۔ دروازے پر کھڑے یمنی دربان نے اسے روکنا چاہا مگر اس وقت سردار ابو حارث کی نگاہ اس پر پڑی اس نے بادل ناخواستہ اشباح کو اندر بلایا۔ اشباح نے

السلام علیکم کے بعد حاضرین پر ایک نگاہ دوڑائی اور کھجور کی چٹائی پر سب سے آخری قطار میں بیٹھ گیا۔ گفتگو پھر شروع ہو گئی۔ جلد ہی اشباح کو اندازہ ہو گیا کہ یہ بنی حنان کے آدمی ہیں اور یہ اہم خبر لے کر پہنچے ہیں کہ بنی حنان نے اپنے حلیفوں سے قطع تعلق کر لیا ہے اور اب وہ بنو عمار کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہیں۔۔۔۔ کل کی شاندار فتح کے بعد حالات میں اس قسم کی تبدیلی عین متوقع تھی۔ بنی حنان کے ان سفیروں نے یہ بھی بتایا کہ ان کے سرداروں کے بمعہ اپنے قریبی ساتھیوں کے اسلام قبول کر لیا ہے اور قبیلے کا بت خانہ گرا کر اپنے اس فیصلے کا اعلان بھی کر دیا ہے اس اعلان کے بعد لوگ دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔۔۔۔ یہ ایک حیران کن اور مسرت انگیز خبر تھی۔ حاضرین نے بیک وقت ماشاءاللہ اور الحمدللہ کے الفاظ پکارے۔ سفارت کے سردار نے ابو حارث سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"سردار محترم ابو حارث! ہمارا سردار دوستی کا مضبوط رشتہ استوار کرنے کے لئے بنفس نفیس آپ سے ملنا چاہتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مقام اور تاریخ کا تعین فرمائیں تاکہ یہ ملاقات جلد ہو سکے۔"

اس سے پیشتر کے سردار کوئی جواب دیتا، اس کا بھتیجا بول پڑا "اجنبی دوستو! ہمیں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں کوئی تردد نہیں مگر سب سے پہلے یہ فیصلہ ہونا چاہئیے کہ آپ اپنے قبیلے کی نمائندگی بھی کر رہے ہیں یا نہیں اور اگر کر رہے ہیں تو اپنی پیشکش میں کس حد تک مخلص ہیں۔"

عقیل کے اس تند سوال نے مہمانوں کے چہرے اتار کر رکھ دئے۔ سردار ابو حارث نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔

"درحقیقت ہم چاہتے ہیں کہ اپنے صلاح کاروں سے پوری طرح مشورہ کرلیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کل رات کی مہم کا کماندار زہار تھا اور وہ اس وقت قبیلے میں موجود نہیں۔ اسے آئندہ ہفتے آنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ اس کے رائے سے طے کیا جائے۔"

اشباح نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "محترم سردار! میری رائے میں سردار زہار اس مفاہمت کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ وہ اہل بنی حنان کے لئے دل میں نہایت نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ پھر بھی اگر آپ سوچنا چاہتے ہیں تو سوچ لیں۔۔۔۔ لیکن میں ایک عرض کرنا چاہوں گا۔

"کہو۔" سردار ابو حارث نے کہا۔

اشباح اپنی جگہ سے اٹھا اور بے تکلفی کے ساتھ سردار حارث کے پہلو میں آبیٹھا۔ سردار سمجھ گیا کہ وہ کان میں کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنا کان اشباح کی طرف کر دیا۔ اشباح مدھم سرگوشی میں بولا۔ "سردار محترم! کم از کم خیر سگالی کے طور پر بنی حنان کے کل پکڑے گئے قیدیوں کو ضرور رہا کر دیں۔"

سردار نے تفہیمی انداز میں سر ہلا دیا۔

اپنی شوریٰ سے سرگوشیوں میں مشورہ کرنے کے بعد اس نے اعلان کیا کہ میں اظہار خیر سگالی کے طور پر بنی حنان سے تعلق رکھنے والے تمام قیدیوں کو رہا کرتا ہوں اور ان کا ساز و سامان بھی واپس کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اپنے مہمانوں کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ ان کے سردار سے میری ملاقات دس یوم کے اندر اندر ہو گی۔ وقت اور مقام سے مطلع کرنے کے لئے میں عنقریب اپنا ایلچی روانہ کروں گا۔"

ضروری گفتگو کے بعد یہ محفل بڑے خوشگوار انداز میں اختتام پذیر ہوئی۔ اشباح فوراً اپنے گھر کی طرف لپکا تاکہ اپنے نانا کو بنی حنان کے مسلمان ہونے کی خوشخبری سنا سکے۔ یقیناً یہ ایک نہایت اہم خبر تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرے روز کی بات ہے علی الصبح اٹھتے ہی اشباح کو اس مراسلے کا خیال آیا جو اسے بنی سفال کے زیر تعمیر قلعے سے ملا تھا۔ وہ اس مراسلے کو دو دفعہ دیکھ چکا تھا لیکن تنہائی میں ایک بار پھر پورے غور سے پڑھنا چاہتا تھا۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اس نے اپنا گھوڑا لیا اور بستی سے نکل کر مغرب کی طرف ہو لیا۔ زلال نامی کنواں اسی جانب تھا۔ بستی سے اس کا فاصلہ تقریباً دو تہائی فرسخ تھا۔ کنوئیں کے ارد گرد باغ تھا اور باغ کے ساتھ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ یہ لوگ بڑے شریف الطبع تھے اور صرف کھیتی باڑی سے کام رکھتے تھے۔ کنوئیں پر کسی بھی قبیلے کا قبضہ ہوتا انہیں پانی ملتا ہی رہتا تھا اس لئے وہ کسی کی طرف داری نہیں کرتے تھے، چھ ماہ پہلے باغ اور کنوئیں کے گرد اشباح نے گارے اور پتھر کی ایک مضبوط دیوار کھنچوا دی تھی اور یہاں آٹھوں پہر ایک چوکس دستہ موجود رہتا تھا۔ بنی سفال کی طرف سے کنوئیں پر حملے کی صورت میں کسی کسی بھی ہنگامی حالت میں بستی والوں کو خبردار کرنے کے لئے دو میل کے راستے میں چار چوکیاں بنائی گئی تھیں۔ یہاں گھنٹیوں کا انتظام تھا۔ مخصوص گھنٹیوں کے ذریعے خطرے کا پیغام چند لمحوں میں زلال سے بستی تک پہنچ سکتا تھا۔ اشباح ان انتظامات کا معائنہ کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔ زلال پر پہنچ کر اس نے اپنا گھوڑا ایک خزامی (پھولدار صحرائی درخت) کے نیچے باندھا جو کے کھیتوں میں پیدل چلنے لگا۔ صبح کی خشک ہوا اس کے جسم میں تازگی بھر رہی تھی۔ وہ منہ میں کچھ گنگناتا ہوا شفاف پانی کی اس آب جو (نالی) کے ساتھ ساتھ چلنے لگا جو زلال کے کھیتوں

تک آتی تھی۔ آخر وہ آب جو کے کنارے ہی ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا اور عبا سے خط نکال کر پڑھنے لگا۔ یہ تحریر چمڑے کے ایک باریک ٹکڑے پر لکھی تھی۔ مضمون کچھ یوں تھا۔

"عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے اپنے بھائی دوست شیخ قحطانی کے نام۔"

آپ کے اس مراسلے کے جواب میں جو مجھے مسجد نبوی کے پتے پر ربیع الاول کی سات تاریخ کو ملا۔۔۔ بعد از سلام دعا۔

محترم دوست! آپ کی معلومات درست ہیں۔ ہندوستان میں واقعی ایک ایسا واقعہ رونما ہو چکا ہے اور آپ نے بجا فرمایا ہے کہ یہ ایک سنگین صورت حال ہے۔ بہر حال ابھی یہ خبر صرف خاص حلقوں تک محدود ہے اور ہمارا مفاد بھی اسی میں ہے کہ خبر زیادہ پھیلنے نہ پائے۔ باقی آپ نے جو عملی اقدام کے بارے میں پوچھا ہے تو میں عرض کروں گا کہ اس وقت ہماری نصف اسلامی فوج افریقہ میں اور تقریباً نصف ترکستان میں بر سر پیکار ہے۔۔۔۔ اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں دونوں مقامات پر لڑائی نازک دور میں ہے۔ دمشق میں خلیفہ کے لئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ کسی بھی محاذ سے فوج نکال کر حجاج بن یوسف کی مدد کو بھیج سکے۔ اگر ایسا کیا جاتا ہے تو یقیناً اس کا نتیجہ مسلمانوں کی ہزیمت کی صورت نکلے گا۔

شاید ہندوستان کے راجا نے یہ قدم اٹھایا ہی اس لئے ہے کہ وہ مسلمانوں کی مجبوری سمجھ رہا ہے۔ ان حالات میں حجاج نے بات چیت کا جو راستہ اختیار کیا ہے وہ یقیناً مناسب و حسب و حال ہے۔ ہمیں دعا کرنی چاہئیے کہ

اللہ تعالیٰ اسے اس مقصد میں کامیابی بخشے اور برسرپیکار فوج کو مشکل میں ڈالے بغیر مسلمانوں کی بہتری کی کوئی صورت نکل آئے۔ آمین۔

میں آپ کو انشاءاللہ بصرہ کے تازہ ترین حالات سے باخبر رکھوں گا۔

دعا گو عمر بن عبدالعزیز

اس وقت درخت تلے بیٹھ کر اشباح نے یہ خط کئی بار پڑھا اور ہر دفعہ اس کے تجسس میں گوناگوں اضافہ ہوا۔ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ خط کسی بہت بڑے حادثے کی نشاندہی کر رہا ہے، ایسا حادثہ جس کا تعلق سرزمین ہند سے ہے لیکن ابھی عرب کے عام لوگ اس حادثے سے باخبر نہیں۔ اس حادثے یا واقعے کی اہمیت خط کے الفاظ سے صاف صاف ظاہر تھی۔ دونوں علماء کی خط و کتابت سے پتا چلتا تھا کہ والئی بصرہ حجاج بن یوسف کو اس واقعے نے اس قدر متاثر کیا ہے کہ وہ ہند پر فوج کشی کرنا چاہتا ہے لیکن ملکی حالات اسے اجازت نہیں دیتے ہیں لہٰذا اس نے بات چیت کا راستہ اختیار کر رکھا ہے تاہم حالات کسی بھی وقت نیا رخ اختیار کر سکتے ہیں۔

صحرائے عرب کے ایک دور دراز حصے میں آباد ہونے کے باوجود اشباح کو اسلامی حکومت کے حالات و مسائل سے ہمیشہ دلچسپی رہی تھی۔ وہ مکہ یا عدن کے مسافروں سے عموماً ملکی حالات دریافت کرتا رہتا تھا۔ ایک دو بار اسے خود بھی عدن جانے کا اتفاق ہوا۔ پہلی بار وہ قبیلے کے چند دوستوں کے ساتھ سیر و شکار کو نکلا تھا اور بھٹک کر عدن جا پہنچا تھا۔ دوسری مرتبہ اسے اپنے نانا کی بیماری کے سلسلے میں عدن کے ایک معروف طبیب کے پاس جانا پڑا تھا۔ پھر ایک بار وہ اپنے نانا کو لے کر بھی عدن گیا تھا۔ عدن کا ساحلی موسم اسے (حضر موت) کے

پر تپش شب وروز سے بہت بھلا لگا تھا۔ ہر دفعہ اس نے عدن کے پڑھے لکھے باخبر لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کی کوشش کی تھی تاکہ بیرونی دنیا کے بارے میں اسے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں۔

اب یہ مراسلہ پڑھ کر اس کے ذہن میں عجیب عجیب وسوسے جاگ رہے تھے۔ آخر ایسا کیا واقعہ رونما ہوا تھا کہ جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسی دانا بینا ہستی کو بھی یہ کہنے پر مجبور کیا ہے کہ یہ ایک سنگین ترین واقعہ ہے۔ وہ حجاج بن یوسف کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا حجاج ابتدائی دور میں بہت ظالم منتظم اور سنگدل حکمران رہا ہے مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کی دانائی اور فراست میں بھی اضافہ ہوا تھا اور اب اگر اس جیسا تجربہ کار حکمران اس معاملے کو اتنی تشویشناک نگاہوں سے دیکھ رہا ہے تو یقیناً بات تشویش کی تھی اور اس کی تفصیل ہوشربا ہی ہو گی۔

وہ درخت کے نیچے لیٹا کافی دیر خط کے مندرجات پر غور کرتا رہا پھر اسے ہوا کے جھونکوں نے تھپک تھپک کر نیند کی وادی میں پہنچا دیا۔ حالت نیند میں بھی اس کی سوچوں کا مرکز یہ خط ہی رہا۔ کبھی وہ خواب میں دیکھتا کہ بھرے بازار میں حجاج بن یوسف کے سامنے کھڑا ہے اور بڑے احترام سے کہہ رہا ہے۔

"یا والئی بصرہ! مجھے بتایئے کہ اس خط سے کیا راز وابستہ ہے اور اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے تو خدارا اس مصیبت کو صرف اپنے دل کا بوجھ نہ بنایئے، اور کسی کو نہیں تو ہم صحرا نشینوں کو بتایئے۔ ہم اسلام کی خاطر آپ کے اشارے پر جانیں ہتھیلیوں پر رکھ لیں گے۔"

کبھی وہ خود کو ایک باریش بزرگ کے سامنے مدینے کے سبزہ زار میں گھومتے ہوئے پاتا۔ وہ دیکھتا کہ بزرگ جو عمر بن عبدالعزیز ہیں نہایت رازدانہ لہجے میں اس سے باتیں کر رہے ہیں اور اسے خط کے بارے میں تفصیل سے بتا رہے ہیں۔۔۔۔ لیکن اتنے دھیمے لہجے میں بتا رہے ہیں کہ اشباح کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ بس وہ ان کے لبوں کی حرکت دیکھ سکتا ہے۔ بزرگ کے نورانی چہرے سے جاہ و جلال ٹپک رہا ہے اور آنکھوں سے اندرونی کوفت اور اضطراب کا اظہار ہو رہا ہے۔

دوپہر تک اشباح درخت کی چھاؤں میں سویا رہا اور ایسے ہی خواب دیکھتا رہا۔ جب دھوپ درخت کا کلاوہ کاٹ کر اس کے سر کو چھونے لگی اور چہرے میں سوئیاں سی اتریں تو وہ جاگ گیا۔ ظہر کا وقت ہونے کو تھا اس کا گھوڑا خزامی کی چھاؤں میں کھڑا درخت کی چھال ادھیڑ رہا تھا۔ اشباح نے کچھ سبز ٹہنیاں توڑ کر اس کے سامنے ڈالیں پھر آب جو کے ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ نماز شروع کرنے سے پہلے ہی وہ دل میں یہ اہم فیصلہ کر چکا تھا کہ اس خط کے متعلق جاننے کے لئے مدینے کا سفر اختیار کرے گا۔ اسے امید تھی کہ اس کے قریبی دوستوں میں سے اویس اور زبیر اس کا ساتھ دینے پر تیار ہو جائیں گے، لیکن اگر وہ نہ بھی جائیں تو وہ تنہا یہ سفر اختیار کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر اس نے گھوڑا سنبھالا اور واپس بستی کی طرف چل دیا۔ گھوڑے کے پاؤں میں ابھی تک لنگراہٹ تھی لہٰذا وہ سست روی سے چل رہا تھا۔ بستی میں پہنچ کر جب وہ چچا طلحہ کے گھر کے سامنے سے گزرا تو اچانک اسے خیال آیا کہ چچا کی عیادت کر لینی چاہیئے (حالانکہ طلحہ، اشباح کی ماں یعنی سراط کا چچا تھا مگر اشباح بھی اسی چچا ہی کہنے لگا تھا) اس نے گھوڑے کو باہر ایک پتھر سے باندھا اور کھنکارتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ ہلابہ

ڈیوڑھی میں ہی بیٹھی تھی۔ بکری کے ایک بچے کو نہلانے کے بعد وہ اسے کپڑے سے خشک کر رہی تھی اشباح کو دیکھتے ہی وہ بری طرح چونکی۔ پھر اچانک اس نے اوڑھنی کا کنارہ تھاما اور گھونگٹ کھینچ لیا۔

"السلام علیکم!" کے الفاظ اشباح کے ہونٹوں پر ہی اٹک کر رہ گئے۔ اس نے حیرت ناک لہجے میں کہا" بھئی یہ کیا تماشا ہے۔ کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں؟"

ہلابہ نے کوئی جواب نہیں دیا بس سر جھکائے بیٹھی رہی۔ بکری کا بچہ حیرت سے کبھی ہلابہ اور کبھی اشباح کو تک رہا تھا۔ اشباح نے قریب جا کر کہا۔

"محترمہ! کہیں میں نے دیکھنے میں غلطی تو نہیں کی۔ تم ہلابہ ہی ہو نا؟"

"ہاں" ایک چنچل لیکن شرمیلی سی آواز ابھری اور اشباح کے کانوں میں رس گھول کر اس کے دل کے تاروں کو اجنبی انگلیوں سے چھیڑ گئی۔ اس نے بوکھلا کر پوچھا۔

"بھئی یہ گھونگٹ کیسا؟"

ایک بار پھر وہی مدھ بھری اور لچکیلی آواز اشباح کے کانوں سے ٹکرائی۔ "بہتر ہے آپ چچی جان سے پوچھیئے۔"

"چچی جان۔۔۔۔آپ۔۔۔۔یہ اجنبی اجنبی لہجہ۔۔۔۔۔" یہ گھبراہٹ اشباح کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس نے سٹپٹا کر پوچھا۔

"اچھا چچا طلحہ کدھر ہیں؟"

حالانکہ یہ سوال بے معنی تھا۔ چچا طلحہ اپنے بستر پر ہی ہو سکتے تھے بوکھلاہٹ کے سبب یہ سوال اشباح کے منہ سے نکلا تھا اور مروت کے تحت ہلابہ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اندر ہیں۔ اپنے کمرے میں۔"

اشباح لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے میں پہنچا تو چچا طلحہ بستر پر دراز اشاروں سے ظہر کی نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ وہ کچھ دیر الجھے ہوئے انداز میں وہاں کھڑا رہا پھر دوبارہ آنے کا سوچ کر اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ ہلابہ اب ڈیوڑھی میں نہیں تھی۔ اشباح گلی سے گھوڑا لے کر اپنے گھر کے صحن میں داخل ہوا تو سراط اندرونی کمرے سے برآمد ہو رہی تھی۔ بیٹے کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی پھر اس کے چہرے پر ممتا بھری مخصوص مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس بھیدوں بھری مسکراہٹ نے اشباح کو اور بھی بے چین کر دیا۔

وہ بولا۔ "امی جان! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہلابہ کہہ رہی تھی کہ۔۔۔۔ کہ۔"

سراط بولی۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ کیا کہہ رہی ہو گی۔۔۔ ادھر آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں بتاتی ہوں تمہیں سب کچھ۔"

"بیٹا بات یہ ہے کہ کل چچا طلحہ نے مجھے اور تمہارے نانا کو بلایا تھا۔ وہ بہت آزردہ دکھائی دیتے تھے۔ کہنے لگے میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ڈرتا ہوں کہ اپنی لاڈلی پوتی کو بے سہارا نہ چھوڑ جاؤں۔ چند ہفتے پہلے سردار ابوحارث نے اپنے بھتیجے عقیل کے لئے ہلابہ کا رشتہ مانگا تھا، لیکن مجھے وہ نوجوان کچھ زیادہ پسند نہیں۔ میں نے

سردار سے سوچنے کی مہلت مانگی ہوئی ہے لیکن حقیقت میں میرا فیصلہ بدلنے کا کوئی امکان نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہلابہ کو کسی نیک اور صالح نوجوان کا ساتھ نصیب ہو۔ اس سلسلے میں میں آپکی مدد چاہتا ہوں۔ چچا طلحہ کی باتیں سن کر تمہارے نانا کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور انھوں نے چچا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا پھر اشاروں سے بتایا کہ ہلابہ کہیں نہیں جائے گی وہ ہمارے گھر میں ہی رہے گی۔"

سراط نے ایک لمحہ رک کر اشباح کے سرخ چہرے کی طرف دیکھا اور بولی۔ "میرا خیال ہے تم میری بات سمجھ رہے ہو۔ اب بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے ہم کوئی غلط فیصلہ تو نہیں کر رہے ؟"

اشباح کے ذہن میں جیسے آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ بیتے ہوئے اٹھارہ سالوں میں جو دھندلی سی تصویر اس کے ذہن میں بنتی بگڑتی رہی تھی آج وہ اپنے خوشنما ترین رنگوں میں مکمل ہو کر اس کے سامنے آگئی تھی۔ اسے لگا زندگی کے تپتے صحرا میں اس نے جس شے کو سراب سمجھا تھا وہ سچ مچ کی ٹھنڈی میٹھی ندی بن کر اس کے سامنے بہنے لگی ہے اور اس کی منچلی البیلی لہریں مچل مچل کر اسے حیات نو کا نغمہ سنا رہی ہیں۔ اس نے کن اکھیوں سے ماں کی طرف دیکھا اور حیا کے بوجھ سے پلکیں جھک گئیں۔ مگر پھر جلد ہی اس نے اس کیفیت پر قابو پایا اور سنجیدگی آمیز شوخی سے بولا۔

"امی جان! کہیں آپ نے چچا طلحہ سے کوئی وعدہ تو نہیں کر لیا؟"

سراط اپنے بیٹے کی رگ رگ سے واقف تھی اس لئے اس کے غیر متوقع سوال نے اسے بالکل پریشان نہیں کیا مسکرا کر بولی۔ "نہیں وعدہ تو نہیں کیا اگر۔۔۔۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے تو میں ابھی جا کر تمہارے نانا کو منع کر دیتی ہوں۔ آخر تم جوان ہو اپنا اچھا برا سمجھ سکتے ہو اور پھر زندگی بھی تو تمہیں گزارنی ہے۔"

اشباح بولا۔ "ہاں۔۔۔ ہاں مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیجئیے۔"

سراط بولی۔ "نالائق اگر تم نے سولہ سترہ برسوں میں کچھ نہیں سوچا تو اب کیا سوچو گے۔ میرا خیال ہے تمہاری طرف سے انکار ہی سمجھوں۔"

اشباح مسکرا کر بولا۔ "نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔۔۔ میں اپنی پیاری ماں اور اپنے پیارے نانا کی دل شکنی کیسے کر سکتا ہوں۔ اب تو کسی طور دل کو سمجھانا ہی پڑے گا۔"

اشباح کی بات پر سراط اپنی ہنسی نہ روک سکی۔ اس نے آگے بڑھ کر اشباح کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کے بالوں پر بوسے دینے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی دس یوم بعد کی بات ہے۔ نصف شب کے وقت سیاہ عمامے والا یاسر اور اشباح بستی کے نواح میں شیخ احمد کے باغ میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ یاسر آج پھر ایک اہم خبر لے کر آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "۔۔۔ جناب ایک طرح بنی سفال نے ہماری چال کا توڑ کیا ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہماری پے در پے کامیابیوں کا اصل سبب زہار عرف سنہری شاہین کی قیادت ہے۔ اس سوچ نے انھیں مجبور کیا ہے کہ وہ بھی میدان جنگ

میں سبقت لے جانے کے لئے کسی نامور جنگجو کی خدمات حاصل کریں۔ لہذا سردار عتبہ کی درخواست پر بوہان نامی ایک رومی پہلوان کل ہی بنی سفال پہنچا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس دیو قامت وحشی کو دیکھا ہے۔ کل شام وہ ایک دستے کے ساتھ سردار عتبہ کے مکان پر اترا تو اس کا کسی بادشاہ کی طرح استقبال کیا گیا۔ سردار عتبہ اور دوسرے مصاحب اس کے قدموں میں بچھے جارہے تھے۔ یہ شخص بلا کا جنگجو مشہور ہے۔"

اشباح نے یاسر کو ٹوکتے ہوئے کہا۔"اس بوہان نامی شخص کے سامنے کے دو دانت ٹوٹے ہوئے تو نہیں؟"

یاسر نے چونک کر کہا۔"ہاں جناب۔"

اشباح نے کہا"اور بائیں آنکھ کے نیچے زخم کا ایک پرانا نشان ہے۔ جھوم جھوم کر چلتا ہے اور تھوکتا بہت ہے؟"

"بالکل بالکل۔" یاسر نے کہا۔"کیا آپ اسے پہلے سے جانتے ہیں؟"

اشباح کی آنکھوں میں تشویش کی پرچھائیں لہرا رہی تھیں۔ وہ کھوئے لہجے میں بولا۔

"ہاں میں اسے جانتا ہوں اور اگر یہ شخص واقعی بنی سفال میں موجود ہے تو ہمیں بے حد چوکنا رہنا ہوگا۔"

یاسر نے کہا۔"آپ نے اسے کہاں دیکھا تھا؟"

اشباح بولا۔"عدن میں۔ وہاں کچھ روز اس کے نام کا بڑا چرچا رہا تھا۔ بندرگاہ کے ایک ناظم نے انتظامیہ کو اطلاع دی تھی کہ بدنام رومی سردار اور بدنام ڈاکو بوہان شہر میں موجود ہے۔ اس شخص کی بری شہرت کے سبب انتظامیہ کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں اور وہ مسلسل پانچ روز شہر کے چپے چپے میں اسے تلاش کرتی رہی

تھیں۔ چھٹے روز شام کے وقت شہر کے مصروف چوک میں ایک قوی ہیکل گھڑ سوار ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر دہاڑ رہا تھا۔

"شہر والو! میری طرف دیکھو۔ میں بوہان ہوں۔ یہ نہ سمجھنا میں تمہارے خوف سے چھپا رہا ہوں۔ یہ میری مجبوری تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب میں علی اعلان جا رہا ہوں۔ اگر کسی میں ہمت ہے کہ بوہان کو روک سکے تو روک لے۔" اس للکار کے جواب میں موقع پر کوئی بیس عدد سپاہی بوہان پر جھپٹے مگر اس نے اور اس کے پانچ عدد ساتھیوں نے اتنی وحشت سے تلوار چلائی کہ اس چوک کو مقتل بنا کر رکھ دیا۔ بعد میں وہ دیر تک والئی عدن کو پکارتا رہا اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑا بھگاتا تاریکی میں گم ہو گیا۔۔۔۔۔ یہ شخص خلافت راشدہ کے دور میں ہونے والی کئی معروف جنگوں میں حصہ لے چکا ہے اور بلا کا شاطر ذہن رکھتا ہے۔ میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ کسی روز یہ بنی سفال کا ہمنوا بن کر سامنے آئے گا۔"

یاسر نے کہا۔"اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

اشباح گہری سانس بھر کر بولا"میرا خیال تھا کہ بنی سفال حالت ہزیمت کے بعد کچھ عرصہ آرام و سکون سے گزاریں گے۔ مگر اب یہ بات یقینی نظر آتی ہے کہ بہت جلد بلکہ شائد چند روز میں کوئی نیا واقعہ رونما ہوگا۔"

یاسر نے کہا۔"خدا کا شکر ہے کہ اس وقت ہم پہلے سے زیادہ مضبوط ہیں۔ بنی حنان کا وزن آج بنی سفال کے بجائے ہمارے پلڑے میں ہے۔"

اشباح نے کہا۔ "تم درست کہتے ہو۔ جنگ ہوئی تو بنی حنان دل و جان سے ہمارا ساتھ دیں گے مگر ہمیں صرف بنی حنان کے بھروسہ پر نہیں رہنا چاہیئے۔ جنگیں تعداد کی کثرت سے نہیں، جذبے اور ہنر مندی کی فراوانی سے جیتی جاتی ہیں۔ ہمیں نہ صرف اپنے اندر جذبہ جہاد تازہ کرنا ہو گا بلکہ بنی حنان کے نومسلموں میں بھی شوق شہادت کی روح پھونکنا ہو گی۔۔۔"

جس وقت باغ کے تاریک گوشے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں سردار ابو حارث کے گھر ایک کشادہ کمرے میں عقیل بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ اس کے تین چار دوست نشستوں پر بیٹھے یمنی پھلوں پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ عقیل کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ بوڑھا طلحہ اپنی پوتی کا رشتہ اشباح سے کر رہا ہے۔ یہ اطلاع اسے انگاروں پر لوٹانے کے لئے کافی تھی۔ در حقیقت وہ بہت عرصے سے ہلابہ پر نگاہ رکھے ہوئے تھا ورنہ اس کے لئے رشتوں کی کیا کمی تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک خوشحال اور اعلیٰ نصب گھرانا اس سے رشتہ داری کو باعث فخر سمجھ سکتا تھا۔ سب جانتے تھے کہ ابو حارث کے بعد عقیل کے سرادر بننے کے امکانات سب سے زیادہ ہیں۔ ایک طرح عقیل نے ہلابہ کا ہاتھ مانگ کر اسے قبیلے کی معزز ترین خاتون کا درجہ دینے کی کوشش کی تھی مگر ان لوگوں نے نادانی سے اسے ٹھکرا دیا تھا۔۔۔۔ اس ناکامی پر دوستوں کے طعنوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا اور عقیل آگ بگولا ہو رہا تھا۔

اس کے ایک دوست نے نیم پختہ انار کو دونوں ہاتھوں میں بھینچ کر توڑتے ہوئے کہا۔ "سالار اگر حکم ہو تو آج سورج نکلنے سے پہلے آپ کے رقیب روسیاہ کا سر اس طرح توڑ دیا جائے؟"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" عقیل نے گھمبیر لہجے میں کہا اس کی آنکھوں میں گہری چمک کروٹ لے رہی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ عقیل کے اندر پکنے والے لاوے نے اگلے چند ہی روز میں پوری بستی کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ اس نے علی اعلان کہا کہ طلحہ کی پوتی کا رشتہ اشباح کے ساتھ نہیں ہو سکتا کیونکہ اشباح ایک غیر قوم کا شخص ہے اور قبیلے کے رواج کے مطابق قبیلے کی کسی لڑکی کا رشتہ قبیلے کے باہر نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ اس مسئلے نے بستی کے ہر خاص و عام کو لپیٹ میں لے لیا اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اس کے بارے میں رائے زنی کرنے لگا۔ کچھ لوگوں کے خیال میں عقیل کی دلیل وزنی تھی اور اشباح ایک ایسا نسب گم کردہ شخص تھا جس سے ہلابہ کا نکاح ہونا قبائلی رواج کے مطابق سراسر غلط تھا۔ مگر ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو اس معاملے میں اشباح کو رعایت دینا چاہتا تھا ان کا خیال تھا کہ ماں کی جانب سے اشباح کی رگوں میں عربی خون ہے اور وہ بچپن سے یہاں پلا بڑھا ہے لہٰذا اس کی حیثیت قبیلے کے فرد کی ہے۔

معاملے نے طول کھینچا تو گنتھنی نا گنتھنی باتیں ہوئیں جن کے سبب قبیلہ دو واضح گروہوں میں بٹ گیا۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ طلحہ بد عہدی کا مرتکب ہوا ہے۔ اس نے سردار ابو حارث کو زبان دے کر پوتی کا رشتہ اشباح سے کرنا چاہا ہے اور اشباح چونکہ قبائلی قاعدے کے مطابق ہلابہ سے شادی کا اہل نہیں لہٰذا ہلابہ کی شادی فوراً عقیل سے ہونی چاہیئے۔ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ سردار ابو حارث اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے اور طلحہ کی مرضی کے خلاف مختلف حیلے بہانوں سے اس کی پوتی کا ہاتھ اپنے چہیتے بھتیجے کے ہاتھ میں دینا چاہتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منظر جلے ہوئے بت خانے کے سیاہ کھنڈروں کا تھا۔ پتھروں کی دراڑوں میں صحرائی گھاس جھانک رہی تھی اور شکستہ دیواروں پر ویرانی نے پر پھیلا رکھے تھے۔ کچھ دور ابو ریاض کے ٹیلوں کے پیچھے سورج غروب ہو رہا تھا۔ اس کی الوداعی کرنیں اشباح کے اداس چہرے کو اداس تر بنا رہی تھیں۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھا تھا سوچوں میں گم تھا۔ اس کے سامنے ایک دوسرے پتھر پر یاسر بیٹھا تھا۔ اس نے سورج کی کرنوں سے بچنے کے لئے اپنے سیاہ عمامے کا گھونگٹ سا بنا رکھا تھا۔ آخر اس کی آواز نے سکوت کا طلسم توڑا۔

"جناب! آپ اس معاملے میں زہار کے کردار سے کیوں مدد نہیں لیتے کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ زہار کے بھیس میں بستی پہنچیں اور قبیلے والوں کے اختلافات دور کرنے کی کوشش کریں۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کی بات مانیں گے۔"

اشباح نے ٹھوس لہجے میں کہا" یاسر! میں اپنے اس آخری سہارے کو داؤ پر نہیں لگانا چاہتا۔ ویسے بھی یہ کوئی جنگی مسئلہ نہیں۔ قبیلے کے رسم و رواج کا جھگڑا ہے اور اس میں زہار بھی اتنا ہی بے بس ثابت ہو گا جتنا میں ہوں یا تم۔ اپنے اندرونی معاملات میں زہار کی مداخلت کو قبیلے کے کچھ لوگ بے جا و ناجائز تصور کریں گے اور عین ممکن ہے صورت حال مزید الجھ جائے۔"

یاسر نے کہا۔ "پھر اب کیا ہو گا؟"

اشباح نے کہا۔ "مجھے تو لگتا ہے چند دن صورت حال جوں کی توں رہی تو دونوں طرف سے تلواریں نکل آئیں گی۔ عقیل اور اس کے ہمنواؤں کی ہٹ دھرمی سے مسلمانوں کو جو عظیم نقصان پہنچنے والا ہے اس کے تصور سے میں کانپ جاتا ہوں۔۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔۔۔"

فقرہ ادھورا چھوڑ کر اشباح خاموش ہو گیا۔ یاسر کچھ دیر احتراماً اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا، جب وقفہ طویل ہوا تو بولا۔

"جناب آپ کچھ کہہ رہے تھے؟"

اشباح نے طویل سانس لے کر کہا۔ "یاسر! میں مسلمانوں کی بہتری کو اپنی ہر خواہش سے مقدم جانتا ہوں۔ ایک دنیاوی مسئلے پر بھائی ایک دوسرے کا گلا کاٹیں، مجھے کسی صورت منظور نہیں۔۔۔ اور پھر ان حالات میں تو ہمیں اتحاد و یگانگت کی ضرورت ہمیشہ سے زیادہ ہے۔ ہمارے دشمن زبردست تیاری کر رہے ہیں اور کسی بھی وقت وہ ہمیں میدان جنگ سے للکار سکتے ہیں۔ ایسے میں اگر ہم باہم دست و گریباں رہے تو مطلب خود کشی کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا۔۔۔۔ لہذا سوچ و بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس رشتے سے دستبردار ہو جاؤں۔"

یاسر نے افسردگی سے کہا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ اتنی آسانی سے یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ آپ کا یہ ایثار کسی کے لئے ناکردہ جرم کی سزا بن جائے گا۔"

اشباح نے ٹھوس لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم سے رائے نہیں مانگی اپنا فیصلہ بتایا ہے۔"

اشباح کے مخصوص تحکمانہ لہجے نے یاسر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر رہا ہے۔۔۔دبی ہوئی آواز میں بولا۔

"معافی چاہتا ہوں جناب۔" اشباح خاموش رہا

یاسر نے ڈرتے ڈرتے کہا "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس فیصلے کا اعلان کب کریں گے ؟"

اشباح نے کہا۔ "ابھی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مغرب کے بعد شیخ احمد کے باغ میں ایک جلسہ ہو رہا ہے جس میں سردار ابو حارث کے مخالفین شرکت کر رہے ہیں۔ غالباً وہاں بہانوں بہانوں سے سرادر پر کیچڑ اچھالا جائے گا اور اسے بھتیجے کی ناروا پشت پناہی پر مطعون کیا جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی دستبرداری کا اعلان جلسہ گاہ میں کروں، تاکہ کل کسی کو اشتعال انگیزی کی جرات نہ ہو۔"

یاسر خاموش تھا مگر اس کا چہرہ گواہی دے رہا تھا کہ اشباح کے فیصلے پر اسے سخت دکھ ہوا ہے۔

اور پھر وہی ہوا جو اشباح نے کہا تھا۔ وہ مشعلوں سے گھری ہوئی اس جلسہ گاہ میں پہنچا جہاں اس کا ایک دوست اویس جوشیلی تقریر کرنے میں مصروف تھا۔ جلسہ گاہ کے چبوترے پر پہنچتے ہی اشباح نے اسے خاموش کرا دیا اور اپنے حق سے دستبرادری کا اعلان کر دیا جس کے لئے اس کے حمایتی نعرہ زن تھے۔ لوگوں نے حیرت سے یہ اعلان سنا اور ان کے چہرے بجھ گئے۔ کچھ نے اس فیصلے پر احتجاج کیا اور کچھ نے آزردہ ہونے کے باوجود اشباح کے جذبہ قربانی کو سراہا۔ مایوس اور دل گرفتہ مجمع منتشر ہونے لگا تو اشباح بھی تھکے ہارے قدموں سے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر پہنچا تو اسے ہر شے بدلی بدلی نظر آئی۔ وہی در و دیوار تھے اور وہی چہرے مگر ہر

شے سے ویرانی ٹپک رہی تھی۔ اس کی ماں اور اس کے نانا کو اس فیصلے کا علم ہو چکا تھا۔ وہ دونوں بھی رنجیدہ تھے مگر انھیں معلوم تھا کہ اشباح کے اس فیصلے کے پیچھے کون سا مقصد کار فرما ہے۔ اس نے اہل قبیلہ اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے اپنے دل پر ضبط کا وزنی پتھر رکھ لیا تھا۔۔۔اس کی ماں اپنی آزردگی چھپانے کے لئے چادر اوڑھ کر لیٹ چکی تھی اور نانا تسبیح پڑھنے میں مشغول تھے۔ اشباح سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آیا اور ٹھنڈے بستر پر ٹانگیں پھیلا کر ستاروں کو گھورنے لگا۔۔۔۔ اپنے اس فیصلے پر اسے قطعی پیشمانی نہیں تھی لیکن نہ جانے کیا بات تھی اچانک ہی اسے اپنے اندر ایک وسیع خلا محسوس ہونے لگا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنے کسی دیرینہ رفیق کو کھو دیا ہو۔ ہلابہ کا چہرہ بار بار اس کے ذہن میں آ جاتا تھا اور بھولی بسری یادیں قطار در قطار نگاہوں میں اترنے لگتیں۔ کبھی وہ خود کو ہلابہ کے ساتھ بچپن کی گلیوں میں اچھلتے کودتے دیکھتا، اس کی فرمائش پر جنگلی بیروں پر چڑھتا، ننھے سے تیر کمان سے کھجوروں کے خوشے گراتا، جنفل (ایک صحرائی درخت) کی گٹھلیاں پھوڑ پھوڑ کر گودا کھاتا۔ بکریوں کے پیچھے بھاگیا اور نانا کی نظریں بچا کر ان کا دودھ دھوتا۔ کبھی وہ خود کو ایک نو عمر لڑکے اور ہلابہ کو نوخیز لڑکی کے روپ میں دیکھتا۔ دونوں اپنے جسمانی تقاضوں سے بے خبر معصومیر کی قبا پہنے گھوڑوں پر سوار صحرا کے چکر لگاتے۔ شرطیں لگا کر ٹیلوں پر چڑھتے اور شیخ احمد کے باغ کی ٹھنڈی چھاؤں میں کٹھ پتلیوں کے تماشے دیکھتے۔ عمر کے تمام مدارج ایک ایک کر کے اشباح کی نگاہوں میں گھومے اور پھر اس نے وہ منظر دیکھا جب ہلابہ اسی سے پردہ کیے بیٹھے تھی اور اس کی شوخ اور لرزاں آواز اسے بتا رہی تھی کہ کوئی انہونی ہو چکی ہے۔ کہیں سے کوئی مہربان چشمہ پھوٹ کر ان کی زندگیوں کو سیراب کرنے والا ہے۔ لیکن پھر اچانک صحرا کی کوکھ سے آندھی نے جنم لیا اور سب کچھ تہہ و بالا ہو گیا۔ محبت نے پڑاؤ بھی نہ ڈالا تھا

کہ امید کے خیمے اکھڑ گئے۔ نگاہوں نے اپنے انداز بھی نہ بدلے تھے کہ آنکھوں میں ریت کے لشکر اتر گئے۔۔۔۔۔اور یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ خواب بن کر رہ گیا۔اشباح کے دل کے اندر سے آواز آئی۔"اشباح بن سقیل! تم بہت نا سمجھ ہو۔ تم ہلابہ سے محبت کرتے تھے، تم اس سے محبت کرتے تھے۔۔۔۔۔۔"

وہ اس آواز کی بازگشت سن رہا تھا جب مسجد سے عشاء کی اذان ابھری۔ وہ تمام خیالات کو جھٹکتا ہوا نماز کے لیے اٹھ گیا۔ چھت سے نیچے آکر اس نے صحن کے چھوٹے سے حوض سے وضو کیا۔ نانا جی آج گھر میں نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ شاید ان کی کمر میں پھر درد ہو رہا تھا۔ اشباح اکیلا ہی مسجد روانہ ہو گیا۔ نماز پڑھنے کے بعد نمازی ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے۔ وہ وہیں مسجد کے صحن میں لیٹ گیا نہ جانے وہ کب تک خانہ خدا کے ٹھنڈے فرش پر لیٹا سوچوں میں گم رہا۔۔۔۔ چاروں طرف رات کا سناٹا پھیل چکا تھا۔ تاروں کی مدھم روشنی دور حضر موت کے ٹیلوں تک بکھری ہوئی تھی۔ اچانک اندھیرے کی کوکھ سے گھنٹی کی ایک دور افتادہ آواز ابھری۔ اشباح چونک کر اٹھ بیٹھا۔ پھر ایک دوسری آواز ابھری جو نسبتاً زیادہ بلند تھی پھر ایک تیسری آواز بستی کے بالکل قریب سے آئی اور یہ اتنی بلند تھی کہ اس نے ہر شخص کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اشباح کے جسم کا ہر رواں کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "لبیک یا غنیم۔۔۔۔ لبیک یا غنیم۔۔۔اے دشمن میں آرہا ہوں۔ تو نے مجھے پکارا ہے تو میں حاضر ہوں"۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھنٹی کی بازگشت ابھی تک فضاؤں میں گونج رہی تھی۔ اشباح اپنی جگہ سے اٹھا اور تند بگولے کی طرح مسجد سے باہر نکل گیا۔ جب وہ بھاگتا ہوا بستی کے بڑے چوک میں سردار ابو حارث کے مکان پر پہنچا تو وہاں پریشان چہروں والے دس پندرہ افراد اکٹھے ہو چکے تھے۔ مزید لوگ بھی گھروں سے بھاگ بھاگ کر چوک میں پہنچ رہے تھے۔ اشباح چھلانگ لگا کر ایک بلند پتھر پر چڑھ گیا اور چلا کر بولا۔"بھائیو! گھوڑوں پر زینیں کس لو۔"زلال" ہمیں پکار رہا ہے۔"

اتنے میں سردار ابو حارث اور عقیل بھی چوک میں پہنچ گئے۔ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ اس دوران بستی کے طول و عرض سے نقاروں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ان آوازوں کا ایک ہی مطلب تھا۔" جہاں اور جس حال میں ہو مسلح ہو کر بڑے چوک میں پہنچ جاؤ"۔ چونکہ بنی سفال کی طرف سے حملے کا خطرہ موجود تھا۔ لہٰذا قبیلہ بنی حنان کے چند دستے دو روز سے بنو عمار میں موجود تھے۔ جنگ کی نوبت بجتے ہی یہ دستے گھوڑوں پر سوار چوک میں آ گئے۔ یوں لگا جیسے کسی نے خوابیدہ بستی کو سحر کے زور سے لمحوں میں آمادۂ پیکار کر دیا ہو۔ نیند سے اٹھنا اور جنگ کے لیے تیار ہونا ان قبیلوں کے لیے ایک میکانکی عمل بن چکا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بنو عمار کے سینکڑوں جنگجو جوان اور بلند ہمت بوڑھے پُر جوش نعرے بلند کرتے زلال کنویں کی طرف لپکے۔ ان کے نئے حلیف بنی حنان کے گھڑ سوار اور شتر سوار دستے ان کے ساتھ تھے۔ فوج کی قیادت سردار ابو حارث کے ہاتھ میں تھی اور عقیل اس کا نائب تھا لیکن افراتفری میں ان دونوں کو یہ خیال نہیں آیا کہ انہیں اپنے حلیف بنی حنان کی بستی میں اس حملے کی اطلاع دینی چاہیئے تاکہ وہاں سے مزید فوج پہنچ سکے۔ سالارِ فوج

کی کی یہ ذمہ داری اشباح نے پوری کی۔ اس نے اپنے دوست اویس سے کہا کہ وہ میدانِ جنگ کا رُخ کرنے کی بجائے بنی حنان کی طرف جائے اور انہیں حملے کی اطلاع دے۔

دو میل کا فاصلہ طے کر کے جب وہ "زلال" پر پہنچے تو مشرقی جانب سے سرخ روشنی کا سیلاب ان کی طرف امڈ رہا تھا۔ یہ دشمن فوج کی سینکڑوں مشعلیں تھیں جو اچھلتی ناچتی کودتی برق رفتاری سے ان کے سروں پر پہنچ رہی تھی۔ صف بندی کا وقت نہیں تھا۔ سردار ابو حارث نے فوراً فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور زلال کو اپنے عقب میں رکھ کر دشمن کے سامنے ڈٹ گیا۔ دشمن اب چند سو گز کی دوری پر تھا۔ زمین دہل رہی تھی، سینے دھڑک رہے تھے اور تلواریں ہاتھوں میں مچل رہی تھیں۔ ایک طرح سے بنی سفال نے بنو عمار کا وار اس پر الٹنے کی کوشش کی تھی بعین اسی طرح چند ہفتے پہلے بنو عمار نے شبخون مار کر ان کی تیاریوں کو تہس نہس کیا تھا۔۔۔۔۔۔ اور پھر وہ قیامت کی گھڑی آن پہنچی جب دونوں متحارب گروہ تلواریں سونت کر اور نیزے تول کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ زلال کی فضا میں پُر جوش جنگی نعرے گونجے، گھوڑوں کی سموں نے چنگاریاں چھوڑیں۔ اونٹوں کی بھگدڑ سے زمین دہلی، بازوؤں نے حرکت کی، سروں پر بجلیاں کوندیں، لوہے سے لوہا ٹکرایا۔ ہونٹوں سے چیخیں اور جسموں سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ پہلے ہی طوفانی معرکے میں دونوں طرف کے بیسیوں شہسوار خاک و خون میں لوٹ گئے۔ وہ اپنے مرنے والوں اور زخمیوں میں شولہ جوالا بنے ایک بار پھر حریفوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایک دوسرے ملے میں قبیلہ بنو عمار کا شاہین صفت جوان اشباح سب سے آگے نظر آیا۔ وہ قرآنی آیات کی تلاوت کرتا، فضا کو پُر جوش نعروں سے سجاتا دوستوں کے حوصلے بڑھاتا اور دشمنوں کی ہمتیں پست کرتا، مخالف فوج کے قلب میں گھستا جا رہا تھا۔ اس کی تلوار برق آسمانی کی

طرح گرد و نواح کو خاکستر کر رہی تھی۔ اس کی آواز میدان کے شورِ محشر سے بار بار ابھر رہی تھی۔ "قدم جماؤ ساتھیو، کندھے سے کندھا ملائے رکھو۔ سیسہ پلائی دیوار بن جاؤ۔"

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر دشمن کا زور بہت زیادہ تھا۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا اور ہر طرف سے امڈا چلا آ رہا تھا۔ سردار عتبہ ایک سرخ اونٹ کے کجاوے میں سوار تھا۔ وہ سر تا پا لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کے اونٹ کو بھی زخموں سے محفوظ رکھنے کے لئے لوہے کا بوجھ پہنایا گیا تھا۔ اس کے ارد گرد رومی دستے کے جوان اور بنی سفال و بنی لہب کے خونخوار ترین جنگجو موجود تھے۔ سردار عتبہ بار بار اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر ساتھیوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ سردار ابو حارث کو مقابل آنے کو للکار رہا تھا۔ اس کی طرح اس کا ہر لشکری انتقام میں ڈوبا ہوا تھا۔ فوج کے عقب میں ایک ٹیلے پر بنی سفال کی شعر خواں عورتیں موجود تھیں۔ وہ جنگی جذبات بھڑکانے والے شعر یک زباں ہو کر پڑھ رہی تھیں اور ان کی چلاتی آوازیں تاریکی میں دور دور تک پھیل رہی تھیں۔

غرض جنگ نقطۂ عروج پر تھی اور دونوں جانب سے پورا زور لگایا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ تلوار چلاتے چلاتے اچانک اشباح کی نگاہ ہلابہ پر پڑی۔ وہ پورے جنگی لباس میں تھی اور ایک تناور کھجور کی اوٹ میں کھڑی دشمن پر تیر اندازی کر رہی تھی۔ اس نے اشباح کو دیکھا تو ٹھٹک کر رہ گئی۔ وہ دونوں چند لمحوں کے لیے مبہوت ایک دوسرے کو تکتے رہے۔ ہلابہ کی شفاف آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ آج اس نے بہت دنوں بعد اشباح کو دیکھا تھا۔ نامہرباں وقت نے کتنی جلدی ان میں ناقابل عبور فاصلے ڈال دیئے تھے۔ کل کے ہمجولی آج کے اجنبی تھے۔ ان دونوں کے درمیان رسم و رواج اور رشتوں کی آہنی دیوار حائل ہو چکی تھی۔ اشباح نے کچھ کہنا چاہا

لیکن ہونٹ تھرا کر رہ گئے۔ ہلابہ نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔ یہ سب کچھ چند لمحوں کے اندر اندر ہو گیا۔ عین اس وقت ایک جنگجو رومی سوار صفیں چیرتا ہلابہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کی زرہ میں ایک تیر اٹکا ہوا تھا۔ اس نے ہلابہ کے ساتھ کھڑے ایک مجاہد کو شہید کیا، پھر اپنا وزنی کلہاڑا ہلابہ کی طرف اٹھایا مگر اس وقت تک اشباح اپنی جگہ سے حرکت کر چکا تھا۔ وہ بلائے ناگہانی کی طرح رومی پر جھپٹا اور اسے دھکیلتا ہوا سینکڑوں قدم پیچھے لے گیا۔ اس جگہ گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا اور سر پکی فصلوں کی طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اشباح نے اپنے مقابل رومی کو جہنم واصل کیا اور اس خونی معرکے میں شریک ہو گیا۔ دفعتاً اسے فوج کے بائیں بازو سے شور اور افراتفری کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ واپس مڑا۔ جلد ہی اسے ایک سپاہی کی زبانی پتہ چل گیا کہ رومی پہلوان بوہان ایک طوفانی دستے کے ساتھ مشرقی جانب سے حملہ آور ہوا ہے اور اس نے بائیں بازو کے دستوں کو روند کر زلال کی دیوار تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ یہ ایک تشویش ناک صورتحال تھی۔ ضروری تھا کہ سردار ابو حارث قلب کو آگے بڑھا کر بائیں بازو پر دباؤ کم کرنے کی کوشش کرتا۔ مگر سردار ابو حارث کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہوئی۔ اشباح میدانِ جنگ میں چکراتا ہوا سردار کو تلاش کرنے لگا۔ پھر جلد ہی اسے سردار نظر آ گیا مگر اس حالت میں کہ اس کی لاش ایک مردہ گھوڑے تلے دبی پڑی تھی اور کسی نے اس کی دونوں آنکھوں میں نیزے پیوست کر دیے تھے۔ اشباح نے جلدی سے سردار کا عقال کھول کر اس کے چہرے پر ڈال دیا تاکہ اس کی موت سے فوج میں بددلی نہ پھیلے۔۔۔۔ ابھی اشباح دوبارہ اپنے گھوڑے پر بیٹھ ہی رہا تھا کہ اچانک اسے مہیب گڑگڑاہٹ سنائی دی اور وہ فوراً سمجھ گیا کہ دشمن نے زلال کی مشرقی دیوار گرا دی ہے۔۔۔۔ وہ مقابل گھڑ سواروں سے لڑتا بھڑتا اور پیادوں کو مارتا کاٹتا مشرقی جانب بڑھنے لگا۔ راستے

میں اسے زبیر ملا۔ اس کا بازو زخمی تھا۔ اس نے پریشان لہجے میں اشباح کو بتایا کہ دشمن مشرقی دیوار توڑ کر اندر داخل ہو گیا ہے اور اب وہ سامنے کی جانب سے بھی بھرپور حملہ کر رہا ہے۔ اشباح نے ایک علمبردار کے ہاتھوں سے علم لیا اور اسے لہرا لہرا کر ساتھیوں کے حوصلے بڑھانے لگا۔ جلد ہی سینکڑوں مجاہد دشمن کا یہ بھرپور حملہ روکنے کے لئے آہنی دیوار بن گئے۔ دشمن جس نے اپنی ساری قوت اس محاذ پر لگا دی تھی آندھی و طوفان کی طرح آگے بڑھا اور مسلمانوں سے ٹکرا گیا۔ پلک جھپکتے میں دوبدو لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔ فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے تلواریں اور نیزے بے کار ہو گئے لشکری خنجر و پیش قبض نکال کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ تھوڑی دیر خونریز جدوجہد دیکھنے میں آئی پھر مسلمان بے پناہ دباؤ کے زیرِ اثر پیچھے ہٹنے لگے۔ یہ نہایت پُرخطر مرحلہ تھا۔ دشمن کی فوج کا ایک حصہ کنویں کی فصیل کے اندر داخل ہو چکا تھا اور کسی بھی وقت عقب سے حملہ آور ہو سکتا تھا۔ صورتِ حال سنگین تھی۔ لہٰذا بڑے نقصان سے بچنے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان پسپائی قبول کر لیں۔ اچھا ہوا کہ عقیل کی عقل میں بھی بات آ گئی اور وہ جو نائب سالار کے فرائض انجام دے رہا تھا، فوج کو مغربی جانب ہٹاتا ہوا، دشمن اور زلال کے درمیان سے نکال لے گیا۔

دشمن آگے بڑھا اور اس نے پلک جھپکتے میں کنویں پر قبضہ کر لیا۔ مسلمان پسپا ہوتے ہوئے قریباً ڈیڑھ میل پیچھے چلے گئے۔ ایک طرح وہ اپنی آبادی کے مضافات میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے تیر انداز دستوں کو مختلف جگہوں پر متعین کیا اور بستی کے گرد ایک مضبوط دفاعی حصار بنا دیا۔ انہیں امید تھی کہ اگر دشمن نے فوراً بستی پر یلغار کی تو وہ اونچے اونچے ٹیلوں کا فائدہ اٹھا کر اسے بھاری نقصان اٹھائیں گے لیکن

سردار عتبہ جیسے جہاندیدہ شخص نے یہ بے وقوفی نہیں کی اور آگے بڑھنے کی بجائے زلال پر قبضہ مضبوط کرتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے روز یہ لڑائی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوئی۔ سردار عتبہ اپنے لشکر کے ساتھ زلال سے آگے بڑھ کر بستی کے سامنے کھلے میدان میں فرد کش ہوا۔ رات کی فتح نے ان کے حوصلوں کو بلند کر دیا تھا اور وہ مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ دوسری طرف بنو عمار کے اندر بھی صورتِ حال بدل چکی تھی۔ رات ڈھلے بنی حنان کے ایک ہزار لشکری کیل کانٹے سے لیس ہو کر ان کی مدد کو پہنچ گئے تھے۔ اس کے علاوہ بستی والوں کو ایک ایسا پیغام بھی ملا تھا جس نے ان کے جسموں میں تازہ روح پھونک دی تھی اور ان کے مایوس دلوں کو جوش و جذبے سے معمور کر دیا تھا۔ یہ پیغام زہار عرف سنہری شاہین کی طرف سے تھا۔ اس نے اپنے ایک نقاب پوش ساتھی کے ہاتھوں کہلا بھیجا تھا کہ کل طلوعِ آفتاب سے قبل وہ ان کے درمیان پہنچ جائے گا اور ان کے شانہ بشانہ لڑائی میں شریک ہو گا۔ یہ خبر اہلِ قبیلہ کے لیے مژدہءِ جاں فزا کی حیثیت رکھتی تھی۔ انہوں نے اپنی کمریں کس لیں اور ہتھیار چمکانے میں مصروف ہو گئے۔۔۔۔ اب ہر آنکھ زہار کی منتظر تھی اور ہر کان اس کی آہٹ پر لگا تھا۔ پھر جب بنی سفال کا لشکر پیش قدمی کر کے بستی کے نواح میں پہنچ گیا تو بنو عمار کا ہر فرد زہار کے لیے سرتاپا انتظار بن گیا۔۔۔۔۔۔ اور پھر وہ آیا۔۔۔۔ جیسے ٹیلوں کے عقب سے خورشیدِ تابناک نکلے اور نویدِ صبح بن جائے۔۔۔۔ جیسے صحرا کے دامن سے طوفانِ ریگ ابھرے اور ہر سو چھا جائے اور جیسے سمندر کی گود سے کوئی لہر اچھلے اور بے کنار ہو جائے۔ سنہری لباس میں ملبوس۔۔۔۔ سفید

گھوڑے پر سوار اپنے پانچ نقاب پوش ساتھیوں کے ساتھ گھوڑا بھگاتا وہ بستی کی شمالی جانب سے نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہی بنو عمار کے لشکری جوش و خروش سے اچھلنے لگے جنگی نعروں کے شور نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ زہار عرف سنہری شاہین بڑی متانت سے لشکر کے سامنے پہنچا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش کرایا اور ایک مختصر سی تقریر کی اس تقریر میں اس نے کہا کہ آج آخری فیصلے کا دن ہے۔ یا دشمن ہمیں ملیامیٹ کر دے گا یا ہم اسے فنا کر دیں گے۔ لٰہذا اپنے سروں پر کفن باندھ لو اور اپنے آپ سے عہد کر لو کہ ہماری تلواریں اس وقت تک نیاموں میں اس وقت تک واپس نہیں جائیں گی جب تک کفار تباہ یا سرنگوں نہیں ہوتے۔

تقریر کے بعد زہار یعنی اشباح نے اپنی نگرانی میں صف بندی کرائی۔ آگے گھوڑوں کی دو قطاریں۔ اس کے پیچھے اونٹ اور ان کے پیچھے چاق و چوبند پیادے، نیزے، بھالے، حربے سنبھالے کھڑے تھے۔ کل کوئی ڈھائی ہزار کا لشکر تھا۔ دوسری طرف دشمن بھی پوری تیاری سے آیا تھا۔ یوں لگتا تھا قبیلہ بنی سفال اور بنی لہب کا ہر فرد مسلح ہو کر میدان میں کود پڑا ہے۔ رومی دستے کو شامل کر کے لشکر کی تعداد کسی طرح بھی چار ہزار سے کم نہیں تھی۔ صف بندی ہو چکی تھی اور دونوں طرف کی فوج چوکس ہو گئی تو اشباح نے محرّر کو بلایا اور ایک خط تحریر کرنے کو کہا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

"زہار کی طرف سے بھگوڑے سردار اور بدنام قزاق بوہان رومی کے نام۔ میں جانتا ہوں کہ سردار عتبہ میں اتنی سکت نہیں کہ ہم پر حملہ کر سکتا۔ وہ بے وقوف تمہارے ورغلانے میں آ گیا۔ تم نے زلال پر قبضہ کر کے اپنی طرف سے بڑا تیر مارا ہے لیکن یہ تیر بہت جلد پلٹ کر تمھارے سینے میں پیوست ہونے والا ہے۔ اگر تم

اپنے آپ کو بڑا سورما سمجھتے ہو تو میں تمھیں ایک پیشکش کرتا ہوں، آؤ ہم سینکڑوں انسانوں کا خون بہانے کی بجائے ایک دوسرے سے فیصلہ کرلیں۔ جو مارا گیا اس کا لشکر مزاحمت کے بغیر پسپا ہو جائے گا۔۔۔ مگر میں جانتا ہوں تم فطری طور پر بزدل ہو محافظوں کے جھمگٹے میں لڑنے والا شخص کھلے مقابلے کی دعوت کیونکر قبول کر سکتا ہے۔"

یہ خط لکھوا کر اشباح نے زبیر کے حوالے کیا اور اسے حکم دیا کہ اسے دشمن کے سپہ سالار تک پہنچا دے۔ زبیر خط لے کر روانہ ہو گیا۔ اسلامی فوج بے چینی سے انتظار کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد زبیر جواب لے کر واپس آ گیا۔ رومی سردار نے لکھوایا تھا۔

بوہان کی طرف سے پردہ نشین عورت زہار کے نام۔

"طعنہ زنی کا شکریہ لیکن یہ یاد رکھو زہار! اگر میں بنی سفال کا فرد نہیں تو تمہیں بھی بنو عمار کی کسی عورت نے نہیں جنا۔ رہا سوال تم سے مقابلے کا تو میں سمجھتا ہوں تم نے بڑی مبارک بات کی ہے۔ میں تو کل رات بھی سچے عاشقوں کی طرح تمہیں تلاش کرتا رہا ہوں لیکن میرا خیال ہے تم جو اصلاً چوہے ہو کسی بل میں گھس کر بیٹھ رہے ہو گے۔ تمہارے القابات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم میرے بارے میں کافی کچھ جانتے ہو لیکن شاید تم یہ نہیں جانتے کہ میں سردار آرب کا گہرا دوست بھی تھا۔۔۔۔ہاں وہی سردار آرب جو چند عشرے پہلے تمہارے ہاتھوں ہلاک ہوا ہے۔ اس کی موت نے مجھے اس جہنم زار میں کھینچا ہے اور اب میں تمہیں یہاں سے

سیدھا جنت میں پہنچا کر چھوڑوں گا۔ تم مسلمانوں کو جنت میں جانے کا بڑا شوق ہوتا ہے نا۔ لو تیار ہو جاؤ۔ میں تم سے دُوبدو مقابلے کو تیار ہوں۔"

اس تحریر کے نیچے کچھ شعر نقل تھے۔ کسی عربی شاعر کی دھواں دھار نظم تھی جو اس نے آرب بن عوف کی ہلاکت سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔

ہائے وہ جوان رعنا، وہ شیرِ صحرا

جو بنو عمار کے کم ظرفوں کے آگے حجاز کا پہاڑ بن گیا

اس کی تلوار نے کئی مغرور گردنوں کا خون پیا۔ مگر آخر بنو عمار کے نقاب پوش کے ہاتھوں مارا گیا۔

حضر موت کی ہوائیں مدت تک اس کا نوحہ کہیں گی

اور الربع الخالی کے ویرانوں میں اس بہادر کا ماتم تاابد جاری رہے گا

ہمارے بہادروں نے قسم کھائی ہے

وہ آرب کے قاتل کو روئے زمین پر پھرنے کے لیے زندہ نہیں چھوڑیں گے

خط پڑھ کر اشباح نے محرر کو تھما دیا۔ زیر نقاب اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

اس نے زبیر سے پوچھا۔ "یہ آرب بن عوف وہی ہے نا جو جان بچانے کے لیے گھاس کے ڈھیر میں چھپ گیا تھا اور ہم نے گھاس کو آگ دکھا کر اسے باہر نکالا تھا؟"

زبیر نے کہا۔ "جی جناب، اور جب وہ سرپٹ بھاگا جا رہا تو ایک سپاہی نے حربہ پھینک کر اسے ہلاک کر دیا تھا۔"

اشباح نے مخصوص بھاری آواز میں کہا۔ "جس قبیلے کے "جوان رعنا" اور "شیرِ صحرا" ایسے ہوں وہ قبیلہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ خُدا کی قسم! آج ہم ان سے زلال کا قبضہ لینے کے لیے نہیں، انھیں نیست و نابود کرنے کے لیے لڑیں گے۔"

پھر اس نے محرر کے ہاتھ سے قلم لیا اور نامے کی پشت پر یہ الفاظ گھسیٹ دیے۔

"میں تیار ہوں بوہان! اور اللہ نے چاہا تو تیرے خون کو ٹھنڈا کر کے رہوں گا۔ کیا تو اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ یہ لڑائی صرف ہم دونوں کے درمیان ہو گی اور لڑائی کے بعد زندہ بچ جانے والا فاتح تصور ہو گا؟"

زبیر ایک بار پھر نامہ لے کر مخالف فوج کی طرف گیا۔ اس دفعہ اس کی واپسی فوراً ہی ہو گئی لیکن وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ دیو قامت بوہان چلا آ رہا تھا۔ سر تا پا لوہے میں ڈوبے بوہان کے نیچے توانا گھوڑا معمولی خچر لگتا تھا۔ میدان کے وسط میں پہنچ کر بوہان رک گیا اور زبیر گھوڑا بھگا کے اشباح کے سامنے پہنچا اس نے نامہ اشباح کی طرف بڑھایا اس پر لکھا تھا۔ "اے پردہ نشین ماہ جبیں! مجھے تیری دعوت قبول ہے اور ساری شرطیں بھی منظور ہیں۔ اب جلدی سے آ جا تا کہ میں تیرے خون سے غسل کر سکوں۔"

اشباح نے نامہ پڑھ کر پھاڑ دیا، پھر میدان میں اترنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس اثنا میں ایک جہاندیدہ بوڑھا لشکری بھاگتا ہوا آیا اور اشباح کے قدموں سے لپٹ گیا۔

"نہیں سردار! خدا کے لیے نہیں۔ آپ ہمارا واحد سہارا ہیں۔ شاید آپ اس وحشی کو نہیں جانتے۔ اس کے جسم میں حیوانی قوت ہے۔ شام اور روم میں لوگ اسے شیطان سمجھتے ہیں اور اس کے نام سے کانپتے ہیں۔"

اشباح نے اطمینان سے کہا۔ "اگر اس کے جسم میں حیوانی قوت ہے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کے غلاموں کے جسم بھی ایمانی قوت سے خالی نہیں۔ آپ لوگ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ انشاءاللہ میں اسے مار کر لوٹوں گا۔"

دو تنومند نوجوانوں نے آگے بڑھ کر کہا۔ "سردار! آپ کی جان بے حد قیمتی ہے ہم آپ کے ترکش کے تیر ہیں آپ ہمیں استعمال کریں۔ بخدا ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔"

اشباح نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بھی واپس بھیج دیا اور ہتھیار سجا کر گھوڑے پر آ بیٹھا۔ لشکریوں کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ دوسری طرف بوہان بڑی شان سے گھوڑے کو میدان میں اٹھکیلیاں کرا رہا تھا۔ اس کی حرکات سے بے پناہ اعتماد جھلکتا تھا۔ اشباح نے اپنے سرداروں (عریفوں) سے کہا۔ "فوج کو چوکس رکھو۔ اگر دشمن کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کرے تو فوراً حرکت میں آ جاؤ لیکن جب تک مقابلہ قواعد کے مطابق چلتا رہے، دخل اندازی کی کوشش نہ کرنا۔"

زمانہ جاہلیت میں ہر قبیلے کا اپنا اپنا رئیس ہوتا تھا۔ اگر رئیس خود اپنے قبیلے کی فوج لے کر نا جاتا تو وہ کسی دوسرے شخص اور عموماً اپنے کسی قریبی عزیز کو فوج کا امیر مقرر کرتا۔ ایسے سردارِ لشکر کو منکسب کہتے ہیں۔ ہر منکسب

کے ماتحت پانچ عریف ہوتے اور ہر عریف دس یا سات آدمیوں پر افسر ہوتا۔ ابتدائے میں انہی اصولوں پر عمل کیا گیا۔

ایک سردار نے کانپتے لہجے میں کہا۔ "سالار! آپ کو کچھ ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔ تو ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

اشباح نے کہا۔ "ہم عہد شکنی نہیں کریں گے۔ میں چاہوں گا کہ اس صورت میں آپ وقتی طور پر زلال کی واپسی کا خیال دل سے نکال کر بستی واپس لوٹ جائیں۔ ہاں اگر وہ بستی پر حملہ کریں تو پھر انھیں منہ توڑ جواب دیا جائے۔ میرے بعد تمہارا سالار عقیل ہو گا اور اگر عقیل نہ رہا تو زبیر اور اگر وہ نہ رہا تو ابو حارث کے گھرانے میں سے کسی کو سردار چن لینا۔"

یہ کہتے ہوئے اشباح نے ایک نظر اپنی فوج کی طرف دیکھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ صرف وہ جانتا تھا کہ اس کی نظریں ہلابہ کو تلاش کر رہی ہیں۔ مگر اس ہجوم میں اسے ہلابہ دکھائی نہیں دی۔ اس نے ساتھیوں کو خدا حافظ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیزی سے میدان کی طرف بڑھا۔ اسے آتا دیکھ کر بوہان نے اپنا گھوڑا روک لیا اور ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آگ برساتے سورج کے نیچے، دہکی ہوئی ریتلی زمین پر دو بہادر جنگجو ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ اشباح نے خود کے نیچے سنہری نقاب باندھ رکھا تھا۔ خود اور نقاب کے درمیان سے صرف اور صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ سنہری لبادے کے اوپر وہ ایک جوشن پہنے ہوئے تھا۔ جوشن کے اوپر دل کے

مقام پر یہ قرآنی آیت لکھی تھی۔ نصر من اللہ و فتح قریب۔ اسی طرح اس کے خود پر بھی مختلف آیات کندہ تھیں۔ دوسری طرف بوہان سر تا پیر لوہے میں غرق تھا۔ اس کی سیدھی اور لمبی رومی تلوار گھوڑے کے بائیں پہلو سے لٹکی ہوئی تھی۔ جب کہ اشباح کی خم دار تلوار نیام میں تھی۔ دونوں کے ہاتھوں میں چمکدار نیزے تھے، درمیانی فاصلہ کوئی پچاس قدم تھا۔ بوہان بار بار حقارت اور تمسخر سے زمین پر تھوک رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اشباح کی طرف لپکا۔ اشباح نے بھی لگام جھٹک کر گھوڑے کو ہوا کر دیا۔ دونوں گھوڑے آمنے سامنے سے ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ اشباح نے تڑپ کر بوہان پر وار کیا۔ دوسری طرف بوہان نے بھی نیزے کو حرکت دی مگر دونوں ایک دوسرے سے بچتے ہوئے سیدھے نکل گئے۔ گھوڑے گھما کر انہوں نے ہتھیار تولے اور ایڑ لگا کر پھر ایک دوسرے کی طرف لپکے۔ اس دفعہ اشباح مدِمقابل کو ایک معمولی زخم لگانے میں کامیاب رہا۔ گھوڑے پھر سیدھے نکلتے چلے گئے۔

دونوں سواروں نے یہ عمل چار پانچ مرتبہ دوہرایا۔ آخر بوہان نے ایسا وار کیا کہ اشباح خود کو بچاتا گھوڑے سے نیچے آ رہا۔ بنی سفال نے فلک شگاف نعرے لگائے مگر جلد ہی ان کے نعرے حلق میں گھٹ گئے۔ اشباح نے لیٹے لیٹے بوہان کے گھوڑے کی لگام تھام لی تھی۔ پھر اس نے ایسا جھٹکا دیا کہ گھوڑا اپنے بھاری بھر کم بوجھ سمیت زمین پر آ رہا تھا۔ اس دفعہ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرون نے فضا کو گرما دیا۔ اشباح نے بے انتہا پھرتی سے بوہان پر تلوار کا وار کیا جو اس نے اپنی تانبے کی ڈھال پر روکا۔ پھر تڑپ کر کروٹ بدلی اور اپنی خرجین سے خوفناک کلہاڑا نکال لیا۔ اشباح نے بوہان کے ہاتھ میں کلہاڑا دیکھا تو ڈھال سنبھال کر اس پر ٹوٹ پڑا۔۔۔۔ زبردست مقابلہ شروع ہو گیا۔ خاموش فضا میں صرف لوہا ٹکرانے کی صدا باقی رہ گئی۔ اشباح کو

اندازہ ہو چکا تھا کہ بوہان کو اپنی قوت پر بے پناہ بھروسہ ہے اور وہ اسے تھکانے کے لیے بلی چوہے کا کھیل کھیل رہا ہے لٰہذا اشباح نے بھی اپنا انداز بدل لیا تھا۔ وہ وار ضرور کر رہا تھا مگر شدت سے نہیں۔۔۔۔۔کچھ دیر یہی سلسلہ جاری رہا۔ پھر اچانک بوہان نے اپنا انداز بدلا اور قدم جما کر پوری خوفناکی کے ساتھ اشباح پر حملہ آور ہوا۔ اس کے حملوں کی شدت اشباح نے اپنی ڈھال پر محسوس کی اور سمجھ گیا کہ فیصلہ کن مرحلہ آ گیا ہے۔ بوہان چیخ چیخ کر اس پر حملہ کر رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔۔۔۔اب اشباح نے بھی اپنا اصل روپ دکھایا۔ اس نے بوہان کا ایک بھرپور وار بچا کر تلوار کی طوفانی ضرب بوہان کی ڈھال پر لگائی۔ لمبوتری رومی ڈھال کا ایک ٹکڑا کٹ کر دور جا گرا۔ اسی تندی سے اشباح نے دوسرا وار کیا اور بوہان اسے ڈھال پر لیتے لیتے لڑکھڑا گیا۔ اسے لڑکھڑاتا دیکھ کر مسلمانوں نے پُر جوش نعرے بلند کیے اور بنی سفال کے لشکر میں سناٹا چھا گیا۔ بوہان کی آنکھوں میں حیرت نظر آ رہی تھی۔ وہ ابھی لڑکھڑا کر سنبھلا بھی نہ تھا کہ اشباح نے چند قدم بھاگ کر ایسی بھرپور ٹانگ بوہان کی ڈھال پر رسید کی کہ وہ ڈھال سمیت الٹ کر دور جا گرا۔ اشباح اس کی طرف لپکا مگر وہ حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ کھڑا ہوا اور اشباح سے لپٹ گیا۔ زبردست زور آزمائی کے دوران وہ اشباح کا نقاب نوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک اشباح نے اسے دھکا دے کر دور پھینک دیا۔ اس سے بیشتر کہ وہ اٹھتا اشباح نے ایک قابل دید جست بھری اور اڑتا ہوا اپنے گھوڑے پر آیا۔ بوہان بھی اٹھ کر اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا، مگر وہ اشباح جیسی پھرتی نہ دکھا سکا، اشباح نے اسے راستے میں جالیا اور نیزے کی بھرپور ضرب اس کی کمر پر رسید کی۔ نیزہ زرہ توڑ کر اس کے گوشت میں گھس گیا اور وہ کراہ کر اوندھے منہ گرا۔ اشباح نے رکابوں پر کھڑے ہو کر اپنا نیزہ بلند کیا تاکہ اس موذی پر فیصلہ کن وار کر

سکے مگر اس وقت اس پر دشمنوں کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ گھوڑا ہنہنایا اور اشباح سمیت الٹ گیا۔ یہ منظر دیکھ کر مسلمان قابو سے باہر ہو گئے۔ انھوں نے غضبناک نعرہ بلند کیا اور پوری رفتار سے دشمن کی طرف بڑھے۔ دشمن بھی حرکت میں آ چکا تھا۔ دونوں لشکر طوفان کے تند ریلوں کی طرح ٹکرائے اور خونریز جنگ ہونے لگی۔ ہتھیاروں کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخ و پکار سے صحرا کانپنے لگا۔ گرد و غبار کے دبیز بادلوں نے ہر شے کو ڈھانپ لیا۔ پُر جوش مسلمانوں نے سر پر کفن اور ہتھیلیوں پر جانیں رکھ لی تھیں اور اب اس میدانِ کارزار سے ان کی ایک ہی مانگ تھی فتح یا شہادت کی موت۔

اور پھر حق کی بالادستی ظاہر ہونے لگی۔ باطل کے قدم اکھڑنے لگے۔ کفار میں بددلی نظر آئی۔ ان کی مزاحمت ماند پڑی اور پھر اچانک وہ سینکڑوں لاشیں اور زخمی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے خاراشگاف نعرے بلند کئے اور عقابوں کی طرح ان پر جھپٹے۔۔۔۔ایک سنہری عقاب نے ان سب کو عقاب صفت بنا دیا تھا۔۔۔۔ان کے تمتماتے چہروں پر کافروں کا انجام لکھ دیا تھا اور اب وہ قبروں تک دشمن کا پیچھا کرنا چاہتے تھے۔

شاید زلال تک پہنچ کر کفار کے پاؤں جم جاتے لیکن راستے میں بنو عمار کے ستاروں کو "اپنا چاند" نظر آ گیا۔ انھوں نے سنہری شاہین کو دیکھا کہ وہ زخمی ہونے کے باوجود گھوڑے پر سوار ان کی قیادت کر رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں اسلامی پرچم لہرا رہا تھا اور ہاتھ میں صف شکن تلوار تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اہلِ قبیلہ کے سینے جوش سے لبریز ہو گئے۔ انھوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگا کر ایسا بھرپور حملہ کیا کہ پلک جھپکنے میں دشمن کو زلال سے اکھاڑ پھینکا۔ کنویں سے محروم ہوتے ہی کفار کے حوصلے بھی یکسر ٹوٹ گئے۔ وہ حواس باختہ

بھیڑوں کی طرح اپنے علاقے کی طرف بھاگتے چلے گئے۔ مسلمانوں نے بغیر رکے ان کا تعاقب جاری رکھا اور انھیں مارتے کاٹتے گراتے کچلتے چار فرسخ تک لے گئے۔ پھر کچھ ہی دیر میں حضر موت کے حیران سورج نے یہ تماشا دیکھا کہ جنگ۔۔۔۔بنی سفال کے گلی کوچوں میں ہو رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دن بنی سفال اور اس کے حلیف بنی لہب پر بہت بھاری تھا۔ اس روز بنی عمار کے مسلمانوں نے بنی سفال کے کفر کا درخت جڑ سے اکھاڑ دیا۔ دشمنوں کو اس طرح روندا گیا کہ وہ الامان الامان پکارنے لگے۔ ان کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ میں کام آئے اور سردار عتبہ قیدی ہوا۔ اس کے قید ہوتے ہی جنگ ختم ہو گئی۔ کفار نے ہتھیار ڈال کر شکست تسلیم کر لی۔ بنی سفال کے ایک بہت بڑے گروہ نے اطاعت قبول کر کے زہار کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے کایا پلٹ گئی۔ بنی لہب کا نیا سردار جو جنگ میں بچ گیا تھا، زہار کے سامنے حاضر ہوا اور زہار کی اطاعت قبول کر کے اپنے تمام ساتھیوں سمیت دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ کفر ٹوٹا تو دلوں پر خدا کی رحمت موسلا دھار برسنے لگی۔ ذہنوں میں انقلاب برپا ہوا اور زبانوں پر کلمہ ءطیبہ جاری ہونے لگا۔۔۔۔۔۔ تین روز کے اندر اندر ارد گرد کے کئی چھوٹے قبائل مشرف بہ اسلام ہو گئے اور حضر موت کے اس دور دراز علاقے میں زہار عرف سنہری شاہین کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ لوگوں نے متفقہ طور پر زہار کو اپنا سردار مان لیا اور اس کا ہر حکم بجا لانے کا عہد کیا۔ زہار یہ ذمے داری قبول کرنے سے انکاری تھا لیکن اس کی شخصیت میں ایسی پُر اسرار کشش تھی کہ

لوگ اس کے دیوانے ہو رہے تھے۔ آخر اس نے اس شرط کے ساتھ سرداری قبول کر لی کہ ہر قبیلے اور بستی کا اپنا سردار برقرار رہے گا اور اپنے اندرونی معاملات کو مقامی طور پر طے کرنے کی کوشش کرے گا۔

اب لوگوں کا ایک ہی مطالبہ تھا وہ اپنے محبوب سردار کی شکل دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس مطالبے پر اشباح نے یکدم سخت رویہ اختیار کیا۔ اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "میرے عزیزو! میں پہلی اور آخری بار تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ زندگی میں پھر کبھی مجھ سے یہ مطالبہ نہ کرنا۔ تمہارے لیے میری شکل سے زیادہ اہمیت میرے کام کی ہونی چاہیئے اور اگر کبھی تم دیکھو کہ میں علاقے کے مفاد کو نقصان پہنچا رہا ہوں تو یہ سرداری میرے منہ پر مار کر مجھے نظروں سے اوجھل کر دینا۔"

لوگ بے قرار ہو کر زہار کے حق میں زوردار نعرے لگانے لگے۔

جنگ کے بعد سے بوہان غائب تھا۔ زخمیوں اور لاشوں میں اسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی گئی مگر کچھ پتہ نہ چلا تھا۔ اس کے رومی دستے کے ساٹھ افراد گرفتار ہوئے تھے جب کہ باقی مارے گئے یا فرار ہو گئے تھے۔ ان ساٹھ افراد کو پابہ زنجیر قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ شوریٰ کے مشورے سے اشباح نے سردار عتبہ کو سزائے موت سنائی۔ اس ملعون نے سردار ابو حارث کی کنواری بیٹیوں کی بندر بانٹ کا منصوبہ بنایا تھا لہٰذا اسے سردار کی بیٹیوں کے سپرد کر دیا گیا تاکہ وہ اس سے اپنے باپ کا انتقام لے سکیں۔ سردار عتبہ یہ فیصلہ سُن کر گالیاں بکنے لگا اور مسلمانوں کو غلیظ القابات سے نوازنے لگا۔ اس کی دشنام طراز زبان کو ہمیشہ کے لیے بند کرنے کی خاطر اس کے منہ میں گرم ریت بھر دی گئی۔ پھر سردار کی دونوں بیٹیوں نے ایک ایک دہکا ہوا نیزہ اس طرح

اس کی آنکھوں میں اتارا کہ کھوپڑی تک گھس گیا۔اس نے چلا کر دم توڑ دیا۔(قید ہونے کے بعد عتبہ نے بڑے فخر سے اقرار کیا تھا کہ اس نے ابو حارث کو اپنے ہاتھوں سے مارا ہے۔)

دو تین ہفتے میں اشباح نے علاقے کا انتظام وانصرام درست کیا۔شوریٰ کی رائے سے اس نے اپنے عزیز دوست اور صالح نوجوان زبیر کو اپنا نائب مقرر کیا اور بنو عمار کی بستی میں باقاعدگی سے امور سرانجام دینے شروع کیے۔۔۔۔پھر ایک روز اس نے مجلسِ شوریٰ کو بتایا کہ اسے ایک ضروری کام کے سلسلے میں دو تین ماہ کے لیے کہیں جانا ہے لٰہذا زبیر ان کا امیر ہو گا۔

اس وقعہ کے ٹھیک سات روز بعد ایک دوپہر،اشباح اپنے گھر میں ماں سے مخاطب تھا۔"امی جان! میرے دل میں عمرے کی تمنا مچل رہی ہے۔اس کے علاوہ مجھے مدینے میں ایک ضروری کام ہے،اس لیے آپ سے کچھ دنوں کی رخصت چاہتا ہوں۔"

سراط نے محبت سے کہا۔"مجھے نہیں بتاؤ گے،وہ کام کیا ہے؟"

جواب میں اشباح نے حضرت بن عمر بن عبدالعزیز کا خط کھول کر ماں کے سامنے رکھ دیا اور اسے اس بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔ان کی یہ گفتگو تادیر جاری رہی۔اشباح کی طرح سراط کی آنکھوں سے بھی فکرمندی اور اضطراب جھانکنے لگا آخر اس نے اشباح کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بیٹے! تم ایک نیک مقصد کے لیے جا رہے ہو،اس لیے روکوں گی نہیں لیکن تم زبیر کو اپنے ساتھ لے جاتے تو بہتر تھا۔"

اشباح نے کہا۔"امی! آپ جانتی ہی ہیں اسے سردار زہار کی طرف سے اہم ذمہ داری سونپی گئی ہے۔وہ خواہش کے باوجود جا نہیں سکتا۔۔۔۔ہاں میں نے اویس کو تیار کر لیا ہے۔"

سراط نے کہا۔"اویس دلچسپ ہمسفر تو ضرور ہے لیکن غیر ذمے دار بھی ہے۔پہلے بھی ایک دفعہ وہ سفر کے دوران گم ہو گیا تھا اور تم اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے عدن جا پہنچے تھے۔"

اشباح نے مسکرا کر کہا۔"نہیں۔اس دفعہ ایسا نہیں ہو گا۔اس نے مجھے پختہ یقین دلایا ہے۔ویسے میں اپنے ساتھ دو اور ساتھی بھی لے جا رہا ہوں۔"

سراط نے کہا۔"یہ ٹھیک ہے۔۔۔۔لیکن جانے سے پہلے اپنے نانا کی رائے بھی معلوم کر لو۔"

اشباح نے کہا۔"نانا کو تو میں چٹکی بجاتے منا لوں گا۔آپ بتائیں آپ کی طرف سے تو اجازت ہے نا؟"

سراط نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔"ٹھیک ہے لیکن۔۔۔۔۔۔"

اچانک وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔اس کی آنکھوں سے گہری اداسی جھانکنے لگی تھی۔اشباح فوراً سمجھ گیا کہ ماں کو چچا طلحہ اور ہلابہ کا خیال آ گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ سب کچھ ان کی نگاہوں میں گھومنے لگا جو اب تک وقوع پزیر ہو چکا ہے۔

سراط نے نمناک آنکھوں سے کہا۔"بیٹا تمہارے نانا نہیں مانتے۔ورنہ میرا تو دل چاہتا ہے،اب قبیلہ چھوڑ جائیں بہت رو لیا ہے یہاں۔"

اشباح نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔"گھبرائیں نہ امی! انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

سراط نے تڑپ کر کہا۔"کیا ٹھیک ہو جائے گا؟"

اشباح کے چہرے پر اداسی بھری مسکراہٹ پھیل گئی، بولا۔"یہی کہ دھیرے دھیرے ہم سب بھول جائیں گے۔ ہلابہ، اس کی باتیں، اس کی آمد و رفت، اس کا ہنسی مذاق پھر وہ تلخ باتیں بھی ہمیں یاد نہ رہیں گی جو اس سلسلے میں ہمارے کانوں نے سنی ہیں۔۔۔۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے امی! اب آپ ہی بتائیں، ہلابہ کو ہمارے گھر آئے یا ہمیں وہاں گئے کتنے روز ہو گئے۔ سب کچھ دھیرے دھیرے بھولتا جا رہا ہے نا۔"

سراط برہمی سے بولی۔"تجھے بھولتا جا رہا ہو گا اشباح، میرے دل سے پوچھ وہ اب بھی ایک ننھی سی گڑیا کی طرح میرے دل میں بیٹھی ہے۔ ہائے۔۔۔۔۔ کتنی خوش رہتی تھی وہ۔ ہمارے آنگن میں چڑیا کی طرح اڑتی پھرتی تھی۔ گئے برس جب میں بیمار ہوئی تو وہ پہروں بیٹھ کر میرا سر دباتی رہتی تھی اور گھر کے کام تو مجھے پتہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کرنا ہے۔۔۔۔۔ بڑی محبت والی تھی۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھتی تھی۔"

اشباح نے کہا۔"چھوڑیئے امی جان! اب کچھ روز بعد وہ کسی اور کے گھر کو اپنا گھر سمجھنے لگے گی۔"

سراط نے کلیجہ تھام کر کہا۔"تو کیا چچا طلحہ اس کی شادی کر رہے ہیں؟"

""اب اور کیا کریں گے۔" اشباح نے مختصر جواب دیا۔

سراط بے چینی سے بولی۔"بیٹا! مجھے تفصیل سے بتاؤ کس سے ہو رہی ہے شادی؟ کب ہو رہی ہے؟"

اشباح نے گہری سانس بھر کر کہا۔"آج صبح مجھے زبیر کی زبانی معلوم ہوا کل شام چچا کے گھر کچھ مہمان آئے تھے۔"

"ہاں، ہاں آئے تو تھے۔ میں نے بھی دروازے پر تین گھوڑے دیکھے تھے۔"

اشباح بولا۔"وہ عقیل کے ماموں اور دو چچا تھے۔ یہ لوگ ہلابہ کا رشتہ مانگنے آئے تھے۔ انھوں نے چچا سے کہا کہ اشباح اس رشتے سے دستبردار ہو چکا ہے لہٰذا ہلابہ کا ہاتھ عقیل کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ چچا طلحہ اس بات پر سخت برہم ہوا اور اس نے کہا کہ اگر ہلابہ، میرے عزیز دوست داؤد کے گھر نہیں جا سکی تو تمہارے خاندان میں بھی نہیں جائے گی۔ میں اپنی پوتی کا رشتہ اپنی مرضی سے کروں گا۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ بہت جلد کرنے والا ہوں۔ تمہارے لیے یہ اطمینان کافی ہونا چاہیئے کہ یہ لڑکا دس نسلوں سے اس قبیلے کا ہے۔۔۔۔۔" چچا طلحہ کی طعنہ زنی اور گرم سرد باتوں سے گھبرا کر عقیل کے ایلچی واپس چلے گئے۔

سراط کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔"آخر وہ لڑکا کون ہو سکتا ہے؟"

اشباح نے کہا۔"اس کا نام احمد عباس ہے۔ شتربان ہاشم کا بیٹا ہے یہ لوگ بستی کی مشرقی جہت میں رہتے ہیں۔"

سراط نے چونکتے ہوئے کہا۔"یہ احمد عباس وہی تو نہیں جس کی ناک تھوڑی سی لمبی ہے اور اس کے پاس ایک کمیت گھوڑا بھی ہے۔" اشباح نے اثبات میں سر ہلایا۔ سراط نے پژمردہ لہجے میں کہا۔"میں نے ایک دو مرتبہ اسے چچا طلحہ کے گھر سے نکلتے دیکھا ہے۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہو رہا تھا۔۔۔۔۔"

اس موضوع کو ختم کرنے کے لیے اشباح اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور بولا۔ "اچھا امی جان! مجھے سفر کی تیاری بھی کرنا ہے۔ کچھ دیر سو لوں۔"

سُراط نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا کچھ بھی ہے، جانے سے پہلے آج چچا طلحہ کی مزاج پُرسی ضرور کر لینا نہ جانے وہ بیچارے اندر سے کتنے دکھی ہیں۔"

اشباح گول مول سی "ہوں" کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اس شام مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر وہ کافی دیر سوچتا رہا کہ اسے چچا کے گھر جانا چاہئیے یا نہیں۔ اسے نانا کی بات یاد آئی کہ لوگوں کے ہاتھ روکے جا سکتے ہیں ان کی زبانیں نہیں لیکن پھر ماں کا حکم یاد آتا کہ چچا کے ہاں ضرور جانا۔ یوں بھی چچا زخمی تھے۔ ان کی عیادت ضروری تھی۔ آخر اس نے چچا سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ گھر سے نکل کر وہ ہلابہ کے دروازے پر پہنچا اور ہاتھ کی پشت سے مخصوص دستک دی۔ کچھ دیر بعد ہلابہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی اور دل دھڑک کر رہ گیا۔ "کون ہے؟" اندر سے پوچھا گیا۔

"میں اشباح ہوں۔ چچا سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ذرا دیر بعد کسی نے کپکپاتے ہاتھوں سے کنڈی گرا دی۔ اشباح دروازہ کھول کر اندر گیا تو ڈیوڑھی خالی تھی۔ سامنے برآمدے کے طاقدان میں دیا جل رہا تھا۔ ایسا ہی ایک دیا چچا کے کمرے میں روشن تھا۔ بکری کا بچہ اداسی سے خشک گھاس پر منہ مار رہا تھا۔ اشباح کھنکارتا ہوا کمرے میں پہنچا۔ اشباح کو دیکھ کر چچا طلحہ کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔ اشباح پٹی پر بیٹھ کر ان کی ٹانگیں دبانے اور مزاج پُرسی کرنے لگا۔ چچا بڑی

اپنائیت سے جواب دیتے رہے۔ آخر انھوں نے ہلابہ کو آواز دی اور اسے اشباح کے لیے دودھ لانے کو کہا۔ اشباح انکار ہی کرتا رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہلابہ دروازے سے داخل ہوئی۔ اس کا نصف چہرہ اوڑھنی میں تھا۔ اسے جھجکتے دیکھ کر طلحہ نے کہا۔

"بیٹی یہ کوئی غیر تو نہیں ہے۔۔۔۔۔ لاٹھیاں مارنے سے پانی ٹوٹ نہیں جاتے۔"

طلحہ کی آواز کے کرب نے اشباح کو تڑپا دیا۔ ایک مانوس خوشبو کے جھونکے کے ساتھ ہلابہ آگے آئی اور دودھ کا پیالہ تھما کر واپس چلی گئی۔ سپید ہاتھ ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گیا۔ نقرئی چوڑیوں کی کھنک اشباح کو اداس چھوڑ گئی۔ یہ کھنک جیسے اس سے پوچھ رہی تھی۔ "اشباح! تم نے ایسا کیوں کیا۔ کیوں میری خوشیوں سے دستبردار ہو گئے، میں تمہارے لیے اتنی ہی غیر اہم تھی؟" چوڑیوں والا سپید ہاتھ اشباح کی نگاہوں میں جگمگاتا رہا۔ اشباح سوچنے لگا، یہی وہ سپید ہاتھ تھا جسے وہ بے تکلفی سے تھام لیا کرتا تھا اور بعض اوقات غصے سے مروڑ بھی دیا کرتا تھا۔ بچپن سے جوانی کی دہلیز تک وہ لڑتے جھگڑتے اور مارتے پیٹتے پہنچے تھے۔ بعض اوقات ناراضگی کے سبب اشباح کئی کئی ہفتے ہلابہ سے بات نہیں کرتا تھا۔۔۔۔۔ لیکن اسے کیا معلوم تھا، جس لڑکی سے وہ اتنا زیادہ جھگڑتا ہے اور اتنی کثرت سے ناراض ہوتا ہے اسے وہ دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے اور جب جدائی کے موڑ پر وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گی تو اس کی یاد کس انداز میں اسے ستائے گی۔

وہ جتنی دیر چچا طلحہ کے پاس بیٹھا رہا، ہلابہ کے بدن کی خوشبو اس کمرے میں چکراتی رہی۔ اس کی چوڑیوں کی شکوہ کناں کھنک اسے الوداعی گیت سناتی رہی۔ آخر وہ چچا کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔ صحن میں پہنچا تو احمد

عباس سے ملاقات گئی۔ وہ ابھی ابھی دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ وہ ایک تنومند خوبرو جوان تھا۔ اشباح کو دیکھ کر اس نے خوشدلی سے السلام علیکم کہا۔ نہ جانے اشباح کے دل میں کیا آئی اس نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا اور دیر تک پیٹھ تھپکتا رہا۔

احمد عباس سے رخصت ہو کر اشباح گھر پہنچا تو اویس اپنے ساز و سامان سمیت قدم رنجا فرما چکا تھا۔ اشباح کو معلوم تھا کہ وہ تیار ہوتے ہوتے دوپہر کر دے گا لہٰذا اس نے ہدایت کی کہ وہ شام ہی کو تیار ہو کر ان کے گھر چلا آئے۔ اس وقت وہ سُراط کے پاس بیٹھا خشک ستو کی پوٹلی باندھ رہا تھا۔ اشباح کو دیکھتے ہی کھل اٹھا۔

اویس کی عمر پینتیس برس کے قریب تھی۔ خاندانی تاجر تھا۔ باپ کافی کچھ چھوڑ کر مرا تھا۔ اسے کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس کا گول مٹول گدگدا چہرہ نہایت خوبصورت تھا لیکن آنکھیں ہر وقت متورم اور سرخ رہتی تھیں۔ کوئی دیکھتے ہی جان سکتا تھا کہ یہ شخص اکثر روتا رہتا ہے، اس کے رونے کی وجہ نہایت دلچسپ اور لطیف تھی۔ وہ ایک پیدائشی عاشق اور دل پھینک تھا۔ حسین چہرے اس کی کمزوری تھے۔ ان کا غم کھانا اور ان کی فرقت میں تڑپنا اس کے محبوب مشغلے تھے۔ اپنی تین اولین محبتوں کے بارے میں اس نے سینکڑوں تڑپتے پھڑکتے شعر موزوں کر رکھے تھے۔ جنہیں وہ ایک بیاض کی صورت ہمہ وقت اپنے جھولے میں رکھتا تھا۔۔۔۔ تاہم مجموعی طور پر وہ ایک نہایت نرم دل اور پیارا انسان تھا۔

رات کا آخری پہر تھا۔ ابھی تہجد کا وقت نہیں ہوا تھا، اشباح نے اٹھ کر وضو کیا پھر کمرے میں آکر اپنا سامان باندھتے ہوئے اسے رسی کی ضرورت پڑی، وہ رسی کے لیے گھر کے پچھلے کمرے میں گیا۔ یہاں اسے کاٹھ کباڑ

کے نیچے پڑا ہوا وہی صندوق نظر آیا جو بچپن سے اس کے تجسس کا مرکز تھا۔ وہ رسی بھول کر یک ٹک اسے دیکھتا چلا گیا۔۔۔۔ دل سے ایک سوال ابھرا۔ آخر ماں اس صندوق کے بارے میں اسے کب بتائے گی۔ وہ دن کب طلوع ہو گا جب اس صندوق کی خاموشیوں کو زبان ملے گی؟ اس کا دل بجھ سا گیا۔ کیا ماں کو اس کی بے قراریوں کا علم نہیں کیا وہ اس کے انتظار کی جاں گسل کیفیت سے بالکل بے خبر ہے۔۔۔۔۔۔۔ فوراً ذہن کے دوسرے گوشے سے آواز آئی، اشباح! وہ تیری ماں ہے تیرا اچھا برا سمجھتی ہے۔ اس کی مامتا ہر شے سے بالا ہے۔ وہ تیرے دل کی گہرائیوں میں جھانک سکتی ہے۔ ایک گہری سانس بھر کر اشباح نے رسی ڈھونڈی اور باہر نکل آیا۔

کچھ ہی دیر بعد تہجد اور پھر نماز کا وقت ہو گیا آخر سفر کی چمکیلی صبح طلوع ہوئی۔۔۔۔ اشباح اور اویس الوداع کہنے والوں سے رخصت ہو کر عازمِ سفر ہو گئے۔۔۔۔ اور یہی وہ وقت تھا جب ایک خوبرو گھڑ سوار اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بنو عمار کی طرف اڑا چلا آرہا تھا، یہ سوار عراق سے ایک اہم پیغام لے کر آیا تھا۔

یہ خوبرو سوار اور اس کے دو ساتھی دوپہر سے کچھ قبل قبیلے میں پہنچے۔ انھوں نے قبیلے کے سردار کے بارے میں پوچھا اور لوگ انھیں نائب سردار زبیر کے مکان پر لے گئے۔ ظہر کی نماز تک یہ تینوں اشخاص زبیر کے ساتھ رہے۔ بعد ازاں انھوں نے مرکزی مسجد میں زبیر کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کی۔ نماز کے فوراً بعد زبیر منبر پر کھڑا ہوا اور اس نے عجیب جذباتی انداز میں اعلان کیا کہ عصر کے بعد بستی کے بڑے چوک میں ایک جلسہ ہو گا جس میں ایک نہایت اہم اعلان کیا جائے گا۔

عصر کے بعد گرمی میں کافی کمی واقع ہو چکی تھی اور چوک میں تل دھرنے کو جگہ باقی نہیں تھی۔ نزدیکی بستیوں زلال اور شعب ابوریاض سے بھی لوگ یہ اہم اعلان سننے پہنچ گئے تھے۔ چوک کے ارد گرد مکانوں کی چھتوں اور بالکونیوں پر بھی عورتیں اور بچے موجود تھے۔ سرخ و سپید رنگت والا ایک خوش شکل نوجوان، زبیر کی اجازت سے لوگوں کے سامنے آیا اور اس نے تقریر کرنے والے انداز میں کہنا شروع کیا۔

میرے دوستو اور بزرگو، میرا نام جہم بن زحر ہے اور میں والئی بصرہ محترم حجاج بن یوسف کے حکم سے آپ لوگوں کی طرف آیا ہوں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ آج سے چند ماہ پہلے بحرہ ہند کے ساحل پر ایک سنگین واقعہ رونما ہوا ہے۔ سندھ کی حدود میں دیبل نامی بندرگاہ پر عربوں کے دو جہازوں کو لوٹ لیا گیا ہے۔ ان جہازوں پر کچھ عرب تاجروں کی بیوائیں اور یتیم بچے سوار تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے دوست ملک مالدیپ (سری لنکا) کے راجہ نے خلیفۃ المسلمین کے لیے کچھ قیمتی تحائف بھی ان جہازوں پر روانہ کیے تھے۔ لٹیروں نے نا صرف یہ تحائف لوٹ لیے بلکہ عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی قیدی بنالیا۔۔۔۔ اس سنگین واقعہ کی خبر جب والئی بصرہ کو ملی تو انھوں نے فوراً مظلومین کی دادرسی کے لیے اقدامات کیے۔ یکے بعد دیگرے دو سفارتیں دیبل روانہ کی گئیں تاکہ مقبوضہ جہازوں کو واگزار کرایا جاسکے۔ والئی دیبل کی طرف سے ان سفیروں کو بتایا گیا کہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے جن پر اس کی حکومت کا کوئی بس نہیں چلتا اور وہ اس سلسلے میں مجبور ہے۔ سفارتوں کی ناکامی کے بعد عالی مرتبت حجاج بن یوسف نے محدود پیمانے کی ایک فوجی مہم روانہ کی، لیکن یہ کوشش بھی ناکام ہوئی اور دوسرے نقصان کے علاوہ مہم کا سردار بدیل بھی شہید ہوا۔ جو محترم حجاج بن یوسف کو بہت عزیز تھا اور جس کی تلوار کی مسلمانانِ عالم کو اس وقت شدید ضرورت تھی۔ اس مہم کی ناکامی سے یہ بات

واضح ہو گئی کہ والئی دیبل اور مہاراجہ سندھ کی نیتوں میں فتور ہے انھوں نے قزاقوں کو خوامخواہ ملوث کر رکھا ہے ورنہ جہاز پر لوٹ مار ان کا اپنا فعل ہے۔ میرے بزرگو اور دوستو! سندھ کے حاکموں کی طرف سے یہ دست درازی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے سے بحری قزاقوں اور راہزنوں کی آڑ میں عرب کہا جاتا ہے کہ بدیل کی شہادت کی خبر پا کر حجاج بہت آزردہ رہا کرتا تھا اور اس کی جدائی میں المیہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

قافلوں کو زچ کیا جاتا ہے۔ خلافتِ اسلامیہ کے باغیوں کو پناہ دی جاتی ہے اور ہر طرح مسلم مفاد کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ لٰہذا نہایت سوچ بچار کے بعد حجاج بن یوسف نے خلیفۃ المسلمین سے سندھ کے خلاف فوج کشی کی اجازت طلب کی ہے اور انھوں نے یہ اجازت دیتے ہوئے سندھ کے خلاف اعلانِ جہاد کیا ہے۔"

جہم کی زبان سے "اعلانِ جہاد" کے الفاظ سنتے ہی حاضرین نے جوش و خروش سے نعرے لگائے اور جلسہ گاہ میں زبردست شور مچ گیا۔ زبیر نے آگے بڑھ کر حاضرین کو خاموش کرایا۔ جب قدرے سکوت ہوا تو اس نے کہا۔

"میرے عزیزو! آپ میں سے کچھ دوستوں نے اصرار کیا ہے کہ دیبل کی بندرگاہ پر پیش آنے والے واقعے کی تفصیل بتائی جائے۔ آپ کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں ایک ایسے شخص کو آپ کے روبرو لا رہا ہوں، جو لوٹے جانے والے جہازوں میں سے ایک پر سوار تھا اور اس نے یہ خونچکاں واقعات اپنی آنکھوں سے

دیکھے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے زبیر نے ایک ادھیڑ عمر شخص کو لوگوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ توانا جسم کے اس باریش شخص نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔

"میرے مسلمان بھائیو اور بہنو! میرا نام حسان بن ثابت ہے۔ میں اس جہاز کا ملاح ہوں جس پر راجہ مالدیپ کے تحائف لدے تھے۔ ان تحائف میں ملکِ ہند و مالدیپ کی دوسری سوغاتوں کے علاوہ ہیرے جواہرات، سونا چاندی اور دس عدد ہاتھی بھی تھے۔ دوسرے جہاز پر ان عربی تاجروں کے بیوی بچے تھے جو کچھ عرصہ پہلے ایک بحری حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ عرب تاجر چونکہ مستقل طور پر مالدیپ میں آباد تھے لہٰذا ان کی موت کے بعد ان کے اہلِ و عیال دیارِ غیر میں بے سہارا ہو گئے۔ حکومتِ عرب نے انھیں واپس لانے کا فیصلہ کیا۔۔۔۔۔۔ ہم ایک ابر آلود دوپہر کو مالدیپ سے روانہ ہوئے اور کھلے سمندر میں پہنچنے کے بعد مالا بار ساحل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ راستے میں مختلف بندرگاہوں پر رک کر ہم نے تازہ خوراک اور پانی حاصل کیا۔ ایک روز سمندر میں تلاطم پیدا ہوا۔ جس کی وجہ سے ہمیں ایک بندرگاہ پر چار روز لنگر انداز رہنا پڑا۔ کچھ عرب تاجر ہمیں بااصرار اپنے ساتھ شہر میں لے گئے اور خاطر تواضع کی۔ اس قیام سے ہمارے سفر کی تھکاوٹ تو دور ہو گئی، مگر نقصان بھی ہوا جہازوں پر لدے ہوئے بیش قیمت تحائف کی خبر دور و نزدیک پھیل گئی، تاہم اس وقت ہمیں یہ احساس نہیں ہوا کہ بعد میں یہ صورتحال کس قدر نقصان دہ ثابت ہو گی۔

بندرگاہ سے روانگی کے بعد ہم نے چند روز اطمینان سے سفر کیا۔ پھر ایک روز ہمیں جنوب مغرب سے چلنے والی غیر موافق ہوا نے گھیر لیا۔ ہم نے بہت کوشش کی لیکن جہازوں کا رخ برقرار نہ رہ سکا اور وہ ہوا کے زور پر دیبل کے ساحل پر جا لگے۔ ہم نے بندرگاہ پر لنگر ڈالے اور موافق ہوا کا انتظار کرنے لگے لیکن اس رات ہم پر

قیامت ٹوٹ پڑی۔ وہ ایک تاریک اور طوفانی رات تھی، اچانک ڈیڑھ سو کے قریب مسلح افراد نے دونوں جہازوں پر حملہ کر دیا۔ وہ کمندیں لگا کر اوپر چڑھ آئے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ میں اس وقت جہاز کے مستول کے پاس بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اچانک ہی چیخ و پکار کی آواز آئی۔ میں نے دیکھا کہ نہ صرف ہمارے جہاز پر قتل و غارت ہو رہی ہے بلکہ عورتوں اور بچوں والا جہاز بھی مسلح افراد کے نرغے میں ہے۔ میرے دل نے پکار کر کہا، حسان! اس جہاز پر تو سونے چاندی اور جواہرات کے علاوہ اور کچھ نہیں لیکن دوسرے جہاز پر انسانی جانیں ہیں جو ان تحائف سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں۔ میں فوراً زیریں عرشے پر پہنچا اور وہاں سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ تاریک موجوں سے لڑتا بھڑتا بالآخر میں دوسرے جہاز تک پہنچ گیا۔ جہاز کے مختلف حصوں سے کمندیں لٹک رہی تھیں۔ میں نے ایک کمند منتخب کی اور اوپر چڑھنے لگا۔ میرے سامنے دو نوعمر بچوں نے خوفزدہ ہو کر سمندر میں چھلانگیں لگائیں اور ڈوب گئے۔ میں کمند کے ذریعے نصف بلندی تک پہنچا تھا کہ اوپر سے ایک حملہ آور نے مجھے پہچان کر بھاری پتھر پھینکا جو میرے سر پر لگا اور میں ہوا میں اڑتا ہوا پھر پانی میں جا گرا۔

میں بے ہوش ہو چکا تھا مگر خدا کو میری زندگی منظور تھی کہ لہروں نے اچھال کر مجھے کنارے سے لگا دیا۔ نہ جانے کتنی دیر میں وہاں بے سدھ پڑا رہا۔ ہوش آئی تو دیبل کا چاند بدلیوں کی اوٹ سے نکل آیا تھا۔ دونوں جہازوں پر جدوجہد کے آثار ختم ہو چکے تھے۔ کہیں کہیں پانی میں عرب ملاحوں کے لاشے تیر رہے تھے، تاریکی میں کہیں کوئی جاں بلب زخمی کراہ رہا تھا۔ میں نے اپنا زخمی سر ٹٹولا اور رینگتا ہوا، کراہتا ہوا بندرگاہ کی طرف بڑھنے لگا۔ بندرگاہ کی روشنیوں میں پہنچا تو ایک کھلی جگہ سینکڑوں افراد نظر آئے۔ ان میں ملاح و ماہی

گیر بھی تھے اور مختلف جہازوں کے مسافر بھی۔ مجمعے کے بیچوں بیچ کوئی تماشا ہو رہا تھا۔ میں لوگوں کے درمیان جگہ بناتا مرکز میں پہنچا تو دیکھا کہ چند مسلح افراد مسلمان بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے گروہ کو گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے ہیں۔ یہ افراد وہی تھے جنھوں نے جہازوں پر حملہ کیا تھا ان میں سے کچھ نے اپنے چہروں کو سیاہ نقابوں میں چھپا رکھا تھا۔ سب کے سب عام ہندوستانی لباس میں ملبوس تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ الامان، میں وہ منظر تاحیات نہیں بھول سکتا، قبر کی دہلیز تک میری یہ آنکھیں خون روتی رہیں گی۔۔۔۔۔ آہ مسلمان عورتوں کی وہ بیچارگی اور مظلومیت۔ میں نے انھیں ننگے سر اور ننگے پاؤں دیکھا۔ اپنے دریدہ پیراہن سنبھالنے کی کوشش میں وہ بے رحم مردوں کی ٹھوکریں کھا رہی تھیں۔ ان کے معصوم بچے رو رہے تھے اور وہ خود بھی فریاد کناں تھیں۔ اجنبی چہروں کے ہجوم میں کوئی ان کا اپنا نہیں تھا۔ تماش بین آنکھوں میں کوئی نگاہِ غمگسار نہیں تھی۔ وہ تصویر حیرت بنیں ایک ایک کا چہرہ تک رہی تھیں۔۔۔ ظالمو ہمیں نہ مارو۔ ہمیں رسوا نہ کرو۔ ہم پردہ دار عورتیں ہیں، ہم نے تمہارا کیا بگاڑہ ہے ہمارے معصوموں نے کیا خطا کی ہے۔ ہمارا تمام مال و اسباب لے لو اور ہمیں چھوڑ دو۔۔۔ لیکن طاقت کے نشے نے لوٹنے والوں کے کان بہرے کر دیے تھے۔۔۔ پھر جب ایک نوجوان لڑکی کو تلوار کے آہنی قبضے سے دھکیلا گیا اور وہ لڑکھڑا کر ایک اجنبی مرد سے ٹکرائی تو اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرطِ غم سے پکارا اٹھی۔ "یا حجاج اغثنی۔۔۔۔۔۔ یا حجاج اغثنی" (یعنی اے حجاج میری مدد کو پہنچ) لڑکی کی یہ آواز میرے کانوں سے سیدھی میرے دل میں اتری اور رگِ جان میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی۔ میں نے بہ زبان خاموشی اپنی بیٹی سے وعدہ کیا۔ "اے میری

مظلوم بیٹی تیرے اجنبی چہرے کی قسم، تیرے ان بکھرے بالوں اور بہتے آنسوؤں کی قسم، میں تیری یہ فریاد والئی بصرہ کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش ضرور کروں گا"۔

مسلح افراد عرب عورتوں اور بچوں کو لے کر چلے گئے اور میں اپنے کھولتے ہوئے خون کو تھپکیاں دے کر بندرگاہ کے مزدوروں میں شامل ہو گیا۔ یہ مزدور رات بھر گودی پر کام کرتے رہے اور میں ان کے ساتھ شریک رہا۔ انہی لوگوں کی زبانی مجھے پتہ چلا کہ لوٹے جانے والے جہازوں کے زیادہ تر ملاح کام آ گئے ہیں اور ان میں سے شاید چند ایک ہی جانیں بچانے میں کامیاب ہوئے ہوں۔ مقامی لوگوں میں سے کچھ کا خیال تھا کہ جہازوں پر حملہ کرنے والے بحری قزاق تھے۔ جو رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر آئے اور آناً فاناً یہ کاروائی کر کے روپوش ہو گئے جب کہ کچھ کا خیال تھا کہ اس کاروائی میں حکومت کا ہاتھ تھا۔

بندرگاہ پر حالات بڑے سنگین تھے۔ تمام غیر ملکی لوگوں سے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔ میں تین روز مختلف حیلوں سے خود کو بندرگاہ میں چھپاتا رہا، آخر مجھے عمان جانے والا ایک جہاز مل گیا اور میں بطور مزدور اس میں سوار ہو کر عمان اور وہاں سے دشوار گزار سفر طے کرتا عراق پہنچا۔۔۔۔ بعد ازاں بصرہ پہنچتے ہی میں نے محترم حجاج بن یوسف سے ملاقات کی اور انھیں پوری روئیداد سنائی۔ اس روز پورے ڈیڑھ ماہ بعد میں چارپائی پر سویا اور پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ میں نے قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک اپنی مظلوم بیٹی کی پکار اہلِ عرب کے کانوں تک نہ پہنچا لوں گا، سکون کی نیند سوؤں گا اور نہ شکم سیر ہو کر کھانا کھاؤں گا۔۔۔"

بوڑھا جہازی تادیر لوگوں کو ان واقعات کی تفصیل بتاتا رہا۔ بنو عمار کے لوگ بے حد متاثر نظر آتے تھے اور ان کے چہرے اندرونی جذبات سے تمتمارہے تھے۔ جہازی حسان کی بات ختم ہوئی تو جہم نے اٹھ کر کہا۔

"میرے بھائیو! ہندوستان روانہ کرنے کے لیے دمشق میں جو فوج تیار کی جارہی ہے اس کا سالارِ اعلیٰ ایک سترہ سالہ نوجوان ہے۔ اس کا نام محمد بن قاسم ہے۔۔۔۔ اور میں تمھیں کیا بتاؤں محمد بن قاسم کیا ہے؟ میری زبان اس مجاہد کی شخصیت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ قومیں برسوں انتظار کرتی ہیں تو وقت کے اُفق سے ایسا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔۔۔۔ اور محمد بن قاسم کہتا ہے، ہمیں سندھ کے راجاؤں کو بتانا ہے کہ انھوں نے رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کے ان غلاموں کو للکار کر غلطی کی ہے، جنھوں نے قیصر و کسریٰ کی شوکت خاک میں ملائی۔ جنھوں نے یرموک اور دمشق کے معرکے رقم کئے۔ جنھوں نے ایرانیوں کے تاج روندے اور جن کے گھوڑے آج ایک طرف ترکستان اور دوسری طرف افریقہ کے میدانوں میں دندنا رہے ہیں۔۔۔۔ بتاؤ دوستو! کیا محمد بن قاسم غلط کہتا ہے؟"

جواب میں مجمع یک زبان ہو کر پکارا۔ "نہیں۔۔۔۔ درست کہتا ہے۔ درست کہتا ہے۔"

زبیر نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش کراتے ہوئے کہا۔

"تو دوستو! اس کہے کو سچ ثابت کرنے کے لیے قربانی کی ضرورت ہے۔۔۔۔ یہ وہ وقت ہے کہ بیشتر اسلامی فوج بیرون ملک مصروف ہے۔ ہمیں اس وقت ایسے مجاہدوں کی اشد ضرورت ہے جو اپنی مصروفیات کو پسِ پشت ڈال کر اور اپنا گھر بار چھوڑ کر کچھ عرصے کے لیے خود کو دینِ خدا کے لیے وقف کر سکیں۔ بحرِ ہند کے اس

پار سے ہمارا فرض ہمیں پکار رہا ہے۔ مظلوم عورت کی یہ ایک چیخ ان سینکڑوں مسلمان قیدیوں کی نمائندہ ہے جو اس وقت دیبل کے پنجۂ ستم میں ہیں اور تاریک زندانوں میں جن کے کان مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے منتظر ہیں۔ اس کے علاوہ یہ چیخ ان ہزاروں لاکھوں انسانوں کی نمائندگی بھی کرتی ہے جو والئ دیبل جیسے جابر حکمرانوں کی رعایا بننے پر مجبور ہیں اور جن کے کانوں میں ابھی کلمۂ توحید کے مبارک الفاظ نہیں گونجے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کی تعلیمات کے مطابق دینِ اسلام صرف عربوں کا دین نہیں یہ نظامِ حق پوری بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ ہمیں اس دین کا پرچم تھام کر دنیا کی آخری سرحد تک جانے کا اذن ہے۔ میں آپ لوگوں سے درخواست گزار ہوں کہ اسلامی فوج کی تیاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اپنے مالوں اور بالخصوص اپنی جانوں سے لشکر کی اعانت کریں اور ثابت کریں کہ وقتِ ضرورت ہر مسلمان تلوار تھام کر مردِ میدان بن سکتا ہے۔"

لوگوں نے ہاتھ ہلا کر اپنے مثبت ارادوں کا اظہار کیا۔ جہم نے کہا۔ "ہم لوگ راستے کی بستیوں میں یہی پیغام پہنچاتے ہوئے آئے ہیں اور اب ہمیں یہاں سے آگے سہون، الحموطہ اور ظفار کی بستیوں میں جانا ہے۔ انشاءاللہ پرسوں تک واپسی ہوگی۔ واپسی میں ہمارے پاس وقت بہت کم ہوگا کیونکہ دمشق سے اسلامی لشکر کسی بھی وقت بصرہ کی سمت روانہ ہو سکتا ہے۔ لٰہذا پرسوں تک جو لوگ جہاد کا ارادہ کر چکے ہوں، وہ سامان باندھ کر پوری طرح تیار رہیں تاکہ ہمیں بصرہ پہنچنے میں غیر ضروری تاخیر نہ ہو۔"

روانگی اور تیاری کے بارے میں ضروری تفصیلات بتا کر جہم اور اس کے ساتھیوں نے زبیر سے اجازت طلب کی اور اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جاتے جاتے جہم نے ایک بار پھر زہار عرف سنہری شاہین کو دیکھنے

کا اشتیاق ظاہر کیا۔ وہ اس بات پر بہت حیران اور خوش نظر آ رہا تھا کہ زہار نے چند ہفتے پہلے ہی بدنام رومی پہلوان بوہان کو دوبدو لڑائی میں عبرت ناک شکست دی ہے اور اس کے نتیجے میں علاقے کے کئی قبائل رشتہ اسلام میں منسلک ہو گئے ہیں۔ جہم نے خواہش ظاہر کی کہ کیا ہی اچھا ہوا گر زہار جیسے باہمت نوجوان ہمارے لشکر میں شامل ہو جائیں۔

زبیر نے کہا۔ "جناب! سردار زہار صرف آٹھ روز بیشتر اہلِ قبیلہ سے تین ماہ کے لیے رخصت ہوئے ہیں۔ کاش آپ نے چند روز پہلے ہمیں مہمان نوازی کا شرف بخشا ہوتا۔ تاہم میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر آج کل میں ان کے متعلق کچھ معلوم ہوا تو میں انھیں آپ سے ملوانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

وقتِ رخصت زبیر نے اپنا ایک ہوشیار آدمی جہم کے ساتھ کیا تا کہ انھیں اگلی بستیوں تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

قبیلہ بنو عمار کے مرکزی چوک میں ہونے والے اس جلسہ کے سینکڑوں حاضرین میں ایک سراط بھی تھی۔ وہ اپنی ایک ہم عمر پڑوسن کے ساتھ چوک میں پہنچی تھی اور ایک مکان کی چھت سے ساری تقاریر سنتی رہی تھی۔۔۔۔۔ اس کے اندر جیسے ایک طوفان برپا ہو چکا تھا۔ دل کی زمین زلزلوں کی زد میں تھی۔ اُس کی تند و تیز سوچیں اسے اڑا کر بہت دور لے گئی تھیں۔ بہت دور اس دھندلی سرزمین پر جہاں ناریل اور صنوبر کے درخت تھے۔ چشموں میں ٹھنڈا پانی بہتا تھا مگجے دریا زمین پر لکیریں بناتے تھے۔ اسی خطہ زمین پر ایک جگہ کھجوروں کے جھنڈ تلے اُس کے شوہر مرحوم کی قبر تھی اور وہیں کہیں ماضی کی ریت میں اس کی ننھی زلفہ سو

رہی تھی۔ اُس کے کانوں میں بصرہ کے آنے والے مقرر کے الفاظ ایک تکرار سے گونج رہے تھے۔ دیبل، ہند، قزاق، جہاد، اسلام۔۔۔۔۔۔ اور پھر اس کے سامنے وہ خط آ گیا جو دو روز پہلے اشباح نے اسے دکھایا تھا اور جس کی تحریر میں کوئی گہرا اسرار کروٹیں لے رہا تھا لیکن آج۔۔۔۔۔۔ آج اس اسرار کا پردہ چاک ہو گیا تھا۔ اب سب کچھ سُراط کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ اس خط کا ہر لفظ اظہر من الشمس تھا۔ اچانک وہ اپنی جگہ سے اٹھی، پڑوسن اور ساتھی عورتوں کو نظرانداز کرتی چھت سے اُتری اور جیسے بھاگتی ہوئی لوگوں میں گھس گئی۔ "زبیر۔۔۔۔۔ زبیر!" وہ بلند آواز سے پکار رہی تھی۔ جلد ہی اس کی آواز زبیر تک پہنچ گئی۔ وہ مہمانوں کو الوداع کہنے کے بعد لوگوں سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بھگتا ہوا سُراط کے پاس آیا۔ اُس نے دیکھا کہ اشباح کی والدہ کا جسم دھیرے دھیرے کانپ رہا ہے اور آنکھوں میں آنسو ہیں۔"

"یا اُم! کیا بات ہے؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

سُراط نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہجوم سے نکلے اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں کھڑے تھے۔

سُراط نے کہا۔ "بیٹا زبیر! اشباح اور اویس آج صبح روانہ ہوئے ہیں اور ٹھیک اس وقت وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پہلی منزل پر اترے ہوں گے۔ اگر یہاں سے کوئی اسی وقت روانہ ہو جائے تو صبح تک اُن کے پڑاؤ میں پہنچ جائے گا۔۔۔۔ کیا تم میرا یہ کام کر سکتے ہو؟"

زبیر نے کہا۔ "یاأم! میری اتنی مجال کہاں کہ آپ کے حکم سے سرتابی کروں لیکن کیا میں آپ کا مقصد جان سکتا ہوں؟"

سُراط نے کہا۔ "بیٹا! اشباح کو واپس بلانا چاہتی ہوں۔ ہر صورت۔۔۔۔"

زبیر نے اندازہ لگایا کہ اشباح کی والدہ جہم کی تقریر سے بے حد متاثر ہوئی ہیں اور غالباً وہ اشباح کو بھی جہاد کے لیے تیار کرنا چاہتی ہیں۔ اُس نے کہا۔ "اُم! اگر میرے کندھے پر کوئی ذمہ داری نہ ہوتی تو بخدا اس وقت میں خود گھوڑے پر زین ڈال لیتا۔ تاہم میں ابھی اصطبل کے بہترین گھڑ سواروں کو اشباح کے تعاقب میں روانہ کرتا ہوں۔"

سُراط نے آنکھوں میں تشکر کے آنسو بھر لیے۔ "زبیر بیٹے۔ مجھے تیری سعادت مندی سے یہی امید تھی۔۔۔۔۔ اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ اشباح سے کچھ مت کہیں اُسے صرف اتنا کہہ دیں کہ تیری ماں کا حکم ہے کہ تم واپس لوٹ آؤ۔"

یہ کہتے ہوئے سُراط نے اپنی انگوٹھی اتار کر زبیر کے حوالے کر دی تاکہ پیغام رساں، اشباح کو یہ نشانی دکھا سکیں۔۔۔۔۔ جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی ہلابہ ٹیلے کی دوسری جانب کھڑی تھی۔ اُس کی ذہین آنکھوں میں بے قراری تھی۔ وہ اس طرح چھپ کر گفتگو سننا نہیں چاہتی تھی لیکن سننے پر مجبور بھی تھی۔ وہ اشباح کی والدہ کو ہمیشہ امی کہتی آئی تھی اُس کی پریشانیوں سے اتنی جلدی لاتعلق کیسے ہو سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بنو عمار کی بستی سے کوئی پندرہ کوس کے فاصلے پر اشباح اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ صحرا کی خنک رات دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ اونٹ خنظل کے درختوں تلے بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ اویس نے اپنا رباب نکال لیا تھا اور خیمے کے سامنے بیٹھ کر اپنی تازہ غزل گا رہا تھا۔ اُس کی آواز بُری نہیں تھی۔ اشباح ناچاہنے کے باوجود اُس کے شعر سننے پر مجبور تھا۔ یہ شعر اویس نے اپنی تازہ ترین محبت کے حوالے سے کہے تھے۔ آج کل ایک درزن کی رابعہ نامی لڑکی اُس کی منظورِ نظر تھی۔ وہ اُس کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ "میں رابعہ سے جُدا ہوا تو مشرقی اُفق سُرخ تھا، جیسے وہ بھی رات بھر روتا رہا ہے۔ ہائے میں وہ صبح رخصت کیسے بھول سکتا ہوں۔ جب وہ خشک ببول کی اوٹ میں کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے آنسو تمام سفر میں میرے راستے کے جگنو بنے رہیں گے۔ میں جب تک سفر سے واپس نہ آؤں گا وہ اپنی شامیں اُسی ببول کے نیچے گزارے گی۔۔۔۔۔"

اویس کے رومان شعروں میں کھو کر اشباح کا دھیان خوامخواہ ہلابہ کی طرف چلا گیا۔ وہ سوچنے لگا، ہلابہ اس کے متعلق کیا سوچتی ہو گی، کیا وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ وہ اُس سے آخری ملاقات کا منظر یاد کرنے لگا، جب وہ اُس کے لیے دُودھ لے کر آئی تھی اور سوچنے لگا کہ اس کے تاثرات کیا تھے۔ کیا وہ غمگیں تھی یا صرف اُسے محسوس ہو رہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ احمد عباس کو اپنی سوچوں کا محور بنا چکی ہو، خیالات بھٹکنے لگے تو اشباح اٹھ کر خیمے کے سامنے ٹہلنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد عشاء کا وقت ہو گیا اور وہ نماز پڑھنے کے بعد اپنے خیمے میں آ گیا۔ بستر پر لیٹتے ہی اُسے نیند نے آ لیا۔

دوبارہ اس کی آنکھ علی الصبح کھل گئی۔ اُسے خیموں کے باہر گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دی تھیں۔ تلوار سنبھالتا ہوا باہر نکلا تو تین گھڑ سواروں کو اپنا منتظر پایا۔ یہ اُس کی بستی کے لوگ تھے اور چہروں سے لگتا تھا کہ کوئی اہم پیغام لے کر آئے ہیں۔ سلام ودعا کے بعد ایک گھڑ سوار نے اپنی خرجین سے ایک انگوٹھی اور خط نکال کر اشباح کے حوالے کر دیا۔ اشباح انگوٹھی کو پہچان گیا اور خط کی تحریر بھی۔ یہ خط زبیر کی طرف سے تھا اور اس میں اشباح سے کہا گیا تھا کہ وہ فوراً واپس بستی لوٹ آئے کیونکہ یہ اُس کی ماں کا حکم ہے۔ اشباح نے گھڑ سواروں سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے صاف دلی سے کہا کہ وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔۔۔۔۔ دن کا اُجالا پھیلتے ہی اشباح اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس روانہ ہو گیا۔ تینوں گھڑ سوار چونکہ تھکے ماندے آئے تھے لہٰذا وہ آرام کے لیے وہیں رُک گئے۔

راستے بھر اویس اس واپسی پر سخت نالاں رہا اور بڑبڑاتا رہا۔ اُس کی ساری رُومانیت غارت ہو گئی تھی۔ وقتِ رخصت اس نے رابعہ کے ساتھ جن درد بھرے جملوں کا تبادلہ کیا تھا وہ سب رائیگاں گئے تھے۔ دوسری طرف اشباح کا ذہن کچھ اور ہی سوچوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ آخر ایسی کیا بات ہو سکتی تھی کہ ماں کو اس طرح اُس کے تعاقب میں آدمی دوڑانے پڑے۔ یقیناً یہ کوئی سنگین معاملہ تھا ورنہ وہ تو اُسے گھر سے نکلتے وقت کبھی عقب سے آواز نہیں دیتی تھی۔

حضر موت اور ارد گرد کے علاقے میں بارش کم کم ہی ہوتی تھی۔ پہاڑ کم بلند اور بنجر وغیر شاداب تھے۔ مگر کبھی کبھی ہوا کے دباؤ کی وجہ سے وادیوں میں زبردست بادل گھر آتے تھے۔ وہ بھی ایک ایسی ہی طوفانی رات تھی۔ تاریک بادلوں کی پیٹھ پر رہ رہ کر بجلی کا کوڑا پڑتا اور حبشی غلاموں کی طرح اپنی بھاری آوازوں میں چلا

اٹھتے۔ پھر اُن کی آنکھوں سے رم جھم پانی برس کر لق ودق ریت میں جذب ہونے لگتا۔ اشباح اور اویس کے لباس بھیگ کر اُن کے جسموں سے چپکے ہوئے تھے اور ہوا نہایت فرحت بخش لگ رہی تھی۔ اونٹ بھی اس موسم سے سرشار تھے اور ان کی چال میں رضاکارانہ تیزی آگئی تھی۔ ابھی شام ہوئی تھی لیکن بادلوں کے سبب گہری تاریکی چھا چکی تھی۔ اشباح اور اس کے تینوں اونٹ سوار ساتھی اب بستی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اُس وقت وہ شیخ احمد کے باغ کے قریب سے گزر رہے تھے۔ جب اچانک انہیں ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ ایک گھڑ سوار درخت کی اوٹ سے نکل کر اُن کے سامنے آگیا۔ اشباح نے پہلی نگاہ میں پہچان لیا کہ یہ کوئی عورت ہے۔ اس نے اشباح کے سامنے پہنچ کر نسوانی لہجے میں کہا۔

"آپ کو سامنے باغ تک چلنا ہو گا۔ آپ کے لیے ایک اہم پیغام ہے۔"

نقاب کے باوجود اشباح نے پہچان لیا کہ یہ حسنہ ہے۔۔۔۔۔ حسنہ کچھ عرصہ پہلے ہلابہ کی کنیز تھی۔ تاہم اب ہلابہ اُسے آزاد کر چکی تھی اور حسنہ نے اپنا گھر بسا لیا تھا۔ اشباح نے اپنے دونوں ساتھیوں کو رخصت کر دیا اور اویس سے کہا کہ وہ گھر جا کر ماں کو بتائے کہ ابھی آ جاتا ہوں۔ اویس نے بُرا سا منہ بنا کر "اچھا" کہا اور اونٹ ششکار کر آگے بڑھ گیا۔

اشباح کنیز کے پیچھے چلتا شیخ احمد کے باغ میں داخل ہوا۔ درختوں کے ایک جھنڈ میں اُسے ہلابہ کھڑی نظر آئی۔ اُسے دیکھ کر اشباح اونٹ سے نیچے اتر آیا۔ کنیز حسنہ گھوڑا درختوں میں باندھ کر نہ جانے کہاں چلی گئی۔ اشباح دھیمے قدموں سے ہلابہ کے پاس پہنچا۔ وہ رخ پھیرے کھڑی تھی۔ بارش کچھ دیر کے لیے رکی

ہوئی تھی لیکن ہوا کے جھونکے پتوں سے پانی گرا رہے تھے۔اشباح کو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ ہلابہ کو کس طرح مخاطب کرے۔آج وہ اسے بالکل اجنبی عورت لگ رہی تھی،وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اسے یہاں بلانے سے اس کا کیا مقصد تھا۔بہر حال اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہلابہ !آ۔۔۔۔۔۔۔۔آپ کو یہاں نہیں آنا چاہئیے تھا۔"

ہلابہ کی اوڑھنی میں جنبش ہوئی اور اُس نے بغیر کچھ کہے سفید کپڑے کا ایک ٹکڑا اُس کی طرف بڑھا دیا۔اشباح نے دیکھا کہ اُس ٹکڑے پر سیاہ روشنائی سے کوئی تحریر لکھی ہے۔اُس نے اونٹ کی خرجین سے مشعل نکالی اور اسے جلا کر تحریر پڑھنے لگا۔یہ تحریر رومی پہلوان بوہان اور اس کے جوشیلے ساتھیوں کی طرف سے تھی۔انہوں نے "القسر" نامی ایک گروہ بنایا تھا جس میں بوہان اور اس کے بچے کھچے ساتھیوں کے علاوہ قبیلہ بنی لہب کے وہ باغی عناصر بھی شامل تھے،جنہیں زہار عرف سنہری شاہین کی قیادت قبول نہیں تھی اور جو اپنے مرحوم سردار آرب کا بدلہ لینے کے لیے تڑپ رہے تھے۔اس تحریر میں زہار کو "شیر صحرا آرب" کا قاتل قرار دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ الحاق کرنے والوں کو ملعون ٹھہرایا گیا تھا۔۔۔۔۔نیچے وہی نظم درج تھی جس میں آرب کی موت کا ماتم کر کے اس کے قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا عزم کیا گیا تھا۔آخر میں "القسر" کے سرغنہ یعنی بوہان کی طرف سے لکھا گیا تھا۔

"بنو عمار والو!تمہارے سنہری شاہین کے دن کٹے جا چکے ہیں۔بہت جلد تم اس کے تمام پر ہوا میں اڑتے ہوئے پاؤ گے۔"

اشباح نے اس اشتہار نما تحریر کو دوبارہ غور سے پڑھا۔پھر ہلابہ سے بولا۔"تم کو یہ تحریر کہاں سے ملی؟"

ہلابہ نے کہا۔"آج صبح یہ تحریر ہمارے گھر کے دروازے پر چسپاں تھی۔اس کے علاوہ بستی کے کئی اور دروازوں اور دیواروں پر بھی یہی اشتہار چسپاں ملا۔کوئی راتوں رات اسے لگا گیا تھا۔"

اشباح نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔"اس کا مطلب سردار زہار کی زندگی خطرے میں ہے لیکن۔۔۔۔۔۔"اچانک وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہوا اور چونک گیا۔

"لیکن۔۔۔۔یہ تحریر۔۔۔۔۔مجھے کیوں دکھا رہی ہو؟"

ہلابہ نے ایک معنی خیز خاموشی اختیار کی۔اشباح کے لیے یہ خاموشی بڑی تہلکہ خیز تھی۔اچانک اس کی رگوں میں خون کی رفتار انتہا کو پہنچ گئی۔پھر ہلابہ کی سنسنی خیز لیکن اجنبی آواز اشباح کے کانوں میں پڑی۔

"اس لیے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے کبھی کبھی ایک شک ہوتا ہے۔"

"کیا شک؟"اشباح نے کہا۔۔۔۔۔جواباً ہلابہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"یہی کہ۔۔۔۔۔آپ میں۔۔۔۔اور سردار زہار میں کوئی گہرا ربط ہے۔"

اشباح کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمایاں ہوئے لیکن اس نے کمال مہارت اور اعتماد سے اپنے لہجے اور تاثرات پر قابو پالیا۔اپنی مخصوص بارعب آواز میں بولا۔"ہلابہ !میرے پاس وقت نہیں جو کہنا چاہتی ہو صاف کہو۔"

ہلابہ بھی فوراً پینترہ بدل گئی۔ کہنے لگی۔ "میرا مطلب ہے کہ آپ اور سردار زہار ایک دوسرے کے قریب ہیں اور سرادر آپ کو اپنے قریبی ساتھیوں میں شمار کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔۔۔"

اشباح سمجھ گیا کہ ہلابہ بات بدل گئی ہے۔ اُس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "ہلابہ! تم نے ابھی کسی شک کا ذکر کیا ہے۔ تم اس بات سے مجھے کیا سمجھانا چاہتی ہو؟"

ہلابہ نے کہا۔ "میں آپ کو کچھ سمجھانے کا حق نہیں رکھتی، اور نہ ہی سمجھانا چاہتی ہوں۔ صرف اتنا مشورہ ہے کہ اپنی زندگی کی حفاظت کریں۔"

اشباح نے کہا۔ "تم بھی اپنی زندگی کو مشکلات میں نہ ڈالو۔ جن باتوں کا تمہیں علم نہیں اُن کے بارے میں سوچنا پُر خطر ہے۔ فی الحال میں یہی کہوں گا کہ تم بالکل غلط رُخ پر سوچ رہی ہو۔"

ہلابہ نے اوڑھنی کی اوٹ سے آدھی نظر اس پر ڈالی اور خدا حافظ کہتی ہوئی تیزی سے درختوں کی طرف مڑ گئی۔ اشباح خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر مشعل بجھا کر اپنے اونٹ کی طرف گھوما اور سوار ہو کر گھر کی طرف چل دیا۔ بادلوں کے ریوڑ کو گھیرنے کے لیے تیز ہوا نے پھر اپنے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے تھے۔ دوبارہ بارش شروع ہونے سے پہلے اشباح گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

وہ اونٹ کی نکیل تھامے گھر پہنچا تو ماں کو دہلیز پر کھڑے پایا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اور ایڑیاں اٹھا کر اشباح کی پیشانی چومی اور اُسے ساتھ لیتی ہوئی صحن میں آ گئی۔ اونٹ کو سائبان کے نیچے باندھ کر اور اُس کے سامنے چارا ڈال کر اشباح برآمدے میں پہنچا تو اویس کو چارپائی پر خراٹے لیتے ہوئے پایا۔

تھوڑی دیر بعد اشباح کھانے وغیرہ سے فارغ ہو گیا۔ سُراطا اسے لے کر کمرے میں آ گئی لیکن آج وہ عام استعمال کے کمرے کی بجائے پچھواڑے کے کمرے میں پہنچی تھی۔ اشباح حیرانی سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آج ماں کی آنکھوں میں اسے ایک ایسی کیفیت نظر آ رہی تھی جو پچھلے اٹھارہ بیس برسوں میں کبھی نہیں دیکھی۔ اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اشباح ایک مسہری پر بیٹھ گیا تو وہ بھی ایک کہنہ سال تپائی پر بیٹھ گئی۔ کمرے کے واحد روشندان سے ہوا کا جھونکے گھس کر طاق کے شمعدان سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ کبھی کبھی بادلوں کی مہیب گڑگڑاہٹ بھی سنائی دے جاتی تھی۔ اشباح کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ اُس کے دل نے گواہی دی کہ آئندہ چند لمحوں میں اس پر کچھ اہم انکشاف ہونے والے ہیں۔

سُراطا نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ "اشباح! اب تمہارے لیے مدینہ جانا ضروری نہیں۔ کیونکہ اس خط کا معمہ حل ہو گیا ہے۔"

"کیا؟" اشباح نے بے ساختہ کہا۔

سُراط بولی۔ "بیٹا! بصرہ سے خبر آئی ہے کہ ہند کے ساحل پر عربوں کے دو جہازوں کو لوٹ لیا گیا ہے اور والئی بصرہ کی خاصی کوشش کے باوجود اہلِ سندھ، جہاز واگذار کرنے پر تیار نہیں ہوئے۔"

اشباح کی آنکھیں حیرت میں ڈوبتی جارہی تھیں۔

سُراط نے کہا۔ "دمشق میں خلیفتہ المسلمین نے اہلِ سندھ کے خلاف جہاد کا اعلان کیا ہے اور اب ملک کے طول و عرض سے اس فوجی مہم کے لیے رضاکار اکٹھے کیے جارہے ہیں۔"

اشباح نے کہا۔ "امی جان! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟"

جواب میں سُراط نے ٹھہر ٹھہر کر اور تفصیل سے اشباح کو کل کے تمام واقعات بتادیئے۔ بصرے کے اجنبی مہمانوں کی آمد اور ان کے جلسے کا احوال سن کر اشباح کا دل اس کی کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ جذبہء جہاد سے سرشار اس کا خون رگوں میں تہلکہ مچانے لگا۔ اُس نے جیب سے باریک چمڑے پر لکھا ہوا وہی خط نکالا اور ایک بار پھر غور سے پڑھنے لگا۔ اُس کی ماں نے سچ ہی کہا تھا۔ یہ خط اب اس کے لیے کھلی کتاب کی طرح تھا۔ خط پڑھتے پڑھتے اچانک اشباح چونک گیا۔ گھڑ گھڑاہٹ کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ماں کو اس قدیم صندوق سے الجھتے پایا جو برسوں سے ایک ہی مقام پر بے حرکت پڑا تھا۔ اس کی ماں صندوق کو گھسیٹتی ہوئی کمرے کے عین وسط میں لے آئی۔ اشباح کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ شاید آج اس کی ازلی بے قراریوں کو قرار آنے والا تھا۔ سُراط نے ایک کپڑے سے صندوق کی گرد صاف کی۔ ہاتھی دانت کا بنا ہوا سفید صندوق

شمعوں کی روشنی میں چمکنے لگا۔ دور کہیں حضر موت کے ویرانوں میں بجلی کڑکی۔ پھر سُراط کی خوابناک آواز سنائی دی۔

"اشباح! میرے بچے۔۔۔۔۔ میرے شہزادے۔۔۔۔۔۔ میرے خیال میں وہ وقت آگیا ہے کہ میں تجھے اس صندوق کے بارے میں بتادوں۔۔۔۔۔۔ سب کچھ بتادوں۔"

اشباح کی نگاہیں صندوق پر جم کر رہ گئیں۔ اُس کا دل سینے میں شدت سے دھڑک رہا تھا۔ سُراط نے اپنی اوڑھنی کے پلو سے ایک چابی کھولی۔ قریباً نصف بالشت لمبی یہ چابی پیتل کی بنی ہوئی تھی اور اس کے سوراخ میں سیاہ رنگ کا چھوٹا سا ٹکڑا بندھا ہوا تھا۔ سُراط نے ایک نظر اشباح کی طرف دیکھا پھر لرزاں ہاتھوں سے چابی قفل کی طرف بڑھائی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ صندوق کے دونوں قفل کھولنے اور علیٰحدہ کرنے میں کامیاب رہی تب اس نے اشباح کو صندوق کا ڈھکنا اٹھانے کا اشارہ کیا۔ اشباح فرمانبرداری سے آگے بڑھا۔ اُس نے ہاتھی دانت کے ڈھکنے کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا۔ تادیر بند رہنے کی وجہ سے پیتل کے قبضے جام ہوچکے تھے لہٰذا معمولی دشواری ہوئی۔ مدھم چرچراہٹ سے ڈھکنا کھل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح نے دیکھا سبز رنگ کے ایک مخملی کپڑے نے صندوق کی اشیاء کو ڈھانپ رکھا ہے۔ اُس نے یہ آہستگی کپڑے کو ہٹایا تو سب سے پہلے نظر ایک خوبصورت میان پر پڑی۔ میان کے اندر سے جڑاؤ دستے والی ایک تلوار جھانک رہی تھی۔ یہ ہندوستانی طرز کی خمدار تلوار تھی۔ سُراط نے عقیدت سے میان کو چھوا اور اُسے نکال کر

باہر رکھ دیا۔ تلوار کے نیچے چمڑے کا ایک بڑا ٹکڑا تھا جسے گول لپیٹنے کے بعد اوپر سے ایک موٹا دھاگہ باندھ دیا گیا تھا۔اشباح نے چمڑا نکالا اور دھاگہ کھول کر اسے اپنے سامنے پھیلا دیا۔ یہ چمڑا عرض میں کوئی دو بالشت اور طول میں ایک ذراع تھا۔ کالی روشنائی سے اس پر کچھ لکیریں کھینچی ہوئی تھیں،اور چند عجیب سی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ایک جگہ پہاڑی تھی۔ایک جگہ درختوں کا جھنڈ تھا اور ایک مقام پر اجنبی وضع کی عمارت دکھائی گئی تھی۔ایک باریک قلم سے جابجا کچھ لکھا بھی گیا تھا۔اشباح نے اس چمڑے کو بھی ایک جانب رکھ دیا۔اب جو چیز اشباح نے صندوق سے نکالی وہ ایک کتاب تھی۔کتاب کی جلد سبز تھی لیکن گزرے ماہ وسال نے یہ رنگ پھیکا کر دیا تھا۔یہ درحقیقت ایک قلمی نسخہ تھا اور اس پر مصنف کا نام "عثمان سقیل "درج تھا۔کتاب کے آغاز کی تاریخ بھی درج تھی۔اشباح کے حساب یہ تاریخ اس کی پیدائش سے ایک سال بعد کی تھی۔

اشباح نے اس کتاب کو تپائی پر رکھ دیا۔اب اس کی نگاہ ایک چھوٹے سے چوبی ڈبے پر پڑی۔یہ چوکور ڈبہ چاروں جانب سے بند تھا۔یعنی اس کے ڈھکنے کو میخیں لگا کر جوڑ دیا گیا تھا۔ڈبے کے اوپر سیاہ روشنائی سے چند الفاظ لکھے تھے۔یہ روشنائی وہی تھی جو چمڑے کے نقشے پر استعمال کی گئی تھی۔ تحریر، قلمی نسخے اور چمڑے کی تحریر سے ملتی جلتی تھی۔لکھا تھا۔

"اس ڈبے کو کھولنے سے پہلے نیلے رنگ کا لفافہ کھولا جائے۔"

اشباح نے صندوق میں جھانکا۔اب وہاں نیلے رنگ کے ایک وزنی لفافے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔اُس نے یہ لفافہ نکال کر صندوق کا ڈھکنا بند کر دیا۔ماں کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھنے کے بعد اُس نے کانپتے

ہاتھوں سے لفافہ چاک کیا۔اندر سے چند کھڑ کھڑاتے ورق برآمد ہوئے۔لگتا تھا ان اوراق کو ابھی ابھی تہہ کیا گیا ہے۔ان اوراق کی تحریر بدخط تو نہیں تھی مگر لکھنے والا جلدی میں محسوس ہوتا تھا،بہر حال تحریر صاف سمجھ میں آ رہی تھی۔ سُراطا اٹھی اور چراغ کو اشباح کے بالکل پاس لے آئی۔۔۔۔۔۔باہر گرج چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش بھی شروع ہو چکی تھی۔چراغ کی ٹمٹماتی لو میں اشباح نے پڑھنا شروع کیا۔

بِسمِ اللّٰہِ الرحمٰنِ الرحیم

عثمان سقیل کی جانب سے اپنے فرزند اشباح بن سقیل کے لئے۔

فرزندِارجمند!السلام علیکم!آج میں اس تحریر کے ذریعے موت کی سرحد پار کرکے تم سے مخاطب ہو رہا ہوں۔اگر تمہاری والدہ ماجدہ نے یہ صندوق میری خواہش کے مطابق کھولا ہے تو آج تم ایک بھرپور جوان ہو اور مجھے اس دارِفانی سے رخصت ہوئے برسوں گزر چکے ہیں۔چند لوگوں کی نگاہوں میں شاید میری دھندلی سی تصویر موجود ہو لیکن بہت سوں کے لئے میں بھولی بسری کہانی بن چکا ہوں۔شاید کچھ لوگوں کو میرا نام بھی یاد نہ ہو۔۔۔۔۔ہاں تو میرے بچے،میں تجھے یہ خط عربی میں لکھنا چاہتا ہوں لیکن عربی تحریر پر مجھے اتنا عبور نہیں کہ تو میرا لکھا سمجھ سکے۔لہٰذا اپنی مادری زبان ہندوستانی کا سہارا لے رہا ہوں۔اگر تمہاری والدہ نے

میری وصیت پر عمل کیا ہے اور مجھے امید ہے انھوں نے ضرور کیا ہوگا۔ تو تم یہ زبان آسانی سے سمجھ رہے ہوگے۔۔۔۔۔۔۔

میرے بیٹے! میں جانتا ہوں۔ تیرے ذہن میں ان گنت سوال ہیں جن کا جواب تو اپنی ماں سے چاہتا ہوگا مگر وہ تجھے ٹال دیتی ہوں گی۔ درحقیقت اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب میرا ہی کیا ہوا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تجھے وقت سے پہلے کچھ معلوم ہو جائے اور تو کوئی جذباتی فیصلہ کر کے خود کو مشکل میں گرفتار کر لے، مجھے یقین ہے اب تُو سمجھدار ہے اور تیرا ردِ عمل عقلمندانہ ہوگا۔۔۔۔۔۔۔

میں یہاں تجھے جو باتیں بتانے جا رہا ہوں ان میں سے کچھ تو سیدھی سادی ہیں اور ذی ہوش انسان انہیں سمجھ سکتا ہے مگر کچھ ایسی ہیں جو غیر معمولی ہیں اور جن پر انسانی عقل مشکل سے یقین کرتی ہے۔ عام زبان میں ایسی باتوں کو مافوق الفطرت کہا جاتا ہے۔ یہاں میں تجھے ایک اور بات بتا دینا چاہتا ہوں۔ تادمِ تحریر میں عقیدے کے لحاظ سے ایک مسلمان ہوں اور الحمدُللہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر پختہ یقین رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں دنیا میں غیر مرئی مخلوقات پائی جاتی ہے جنھیں جنات کہتے ہیں اور جادو بھی برحق ہے کیونکہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان سے اسے برحق فرمایا ہے۔۔۔ لیکن میں ان توہمات پر قطعی یقین نہیں رکھتا جو میری مادری سرزمین پر ہزارہا شکلوں میں پائے جاتے ہیں اور جن کا کوئی سر ہے نہ پیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس طویل تمہید کے بعد تمہیں اپنے ماضی کی طرف لے چلتا ہوں اور وہ کہانی سناتا ہوں جس کا آغاز تیری پیدائش سے کئی برس پہلے ہوا تھا اور جس کے کچھ کردار ابھی تک تیرے ارد گرد موجود ہیں۔۔۔۔۔۔۔

میرا پہلا نام رام داس تھا۔ ہندوؤں میں مختلف ذاتیں ہوتی ہیں اور اس لحاظ سے میری ذات برہمن تھی۔ برہمن لوگ انسانوں میں سب سے اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ میرا تعلق ایک خوشحال زمیندار گھرانے سے تھا۔ ہم کئی پشتوں سے صحرائے تھر کے ایک دور دراز حصے میں رہ رہے تھے۔ میں چونکہ زندگی بھر اپنے اس خطے سے باہر نہیں گیا تھا لہٰذا تمہیں ٹھیک طور پر تو نہیں بتا سکتا کہ وہ علاقہ کس جگہ اور کہاں ہے، مگر اپنے سفر کے دوران میں نے چمڑے پر جو نقشہ تیار کیا تھا وہ تمہیں دوسری چیزوں کے ساتھ مل گیا ہوگا۔ میرا خیال ہے میں اس نقشے میں اپنے آبائی وطن کے محلِ وقوع سمجھانے میں کافی حد تک کامیاب رہا ہوں۔۔۔ ہاں تو میں بتا رہا تھا میں نے خوشحال اور عیش و آرام کے ماحول میں آنکھ کھولی۔ میرا باپ جس کا نام اشوک تھا راجہ کے خاص مصاحبوں میں تھا۔ علاقے میں اس کی بڑی عزت تھی۔ جب میں پانچ برس کا تھا تو ایک جوتشی نے ستاروں کے ذریعے میری قسمت کا حال دریافت کیا اور یہ اہم خبر سنائی کہ عین جوانی کے عالم میں میری زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اس المیے سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ میری شادی ایک ایسی برہمن لڑکی سے کی جائے جو پورن ماشی کی رات (چاند کی چودھویں رات) پیدا ہوئی ہو اور جس کی آنکھ میں سیاہ تل ہو۔ ہم صرف دو بہن بھائی تھے اور میرا باپ مجھے حد سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس لئے میری قسمت کا حال جان کر وہ پریشان ہوا۔ اُسی روز سے اس نے مطلوبہ لڑکی کی تلاش شروع کر دی۔ یہ تلاش زیادہ کٹھن ثابت نہیں ہوئی۔ چند ہی روز بعد معلوم ہوا کہ قصبے کے بڑے مندر کے پروہت کی بیٹی سرسوتی، پورن ماشی کی رات پیدا

ہوئی اوراس کی آنکھ میں تل ہے۔میرا باپ فوراً جھولی پھیلا کر پروہت کے ہاں جا پہنچا اور رشتہ طے ہو گیا۔ایک رنگا رنگ تقریب میں "سگائی" کی رسم ادا کی گئی۔یعنی رواج کے مطابق میرا رشتہ پکا کر دیا گیا۔اب جوتشی کے خیال میں مجھ پر آنے والی آفت ٹل چکی تھی اور میرے والدین بھی مطمئن تھے۔۔۔۔۔۔۔۔

مگر جب میں آٹھ سال کا ہوا تو میرے باپ کے دل میں آئی کہ کیوں نہ میری شادی کر دی جائے۔ہمارے علاقے میں بچپن کی شادیوں کا رواج عام ہے اور بعض لوگ دودھ پیتے بچوں کو بھی رشتہء ازدواج میں باندھ دیتے تھے۔مجھے جب معلوم ہوا کہ میری شادی کی جارہی ہے تو عجیب سی نفرت اور کراہیت میرے دماغ میں سما گئی اور میں ایک رات گھر سے بھاگ نکلا۔۔۔۔۔۔۔گھر کی دہلیز پار کرنے کے بعد میں پورے دو برس مارا مارا پھرتا رہا۔آخر اکلوتی بہن کی محبت مجھے دوبارہ گھر کھینچ لائی جیسا کہ میں نے بتایا ہے تمہاری پھوپھی یعنی میری بہن ایک ہی تھی اُس کا نام کملا تھا۔وہ مجھ سے دو برس چھوٹی تھی۔ہم دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔میں واپس آیا تو وہ میری جدائی میں چارپائی سے لگ چکی تھی۔مجھے دیکھ کر جیسے پھر جی اٹھی۔میں نے خود سے عہد کیا کہ اب کچھ بھی ہو اس گھر سے قدم باہر نہیں نکالوں گا۔دوسری طرف والدین بھی اپنی جگہ فیصلہ کر چکے تھے کہ مجھے جلد شادی پر مجبور نہیں کریں گے۔

شادی کے نام سے مجھے عجیب سی چڑ ہو گئی تھی۔میری منگیتر سرسوتی مجھ سے ایک سال بڑی تھی۔مگر میرے مقابلے میں وہ نہ صرف بہت زیادہ ہوشیار چالاک اور سمجھدار تھی بلکہ وہ حد درجہ غصیلی بھی تھی۔جب میں اس سے دامن بچانے کی کوشش کرتا تو وہ طیش میں سو سو بل کھا جاتی۔اس سے میری نفرت کی ایک اور بھی وجہ تھی۔مجھے کسی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ پروہت نے جوتشی کے ساتھ مل کر داؤ کھیلا تھا۔اُس نے میری

قسمت کا جو حال بتایا تھا وہ پہلے سے طے شدہ تھا۔جوتشی کا مقصد یہی تھا کہ میرا رشتہ اُس کے دوست پروہت کی بیٹی سے ہو جائے۔ظاہر ہے اُن دونوں کی نظر میرے باپ کے مال و دولت پر تھی۔۔۔۔۔انہی حالات میں چھ سات برس گزر گئے۔اب میں سترہ سال کا اور میری بہن پندرہ سال کی تھی۔باپ نے ایک اچھا رشتہ دیکھ کر اُس کی شادی کر دی۔شادی کے صرف چار ماہ بعد وہ بیوہ ہو گئی اور سسرالی رشتے داروں نے اسے شوہر کے ساتھ ستی ہو جانے پر مجبور کر دیا۔"ستی" کا لفظ شاید تمہارے لیے نیا ہو لیکن تمہاری والدہ اس قبیح رسم کے بارے میں سب کچھ بتا سکتی ہیں۔مختصراً یوں سمجھ لو کہ ہمارے معاشرے میں بیوہ اپنے شوہر کے ساتھ جل مرتی ہے۔میری بہن بھی اس ظالمانہ رسم کی بھینٹ چڑھی۔اس واقعے نے میرے دل پر بے حد اثر کیا۔میں جو پہلے ہی اپنے ماحول اور لوگوں سے بیزار تھا بالکل باغی ہو گیا۔میں اپنی بہن کی راکھ مٹھی میں لے کر گلیوں میں روتا پھرتا تھا اور دیواروں سے سر ٹکراتا تھا۔اس کی جدائی نے مجھے نیم پاگل کر دیا۔مجھے اُس معاشرے سے ہی نفرت ہو گئی جس نے ایک بے گناہ کو آگ کا ایندھن بنا کر ایک بھائی سے اُس کی بہن چھین لی۔۔۔۔۔۔دوسری طرف میرا باپ پھر مجھ پر شادی کے لئے زور دے رہا تھا۔اُس کے لیے جوتشی کی پیشن گوئی پتھر کی لکیر تھی اور میری موت کی تلوار ہر گھڑی اس کے سر پر لٹکتی رہتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ وہ حالات تھے جن میں ایک روز مجھے روشنی کی ایک کرن دکھائی دی۔میں کپڑے پھاڑے سر میں خاک ڈالے جنگل میں بھٹک رہا تھا کہ میری ملاقات تیرے نانا اور تیری ماں سے ہو گئی۔مجھے وہ طوفانی شام آج تک یاد ہے۔جنوب کی طرف سے پُرنم ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔میں اپنے دکھی دل کو سنبھالے آوارگی کی رتھ پر کہیں بہت دور نکل آیا تھا۔ایک جگہ رک کر میں اپنے پاؤں کے کانٹے نکالنے لگا تو کراہنے کی صدا آئی۔میں

نے درختوں کے جھنڈ میں جا کر دیکھا تو تیری ماں تیرے نانا کا سر زانو پر رکھے بیٹھی تھی۔ وہ دونوں کئی روز کے بھوکے پیاسے تھے اور آبادی کا راستہ کھو چکے تھے اُن کے پاس ایک گٹھڑی کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے اُن کی مدد کی اور دو روز کے طویل و دشوار گزار سفر کے بعد انھیں اپنے گھر لے آیا۔۔۔۔ دراصل تیرے نانا داؤد بن مغیرہ (میری دعا ہے کہ وہ حیات ہوں) عرب کے ایک مشہور تاجر تھے۔ وہ سامانِ تجارت لے کر عرب سے کسی مالدیپ نامی جزیرے میں جا رہے تھے کہ کاٹھیاواڑ کے قریب اُن کا جہاز ایک سمندری چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ چند افراد اپنی جانیں بچا سکے۔ اُن میں تیرے نانا اور تیری والدہ شامل تھیں۔ ایک تختے پر سوار وہ ساحل سے جا لگے اور زندگی کو تلاش کرتے ویرانہ ویرانہ بھٹکنے لگے۔ وہ راجپوتانہ کے بیابان میں بہت دور نکل آئے تھے اگر اُس رات اُن کی میری ملاقات نہ ہوتی تو شاید۔۔۔۔۔۔ حالات کچھ اور ہوتے۔ بہرحال خدا کو ان کی زندگی منظور تھی۔۔۔۔۔

اب میں تمہیں اُس ریاست کے متعلق بتاتا چلوں جہاں کا رہنے والا ہوں۔ یہ علاقہ راجپوتانہ کے ایک گھنے جنگل میں باقی دنیا سے کٹا ہوا ہے۔ وہاں پہنچنے کے لئے کئی دشوار خرابوں اور جان لیوا دلدلی خفوں کو پار کرنا پڑتا ہے۔۔۔۔ انسانوں کی وہ بستی ایک ایسی اندھیر نگری ہے جہاں جہالت کی تاریکی اور خرافات کی سیاہی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ وہاں کے باشندے اُسی تاریکی میں پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ انہیں کچھ پتہ نہیں کہ باہر کی دنیا کہاں ہے۔ میں نے بھی صرف اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ اس دنیا سے باہر ایک دنیا ہے جو بہت بڑی ہے۔ میرا باپ کہا کرتا تھا کہ ہماری راجدھانی ایک بہت بڑے ملک کا حصہ ہے جسے سندھ کہتے ہیں۔ سندھ

نامی اس ملک میں بڑے بڑے شہر اور بندرگاہیں ہیں۔ وہاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں انسان بستے ہیں۔۔۔۔۔

ہماری اس ریاست میں جہالت کا یہ عالم ہے کہ راجہ کو بھگوان کا سایہ سمجھا جاتا ہے اور بتوں کے ساتھ ساتھ اُس کی بھی پوجا کرتے ہیں۔ ریاست کے انتہائی شمال میں ایک بے حد گھنے جنگل کے اندر جہاں دن کو بھی رات کا سماں رہتا ہے۔ راجہ ایک شاندار محل میں رہتا ہے مشہور ہے کہ یہ محل سحر کے زور پر قائم ہے۔ اور درندے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ راجہ کو مقامی زبان میں "پرماتما" کہا جاتا ہے۔ پرماتما کے بارے میں جہاں اور بہت سی باتیں مشہور ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ پرماتما کی عمر پونے تین سو برس ہے اور وہ مزید سوا دو سو برس زندہ رہنے کی شکتی رکھتا ہے۔ میں ان باتوں سے تمہیں الجھانا نہیں چاہتا۔ اگر تم اس علاقے میں جانے کا قصد کرو گے تو سب کچھ خود ہی تم پر کھل جائے گا۔ میں تمہاری والدہ اور نانا داؤد بن مغیرہ کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ دونوں ہماری ریاست میں پہنچے تو لوگ جوق در جوق انہیں دیکھنے کے لیے آئے۔ ہفتوں اُن کی باتیں سنی گئیں اور ان کا چرچا رہا۔ تمہارے نانا نے ہمارے بزرگوں کی حکایتوں کی تصدیق کی اور بتایا کہ بحرِ ہند میں مکران نامی ساحل کے ساتھ ایک ملک آباد ہے جسے "سندھ ہند" کہا جاتا ہے۔ تاہم وہ بھی اس بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے ہم سے اپنے ملک کا ذکر کیا اور اس دین کے بارے میں بتایا جس کی وہ پیروی کرتے تھے۔ میں نے تمہاری ماں اور تمہارے نانا کو نمازیں پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے دیکھا۔ اُن کی باتیں سنیں اور اُن کے رہن سہن کا مشاہدہ کیا۔ دھیرے دھیرے میرے اندر ایک انقلاب برپا ہونے لگا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرے اندر ایک خلاء تھا جو بتدریج پُر ہو رہا ہے۔۔۔۔ اور پھر ایک روز میں

خاموشی سے مسلمان ہو گیا۔اس دوران میں تمہاری ماں کے حسن اخلاق کا بھی معترف ہو چکا تھا۔اُن کی حلیم اور مہربان شخصیت میرے زخموں کا مرہم بن گئی۔ میری بہن کملا کا پھول کملا گیا تھا مگر اس کے بدلے مجھے ایک ایسی خوشبو انعام میں ملی تھی جو زندگی بھر کے لئے مشامِ جاں کو معطر کر سکتی تھی۔۔۔۔۔۔۔

اور پھر ایک روز میں نے اپنا دامنِ آرزو تمہارے نانا کے سامنے پھیلا کر اس خوشبو کو اپنے نام کر لیا۔ میں نے سُراط سے شادی کر لی۔اس فیصلے نے میرے خاندان میں زلزلہ برپا کر دیا۔اپنوں نے انگلیاں اٹھائیں۔ غیروں نے طعنے دیے میرے ساتھ میرے پورے خاندان کو مجرم ٹھہرایا گیا۔ جس روز میرے والد کو شاہی نوکری سے برخاست کیا گیا اُن پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور چند روز صاحب فراش رہ کر وہ راہی عدم ہوا۔اس لاچاری اور کسمپرسی کے دور میں دو آدمیوں نے میرا ساتھ دیا۔ایک میرا پرانا ملازم امرناتھ تھا دوسرے میرے ماموں تھے۔ چھوٹے بڑے، اپنے پرائے سب دیوان جی کہا کرتے تھے۔انہیں ذات پات کی تقسیم سے سخت نفرت تھی اور میرے باغیانہ خیالات کے سبب وہ مجھ سے از حد محبت کرتے تھے۔۔۔۔

مذہب بدلنے کے جرم میں مجھے اپنی جائیداد سے بے دخل کر دیا گیا۔ دیوان جی مجھے اپنے گھر لے گئے اور ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا۔ وہ میری طرف بڑھنے والی ہر آفت کے سامنے ڈھال بن گئے۔ میرے اندر ایک زبردست تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ خدا نے دین کی سمجھ دی تھی اور دل کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ان آنکھوں سے میں صاف دیکھ سکتا تھا کہ میرے ہم وطن گمراہی کے راستے پر ہیں اور بھاگ بھاگ کر آگ کی طرف جا رہے ہیں۔ میں انہیں اس عبرتناک انجام سے روکنا چاہتا تھا۔اُن کے دل میں اپنی بات ڈالنا چاہتا تھا لیکن وہ سننے کو تیار نہیں تھے۔۔۔۔۔۔۔ وقت گزرتا رہا۔ میں تمہارے نانا اور تمہاری ماں سے دین کی باتیں

سیکھ کر لوگوں کو سکھانے کی کوشش کرتا رہا اور آہستہ آہستہ ہمارا ایک حلقہ بن گیا۔ خاص طور پر نیچ ذات کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں نے اسلامی تعلیمات سے لگاؤ ظاہر کرنا شروع کیا۔ سچائی دلوں میں گھر کرنے لگی۔ قریب تھا کہ ایک انقلاب برپا ہو جاتا کہ حالات نے اچانک کروٹ لی۔ وہ پروہت جس کی لڑکی کے ساتھ شادی سے میں نے انکار کیا تھا، میرا دشمن تھا۔ ایک روز وہ پرماتما کے محل تک جا پہنچا۔اس سے پہلے بھی پرماتما کو میرے خلاف شکایات موصول ہو چکی تھیں۔ پروہت کی اطلاعات نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور پرماتما کے سپاہی کیل کانٹوں سے لیس ہو کر ہماری بیخ کنی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ میں اُس وقت بستی میں موجود نہیں تھا۔اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شکار کے لئے نکلا ہوا تھا۔۔۔۔ تمہارے نانا نے بستی سے باہر ایک ٹیلے پر چھوٹی سی مسجد بنا رکھی تھی۔ نمازِ عصر کے بعد وہ اس مسجد میں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت شروع کر دیتے۔اُن کی آواز ایسی مسحور کُن تھی اور آیات کی تلاوت اتنے وجد سے کرتے تھے کہ سننے والے مبہوت رہ جاتے۔ بعض ایسے لوگ بھی جن کو ہمارے عقیدے سے اختلاف تھا عصر کے بعد ٹیلے کے دامن میں آ بیٹھتے اور نانا کی آواز سنتے۔ اُس روز بھی وہ نماز کے بعد تلاوت میں مشغول تھے۔ مسجد کے اندر اور باہر لوگ ہمہ تن گوش سن رہے تھے۔ اتنے میں پرماتما کے سرخ پوش دستے گھوڑے بھگاتے پہنچ گئے۔ وہ دندناتے ہوئے مسجد میں گھسے اور تمہارے نانا کو مار مار کر بے ہوش کر دیا۔ بعد ازاں ان کی زبان کاٹ کر پیشانی پر تپتے ہوئے لوہے سے گول مہر داغ دی۔ اس مہر کا مطلب تھا کہ یہ شخص پرماتما کا اپرادی ہے۔اس سے راجدھانی میں ہر جگہ گناہ گاروں کا سلوک کیا جائے۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر پرماتما کے سرخ پوشوں نے پوچھا۔ "اب اور کون اس حرکت کی جرات کرے گا؟"

اُن کا اشارہ قرآن پاک کی تلاوت کی طرف تھا۔ بیک وقت چار نو مسلم آگے آئے اور انہوں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہم یہ جرات کریں گے اور جب تک زندہ ہیں بار بار کریں گے۔" فوراً انہیں بھی مسجد کے فرش پر لٹایا گیا اور اُن کی زبانیں کاٹ کر پیشانیوں پر مہریں لگادی گئیں۔ پھر ایک نوجوان اور آگے آیا اور اس نے قرآن کو بڑھ کر سینے سے لگالیا۔ پھر جوش بھرے لہجے میں پکارا۔

"میں تلاوت کروں گا اس مقدس کتاب کی۔"

سرخ پوشوں کا سردار آگے بڑھا اور اُس نے برچھا مار کر نوجون کو شہید کر دیا۔ نوجوان مسجد کے صحن میں تڑپتا رہا مگر اُس نے قرآن کو سینے سے جدا نہیں کیا۔ سرخ پوشوں نے مسجد کو شہید کر دیا اور لوگوں کو خوفناک دھمکیاں دینے کے بعد واپس لوٹ گئے۔۔۔۔۔

میں شکار سے لوٹا تو تمہاری والدہ نے رو رو کر یہ واقعہ سنایا۔ مسجد میں پہنچا تو اُسے شہید دیکھا۔ صحن میں نو مسلم نوجون کی لاش پڑی تھی۔ پانچ نیم بے ہوش زخمیوں کو طبّی امداد دی جا رہی تھی۔ اُن میں تمہارے نانا بھی شامل تھے۔ اس واقعے کا میرے ساتھ ساتھ میرے ساتھیوں پر بھی بے حد اثر ہوا۔ وہیں کھڑے کھڑے ہم نے عہد کیا کہ پرماتما کے ہرکاروں سے اس سفاکی کا بدلہ لیں گے۔ بستی کے کچھ غیر مسلم بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گئے۔ ہم نے اُسی وقت گھوڑے دوڑائے اور سرخ پوشوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے۔ کھجوروں کے ایک باغ میں ہم نے انہیں جالیا۔ وہ تعداد میں ہم سے دوگنا تھے، لیکن ہمارے جوش و جذبے کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اُن پر ہماری تلواروں کی ایسی دہشت سوار ہوئی کہ چند لمحوں میں سر پر پاؤں

رکھ کر بھاگ نکلے۔ ہم نے اُن کے بیس ساتھی گرفتار کر لیے۔ اس حملے میں ایک سرخ پوش ہلاک اور چھ زخمی ہوئے تھے۔ میرے ساتھیوں کی خواہش تھی کہ قیدیوں میں سے بھی پانچ کی زبانیں کاٹ لی جائیں تاکہ انصاف کا حق ادا ہو۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا اپنے جوش پر قابو پاتے ہوئے صلہ رحمی کا راستہ اختیار کیا۔ میں نے زخمیوں کو مرہم پٹی کرانے کے بعد اُن سب کو اس پیغام کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی کہ ہم یہاں فتنہ و فساد برپا کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارا پیغام محبت و بھائی چارے سے عبارت ہے۔ میں نے ان قیدیوں کے ہاتھ پرماتما کو پیغام بھیجا کہ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔

پرماتما نے میری اس صلح جوئی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کے برعکس پتہ چلا کہ وہ میرے اور میرے مٹھی بھر ساتھیوں کے خلاف فیصلہ کن کاروائی کا ارادہ کر رہا ہے۔ دوسری طرف بستی میں حالات بدل چکے تھے۔ ہماری وہ بستی کوئی دو ہزار نفوس پر مشتمل تھی (ایسی ہی تین بستیاں ریاست میں اور تھیں) پوری بستی کے لوگ ہماری جرات اور ہمت سے متاثر ہوئے تھے۔ پرماتما کے سرخ پوشوں پر جوابی حملہ کرنا اور انہیں مار بھگانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس واقعے کی خبر دوسری بستیوں میں بھی پھیل گئی اور لوگوں کے دلوں میں پرماتما کے خلاف اندر ہی پکنے والا مواد پھوٹ پڑنے کو بے قرار ہو گیا۔ کئی علاقوں کے بااثر لوگوں نے مجھ سے چپکے چپکے ملاقات کی اور پرماتما کے خلاف اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ قصہ مختصر، ظلم کی چکی میں پسے ہوئے لوگ دبی زبانوں سے پرماتما کے راج پاٹ کے خلاف نفرت کا اظہار کرنے لگے۔۔۔۔۔ وہ اُن کی حسین دوشیزاؤں کو اپنے عشرت کدے کی زینت بنالیتا تھا۔ اُن کے غلے اٹھا کر اپنے گوداموں میں لے جاتا تھا اور انہیں سحرکاریوں سے لرزہ براندام رکھتا تھا۔۔۔۔

ہمیں برابر اطلاعات مل رہی تھیں کہ پرماتما کے پُراسرار محل سے کاروائی کا آغاز ہونے والا ہے اور اس کے سرخ پوش فیصلہ کن ضرب لگانے کے لیے آگے بڑھنے والے ہیں۔ ہمارے ہمنوا بھی، جو چاروں بستیوں میں پھیلے ہوئے تھے پوری طرح تیار تھے۔ نہایت خاموشی کے ساتھ سرخ پوشوں سے ٹکرانے کی پوری تیاری ہو چکی تھی۔۔۔۔ مگر بعد میں جو ہوا بالکل خلافِ توقع تھا۔ بستی کے بڑے بوڑھے ہمیشہ سے کہتے آئے تھے کہ پرماتما پُراسرار قوتوں کا مالک ہے اور اُس کے حکم پر جنگل کے درخت انسانوں کا روپ دھار کر اُس کی مدد کو آ جاتے ہیں اور نافرمانوں کو عبرتناک انجام سے دوچار کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے ان خرافات پر کبھی یقین نہیں کیا تھا اور کر بھی کیسے سکتا تھا۔ مگر جس روز سرخ پوشوں نے ہماری بستی پر حملہ کیا ہم سب حیران رہ گئے۔ وہ تمام قدیم روائیتیں سچ نظر آنے لگیں۔ پرماتما کے محل سے جو فوج برآمد ہوئی وہ ہمارے اندازوں سے کہیں بڑھ کر تھی۔ لگتا تھا جنگل کے چپے چپے نے لشکر اگل دیا ہے۔ ہماری توقع سینکڑوں کی تھی مگر وہ ہزاروں میں تھے اور پوری طرح مسلح۔ انہیں دیکھتے ہی ریاست کے طول و عرض میں سناٹا چھا گیا۔ پرماتما کا ٹڈی دل ہماری بستی کے نواح میں پہنچا تو پوری بستی قبرستان کا نمونہ پیش کرنے لگی۔ پرماتما کا کروفر دیکھ کر لوگ گھروں میں دبک گئے۔ جانوں کے خوف نے انہیں سہما کر رکھ دیا۔ آزادی اور عزت کے خواب ان کی آنکھوں میں چکنا چور ہو گئے۔ اُن کے ڈرے ڈرے حوصلے برف اوڑھ کر سو گئے۔۔۔۔ میں اس وقت اپنے تیس مسلم ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں موجود تھا۔ بلندی سے ہم پرماتما کی آمد کا منظر دیکھ سکتے تھے۔ وہ ایک ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھی سونے کے جڑاؤ زیورات سے لدا ہوا تھا۔ ہاتھی کا ہودا چاندی کا تھا اور اس کے چاروں طرف باریک پردے تھے۔ پردوں کے اندر سے پرماتما کا صرف ہیولا دکھائی دیتا تھا۔ ایک خوبصورت دیوداسی

پرپرماتما کی خدمت داری گزاری کے لیے ہودے میں سوار تھی۔ ہاتھی کے چاروں طرف آہن پوش محافظ تھے۔ انہوں نے ہاتھوں میں دیوی دیوتاؤں کی شبیہوں والے پرچم اٹھا رکھے تھے۔ اُن کے عقب میں پجاری تھے جو ڈھول تاشے بجاتے اور پوجا پاٹ کرتے چلے آ رہے تھے۔ عقب میں سینکڑوں گھڑ سوار تھے جن کی تلواریں، نیزے، ڈھالیں، بلم اور گرز دھوپ میں چمک رہے تھے۔ ہم جان چکے تھے کہ لشکر جرار دیکھنے کے بعد بستی والے ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور اب ہمیں تنہا لڑنا ہے۔ ہم خود کو شہادت کی موت کے لیے تیار کر رہے تھے جب میرے ماموں "دیوان جی" جو اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر ہمارے بہترین خیر خواہوں میں سے تھے بھاگتے ہوئے پہنچے۔

انہوں نے مجھ سے کہا۔

"بھانجے! اس وقت پرماتما کے سامنے آنے کا مطلب آتما ہتھیا کے سوا اور کچھ نہیں۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا یہ قیمتی جیون بچا لو۔ اپنے لیے نہیں، اپنے بچوں کے لیے بھی نہیں۔ ان سینکڑوں ہزاروں افراد کے لیے جو اس تاریک جنگل میں پرماتما کی بربریت کا شکار ہیں۔ تم ان کی گھٹا ٹوپ زندگیوں میں امید کی کرن ہو۔ وہ تمہاری آنکھوں میں روشنیوں کی منزل دیکھتے ہیں۔ اگر تم انہیں چھوڑ گئے تو وہ ابدی مایوسی کی غار میں جا گریں گے۔ ان کے من میں آزادی کی کونپل ہمیشہ کے لیے مرجھا جائے گی۔ ان کی خاطر۔۔۔۔۔۔۔ ان سب کی خاطر اپنا یہ جیون بچا لو۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ کہیں پناہ لے لو۔ پھر جب یہ طوفان ٹل جائے اور مطلع صاف ہو تو واپس لوٹ آنا۔۔۔۔۔۔۔"

میں نے کہا۔"دیوان جی، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔میں آپ کو اور بستی والوں کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں۔"

دیوان جی نے کہا۔"بستی والوں کو کچھ نہیں ہو گا۔زیادہ سے زیادہ انہیں کوڑے مارے جائیں گے یا چند نوجوانوں کو بیگار میں پکڑ لیا جائے گا۔یا کچھ مویشیوں کو ہانک لیا جائے گا۔ذرا دھمکا کر یہ لوگ واپس چلے جائیں گے۔رہی میری بات تو میں واقعی مجرم ہوں۔میں نے تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو پناہ دے کر جرم کیا ہے۔مگر اب مجھے پرماتما کا خوف ہے اور نہ اس کے سرخ پوشوں کا۔میں سزا جزا کی حد سے گزر چکا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے زہر کھا لیا ہے اور تمہاری ممانی نے بھی۔ہم دونوں چند گھڑیوں کے مہمان ہیں۔جب تک فوج یہاں پہنچے گی ہمارے پران نکل چکے ہوں گے۔"

اس وقت میں نے چونک کر دیکھا۔دیوان جی کے ہونٹ خون آلود ہوتے جا رہے تھے۔چہرے پر کرب نمودار ہو رہا تھا۔پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمین پر گرے اور تڑپنے لگے۔میں نے دیکھا انہوں نے ہاتھ جوڑ دیے ہیں اور آنکھوں میں ایک ہی التجا ہے کہ یہاں سے نکل جاؤں۔دمِ آخر میں انہیں دکھ دینا نہیں چاہتا تھا۔میں گھوم کر دیکھا تو میرا ذاتی ملازم امر ناتھ میرا گھوڑا لیے تیار کھڑا تھا۔ایک دوسرے گھوڑے تمہاری والدہ اور تم سوار تھے۔میں نے اپنے جانباز ساتھیوں کو تتر بتر ہونے کا حکم دیا اور خود بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔۔۔۔۔

امر ناتھ، میں، تمہاری والدہ، تمہارے نانا، تم اور تمہاری بہن زلفہ۔۔۔۔۔ہم چھ افراد چار گھوڑوں پر سوار بستی کی شمالی جانب نکلے۔شاید ہم بحفاظت جنگل میں روپوش ہو جاتے مگر بستی سے نکلتے نکلتے ایک دشمن نے ہمیں دیکھ لیا۔یہ سرسوتی تھی وہ ایک ایک گھوڑے پر سوار ہماری تاک میں کھڑی تھی۔۔۔۔۔تمہاری والدہ

سب سے پیچھے آ رہی تھیں۔سرسوتی پیچھے سے آئی اور انہیں دبوچ کر ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔پھر وہ کسی بدروح کی طرح تمہاری والدہ سے لپٹ گئی اور انہیں گھوڑے سے گرانے کی کوشش کرنے لگی۔۔۔۔۔اس بدبخت سے پیچھا چھڑاتے ہمیں چند لمحوں کی جو تاخیر ہوئی وہ بہت مہنگی پڑی۔پرماتما کا ایک دستہ ہمارے سر پر پہنچ گیا۔ہم بستی سے نکل کر جنگل کی طرف بڑھے تو عقب میں ان گنت ٹاپیں گونج رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ ایک طویل اور جان لیوا سفر تھا۔۔۔۔۔دشوار گزار اور خوفناک۔۔۔۔۔ہمارے عقب میں موت تھی۔سامنے بے کراں صحرا تھا اور سر پر جلتا سورج۔ہم بھاگ رہے تھے اور بھاگ رہے تھے۔تپتی دوپہروں اور پُرہول راتوں میں پرماتما کے ہرکارے شیطانی ارواح کی مانند ہمارے تعاقب میں تھے۔وہ بہر صورت ہمیں گرفتار کرنا چاہتے تھے۔زندہ یا مردہ۔موت و حیات کی اس دوڑ کو شروع ہوئے وہ تیسری رات تھی جب ہم نے نڈھال ہو کر ایک کھنڈر میں پناہ لی۔پیاس سے تیرا اور تیری بہن کا دم آنکھوں میں تھا۔ہم سے تمہاری اذیت برداشت نہیں ہوئی۔امر ناتھ جسے تم چچا کہتے تھے جان ہتھیلی پر رکھ کر پانی کی تلاش میں نکلا اور ہم کھنڈر میں دبک کر بیٹھ گئے۔۔۔۔۔۔

خط پڑھتے پڑھتے اشباح کہیں کھو گیا۔اس کی آنکھوں میں پھر کچھ دھندلے دھندلے منظر گھومنے لگے۔ایک بھولی بسری آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"امر ناتھ! یہ تم نے کیا کیا۔پانی کے ساتھ ساتھ دشمن بھی لے آئے۔" یہ آواز کہیں ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئی۔پھر اسے یاد آیا کہ اس کی ماں ایک ننھی بچی کو پانی پلا رہی تھی جب اچانک گھوڑوں کی ٹاپیں اور

تلواروں کی جھنکار گونجی۔ اس نے۔۔۔۔۔۔۔ اس نے کچھ چیخیں سنی تھیں اور وہ بھاگ کر ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا تھا اور اس کے بعد۔۔۔ اس کے بعد پھر اندھیرا تھا۔ اسے کچھ یاد نہیں آرہا تھا۔ اس نے دوبارہ خط پڑھنا شروع کیا۔ خط کے اس حصے میں وہ تمام واقعات قلمبند تھے جن کے مطابق ننھی زلفہ موت سے ہمکنار ہوئی تھی۔ اشباح کے والد زخمی ہوئے اور پھر وہ چاروں بحرِ ہند کے ساحل پر مچھیروں کی ایک چھوٹی سی بستی میں جا پہنچے۔

یہ روئیداد ختم کرنے کے بعد اشباح کے والد نے لکھا تھا۔

"بیٹے! یہ واقعات پڑھنے کے بعد تمہارے ذہن میں سوال پیدا ہوگا۔ کیا واقعی پرماتما پُراسرار قوتوں کا مالک تھا جو اس کے حکم پر جنگل کے درختوں نے ہزاروں سپاہیوں کا روپ دھار لیا اور میدان میں آگئے۔۔۔۔ یا یہ سب کسی فریب کار ذہن کا شعبدہ تھا۔ میں بھی اپنے محدود علم اور عقل کے مطابق اس مسئلے پر بہت سوچ چکا ہوں۔ لڑکپن میں میں نے ایک بہت بوڑھے گڈریے سے یہی سوال پوچھا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ بیٹا! طلسم کی حقیقت سے انکار نہیں مگر جہاں تک پرماتما کے پُراسرار مددگاروں کا تعلق ہے یہ جیتے جاگتے انسان ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ شمال مغرب میں جہاں میلوں تک ایک خوفناک صحرا پھیلا ہوا ہے۔ صحرا کے اس پار ایک ملک آباد ہے۔ جسے لوگ "سندھ یا برا ناد" کہتے ہیں۔ وہاں کا رہنے والا پچ نامی ایک شخص پرماتما کا والی اور پشت پناہ ہے۔ جب پرماتما پر کوئی آفت آتی ہے تو دیوتاؤں کی مدد سے پچ کو خودبخود اس کا علم ہو جاتا ہے۔۔۔۔ پچ ایک بڑا زمیندار ہے اور اس کے کھیت کھلیانوں میں ہزاروں غلام کام کرتے ہیں۔ جونہی اسے پرماتما کا پتہ چلتا ہے۔ وہ اپنے ملازموں کو کیل کانٹے سے لیس کر کے اس کی مدد کو روانہ کر دیتا ہے۔۔۔۔۔

اس بوڑھے گڈریے کے علاوہ میں نے اور بھی کچھ داناؤں سے اس قسم کی یا اس سے ملتی جلتی بات سنی ہے۔ میں اس موضوع پر زیادہ کہنا نہیں چاہتا بس اتنا سمجھ لو کہ یہ معاملہ پُراسرار اور حل طلب ہے دوسرا ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی پرماتما سینکڑوں برس سے زندہ ہے؟ اسلامی ذہن رکھنے والا ایک شخص اس دعوے کو خرافات کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے۔ میں بھی یہی سمجھتا ہوں تاہم اس میں کوئی نہ کوئی راز ہے۔ پرماتما کو سینکڑوں لوگوں نے دیکھا ہے اور وہ سب پورے یقین سے کہتے ہیں کہ پرماتما کئی نسلوں سے زندہ ہے۔ اگر میری زندگی وفا کرتی تو میں ان توہمات سے ضرور پردہ ہٹاتا۔ اپنے سادہ لوح ہموطنوں کی بے چارگی نے مجھے برسوں پریشان رکھا ہے۔۔۔۔۔

اب میں تمہیں ان تین اشیاء کے متعلق بتادوں جو دوسری اشیاء کے ساتھ تمہیں صندوق سے ملی ہیں۔ ان میں ایک ادھوری کتاب ہے، ایک تلوار ہے اور تیسرا چوبی ڈبہ۔ کتاب میرے اپنے ہاتھ کی تحریر شدہ ہے۔ میں اس میں اسلامی تعلیمات کو مقامی زبان میں محفوظ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تلوار سے متعلق میں یہ کہوں گا یہ میری ہے اور دس برس میری ساتھی رہی ہے۔ مرتے وقت میں اپنے بیٹے کو ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں اور میری سمجھ میں اس تلوار کے سوا اور کچھ نہیں آیا۔ امید ہے تم اپنے باپ کا یہ پہلا اور آخری تحفہ پسند کرو گے۔ جہاں تک ڈبے کا سوال ہے، میں چاہوں گا کہ تم اسے ابھی نہ کھولو۔ اسے کہاں اور کب کھولنا ہے اس کے بارے میں میں نے چرمی نقشے کی پشت پر لکھ دیا ہے۔ ممکن ہے ابھی تمہیں یہ احتیاط پسندی ناخوشگوار لگے۔ مگر امید ہے ڈبہ کھولنے کے بعد تم میرے فیصلے کو سراہو گے۔۔۔۔

بیٹے! میرے زخم بہت تکلیف دے رہے ہیں، لگتا ہے اب مہلت بہت کم ہے۔اس کمرے سے باہر تار اتارا ڈھلنے والی رات کی طرح میری زندگی بھی ڈھلتی جارہی ہے۔اب میں خط کے اختتام کی طرف آتا ہوں۔میں نے سب کچھ پوری تفصیل سے تمہیں بتادیا ہے اور ہر نشیب وفراز سے آگاہ کر دیا ہے۔میرے دل میں جو آرزو ہے تم اس سے بھی آگاہ ہو گئے ہو گے اور فی الواقع میں اس آرزو کو چھپانا بھی نہیں چاہتا۔بیٹے مرتے وقت میری آنکھوں میں اپنی سرزمین کی سیاہ رات ہے اور میں اس سیاہ رات کی دہلیز پر بیٹھا ایک ایسے سورج کی راہ دیکھ رہا ہوں جس کی کرنیں "ہدایت "بن کر میرے ہموطنوں کے نصیب جگائیں

گی۔بہر حال۔۔۔۔۔۔۔۔تم اب بالغ اور سمجھدار ہو۔میں تم کو پابند نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی تمہاری اطاعت مندی کو کسی مہم کے ساتھ مشروط کر رہا ہوں اور میں ایسا کر بھی کیسے سکتا ہوں؟ تمہارے اور میرے درمیان برسوں کا فاصلہ حائل ہے۔میں کچھ نہیں جانتا جس وقت یہ وصیت پڑھی جائے گی تمہارے حالات کیا ہوں گے۔تمہیں کون سی آسانیاں اور کون سی دشواریاں پیش ہوں گی۔نہ ہی میں یہ جانتا ہوں کہ میرا دنیاوی علم کس حد تک درست ہے اور میری معلومات کتنی جامع ہیں۔۔۔۔۔۔۔

لٰہذا میرے بچے! میں سب کچھ تم پر چھوڑتا ہوں۔تم اس خط کا بغور مطالعہ کرو۔ہر چیز کو اچھی طرح سوچو سمجھو اور پھر اگر تمہارے دل میں جذبہ پیدا ہو اور اپنی بہترین سمجھ بُوجھ کے مطابق تم اس سرزمین کا رخ کرنے کا فیصلہ کرو تو میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔اس صورت میں میری یہ نصیحت ہے کہ تمہارا سفر انتقام کے لیے نہیں اللہ کے لیے ہونا چاہئیے۔دل میں صرف ایک ہی جذبہ ہو، مجھے اپنے ہم نسلوں کو شمع ہدایت دکھا کر دوزخ کے گڑھوں میں گرنے سے بچانا ہے۔۔۔۔۔۔اس سفر کے لیے تمہاری والدہ بہت

زیادہ رہنمائی کر سکتی ہی ہیں۔اس کے علاوہ امرناتھ اگر صحت مند ہے تو ضرور تمہارا ساتھ دینے پر اصرار کرے گا۔میرا ابھی خیال ہے کہ اس سفر میں امرناتھ جیسا شخص بہترین رفیع ثابت ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔"

یہاں پہنچ کر اشباح کے لیے والد مرحوم کا وصیت نامہ ختم ہو جاتا تھا۔اس سے آگے سُراط کو مخاطب کر کے اس کے لیے چند سطور لکھی گئی تھیں۔ان میں دعاؤں اور نیک تمناؤں کا اظہار تھا۔اس سے آگے داؤد بن مغیرہ کو مخاطب کر کے ان سے دعاؤں کی طلب کی گئی تھی۔آخر میں امرناتھ کے لیے چند محبت بھرے کلمات تھے۔

اس طویل وصیت نامے کے نیچے ایک مختصر پیرا تھا جو عثمان سقیل نے لرزاں قلم سے لکھا تھا۔"جوتشی کی پیش گوئی کے مطابق میں جس عمر میں مر رہا ہوں اسے جوانی کی عمر بھی کہا جاسکتا ہے شاید کچھ لوگ کہیں کہ یہ موت جوتشی کی صداقت پر دلالت کرتی ہے مگر۔۔۔۔۔۔خدا کی قسم میرے دل میں رائی برابر بھی شک نہیں کہ یہ صرف اور صرف حکم ربی ہے۔آہ۔۔۔۔۔کوئی میری آنکھ سے دیکھے کہ اللہ کتنا قریب ہے اور اس کی قدرت کتنی واضح ہے۔

والسلام وفی امان اللہ۔انشاءاللہ بہت جلد اگلے جہان میں ملاقات ہو گی۔"

اس طرح یہ طویل خط ختم ہو گیا۔کمرے میں گھمبیر خاموشی طاری تھی۔اشباح اور سراط پتھروں کی طرح ساکت بیٹھے تھے۔باہر رہ رہ کر بجلی چمک رہی تھی اور روشندان سے آنے والی ہوا کے جھونکوں سے اشباح کے ہاتھ میں خط کے اوراق پھڑ پھڑا رہے تھے۔یہ پھڑ پھڑاہٹ اس ماحول کو کچھ اور بھی سنجیدہ بنا رہی تھی۔اشباح

نے پلکیں اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ وہ نہایت خاموشی سے رو رہی تھی۔ اشباح کی اپنی آنکھوں میں بھی آنسو جھلملا رہے تھے۔

دفعتاً سراط کی کہیں دور سے آتی ہوئی صدا اشباح کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اشباح میرے بچے! تیرے بابا بڑے نرم دل انسان تھے۔ انہیں ہر وقت دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ کہیں ان سے کسی کی دل آزاری نہ ہو جائے۔ وہ بہت دھیمے اور محتاط لہجے میں بات کرنے کے عادی تھے۔۔۔۔۔۔ میں جانتی ہوں ان کے دل میں اسلام کی کتنی تڑپ تھی اور آخری وقت وہ اس بات کے کتنے خواہش مند تھے کہ ان کا بیٹا جوان ہو کر "ملک ہند" کا رخ کرے۔۔۔۔۔ لیکن اپنے خط میں انہوں نے اس خواہش کی شدت کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے سب کچھ تم پر چھوڑا ہے۔ تاکہ تم ان کی خواہش پر عمل نہ کر سکو، تو بھی تمہارے دل پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ اشباح! میرے بیٹے! میرے لال تُو میرے جگر کا ایک ٹکڑا ہے۔ میرے لیے دنیا، تیرے وجود کا دوسرا نام ہے۔ میں تیری خوشیوں کے لیے جیتی ہوں اور میری آنکھیں تجھے دیکھنے کے لیے روشن ہیں۔۔۔۔۔ لیکن میں ہر گز نہ چاہوں گی کہ میری ممتا تیرے پاؤں کی زنجیر بنے اور تُو کسی ہچکچاہٹ کا شکار ہو۔ میں صاف صاف لفظوں میں تجھے بتاتی ہوں کہ تیرے بابا کی تمام تر امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں۔ جو کام وہ نہ کر سکے تھے، تجھے کرتے دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایک روز تُو گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے، تیرے ایک ہاتھ میں تلوار ہو اور دوسرے ہاتھ میں قرآن۔ تُو دندناتا ہوا اس وادیِ تاریک میں گھس جائے جہاں اندھیروں کی حکمرانی ہے اور سیاہ کاروں کا دور دورہ ہے۔ پھر تُو آگے ہی بڑھتا جائے یہاں تک کہ اپنے عظیم مقصد میں کامیاب ہو جائے یا خونِ شہادت میں ڈوب کر سرخرو ہو جائے۔۔۔۔۔ ہاں انہوں نے نہیں

بتایا لیکن میں تمہیں بتاتی ہوں۔ تُو ان کی عظیم جدوجہد کا آمن ہے۔ تُو ان کی تشنا تمناؤں کی تکمیل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ تُو ان کی آنکھوں کا سب سے حسین خواب ہے۔"

یکا یک اشباح بے تاب ہو کر اٹھا۔ اس نے گھٹنوں پر جھک کر ماں کے دونوں ہاتھ چوم لیے۔ پھر آنسو بہاتا ہوا بولا۔

"امی جان۔۔۔۔۔ امی جان آپ کو یہ سب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں سب کچھ سمجھ چکا ہوں۔ سب کچھ جان چکا ہوں۔ مجھے تو۔۔۔ آپ سے صرف ایک ہی گلہ ہے۔ آپ نے یہ سب کچھ بتانے میں اتنی دیر کیوں کی؟ مجھے اب تک اس شرف سے محروم کیوں رکھا؟ کیا میں آپ کی نگاہ میں ابھی تک بچہ تھا؟"

سراط نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے تو ہمیشہ بچہ ہی رہے گا میرے بچے! لیکن میری اس تاخیر کی وجہ کچھ اور تھی۔ میں کوئی مناسب موقع دیکھ رہی تھی۔ کچھ بھی ہے آخر ایک ماں ہوں۔ تجھے تنہا اس پُر خطر سفر پر روانہ کرنا نہ چاہتی تھی۔ خدا سے دن رات دعائیں کرتی تھی۔ کاش تجھے کوئی اچھا ہمسفر ملے، کوئی ایسا قافلہ مل جائے جو تجھے اپنے ساتھ لے جائے۔۔۔۔۔ آخر خدا نے میری دعائیں سن لیں اور ایسے سنیں کہ میں خود دنگ رہ گئی۔ وہ سبب الاسباب ہے۔ میں نے جو چاہا اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ اب تُو اکیلا نہیں جائے گا میرے بچے۔ تیرے ساتھ بلند ہمت اور اولوالعزم مجاہدوں کا ایک سیلاب ہو گا اور تیرا سالار وہ نوجوان ہو گا، مشرق مغرب میں جس کی شجاعت اور جوانمردی کے چرچے ہیں اور تم سب کی منزل ایک ہو گی تم سب کا راستہ ایک ہو گا۔ تم سب کا مقصد ایک ہو گا۔ ہر سینے میں وہی تڑپ ہو گی جو تیرے باپ کے دل میں تھی۔ ہر

ہاتھ میں قرآن اور ہر لب پر نعرہِ تکبیر ہو گا۔اب اس ایک بستی کے ساتھ ساتھ ہزاروں بستیوں کی تقدیر بھی بدلے گی اب ایک پر ماتما ہی سر نگوں نہیں ہو گا سینکڑوں مغرور سروں سے تاج اچھلیں گے۔۔۔۔۔۔میرے بیٹے! میرا انتظار رائیگاں نہیں گیا۔آج میرا رواں رواں خوشی سے جھوم رہا ہے۔میں بحرِ ہند کے ساحل پر تیرے باپ کی شاداماں روح کو دیکھ رہی ہوں۔اس کا انتظار ختم ہو چکا ہے۔"

اشباح کی والدہ اتنا کہہ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔اشباح نے انہیں گلے لگا لیا اور تھپکنے لگا۔اس کی نگاہیں کچھ دور پڑی قدیم تلوار پر جمی تھیں اور آنکھوں میں خون کی سرخی اترتی آ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اور یہ روانگی کا منظر تھا چونکہ یہ ایک انتہائی طویل اور دشوار گزار مہم تھی لہٰذا بے پناہ جذبہ ہونے کے باوجود بنو عمار سے صرف ساٹھ افراد تیار ہوئے تھے۔دوسرے تین قبیلوں سے بھی ڈیڑھ سو افراد تیار ہوئے تھے۔یہ کل دو سو دس مجاہدوں کا دستہ تھا۔ان کا سردار اشباح تھا۔زہار کی غیر موجودگی میں اس کی نامزدگی زبیر نے کی تھی۔کیل کانٹے سے لیس یہ دو سو دس مجاہد بستی سے باہر جانے والے راستے پر کھڑے تھے۔ان کے ارد گرد الوداع کہنے والوں کا ہجوم تھا۔ایک میلے کا سماں تھا۔بچے بوڑھے جوان رنگ برنگ لباس پہنے چمکدار چہرے لیے گھومتے پھرتے تھے۔بچے مجاہدین کی سواریوں کو عقیدت سے چھو رہے تھے اور تھپکیاں دے رہے تھے۔کچھ بزرگ انہیں ڈانٹنے ڈپٹنے میں مصروف تھے۔ان ہی میں بوڑھا داؤد بن مغیرہ بھی تھا۔آج اس کی بوڑھی آنکھوں میں جوانی کی سی چمک تھی۔اس نے زلال سے بہت سے پھول منگوائے تھے اور لڑکیوں سے

کہہ کر انہیں ہاروں کی شکل میں پرو دیا تھا۔اب یہ ہار مجاہدین کے گلوں میں تھے۔بہت سے ہار جو بچ گئے تھے دو اونٹوں پر لدے تھے۔یہ ہار اس قافلے کے منتظر تھے جسے جنوب کی طرف سے آنا تھا اور جس کی قیادت جہم بن زحر کر رہا تھا۔

قافلے کے انتظار میں ظہر کا وقت ہو گیا۔اشباح کی ہدایت پر مجاہدین اور بستی کے دیگر افراد نے وہیں صفیں باندھ کر نماز ادا کی۔نماز کے بعد ایک بار پھر انتظار شروع ہو گیا۔بستی کی نوعمر بچیوں نے خنظل و کھجور کے پیڑوں تلے ایک حلقہ سا بنا لیا اور ہم آواز ہو کر جنگی ترانہ گانے لگے۔

ہمارے باپ اور بھائی

تیل میں ڈوبی تلواریں لے کر

اور صبار فتار گھوڑوں پر بیٹھ کر

دشمن سے جنگ کرنے جا رہے ہیں

ہماری آنکھیں ان کے ساتھ رہیں گی

ہماری دعائیں ان کی نگہبان رہیں گی

جب دشمن کو للکار کر

اور میدان مار کر

وہ واپس آئیں گے

تو ہم ایک اور گیت گائیں گے

اس گیت میں ہماری مسکراہٹیں بھی شامل ہوں گی

لڑکیاں مختلف گیت گا گا کر تھک گئیں اور عین اس وقت جب مجمعے پر ایک مایوسی سی طاری ہو رہی تھی ناگاہ ایک جانب شور بلند ہوا۔ اشباح نے ایک اونٹ پر سوار ہو کر دیکھا۔ جنوبی رخ پر گردوغبار کا بادل نظر آ رہا تھا۔ یہ کسی بڑے قافلے کے آثار تھے۔ لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑنے لگی۔ جلد ہی قافلے کی سواریاں واضح طور پر نظر آنے لگیں اور اس کے ساتھ ہی لوگوں کا جوش و خروش نقطہء عروج پر پہنچ گیا۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کے وہ منتظر تھے۔ جہم بن زحر جس نے دو روز پیشتر بستی میں ایک زوردار تقریر کی تھی اور اگلی بستیوں کی طرف روانہ ہو گیا تھا، آج اپنے ساتھیوں کے ساتھ لوٹ رہا تھا۔ اس کے ساتھ کم و بیش چھ سو سوار تھے۔ اشباح نے دستہ سالار کی حیثیت سے آگے بڑھ کر جہم اور دوسرے قائدین کا استقبال کیا۔ لوگ بھاگ بھاگ کر مجاہدین کے گلے میں ہار ڈالنے لگے۔ گھوڑوں اور اونٹوں سے اتار کر سب لوگوں کو نخلستان میں لے جایا گیا جہاں کھجوروں اور پانی کا وافر انتظام تھا۔ جہم نے گھوڑے سے اترتے ہی پہلا سوال یہ پوچھا کہ زہار کہاں ہے؟

زبیر نے جواب دیا۔ "محترم سردار! مجھے افسوس ہے ان کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تاہم ان کے قریبی دوست اشباح بن سقیل آپ کے سامنے ہیں۔ انہوں نے مجاہدین کی تیاری میں بھرپور حصہ لیا ہے اور سردار کی کمی

محسوس نہیں ہونے دی۔ امید ہے آپ بھی انہیں بہترین ساتھی پائیں گے۔" جہم نے ایک بار پھر اشباح سے مصافحہ کیا اور غور سے اس کا روشن چہرا دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے اور نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد قافلہ تیار ہو گیا۔ ماؤں نے آگے بڑھ کر مجاہد بیٹوں کی پیشانیاں چومیں۔ بوڑھوں نے گھوڑوں کی لگامیں تھامیں، بچوں نے تھپکیاں دیں، بہنوں نے آنسو چھلکائے، سہاگنوں نے گھونگھٹوں کی اوٹ سے الوداع کہا۔ خوشی اور غم کی ملی جلی کیفیت پورے مجمعے میں چھا گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔اشباح کی والدہ نے کافی دیر سے اسے سینے لگائے رکھا۔

اشباح نے کہا۔ "امی جان! نانا کا خیال رکھنا۔ انہیں مسجد جانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ کوئی انتظام کر لینا۔"

سراط نے کہا۔ "بیٹا! انتظام کی کیا ضرورت ہے۔ میں خود انہیں لے کر جایا کروں گی۔"

ماں کے ہاتھوں کو الوداعی بوسہ دینے کے بعد اشباح نے ارد گرد نظر دوڑائی۔ ان آخری لمحوں میں بھی ہلابہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ یہاں وہاں درختوں تلے ہر عمر کی عورتیں اور لڑکیاں کھڑی تھیں مگر ان میں وہ نہیں تھی جسے نہ چاہنے کے باوجود اس کی آنکھیں تلاش کر رہی تھیں۔

"کسے ڈھونڈ رہے ہیں آقا؟" اچانک ایک آواز پر اشباح چونکا۔

اس نے مڑ کر دیکھا عقب میں ہلابہ کی آزاد کردہ کنیز حسنہ کھڑی تھی۔ اشباح کے دل میں آئی کہہ دے۔ "میں صحرا کے حسن کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ چمکدار دوپہروں کی چمک اور آخری راتوں کی ٹھنڈک کو ڈھونڈ رہا

ہوں۔ میں اپنے اس حسین ماضی کو ڈھونڈ رہا ہوں جو ننگے پاؤں بھاگتا ان ٹیلوں میں کہیں کھو گیا ہے۔۔۔۔۔۔" مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

حسنہ نے پھر کہا۔ "آقا! کس کی تلاش ہے؟"

"کسی کی نہیں۔" اشباح گڑبڑا کر بولا۔

حسنہ کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ بول کچھ نہیں رہی تھی مگر آنسو کہہ رہے تھے کہ اسے سب معلوم ہے۔ یہ آنسو اشباح کو ملامت کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔ کہہ رہے تھے۔" جسے بھول چکے ہو اسے ڈھونڈتے کیوں ہو، جسے زندگی سے نکال دیا اسے دل سے بھی نکال دیا ہوتا۔"

اشباح نے والدہ کو پاس بلایا اور دھیمے لہجے میں بولا۔ "امی جان! مجھے خدشہ تھا کہ عقیل ہلابہ کے ہونے والے شوہر احمد عباس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ میں نے سردار زبیر کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ وہ ہر گھڑی عقیل پر نگاہ رکھے گا۔ کسی کو اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

سراط نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ اس دوران اشباح کی نظر اویس پر پڑ گئی۔ وہ اس مہم میں ساتھ جا رہا تھا۔ اس کا سامان اتنا زیادہ تھا کہ دوسرے گھوڑے پر بار کرنا پڑا تھا۔ اس میں اس کی چھ عدد آب دار تلواریں اور بیاض بھی شامل تھی۔ وہ بہت مغموم نظر آ رہا تھا مگر اشباح جانتا تھا اندر سے خوش ہے۔ اس نے چار روز پہلے "رابعہ" سے جو درد بھرے مکالمے بولے تھے وہ رائیگاں نہیں گئے تھے۔ اس کا سامان بھی ویسے کا ویسا بندھا رہا تھا۔ فرق یہ پڑا تھا کہ منزل اب مدینے کی بجائے ہندوستان ہو گئی

تھی اور یہ فرق بہت نمایاں تھا۔ اویس جانتا تھا کہ یہ فرقت دیرپا ہو گی اور رونے کے زیادہ مواقع ملیں گے۔ رونا دھونا اس کا محبوب مشغلہ تھا اور اس لیے وہ خوش بھی تھا۔ اس کا اکڑ کر گھوڑے پر بیٹھنا اس بات کی نشاندہی بھی کرتا تھا کہ رابعہ یہیں کہیں موجود ہے اور اسے دیکھ رہی ہے۔

اتنے میں سالار دستہ جہم نے کوچ کا اعلان کیا۔ سواروں نے ایڑ لگائی۔ الوداع، فی امان اللہ اور نعرہ تکبیر کا شور بلند ہوا۔۔۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے مجاہدینِ اسلام اپنے عقب میں گرد و غبار کے بادل چھوڑتے آگے بڑھنے لگے۔ ان کی منزل دمشق تھی۔ جہاں سے اسلامی فوج کسی بھی وقت کوچ کرنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرے روز قافلہ شمال کی جانب نجد کے سلسلہ ہائے کوہ کے ساتھ ساتھ سفر کرتا "ملیل" کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔۔۔۔ شام کا وقت تھا۔ پڑاؤ ڈالا جا چکا تھا۔ ایک نخلستان میں خیموں کی چھوٹی سی بستی آباد ہو چکی تھی۔ نمازِ مغرب کی باجماعت ادائیگی کے بعد مشعلیں روشن کر دی گئیں اور دسترخوان پر برتن چنے جانے لگے۔ نظم وضبط کی خاطر ہر قبیلے کے خیمے علیحدہ لگائے گئے تھے اور ان کا انتظام خورد ونوش بھی علیحدہ تھا۔ کھانے کے بعد اشباح نے سالارِ قافلہ جہم سے اجازت طلب کی اور اپنا گھوڑا لے کر گرد و نواح کی سیر کو نکل گیا۔ اویس بھی اس کے ہمراہ جانا چاہتا تھا لیکن اشباح نے منع کر دیا۔ درحقیقت وہ کھلی فضا میں پوری یکسوئی کے ساتھ ان معاملات پر سوچنا چاہتا تھا جن کا تعلق ہاتھی دانت کے اس قدیم صندوق سے تھا اور مستقبل میں جن سے واسطہ پڑنے والا تھا۔

رات دھیرے دھیرے پر پھیلا رہی تھی۔ اونچی نیچی کھائیوں میں گھوڑا دوڑاتا ہوا وہ شمال کی جانب بڑھتا رہا۔ پہاڑ جیسا دن گزر چکا تھا مگر دائیں جانب الربع الخالی کے ہولناک ویرانوں سے ابھی گرم ہوا پہنچ رہی تھی۔ اپنے خیالوں میں مگن، اشباح پڑاؤ سے دو تین کوس دور نکل آیا۔ آخر ایک جگہ اس نے گھوڑا اثل کے درخت سے باندھا اور ایک ہموار جگہ پتھر پر نیم دراز ہو گیا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ کہیں قریب گھوڑے کی ہنہناہٹ سنائی دی۔ اشباح کان لگا کر سننے لگا۔ تھوڑی دیر بعد یہی آواز پھر آئی۔ اس بار اشباح نے آواز کی سمت کا اندازا کر لیا اور یہ بھی جان لیا کہ ہنہنانے والا گھوڑا زخمی ہے۔ وہ تجسس کے تحت اپنی جگہ سے اٹھا اور آواز کی سمت بڑھا۔ تھوڑی دور آگے ایک ڈھلوان تھی۔ یہ ڈھلوان پار کر کے وہ نشیب میں پہنچ گیا۔ ایک بڑی چٹان کی اوٹ میں اسے گھوڑے کا ہیولا نظر آیا۔ اشباح بھاگ کر واپس گیا اور اپنے گھوڑے سے خرجین اتار لی۔ اس خرجین میں مشعل موجود تھی۔ معمولی تگ و دو کے بعد اشباح نے مشعل روشن کی اور گھوڑے کا معائنہ کرنے لگا۔ یہ عمدہ نسل کا ایک ابلق گھوڑا تھا۔ اس کے دونوں گھٹنوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا پتھریلی زمین پر سفر کرتے ہوئے اسے کہیں ٹھوکر لگی ہے اور سوار سمیت گر پڑا ہے۔ اشباح نے مشعل کی روشنی میں غور سے اس کی ٹانگیں دیکھیں۔ اس دوران مشعل کی روشنی میں واضح ہوا کہ نزدیک ہی ایک غار کا دہانہ موجود ہے۔ اشباح محتاط انداز میں چلتا ہوا غار کی طرف بڑھا۔ اس کا قیاس تھا کہ گھڑ سوار غار میں آرام کر رہا ہو گا۔ مگر اندر پہنچ کر ایک مختلف صورت حال سامنے آئی۔ یہ ایک کشادہ غار تھی اور اس میں موجود اشیاء سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کئی افراد مقیم ہیں۔ کھانے پینے کا سامان، خرجینیں ہتھیار سب کچھ بے ترتیبی سے پڑا تھا۔ وہ کم از کم پانچ افراد تھے اور ان میں سے کوئی عورت بھی تھی مگر اس

وقت غار خالی تھی۔ عورت کے سنگھار کا سامان اور چند ریشمی لبادے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ شراب کی ایک چھوٹی صراحی اور پیالے بھی نظر آ رہے تھے۔ اشباح کچھ دیر بغور ان چیزوں کا معائنہ کرتا رہا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں چلے گئے ہیں۔ اگر وہ اپنا زخمی گھوڑا یہاں نہ چھوڑ جاتے اور وہ ہنہنا کر اشباح کو اپنی جانب متوجہ نہ کرتا تو اس ویرانے میں کون اس غار تک پہنچتا۔ اشباح کچھ دیر اِدھر اُدھر گھومتا رہا کہ شاید ان کا کوئی ساتھی موجود ہو، مگر کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس دوران عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ ہموار پتھر پر نماز ادا کرنے کے بعد اشباح نے واپسی کی راہ لی۔

وہ پڑاؤ واپس پہنچا تو قافلہ گہری نیند سو چکا تھا۔ چند پہریدار نیزے سنبھالے خیموں کے درمیان گھوم رہے تھے۔ "ہوشیار رہو" کبھی کبھی ان کی نیند میں ڈوبی آواز تاریک فضا میں ابھرتی اور پھر خاموشی چھا جاتی۔ ایک پہریدار کو شناخت کرانے کے بعد اشباح اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ اس خیمے میں اس کے ساتھ تین اور ساتھی مقیم تھے۔ جن میں اویس بھی شامل تھا۔ غالباً دن بھر کے تھکے ماندے، وہ گہری نیند سو رہے تھے۔ اشباح نے مشعل جلا کر انہیں بے آرام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ تاریکی ہی میں ہتھیار اتار کر اور لباس بدل کر وہ اپنے بستر پر آ گیا۔ اچانک اسے خیمے کی فضا میں کسی تبدیلی کا احساس ہوا اور چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹیاں بجائیں۔

"اویس، رحمان۔۔۔۔۔۔۔ ابو نصیر۔" اس نے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دیں مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر اسے اندازہ ہوا کہ اس کا ہاتھ کسی سیال شے میں لتھڑ گیا ہے۔ "خون" اس کے ذہن نے پکار کر کہا۔ وہ چیتے کی طرح غضبناک ہو کر اٹھا اور پلک جھپکتے میں مشعل روشن کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر خیمے کا منظر دیکھ کر اس کا سینہ جل اٹھا۔ خیمے میں ابو نصیر کی لاش پڑی تھی، اس کا پیٹ چاک تھا اور آنتیں باہر بکھری ہوئی تھیں،

قریب ہی اویس بھی اوندھے منہ پڑا تھا۔ ایک خنجر اس کے سینے میں بھی پیوست تھا۔ "اویس اویس" اشباح نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ پھر اسے رحمان کا خیال آیا وہ اپنے بستر پر موجود نہیں تھا۔ تب اشباح کی نگاہ خیمے کی پشت پر پڑی، کپڑا چاک تھا اور مجرم یا مجرمان فرار ہو چکے تھے۔ اشباح کی آوازیں سن کر پہریدار بھی خیمے میں پہنچ گئے۔ اندر کے منظر نے انھیں مبہوت کر دیا۔ اشباح نے لپک کر اپنی تلوار اتاری اور پہریداروں سے بولا۔

"رحمان خیمے میں موجود نہیں۔ لگتا ہے حملہ آور اسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ فوراً تلاش کرو۔ وہ زیادہ دور نہیں گئے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے پورا پڑاؤ جاگ اٹھا۔ خیموں کے درمیان مشعلیں گردش کرنے لگیں اور گھڑسوار ادھر ادھر بھاگنے لگے جلد ہی رحمان کا پتہ چل گیا۔۔۔پڑاؤ سے قریباً ایک فرلانگ کی دوری پر اس کی لاش پتھروں میں پڑی تھی۔ نہایت بے دردی سے چرکے لگا کر اسے شہید کیا گیا تھا۔ اشباح موقعے پر پہنچا تو قافلہ سالار جہم بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ دکھ نظر آتا تھا۔ اس نے اشباح سے کہا۔

"یہ کس کا کام ہو سکتا ہے؟"

اشباح نے کہا۔ "جناب! میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہمارے اندر تو ایسا کوئی اختلاف نہیں۔ یقیناً یہ بیرونی لوگوں کا کام ہے۔"

کچھ دیر اس موضوع پر پُر تاسف گفتگو ہوتی رہی۔ پھر رحمان کی کٹی پھٹی لاش کو اٹھا کر پڑاؤ میں لایا گیا۔ ابو نصیر کی لاش کو بھی ایک دوسرے خیمے میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ اویس کی زندگی معجزانہ طور پر بچ گئی

تھی۔ سونے سے پیشتر وہ دیر تک اپنی ضخیم بیاض کا مطالعہ کرتا رہا تھا اور پھر حسبِ عادت اسے اپنے سینے پر ہی رکھ کر سو گیا تھا۔ اسے زخمی کرنے والا خنجر بیاض میں سے ہو کر سینے پر لگا تھا اور ترچھا ہو کر کندھے میں گھس گیا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے سے اسے غشی آگئی تھی تاہم وہ زندہ تھا۔

دونوں لاشیں ساتھ ساتھ پڑی تھیں اور دیکھنے والی ہر آنکھ میں حسرت اتر آئی تھی۔ شہید ہونے والے باپ بیٹے تھے۔ کتنے عزم اور ارمانوں سے وہ جہاد کے لیے نکلے تھے۔ ان کے لواحقین نے صرف تین روز پیشتر ہزاروں دعاؤں کے ساتھ انہیں رخصت کیا تھا۔ مگر کیا معلوم تھا کہ ہزاروں میل کی مسافت کا قصد کرنے والے چند منزلیں ہی دور جا پائیں گے۔

اُس روز نہایت عزت و احترام کے ساتھ دونوں شہیدوں کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ایک تیز رفتار قاصد کو واپس بھیجا گیا تاکہ وہ شہید ہونے والوں کے ورثاء کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچا دے۔ اشباح چاہتا تھا کہ اویس بھی واپس چلا جائے کیونکہ وہ آغازِ سفر ہی میں گھائل ہو گیا تھا۔ لہٰذا آگے چل کر اسے مشکل پیش آسکتی تھی لیکن وہ کسی طور رضامند نہیں ہوا۔ آخر اس کا اصرار دیکھ کر اشباح کو خاموش ہونا پڑا۔

وہ ایک اداس شام تھی۔ اشباح تنہا اپنے خیمے میں بیٹھا تھا۔ غور و خوض کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ حملہ آور در حقیقت اسے اٹھانے کی نیت سے آئے تھے۔ وہ چونکہ خیمے میں موجود نہیں تھا لہٰذا ابو نصیر اور اویس پر وار کرنے کے بعد انہوں نے سمجھا کہ تیسرا شخص ہی انہیں مطلوب ہے۔ وہ بے ہوش کرنے کے بعد اسے اٹھا کر لے گئے اور بعد ازاں پوچھ گچھ کے دوران جان سے مار ڈالا۔ غالباً وہ اس سے سنہری شاہین کا پتہ پوچھتے رہے

تھے۔۔۔۔۔۔اپنے ساتھیوں کی طرح اشباح کا دھیان بھی بار بار رومی پہلوان بوہان اور اس کے انتہا پسند ساتھیوں کی طرف جارہا تھا۔انھوں نے "القمر" نامی تنظیم بنائی تھی اور بنو عمار کی بستی میں دروازوں پر دھمکی آمیز اشتہار چسپاں کئے تھے۔۔۔۔۔۔۔اشباح کو رہ رہ کر ہلابہ کی بات یاد آرہی تھی۔اس نے اشباح کو واضح طور پر اس خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔

کافی دیر اشباح بیٹھا سوچتا رہا پھر خیمے سے نکل کر رات کی تاریکی میں ٹہلنے لگا۔وہ خیموں کی عقبی سمت سے گزر رہا تھا جب اچانک کچھ آوازیں سن کر رک گیا۔یہ آوازیں نیم روشن خیمے کے اندر سے آرہی تھیں۔اس کے کچھ ساتھی مصروفِ گفتگو تھے۔کمانڈر ہونے کی حیثیت سے اشباح کی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے سپاہیوں کے حالات سے باخبر رہتا لٰہذا وہ رک کر یہ آوازیں سننے لگا۔

ایک عریف اپنے سپاہی سے کہہ رہا تھا۔"تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ سردار زبیر نے اسے دستہ سالار بنا کی غلطی کی ہے۔میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر سردار زہار بستی میں موجود ہوتے تو وہ کبھی یہ غلط فیصلہ نہ کرتے۔کچھ بھی ہے آخر وہ ایک غیر قوم کا شخص ہے۔اس کے خون میں ہندوستان کا نمک تو ہے مگر عرب کی حدت اور جولانی نہیں۔۔۔"

ایک دوسرا سپاہی بولا۔"میں یقین سے کہتا ہوں کہ ہمارے اس مختصر دستے میں بھی چند ایسے نوجوان ہوں گے جو اس سے بڑھ کر تلوار کے دھنی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر اس عجمی کی سرداری ہم پر مسلط کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

عریف کی اواز آئی۔"اس کی قیادت سے سپاہی پہلے بھی ناخوش تھے۔کل رات کے واقعے نے انہیں بالکل مایوس کر دیا ہے۔۔۔۔۔"

اشباح سمجھ چکا تھا کہ یہ "ذکرِ خیر" اسی کا ہو رہا ہے۔اس نے ایک گہری سانس کھینچی اور باریک ہونٹوں پر ایک نامحسوس مسکراہٹ لرز گئی۔ٹہلتا ہوا وہ آگے نکل گیا۔۔۔۔۔۔۔اس کے دل کا بوجھ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔وہ سب کچھ دیکھ سکتا تھا سب کچھ کہہ سکتا تھا مگر اپنے ساتھیوں کی مایوسی اور مصیبت اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

بوہان کی مکروہ صورت بار بار اس کی آنکھوں میں گھوم جاتی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کل رات کا شبخون اسی نے مارا ہے تو اس سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔اس کے اگلے حملے کا انتظار کرنا ہوگا؟ یا اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہے؟اچانک اشباح کے ذہن میں بجلی سی کوند گئی۔اسے کل رات دیکھا ہوا غار یاد آیا اور وہ سارے منظر اس کی نظروں میں گھوم گئے۔اس کے دل نے پکار کر کہا۔"ہو نہ ہو، بوہان کل رات اسی غار سے نکل کر حملہ آور ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریک آسمان پر ستاروں کی افشاں چنی تھی۔رات کا دوسرا پہر شروع تھا۔یمن کے دور دراز سبزہ زاروں کی طرف سے مدھم ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی۔اشباح نے اپنا گھوڑا ایک پتھر سے باندھا اور محتاط قدموں سے غار کی طرف بڑھنا شروع کیا۔کچھ آگے جا کر اس نے چہرے پر ایک سیاہ نقاب منڈھ لیا۔آنکھوں میں بلاخیز

چمک اور حرکات میں بے پناہ پھرتی عود کر آئی تھی۔ چند بڑے پتھروں کو پھلانگ کر وہ غار کے سامنے پہنچ گیا۔ اچانک اسے ٹھٹک جانا پڑا۔ غار کے اندرونی حصے میں روشنی لرزاں تھی اور دف بجنے کی مدھم آواز ابھر رہی تھی۔ دہانے کی قریب چار عدد گھوڑے مراقبے کی حالت میں کھڑے تھے۔

اشباح بے آواز چلتا ہوا غار کے دہانے پر پہنچا اور ایک ابھرے ہوئے پتھر کی اوٹ سے اندر جھانکنے لگا۔ منظر ہوش رُبا تھا۔ تین مرد شراب کے نشے میں دھت بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک دف بجا رہا تھا اور دوسرے دو تالیاں بجا رہے تھے۔ ایک خوبصورت نیم برہنہ عورت مصروفِ رقص تھی۔ وہ بھی نشے میں تھی اور اپنے لمبے سیاہ بال کھولے عجیب ہیجانی انداز میں ناچ رہی تھی۔ اس کے گلے میں ایک ہار تھا۔ یہ ہار مختلف انسانی اعضاء یعنی ناک، کان، زبان، ہونٹ وغیرہ کو پرو کر بنایا گیا تھا۔ اس ہار کو دیکھ کر اشباح کی آنکھیں خون اگلنے لگیں۔ وہ جان چکا تھا کہ یہ اعضاء نوجوان رحمان کے ہیں جسے کل رات پڑاؤ سے باہر بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ یہ بھی پہچان چکا تھا کہ یہ چاروں افراد قبیلہ بنی لہب کے ہیں۔

عورت کا ہیجان خیز رقص نقطہء عروج تک پہنچ چکا تھا۔ اب ایک مرد نے بھی اٹھ کر اسکے ساتھ ناچنا شروع کر دیا تھا۔ دفعتاً اشباح اپنی جگہ سے برآمد ہوا اور ان کے سامنے پہنچ گیا۔ ناچنے والوں کے تھرکتے جسموں کو جھٹکا سا لگا اور وہ حیرت سے اشباح کو دیکھنے لگے۔ اشباح کی سرسراتی آواز غار میں گونجی۔

"بوہان کہاں ہے؟"

جواب میں ایک مرد نے تنک کر کہا۔ "تو کون ہے اور تجھے بوہان سے کیا کام ہے؟"

اشباح کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ یکایک قبضے پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی اور وہ غضبناک ہو کر مخالف پر حملہ آور ہوا۔۔۔۔۔۔۔ اس کے وار میں ایسی قوت تھی کہ تلوار مدمقابل کے سر پر پڑی اور سینے میں اتر گئی۔ خون کا فوارہ مچل کر عورت کے نیم برہنہ جسم کو رنگین کر گیا۔ باقی دونوں مرد تلواریں سونت کر اشباح پر جھپٹے۔ اشباح نے ایک ہی جنبش میں دونوں وار بچائے اور اس کے جوابی وار نے ایک شخص کا سر صاف اڑا دیا۔ یہ ایک دہشت ناک نظارہ تھا۔ نوجوان عورت حوصلہ مند ہونے کے باوجود خود کو چلانے سے نہ روک سکی۔ تیسرے شخص نے اپنے دونوں ساتھیوں کا حشر دیکھا تو بدحواسی میں اندھا دھند وار کیے۔ اس کی تلوار پتھروں سے سر پھوڑ کر رہ گئی۔ اچانک اشباح نے اسے بھی موت کی نیند سلا دیا۔ نوجوان عورت ایک کریہہ چیخ کے ساتھ اشباح پر جھپٹی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اشباح نے جھکائی دے کر اس کی کلائی پکڑ لی اور مروڑ کر خنجر چھڑا لیا۔ عورت وحشت میں اشباح سے لپٹ گئی اور اسے دانتوں سے کاٹنے اور بھنبھوڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ اشباح چاہتا تو تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا قصہ تمام کر سکتا تھا۔ مگر وہ ایک عورت کے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا تھا۔ دوسری طرف وہ اس کی جان لینے پر تلی ہوئی تھی ساتھ ساتھ وہ چلا رہی تھی۔۔۔۔۔

"میں آرب کے قاتلوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔۔۔۔۔۔ میں انھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اچانک اس نے بڑی عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹانگ چلا کر مشعل گرا دی اور غار میں تاریکی چھاتے ہی خود کو چھڑا کر دہانے کی طرف بھاگی۔ "رک جاؤ۔۔۔۔۔ رک جاؤ"۔ اشباح چلایا مگر اس کے بھاگتے ہوئے قدموں کی صدا نہیں تھی۔ اشباح کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر اس نے سماعت سے آنکھوں کا کام لیا اور اندھیرے میں ایسا تاک کر خنجر پھینکا کہ بھاگتی عورت کی پشت میں داخل ہو گیا۔ اندھیرے میں اس کی کراہ گونجی اور زمین پر گرنے کی

آواز آئی۔اشباح نے جلدی سے مشعل ڈھونڈ کر جلائی اور عورت کے پاس پہنچا۔اس کا پُر کشش جسم زندگی سے خالی ہو چکا تھا۔خطر ناک آنکھیں پتھرا چکی تھیں۔

اشباح نے تینوں مردوں کو دیکھا ان میں سے ایک میں زندگی کی رمق ابھی باقی تھی۔اشباح نے اسے پانی پلایا اور بوہان کے بارے میں پوچھنے لگا۔جاں بلب شخص نے بتایا کہ بوہان یہاں نہیں ہے۔اس کا گھوڑا زخمی تھا اور وہ اسے کسی معالج کو دکھانے کے لیے گیا ہے۔معلوم نہیں کب تک آئے گا۔عورت کے بارے میں زخمی نے بتایا کہ یہ مرحوم سردار آرب بن عوف کی سب سے چھوٹی بیوی تھی۔اس نے زہار عرف سنہری شاہین کا خون پینے کی قسم کھا رکھی تھی۔اس کا نام سلمیٰ تھا۔۔۔۔۔۔۔۔زخمی نے یہ بھی اعتراف کیا کہ کل انہوں نے پڑاؤ پر حملہ کر کے اشباح بن سقیل کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی۔دراصل انہیں شبہ تھا کہ اشباح۔۔۔۔سنہری شاہین کے متعلق کچھ جانتا ہوگا۔زخمی کچھ دیر اٹک اٹک کر گفتگو کرتا رہا آخر اس نے دم توڑ دیا۔اشباح یہاں رک کر اپنے موذی دشمن بوہان کا انتظار کرنا چاہتا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ بوہان اتنی جلدی واپس نہیں آئے گا۔ممکن تھا کہ اس کی واپسی کل دوپہر تک ہوتی اور وہ اتنی دیر رک نہیں سکتا تھا۔علی الصبح قافلہ آگے روانہ ہونے والا تھا۔سردار جہم اس بارے میں شام ہی کو ہدایت دے چکے تھے۔۔۔۔۔اشباح نے چاروں لاشوں کو دو گھوڑوں پر لادا۔باقی دونوں گھوڑوں کو آزاد کر دیا اور پڑاؤ کی جانب روانہ ہوا۔

پڑاؤ میں پہنچ کر اس نے نہایت خاموشی سے لاشوں والے گھوڑے ایک خیمے کے سامنے باندھ دیے۔پھر جیب سے ایک پرچہ نکال کر ایک لاش کے ادھ کھلے منہ میں دے دیا۔یہ پرچہ اس نے غار میں ہی لکھ لیا تھا۔اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنے خیمے کا رخ کیا۔ہتھیار کھولے اور لباس بدل کر سو گیا۔

صبح صادق سے پہلے ایک سپاہی نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا۔"کیا بات ہے؟"اشباح نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

سپاہی نے انکشاف کیا کہ ایک خیمے کے باہر دو گھوڑے ملے ہیں جن پر بنی لہب کے چار افراد کی لاشیں رکھی ہوئی ہیں۔اشباح جلدی سے اٹھ بیٹھا اور سپاہی کے ساتھ موقعہ کی طرف بڑھا۔دونوں گھوڑوں کے گرد ایک مجمع لگ چکا تھا۔پندرہ بیس مشعلوں کا دائرہ سا بنا ہوا تھا۔خون آلود لاشیں ابھی تک گھوڑوں پر تھیں۔اشباح پہنچا تو ایک عریف نے بتایا۔

"سردار! میں نماز ادا کرنے کے لیے خیمے سے نکلا تو ان گھوڑوں پر نظر پڑی۔ایک لاش کے منہ سے یہ پرچہ بھی برآمد ہوا ہے۔"

اشباح نے پرچے پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔"پڑھو کیا لکھا ہے؟"

عریف نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔اس کے انداز سے دباد باجوش ظاہر ہوتا تھا، لگتا تھا وہ تحریر پڑھ چکا ہے۔اس نے پڑھنا شروع کیا اور لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"زہار کی طرف سے اپنے دوستوں کے نام!"

السلام علیکم! مجھے معلوم ہے آپ لوگ میری غیر حاضری سے پریشان ہیں اور دبی زبانوں سے اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دور ہو کر بھی میں آپ کے بالکل پاس ہوں۔۔۔۔۔۔اور پاس ہی رہوں گا۔ آپ لوگوں کو جب بھی ضرورت ہوگی مجھے اپنے قریب پائیں گے۔ آپ کی طرف بڑھنے والے ہاتھ انشاءاللہ اسی طرح کاٹ دیے جائیں گے۔ سالار جہم بن زحر کا میرا عقیدت مندانہ سلام۔ مجھے قوی امکان ہے کہ ان کی ہوشمندانہ قیادت میں آپ کا یہ پر خطر سفر نسبتاً سہل اور محفوظ رہے گا۔"

فی امان اللہ زہار۔

خط مکمل ہوا تو حاضرین کے چہرے خوشی سے دمکنے لگے۔ ایک کونے سے کسی نے نعرہ تکبیر بلند کیا جواباً اللہ اکبر کی صدا سے فضا گونج اٹھی۔ لاشوں کو دھکیل کر گھوڑوں سے نیچے پھینک دیا گیا اور لوگ مشعلوں کی روشنی میں ان کا نظارہ کرنے لگے۔ پھر ایک مجاہد نے اپنی چادر اتار کر عورت کی نیم برہنہ لاش پر ڈال دی۔ سب لوگ سمجھ چکے تھے کہ یہ انہی افراد کی لاشیں ہیں جو کل کے واقعے کے ذمہ دار ہیں۔

نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد لاشوں کو ٹھکانے لگایا گیا اور صبحانہ کھانے کے بعد قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک طویل اور دشوار سفر کے بعد دمشق کا شہرِ بے مثال ان کی آنکھوں کے سامنے آیا۔ مملکتِ اسلامیہ کا پایہء تخت، علم و فضل کا گہوارہ، علماء و حکماء کا مسکن، تجار و رؤسا کا وطن۔ فنونِ حرب کی تربیت گاہ، جاہ و حشمت کا

نشان، مسجدوں، فواروں، حوضوں اور دلکش عمارتوں کا شہر دمشق، ایک اجلی نکھری ہوئی صبح کو سالار جہم بن زحر اپنے قافلے کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ فوجی چھاؤنی میں نہایت تزک و احتشام سے مجاہدین کا استقبال کیا گیا۔۔۔۔۔نہانے دھونے اور بعام کے بعد تھکے ماندے سپاہی آرام کرنے لگے مگر اشباح شہر کی سیر کو نکل کھڑا ہوا۔ اویس بھی اسرار کر کے اس کے ساتھ ہو لیا۔ شہر کے گلی کوچوں میں کاروبارِ زندگی عروج پر تھا۔ ہر طرف گہما گہمی کا عالم تھا۔ بنو عمار یا عدن کی محدود زندگی کے مقابلے میں یہ زندگی بہت وسیع اور پُر جوش تھی۔ اس کے علاوہ اشباح اور اویس نے محسوس کیا کہ ہر شخص انہیں دلچسپی کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اس کی وجہ ان کا سپاہیانہ لباس تھا۔ لوگ ہندوستان جانے والی مہم کے بارے میں خاصے پُرجوش دکھائی دیتے تھے۔ کئی مقامی باشندوں نے انھیں روک کر خوش آمدید کہا اور حوصلہ افزائی کے کلمات ادا کئے۔ ہر شخص جذباتی ہو رہا تھا۔ لگتا تھا دیبل بلند ہونے والی، ایک قیدی لڑکی کی پکار عرب کے گوشے گوشے میں سنی گئی ہے۔

اگر اشباح صرف سیر کی غرض سے نکلا ہوتا تو دمشق کے مناظر سے بہت لطف اندوز ہوتا مگر اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ ایک شخص کی تلاش میں نکلا تھا اور جلد از جلد اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ کئی مقامات سے اس کا پتہ پوچھتا ہوا آخر ایک بہت بڑی عمارت کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ عمارت در حقیقت ایک وسیع میدان کا صدر دروازہ تھی۔ دروازے کی پیشانی پر "عسکری تربیت گاہ" کے الفاظ لکھے تھے۔ اشباح اور اویس کی طرح بہت سے دوسرے شہری بھی عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کے چہروں سے انتظار عیاں تھا۔ اشباح نے عمارت کو بغور دیکھتے ہوئے اویس سے کہا۔

""""اویس! جانتے ہو کچھ دیر بعد اس دروازے سے کون برآمد ہونے والا ہے؟

""کون؟"" اویس نے پوچھا۔

""عظیم سپہ سالار محمد بن قاسم۔"" اویس حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اشباح نے کہا۔

""محترم سالار ہر روز صبح کے وقت یہاں سپاہیوں کو تربیت دیتے ہیں۔ ابھی کچھ دیر میں وہ فارغ ہوا چاہتے ہیں۔۔۔۔""

اتنے میں دروازے کے قریب ہلچل نظر آئی۔ کچھ مسلح پہریداروں نے باہر سے دروازہ کھول دیا۔ حاضرین میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ وہ پنجوں پر کھڑے ہو کر دروازے کی جانب دیکھنے لگے۔ پھر سپاہیوں کی ایک مختصر جماعت برآمد ہوئی، جو لوگوں کو دائیں بائیں ہٹا کر راستہ صاف کر رہی تھی۔ اس جماعت کے پیچھے روشن چہروں اور روشن آنکھوں والے نوجوانوں کی ٹولی تیز تیز چلی آ رہی تھی۔ لمبی سیاہ عبائیں، سفید عقال، کندھوں پر تلواریں، جسم پسینے سے شرابور اور کشادہ سینے ہانپتے ہوئے۔ ان تابندہ نوجوانوں کے درمیان ایک چاند سے چہرے کی جھلک اشباح کو دکھائی دی اور اس کی حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئیں۔۔۔۔ وہ یک ٹک دیکھتا چلا گیا۔ بصرہ کا چاند۔۔۔۔۔۔۔ تاریخ کا کم سن ترین سپہ سالار۔۔۔ عظیم مجاہد محمد بن قاسم الثقفی اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح یک ٹک محمد بن قاسم کا نورانی چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے گرد و پیش سے بالکل بے خبر ہو گیا تھا۔ محمد بن قاسم اپنے ساتھیوں اور مداحوں کے ہجوم میں تیز تیز قدم اٹھاتا اصطبل کی طرف بڑھ گیا۔ اشباح کی نگاہیں مسلسل اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ آخر اویس نے اس کے بازو پر زور سے چٹکی لی تو وہ اپنے آپ میں آیا۔

""ماشاءاللہ!"" اُس کے ہونٹوں سے سرسراتی آواز نکلی۔ ""اقبال مندی ہمارے سپہ سالار کی پیشانی پر آویزاں ہے۔""

کچھ دیر بعد گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس چھاؤنی پہنچ گئے۔ مختلف علاقوں سے مجاہدین کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ابھی تک پہنچ رہی تھیں۔ اشباح ان لوگوں سے مل کر گرد و پیش کے حالات دریافت کرتا رہا۔ اسی طرح شام ہو گئی۔ کھانا کھانے اور نمازِ عشاء پڑھنے کے بعد وہ سو گیا۔ تھک کر سویا تھا اگر نمازِ تہجد کا خیال نہ ہوتا تو شاید دن چڑھے بھی آنکھ نہ کھلتی۔ مگر شوقِ عبادت نے اُسے پچھلے پہر ہی جگا دیا۔ چھاؤنی میں وضو کر کے وہ دمشق کی جامع مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ خوبصورت مسجد کے دالانوں میں اکا دکا تہجد گزار مصروفِ عبادت تھے۔ صحن میں مرمریں فوارے تسلسل سے پھوار پھینک رہے تھے۔ فانوسوں کی مدھم روشنی نے ماحول کو سحر آفریں بنا رکھا تھا۔ اچانک اشباح ایک چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔ اُس کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔۔۔۔۔ محمد بن قاسم وضو خانے سے برآمد ہو کر دالان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پانی کے قطرے اُس کے چہرے سے یوں گر رہے تھے جیسے تازہ گلاب سے شبنم جھڑتی ہے۔ اشباح اپنی جگہ خاموش کھڑا ہو گیا۔ جب محمد بن قاسم نے عقال باندھ کر اور کعبہ رخ ہو کر نیت باندھی تو اشباح نے اُس کے عین پیچھے نیت باندھ لی۔ اس نماز میں اسے

جو لطف آیا، زندگی میں کبھی نہ آیا تھا۔ آخر شب کی پاکیزہ خاموشی میں انوار کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک بھینی بھینی جاں افزا خوشبو اشباح کو اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی محسوس ہوئی۔

محمد بن قاسم ہماری تاریخ کا ایک روشن لازوال کردار ہے۔ محمد بن قاسم کے ابدائی حالاتِ زندگی کچھ اس طرح ہیں۔ آپ کا تعلق عرب کے ثقفی قبیلے سے تھا۔ حجاج بن یوسف آپ کا چچا تھا۔ والد کم عمری میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ کا بچپن مدینہ کی گلیوں میں کھیلتے گزرا۔ آپ دس سال کے تھے جب والدہ محترمہ نے آپ کو تعلیم و تربیت کے لئے ماموں کے پاس بصرہ بھیج دیا۔ بصرہ میں آپ کبھی حجاج بن یوسف سے نہیں ملے کیوں کہ دونوں گھرانوں میں حالات کشیدہ تھے۔ چند سال بعد آپ فوج میں بھرتی ہوئے اور ترکستان کے محاذ پر چلے گئے۔ حجاج بن یوسف نے آپ کو اس وقت دیکھا جب آپ سترہ سال کے صحت مند جوان تھے۔ وہ آپ سے بے حد متاثر ہوئے اور آپ کو ترکستان کے محاذ سے ہٹا کر سندھ کی مہم پر بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ بعض مؤثرین کہتے ہیں کہ سندھ روانگی سے قبل محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ مگر بعض اختلاف کرتے ہیں۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ ہندوستان آمد کے وقت محمد بن قاسم شادی شدہ تھے۔ محمد آپ کا نام اور عماد الدین لقب تھا۔ اس طرح آپ کا پورا نام محمد بن قاسم عماد الدین تھا۔

محمد بن قاسم نے سلام پھیرا تو ایک فرشتہ صورت بزرگ آہستگی سے اُس کے پاس آ بیٹھے۔ "میں عمر بن عبدالعزیز ہوں۔" انہوں نے محمد بن قاسم سے مخاطب ہو کر کہا۔

محمد بن قاسم کے ساتھ ساتھ اشباح بھی چونک کر رہ گیا۔ وہ خلیفہ وقت کے نیک سیرت بھائی عمر بن عبدالعزیز کے متعلق بہت کچھ سن چکا تھا۔ اُسے وہ خط بھی یاد آیا جو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضر موت کے ایک عالم دین کو لکھا تھا۔۔۔۔ وہ بڑی عقیدت سے اُن کا چہرہ دیکھنے لگا۔ شوق کا تقاضا تھا کہ آگے بڑھ کر حضرت کے ہاتھ مبارک چوم لیے جائیں لیکن مصلحت آڑے آئی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ محمد بن قاسم کی ٹھہری ہوئی پُر اعتماد آواز اُس کے کانوں میں پڑی۔ وہ عمر بن عبدالعزیز سے مخاطب تھا۔

"محترم بزرگوار! آپ کی زیارت میرے لیے باعثِ سعادت ہے۔۔۔۔۔۔ آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔"

عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا دستِ مبارک محمد بن قاسم کی پشت پر پھیرا اور بولے۔ "بیٹے میں جانتا ہوں تیرے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ خلیفہ نے تیرے ہی بل بوتے پر فوج کو روانگی کی اجازت دی ہے۔ فوج کی تیاری سے لے کر اُس کی کامیاب واپسی تک سب کچھ تجھ ہی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور میرا خیال ہے یہ فیصلہ کچھ ایسا غلط نہیں۔ انشاءاللہ، تو اِس قابل ہے کہ مسلمانوں کو سرخرو کر سکے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ حجاج نے تجھے منتخب کر کے اور خلیفہ نے تجھے مہم کی اجازت دے کر جو دلیرانہ فیصلے کئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "میرے محترم! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔۔۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا۔" مجھے کامل بھروسہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بہت جلد ظالموں اور سرکشوں پر فتح نصیب کرے گا لیکن ایک بات یاد رکھنا فتح کے بعد مغرور نہ ہونا۔ جس ٹہنی پر جتنا پھل ہوتا ہے وہ اتنی ہی جھکی رہتی ہے۔ تمہارے مفتوحین میں زیادہ تعداد اُن لوگوں کی ہوگی جو اپنے جابر حاکموں کے جبر تلے پسے ہوئے ہیں۔ تم اُن کے زخموں کا مرہم بننا۔ اُن کے پامال جسموں کی مسیحائی کرنا۔ اُن کے گرے ہوؤں کو سہارا دینا اور یتیموں بیواؤں کے ساتھ محبت کا سلوک کرنا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صدیوں سے ظلم واستبداد اور ناروا رسموں کی چکی میں پس رہے ہیں۔۔۔۔اُن کے دل جیتنے کی کوشش کرنا۔ انہیں بتانا کہ تم اُن پر حکمرانی کرنے نہیں انہیں دینِ حق کی دعوت دینے آئے ہو اور یہ وہ دین ہے جو پوری انسانیت کے لیے سلامتی و رحمت ہے۔ انہیں سمجھانا کہ اس دین کے دائرے میں آنا اُن کے لیے کن کن برکتوں کا سبب بنے گا۔۔۔۔۔۔۔ٹھیک ہے کہ سندھ میں ہمارے یتیموں پر ظلم ہوا، ہماری عورتوں کو رسوا کیا گیا ہے لیکن ہمیں برائی کا جواب برائی سے نہیں دینا۔ جذبہ انتقام ہر گز ایک مجاہد کے شایانِ شان نہیں۔۔۔۔۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز تادیر محمد بن قاسم کو نصیحت فرماتے رہے اور اشباح بھی بظاہر لا تعلق بیٹھا فیضیاب ہوتا رہا۔ آخر مؤذن کی سحر انگیز آواز فضاؤں میں ابھری اور وہ تینوں نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے روز دمشق سے مسلمانوں کی روانگی کا منظر دیدنی تھا۔ بازاروں میں، مکانوں کی چھتوں پر، بالکونیوں اور چوراہوں میں ہزاروں کی تعداد میں مرد و زن جمع تھے۔ وہ مسلمان فوج پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کر رہے تھے

اور پُرجوش نعروں سے انہیں الوداع کہہ رہے تھے۔ دمشق سے رخصت کے وقت فوج کی تعداد چھ ہزار تھی لیکن کوفہ اور بصرہ تک کے راستے میں سینکڑوں اور مجاہدین فوج سے آملے۔ پورے راستے میں استقبال کرنے والوں کے ہجوم اپنے والہانہ جذبوں کا اظہار کرتے رہے۔ بصرہ میں حجاج بن یوسف نے خود فوج کا استقبال کیا۔۔۔۔۔۔یہاں تین روز قیام کے بعد فوج نے اپنے اصل سفر کی تیاری شروع کی تو اُس کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ان میں قریباً چھ ہزار شامی اور چھ ہزار عراقی مجاہد تھے۔ کل فوج کا نصف حصہ گھڑ سوار تھا۔ تین ہزار پیدل اور قریباً اتنے ہی سامان رسد اونٹوں کے ساتھ تھے۔ مسلم فوج کو سامانِ جنگ بہم پہنچانے کے لئے ہر شہری نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ جذبہ اسلامی سے سرشار بصرے کی سینکڑوں عورتوں اور لڑکیوں نے اپنے زیور تک بیچ ڈالے تھے۔ ہر سینے میں ایک ہی آرزو پل رہی تھی۔ اسلامی فوج کامران ہو اور اُن مظلموں کو رہائی نصیب ہو، جنھیں برہمن آباد کی گلیوں میں بے دردی سے گھسیٹا گیا ہے۔

لشکر کی روانگی کے وقت حجاج بن یوسف نے مجاہدوں سے مختصر خطاب کیا۔ اس خطاب میں اُس نے نہایت رنج سے یہ اطلاع دی کہ تھوڑی دیر پہلے اسے مکران کے گورنر محمد بن ہارون کا ایک اہم پیغام پہنچا ہے۔ اس پیغام کے مطابق عبیداللہ نامی سالار کی قیادت میں بیس آدمیوں کا جو وفد مذاکرات کے لیے دیبل بھیجا گیا تھا اُسے تہہ تیغ کر دیا گیا ہے اور صرف دو نوجوان جان بچا کر واپس آئے ہیں۔

اس اطلاع نے سامعین نے اور فوج کے جوش و خروش میں بے پناہ اضافہ کیا۔ لوگ سندھ کے سفاک راجہ کے خلاف غضبناک زبردست نعرے بلند کرنے لگے۔۔۔۔۔ مسلم فوج نے کُوچ کیا تو بصرہ کے در و دیوار جوشیلے نعروں سے گونج رہے تھے۔۔۔۔ عین اُس وقت

خلیج فارس کے راستے کچھ بحری بیڑے بھی ہندوستان کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ان بیڑوں پر حجاج بن یوسف نے کچھ منجنیقیں لدوائی تھیں۔دشمن کے قلعوں پر سنگ باری کرنے کے لیے یہ منجنیقیں نہایت کارآمد تھیں۔ان میں ایک بہت بڑی منجنیق "عروس" نامی بھی شامل تھی۔اس منجنیق کو محمد بن قاسم نے اپنی نگرانی میں تیار کروایا تھا اور اسے بیک وقت پانچ سو آدمی مل کر چلاتے تھے۔محمد بن قاسم کو اس منجنیق سے بہت سی امیدیں تھیں۔اس کے علاوہ بیڑوں پر دیگر سامان جنگ بھی موجود تھا۔اس میں دبابے خاص طور پر قابل ذکر تھے۔دبابہ درحقیقت لکڑی کا ایک چھوٹا سا قلعہ ہوتا تھا۔جسے پہیوں پر آگے پیچھے حرکت دی جاسکتی تھی۔قلعے پر حملے کے دوران فوج کے کچھ جوان دبابے میں چھپ جاتے تھے تاکہ دشمن کے پھینکے ہوئے پتھروں اور تیروں سے محفوظ رہیں۔پھر اس دبابے کو کھینچ کر فصیل کے قریب پہنچا دیا جاتا۔دبابے میں ایک طویل سیڑھی ہوتی تھی جس کے ذریعے حملہ آور فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرتے۔سیڑھی کے علاوہ بعض دبابوں میں لوہے کی ایک دیوہیکل کل بھی ہوتی تھی۔جونہی دبابہ فصیل کے قریب پہنچتا اس کل سے فصیل پر مسلسل ضربیں لگائیں جاتیں۔

حجاج بن یوسف نے اس تمام سامان کو بحری راستے سے بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔اسکا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یہ سامان سفر دشمن کی چھاپہ مار کارروائیوں سے محفوظ رہے۔اس کے علاوہ رازداری بھی مقصود تھی کہ دشمن کے جاسوس ہتھیاروں کی نوعیت دیکھ کر ان کا کوئی توڑ نہ کرلیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منزلوں پر منزلیں مارتا، محمد بن قاسم شیراز کے قریب پہنچ چکا تھا۔ایک رات انہوں نے ایک کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد اشباح کچھ دیر اپنے ساتھیوں سے باتیں کرتا رہا پھر خیمے میں آکر سو گیا۔

اس رات اس نے ایک عجیب خواب دیکھا۔خیمے سے باہر آہٹ ہوئی پھر وہ ہلا اور ہلابہ اندر آگئی۔وہ گھڑسواری کا لباس پہنے ہوئے تھی اور کندھے سے تلوار لٹک رہی تھی۔اشباح اسے دیکھ کر بھونچکارہ گیا۔

"ہلابہ تم یہاں؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"ہاں" ہلابہ سر جھکا کر آہستگی سے بولی۔"میں سب کچھ چھوڑ کر آگئی ہوں۔آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

اشباح نے کہا۔"لیکن تمہاری تو شادی ہو رہی تھی۔"

ہلابہ نے شرمگیں لہجے میں کہا۔"میں نے بابا کو سب کچھ بتادیا تھا۔میں نے کہہ دیا ہے کہ میں احمد عباس سے شادی نہیں کروں گی۔انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔میں آپ کے شانہ بشانہ جنگ میں حصہ لوں گی۔زندگی اور موت کے ہر سفر میں ہم ساتھ رہیں گے۔"

اشباح نے گھبرا کر کہا "لیکن کس حیثیت سے؟"

ہلابہ کا چہرہ گلگوں ہو گیا تھا۔وہ نگاہیں چرا کر بولی۔"حیثیت کا فیصلہ آپ خود کرلیں۔"

یکایک اشباح کی آنکھ کھل گئی۔حسین خواب ٹوٹ چکا تھا۔دشت لوط سے آنے والی گرم ہوا خیمے سے الجھ رہی تھی۔خراٹے لیتے ہوئے اویس کے سوا خیمے میں اور کوئی نہ تھا۔اشباح کافی دیر سونے کی کوشش کرتا رہا۔لیکن

پھر نیند نہیں آئی۔ تھک ہار کر وہ باہر آیا۔ دور ٹیلوں پر آخری راتوں کا چاند چمک رہا تھا۔ کہکشاں نور کی دھند میں لپٹی ہوئی آبشار کی طرح خاموشی سے بہہ رہی تھی۔ ستارے کناروں پر شب بیدار درویشوں کی طرح محو فکر تھے۔ اشباح نے خود کو ملامت کی کہ وہ غفلت کی نیند سو کر کن خیالوں میں کھویا ہے۔ اس نے رہی سہی نیند کو بھگانے کے لیے ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اور نوافل کی نیت سے خیمے کی طرف بڑھا، مگر اچانک اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ ایک سایہ سا لپکتا ہوا اس کے خیمے سے دور ہو گیا تھا۔ یکایک اشباح کے اندر کا شاہین پھڑ پھڑا کر اٹھا۔ اس کے ذہن میں سفاک قابل بوہان کا نام گونجا اور جسم تن گیا۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک عود کر آئی۔ اسے پہلے سے شک تھا کہ بوہان نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور ارد گرد کہیں موجود ہے۔ جو گرانڈیل سایہ اس نے ابھی دیکھا تھا وہ بوہان کا ہی ہو سکتا تھا۔ ایک جھٹکے سے اس نے تلوار کھینچی اور گھوڑے کی طرف بڑھا۔ جو نہی اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی دو پہریدار بھاگ کر اس کی طرف آئے مگر پہچان کر پیچھے ہٹ گئے۔ اشباح تیزی سے خیموں میں گھسا لیکن سایہ اب کہیں نہیں تھا۔ وہ چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اس کے کانوں میں ایک مدھم آہٹ گونجی۔ اس نے دیکھا دور ٹیلوں میں ایک تیز رفتار پرچھائیں حرکت کر رہی ہے۔ پراسرار شخص گھوڑے پر فرار ہو رہا تھا۔ اشباح گھوڑا موڑ کر حتی الامکان تیزی سے اس کی سمت بڑھا۔ خیموں کی بھول بھلیوں سے نکل کر جب وہ ٹیلوں میں پہنچا تو گھوڑا اور گھڑ سوار اوجھل تھے۔ وہ تلوار سونتے کافی دیر ٹیلوں میں چکر اتارہا لیکن کچھ حاصل نہیں ہوا۔ آخر وہ خیمے میں واپس آیا اور پہریداروں کو تنبیہ کرنے کے بعد اندر چلا گیا۔ وہ ساری رات اس نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ آج اسے یقین ہو گیا تھا کہ بوہان کہیں آس پاس موجود ہے۔ اپنے ساتھیوں کی موت کے بعد وہ خوفناک شخص اور بھی غضبناک ہو چکا تھا اور کچھ بھی کر سکتا تھا۔ لہٰذا

اشباح نے فیصلہ کیا کہ جب تک بوہان کا سد باب نہیں ہوتا وہ رات کو آرام نہیں کرے گا۔ اپنے ساتھیوں کی سلامتی اسے ہر شے سے زیادہ عزیز تھی۔۔۔ اسے پہلی دو موتوں کا غم ہی بھول نہیں پا رہا تھا۔

اس واقعے کے بعد اشباح کو تین راتوں سے زیادہ نہیں جاگنا پڑا کیونکہ چوتھے روز بوہان سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا لیکن یہ ملاقات اس انداز میں ہوئی کہ اشباح ششدر رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا ہو گا۔ انہوں نے شیراز سے ایک منزل آگے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد اشباح دیر تک دعا مانگتا رہا۔

"اے میرے مالک! میری مدد فرما۔ میرا دشمن ایک سفاک اور عیار شخص ہے مجھے اور اور میرے ساتھیوں کو اس کی عیاریوں سے محضوظ رکھ۔ مجھے توفیق دے کہ میں کھلے میدان میں اسے زیر کر سکوں۔ میرے ساتھی زہار کے روپ میں مجھ پر بے پناہ اعتماد کرتے ہیں۔ اے میرے مالک! تو ہی یہ اعتبار قائم رکھنے والا ہے۔ میں ناچیز کچھ نہیں ہوں اے قادر مطلق میری مدد فرما۔"

ابھی بمشکل اشباح کی دعا ختم ہوئی تھی کہ اسے عقب سے ایک شور سنائی دیا۔ اس نے اٹھ کر دیکھا۔ بہت سے لوگ کسی شخص کو گھیرے کھڑے تھے۔ وہ تیز قدم اٹھاتا وہاں پہنچا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بوہان اپنے گھوڑے کے پاس خاک پر بیٹھا ہے اور چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رو رہا ہے۔ ایک بزرگ اسے دلاسا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اپنی زبان میں آہ و پکار کر رہا تھا اور کچھ سمجھ نہیں آتی تھی۔ کچھ لوگ اسے بطور بوہان پہچان چکے تھے اور قدرے خوفزدہ بھی نظر آتے تھے۔ آخر اس کی زبان سمجھنے والا ایک مترجم پہنچ گیا۔ اس

نے کان لگا کر بوہان کی آہ وزاری سنی اور بتایا کہ یہ رومی سردار بوہان ہی ہے۔ اپنے کیے پر سخت پشیمان ہے اور مطالبہ کر رہا ہے کہ پچھلے جرائم کی سزا میں اس کی گردن مار دی جائے۔

اشباح حیرت سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ بوہان نے یہ سب کچھ کہا ہے۔ اس نے مجمعے میں موجود اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو احتیاط سے لے کر میرے خیمے میں پہنچو۔ دو آدمیوں نے زور و قطار روتے بوہان کو اٹھنے میں مدد دی اور ساتھ لے کر اشباح کے خیمے کی طرف بڑھے۔ ہجوم پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ ہر آنکھ میں سوالات تھے۔ خیمے میں داخل ہونے سے پہلے اشباح نے ہجوم سے درخواست کی کہ فی الحال تمام لشکری اپنے اپنے پڑاؤ میں جائیں۔ جونہی رومی سردار کے بارے میں صورت حال واضح ہوئی سب کو آگاہ کیا جائے گا۔ ہجوم چھٹنے لگا۔ اشباح مترجم اور بوہان کے ساتھ خیمے میں داخل ہوا۔ اشباح کے چند مسلح ساتھی بھی ننگی تلواریں لیے خیمے میں موجود تھے۔ شمعدان میں مومی شمعیں خاموشی سے روشن تھیں۔ مترجم نے بوہان سے پوچھ گچھ شروع کی۔ پہلے تو وہ اسی بات پر اصرار کرتا رہا کہ وہ مجرم ہے اور سزائے موت کا مستحق۔ بعد ازاں مترجم کے سمجھانے بجھانے پر وہ قدرے حواس میں آیا اور ہوشمندی کی باتیں کرنے لگا ۔۔۔ اس نے کہا کہ وہ سچ اور جھوٹ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے اور اسی وقت مسلمان ہونا چاہتا ہے۔

اس کی یہ بات سب کر حیران کر گئی۔ وہ انسان جو دہشت گردی کا نشان تھا اور مشرق و مغرب میں جس کی مسلم دشمنی کا چرچا تھا، آج مسلمان ہونا چاہتا تھا۔ اشباح نے مترجم کے ذریعے اس سے پوچھا۔

"بوہان! اگر تو اپنے ہوش و حواس میں ہے تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں، تیرے اندر یہ انقلاب کیسے آیا؟"

بوہان نے کہا۔ "میں جو کچھ کہوں گا شاید آپ لوگ اس پر یقین نہ کریں۔ لہذا بہتر ہے کہ میں یہ بات سینے میں رکھوں۔ کیا میرا یہ کہنا کافی نہیں کہ میں صدق دل سے دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔"

اشباح نے کہا۔ "بوہان! ہم تجھے مجبور نہیں کر سکتے۔۔۔ لیکن اگر واقعی تو سچے دل سے مسلمان ہو رہا ہے تو تجھے اپنے مسلمان بھائیوں سے بھلائی کی توقع رکھنی چاہیے اور انہیں اعتماد میں لینا چاہیے۔"

بوہان کا چہرہ غمناک ہو گیا۔ اس نے ایک طویل آہ بھر کر کہا۔ "میرے بھائیو! میں اسلام اور مسلمانوں کا سخت ترین دشمن تھا۔ چند روز پہلے تک یہ عالم تھا کہ مجھے اس ہوا سے بھی نفرت ہو جاتی تھی جو مسلمانوں کی جانب سے آتی تھی۔ میں تمہارے سردار زہار کی تلاش میں در گرداں تھا تا کہ اس سے اپنے دوست آرب کے خون کا بدلہ لے سکوں۔ میرے سینے میں ہر وقت ایک آگ جلتی تھی اور میں اس آگ کو سمیٹے تمہارے لشکر کے گرد منڈلاتا رہتا تھا۔ ایک روز نصف شب کے وقت میں تمہارے پڑاؤ میں گھستا کہ سنہری شاہین کا پتہ چلاؤں لیکن ابھی میں نے پڑاؤ میں قدم رکھا ہی تھا کہ اچانک میرا سارا جسم مفلوج ہو گیا، میں پتھر کا بت بنا رہ گیا۔ اتنی سکت بھی نہ رہی کہ ہاتھ میں پکڑے خنجر کو کہیں چھپا لوں۔ اس افتاد نے مجھے بے حال کر دیا۔۔۔ کتنی ہی دیر بعد میری طبیعت بحال ہوئی اور میں واپس لوٹ گیا۔ میرا خیال تھا کہ شاید مجھ پر اچانک کسی بیماری کا حملہ ہوا ہے۔ چند روز ٹھہر کر میں نے ایک اندھیری رات میں پھر پڑاؤ کا رخ کیا لیکن اس دفعہ بھی جونہی میں خیموں کے قریب پہنچا مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ہزار کوشش کے باوجود میں خود کو حرکت نہ دے سکا۔ آخر واپس چلا گیا۔ کوئی عام شخص ہوتا تو یہ دو تجربات اس کے لیے کافی تھے۔ لیکن میں اتنا ہٹ دھرم تھا کہ تیسری

دفعہ پھر آیا۔ پہریداروں کی نظر بچانے کی کوششیں کر رہا تھا کہ پھر اسی پر اسرار فالج کا شکار ہوا۔ میں روتا ہوا سجدے میں گر گیا اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔"

بوہان نے ایک عالم دین کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اگلے روز اشباح نے اس خوشی میں ایک چھوٹی سی دعوت کا اہتمام کیا۔ اب یہ خبر لشکر کے بڑے سالاران سے ہوتی ہوئی محمد بن قاسم تک پہنچ چکی تھی۔ محمد بن قاسم "بوہان رومی" کے نام سے از خود واقف تھا۔ اس نے اسے ملاقات کا شرف بخشا۔ محمد بن قاسم سے ملاقات میں بوہان کا اسلامی نام عبدالناصر تجویز ہوا۔ نو مسلم ناصر نے محمد بن قاسم سے درخواست کی کہ اسے اسلامی لشکر میں شامل کیا جائے تاکہ وہ اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ لڑ کر گناہوں کا کفارہ ادا کر سکے۔ محمد بن قاسم نے اجازت دی اور عارضی طور پر اسے پانچ عریضوں پر منکسب مقرر کیا۔

محمد بن قاسم سے ملاقات کے بعد جب بوہان واپس آیا تو اس کے ساتھ سردار جہم بھی تھے۔ اشباح اس وقت اپنے خیمے میں تھا۔ اس نے باہر نکل کر جہم بن زحر کا استقبال کیا۔ انہوں نے گرم جوشی سے اسے گلے لگایا اور بولے۔

"اشباح! میں نے سپہ سالار سے آپ کا ذکر کیا تھا۔ وہ عنقریب آپ کو ملاقات کا موقع دیں گے۔"

اس خبر سے اشباح کے دل میں خوشگوار دھڑکنیں جگا دیں۔ اسلام کے اس بطل جلیل سے بالمشافہ گفتگو کرنے کی خواہش دیر سے اس کے دل میں مچل رہی تھی۔ سردار جہم نے کہا۔ "اس گفتگو میں زہار عرف سنہری شاہین کا ذکر بھی آیا تھا۔ سپہ سالار یہ جان کر بہت متاثر ہوئے کہ زہار نے تن تنہا بوہان کا مقابلہ کیا تھا اور اسے

شکست دی تھی۔ وہ زہار سے بھی ملنا چاہتے تھے مگر میں نے انہیں بتایا کہ وہ کسی مجبوری کے تحت اسلامی لشکر میں شریک نہیں ہو سکے۔۔۔ میں نے درست کہا ہے؟"

اشباح نے سردار جہم کا سوال سمجھتے ہوئے کہا۔ "محترم سردار! میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں ان کا آخری پیغام ہمیں "سلیل" کے ویرانے میں ملا تھا۔"

جہم نے کہا "ٹھیک ہے۔۔۔ میں اس لیے پوچھ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے آپ سے ملاقات میں سپہ سالار یہ سوال کریں۔ انہیں یہی جواب دینا۔"

"جو حکم سردار!" اشباح نے کہا۔ جہم بن زحر اپنے ساتھیوں کی معیت میں آگے بڑھ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جونہی محمد بن قاسم نے مکران کی سرحد عبور کر کے نس بیلا کے پہاڑی علاقے میں قدم رکھا حالات انگڑائی لے کر بیدار ہونے لگے۔ وہ سوئے ہوئے فتنے جو اسلامی فوج کی راہ میں حائل ہونے والے تھے ایک ایک کر کے جاگنا شروع ہوئے۔ راجہ داہر کا ایک جرنیل بھیسم سنگھ بیس ہزار فوج کے ساتھ لس بیلا کے گورنر کی مدد کر پہنچ چکا تھا۔ لس بیلا کی وسیع و عریض گھاٹیوں میں ایک پہاڑی قلعے کو بھیسم سنگھ نے اپنا مسکن بنایا اور فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں بانٹ کر اسلامی فوج کے مقابلے کو تیار ہو گیا۔ وہ سندھ کے راجہ سے کہہ کر آیا تھا کہ میں اپنے بیس ہزار کے لشکر سے عربوں کی بارہ ہزار فوج کو ایسی شکست دوں گا کہ وہ لس بیلا سے بھاگیں گے تو دمشق پہنچ کر دم لیں گے۔ اس وعدے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے آگے بڑھتی ہوئی مسلم

فوج پر چھاپہ مار حملے شروع کر دیئے۔ ٹکڑوں میں بٹے ہوئے اسکے برق رفتار گھڑ سوار اچانک کسی پہاڑی کی اوٹ سے بر آمد ہوتے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر روپوش ہو جاتے۔ کبھی رات کو شبخون مارا جاتا اور پڑاؤ پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر کے حملہ آور بھاگ جاتے۔ بعض اوقات مسلمان گھڑ سوار ان کا تعاقب کرتے اور ایسے میں انہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا۔ گھات میں بیٹھے ہوئے ہندو تیر انداز انہیں آڑے ہاتھوں لیتے اور نقصان پہنچا کر بھول بھلیوں میں داخل ہو جاتے۔

ایک شام جب مسلمان فوج پڑاؤ ڈالنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ اچانک ارد گرد کے ٹیلوں سے سینکڑوں سر بر آمد ہوئے اور فوج کے عقبی حصے پر تیروں اور پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ عقبی حصے میں چونکہ بار برداری کے اونٹ تھے لہذا ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ جب تک شتر بان اونٹوں کو سنبھالتے اور محفوظ فاصلے تک لے جاتے کئی اونٹ تیروں اور وزنی پتھروں کا شکار ہو چکے تھے۔ اشباح اس وقت اپنے دستے کے ساتھ فوج کے بائیں پہلو میں تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر جمع کیا اور بجلی کی سرعت سے حملہ آوروں کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ چند ہی گز گیا تھا کہ بدکے ہوئے اونٹوں کے ایک ریوڑ میں پھنس گیا۔ اس کے سپاہی جب اونٹوں کی زد سے بچتے ہوئے ٹیلوں کے دامن میں پہنچے، حملہ آور حسب معمول غائب ہو گئے۔

اس شام محمد بن قاسم نے ایک اہم فیصلہ کیا۔ صرف ایک روز پہلے جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ بھیسم سنگھ کا مسکن ایک پہاڑی قلعہ ہے۔ اور تمام چھاپہ مار کارروائیوں کی تیاری اسی قلعے میں ہوتی ہے۔ محمد بن قاسم نے کہا۔

"آج رات ہم اس قلعے پر قبضہ کریں گے۔"

شوریٰ کے ایک سردار نے کہا۔ "سپہ سالار! کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم پہاڑی راستے میں دشمن سے الجھنے کی بجائے سمندر کے کنارے کنارے محفوظ راستے سے سفر کریں اور دیبل پہنچنے کی کوشش کریں۔"

محمد بن قاسم نے پر اعتماد آواز میں کہا۔ "ساتھیو! صرف دیبل پہنچ جانے سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہو جائے گا۔ اگر ہم اس وقت بھیسم سنگھ سے کنی کترا کر آگے بڑھ گئے تو ہمارا عقب غیر محفوظ ہو جائے گا۔ بھیسم سنگھ دیبل کی فصیلوں تک ہمارا تعاقب کرے گا اور نقصان پہنچائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اس سے اسی جگہ نبٹ لیں۔ یہاں سے بھاگ کر بھیسم سنگھ کے سپاہی جب دیبل پہنچیں گے تو ان کے حوصلے ٹوٹے ہوئے ہوں گے۔ یہ ٹوٹے ہوئے حوصلے سندھ کی پوری فوج میں بزدلی کی لہر دوڑا دیں گے۔"

مجلس شوریٰ کے ایک جہاندیدہ سردار نے محمد بن قاسم کی تائید کی اور بے ساختہ بولا۔

"سالار! آپ کی سوچ ایک فاتح کی سوچ ہے۔ جو آپ کے دل میں آتا ہے اس پر ضرور عمل کریں۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "میں اپنے ساتھ صرف پانچ سو پیادہ جوان رکھنا چاہتا ہوں۔ باقی فوج نماز عشاء کے بعد حسب سابق سفر جاری رکھے۔ مجھے یقین ہے کہ دشمن دھوکا کھائے گا وہ یہی سمجھے گا کہ پوری فوج کوچ کر گئی ہے۔ وہ اس پیش قدمی کو روکنے کی کوشش کرے گا اور قلعے کی حفاظت کے لیے بہت کم فوج رہ جائے گی۔ میں اپنے پیادہ ساتھیوں کے ساتھ خاموشی سے قلعے پر حملہ کروں گا اور ان شاءاللہ کل کا سورج ہمیں اس قلعے پر قابض دیکھے گا۔"

سردار جہم نے پوچھا۔ "قبضے کے بعد حکمت عملی کیا ہو گی؟"

محمد بن قاسم نے پُر سوچ لہجے میں کہا۔ "ظاہر ہے جلد یا بدیر بھیسم سنگھ ہوشیار ہو جائے گا۔ ممکن ہے وہ قلعہ واپس حاصل کرنے کی کوشش کرے اور پوری طاقت سمیٹ کر قلعے پر حملہ آور ہو جائے۔ اس صورت میں، میں اس کا حملہ روکوں گا۔ آپ لوگ باہر سے اس پر بل پڑیں۔ اس کے لیے یہ دو طرفہ مقابلہ خاصا دشوار ثابت ہو گا۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے وہ بھرپور حملہ کر دے۔ ان حالات میں، میں قلعے کے اندر کچھ دستے چھوڑ کر آپ کی مدد کو آجاؤں گا۔"

ایک سردار نے بے تاب ہو کر کہا۔ "سالار! محترم! قلعے پر شب خون ایک خطرناک کارروائی ہے اور آپ کی زندگی اسلامی فوج کے لیے نہایت اہم ہے۔ کیا یہ مناسب نہیں تھا کہ آپ یہ ذمے داری کسی اور۔۔۔"

"ہر گز نہیں۔" محمد بن قاسم نے جلالی لہجے میں سردار کی بات کاٹی۔ "میں چاہتا ہوں کہ میری فوج کا ہر سپاہی اپنی ذات میں ایک سالار ہو۔ اگر وہ سر زمین ہند پر اکیلا بھی رہ جائے تو اپنی جنگ لڑ سکے اور اسلامی پرچم اٹھا کر اعتماد سے آگے بڑھ سکے۔ ہمیں یہاں آخری بازو اور آخری تلوار تک لڑنا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ کٹنے والا آخری بازو میرا ہی ہو۔"

سردار جہم نے کہا۔ "ٹھیک ہے سالار! آپ اپنے ساتھیوں کا چناؤ فرمالیں۔ اللہ نے چاہا تو دشمن اپنی اس اہم دفاعی چوکی سے آج محروم ہو جائے گا۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "سپاہی تھکے ہوئے ہیں۔ ابھی انہیں طعام اور مختصر قیام کی ضرورت ہے۔ ساتھیوں کا انتخاب میں عشاء کے بعد کروں گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ان پانچ سو جانبازوں میں شامل تھا جنہیں محمد بن قاسم نے قلعے پر حملے کے لیے منتخب کیا۔ باقی فوج کو آگے روانہ کر دیا گیا تھا۔ اس فوج کی کمان مکران کے گورنر محمد بن ہارون کے سپرد کر دی گئی تھی۔ محمد بن قاسم نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ مشرق کی جانب دس پندرہ کوس مسافت طے کرنے کے بعد پڑاؤ ڈال لیں اور اگلے حکم کے منتظر رہیں۔۔۔ اب محمد بن قاسم اپنے جاں نثار دستے کے ساتھ ایک پہاڑی کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ اس تاریک رات کو طوفان بادنے اور بھی تاریک کر دیا تھا۔ آندھی کے تیز جھکڑ شرقاً غرباً ریت کی سوغات بانٹنے میں مصروف تھے۔ تیز ہوا ٹیلوں کے درمیان فراٹے بھرتی ہوئی گزرتی تھی اور مجاہدوں کے لبادے پھڑ پھڑا کر عجیب سی صدا پیدا کرتے تھے۔۔۔ آخر کچھ دیر بعد جب محمد بن قاسم کو یقین ہو گیا کہ محمد بن ہارون باقی فوج کے ساتھ دور نکل گیا ہو گا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ سینوں میں دل جوش سے دھڑکے اور قدم حرکت میں آگئے۔ پانچ سو مجاہدوں کی جمعیت محمد بن قاسم کی قیادت میں دبے پاؤں قلعے کی طرف بڑھنے لگی۔

راستے میں دشمن کی چند چوکیوں سے گزر ہوا۔ یہ چوکیاں خالی پڑی تھیں۔ ثابت ہوتا تھا کہ قلعے کے نواح میں موجود بیشتر فوج اسلامی لشکر کے تعاقب میں روانہ ہو چکی ہے۔ یہ صورت حال نہایت حوصلہ افزا تھی۔۔۔

جلد ہی اشباح کو تاریکی میں لپٹا ہوا وہ پہاڑی قلعہ نظر آگیا جو آج رات ان کی منزل تھا۔ بلندی پر واقع یہ پُراسرار قلعہ نہایت محفوظ محل و قوع رکھتا تھا اور بھیم سنگھ نے اسے اپنی سر گرمیوں کا مرکز بنا کر دانشمندی کا ثبوت دیا تھا۔ مگر یہ دانشمندی۔۔۔ آج اس کا ساتھ نہیں دے سکی تھی۔

مسلمان سپاہی ٹیلوں اور گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے جلدی قلعے کے دامن میں پہنچ گئے۔ اب انہیں قلعے پر پھڑ پھڑاتے ہوئے پرچم اور فصیل پر متحرک ہیولے نظر آ رہے تھے۔ بیرونی مشعلیں بجھ چکی تھیں اور قلعہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اشباح سوچنے لگا اگر قلعے میں ان سے دو گنے سپاہی بھی موجود ہوئے تو وہ ان کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ لیکن اگر تعداد تین یا چار گناہ ہوئی تو پھر مشکل پیش آسکتی ہے۔ مسلمان سپاہیوں کے لیے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے گھوڑے باقی لشکر کے ساتھ روانہ کر دیئے تھے۔ اب یہ جنگ انہیں اپنے پیروں پر لڑنی تھی۔ لہذا ان کے لیے بہتر یہی تھا کہ سب کچھ آناً فاناً ہو جائے۔ اس سے پیشتر کہ دشمن سنبھل کر ان کے مقابل آئے وہ اسے مغلوب کر چکے ہوں۔

پھر اشباح نے دیکھا محمد بن قاسم کا ہیولا تاریکی سے اچھلا اور پھر پھلانگتا ہوا فصیل کی طرف لپکا۔ یہ ایک ایسا دلیرانہ انداز تھا جس پر سو جان سے فدا ہونے کو جی چاہتا تھا۔ کسی چیتے کی طرح زقند بھرتا ہوا وہ فصیل کے عین نیچے پہنچ گیا۔ پھر اس کے بازو نے حرکت کی اور کمند لہراتی ہوئی فصیل پر جا پڑی۔ آنکڑا پتھر سے ٹکرانے کی صدا آندھی کے شور میں دب کر رہ گئی تھی۔ اشباح نے محمد بن قاسم کو نہایت مہارت سے فصیل پر چڑھتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں جذبے کی شدت سے جلنے لگے۔ دل کچھ کرنے کو بے قرار ہو رہا تھا۔ وہ لپک کر سردار جہم کے پاس پہنچا۔

"سردار! سپہ سالار کے بعد میں اوپر جانا چاہتا ہوں۔"

جہم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سپہ سالار کے بعد میں جا رہا ہوں اور میرے بعد آپ آسکتے ہیں" اس عزت افزائی پر اشباح کا خون سیروں بڑھ گیا۔ اس کے جبڑے بھینچ گئے اور آنکھیں فصیل کی بلندی پر جم گئیں، جہاں اب محمد بن قاسم انتہا پر پہنچنے ہی والا تھا۔ جونہی محمد بن قاسم نے اوپر قدم رکھے، جہم نے کمند تھامی اور چڑھنا شروع کیا۔ اشباح بے قراری سے انتظار کر رہا تھا۔ مگر ابھی جہم نے نصف بلندی طے کی تھی کہ فصیل پر بھاگتے قدموں کی آہٹ اور چیخ و پکار کی صدا سنائی دی۔ پھر محمد بن قاسم کا ولولہ انگیز اور فضا کو سہاتا ہوا نعرہ بلند ہوا اور تلواروں کی جھنکار آندھی کے شور میں ڈوبنے ابھرنے لگی۔ اشباح کے لیے اب انتظار نہ ممکن تھا۔ جونہی سردار جہم نے فصیل پر قدم رکھا، اشباح حتیٰ الامکان رفتار سے اوپر چڑھنے لگا۔ یہ نہایت نازک وقت تھا۔ قلعے کے محافظ کمند کی موجودگی سے آگاہ ہو چکے تھے۔ ایک سایہ لپکتا ہوا کمند کی طرف آ رہا تھا۔ اشباح نے فورا اپنی ڈھال سر پر جما لی لیکن اس کا خیال تھا کہ یہ سایہ تیر اندازی کرے گا تو یہ غلط تھا۔ اس کے پاس تیر کمان نہیں تھا۔ اس نے آتے ساتھ ہی تلوار سے کمند کو کاٹنے کی کوشش کی۔ اشباح اب فصیل سے صرف چار ہاتھ نیچے تھا۔ آخری کوشش کے طور پر اس نے کمر سے اڑسا ہوا خنجر نکالا اور محافظ پر دے مارا۔ لیکن ایک تو زاویہ مشکل تھا، دوسرے اشباح کے بازو بھی شل ہو رہے تھے۔ خنجر پہریدار کو نقصان پہنچانے کے بجائے پختہ فصیل سے ٹکرایا اور نیچے گر گیا۔ تب یکے بعد دیگرے دو تیر سنسناتے ہوئے اشباح کے پاس سے گزرے اور پہریدار کے سینے میں پیوست ہو گئے۔ وہ کراہ کر فصیل پر اوندھا ہو گیا اور اس کے ہاتھ میں پکڑی تلوار اشباح کے پاس سے ہوتی ہوئی دور نیچے پتھروں پر جا گری۔ تاہم پہریدار مرتے مرتے اپنا کام انجام دے چکا تھا۔۔۔

اشباح کو تڑتڑاہٹ کی خوفناک آواز آئی اور کمند ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی۔ نیچے کھڑے سپاہیوں کے ہونٹوں سے بے ساختہ، آہ نکل گئی، مگر اشباح گرا نہیں۔ وہ فصیل کے ساتھ چمٹ گیا۔ پتھروں کے درمیان موجود دراڑوں میں اس نے اپنی انگلیاں پھنسالی تھیں اور کمند کے کٹے ہوئے رسے کو دانتوں میں دبالیا تھا۔ پھر اس نے ٹانگوں کو مسلسل حرکت دے کر اپنے پاپوش اتار پھینکے اور پاؤں کی انگلیاں بھی دراڑوں میں پہنچادیں۔ بے پناہ جذبے اور وجدانی حوصلے کے ساتھ وہ بغیر کمند کے فصیل پر چڑھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ایک بار بھی اس کا ہاتھ یا پاؤں پھسل گیا تو کوئی اسے تحت الثریٰ کی گہرائی میں پہنچنے سے نہ بچا سکے گا۔

اس کی انگلیوں کی پوریں سن ہو رہی تھیں اور ہمت جواب دیتی جارہی تھی مگر اس کا وجدانی جذبہ اس کو سنبھالے ہوئے تھا۔ "ہمت کرو دوست، ہمت کرو۔" اچانک اس کے کانوں میں سپہ سالار کی جاں فزا آواز پڑی۔ اس کا ڈوبتا ذہن ایک ہچکولے سے بیدار ہو گیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سردار جہم اور محمد بن قاسم دونوں فصیل پر جھکے ہوئے تھے۔ محمد بن قاسم کا ہاتھ اشباح کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ یہ زندگی کا ہاتھ تھا اور صرف دو گز کی دوری پر تھا لیکن دو گز کا یہ دشوار ترین سفر خود اسے طے کرنا تھا۔ اس سفر میں کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

آخر چند لمحے جو صدیوں پر بھاری تھے گزر گئے۔۔۔ ان چند لمحوں میں اشباح نے ایک ناقابل گمان کارنامہ سرانجام دے دیا تھا۔ وہ بغیر کسی وسیلے کے ناقابل ذکر دراڑوں کے سہارے دو گز کا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ آخر اس کا ہاتھ محمد بن قاسم کے توانا ہاتھ سے ٹکرایا اور اس نے پوری جان سے اسے اوپر اٹھا کر قیمتی متاع کی طرح سینے سے لگالیا۔

"شاباش۔۔۔ میرے سخت جان دوست، شاباش۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "میں تمہاری اس بہادرانہ جدوجہد کو کبھی نہ بھول سکوں گا۔"

سردار جہم نے بھی آگے بڑھ کر اشباح کا کندھا تھپتھپایا۔ اس کے چہرے پر بھی حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات تھے۔ اس نے اشباح کو سراہتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اپنی غیر معمولی استقامت سے موت کو شکست دی ہے۔"

اشباح نے سانسیں درست کرتے ہوئے فصیل کا جائزہ لیا۔ یہاں وہاں کوئی دس عدد لاشیں پڑی تھیں۔ یہ سارے پہریدار محمد بن قاسم اور سردار جہم کی بے اماں تلواروں کا شکار ہوئے تھے۔ غالباً فصیل کے اس حصے پر یہی پہریدار تھے جو کام آ گئے تھے۔ باقی لوگ یا تو کچھ فاصلے پر تھے یا آندھی اور خراب موسم کے سبب اندرونی حصوں میں آرام کر رہے تھے۔

سردار جہم نے کمند کا رسہ مضبوطی کے ساتھ ایک برجی سے باندھ دیا۔ پلک جھپکتے میں پندرہ بیس نوجوان اوپر پہنچ گئے۔ انہوں نے رسے کی سیڑھیاں نیچے لٹکا دیں اور ان کے ذریعے مسلمان سپاہی جوق در جوق اوپر آنے لگے۔ اس اثناء میں قلعے کے اندرونی حصے سے شور و غل کی آوازیں آئیں اور مسلح گھڑ سوار مقابلے کے لیے بڑھے۔ غالباً ایک آدھ سپاہی فصیل سے بچ کر نکل گیا تھا اور اس نے اندر پہنچ کر ساتھیوں کو خبردار کر دیا تھا۔ اشباح اور جہم بھاگتے ہوئے گئے اور اس سے پیشتر کہ قلعے کے محافظ صورت حال سمجھ سکتے انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی باہر کھڑے مسلمان کمندیں اور سیڑھیاں چھوڑ کر نعرے لگاتے ہوئے اندر گھس

آئے۔اشباح اور جہم نے انہیں ساتھ لے کر قلعے کے محافظوں پر ایسا بھرپور حملہ کیا کہ لمحوں میں انہیں زمین دکھادی۔سائیں سائیں کرتی ہوا میں گھوڑوں کی ہنہناہٹ، زخمیوں کی چیخیں، تلواروں کی جھنکار، بھاگو، دوڑو کی صدائیں۔۔۔چند ہی لمحوں میں سب کچھ ختم ہو گیا۔قلعے میں کل کوئی چار سو افراد تھے۔وہ مزاحمت چھوڑ کر جانیں بچانے کے لیے بھاگ نکلے۔پھر کچھ نے گھبراہٹ میں فصیل سے نیچے چھلانگیں لگادیں اور کچھ ایک تنگ سرنگ سے فرار ہونے کی کوشش میں کچلے گئے۔محمد بن قاسم نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنے تمام ساتھیوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔حکم کی دیر تھی کہ مسلمان سپاہیوں نے ہاتھ روک لیا اور اپنے سپہ سالار کے گرد جمع ہو گئے۔

مفتوح ہندو فوجی یہاں وہاں کھڑے حیرت سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔محمد بن قاسم نے مترجم کے ذریعے اعلان کروایا "سندھی فوجیوں کو اجازت ہے کہ وہ پورے اطمینان سے قلعہ چھوڑ سکتے ہیں۔اس کے علاوہ اگر وہ اپنا سامان یا کسی زخمی ساتھی کو لے جانا چاہیں تو بھی انہیں نہیں روکا جائے گا۔"

مقامی سپاہیوں نے حیرت سے یہ اعلان سنا۔اپنے سامان یا زخمی ساتھیوں کی ہوش کسے تھی فی الوقت سلامتی ہی ان کے نزدیک سب سے اہم تھی۔وہ جہاں جہاں تھے ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور پھر ڈرے ڈرے انداز میں دروازے کی جانب کھسکنے لگے۔مسلمان سالار کا رویہ ان کی سمجھ سے باہر تھا۔وہ تو فاتحین کو لوٹتے کھسوٹتے اور مارتے کاٹتے ہی دیکھتے آئے تھے۔یہ کیسا فاتح تھا کہ انہیں شکست بھی دے رہا تھا اور زندگی بھی۔ان میں سے کچھ کا خیال تھا کہ شاید ان سے دھوکا کیا جائے گا۔جب وہ پیٹھ موڑ کر دروازے کے قریب پہنچیں گے تو

انہیں تیروں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔یہی وجہ تھی کہ وہ چل بھی رہے تھے اور مڑ مڑ کر دیکھ بھی رہے تھے۔ آخر جب وہ تیروں کی زد سے دور نکلے تو سرپٹ بھاگ نکلے۔

محمد بن قاسم نے سردار جہم کو ہدایت کی کہ قلعے سے ہندوستانی فوج کے پرچم اکھاڑ کر اسلامی پرچم لہرا دیئے جائیں۔پھر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ زخمیوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا لیکن اس کی توجہ کا مرکز صرف مسلمان زخمی ہی نہیں تھے وہ دشمن کے زخمیوں کو بھی مساوی ہمدردی دے رہا تھا۔کسی کے منہ میں پانی ٹپکاتا کسی کو تسلی دیتا، کسی کی مرہم پٹی کے احکام صادر کرتا۔اس کے انداز سے عیاں تھا کہ وہ خود بھی طبابت اور حکمت میں خاص دسترس رکھتا تھا۔اس کی لگن اور فکر مندی دیدنی تھی۔اشباح حیرت سے دیکھ رہا تھا۔تھوڑی دیر پہلے اس نے جس محمد بن قاسم کو دشمن پر بجلی بن کر گرتے دیکھا تھا، اب وہ کہیں نہیں تھا۔اس کی جگہ ایک ہمدرد اور فکر مند شخص نے لے لی تھی۔وہ صرف ایک انسان نظر آ رہا تھا۔اپنے دشمنوں کی حالت زار اسے ملول کر رہی تھی وہ ان کی آہ و زاری پر تڑپ رہا تھا۔

سردار جہم اسلامی پرچم لہرا کر فصیل سے نیچے اتر آیا۔اس کی نظر خاموش کھڑے اشباح پر پڑی اور وہ بولا۔
"آیئے اشباح! ہم قلعے کے اندرونی حصے کی تلاشی لیں۔"

اشباح اس کے ساتھ ہو لیا، پندرہ بیس مسلح سپاہی ان کے ساتھ تھے۔مختلف غلام گردشوں اور کمروں سے ہوتے ہوئے جب وہ ایک کشادہ کمرے میں پہنچے تو اشباح کی نگاہ ایک دوشیزہ پر پڑی۔وہ چاروں ہاتھوں پاؤں پر

ایک مسہری کے نیچے چھپی ہوئی تھی۔ مشعل کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی تو آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ لرزتی کانپتی وہ نیچے سے نکل آئی۔

سردار جہم نے تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھی اور گرج کر بولا۔

"لڑکی اور تیرے ساتھ کون ہے اس عمارت میں؟"

لڑکی جس کے کھلے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور پیشانی کے عین درمیان سرخ بندیا چمک رہی تھی، ہکلا کر بولی۔ "کک۔۔۔ کوئی نہیں۔" اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

جہم نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ "اس کمرے کی اچھی طرح تلاشی لو۔"

جہم کے ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ایک بغلی دروازہ کھلا اور اس میں سے یکے بعد دیگرے پندرہ بیس لڑکیاں نکل آئیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت اور ہار سنگار کیے ہوئے۔ لیکن ان کے چہرے خوف سے زردہ ہو رہے تھے۔ صرف ایک لڑکی ایسی تھی جو پورے وقار اور اطمینان کے ساتھ کھڑی تھی اور براہ راست عرب نوجوانوں کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک سفید لبادہ پہن رکھا تھا۔ اشباح کو وہ تمام عورتوں کی سرغنہ نظر آئی اور تب اشباح نے دیکھا کہ اس کے ایک ہاتھ میں خنجر ہے۔ اس نے یہ خنجر اپنی شہ رگ پر رکھ لیا اور سردار جہم کو فیصلہ کن نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اگر ہماری عزت کی طرف ہاتھ بڑھایا گیا تو سب سے پہلے میں اپنا بلیدان دوں گی۔"

اشباح کو لڑکی کی آنکھوں میں ایسی چمک دکھائی دی کہ وہ سمجھ گیا کہ اگر کسی مسلمان سپاہی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی کی تو لڑکی اپنا گلا کاٹ لے گی۔ وہ ہندوستانی میں پکارا۔

"نہیں بہن! تمہیں یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ایک عربی لباس والے کو ہندوستانی بولتے سن کر تمام لڑکیاں ٹھٹک گئیں۔ اشباح نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہم فاتح ضرور ہیں لیکن آپ سے فاتحین والا سلوک نہیں کریں گے۔ ہم مسلمان ہیں اور ہماری دشمنی صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے۔۔۔ آپ کو صرف ہمارے سپہ سالار کے سامنے پیش ہونا پڑے گا اور اس کے بعد آپ سب آزاد ہوں گی۔"

لڑکیاں پھٹی ہوئی نگاہوں سے اشباح کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جن نگاہوں سے حرص و ہوس کے شعلے لپکنا تھے وہ حیا سے جھکی ہوئی تھیں۔ جن ہونٹوں سے وحشیانہ قہقہے ابلنے تھے، ان سے پھول جھڑ رہے تھے۔ عزتوں کی طرف لپکنے والے قدم بے حرکت اور دست درازی کرنے والے ہاتھ ساکت تھے۔۔۔ یہ کیسے انسان تھے، کس دنیا سے آئے تھے؟ انسان تھے یا فرشتے؟

اشباح کے حکم پر سپاہیوں نے لڑکیوں کو گھیرے میں لے لیا اور قلعے کے صحن کی طرف چل دیئے۔ وہاں پہنچے تو محمد بن قاسم موجود نہیں تھا۔ پتہ چلا کہ وہ آئندہ لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے اہم سرداروں سے مشورے کر رہا ہے اور قلعے کے تمام معاملات اس نے جہم کے سپرد کر دیے ہیں۔ اپنی ذمہ داری کا علم ہونے کے بعد جہم نے لڑکیوں سے پوچھ گچھ شروع کی۔ سوالاً جواباً طویل گفتگو ہوئی، جس سے پتہ چلا کہ یہ تمام لڑکیاں ارد گرد

کے دیہات سے تعلق رکھتی ہیں۔انہیں بھیسم سنگھ کے فوجیوں نے آج ہی عیاشی کی غرض سے اغوا کیا تھا ۔۔۔اپنی ہی قوم اور اپنے ہی لوگوں سے مہاراجہ کے لشکریوں کا یہ سلوک حیران کن اور شرمناک تھا۔اب ان لڑکیوں کو آزاد چھوڑ دینا مناسب نہیں تھا۔بہتر یہی تھا کہ فی الحال انہیں ساتھ رکھا جائے اور کوئی مناسب موقع دیکھ کر لواحقین کے سپرد کر دیا جائے۔

ابھی لڑکیوں کے بارے میں گفتگو جاری تھی کہ ایک سپاہی نے پیچھے آکر آہستگی سے اشباح کا شانہ دبایا اور بولا۔

"جناب،آپ کو سپہ سالار نے یاد کیا ہے۔"

اچانک اشباح کا کشادہ سینہ دھڑک اٹھا۔اس کا تھکا ماندہ جسم ایک جھٹکے سے بیدار ہو گیا۔اس نے تلوار نیام میں ڈالی،خود سر سے اتار کر گرد سے اٹے ہوئے چہرے کو رومال سے صاف کیا اور سپاہی کے ساتھ چل دیا۔دشمن کی لاشوں کے درمیاں سے گزرتے ہوئے وہ ایک برآمدے میں پہنچے اور پھر ایک دبیز پردہ ہٹا کر ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔کمرے کی پُر شکوہ آرائش سے ظاہر تھا کہ یہاں کل بھیسم سنگھ قیام پذیر تھا۔دبیز قالین، جہازی غالیچے،فانوس اور پردے۔اس نے اس پہاڑی قلعے میں بھی دیبل اور برہمن آباد کی آسائشیں جمع کر رکھی تھیں۔عورتوں کی کچھ بڑی بڑی تصویریں بھی اس کمرے میں آویزاں تھیں جنہیں محمد بن قاسم نے تلوار سے نیچے گرا دیا تھا اور اب ان پر بے تکلفی سے پاؤں رکھے کرسی پر بیٹھا تھا۔

اشباح نے احترام سے سلام کیا۔محمد بن قاسم نے اسے اپنے برابر نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اشباح نے پہلی بار محمد بن قاسم کو اتنے قریب اور غور سے دیکھا تھا۔اس کی شفاف اور بے باک آنکھوں میں دیکھنے سے اک

عجیب طرح کی ہیبت دل پر طاری ہو جاتی تھی۔اس کے خدوخال میں شعلے اور شبنم کا حسین امتزاج تھا۔اس کی شخصیت کی سب سے اہم چیز اس کا اعتماد تھا۔اس نے پناہ اعتماد کے نیچے اس کی کم سنی یوں چھپ گئی تھی جیسے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کے نیچے اس کی تہہ پوشیدہ رہتی ہے۔اس کے سر پر تانبے کا ایک منقش خود تھا۔تیکھے نقوش،چمکدار آنکھیں،باریک اور بھینچے ہونٹ،جسم عمر کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور توانا،عزم واستقلال کا ناقابل شکست جذبہ اس کے ہر ہر عضو سے عیاں تھا۔اس کے عقب میں ہندوستان کا ایک بڑا نقشہ آویزاں تھا۔

"آپ ہی کا نام اشباح ہے؟"محمد بن قاسم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں!"اشباح نے سر ہلایا۔

"میں سردار جہم سے آپ کے متعلق سن چکا ہوں،لیکن میرے لیے آپ کا اصل تعارف وہ چند ہاتھ کا سفر ہے جو آپ نے قلعے کی فصیل سے چمٹ کر طے کیا تھا۔بخدا آپ کی استقامت اور جرات مندی نے مجھے قائل کر لیا ہے۔میرا دل کہتا ہے کہ آپ جیسا شخص کٹھن ترین حالات میں بھی اپنے حواس برقرار رکھ کے کامیابی کا راستہ ڈھونڈ سکتا ہے۔"

اشباح کے انکساری سے کہا۔"میں اس قابل نہیں،لیکن اگر سپہ سالار ایسا سمجھتے ہیں تو یہ میری خوش بختی ہے۔"

"آپ کی انگلیاں زیادہ زخمی تو نہیں ہوئیں؟"محمد بن قاسم نے ہمدردی سے پوچھا۔

اشباح نے پہلی بار اپنی انگلیوں کا جائزہ لیا اور دیکھ کر حیران ہوا کہ ہاتھوں کی پوریں خون آلود ہیں۔ اشباح نے ہاتھ اپنی قبا میں چھپا لیا اور بولا۔ "جناب! یہ زخم تو اس جہاد کی اولین سوغات ہیں۔ میں ان سے بڑے زخموں کی تمنا رکھتا ہوں۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "آپ مجھے بے تکلفی سے محمد کہہ کر مخاطب کر سکتے ہیں۔""

اشباح بولا۔ "سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے آپ محترم ہیں اور میں اپنے دل کی گہرائیوں میں آپ کا احترام محسوس کر رہا ہوں۔"

محمد بن قاسم نے بغور اشباح کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کی صورت میں ہندوستانی پن بہت پایا جاتا ہے اور آپ ہندوستانی زبان بھی روانی سے بول لیتے ہیں۔"

"جی ہاں" اشباح نے کہا۔ "میرے والد ہندوستانی تھے۔ انہوں نے مسلمان ہو کر میری والدہ سے شادی کی تھی۔ میری والدہ عربی ہیں اور نوجوانی میں اپنے والد کے ساتھ یہاں آئی تھیں۔ انہوں نے میرے والد کی وصیت کے مطابق مجھے ہندوستانی زبان سکھائی ہے۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "آپ کے ماضی کی کہانی تو خاصی دلچسپ اور طویل معلوم ہوتی ہے کسی فارغ وقت آپ سے ضرور سنیں گے"

محمد بن قاسم نے پُر سوچ لہجے میں کہا۔ "آپ کے خدوخال اور آپ کی زبان دیکھ کر مجھے ایک بات سوجھ رہی ہے۔ کیوں نہ آپ ہندوستانی علاقے میں گھس کر اسلامی لشکر کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیں۔"

ایکا ایکی اشباح کا سینہ خوشگوار دھڑکنوں سے لبریز ہو گیا۔ وہ پلک جھپکتے میں اپنے سپہ سالار کا مطمع نظر سمجھ گیا تھا۔ چند لمحے دونوں با معنی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر اشباح نے کہا۔

"جناب یہ میری خوش بختی ہے کہ آپ مجھے ایسی ذمہ داری کے قابل سمجھ رہے ہیں۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "آپ جیسے جانبازوں کی اسلامی لشکر کو اشد ضرورت ہے۔ اس اجنبی جگہ ہمیں قدم قدم پر رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

اشباح نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں سپہ سالار کے ہر حکم پر لبیک کہنے کو تیار ہوں۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "مجھے آپ سے اسی جواب کی توقع تھی۔ تاہم ایک دو روز مزید سوچ بچار کر لیتے ہیں۔"

اشباح نے احترام سے کہا۔ "سپہ سالار! سوچ بچار صرف آپ کو کرنی ہے۔ میں تو آپ کے ہاتھ کا ایک معمولی ہتھیار ہوں۔ آپ جیسے حرکت دیں گے، ویسے حرکت کروں گا۔"

محمد بن قاسم نے اٹھ کر گرمجوشی سے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا۔ "آپ کے سپاہیانہ جذبے نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔"

"شکریہ!" اشباح نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

"ان شاءاللہ جلد ملاقات ہو گی۔" محمد بن قاسم نے کہا۔

"ان شاءاللہ۔" اشباح نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہریئے!" محمد بن قاسم کی آواز آئی۔ اشباح رک گیا۔ محمد بن قاسم نے دو قدم آگے آتے ہوئے کہا۔

"ایک بات تو میں بھول ہی گیا۔۔۔ یہ زہار نامی شخص کون ہے۔ سنا ہے ان کا تعلق آپ کے قبیلے سے ہے۔"

اشباح کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"سپہ سالار! میں اس بارے میں آپ کو ضرور بتاؤں گا، لیکن اس تفصیلی ذکر کے لیے شاید یہ وقت ناموزوں رہے۔"

محمد بن قاسم نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔ "ٹھیک ہے ایسی کوئی جلدی نہیں، آپ جب مناسب سمجھیں بتا دیجیے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ستاروں کا کارواں رخصت ہو چکا تھا۔ مشرق سے خورشید تابناک طلوع ہونے کو تھا۔ لس بیلا کی اونچی نیچی گھاٹیاں ملگجے اندھیرے سے یوں ظاہر ہو رہی تھیں جیسے کوئی شہابی دوشیزہ نیلگوں جھیل کی گہرائی سے سطح آب پر ابھرے۔ آندھی ختم ہو چکی تھی اور ایک سبک خرام ہوا شمال سے جنوب کی طرف چل رہی تھی۔ اشباح نے اپنا خود اتار کر ایک طرف رکھا اور فصیل کی ایک برجی سے ٹیک لگا کر گہری سانسیں لینے لگا۔ تیر کمان اس کی گود میں تھا اور وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح پوری طرح مسلح تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ سورج جو طلوع ہو رہا ہے اپنے ساتھ ان گنت ہنگامے لا رہا ہے۔ سرزمین ہند پر کفر و اسلام کی پہلی زوردار لڑائی ہونے والی تھی۔ ظاہر تھا بھیسم سنگھ کو قلعے پر قبضے کی خبر ہو چکی ہو گی یا ہونے والی ہو گی۔ وہ کسی بھی وقت چوٹ کھائے

ہوئے سانپ کی طرح اس قلعے کی طرف واپس لوٹنے والا تھا۔ محمد بن قاسم نے فصیل پر دور تک تیر اندازوں اور نیزہ بازوں کو چوکس کر دیا تھا اور خود گھوم پھر کر دفاعی انتظامات کا جائزہ لے رہا تھا۔ دوسری طرف اس نے ایک تیز رفتار قاصد کو محمد بن ہارون کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ محمد بن ہارون کو پیغام بھیجا گیا تھا کہ قلعے پر قبضہ ہو چکا ہے۔

رات بھر کا جاگا ہوا اشباح فصیل پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا۔ آنکھیں ہوا کے جھونکوں سے بوجھل تھیں، لیکن احساس فرض پلکوں کو گرنے سے روکے ہوئے تھا۔ اچانک جیسے تاریک بادلوں میں برق کوندتی ہے، ہلابہ کا چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوما اور سینے میں ایک ٹیس سی اٹھی کر پورے جسم کو بیدار کر گئی۔ ہلابہ کہاں ہو گی؟ اس کے دل نے بے اختیار سوال کیا۔ سرزمین عرب سے رخصت ہونے کے بعد یہ سوال بارہا اس کے ذہن میں گونجا تھا۔ وہ جوں جوں ہلابہ سے دور جا رہا تھا وہ اس کے نزدیک آتی جا رہی تھی، اس کی دھڑکنوں میں سما رہی تھی۔ اس کی رگ رگ میں اتر رہی تھی۔ اس نے نماز پڑھنے کے بعد بار بار خشوع و خضوع سے دعا کی تھی۔ "یا باری تعالیٰ! میرے دل کو سکون دے۔ میری سوچوں کی باگ دوڑ تیرے ہاتھ میں ہے تو انہیں جس طرف چاہے موڑ سکتا ہے۔ اے خدا! میری سوچوں کا محور صرف اور صرف میدان کارزار کو بنا دے۔ میرے خیالوں میں صرف تلواروں کی جھنکار اور میدان میں صرف آگے بڑھنے کا خیال ہو۔۔" مگر نہ جانے کیوں اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔ وہ تلواروں کی جھنکار اور میدان کارزار کے ہنگاموں میں ہلابہ کو بھول نہیں پا رہا تھا۔ کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا کہ اس سے بہت سنگین غلطی ہوئی ہے۔ ہلابہ کو اپنی زندگی سے نکالنے سے پہلے اسے سوچنا چاہیے تھا کہ وہ اس سے کتنی قریب ہے اور اس سے مستقل جدائی کے کیا اثرات

ہوں گے۔ وہ ایک معمولی سی نادان لڑکی کسی آفت کی طرح اس کی جان سے چمٹ گئی تھی۔ اپنی ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ ہر وقت اس سے ایک سوال پوچھتی رہتی تھی۔ اشباح، کیا میں آپ کے لیے اتنی غیر اہم تھی۔

اشباح نے تصور کی آنکھوں میں دیکھا کہ سینکڑوں میل دور حضر موت کی اس صحرائی بستی میں احمد عباس کے ساتھ ہلابہ کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ ایک سجے سجائے اونٹ پر اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھی ہے۔ دونوں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں۔ گلی سے گزرتے ہوئے اچانک اس کی نگاہ اشباح کے گھوڑے پر پڑتی ہے۔ جو سائبان کے نیچے کھڑا اداسی سے چارے پر منہ مار رہا ہے۔ اسے اداس دیکھ کر وہ خود بھی اداس ہو جاتی ہے۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ نیچے اتر کر گھوڑے کو تھپتھپائے اور اسی بہانے اشباح کی امی سے چند باتیں کرے۔۔۔ لیکن پھر خاموش بیٹھی رہتی ہے۔ منہ پھیر لیتی ہے اور آنسو ضبط کرنے لگتی ہے۔۔۔ یہ منظر اگرچہ اشباح کے تصور میں تھا، لیکن حقیقت سے بہت دور نہیں تھا۔ وہ جن حالات میں ہلابہ کو چھوڑ کر آیا تھا ان میں یہی کچھ ہو سکتا تھا۔۔۔ اچانک وہ اپنے خیالوں سے چونک اٹھا۔ دور ٹیلوں سے ایک گھڑ سوار سرپٹ گھوڑا بھگاتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کا انداز صاف طور پر کسی خطرے کی نشاندہی کرتا تھا۔ اشباح اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کا ماتحت دستہ بھی جو پچاس تیر اندازوں پر مشتمل تھا اپنی جگہ پر ایستادہ ہو گیا۔ چند لمحے کے بعد اشباح نے پہچان لیا، یہ وہی قاصد تھا جسے محمد بن قاسم نے محمد بن ہاروں کی طرف بھیجا تھا۔ غالباً وہ راستے ہی سے لوٹ آیا تھا۔ فصیل کے قریب پہنچتے ہی وہ اونچی آواز میں چلانے لگا۔ اشباح نے آگے جھک کر اس کی آواز سننے کی کوشش

کی۔ وہ پکار رہا تھا۔ "سندھی فوج آ رہی ہے۔۔۔ ہوشیار سندھی فوج آ رہی ہے۔"

تب اشباح اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا دور مشرق کی طرف گرد و غبار کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ محمد بن قاسم ایک برجی میں کھڑا تھا۔ اس نے پہریداروں کو پکار کر حکم دیا اور انہوں نے قلعے کا بڑا دروازہ فوراً بند کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سندھی فوج کے آثار واضح ہونے لگے۔ دھول کے پردے سے گھوڑوں کی طویل قطاریں برآمد ہوئیں اور بڑے بڑے سندھی علم نظر آنے لگے۔ لشکریوں کے آہنی خود اور زرہ بکتر چڑھتے سورج کی کرنوں میں چمک رہے تھے۔ قریباً بیس ہزار انسانوں کا یہ لشکر بڑی تنظیم اور سوجھ بوجھ کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا وہ تند سیلاب کی طرح ایک ہی ہلے میں قلعے کو بہا لے جائیں گے۔۔۔ لیکن قلعے کے سامنے پہنچ کر وہ رک گئے۔ وہ جانتے تھے جو دشمن ایک کامیاب چال چل کر قلعے پر قبضہ کر سکتا ہے وہ اس کا موثر دفاع بھی کرے گا۔ انہیں معلوم تھا کہ قلعے کے گوداموں میں دفاعی سامان کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور اب یہ سارا سامان انہی کے خلاف استعمال ہونا ہے۔۔۔ اور ان کی سوچ بالکل ٹھیک تھی۔ محمد بن قاسم نے روغن نفت سے لبریز بڑے بڑے برتن فصیل پر رکھوا دیے تھے۔ اب یہ آتش گیر سیال مختلف برتنوں میں بھر کر سندھی لشکر پر پھینکا جانا تھا۔ اس کے علاوہ جا بجا پتھروں کے ڈھیر لگے تھے اور گرم تیل کے کڑاہے چولہوں پر چڑھتے ہوئے تھے۔ "استقبال" کی پوری تیاری ہو چکی تھی۔

سندھی فوج نے قلعے پر پہلا حملہ دوپہر سے تھوڑی دیر قبل کیا۔ جنگ کا بگل بجا اور بھیسم سنگھ کے سینکڑوں پیادے "بجرنگ بلی" کے نعرے لگاتے فصیل کی طرف دوڑے۔ وہ سر تا پا لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے اور

بڑی بڑی گول ڈھالوں سے انہوں نے سینے چھپار کھے تھے۔ان کے درمیان چالیس پچاس ٹولیاں ایسی تھیں جنہوں نے کندھوں پر طویل سیڑھیاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ بھی "راجہ داہر کی جے "اور "بجر نگ بلی" کے نعرے بلند کرتے بھاگے چلے آرہے تھے۔ان کے عقب میں تیر اندازوں کی طویل قطاریں تھیں جنہوں نے آسن جماکر فصیل پر زبردست تیراندازی شروع کردی تھی۔ان کے پیچھے علم لہرارہے تھے اور حوصلہ افزائی کے نعرے گونج رہے تھے۔ جونہی سیڑھیاں فصیل سے لگیں اور ہندو سورماؤں نے اوپر چڑھنا شروع کیا، مسلمانوں نے پوری قوت سے جوابی حملہ کردیا۔ نعرہ تکبیر کی صداؤں کے ساتھ تیروں کی بارش ہوئی۔ نیزے فضاؤں میں تیرے، کڑھے ہوئے تیل کے برتن فصیل سے اچھلے اور ہر طرف چیخیں گونج اٹھیں۔ بیسیوں حملہ آور چھپکلیوں کی طرح سیڑھیوں سے نیچے آگرے۔ فصیل سے آنے والے وزنی پتھروں کی چوٹ نے کچھ سیڑھیوں کو توڑ ڈالا اور سیڑھیوں کے بڑے بڑے ٹکڑے انسانوں سمیت پتھریلی زمین پر آرہے۔ صرف چند سیڑھیاں فصیل سے لگی رہ گئی تھیں۔ان پر کھڑے بہادر چلا چلا کر ساتھیوں کا حوصلہ بڑھارہے تھے۔

کچھ دیر بعد حملہ آوروں نے پھر ہمت کی اور پُرجوش نعروں کے ساتھ دوبارہ مسلمان اپنے بہادر سپہ سالار کی قیادت میں سیسہ پلائی دیوار بن چکے تھے۔ وہ بیس ہزار کے لشکر کی پرواہ کیے بغیر اپنے مورچوں سے نکل آئے اور فصیل کے اوپر کھڑے ہوکر نیزوں اور تیروں کی بارش کردی۔ یہ ایک نہایت جراتمندانہ اقدام تھا۔ سامنے آجانے سے کچھ مسلمان شہید تو ہوئے مگر سیڑھیوں سے چڑھنے والوں کا ایسا حشر ہوا کہ نیچے سے دیکھنے والوں کے دل بیٹھ گئے، ہر سیڑھی موت کی سیڑھی ثابت ہوئی اور چند شخص ہی جان بچاکر نیچے کود سکے۔

تیروں نے حملہ آوروں کو چھلنی کردیا تھا۔بلندی سے آنے والے نیزے زرہیں توڑ کر آر پار ہوگئے۔روغن نفت کے بنڈلوں سے کئی سیڑھیاں جل اٹھیں اور ان سے الجھے ہوئے زخمی اور ہلاک شدگان ساتھ ہی جلنے لگے۔ سینکڑوں لاشیں چھوڑ کر دشمن پیچھے ہٹ گیا۔لشکر کے قلب میں بھیسم سنگھ زخمی سانپ کی طرح بل کھارہا تھا۔

عصر کے وقت تک دشمن نے قلعے پر ایسے ہی دو حملے اور کیے۔ان بھرپور حملوں کا انجام بھی پہلے جیسا ہوا۔ عصر کے فوراً بعد جنوب مشرق کی طرف اسلامی لشکر نمودار ہوا۔ گردوغبار کے بادلوں میں مسلمان جانبازوں نے یہ منظر دیکھ کر فلک شگاف نعرے بلند کیے۔ان کے چہرے نور و مسرت سے تمتما اٹھے۔تھکے ہوئے جسموں میں ایک نئی تازگی لپک گئی۔

محمد بن ہارون کی قیادت میں اسلامی لشکر نے اتنی تندی سے سندھی فوج پر حملہ کیا کہ انہیں صف بندی کا موقع تک نہیں ملا۔ حملے کی شدت سے جیسے کوہ و دمن لرزاٹھے۔ شام کا زردی مائل سورج گردوغبار کے دبیز بادلوں میں کھوگیا۔پلک جھپکتے میں ایک قیامت دوسری قیامت سے ٹکراگئی اور شور محشر سے فضائیں شق ہونے لگیں۔ بھیسم سنگھ کا خیال تھا کہ مسلم فوج کی آمد پر وہ اپنے تیر اندازوں کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ارد گرد کی پہاڑیوں پر چڑھادے گا اور جب مسلم فوج ان کے پیادوں پر حملے کے لالچ میں آگے بڑھے گی تو ان پر موت کی بارش ہوجائے گی، لیکن اسلامی لشکر کی عقابی جھپٹ سے اس کے منصوبے دھرے رہ گئے۔ابھی اس کے تیر انداز گھڑ سوار پہاڑیوں پر چڑھ ہی رہے تھے کہ محمد بن ہارون طوفانی دستوں کی قیادت کرتا سندھی لشکر کے قلب میں گھس گیا۔وہاں اس نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا تو پورے سندھی لشکر میں سرایت

کر گیا۔اب پہاڑیوں پر ٹنگے ہوئے تیر اندازوں کا کوئی مصرف نہیں تھا۔وہ کچھ دیر تذبذب میں گھمسان کی جنگ دیکھتے رہے۔ پھر پہاڑیوں سے اتر کر لڑائی میں شریک ہو گئے۔

محمد بن قاسم اپنے ساڑھے چار سو جوانوں کے ساتھ قلعے کے دروازے پر تھا اور چوبی تختے کے سوراخوں سے میدان کا منظر دیکھ رہا تھا۔وہ ایک مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔یہ گھوڑا ان سینکڑوں گھوڑوں میں سے ایک تھا جو انہیں قلعے کے اصطبل سے ملے تھے اور اب مسلمانوں کے استعمال میں تھے۔ محمد بن قاسم کا ہاتھ مسلسل گھوڑے کی گردن سہلا رہا تھا، جیسے اسے آنے والے لمحوں کے لیے تیار کر رہا ہو، جب دونوں فوجیں گھتم گتھا ہو گئیں اور گھمسان کا رن پڑ گیا تو محمد بن قاسم نے پہریداروں کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ دروازہ کھلا۔ قاسم نے سبز پرچم ہوا میں لہرا کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ طوفانی رفتار سے میدان جنگ کی طرف بڑھا۔اس کی آمد میں شہاب ثاقب کی لپک، کوہی نالے کی تندہی اور صحرائی شیر کی جھپٹ تھی۔ سردار جہم اس کے دائیں اور اشباح بائیں پہلو پر تھا۔ میدان میں پہنچتے ہی انہوں نے اپنی تلواروں کو دشمن کی موت بنا دیا۔

اشباح اندھا دھند تلوار چلاتا، دشمن کو مارتا کاٹتا آگے ہی بڑھتا چلا جا رہا تھا۔اس کی زبان پر کلمہ کا ورد جاری تھا اور وہ موت کے لیے اتنا ہی تیار تھا جتنا تیر۔۔۔ چلہ چھوٹنے کے بعد حرکت میں آنے کو تیار رہتا ہے۔ وفور شوق میں اس نے دشمن کی صفیں چیر دیں اور انہیں روندتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔اس کی طرف لڑائی کا زور کم تھا۔اس کا گھوڑا اپنے زور میں دوڑتا ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔اشباح نے میدان جنگ کا جائزہ لینے کے لیے ارد گرد نظر دوڑائی۔ نائب سالار محمد بن ہارون کا سبز پرچم اسے دشمن کے نرغے میں نظر آیا۔ در حقیقت اولین حملے

کے بعد محمد بن ہارون دشمن میں دور تک گھس گیا تھا۔اب اگرچہ دشمن کی فوج کئی حصوں میں بٹ چکی تھی مگر اس نے نائب سالار کو گرانے کے لیے اسے پوری طاقت سے گھیر لیا تھا۔ کوئی دو سو مسلمان تھے جو سینکڑوں ہندوؤں میں گھرے ہوئے تھے۔ اگر جلد ہی انہیں گھیرے سے نہ نکالا جاتا تو وہ ختم ہو جاتے۔اشباح نے بے قراری سے دائیں بائیں دیکھا۔اچانک اس کی نظر اپنے دستے پر پڑی۔اس کے دستے کے صحرائی جانباز جو بلاشبہ اسلامی لشکر کے سخت ترین جنگجوؤں میں شمار ہو سکتے تھے، بے عمل کھڑے تھے۔ کسی کم فہم سردار نے انہیں تیر اندازی پر لگا رکھا تھا۔

اشباح کی آنکھوں میں ایک مخصوص عقابی چمک ابھری۔ وہ گھوڑا موڑ کر ٹیلے کے عقب میں پہنچا۔اس نے اپنی زرہ اتاری، آہنی خود اتارا۔ عربی لباس کے نیچے اس کا مخصوص سنہری لباس موجود تھا۔ آستین کے نیچے سے ایک سنہری نقاب نکال کر اس نے منہ پر چڑھایا اور تیزی سے واپس میدان کی طرف بڑھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اویس اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ تیر اندازی میں مصروف تھا۔ وہ سب بڑے بڑے پتھروں کے عقب میں چھپے ہوئے تھے۔ اچانک اویس کی نگاہ سنہری شاہین پر پڑی۔ وہ ایک چٹان کی اوٹ سے برآمد ہو کر برق

رفتاری سے ان کی طرف بڑھا۔اس کا سنہری لبادہ ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا اور ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔اس نے چلا کر ساتھیوں کو آگاہ کیا۔وہ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔اس میں بنو عمار کے افراد بھی شامل تھے اور بنی سفال اور بنی لہب کے بھی۔سنہری شاہین کو دیکھتے ہی ان کے چہروں پر جوش کی سرخی دوڑ گئی۔۔۔کچھ عجیب سا قلبی تعلق ہو چکا تھا انہیں سنہری شاہین کے ساتھ۔اسے سامنے پا کر وہ خطرے سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔ان کے آہنی جسم پھڑ پھڑا اٹھتے تھے۔شریانوں میں خون کی جگہ شوق دوڑنے لگتا تھا اور اس کے ایک اشارے پر وہ موت سے پنجہ آزما ہو جاتے تھے۔

سنہری شاہین ان کے سامنے پہنچ کر ایک لمحے کے لیے رکا۔اپنی بھاری بھر کم آواز میں اس نے انہیں گھوڑے سنبھالنے کا حکم دیا۔وہ گھوڑے سنبھال کر شمع کے پروانوں کی طرح اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔سنہری شاہین نے انہیں ساتھ لیا اور خون گرمانے والی دلیری سے میدان جنگ کے سنگین ترین ہنگامے کی طرف بڑھا۔اس کی قیادت نے حضر موت کے جانبازوں کو شعلہ بدن بنا دیا۔وہ بھڑکے اور موت وحیات سے بے پرواہ ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ان کی تلواروں کی جھنکار اور ولولہ انگیز نعروں کی صدا جب گھرے ہوئے ساتھیوں تک پہنچی تو ان کی ہمت بھی عود کر آئی۔محمد بن ہارون نے پکار کر ساتھیوں کو بھرپور حملے کا حکم دیا۔باہر سے حضر موت کے شہسواروں نے جان لڑا دی۔لمحوں میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔آخر دیوانہ وار لڑتے ہوئے محمد بن ہارون اور سنہری شاہین ایک دوسرے جا ملے۔موت کا گھیرا ٹوٹ چکا تھا۔دشمن کے چنے ہوئے جنگجو اس خونی جھڑپ میں کام آئے اور اس کی ٹوٹی ہوئی ہمت پر ایک اور کاری ضرب لگ گئی تھی۔یہی وہ وقت تھا جب طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک طرف محمد بن قاسم اور دوسری طرف سردار جہم نے ایک طوفانی حملہ کیا

اور دشمن کی فوج کو ٹکڑوں میں بانٹ کر رکھ دیا۔لڑائی کا فیصلہ کن راؤنڈ شروع ہو گیا تھا۔سنہری شاہین نے اپنے شعلہ صفت جوانوں کو ساتھ لیا اور بجلی بن کر دشمن میں کوندنے لگا۔اس نے صفوں کی صفیں الٹ دیں اور لاشوں کے انبار لگا دیئے۔میدان جنگ کے ہر گوشے میں اس نے اپنی جرات کے نشان چھوڑے اور اس تاریخی فتح میں اہم کردار ادا کیا۔جب گرد میں اٹے ہوئے سورج نے لس بیلا کے ٹیلوں میں منہ چھپایا تو شفق کا چہرہ ندامت سے سرخ ہو گیا۔سندھ کے حکمران اپنی پہلی شکست سے دوچار ہونے والے تھے۔

اور پھر چند ہی لمحوں بعد اپنے بیس ہزار کے لشکر پر فخر کرنے والا بھیسم سنگھ بازی ہار چکا تھا۔اس کے لشکری بدکی ہوئی بھیڑوں کی طرح چاروں اطراف بھاگ رہے تھے۔۔۔ان کے خالی گھوڑے اپنے شہسواروں کو ڈھونڈ رہے تھے۔زمین بوس پرچم، اپنے پرچم برداروں کی تلاش میں تھے۔ٹوٹی ہوئی تلواریں شمشیر زنوں کا نوحہ پڑھ رہی تھیں۔خون اگلتے لاشے اپنے ہم رکابوں کی راہ تک رہے تھے۔۔۔دیبل کی پکار پر، عرب کے سرفروش، راجہ دہر کے در دولت پر پہلی "طوفانی" دستک دے چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کا دوسرا پہر تھا۔محمد بن قاسم اور اس کے جواں ہمت ساتھی تھکن سے چور ہونے کے باوجود مصروف عمل تھے۔شہیدوں کی تجہیز و تکفین کے بعد وہ زخمیوں کی مرہم پٹی میں لگ گئے۔میدان جنگ دشمن کے زخمیوں سے پٹا پڑا تھا۔ان کی آہ و پکار سے فضا گونج رہی تھی۔۔۔محمد بن قاسم کی دردمندی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔وہ ایک ایک زخمی کے پاس پہنچتا۔مشعل کی روشنی میں اس کے زخم دیکھتا۔کمرے پر لدے

مشکیزے سے اسے پانی پلاتا اور اپنے ہاتھوں سے مرہم پٹی کرتا۔ فضا محو حیرت تھی، سندھ کا آسماں انگشت بہ دنداں تھا یہ کیسا رحم دل فاتح تھا۔ یہ کیسا دردمند جنگجو تھا۔ وہ اپنے دشمن کے ساتھ بہادری سے لڑتا رہا تھا لیکن اب جبکہ وہ گر چکے تھے اور زخموں سے نڈھال تھے، وہ ساری رنجشیں بھلا کر ان کے درد کا مداوا بن گیا تھا۔ اشباح اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ اسے مترجم بنا کر وہ ہر زخمی کی خیریت دریافت کر رہا تھا اور اسے تسلی دے رہا تھا۔ ایک زخمی کو دیکھ کر اشباح دنگ رہ گیا۔ یہ ایک تنومند نوجوان تھا۔ اس کا آہنی خود گر چکا تھا اور زرہ میں دو تیر اٹکے ہوئے تھے۔ اشباح نے محمد بن قاسم کو عربی میں کہا۔

"سپہ سالار! یہ تو بھیسم سنگھ ہے۔ میں نے اسے میدان جنگ میں دیکھا تھا۔"

ایک اور سردار نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ یہ دشمن کا سپہ سالار ہے۔ مشعلوں کی روشنی میں بغور اس کا چہرہ دیکھا گیا۔ خون زیادہ بہہ جانے سے وہ نیم جان تھا۔ محمد بن قاسم نے اس کے قریب بیٹھ کر بڑی احتیاط سے تیر نکالے اور زرہ کھلوادی۔ بعد ازاں مزید دیکھ بھال کے لیے اسے قلعے پہنچا دیا گیا۔

رات پچھلے پہر تک زخمیوں کی مرہم پٹی کا سلسلہ جاری رہا۔ اشباح فارغ ہوتے ہی نڈھال ہو کر ایک پتھر کے قریب بیٹھ گیا۔ پتھر سے ٹیک لگانے کی دیر تھی کہ نیند آگئی۔ دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو صبح کا اجالا پھیل چکا تھا۔ کسی شخص نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا تھا۔ اشباح نے دیکھا، اویس اس کے سامنے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ بیداری کے ساتھ ہی اشباح کو نماز کا خیال آیا۔ نماز قضاء ہوتے ہوتے بچی تھی۔ اس نے وضو کے لیے ادھر ادھر نگاہ

دوڑائی تو اویس نے کمر سے چھاگل اتار کر اس کی طرف بڑھا دی۔ نماز ادا کرنے کے بعد اشباح نے اویس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ بولا۔

"میں تو تمہیں لاشوں کے درمیان پڑے دیکھ کر ڈر ہی گیا تھا۔ ابھی تک میرے دل کی دھڑکنیں بے قاعدہ ہیں۔"

اشباح نے مسکرا کر بولا۔ "بے قاعدگی تو تمہاری رگ رگ میں رچی ہوئی ہے۔ میں نے کل تمہیں میدان جنگ میں دیکھا تھا۔ تم نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی۔ سر پر یہ بڑا خود تھا۔ پھر آگے پیچھے ڈھال باندھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اتنے ساز و سامان کے ساتھ تم نے تلوار کیا چلائی ہو گی۔"

اویس بولا۔ "تم ہر بات پر روک ٹوک نہ کیا کرو۔ اگر میرے پاس یہ سب چیزیں ہیں تو میں کیوں استعمال نہ کروں۔"

اشباح نے کہا۔ "تمہارے پاس تلوار بھی تو ہے۔ اس کا بھی تو کچھ حق بنتا ہے تم پر؟"

اویس کو یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ وہ بات بدل کر بولا۔ "میں تمہیں ڈھونڈتا ہوا آیا ہوں۔ ابھی سردار جہم تمہیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔۔۔ سپہ سالار نے سرداروں کو مشورے کے لیے بلایا ہے تمہارا نام بھی شامل ہے۔"

اشباح کے چہرے پر فوراً سنجیدگی غالب آگئی۔ اس نے ہتھیار اٹھا کر جسم پر سجائے اور اویس کے ساتھ چل دیا۔

قلعے کے ایک کشادہ کمرے میں دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر نقشے آویزاں تھے۔ دو تین جگہ پانی کی صراحیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں پُر تکلف کرسیاں بھی موجود تھیں۔ لیکن انہیں سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا گیا تھا۔ اسی نوے مسلمان سردار دو قطاروں میں بیٹھے تبادلہ خیال میں مصروف تھے۔ اشباح سلام کر کے ایک جانب بیٹھ گیا۔

سپہ سالار کی مسند خالی تھی۔ اس کا مطلب تھا، ابھی وہ پہنچے نہیں۔ یہ جان کو اشباح کو حیرت ہوئی کہ نشست گاہ میں موضوع گفتگو سنہری شاہین کی ذات ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے میدان جنگ میں داد شجاعت بھی دیتے دیکھا تھا وہ اس کی تعریفیں کر رہے تھے۔ کچھ کا خیال تھا کہ وہ قبیلہ بنو عمار سے تعلق رکھتا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ اس کا تعلق عدن سے ہے۔

ایک کوفی سردار نے کہا۔ "حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے ساتھی بھی اس کے متعلق زیادہ نہیں جانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ لشکر میں شامل نہیں لیکن ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ کبھی کسی نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔"

ایک عمر رسیدہ شخص بولا۔ "یہ تو نا ممکن ہے۔ یقیناً وہ کسی دوسرے روپ میں لشکر کے ساتھ شامل ہو گا۔ ہو سکتا ہے سپہ سالار اس بارے میں جانتے ہوں۔"

ایک شامی نکتہ دان بولا۔ "کہیں وہ کوئی عورت تو نہیں؟"

ایک بوڑھے عربی سردار نے قہقہہ لگایا۔ "برخودار! تو نے اسے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ عورت تو درکنار، ہمارے لشکر میں اس جیسے جوان مرد بھی دس بیس ہی ہوں گے۔"

اچانک ان سب کو خاموش ہو جانا پڑا۔ دروازہ کھلا اور محمد بن قاسم، سردار جہم اور چند دوسرے سرداروں کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا۔ "السلام علیکم" کے جواب میں سب نے "وعلیکم السلام" کہا۔ محمد بن قاسم بے تکلفی سے دو بالشت اونچی مسند پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر شب بیداری کی تھکن تھی۔ لیکن آنکھوں کی پُر اعتماد چمک ماند نہیں پڑی تھی۔ چند گھونٹ پانی پی کر اس نے ساتھیوں سے گفتگو شروع کر دی۔ پہلے، کل کی جنگ کا جائزہ لیا گیا۔۔۔ کوتاہیوں اور کامیابیوں کا ذکر ہوا۔ پھر آئندہ لائحہ عمل تیار کیا جانے لگا۔ نقشوں پر جھکا ہوا، دلائل دیتا اور دلائل سنتا ہوا نوجوان محمد بن قاسم کوئی مشّاق سالار لگتا تھا۔ اس کی گفتگو میں ایسی شیرینی اور روحانی کشش تھی کہ سننے والا از خود قائل ہونے لگتا تھا۔۔۔ فیصلہ ہوا کہ چند روز قیام کے بعد آگے پیش قدمی کی جائے۔ اس دوران تھکے ماندے سپاہیوں کو آرام مل جائے گا اور ایبل کے اندرونی حالات جاننے کی کوشش بھی ہو سکے گی۔ تاکہ دشمن کے کمزور پہلوؤں پر کاری ضرب لگائی جا سکے۔۔۔ نشت کے آخر میں محمد بن قاسم نے ان سرداروں میں نومسلم رومی سردار عبدالناصر (بوہان) بھی تھا۔ محمد بن ہارون کے ساتھ جو دو سو مجاہد لڑائی کے دوران ان کے نرغے میں آ گئے تھے۔ ان میں ناصر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ سائے کی طرح محمد بن ہارون کے ساتھ لگا رہا تھا اور نائب سردار کے جسم پر آنے والے وار اپنی ڈھال پر روکے تھے۔ بعد میں جارحانہ انداز اختیار کر کے اس نے دشمن کے کئی بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس کے جسم پر بھی کئی زخم آئے تھے۔ محمد بن قاسم نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور چند مزید دستے اس کی قیادت میں دیئے۔

آخر میں محمد بن قاسم نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے آپ سب بے حد تھکے ہوئے ہیں اور سخت بھوک بھی لگ رہی ہو گی لہذا صبحانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ کھانے کے بعد آپ لوگ آرام کے لیے جا سکتے ہیں۔"

دودھ، گوشت اور مقامی پھلوں پر مشتمل کھانا، نشست گاہ ہی میں چن دیا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اشباح قلعے سے نکلا تو اویس کو بے قراری سے ٹہلتے پایا۔

"کیا باتیں ہوئیں؟" اس نے حسب عادت چھوٹتے ساتھ پوچھا۔

اشباح نے جوابی سوال کیا۔ "تم کیوں بے چین ہو رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "میری گردن کا پٹھا چڑھ گیا ہے۔ میرا خیال تھا سپہ سالار ایک دو روز آرام کا حکم دیں گے۔"

اشباح مسکرایا۔ "اتنے وزنی خود سے تمہاری گردن کا صرف پٹھا چڑھا ہے، یہی غنیمت ہے۔ ویسے سپہ سالار نے تمہاری خواہش کے احترام میں چند روز قیام کا حکم دیا ہے۔"

اتنے میں اشباح کو کسی نے عقب سے آواز دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ عبدالناصر (بوہان) نشست گاہ سے نکل کر تیز تیز اس کی طرف آ رہا تھا۔ "السلام علیکم" اس نے قریب آ کر خوش اخلاقی سے کہا۔

"وعلیکم السلام" اشباح نے گرمجوشی سے جواب دیا۔ بوہان اٹک اٹک کر عربی بول سکتا تھا۔ اس نے کل کی فتح پر اشباح کو مبارک باد دی اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ اویس ان کی لنگڑی عربی سن کر بہت محظوظ ہو رہا

تھا۔ اسے ناصر جیسے نامی گرامی شہ زور کو بے تکلفی سے "بھائی" کہہ کر پکارنے میں بھی بہت مزا آ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"بھائی عبدالناصر۔۔۔ لشکر میں آپ کی روئیداد بڑی دلچسپی سے سنی جاتی ہے۔ پچھلے جمعے میں شیخ عبدالباسط نے آپ کے مسلمان ہونے کا ایمان افروز واقعہ بیان کر کے حاضرین کی آنکھیں بھگو دی تھیں۔۔۔ میں خود آپ کے حالات زندگی سے بہت متاثر ہوں۔ دل چاہتا ہے آپ پر ایک طویل نظم لکھوں۔ آپ بُرا تو نہیں منائیں گے۔۔۔"

اس پورے فقرے میں صرف "نظم" کا لفظ عبدالناصر کی سمجھ میں آ سکا۔ وہ بولا "نظم۔۔۔ مطلب۔۔۔ شاعر؟"

اشباح سر ہلا کر بولا۔ "جی ہاں۔ یہ شاعر بھی ہے۔ اس کی گردن کا پٹھا چڑھا ہوا ہے ورنہ یہ ابھی آپ کو فارسی اور عربی کی دو سو غزلیں سنا سکتا تھا۔"

اویس نے برا سا منہ بنایا۔ عبدالناصر ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "دلچسپ۔۔۔ دلچسپ" پھر اس نے سنہری شاہین کا ذکر چھیڑ دیا۔ ٹوٹی پھوٹی عربی میں بتانے لگا کہ وہ اسے ملنے کا بہت مشتاق ہے۔ اس سے اپنی سابقہ غلطیوں کی معافی بھی مانگنا چاہتا ہے۔ لیکن افسوس اس کے قریبی ساتھیوں کو بھی اس کا کچھ علم نہیں۔"

عبدالناصر کے انداز گفتگو نے اچانک اشباح کو چونکا دیا۔ اس نے ٹھٹک کر عبدالناصر کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے لگا کہ ناصر کی زبان پر کچھ اور جبکہ دل میں کچھ اور ہے۔۔۔ وہ سناٹے میں رہ گیا تو کیا اب تک جو

کچھ سنا اور کہا گیا تھا، غلط تھا؟ مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے خیال کو جھٹک دیا۔ اپنے ایک نو مسلم بھائی کے بارے میں اسے ایسی بد ظنی کا شکار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عبدالناصر نے اشباح کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھا تو خاموش ہو گیا۔

اسی دوران وہ قلعے کے باہر پڑاؤ میں پہنچ چکے تھے۔ عبدالناصر مصافحہ کرنے کے بعد اپنے خیمے کی طرف چل دیا۔ اشباح بھی کچھ الجھا الجھا سا اپنے خیمے میں آ گیا۔۔۔ ذہن کے ایک گوشے سے مسلسل صدا آ رہی تھی، عبدالناصر کی نیت میں کوئی فتور ہے۔۔۔ وہ دیر تک عبدالناصر کے بارے میں سوچتا رہا۔ کبھی مثبت پہلو سے، کبھی منفی پہلو سے۔ آخر اسے نیند نے آ لیا۔ دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو دوپہر ہو چکی تھی۔ صحرائے تھر کا شعلہ صفت سورج سر پر تھا۔ کمرے میں مسلح آدمی موجود تھے۔ اشباح کے اٹھتے ہی انہوں نے ادب سے کہا۔

"سردار! آپ کو سپہ سالار نے یاد کیا ہے۔۔۔ فوراً"

ان کا انداز دیکھا تو اشباح کی چھٹی حس نے پکار کر کہا۔ "کوئی اہم کام تمہارے سپرد ہونے والا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خیمے سے نکل کر اشباح، محمد بن قاسم سے ملنے چل دیا۔ راستے میں وہ ایک اہم مسئلے پر سوچتا جا رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے سالار سے کچھ نہ چھپائے۔ سنہری شاہین کا راز جو اس نے آج تک یاسر کے سوا کسی کو نہیں بتایا۔ اپنے محبوب قائد کو بتا دے۔۔۔ خیموں کی بھول بھلیوں سے ہوتا وہ قلعے میں داخل ہوا اور پہریداروں کو شناخت کرانے کے بعد اندرونی حصے میں پہنچ گیا۔ محمد بن قاسم اپنے کمرے میں موجود تھا۔ لکڑی کی ایک

منقش چوکی کے پاس بیٹھا۔ وہ اپنے چچا حجاج بن یوسف کو خط لکھ رہا تھا۔ اشباح کو دیکھ کر اس نے قلمدان ایک طرف رکھ دیا۔

"آیئے اشباح!" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اشباح نے قدرے جھک کر مصافحہ کیا اور چوکی کے قریب گدے پر بیٹھ گیا۔ محمد بن قاسم نے کہا۔ "میں نے آپ کو ایک اہم مسئلے پر گفتگو کے لیے بلایا ہے۔ آپ فارغ ہیں نا؟"

اشباح نے کہا۔ "سپہ سالار کے حکم سے بڑھ کر میرے لیے اور مصروفیت کیا ہو گی، لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟" محمد بن قاسم نے پوچھا۔

اشباح بولا۔ "قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ سے پہلے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "آپ جو کہنا چاہتے ہیں، برملا کہیے۔ یہ کمرہ ہر قسم کی گفتگو کے لیے محفوظ ہے۔"

اشباح کچھ دیر احتیاط سے لفظوں کا انتخاب کرتا رہا۔ پھر بولا۔ "بہتر ہوا آپ نے مجھے یاد فرمایا۔ ورنہ شاید آج کسی وقت میں خود آپ سے ملنے کا خواہشمند ہوتا۔ دراصل۔۔۔ میں آپ سے سنہری شاہین کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ضرور!" محمد بن قاسم نے اپنی پوری توجہ سمیٹتے ہوئے کہا۔

اشباح بولا۔"سالار محترم! سنہری شاہین کے بارے میں لوگ ہمیشہ سے تجسس کا شکار رہے ہیں، لیکن سنہری شاہین کوئی زندہ کردار نہیں۔۔۔صرف ایک روپ ہے۔ایسا روپ جو حضر موت کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے اور صحرائی بستیوں میں لوگ اسے اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔اس کردار کی ابتداء ایک شخص کی مجبوری سے ہوئی تھی مگر اب یہ مجبوری سینکڑوں ہزاروں انسانوں کی ضرورت بن چکی ہے۔وہ اس کردار سے پیار کرتے ہیں۔اسے خوابوں میں سجاتے ہیں اور اس سے توقعات وابستہ کرتے ہیں۔میں آپ کو پہیلیوں میں الجھانا نہیں چاہتا۔یہ کردار درحقیقت میں خود ادا کرتا ہوں۔"

آخری فقرے کی سرسراہٹ کمرے میں گونج کر رہ گئی۔تجسس کا طلسم ایک چھناکے سے ٹوٹا اور اس کے ساتھ ہی اشباح کے ذہن سے جیسے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔محمد بن قاسم کے ہونٹوں پر ایک مطمئن مسکراہٹ کھیل گئی۔وہ بولا۔

"اشباح! آپ نے میرے خیال کی تصدیق کی ہے۔نہ جانے کیوں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ حضر موت کے سنہری شاہین کے پیچھے آپ کی ذات ہے۔میں آپ کی جرات اور دلیری کی داد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کی ہمہ صفت شخصیت ہماری مسافتوں کی ساتھی رہے گی۔"اشباح "شکریہ" کے سوا کچھ نہ کہہ سکا۔ محمد بن قاسم نے کہا۔"کیا میں جان سکتا ہوں کہ کس مجبوری نے آپ کو یہ روپ دھارنے پر مجبور کیا؟"

اشباح نے کہا۔"میرے ماضی نے۔۔۔جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میرا باپ ہندوستانی تھا۔میں عرب کے جس حصے میں آباد ہوں وہاں عربی عجمی کا تصور پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔ایک غیر عربی ہونے کے سبب میں اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت کے قابل نہ تھا۔وہ میری سرداری کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔"

محمد بن قاسم بہت جلد بات کی تہہ تک پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمودار ہوئے۔وہ بولا۔

"کاش ہم کلمہ پڑھنے کے بعد اس کے مفہوم کو بھی سمجھ سکیں۔اشباح۔۔۔میرے بھائی اپنے ہموطنوں کی جانب سے میں شرمندہ ہوں۔کاش ہم زمانہ جاہلیت کے تصورات اپنے ذہنوں سے نکال کر ایک انسان کو صرف ایک انسان کے طور پر پرکھ سکیں۔۔۔مگر میرے بھائی۔آپ کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔تمام لوگ ایک جیسے نہیں۔برائی کا تناسب کم ہے اور انشاءاللہ بہت جلد اس پر نیکی غالب آئے گی۔پھر کسی اشباح کو اپنا چہرہ نقاب میں چھپانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔۔۔اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آج ہی سب کے سامنے آپ کی اصل حیثیت کا اعلان کرتا ہوں۔"

اشباح کے چہرے پر بے قراری نظر آئی۔وہ بولا۔"محترم سپہ سالار، میں فی الحال ایسا نہیں چاہتا۔اس کی کئی وجوہ ہیں۔ایک اہم وجہ تو آپ کو بتا چکا ہوں۔میرے علاقے یعنی حضر موت کے لوگوں کو "سنہری شاہین" سے ایک روحانی وابستگی پیدا ہو چکی ہے۔خاص طور پر میدان جنگ میں وہ اس کردار سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ایک دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ مجھے محسوس ہو رہا ہے، اس لشکر میں سنہری شاہین کے کچھ دشمن

موجود ہیں۔ سنہری شاہین کا راز کھلنے سے انہیں بے حد فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ میں مختصراً یہ کہوں گا کہ سنہری شاہین کے روپ میں ان شاءاللہ میں اسلامی لشکر کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوں گا۔"

محمد بن قاسم کچھ دیر ستائشی نظروں سے اشباح کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنی کمر سے منقش دستے کی پیش قبض کھولی اور اپنے ہاتھ سے اشباح کی کمر سے باندھ دی۔

"اشباح! میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ خدا آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔"

اشباح کی آنکھوں میں آنسو چمک گئے۔ اس نے لرزاں آواز میں کہا۔ "سپہ سالار! میری جان میدان جنگ کی امانت رہے گی اور میں اس امانت کو لوٹانے کے لیے آپ کے اشارے کا منتظر رہوں گا۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "آپ جیسے ساتھیوں کے تعاون سے ہم ان شاءاللہ بہت جلد دشمن کو زیر کریں گے۔"

اشباح نے کہا۔ "سپہ سالار! آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا۔"

محمد بن قاسم نے چونکتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔۔۔ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو کسی مہم پر دیبل بھیجنے کا فیصلہ کیا جائے تو آپ کی رائے کیا ہوگی۔"

اشباح نے دو قدم آگے بڑھ کر ہاتھ تلوار کے دستے پر رکھا اور بولا۔ "میری رائے دریافت فرما کر مجھے شرمسار نہ کیجیے۔ میرے بس میں ہوا تو اپنا دل نکال کر آپ کے سامنے رکھ دوں۔ بخدا میرے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہوگی۔"

شوق اور جذبے کی فراوانی سے اشباح کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ محمد بن قاسم کچھ دیر پُر سوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گیا۔ اس نے خادم کو آواز دی اور اشارے سے کچھ کہا۔ چند لمحے بعد چار مسلح سپاہی ایک ہندو نوجوان کو دھکیلتے اندر داخل ہوئے۔ وہ کسی خوشحال گھرانے کا برہمن زادہ تھا لیکن اس وقت نہایت خستہ حالت میں تھا، لباس پھٹا ہوا، ہاتھ پشت سے بندھے ہوئے، چہرے پر چوٹوں کے نشان اور سر جھکا ہوا۔ محمد بن قاسم نے کہا۔

"یہ شخص کل دیبل کے راستے پر پکڑا گیا ہے۔ اسے کسی گھر میں مہمان اترنا تھا۔ اب اس کی جگہ دیبل کا باقی سفر آپ کو طے کرنا ہے۔"

اپنی نئی منزل کے تصور سے اشباح کی آنکھوں میں سنہری عقاب پھڑ پھڑا اٹھا۔

محمد بن قاسم نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا۔ وہ گیا اور پٹ سن کا ایک تھیلا اٹھا لایا۔ محمد بن قاسم کے حکم پر اس نے تھیلا کھولا۔ اس میں سے شیشے کی کچھ چھوٹی چھوٹی بوتلیں برآمد ہوئیں۔ اس کے علاوہ جنوبی علاقے کے کچھ پھل بھی تھے۔ محمد بن قاسم نے کہا۔

"یہ شخص کالی کٹ کا رہنے والا ہے۔ اس کا نام پردیپ کمار ہے اور باپ کا نام بدری نرائن۔ بدری نرائن ایک وید (ہندو طبیب) ہے۔ کوئی ایک ماہ پہلے اسے دیبل سے یہ خط موصول ہوا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے محمد بن قاسم نے ایک میلا کچیلا لفافہ اشباح کی طرف بڑھا دیا۔ اشباح نے خط کھولا۔ یہ بدری نرائن کے ایک دیرینہ دوست تلسی داس کی طرف سے تھا۔ تلسی داس نے لکھا تھا۔

"پیارے بدری! نمستے، امید ہے تم خیریت سے ہو گے۔ شاید تمہیں یاد ہو تمہاری پہلی ملاقات، تھانہ کی بندرگاہ پر پچھلی گرمیوں میں ہوئی تھی۔ تمہارے ساتھ گزارے ہوئے وہ چند دن میں آج تک نہیں بھلا سکا۔ حسب وعدہ میں نے تمہیں تین خط بھی لکھے لیکن تمہاری طرف سے جواب نہیں آیا۔ تمہیں یاد ہو گا، میں نے تم سے اپنی ودوا (بیوہ) بیٹی کا ذکر کیا تھا۔ وہ ابھی تک بیمار ہے۔ اب تو اس کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جلد ہی دیبل آؤ گے اور خود اس کا علاج کرو گے۔

بھگوان جانتا ہے، میں دل سے تم پر وشواس کرتا ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے مصروف جیون میں سے چند دن نکال کر دیبل چلے آؤ۔"

اشباح نے خط پڑھنا شروع کیا۔ "پیارے تلسی داس، بے حد افسوس ہے کہ میں تمہارے پہلے خطوں کے جواب نہ دے سکا۔ در حقیقت میں خود بیمار ہوں۔ جوڑوں کا پرانا درد شدت اختیار کر گیا ہے۔ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ کبھی علاج کرنے والا بھی بیمار ہو جاتا ہے اور پھر بڑھاپا تو خود سب سے بڑی بیماری ہے۔ لہذا شما کرنا، میں آنے سے قاصر ہوں۔ اپنی جگہ بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ یہ بھی ہندی طریقہ علاج کے بارے سب کچھ جانتا ہے۔ تمہیں مایوس نہیں کرے گا، میری صحت کے لیے پراتھنا کرنا۔۔۔"

اشباح خط پڑھ چکا تو محمد بن قاسم نے پوچھا۔ "آپ کیا سمجھے؟"

اشباح نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ نوجوان ہی بدری نرائن کا بیٹا ہے۔ جیسے اس نے اپنے دوست کی بیوہ بیٹی کے علاج معالجے کے لیے دیبل بھیجا ہے اور یہ دونوں خط اس کے پاس سے ملے ہیں۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "آپ بالکل درست سمجھے۔" پھر اس نے اشارہ کیا۔ سپاہی ہندو نوجوان کو باہر لے گئے۔

محمد بن قاسم پُر سوچ لہجے میں گویا ہوا۔ "تلسی داس اس نوجوان کو صورت سے نہیں جانتا۔ جو بھی یہ خطوط لے کر اس کے پاس پہنچے گا، اسے ہی پردیپ سمجھا جائے گا۔"

اشباح نے کہا۔ "سالار محترم میں آپ کا مطلب بخوبی سمجھ رہا ہوں۔ میں اسی وقت دیبل روانگی کو تیار ہوں، لیکن میں۔۔۔"

"لیکن کیا۔۔۔؟"

اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اپنے ساتھی کو ہمراہ لے جانا چاہوں گا۔"

"وہ کون ہے؟"

"اس کا نام اویس ہے۔ وہ جڑی بوٹیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ اگر مجھے کوئی مشکل پیش آئی تو وہ مدد کر سکے گا۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "لیکن وہ تو عربی ہو گا۔"

اشباح بولا۔"جی ہاں، ہے تو عربی۔۔۔ مگر میں اسے اپنے گونگے خادم کے طور پر ساتھ رکھ سکتا ہوں۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"

پھر وہ اشباح کو دیبل میں اس کی اہم ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے لگا۔پوری تفصیل بتانے کے بعد آخر میں اس نے کہا۔"اشباح! آپ ایک نہایت نازک اور پُر خطر مہم پر جا رہے ہیں۔اس وقت دیبل کی انتظامیہ پوری طرح چوکنا ہے۔اجنبیوں اور مسافروں پر گہری نگاہ رکھی جا رہی ہو گی۔آپ کو ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہو گا۔"

اشباح نے کہا۔"سپہ سالار ان شاءاللہ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔میری زندگی اور موت اسلام کی سر بلندی کے لیے ہو گی۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔"آپ نیچے تہہ خانے میں چلے جائیں، وہاں پر دیپ کمار سے مفصل بات چیت کریں تاکہ اس کے روپ میں آپ کو کوئی دشواری پیش نہ آئے۔میں آپ کی روانگی کے انتظامات کرتا ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔جب اشباح اور اویس دیبل کے نواح میں پہنچے۔اشباح کے پاس پر دیپ کا گھوڑا تھا۔جب کہ اویس ایک ہندوستانی خچر پر سوار تھا۔دونوں مقامی لباس میں تھے۔اشباح نے یک لمبا چغہ نما کرتہ پہن رکھا تھا۔نیچے تنگ پائجامہ اور سر پر پگڑی تھی۔ہندوستانی کٹار اس کی کمر سے بندھی تھی۔اویس نے عمانی خادموں کا سا حلیہ بنا رکھا تھا اور اس حلیے میں خوب جچ رہا تھا۔جوں جوں شہر پناہ کا دروازہ قریب آ رہا تھا ان کی

دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔بخیریت شہر میں داخل ہونا ان کی مہم کا پہلا مرحلہ تھا۔وہ دروازے سے گزرنے لگے تو چوکس محافظوں نے انہیں روک لیا۔وہ اشباح اور اویس کو بغور دیکھنے لگے۔شاید انہیں کچھ شبہ ہو گیا تھا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"ایک زرہ پوش محافظ نے سختی سے پوچھا۔

"کالی کٹ سے۔"اشباح نے نہایت اعتماد سے ہندوستانی میں جواب دیا۔

"تمہارے ساتھ یہ عربی کون ہے؟"

"عربی نہیں، عمانی ہے حضور، میرا خادم ہے۔"

"شہر میں تمہیں کس کے پاس جانا ہے؟"

جواب میں اشباح نے جیب سے دیدبدری نرائن کا خط نکال کر سامنے کر دیا۔اس پر پتہ بھی موجود تھا۔خط کا معائنہ کر کے محافظ نے سر ہلایا اور اشباح کے لباس کی تلاشی لی۔بعد ازاں اویس کو بھی تلاشی کے مرحلے سے گزارا گیا۔آخر نہایت چھان پھٹک کے بعد انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔

دیبل کی سہمی ہوئی شب کسمسا کر بیدار ہو رہی تھی۔گلیوں اور بازاروں میں چراغ روشن، لیکن چہرے بجھے ہوئے تھے۔ہر آنکھ میں ایک طرح کی تشویش لہرا رہی تھی۔لوگ ہنس بول بھی رہے تھے، مگر لہجوں کا کھوکھلا پن عیاں تھا۔جا بجا برچھی بردار مسلح پہریدار گھومتے نظر آتے تھے۔آہنی ٹوپیوں کے نیچے ان کی چمکتی نگاہیں

ہر راہ گیر کو گھورتی تھیں۔ ایک جگہ بہت بڑا چبوترہ تعمیر کیا جا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ چند روز بعد یہاں مہاراجہ کو جنتا سے خطاب کرنا ہے تاکہ لوگ خود کو آنے والی آزمائش کے لیے تیار کر سکیں۔

اشباح اور اویس مختلف بازاروں سے ہوتے شہر کے جنوبی حصے میں جا نکلے۔ یہاں ایک بہت بڑے مندر کے سامنے لوگوں کا ہجوم تھا۔ سینکڑوں مرد، عورتیں پراتھنا میں مصروف تھے۔ گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ بھجن گائے جا رہے تھے۔ مندر کی چوٹی ایک بڑے کلس کی شکل میں تھی۔ اس کلس پر سرخ رنگ کا ایک دیو ہیکل جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہاں اشباح نے ایک دو افراد سے اپنے میزبان کا پتہ پوچھا اور آخر ایک کشادہ نیم روشن گلی میں داخل ہو گیا۔ چند ہی لمحے بعد وہ ایک شاندار مکان کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ یا اویس دروازے پر دستک دیتے، اچانک دروازہ کھلا اور سیاہ رنگت کا ایک خادم نما شخص بدحواسی کے عالم میں باہر نکلا۔ اشباح نے اسے مخاطب کرنا چاہا مگر وہ سنی ان سنی کرتا تیز قدموں سے ایک طرف نکل گیا۔ دریں اثناء ایک اور شخص اسی کیفیت میں باہر نکلا اور یہ ادھیڑ عمر کا توانا شخص تھا۔ شکل اور لباس سے گھر کا مالک لگتا تھا۔ اشباح نے اسے مخاطب کرنا چاہا مگر وہ سخت جھلایا ہوا تھا۔ اشباح کا ہاتھ جھٹک کر وہ آگے بڑھا تو اشباح نے لپک کر اس کا راستہ روک لیا۔

"شما چاہتا ہوں جناب۔" اس نے سنسکرت میں شائستگی سے کہا۔ "شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں، میں بدری نرائن کا بیٹا ہوں، کالی کٹ سے آیا ہوں۔"

"کون بدری نرائن؟" ادھیڑ عمر شخص نے کہا۔ پھر ایکدم چونک گیا۔ حیرت زدہ نگاہ اشباح پر ڈالی اور بولا۔ "تم ۔۔۔ تم بدری نرائن کے بیٹے ہو؟"""

"جی ہاں"

"وہ ۔۔۔ خود کہاں ہے؟"

اشباح نے کہا۔ "آپ اندر چلیں، میں اطمینان سے سب کچھ بتاتا ہوں۔"

"اطمینان ۔۔۔ اطمینان ہمارے بھاگ میں کہاں۔" تلسی داس روہانسے لہجے میں بولا۔ "ہائے میری قسمت۔"

"کیا ہوا چچا جان؟" اشباح نے ہمدردی سے پوچھا

"اب میں تمہیں کیا بتاؤں بیٹا۔ بدری نرائن خود آتا تو بات بھی تھی ۔۔۔ وہی میری بیٹی کا مسئلہ ہے۔ آج پھر اس پر دورہ پڑا ہے۔"

اشباح ایک لمحے کے لیے گھبرایا پھر بولا۔ "چچا جان! مجھے پتا جی نے اسی خاطر بھیجا ہے۔ آپ مجھے ان کے پاس لے چلیں۔" یہ کہتے ہوئے اشباح نے دونوں خط تلسی داس کے ہاتھ میں دے دیئے۔

تلسی داس نے ایک نظر خطوں کو اور دوسری نظر اشباح کو بغور دیکھا، پھر اسے ساتھ لے کر تیز قدموں سے مکان میں داخل ہوا۔ دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں سے آراستہ کمروں سے گزر کر وہ ایک کشادہ کمرے میں

داخل ہوئے۔ایک خوبصورت چھپر کٹ کے نیچے گاؤتکیے کے سہارے ایک عورت نیم دراز تھی۔اوڑھنی اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی لہذا اشباح اس کی صورت اس وقت دیکھ سکا جب وہ گھوم کر سامنے آیا۔اسے چونکنا پڑا۔اس کے تصور میں تلسی داس کی بیوہ بیٹی کوئی پختہ عمر خاتون تھی۔لیکن یہاں تو ایک نوعمر حسین لڑکی دراز تھی۔اس کے حسن سادہ کی چکاچوند نے ایک لمحے کے لیے اشباح کو مبہوت کر دیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے آنکھیں جھکالیں۔ایک لمحہ توقف کے بعد اس کی نگاہیں جب دوبارہ اٹھیں تو وہ صرف ایک معالج کی نگاہیں تھیں۔اس نے دیکھا لڑکی کا خوبصورت چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہے اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر اپنی بے جان آنکھوں سے ایک رخ پر دیکھ رہی ہے۔اس کے ہونٹ اس قدر سفید ہو گئے تھے کہ دیکھ کر خوف محسوس ہوتا تھا۔

اشباح نے اپنا تھیلا کھول کر لڑکی کے سرہانے رکھا اور آہستگی سے بولا۔"چچا جان ان کنیزوں کو باہر بھیج دیں اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو کچھ دیر کے لیے خود بھی تشریف لے جائیں۔"

گھبرائے ہوئے تلسی داس نے معمول کی طرح ان کی ہدایات پر عمل کیا۔ذرا ہی دیر میں کمرہ خالی ہو گیا۔اشباح نے قریب جا کر غور سے لڑکی کا چہرہ دیکھا۔نہایت باریکی سے اس نے لڑکی کی نگاہ کا تعاقب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی ہے۔وہاں پھولوں کی ایک بیل اور ایک پنجرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔پنجرہ پیتل کا بنا ہوا تھا اور اس میں ایک خوبصورت مینا پھڑپھڑا رہی تھی۔یکایک اشباح کو احساس ہوا کہ لڑکی پنجرے ہی کی طرف دیکھ رہی ہے۔اس نے اویس سے کہہ کر پنجرہ وہاں سے اٹھوا دیا۔پنجرے کا ہٹنا تھا کہ لڑکی کے بے روح چہرے پر زندگی کے آثار نظر آئے۔اس کے ہونٹ تھرائے اور شفاف آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی

جھڑنے لگے۔اس نے جیسے کسی سہارے کی تلاش کے لیے ہوا میں ہاتھ لہرائے۔اشباح نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔لڑکی کا پورا جسم لرزاں تھا اور ہتھیلیاں برف ہو رہی تھیں۔اشباح دھیرے دھیرے اس کی ہتھیلیاں سہلانے لگا۔ایک آہ کے ساتھ جیسے وہ حواس میں آ گئی۔

کھڑکی سے باہر شب کا ریشم سیاہ دھند کی طرح پھیل رہا تھا۔کمرے میں نہایت قیمتی شمعدان روشنی بکھیر رہا تھا۔اس روشنی میں لڑکی نے خوابناک نگاہوں سے اشباح کا چہرہ دیکھا اور دیکھتی چلی گئی۔اچانک ہی زندگی پوری رعنائیوں کے ساتھ اس کے حسین چہرے پر جلوہ گر ہو گئی۔اس کا ہاتھ اشباح کے مساج سے تپنے لگا۔آئینہ رخساروں کے نیچے شعلے ہویدا ہوئے اور ہونٹوں کے دیئے جل اٹھے۔چند لمحے یونہی گزرے تب یکایک اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، پھر ایک میکانکی عمل کے ساتھ سفید اوڑھنی کا پلو سر پر رکھ لیا۔

"کک کون ہیں آپ؟"اس نے شائستگی سے پوچھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کمرے میں اویس کی موجودگی کا احساس ابھی تک نہیں ہوا۔

اشباح نے اویس کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر تلسی داس کو بلا لایا۔تلسی داس کے آتے ہی سارے اہل خانہ بھرمار کر اندر گھس آئے۔ان میں ایک ادھیڑ عمر خاتون سب سے آگے تھی۔لڑکی "ماتا جی" کہہ کر اس سے لپٹ گئی اور سسکنے لگی۔

اسی رات اشباح علیحدہ کمرے میں تلسی داس سے کہہ رہا تھا۔ "آپ خواہ مخواہ میری تعریفیں کر رہے ہیں۔ یقین مانیے آپ کی بیٹی ایک پنجرہ ہٹانے سے ہوش میں آگئی تھی۔ میں نے ابھی تک انہیں کوئی دوائی نہیں کھلائی۔"

پنجرے کے ذکر پر تلسی داس سوچ میں ڈوب گیا۔ کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے تم درست کہہ رہے ہو۔ اس سے پہلے بھی مجھے شک ہوا تھا کہ آشا کی طبیعت یہ پنجرہ دیکھنے کے بعد زیادہ بگڑ جاتی ہے۔ شاید کسی نے جادو وادو کر رکھا ہے۔ میں نے اس کی ماتا سے کہا بھی تھا کہ اس پنجرے کو یہاں سے دفع کرو، لیکن وہ نہیں مانی۔۔۔ خیر اب بھگوان نے چاہا تو وہ پنجرہ کبھی آشا کے سامنے نہیں آئے گا۔"

اشباح نے کہا۔ "ایسا کر کے آپ یقیناً آشا دیوی کے ذہن پر بوجھ کم کریں گے۔"

تلسی داس انکساری سے بولا۔ "بیٹے میں آشا کو مکمل طور پر تندرست دیکھنا چاہتا ہوں۔ جتنی بھی رقم خرچ ہو، پرواہ نہیں۔ تم اس کا مکمل علاج کرو۔"

اشباح نے کہا۔ "چچا جان! میں نے آپ کو ناراض کر کے پتاجی سے اپنے کان نہیں کھچوانے۔ انہوں نے مجھے آپ سے تسلی کا خط لانے کو کہہ رکھا ہے۔"

تلسی داس مسکرایا۔ "پردیپ! تم بڑی دلچسپ باتیں کرتے ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین چار روز کے اندر اشباح اس گھرانے سے بہت حد تک گھل مل گیا۔ آشا کے ماتا پتا اسے گھر کے فرد کی طرح سمجھنے لگے۔ آشا تو سائے کی طرح اس کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ پردیپ کے روپ میں اشباح کی ذاتی شرافت اور اعلیٰ ظرفی چھپی نہیں رہی تھی۔ اس کے حسن اخلاق نے سب کو گرویدہ کر لیا تھا۔ حالانکہ آشا ایک نوجوان بیوہ تھی اور وہ ایک اجنبی مرد تھا۔ مگر تلسی داس نے آشا پر کوئی قدغن نہیں لگائی تھی۔ وہ آزادانہ اس سے ملتی تھی۔ گزرنے والے ہر دن کے ساتھ اس کا چہرہ شاداب اور لہجہ زندگی سے معمور ہوتا جا رہا تھا اور یہی بات اس کے ماتا پتا کے لیے اطمینان بخش تھی۔ آشا کے لیے ایک عجیب طرح کی ہمدردی اشباح کے دل میں بھی پیدا ہوئی تھی۔ وہ بیچاری کنواری بیوہ تھی۔ عمر صرف اٹھارہ برس تھی۔ رخصتی سے پہلے ہی اس کا دولہا راہی عدم ہو گیا تھا۔

اشباح کو دیبل میں آئے اب پانچ روز ہو چکے تھے۔ ایک شام جب گھر کی غلام گردشوں میں چراغ روشن ہو رہے تھے، آشا کا چھوٹا بھائی دیپک بھاگتا ہوا آیا۔ اس کی عمر آٹھ، نو برس تھی۔ کہنے لگا۔

"بھیا آپ کو دیدی بلا رہی ہیں۔"

اشباح نے کمرے سے باہر دیکھا تو آشا کھڑی تھی۔ وہ ہر وقت کھدر کی سفید ساڑھی پہنے رکھتی تھی، لیکن اس سادگی میں بھی اس کا حسن بادلوں کے چاند کی طرح چھلک چھلک جاتا تھا۔ آج اس نے بالوں کی لمبی چوٹی گوندھ کر موتیے کے پھول بھی ٹانکے ہوئے تھے۔ شاید کہیں جانے کی تیاری تھی۔ اشباح اس کے پاس پہنچا تو بولی۔

"آیئے آج شہر کی سیر کریں۔ کالی ماتا کے مندر کے پچھواڑے ایک بڑا میلہ لگا ہوا ہے۔ خوب رونق ہو گی۔"

اشباح کیسے انکار کر سکتا تھا۔ وہ تو خود شہر میں گھومنا چاہتا تھا تاکہ اس کا محل وقوع اچھی طرح دیکھ سکے۔ وہ روانہ ہوئے تو اوس بھی ساتھ ہو لیا۔ ایک گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر وہ شہر کے مصروف چوراہے میں پہنچے۔ شاہی گھڑ سوار دستے ادھر اُدھر گھومتے نظر آ رہے تھے۔ کبھی کبھار کسی رئیس کا سجا سجایا ہاتھی بھی جھومتا گزر جاتا تھا۔ خوش پوش امراء اپنی آراستہ رتھوں پر سوار اور غریب اچھوت اپنی بے چارگی کا بوجھ اٹھائے اپنے اپنے راستوں پر رواں تھے۔ لیکن فضا میں کچھ عجیب طرح کی سراسیمگی پائی جاتی تھی۔ کہیں کہیں لوگ ٹولیوں کی صورت میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ جب گھوڑا گاڑی میلے کے مقام پر پہنچی تو آشا کو ٹھٹک جانا پڑا۔ وہ گہما گہمی اور ہنگامہ خیزی جو اس میلے کی پہچان تھی کہیں دکھائی نہ دیتی تھی۔ بس اکا دکا لوگ اپنی دکانیں بند کرنے میں مصروف تھے۔ آشا کی ہدایت پر گاڑی بان نے نیچے اتر کر ایک آدمی سے کچھ بات چیت کی اور پھر خوفزدہ چہرہ لیے گاڑی میں واپس آ گیا۔

آشا نے چونک کر پوچھا۔ "کیا بات ہے سیوک رام؟"

سیوک رام نے تھوک نگلا، پھر سرگوشی میں بولا۔ "دیوی جی! مسلمان فوجی تیزی سے شہر کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کے ہراول دستوں نے فصیل کا محاصرہ بھی کر لیا ہے۔"

یہ خبر آشا کے لیے روح فرما، جبکہ اشباح کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ آشا نے اپنی ہرنی جیسی سیاہ آنکھوں سے اشباح کو دیکھا۔

"ہائے رام! اب کیا ہو گا؟"

اشباح نے کہا۔ "گھبراؤ نہ آشا۔ ہمارے سپوت اپنی جانوں کے بلیدان دے کر دشمن کو عبرتناک شکست دیں گے۔" اتنے میں ایک خچر سوار نے گاڑی بان سیوک کو دیکھ کر ہانک لگائی۔

"او سیوک! چوک میں آج مہاراجہ ایک بھاشن دے رہے ہیں۔ بہت بڑا جلسہ ہو گا۔"

آشا کا بھائی دیپک جو حالات کی نزاکت سے بے خبر تھا، لہک کر بولا۔ "ہم بھی جلسہ دیکھنے جائیں گے۔"

"تم آرام سے بیٹھو۔" آشا نے اسے ڈانٹا۔

اشباح خود بھی وہاں جانا چاہتا تھا۔ اس لئے دیپک کے دفاع میں بولا۔ "آشا! حوصلہ رکھو۔ ابھی خطرے کی کوئی بات نہیں۔ مسلمان حملے میں اتنی جلدی نہیں کریں گے اور آج تو مہاراجہ کا بھاشن سننے والا ہو گا۔ میرا خیال ہے ہمیں جانا چاہیے۔"

اشباح کی رائے آشا کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ خاموش ہو گئی۔ اشباح بولا۔ "اگر آپ نہ جانا چاہیں تو ہم آپ کو گھر اتارتے جاتے ہیں۔"

وہ بے چینی سے بولی۔ "نہیں اگر آپ ساتھ ہیں تو پھر میں بھی چلوں گی۔"

اشباح نے گاڑی بان کو جلسہ گاہ چلنے کا حکم دیا۔ گاڑی بان نے گھوڑوں کا رخ بدل کر چابک لہرایا اور گاڑی ہوا کر دی۔ دیبل کی مختلف سڑکوں سے ہوتے وہ جلسہ گاہ میں پہنچے تو حیران رہ گئے۔ ہزاروں افراد کا ٹھاٹھیں مارتا

سمندر سامنے تھا۔ کافوری مشعلوں اور گیس کے ہنڈولوں نے جلسہ گاہ میں دن کا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ چند روز پہلے جو زیرِ تعمیر چبوترہ اشباح اور اویس نے دیکھا تھا۔ وہ اب دبیز قالیوں سے ڈھکا ہوا تھا اور اس پر بیش قیمت کرسیاں ترتیب سے پڑھی تھیں۔ جلسے کی کارروائی شروع ہونے ہی والی تھی۔ لوگ وقفے وقفے سے پُرجوش نعرے بلند کر رہے تھے۔ آخر کچھ دیر بعد چبوترے پر ہلچل نظر آئی اور راجہ داہر پورے کروفر کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ گیس کے ہنڈولوں میں اس کا گراں قیمت لباس دمک رہا تھا۔ پگڑی پر سچے موتیوں کی جھالریں تھیں اور ایک لمبی تلوار اس کی کمر سے بندھی تھی۔ اس کے پہلو میں اس کا جوان بیٹا اجے سنگھ تھا۔ راجہ کے دائیں بائیں مسلح محافظ چوکس کھڑے تھے اور عقب میں حسین خادماؤں کا جھرمٹ تھا۔

چند دوسری تقریروں کے بعد راجہ داہر نے اپنی تقریر شروع کی۔ وہ مسلمان فوج کے خلاف اہلِ شہر میں جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن زبان اتنی گھٹیا اور زہریلی تھی کہ اشباح کے سینے میں آگ بھڑکنے لگی۔ اس کا جی چاہا وہ اس دشنام طراز شخص کا گلا گھونٹ دے۔ دوسری طرف اویس کی حالت بھی مختلف نہیں تھی۔ مسلمانوں کے خلاف داہر کی زہر فشانی اسے بھی مشتعل کر رہی تھی۔ اس کا گول مٹول چہرہ شدت جذبات سے انگارہ ہو رہا تھا۔ آشا، دیپک اور سیوک رام کی کیفیت برعکس تھی۔ وہ خوش ہو رہے تھے اور تالیاں پیٹ رہے تھے۔ ایک بار تو اشباح نے سنجیدگی سے سوچا کہ وہ راستہ بناتا ہوا آگے جائے اور چبوترے پر پہنچ جائے۔ اگر کسی طرح وہ راجہ تک رسائی حاصل کر لیتا تو ایک ہی وار میں اس کا قصہ پاک کر سکتا تھا مگر اس تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ وہ محافظوں میں گھرا ہوا تھا۔ ویسے بھی یہ کچھ اس کے فرائض میں شامل نہیں تھا، اسے سپہ سالار کے حکم پر چلنا تھا۔

جب داہر کی تقریر نقطہ عروج پر تھی اور سامعین پوری طرح مگن تھے، اشباح نے آشا کی طرف جھک کر کہا۔

"آشا مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں پانی پی کر آتا ہوں۔"

آشا نے جلدی سے اس کا بازو تھام لیا۔ "نہیں! میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔"

اشباح نے کہا۔ "سیوک تمہارے ساتھ ہے اور اویس بھی ہے۔ ابھی آجاتا ہوں۔ لوگوں کی بھیڑ سے تمہارا پیدل گزرنا ٹھیک نہیں۔"

آشا کا دھیان اپنے سراپا کی طرف چلا گیا اور اس نے جھینپ کر نگاہیں جھکا لیں۔

اشباح نے خاموشی سے اویس کا ہاتھ دبایا اور ہجوم میں راستہ بناتا آگے بڑھنے لگا۔ کافی تگ و دو کے بعد جلسہ گاہ سے نکلنے میں کامیاب ہوا۔ دور اس مندر کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ جہاں چند روز پہلے اس نے لوگوں کو پوجا پاٹ کرتے دیکھا تھا۔ وہ مندر کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت مندر میں محافظ برائے نام تھے۔ شاید سب جلسہ گاہ میں چلے گئے تھے لیکن پوجا پاٹ کرنے والے خاصی تعداد میں موجود تھے۔ بڑی بڑی توندوں والے ننگ دھڑنگ پجاری اور پنڈت، سفید براق کپڑوں والے برہمن جن کی پیشانیوں پر تلک اور گلے میں مالائیں تھیں۔ کچھ سوامی قسم کے لوگ جنہوں نے گیروا لباس پہن رکھے تھے اور سادھوؤں کے ٹولے جو مندر کے صحن میں "جے ماتا کی" پکار رہے تھے۔ اندرونی حصے سے مسلسل موسیقی کا شور بلند ہو رہا تھا اور بھجن گائے جا رہے تھے۔ ایک کونے میں سینکڑوں مرد و زن جمع تھے اور ایک مہان پروہت شاستر پڑھنے اور تشریح کرنے

میں مصروف تھا۔اس نے مندر کے گنبد کی طرف اشارہ کیا جہاں بہت بڑا سرخ پھریرا چاندنی میں لہرا رہا تھا اور چلا کر بولا۔

"یہ پھریرا نہیں، یہ کپڑے کا ایک ٹکڑا نہیں، یہ ایک نشان بھی نہیں۔یہ ایک وعدہ ہے، یہ سوگند ہے ہمارے دیوی دیوتاؤں کی کہ ہم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور "وجے "ہندو دھرم کی ہوگی۔جب تک یہ بھگوان دوارا سلامت ہے اور اس پر یہ سرخ جھنڈا موجود ہے ایک محمد بن قاسم تو کیا پورا عرب بھی آجائے تو دیبل کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔۔۔"

حاضرین نے پُرجوش نعرے بلند کیے۔"راجہ داہر کی جے، ہندو دھرم کی جے، ہنومان کی جے، جے بجرنگ بلی۔"

پروہت کی تقریر ختم ہوئی تو اشباح نے اٹھ کر مندر کا ایک چکر لگایا اور باہر نکل آیا وہ اس عظیم الشان مندر کی اہم حیثیت سے آگاہ ہو چکا تھا۔

اسے جلسہ گاہ سے نکلے کافی دیر ہو چکی تھی۔اب وہ جلد از جلد آشا کے پاس پہنچنا چاہتا تھا، مگر مندر سے نکلتے ہی اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔اس نے دیکھا کہ ایک سڑک پر بیل گاڑیوں کی ایک قطار جا رہی ہے اور ان پر بہت سا جنگی سامان لدا ہوا ہے۔یہ سامان اوپر سے ڈھکا ہوا تھا لیکن ہتھیاروں کی کھنکھناہٹ نے اشباح کو معاملے کی تہہ تک پہنچا دیا۔یہ سامان کہاں جا رہا تھا؟ شاید ادھر کوئی خفیہ ذخیرہ تھا۔اشباح خود کو بیل گاڑیوں کے تعاقب سے باز نہ رکھ سکا۔ایک چھوٹا سا چکر کاٹنے کے بعد بیل گاڑیاں مندر کے پچھواڑے پہنچ گئیں۔یہاں خستہ سی

چار دیواری کے درمیان ایک کھلا میدان ہے۔ایک بہت پرانا اور بظاہر غیر آباد مکان، میدان کے بیچوں بیچ واقع تھا۔سامان سے لدی بیل گاڑیاں اس عمارت کے سامنے پہنچیں اور سامان اترنا شروع ہو گیا۔تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اشباح نے چار دیواری پھاندی اور عمارت کے قریب پہنچ گیا۔سائے کی طرح رینگ کر اس نے ایک کھڑکی سے جھانکا۔عمارت بالکل خالی تھی۔اس کا مطلب تھا نیچے بہت بڑا تہہ خانہ ہے۔۔۔اچانک اشباح کو عقب میں آہٹ سنائی دی۔اس نے گھوم کر دیکھا پانچ مسلح سپاہی عقب میں کھڑے تھے۔اشباح نے ایک ساعت میں فیصلہ کیا اور اچھل کر کھڑکی کا چھجہ تھام لیا۔اس سے پیشتر کہ محافظوں کی تلواریں اس کی طرف لپکتیں اس نے اپنے جسم کو جھلا کر موڑا اور چھت پر پہنچ گیا۔اس کی تمام خفیہ حسیں انگڑائی لے کر بیدار ہو چکی تھیں۔ چھت کو تیزی سے طے کر کے اس نے دوسری جانب چھلانگ لگا دی۔

عقب سے بھاگ دوڑ کی آوازیں آرہی تھیں۔اشباح سیدھا بھاگتا چلا گیا۔یہ چار دیواری کا عقبی دروازہ تھا جس کی نشاندہی دو مشعلوں سے ہو رہی تھی۔جونہی اشباح دروازے تک پہنچا، سامنے سے چار محافظ تلواریں سونت کر اس پر جھپٹے۔اشباح نے فوراً رخ بدلا اور چار دیواری پھاند کر مندر کے عقبی دروازے میں داخل ہو گیا۔مندر میں پوجا پاٹ مسلسل جاری تھی۔اشباح کو یوں بھاگتے دیکھ کر پجاری دم بخود رہ گئے۔کچھ عورتیں چیخنے چلانے لگیں۔ بھجن گانے والے اپنے بول بھول کر محو نظارہ ہو گئے۔چند ہٹے کٹے پجاریوں نے جب اشباح کے عقب میں مسلح محافظ دیکھے تو اسے پکڑنے کے لیے سامنے آگئے۔اشباح نے ایک بار پھر رخ بدلا اور سیڑھیاں چڑھ کر بالائی منزل پر آگیا۔جونہی وہ ایک طویل بالکونی میں پہنچا۔ تین مسلح سپاہیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ مختصر سی جگہ میں تلواریں بجلی کی طرح کوندیں۔ہندو سپاہیوں کی بدقسمتی انہیں حضرموت کے سنہری شاہین

کے روبرو لے آئی تھی۔ پلک جھپکتے میں ان میں سے ایک اپنے سر سے محروم ہو گیا۔ دوسرے کے سینے پر اشباح نے ایسی ٹانگ جمائی کہ وہ ڈکراتا ہوا نیچے جا گرا۔ نیچے بڑی بڑی ناندوں میں "پرشاد" پک رہا تھا۔ وہ ایک ابلتی ہوئی ناند میں گرا اور چلا کر راہی عدم ہوا۔ تیسرے نے جو ایک ہوشیار شمشیر زن تھا، پینترہ بدل کر اشباح پر حملہ کیا۔ چند لمحے دونوں میں زبردست جدوجہد ہوئی۔ پھر عقب سے بھاگتے قدموں کی آوازیں آئیں۔

اشباح نے بالکونی سے چھلانگ لگانے کے لیے پہلو کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ہوشیار مدمقابل سمجھ گیا اور اس نے لپک کر اشباح کے گھٹنے کو زخمی کر دیا۔ تاہم اشباح نے اس زخم کی پوری قیمت وصول کی۔ بالکونی سے کودتے ہی اس نے ایک لحیم شحیم پجاری کے پیٹ میں تلوار گھونپی اور اسے تڑپتا چھوڑ کر مندر کے بیرونی دروازے کی طرف بھاگا۔ چند لمحے میں وہ باہر تھا۔ باہر جلسہ برخاست ہو چکا تھا اور چوک کی طرف سے سینکڑوں افراد واپس آ رہے تھے۔ یہ صورت حال اشباح کے لیے نہایت سازگار تھی۔ اس سے پہلے کہ تعاقب کرنے والے مندر سے برآمد ہوتے وہ خون آلود تلوار نیام میں گھسیڑ کر ہجوم میں شامل ہو گیا۔

چھوٹی چھوٹی گلیوں سے راستہ تلاش کرتا اشباح جب گھر پہنچا تو سب اہل خانہ کو بے

قرار پایا۔ اویس اور آشا خاص طور پر پریشان تھے۔ اشباح کو دیکھتے ہی آشا لپک کر پاس آئی۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ؟"

اشباح نے کہا۔ "میں راستہ بھول گیا تھا۔ آپ لوگوں کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔"

آشا کی ماتا نے کہا۔ "بیٹا اب تو گھر سے نکلنا بھی خطرناک ہے۔ شہر میں حالات بڑے خراب ہو گئے ہیں۔ ابھی پتا چلا ہے کہ بڑے مندر میں دشمن کا کوئی جاسوس گھس آیا تھا، سنا ہے تین چار آدمیوں کو قتل کر کے بھاگ گیا ہے۔"

اویس نے کن اکھیوں سے اشباح کی طرف دیکھا۔ آشا کا پتا تلسی داس بولا۔

"ساتھ والی گلی میں گھر گھر تلاشی لی جا رہی ہے۔ سپاہیوں کا خیال ہے کہ وہ بھاگ کر ادھر ہی آیا ہے۔"

اچانک آشا کی نگاہ اشباح کے پاؤں پر پڑ گئی۔ وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولی۔ "ہائے رام! آپ تو زخمی ہیں۔"

اشباح نے کہا۔ "ہاں جلسہ گاہ میں آپ لوگوں کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا کہ کسی مہاشے کی ننگی کٹار گھٹنے پر لگ گئی۔ کیسے کیسے بے وقوف لوگ ہوتے ہیں۔ اتنے ہجوم میں ننگے ہتھیار لے آتے ہیں۔"

آشا نے بے چینی سے کہا۔ "آیئے روشنی میں دیکھوں کہیں زخم گہرا نہ ہو۔"

اشباح کے منع کرنے کے باوجود وہ اسے کمرے میں لے آئی۔ دیپک سے گرم پانی لانے کو کہا اور خود اس کا خون صاف کرنے لگی۔۔ اشباح محویت سے اس عجیب و غریب لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اپنے تباہ کن حسن اور شباب سے قطعی بے خبر کس بے تکلفی سے اسے چھو رہی تھی۔ اس گھر میں رہنا اور اسے برداشت کرنا اشباح کی مجبوری تھی۔ ورنہ اس نے پچھلے چند دنوں میں کئی بار سوچا تھا کہ اس جلتی تپتی شعلہ صفت لڑکی کی قربت سے دور چلا جائے۔ وہ اشباح کو پٹی کرتے ہوئے بولی۔

"مہندر بھائی آئے ہوئے ہیں آپ سے ملنے کو بہت مشتاق ہیں۔"

"مہندر بھائی؟" اشباح نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ نے پہلے تو نہیں بتایا کہ آپکے بڑے بھائی بھی ہیں۔"

"پہلے آپ نے پوچھا ہی کب تھا۔۔۔۔۔۔۔۔لیجئے وہ آگئے۔" آشانے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اشباح نے دیکھا ایک پچیس چھبیس سالہ نوجوان شخص جو شائد غسل کر کے نکلا تھا، اپنے بال خشک کپڑے سے صاف کرتا ان کی طرف آرہا تھا۔ یکایک اشباح چونک پڑا۔ اس کی رگوں کا خون چند لمحوں کے لیے بے حرکت رہ گیا۔ دوسری طرف نوجوان بھی حیرت سے منہ کھولے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی نوجوان تھا جس نے تھوڑی دیر پہلے مندر کی بالکونی میں اشباح سے شمشیر زنی کی تھی' اشباح کے گھٹنے کا زخم اسی کی تلوار کا مرہون منت تھا۔ اشباح کے جبڑے بھنچ گئے۔ وہ آنے والے سنگین لمحوں کے لیے تیار ہو گیا۔ نوجوان اشباح کو بغور دیکھتا اسکے پاس پہنچا۔ پھر اسکی نگاہ اشباح کے زخمی گھٹنے پر پڑی اور وہ اسے پوری طرح پہچان گیا۔ اشباح کا ہاتھ غیر محسوس طور پر اپنی تلوار کے قبضے تک پہنچ گیا۔ نوجوان ذہین نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اچانک اس نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ مصا فحے کے لیے بڑھا دیا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی، میرا نام مہندر کمار ہے۔"

"مجھے پردیپ کہتے ہیں" اشباح نے تعارف کروایا، ویسے وہ پوری طرح چوکس تھا۔

نوجوان مہندر نے بہن سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آشا گرمی بہت ہے، ہمیں شربت نہ پلاؤ گی۔"

آشا لچک کر اٹھی، "بہت اچھا بھیا۔ ابھی لاتی ہوں۔"

اب اشباح اور مہندر کمرے میں تنہا تھے۔ مہندر کچھ دیر گہری نگاہوں سے اشباح کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اسکے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "کون ہو تم؟"

"پردیپ کمار۔" اشباح نے سکون سے جواب دیا۔

"پردیپ کمار یا مسلمان فوج کے جاسوس۔" مہندر نے سنسنی خیز سرگوشی کی۔

"اگر میرا جواب اثبات میں ہو تو پھر۔"

مہندر کچھ دیر تولنے والی نظروں سے اشباح کو دیکھتا رہا۔ اس کا بے پناہ اعتماد اور سکون مہندر کو حیران کر رہا تھا۔ وہ بولا۔ "جانتے ہو اس وقت تم کتنے خطرے میں ہو؟"

اشباح نے کہا۔ "خطروں سے کھیلنا میری عادت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ ویسے میں پوچھ سکتا ہوں آپ یہ ہمدردی کیوں جتا رہے ہیں؟"

مہندر نے گہری سانس لی۔ اچانک اشباح نے محسوس کیا کہ اسکا تنا ہوا چہرہ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ وہ دوستانہ لہجے میں بولا۔ "اسکا جواب میں تمہیں تفصیل سے دوں گا۔ فی الحال تم خود کو کمرے میں بند رکھو، باہر سخت نگرانی ہو رہی ہے، ہو سکتا ہے ہمارے گھر کی بھی تلاشی لی جائے اس لیے بہتر ہے تم خود کو پچھلے کمرے تک محدود رکھو۔"

اشباح ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

مہندر بولا۔ "مجھ پر شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں تمہیں گرفتار کرانا چاہوں تو ابھی کرواسکتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن میں تمہارا دشمن نہیں۔"

اتنے میں آشا شربت لے کر آگئی۔ مہندر خاموش ہو گیا۔ شربت پینے کے بعد اس نے کہا۔ آشا ہو سکتا ہے "آج رات میرے کچھ مہمان آئیں اس لئے پردیپ صاحب کا بستر عقبی کمرے میں لگوا دو۔"

آشا نے کوئی اعتراض کرنا چاہا لیکن اشباح نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ ہم یہ مسئلہ طے کر چکے ہیں۔ اسی رات اشباح گھر کے عقبی اور نسبتاً محفوظ کمرے میں منتقل ہو گیا۔ اویس پہلے ہی نوکر خانے میں سوتا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کمرہ بند کر کے اشباح نے عشاء کی نماز ادا کی اور پھر مقامی رسم و رواج کے بارے میں ایک کتاب پڑھنے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی اور اویس اندر داخل ہوا۔ اشباح نے اسے گونگا بنا کر واقعی بہت زیادتی کی تھی۔ وہ بے تکان بولنے والا شخص تھا اور اب ہر وقت اس کی زبان پر کھجلی ہوتی رہتی تھی۔ دروازہ اندر سے بند کر کے وہ اشباح کے قریب آبیٹھا۔ کمرے میں آنے کا جواز پیدا کرنے کے لیے وہ اشباح کے لیے دودھ کا گلاس لایا تھا۔ اشباح جانتا تھا کہ حسب معمول وہ یہ پیالہ خود ہی غٹاغٹ پی جائے گا۔

دودھ پینے کے بعد اویس نے آستین سے ہونٹ صاف کیے اور اسکا مزاج قدرے بہتر نظر آنے لگا۔ پہلے تو وہ اشباح سے مندر میں پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں استفسار کرتا رہا۔ جب اشباح نے سب کچھ تفصیل سے بتادیا تو وہ اسکی کارگردگی پر خوش ہو گیا، پھر اسکی طبیعت میں ترنگ پیدا ہونے لگی، سرگوشی میں بولا۔

"اشباح! میں نے ایک تازہ نظم لکھی ہے۔"

"یا خدا خیر۔" اشباح بڑبڑایا۔

"کیا کہا؟" اویس نے بھنویں چڑھائیں۔

"کچھ نہیں، میں کہہ رہا تھا عنائت فرمایئے۔"

اویس نے جیب سے ایک کاغذ نکالا اور پڑھنے لگا۔ "بہت خوبصورت نظم ہے۔"

وہ آنکھیں میرا تعاقب کرتی ہیں

وہ خوشبو میرا شکار کھیلتی ہے

اور جب میں ہانپ کر گر جاتا ہوں

تو وہ لمبی زلفیں مجھے باندھ لیتی ہیں

پھر وہ سرخ ہونٹ مسکراتے ہیں!

اور مجھ سے پوچھتے ہیں

کہاں تک بھاگو گے

جہاں تک بھاگو گے

وہاں تک میرے حسن کی مملکت ہے۔

"واہ بہت خوب۔۔۔۔۔۔۔۔بہت خوب۔"اشباح نے کہا۔"مجھے تمہاری آخری محبت یاد آگئی، کیا نام تھا اس کا۔۔۔۔ہاں رابعہ، یہ نظم سن کر رابعہ نہال ہو جائے گی۔"

اویس نے برا سا منہ بنایا۔"رابعہ یہاں کہاں سے ٹپک پڑی۔"

اشباح نے آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورا۔"تو گویا۔۔۔۔۔گویا۔"

"ہاں ہاں! یہ نظم کسی اور کے لیے ہے۔"اویس نے پورے ٹھسے سے کہا۔

یاغفور الرحیم۔"اشباح نے آنکھیں اوپر اٹھائیں۔"اسکا مطلب ہے کوئی اور تیر لگ گیا آپ کے دل کے اوپر۔""

"تیر نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔تقدیر کہو اشباح۔۔۔۔۔۔تقدیر۔۔۔۔سمجھو میرا صدیوں کا سفر ختم ہوا۔"

"اشباح نے کہا۔"یہ سفر تم کئی بار ختم کر چکے ہو۔بہر حال بتاؤ کون ہے وہ بخت آور حور شمائل؟

"نہیں ابھی نہیں۔"اویس پورے جسم کو ہلا کر بولا۔

"بتاؤں گا ضرور بتاؤں گا مگر وقت آنے پر۔"

دفعتاً دونوں کو خاموش ہو جانا پڑا۔پہلو کے کمرے سے کھٹ پٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔اویس نے پیالہ اٹھایا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔اشباح نے دیوار پار آنے والی آوازوں پر کان لگائے تو اس پر انکشاف ہوا کہ یہ کمرہ در حقیقت آشا کی خوابگاہ ہے۔اسے یاد آیا کہ پہلے روز اس نے آشا کو وہیں دیکھا تھا۔

بستر پر لیٹنے سے پہلے اشباح نے تلوار نیام سے نکال کر قریب رکھ لی۔اسکا دھیان رہ رہ کر مہندر کمار کی طرف جا رہا تھا۔آخر کون تھا وہ اور کیا چاہتا تھا؟دو ہی صورتیں تھیں یا تو وہ اسے پوری طرح گھیر کر پکڑنا چاہتا تھا یا پھر واقعی اسکا ہم خیال تھا۔بہر حال کچھ بھی تھا اشباح ہر قسم کے حالات کے لیے تیار تھا۔اس نے فیصلہ کیا کہ آج رات وہ جاگ کر گزارے گا۔وہ تکیے سے ٹیک لگا کر جاگتا رہا۔یہاں تک کہ رات کا تیسرا پہر شروع ہو گیا۔اشباح کے شبہات اب کافی حد تک دور ہو چکے تھے۔اور شائد یہی وجہ تھی کہ اسے نیند آنے لگی۔وہ ٹیک لگائے لگائے سو گیا۔نہ جانے وہ کتنی دیر سوتا رہا۔جاگا تو اسے اپنے بالکل قریب کسی دوسرے وجود کا احساس ہوا۔اس نے پوری آنکھیں کھول دیں۔وہ ایک دم سکتے میں آگیا۔اسکے بالکل پاس آشا موجود تھی۔وہ اتنے دلنشین انداز میں بنی سنوری ہوئی تھی کہ اشباح اسے بمشکل پہچان سکا۔کھدر کی سفید ساڑھی کی جگہ ایک ریشمی پھولدار لباس نے لے لی تھی۔اس کے ہاتھوں میں طلائی کنگن اور انگوٹھیاں تھیں۔کانوں میں آویزے اور پیشانی پر جھومر تھا۔ہونٹوں کی سرخی اور رخساروں کے غازے نے ان کا حسن دوآتشہ کر دیا تھا۔اشباح نے دیکھا شباب اسکے ہر عضو بدن سے پھوٹ رہا ہے اور آنکھیں جیسے نشے کے کٹورے بہا رہی ہیں۔

"کیا بات ہے آشا؟"اشباح نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

جواب میں آشا خاموشی سے اسکی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔اس کو زبان ہلانے کی جحت نہیں تھی۔اس کے جسم کا ہر حصہ ایک واشگاف جواب تھا۔اس کی ہر بہکی ادا اسکی ترجمان تھی۔اشباح نے دیکھا کمرے کو اندر سے کنڈی لگی ہے اور شمعدان کی خوابناک مدھم روشنی میں گناہ کی دیوی اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اس کے روبرو ہے۔وہ بہ آہستگی مسہری پر بیٹھ گئی اور اپنے سانسوں کی حدت اشباح کے چہرے تک پہنچانے لگی۔

اشباح سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔"آشا تم ہوش میں تو ہو۔۔۔۔۔۔کیا چاہتی ہو؟"

آشا کا جواب ایک پھونک کی صورت میں تھا جس سے اس نے شمع دان کی دو اور شمعیں گل کر دیں اب صرف ایک شمع روشن تھی۔یہ شمع گناہ اور ثواب کے درمیان حد فاصل تھی۔اور یہ حد کسی وقت بھی ملیامیٹ ہو سکتی تھی۔ایک مدہوش کرنے والی جنبش کے ساتھ آشا نے موتیوں کی وہ لڑی توڑ دی جس نے اسکا جوڑا باندھ رکھا تھا۔لمبے ریشمی بال توبہ شکن انداز میں کھلے اور اس کے نازک شانوں پر بکھر گئے۔وہ کسی معمول کی طرح اشباح پر جھک آئی۔اشباح کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔اس نے بھرپور طمانچہ اسکے منہ پر مارا اور وہ اچھل کر دور فرش پر جا گری۔چہرے پر آنے والے گھٹاؤں جیسے بال ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا کر دیکھا۔وہ مجسم قہر و غضب تھا۔اس کی آنکھوں میں رعب و جلال کی بجلیاں کوندر ہیں تھیں۔۔۔۔۔۔یکا یک آشا جیسے نیند سے جاگ گئی۔اس نے حیرت آمیز خوف سے اشباح کو دیکھا پھر اچانک اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔وہ تھراتے ہونٹوں اور پر اشک آنکھوں سے فرش پر بیٹھی رہی۔تب یکبارگی اٹھی اور دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔

اشباح نے شمع دان کو دوبارہ روشن کیا اور بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی آشا نے یہ سب کیوں کیا؟ وہ اس حد تک کیسے گر گئی۔کچھ دیر بعد اشباح کو ایک آہٹ سنائی دی۔اس کی چھٹی حس نے کسی خطرے کا احساس دلایا۔وہ دروازے پر آیا اور جھری پر آنکھ لگا دی۔اس نے آشا کو دیکھا وہ سفید سوتی ساڑھی میں ملبوس تیزی سے ایک طرف جا رہی تھی۔اشباح نے تلوار نیام میں رکھ کر کندھے سے لٹکائی اور اس کے پیچھے لپکا۔آشا دبے پاؤں چلتی باغ کی طرف چلی آئی۔رات پہلے پہر بارش ہوئی تھی اور اب ایک ٹھنڈی مست کر دینے والی ہوا چل رہی تھی۔آخری پہر کھلنے والے پھولوں نے اس ہوا کو معطر بیز کر دیا تھا۔مگر اس عطر بیز ہوا میں جو کچھ ہونے والا تھا وہ قطعاً خوشگوار نہیں تھا۔باغ کے بیچوں بیچ ایک گہرا کنواں تھا۔جواب بند پڑا تھا۔۔آشا اس کنویں کی طرف بڑھ رہی تھی اور اسکا ہیجانی انداز اشباح کو بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔کنویں کی منڈیر پر پہنچ کر آشا ایک لمحے کے لیے رکی۔اس کی پر درد سسکی خاموش فضا میں ابھری۔اشباح کو محسوس ہوا کہ یہ ایک مدھم سی حقیر سی سسکی پورے ہندوستان کو جلا کر راکھ کر سکتی ہے۔یہ ایک سسکی نہیں تھی قیامت تھی جو اس سرزمین پر نہ جانے کتنی مجبور عورتوں پر گزر چکی تھی اور گزرنے والی تھی۔اشباح نے جھپٹ کر آشا کو تھام لیا۔اس نے مڑ کر دیکھا اور روتے روتے آنچل چہرے پر پھیلا لیا۔وہ پوری قوت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔تاہم اشباح کے مضبوط بازوؤں نے اسے جنبش بھی نہ کرنے دی۔اس کے ہونٹوں سے گھٹی گھٹی آہیں نکل رہیں تھیں۔آخر فرط غم اور شدت ضبط سے وہ بے ہوش ہو کر اشباح کی باہوں میں جھول گئی۔اشباح کچھ دیر تذبذب میں کھڑا رہا پھر اسے باہوں میں اٹھایا اور بے آواز چلتا اسکی خواب گاہ میں لے گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اویس کی بتائی ہوئی ایک دواسونگھاتے ہی آشا کی آنکھوں میں جنبش ہوئی۔ ہوش میں آتے ہی اس نے شرم اور ندامت سے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا۔ وہ سسک رہی تھی۔ یکا یک وہ اٹھی اور اشباح کے پاؤں میں گر پڑی۔

"پردیپ مجھے معاف کردیں، مجھے شما کردیں،'آپ انسان نہیں دیوتا ہیں۔ میں نے آپکا اپمان کیا ہے میں کلٹنی ہوں آپ نے مجھے مرنے کیوں نہ دیا۔ کاش میں مرجاتی۔"

اشباح نے اسے پاؤں سے اٹھا کر مسہری پر بٹھایا اور نرم لہجے میں دلاسا دینے لگا۔ وہ دھیمے مہربان لہجے میں اسے سمجھانے لگا کہ زندگی کی کیا قیمت ہے اور دکھوں سے گھبرا کر اس کا خاتمہ کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔۔۔وہ دیر تک اسے سمجھاتا رہا اور اپنی باتوں سے اس کے زخموں پر مرہم رکھتا رہا۔ آشا کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔ گفتگو کے آخر میں اشباح نے کہا۔

"آشا ہمت نہ ہارنے اور دکھوں سے نجات کے راستے تلاش کرنے کا نام ہی زندگی ہے۔ ذرا اطمینان سے سوچو تمہارے مصائب کی اصل وجہ کیا ہے۔ تمہارا ماحول، تمہارا مزاج، تمہارا عقیدہ یا کچھ اور۔۔۔ایک بات یاد رکھو کوئی منزل آخری منزل نہیں ہوتی اور کوئی مقام بھی مستقل نہیں ہوتا۔ انسان کو سچائی کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رہنا چاہیے۔ یہ سچائی کہیں بھی مل سکتی ہے، کسی بھی ماحول میں، کسی بھی انسان میں اور کسی بھی عقیدے میں۔ غور کرو۔۔۔۔۔۔۔۔ان باتوں پر غور کرو۔"

اسی روز اشباح نے آشا کے پتا سے ملاقات کی، تلسی داس اسوقت اپنے پوجا کے کمرے میں تھا۔ تلسی داس ہی کیا شائد پورا دیپل ہی پوجا کے کمرے میں بند تھا۔ اسلامی فوج کے محاصرے نے انہیں پرارتھنا کے سوا سب کچھ بھلا رکھا تھا۔ اشباح نے کہا۔

"چچا جان! میں آشا کے بارے میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔" تلسی داس نے گیتا ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

اشباح بولا۔ "چچا جان۔ اپنی طرف سے میں آشا کے علاج کی پوری کوشش کر رہا ہوں اور آپ دیکھ بھی رہے ہیں کہ انہیں کافی افاقہ ہو رہا ہے۔ لیکن اگر آپ سچ جاننا چاہتے ہیں تو ان کی بیماری کا مستقل علاج۔۔۔۔۔۔۔۔ صرف بیاہ ہے، جتنی جلدی بھی ہو آپ ان کا بیاہ کر دیجیے۔"

اشباح کی بات نے تلسی داس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھار دیے۔ وہ قدرے خشک لہجے میں بولا۔

"بیٹا ایک برہمن زادے ہو کر تم کیسی بات کر رہے ہو۔ آخر ہم برہمن ایسا کیونکر کر سکتے ہیں۔"

اشباح نے کہا۔ "چچا یہ کوئی انہونی نہیں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ودواؤں نے اپنے گھر بسائے ہیں پھر آشا تو کنواری کنیا ہے۔"

تلسی داس نے سختی سے کہا۔ "پردیپ تمہارے گھرانوں میں ایسا ہوتا ہوگا مگر یہاں نہیں۔ ہم آشا کے بیاہ کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ درست ہے کہ ہم اس کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں مگر ہم اسکے دکھ کا مداوہ نہیں

کر سکتے۔ وہ ہماری لاڈلی سپتری ہے۔ ہم اپنی زندگی میں اسے کوئی کمی نہ ہونے دیں گے۔ اچھا کھلائیں پلائیں گے پھولوں کی طرح رکھیں گے اور مرتے سمے بھی اس کے لیے کچھ نہ کچھ چھوڑ کر جائیں گے، لیکن گرہستی کی زندگی اب اسکا نصیب نہیں۔ ہم اسکا نصیب بدلنے سے مجبور ہیں۔"

اشباح کا دل چاہا تلسی داس کو جھنجھوڑ کر کہے۔ "یہ کیسا نصیب ہے یہ کیسا مقدر ہے جو انسان کو زندہ در گور کر دیتا ہے۔ جو معصوم روحوں کو پیتل کے پنجرے میں بند کر کے پھڑ پھڑانے پر مجبور کر دیتا ہے اگر یہ قانون ہے تو اس قانون کو توڑ دو۔ اگر یہ دھرم ہے تو اس دھرم کو چھوڑ دو اور اگر یہ صرف رسم ہے تو تف ایسی اندھی رسم پر۔"

لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ اس کے کہنے سے اس کا بھرم کھلتا تھا اور اسے ابھی اپنا بھرم قائم رکھنا تھا۔ اچانک وہ دونوں چونک پڑے۔ ایک پر ہول دھماکے کی گونج سنائی دی اور در و دیوار میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ تلسی داس کا رنگ سرسوں کی طرح زرد ہو گیا۔ پھر یکے بعد دیگرے دھماکے سنائی دینے لگے اور زمین ہلنے لگی۔

تلسی داس ہکلایا۔ "مم۔۔۔۔ میرا خیال ہے مسلمان فصیل توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

اشباح نے کہا۔ "لگتا ہے ان کی منجیقوں کے گولے فصیل سے ٹکرا رہے ہیں۔"

اتنی دیر میں آشا دیپک اور ان کی ماتا بھی بھاگتے ہوئے پہنچ گئے۔ آشا نے کہا۔

"پتا جی یہ آوازیں کیسی ہیں؟"

تلسی داس نے کہا۔ "کچھ نہیں۔۔۔۔ کچھ نہیں۔ تم لوگ بیٹھ کر پوجا کرو۔"

جوتے اتار کر سب رام کرشن کے سامنے دوزانو ہو گئے۔ اشباح نے کہا۔

"میں چھت پر جا کر دیکھتا ہوں۔"

وہ چھت پر پہنچا تو دور فصیل کی طرف سے کہیں کہیں آگ بھڑکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ دھماکوں کی گونج مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی قریب ہی موجود ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ آشا کا بڑا بھائی مہندر کمار اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

"پردیپ اچھا ہوا تم خود ہی چھت پر آ گئے۔ میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا تھا۔"

ایک کونے میں لکڑی کا تخت بچھا ہوا تھا۔ مہندر اشباح کو لے کر وہاں آ بیٹھا۔ کچھ دیر احتیاط سے لفظوں کا انتخاب کرتا رہا پھر بولا۔

"میرے خیال میں مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آپ مسلمان ہیں اور اسلامی فوج کے لیے خبر رسانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔"

اشباح نے کہا۔ "میں بھی اس بات سے انکار کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ میرا مالک مجھے بے خطر موت کو گلے لگانا سکھاتا ہے۔"

مہندر کی آنکھوں میں ستائش نظر آئی۔ وہ نرم لہجے میں کہنے لگا۔ "میں آپکی جرات اور بے باکی سے بے حد متاثر ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور میرے خیال میں اب مجھے بھی بتادینا چاہیے کہ میں مسلمانوں کا دل کی گہرائیوں سے خیر خواہ ہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اشباح نے حیرت ظاہر کی۔

مہندر نے طویل آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک بہت طویل کہانی ہے۔ بہر حال میں آپکو مختصر ابتاتا ہوں۔"

اشباح ہمہ تن گوش ہو گیا۔ مہندر نے اپنی نگاہیں دور فصیل سے اٹھتے ہوئے دھوئیں پر جمائیں اور بولا۔

"ہمارا حکمران راجہ داہر کسی طور حکمرانی کے قابل نہیں۔۔وہ برہمن ہونے کے باوجود ایک گھٹیا اور پیچ انسان ہے۔اس کا ماضی سیاہ کاریوں سے بھرا پڑا ہے اور رعایا کا ایک حصہ اس سے نفرت کرتا ہے۔ مجھے بتائیں اس سے بڑھ کر اور بے غیرتی کیا ہو گی کہ اس نے اپنے سنگھاسن کی حفاظت کے لیے سگی بہن سے شادی کر رکھی ہے۔"

اشباح حیرت سے بولا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

مہندر نے کہا۔ "راجہ داہر کا ایک بھائی دہر مینہ اور ایک بہن مالیسین تھی۔ دہر مینہ برہمن آباد کا والی تھا اور بہن اسکے پاس رہتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے دہر مینہ نے بہن کو راجہ داہر کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر اس کا بیاہ کر دے۔ راجہ داہر نے جوتشیوں سے حساب لگوایا تو انہوں نے انکشاف کیا کہ مالیسین بہت بھاگوان ہے اور وہ جس سے بیاہی جائے گی وہ سندھ کے بڑے حصے پر حکمرانی کرے گا۔ راجہ کو اپنے تخت وتاج

کی فکر لاحق ہو گئی۔ اپنا اقتدار بچانے کے لیے اس نے بہن سے بیاہ کر لیا۔ اس کی اس حرکت سے لوگوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ غیرت مند لوگ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔۔داہر کے بھائی دہر مینہ نے اسکے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور برہمن آباد سے لشکر لے کر داہر کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ دیبل کے سینکڑوں نوجوانوں کی طرح میں بھی اس لشکر میں موجود تھا۔ ہم نے پایہ تخت کا محاصرہ کر لیا اور چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہونے لگیں مگر اسی دوران سیناپٹی دہر مینا بیمار ہو کر مر گیا۔ اس واقعے نے پورے لشکر میں بد دلی پھیلا دی اور لوگ محاصرہ اٹھا کر اپنے اپنے علاقوں کو لوٹ گئے۔۔۔۔۔اس واقعے کو برسوں بیت گئے لیکن داہر کے خلاف جو آگ دلوں میں بھڑکی تھی ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ کہیں وہ چنگاری کی شکل میں موجود ہے اور کہیں شعلے کی شکل میں۔ راجہ کی سیاہ کاریاں انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں اور ہم میں سے کچھ لوگ بڑے یقین کے ساتھ سوچتے ہیں کہ مسلمان فوج در حقیقت بھگوان کا عذاب ہے جو راجہ پر اترا ہے۔"

اشباح نے کہا۔ "مگر آپ میں سے بہت سے لوگ ایسا نہیں سمجھتے۔ جن میں آپکا گھرانہ بھی شامل ہے۔"

مہندر نے کہا۔ "دوست یہی تو رونا ہے۔ ہم میں سے اکثریت جاہلوں کی ہے اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ راجہ اوتار کا سایہ ہے۔ اس سے ورودھ رکھنا پاپ ہے۔ میرے پتا ہی کو لے لیں۔ اول تو انہیں یقین ہی نہیں کہ داہر نے مالیسین سے شادی رچانے والی غلطی کی ہو گی۔ ان کا خیال ہے کہ یہ سب راجہ کے بدخواہوں اور بدھ مت کے پیروکاروں کی بہتان تراشی ہے، لیکن اگر راجہ نے ایسا کیا بھی ہے تو دیوتاؤں کی آگیا سے کیا ہو گا۔ اس میں کوئی حکمت ہو گی اور رعایا کا یہ منصب نہیں کہ اپنے راجہ پر انگشت نمائی کرے۔"

اشباح نے کہا۔"آپ راجہ کے بارے میں اتنے مخالفانہ خیالات رکھنے کے باوجود فوج میں شامل ہو گئے۔"

مہندر نے کہا۔"یہ سب میرے پتاجی کی مہربانی ہے وہ خود فوج میں رہے ہیں۔ لہٰذا مجھے بھی فوج میں بھرتی کروادیا۔میری تلوار راجہ کی تلواروں میں ضرور شامل تھی مگر میرا دل کبھی اسکی نفرت سے خالی نہیں ہوا میری کیفیت ان ہزاروں افراد سے مختلف نہیں جو راجہ کے خلاف بھرے بیٹھے ہیں۔وہ برسوں سے کسی ایسے موقعے کے منتظر ہیں جب وہ راجہ سے اس کی سیاہ کاریوں کا حساب لے سکیں۔"

اشباح اور مہندر میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔جلد ہی اشباح سمجھ گیا کہ مہندر دل سے حکمران ٹولے کا دشمن ہے اور ہر طرح مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتا ہے۔اشباح نے اسے اپنی اب تک کی کاروائیوں سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ داہر کے فوجی ٹھکانوں کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔اشباح کی یہ بات سن کر مہندر فوراً نیچے چلا گیا اور ذرا سی دیر بعد ایک مکمل نقشہ لے کر آگیا۔اس نقشے سے اشباح کو بہت سی ضروری معلومات حاصل ہوئیں۔فصیل کا سارا نقشہ اسکی آنکھوں کے سامنے آگیا۔اس نے ایک علیحدہ کاغذ پر سب کچھ تحریر کر لیا۔

مہندر نے پوچھا۔"آپ کا آئندہ لائحہ عمل کیا ہے؟"

اشباح نے کہا۔"میں اپنی حاصل کردہ معلومات جلد از جلد سپہ سالار تک پہنچانا چاہتا ہوں۔آپ مجھے شہر سے نکلنے کا کوئی محفوظ راستہ بتا سکتے ہیں؟"

مہندر کے چہرے پر پریشانی نمودار ہوئی۔بولا۔"میرے خیال میں آپ کا گھر سے نکلنا ٹھیک نہیں۔شائد آپ کو معلوم نہ ہو کل ساری رات آپکی تلاش ہوتی رہی ہے۔ایک طرح سے یہ پورا علاقہ فوج کے گھیرے میں

ہے۔اگر آپ یہاں سے نکل بھی گئے تو شہر کے دروازے پر پکڑے جائیں گے۔میری اطلاع کے مطابق دروازے کے محافظوں میں دو ایسے سپاہی بھی شامل کیے گئے ہیں، جنھوں نے آپ کو مندر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔اس کے علاوہ آپکے قد و قامت اور حلیے کے متعلق بھی شہر کی ساری انتظامیہ کو آگاہ کر دیا گیا ہے۔"

اشباح کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔مہندر پر سوچ لہجے میں بولا۔

"اگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ مجھ پر وشواس رکھتے ہیں تو یہ کام میرے سپرد کر دیجیے۔گو شہر سے نکلنا دشوار ہے مگر میں اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھا کر کسی نہ کسی طرح نکل ہی جاؤں گا۔"

اشباح نے کہا۔"مہندر میں آپکے جذبے کا قدردان ہوں مگر میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں آپ کو کسی خطرے میں ڈالوں۔"

مہندر نے کہا۔"آپ صرف اسے اپنا کام نہ سمجھیں۔پھر اس کام میں جتنا خطرہ آپکے لیے ہے میرے لیے اس کا سواں حصہ بھی نہیں۔اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو میں سمجھوں گا کہ میں آپکی نظر میں ابھی تک ایک قابل نفرت دشمن ہوں۔"

مہندر کا رواں رواں پکار رہا تھا کہ وہ پر خلوص ہے۔آخر اشباح کو اس کے بے پناہ اصرار اور جذبے کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔اس نے اپنی تمام معلومات ایک سفید کاغذ پر قلمبند کیں اور یہ خط مہندر کے حوالے کر دیا۔اشباح کی اجازت سے مہندر نے اس خط پر ایک نگاہ ڈالی اور بولا۔

"میں آپکے مشاہدے کا قائل ہو گیا۔ آپ نے بالکل درست لکھا ہے کہ دیبل کے لوگ بڑے مندر پر لہرانے والے سرخ جھنڈے پر بے پناہ اعتقاد رکھتے ہیں۔اور اگر منجنیق سے پتھر پھینک کر یہ جھنڈا گرا دیا جائے تو انکے حوصلے پست ہو جائیں گے۔"

اشباح نے کہا۔"مجھے خوشی ہے کہ آپ نے میرے خیال کی تصدیق کر دی۔"

مہندر نے جوش سے کہا۔"میں آپکے سیناپتی کو زبانی بھی اس جھنڈے کی اہمیت سے آگاہ کروں گا۔انہیں بتاؤں گا کہ اس جھنڈے پر پڑنے والا پتھر درحقیقت داہر کے سینے پر پڑے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے روز بھی فصیل پر چاروں طرف جھڑپیں جاری رہیں۔شہر کے درودیوار دورافتادہ نعروں سے لرز رہے تھے۔گڑگڑاہٹ کی آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ مسلمان دبابوں کی مدد سے فصیل میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ اشباح کی رگوں میں خون کی روانی تیز ہو رہی تھی۔اس کا جی چاہتا تھا وہ گھوڑا لے کر نکلے اور اڑاتا ہوا اپنے جانبازوں میں شریک ہو جائے۔اس کا مقام یہ نیم تاریک مکان نہیں تھا،وہ میدان تھا جہاں نیزے تیر رہے تھے، تیر سنسنا رہے تھے، تلواریں چمک رہی تھیں اور کارزار کے ہنگامے جوان تھے۔

اپنے کمرے میں بیٹھا اشباح انہی سوچوں میں گم تھا۔ کبھی اس کی آنکھوں میں اپنی ماں کا چہرہ گھومتا اور انکی آواز کانوں میں ٹکراتی۔"اشباح حق و باطل کے معرکوں میں ہمیشہ اگلی صفوں میں رہنا۔میں چاہتی ہوں جب کسی

شہر پر حملہ ہو تو شہر پناہ پر چڑھنے والوں میں تو سب سے آگے ہو۔" پھر اسے بچپن کی مصنوعی لڑائیاں یاد آئیں جب وہ لڑتا بھڑتا سب سے آگے نکل جاتا تھا اور ہلابہ پکار پکار کر اس کی حوصلہ افزائی کرتی تھی۔اسکے خیالات کی رو ہلابہ کی طرف مڑ گئی۔آہ ہلابہ کہاں ہے تو۔آج جب کہ حقیقی معرکے ہو رہے ہیں تو مجھ سے دور بہت دور ہے۔کاش مجھے یہی سہارا ہوتا کہ تو اس صحرائی بستی میں میرا انتظار کر رہی ہے اور تیرے ہاتھ میرے حق میں دعا کے لیے اٹھتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اچانک اشباح کو اپنے خیالوں سے چونکنا پڑا۔دروازہ کھول کر ننھا پردیپ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور سہما ہوا اسکی گود میں آ بیٹھا۔

"پردیپ بھیا! اگر مسلمان ہمارے گھر میں آ گئے تو وہ مجھے مار ڈالیں گے؟"

اشباح نے کہا۔"نہیں بیٹا تمہیں کون ہاتھ لگا سکتا ہے۔"

دیپک بولا۔"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔آپ بھی تو مہندر بھیا کی طرح چلے نہیں جائیں گے؟"

بچے کی معصوم بات پر اشباح مسکرا دیا۔اتنے میں دروازے کا پردہ ہلا اور آشا اندر آ گئی۔شائد وہ اوٹ میں کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔بولی۔"پردیپ! بھگوان نہ کرے۔۔۔۔۔۔۔ ہماری سینا کو شکست ہو، لیکن اگر ایسا ہو گیا تو آپ۔۔۔۔۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"تو آپ مجھے اپنے ہاتھوں سے۔۔۔۔۔۔۔"وہ سسکنے لگی۔

اشباح نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "آشا گھبرانے کی بات نہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ کچھ بھی نہیں ہو گا۔"

باہر سے تلسی داس کی آواز آئی۔ "پردیپ بیٹا کہاں ہو تم؟"

دیپک پکارا۔۔ "ادھر آجائے پتاجی۔ ہم سب یہاں ہیں۔"

دروازہ کھلا اور تلسی داس اپنی دھرم پتنی کے ساتھ اندر آگیا۔ تلسی داس کے ہاتھ میں ایک بڑی گٹھڑی تھی، بولا۔ "پردیپ بیٹا! میں نے گھر کا سارا زیور اور نقد رقم اس میں رکھ دی ہے۔ مہندر گھر میں ہوتا تو اسے سونپ دیتا۔ اب تم اپنے پاس رکھ لو۔ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے؟"

آشا کی ماں روہانسے لہجے میں بولی۔ "بھگوان رحم کرے۔ میری تو صبح سے دونوں آنکھیں باری باری پھڑک رہی ہیں۔۔۔۔۔۔ لڑائی بھی آج زوروں پر ہو رہی ہے۔ سنا ہے فصیل سے دھڑا دھڑ زخمی اور لاشیں آرہے ہیں۔"

اچھا چلو سب پوجا کے کمرے میں۔" تلسی داس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "بھگوان کو یاد کرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ دیا کرے گا۔""

سب ایک ایک کر کے کمرے سے نکل گئے۔ اس وقت اویس کچھ گھبرایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ دروازہ بھیڑنے کے بعد اس نے سانسیں درست کیں اور بولا۔

"اشباح معاملہ خراب ہے۔ میں ابھی گلی کا چکر لگا کر آیا ہوں۔ تلاشی لینے والے ہر گھر میں گھس رہے ہیں۔ دو دستے ہیں ایک شمالی رخ سے آرہا ہے اور دوسرا جنوبی سمت سے۔ جس کسی پر شبہ ہوتا ہے اس پر بے دریغ سختی کرتے ہیں۔"

ایک گہری سانس لے کر اشباح اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے جیب سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکالا اور پڑھنے لگا۔ یہ ایک خط تھا جو اس نے تلسی داس کے نام تھوڑی دیر پہلے لکھا تھا۔

"محترم میزبان میں یہاں سے جارہا ہوں۔ شائد آپ لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہو کہ میں پردیپ نہیں میں ہندو ہی نہیں۔ میرا اصل نام اشباح ہے اور میں اسلامی لشکر کا خبر رساں ہوں۔ اپنی اصلیت کو چھپانا میری ضرورت تھا اور میرے سالار کا حکم بھی۔ ہم حالت جنگ میں ہیں اور حالت جنگ میں ایسی کاروائیاں معمول کا حصہ ہوتی ہیں۔

بہر حال اب میں محسوس کرتا ہوں کہ میری یہاں موجودگی سے آپ لوگوں کو پریشانی ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔ درست ہے کہ اس چار دیواری کے باہر میرے لیے خطرات ہیں لیکن اپنی سلامتی کے لیے میں آپ لوگوں کو غیر محفوظ نہیں کر سکتا۔ جاتے ہوئے آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اگر آپ کو کوئی خطرہ تھا تو اپنے لوگوں سے تھا جو میرے چلے جانے سے دور ہو گیا ہے۔ مسلمان فوج کی طرف سے آپکو قطعاً کسی اندیشے میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں پوری مسلم فوج کی طرف سے آپ کو ضمانت دے سکتا ہوں کہ آپ پر کوئی آنچ نہ آئے گی۔ مسلمان فوج شہر میں داخل ہو گی اور انشاء اللہ ضرور داخل ہو گی مگر ان کا رویہ

فاتحین سے بہت مختلف ہوگا۔ اگر آپ ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھاتے اور ان کے راستے میں رکاوٹ کھڑی نہیں کرتے تو آپ انہیں ہمدرد و غمگسار پائیں گے۔ لٰہذا میرا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ شہر چھوڑنے کا خیال دل میں نہ لائیں اور پورے اطمینان سے گھروں میں موجود رہیں۔ باقی آپکا اصل مہمان پردیپ کمار ہمارے پاس محفوظ و مامون ہے۔ دیبل کی لڑائی ختم ہوتے ہی آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ تاہم میں آپ سے یہ ضرور کہوں گا کہ وہ آپ کی بیٹی آشا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اگر آپ کو آشا کی صحت یابی مقصود ہے تو اس کے لیے وہی طریقہ اختیار کیجیے جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔ خدا حافظ۔"

خیر اندیش۔ اشباح بن سقیل۔

خط پڑھنے کے بعد اشباح نے اسے تہہ کیا اور لفافے میں بند کر کے اس گٹھڑی پر رکھ دیا جو ابھی تلسی داس سے سونپ کر گیا تھا اور جو قیمتی مال و متاع سے بھری ہوئی تھی۔ اب وہ دونوں گھر چھوڑنے کے لیے بالکل تیار تھے۔ کمرے کی ایک دیوار سے چند کمانیں لٹک رہی تھیں۔ اشباح نے ایک کمان اویس کو دے دی اور دوسری خود رکھ لی۔ پھر ترکشوں کو تیروں سے بھر کر وہ باہر آ گئے۔ سب لوگ پوجا کے کمرے میں تھے۔ لٰہذا اس طرف کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ دروازہ کھول کر وہ دونوں باہر نکل آئے۔ شام ہونے والی تھی۔ دیبل کے آسمان پر سرخ کناروں والے بادل تیر رہے تھے۔ وہ دونوں سر جھکائے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے بڑی سڑک کی طرف ہو لیے۔ اچانک انہیں عقب سے ایک چھکڑا آتا دکھائی دیا۔ جونہی چھکڑے کے گھوڑے ہانپتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے اشباح نے ایک نظر چھکڑے کا جائزہ لیا اور اویس کے ساتھ بھاگ کر عقبی

راستے سے اندر گھس گیا۔ یہ کام اتنی صفائی اور تیزی سے ہوا کہ آگے بیٹھے چھکڑا بان کو بالکل خبر نہ ہوئی۔ یہ چھکڑا اوپر سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کے اندر تازہ دھلی ہوئی فوجی وردیوں کا انبار لگا تھا۔ غالباً چھکڑا دھوبی گھاٹ سے سپاہیوں کے لباس لے کر قلعے کی سمت جا رہا تھا۔ اشباح اور اویس نے جلدی جلدی اپنے لیے دو وردیاں منتخب کیں اور پہن کر بیٹھ گئے۔ چھکڑا اب بڑی سڑک پر پہنچ چکا تھا اور بھیڑ کے سبب آہستہ روی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اسکی رفتار اور کم ہو گئی شائد آگے کوئی رکاوٹ تھی۔ اشباح نے پہلو کی طرف سے پردہ ہٹا کر باہر جھانکا اور چونک گیا۔ چالیس پچاس گز دور ایک نگران چوکی تھی۔ زرہ پوش مسلح محافظ ایک ایک گاڑی کو روک کر اس کی تلاشی لے رہے تھے۔ ان کا اشباح کو پہچان لینا یقینی امر تھا۔ یہ فیصلے کا لمحہ تھا۔ اشباح نے تیزی سے سوچا اور ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ اس نے کمر سے کٹار اتاری اور اس کے دستے کے ساتھ زور زور سے فرش پر ضربیں لگانے لگا۔ کھٹا کھٹ کی آواز نے چھکڑا بان کو متوجہ کیا۔ سڑک کنارے چھکڑا روک کر وہ پچھلے حصے میں آیا اور اس وقت اس کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اشباح نے جھپٹ کر اس کے سر پر آہنی دستے کا وار کیا اور وہ ڈکراتا ہوا اوندھے منہ وردیوں کے ڈھیر پر جا گرا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اشباح نے اسے اویس کے سپرد کیا اور باہر نکل کر گھوڑوں کی راسیں سنبھال لیں۔ بھیڑ بہت ہو چکی تھی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح چھکڑا واپس موڑنے میں کامیاب رہا۔

چند فرلانگ آگے سے سڑک سے ہٹ کر گھوڑا گاڑیوں کا چھوٹا سا اڈا نظر آیا۔ درختوں تلے کچھ چھکڑے، بیل گاڑیاں اور گھوڑا گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اشباح نے بھی چھکڑا ایک جانب کھڑا کر دیا۔ جونہی اندھیرا گہرا ہوا اشباح نے نیچے اتر کر چھکڑے کے چاروں پہیوں میں سے ایک پہیہ جدا کر کے نیچے رکھ دیا۔ اب کوئی دیکھنے والا یہی

سمجھتا کہ چھکڑا خراب ہے اس لیے یہاں کھڑا ہے۔۔۔وہ ساری رات اشباح اور اویس نے چھکڑے کے اندر گزار دی۔رات گئے تک فصیل کی طرف سے شور غل کی آوازیں آتیں رہیں۔نصف شب کے بعد کچھ دیر کے لیے سکون ہوا اور اگلی صبح پھر فضا ہنگامہ خیز ہو گئی۔بھوک اور پیاس سے دونوں کا برا حال تھا لیکن وہ چھکڑے سے نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔رات بھر پہریدار گشت کرتے رہے تھے، کبھی کبھی تو وہ بالکل ان کے قریب سے گزرتے۔جس وقت سورج کی روشنی پھیل رہی تھی، دو تھکے مارے پہرے دار چھکڑے سے علیحدہ کیے ہوئے پہیے پر آ بیٹھے۔ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ کل شام مسلمانوں نے فصیل کا ایک حصہ کمزور کر دیا تھا مگر ہندو رات بھر اسکی مرمت میں لگے رہے اور اب وہ اسے پھر سے مضبوط کر چکے ہیں۔ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ گرد و نواح میں مشتبہ افراد کی تلاش زور و شور سے جاری ہے۔خاص طور پر انتظامیہ کو اس دراز قامت شخص کی تلاش ہے جس نے تین روز پہلے مندر میں کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

اشباح اور اویس بڑی خاموشی سے یہ باتیں سنتے رہے۔کچھ دیر بعد پہریدار اٹھ کر چلے گئے۔سہ پہر کے وقت لڑائی میں انتہا درجے کی شدت آ گئی۔فصیل کی طرف سے پر ہول دھماکوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ان آوازوں نے اشباح کو سمجھا دیا کہ محمد بن قاسم مایہ ناز منجنیق "عروس" کو حرکت میں لے آیا ہے۔اسکا پھینکا ہوا ہر ایک پتھر دیبل کی زمین پر زلزلہ پیدا کر رہا تھا۔سپاہ دیبل کے دور افتادہ نعرے اور چیخ و پکار کی صدا یہاں تک پہنچ رہی تھی۔گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ اشباح کی بے قراری میں اضافہ ہونے لگا۔وہ حق و باطل کے اس معرکے میں، جو اب پانچویں دن میں داخل ہو گیا، بنفس نفیس شریک ہونا چاہتا تھا۔لیکن مجبوری

چاروں طرف گھیرا ڈالے کھڑی تھی۔اس دوران چند فرلانگ کے فاصلے پر ایک سماعت شکن دھماکہ ہوا اور چھکڑے کے دونوں گھوڑے اچھل گئے۔اگر اشباح نے پہیوں کو روک نہ لگا رکھی ہوتی تو وہ چھکڑے کو لے بھاگتے۔اشباح خدشات کو بالائے طاق رکھ کر چھکڑے سے باہر نکل آیا اور دھماکے کے رخ کو دیکھنے لگا۔اس وقت اسے سنسناہٹ کی صدا آئی۔اس نے اوپر دیکھا۔ایک دیو ہیکل پتھر فضا کا سینہ چیرتا جا رہا تھا۔یہ پتھر سنسناتا ہوا سرخ جھنڈے والے مندر کی طرف گیا اور اسکے اوپر سے گزر کر او جھل ہو گیا۔ایک بار پھر زبردست دھماکے کی آواز در و دیوار کو لرزا گئی۔اشباح کا دل بلیوں اچھل گیا۔وہ سمجھ گیا سپہ سالار تک اس کا پیغام پہنچ گیا ہے اور اب اسلامی فوج "عروس" کی سنگ باری سے اس سرخ جھنڈے کو گرانے کی کوشش کر رہی ہے۔چند لمحے بعد ایک سنسناتا ہوا پتھر آیا اور خوفناک دھماکے سے مندر کے نواح میں گرا۔ منجنیق کا نشانہ درست نہیں بیٹھ رہا تھا۔اشباح دل ہی دل میں نشانے کی کامیابی کی دعا کرنے لگا۔اب اس کے لیے مزید انتظار کرنا نا ممکن تھا۔۔تمام خدشات کو پس پشت ڈال کر اور تمام مصلحتوں کو پسپا کر کے، سچے طلبگار شہادت کی طرح اس نے خرد کا پردہ چاک کر کے عشق کا دامن تھاما اور اویس کو ساتھ لے کر ایک خالی بگھی میں آ بیٹھا۔چند ہی لمحے بعد یہ بگھی ہوا کی طرح قلعے کی جانب اڑی جا رہی تھی۔

جونہی اشباح قلعے جانے والے راستے کی طرف مڑا اسے ایک نگران دستہ نظر آیا۔زرہ پوش محافظ ہر مشتبہ شخص کو روکنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔اشباح نے اسے دیکھتے ہی گاڑی ایک رستے پر ڈال دی اور اندھا دھند بھگانے لگا۔جگہ جگہ اسے حواس باختہ لوگوں کے گروہ نظر آئے۔وہ حملے کی شدت سے گھبرا کر گھروں سے نکل آئے تھے۔ان میں سے کچھ سڑکوں پر اوندھے لیٹے گڑگڑا کر سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔عروس

کی سنگ باری جاری تھی اور وقفے وقفے سے پتھریلی چٹانیں تیرتی ہوئی مندر کی طرف جارہی تھیں۔ دفعتاً اشباح کو اندازہ ہوا کہ نگران دستہ انکا تعاقب کر رہا ہے۔ یقیناً انہیں اشباح کے اچانک رخ بدلنے پر شبہہ ہو گیا تھا۔ مگر اب اشباح کو انکے شبہے کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ منزل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ فصیل اب چند سو گز دور تھی۔ بگھی کو سرپٹ بھگاتا ہوا اشباح فصیل تک پہنچ گیا۔ اشباح اور اویس چلتی ہوئی بگھی سے نیچے اترے اور ہر حدشہ بالائے طاق رکھ کر اوپر جانے والے زینوں کی طرف بھاگے۔ یہاں دشمن کے سپاہیوں میں افراتفری اپنے عروج پر تھی۔ کسی نے ان کی شکل پر توجہ نہ دی۔ وہ دونوں سر جھکا کر ایک نیزہ بردار دستے کے درمیان سے گزرے اور زینے چڑھنے لگے۔ منجنیقوں اور دبابوں کی ضربوں کی وجہ سے پوری فصیل پتے کی مانند لرز رہی تھی۔ ایک طوفان اسلامی فوج نے برپا کر رکھا تھا اور ایک قیامت دشمن کی چیخ و پکار کی وجہ سے ٹوٹی پڑی تھی۔ زرد چہروں والے فوجی اپنے زخمی ساتھیوں کو کندھے پر لادے گھبراہٹ میں کئی کئی زینے پھلانگتے اتر رہے تھے۔ ہر شخص کے پیچھے گویا موت کا فرشتہ لگا ہوا تھا۔ اشباح اور اویس فصیل پر پہنچے تو میدان کارزار اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ ان کے سامنے تھا۔ قلعے کے سامنے نشیب میں دور تک مسلمان جانبازوں کی صفیں نظر آرہی تھیں۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر فصیل پر حملے بول رہے تھے۔ اور ہر بار انکی یلغار میں شدت آجاتی تھی۔

جذبوں اور ولولوں کا ایک سیلاب تھا جو ہر رکاوٹ توڑ کر اور ہر نشیب و فراز کو ایک کر کے دیبل پر چڑھ دوڑنا چاہتا تھا۔ اشباح نے دیکھا دور ایک ٹیلے کے پاس اسے اپنے سالار کا جھنڈا نظر آیا۔ اس کا سینہ شوق سے لبریز ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک سرفراز نوجوان جو یقیناً محمد بن قاسم تھا اپنی نگرانی میں "عروس" سے سنگ باری

کروا رہا تھا۔ یہ بھی ایک یادگار منظر تھا۔ پانچ سو تنومند نوجوان جو نہایت ترتیب سے کھڑے تھے۔ سپہ سالار کے ایک اشارے پر وہ اللہ اکبر کے نعروں سے بیک وقت زور لگاتے اور پتھر پھینکنے والی کل کو کھینچ کر کئی گز پیچھے لے جاتے۔ پھر ایک جھٹکے سے پتھر چھوٹتا اور گھومتا اور سنسناتا ہوا اپنے دامن میں سینکڑوں ہلاکتیں سمیٹے سرخ جھنڈے کی طرف محو سفر ہو جاتا۔ اشباح کی موجودگی میں جو دوسرا پتھر چھوڑا گیا وہ سیدھا مندر کے کلس پر لگا۔ ایک مہیب گڑگڑاہٹ سے کلس کے کئی ٹکڑے ہو گئے۔ اور پتھر کے ان گنت ٹکڑوں کے ساتھ دیو ہیکل سرخ جھنڈا بھی نیچے آرہا۔ اشباح نے جھنڈے کا شہتیر جو کسی کشتی کے مسکان کی مانند تھا، فضا میں اچھلتا اور ٹوٹتا دیکھا اور اس کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چمک گئے۔ جھنڈے کا گرنا تھا کہ توہم پرست دشمن میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ یکایک جیسے اس کی ہمت جواب دینے لگی۔ اس وقت نعرہ تکبیر کی گونج میں مسلمان جانبازوں نے آگے نکل کر ایک زوردار ہلا بولا۔ دبابے حرکت میں آئے، کمند باز لپکے، بیسیوں سیڑھیاں فصیل سے ٹکرائیں اور شام و عراق کے سرفروش سروں پر ڈھالے رکھے اوپر چڑھنے لگے۔ ایک سیڑھی اشباح کے بالکل قریب لگی تھی۔ دفعتاً اس نے دیکھا کہ چند سپاہی سیڑھی کو نیچے گرانے کے لیے لپکے۔ اشباح نے بسم اللہ پڑھ کر کٹار نیام سے باہر کی۔ اویس نے بھی اس کی تقلید کی۔ دونوں اللہ اکبر کہہ کر عقب سے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ کوئی دس افراد تھے۔ تین تو پہلے حملے میں ہی فصیل سے نیچے جا گرے۔ باقی پلٹے اور غضب ناک ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چند ہی لمحوں میں ان کی مدد کو کئی اور زرہ پوش پہنچ گئے۔ اشباح اور اویس نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ یہ زندگی اور موت کا کھیل تھا اور اس میں وقت کی بہت اہمیت تھی۔ چند لمحے۔۔۔۔۔۔۔ صرف چند لمحے اور پھر سیڑھی پر موجود مسلمان فصیل پر پہنچ جاتے۔ ان چند

لمحوں کی قیمت اگر اشباح کی جان تھی تو یہ بہت ارزاں سودا تھا۔ وہ جان ہتھیلی پر لے کر سیڑھی کے سامنے ڈٹ گیا۔ اور پھر۔۔۔۔۔۔۔ پھر چند لمحے گزر گئے۔ اسے اپنے عقب میں پر جوش نعرہ تکبیر سنائی دیا۔ اس نے دیکھا تمتماتے چہروں والے، کشادہ سینے والے، خالد بن ولید کے جانشین، سعد بن ابی وقاص کے پیروکار، مجاہدین اسلام، عاشقان رسولؐ اس کے پہلو پر تھے، لیکن یہ کامیابی ایک بہت بڑی آزمائش کا پیش خیمہ بھی تھی وہ تعداد میں صرف دس تھے اور باقی تمام سیڑھیاں گر چکی تھیں۔۔۔ صرف دس مجاہد۔ وہ زندگی کی سرحد پھاند کر آئے تھے اور اب انکے سامنے "شہادت کی وادی" پھیلی ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اچانک اشباح کی نگاہ چند گز دور ایک برجی پر پڑی۔ اگر اشباح اور اسکے ساتھی اس برجی میں پناہ لے لیتے تو کچھ دیر تک خود کو دشمن کی تلواروں سے دور رکھ سکتے تھے۔ اشباح نے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور اس برجی کی طرف دوڑ لگادی۔ اس سے پیشتر کہ دشمن انکا ارادہ سمجھتا وہ برجی میں موجود دو سپاہیوں کو تہہ تیغ کر کے مورچہ سنبھال چکے تھے۔ انہوں نے اپنی کمانیں سیدھی کیں اور تین اطراف سے

بڑھتے ہوئے دشمن پر تیر اندازی کرنے لگے لیکن دشمن تعداد میں کم نہیں تھا۔ تمتماتے ہوئے چہروں پر سینکڑوں شعلہ بار آنکھیں انہیں گھور رہی تھیں۔ آب دار تلواریں، چمکدار برچھیاں، خونی کٹاریں، لحظہ لحظہ قریب پہنچ رہیں تھیں۔ اسوقت اشباح کو فصیل کے نیچے سے نعرہ تکبیر کی زبردست گونج سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی فصیل پر دشمنوں کی صفوں میں ہلچل نمودار ہوئی۔ غالباً محمد بن قاسم نے موقعے کی نزاکت دیکھ کر فوراً

ایک دوسرا حملہ کر دیا تھا۔ یہ حملہ سابقہ تمام حملوں سے شدید تھا اور اس حملے نے قیامت برپا کر دی تھی۔ شدت کارزار میں سر پکی فصل کی طرح گر رہے تھے۔ اشباح اور اسکے محصور ساتھی بھی اب نئے جوش سے اپنا دفاع کرنے لگے۔ یکایک اشباح کو اپنے عقب میں سردار جہم بن زحر کی صورت نظر آئی۔ یہ کوفی سردار شعلہ جوالہ بنا برق کی مانند تلوار کو حرکت دیتا قدم قدم برجی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جنگ کے شور میں اس کا نعرہ رہ رہ کر کوندے کی طرح لپک رہا تھا۔ اس کے عقب میں مسلمان مجاہد اس طرح فصیل پر ابھر رہے تھے جیسے رات کی سیاہی کا مقابلہ کرنے کے لیے ستارے قطار اندر قطار ردائے فلک پر نمودار ہوتے ہیں۔ قریب سے دیکھنے والوں کے لیے ان میں سے ہر ایک ستارہ خورشید تھا جو مدمقابل کو راکھ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کوئی ڈھائی سو مجاہد فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے ارد گرد کی پانچ برجیوں سے دشمن کا صفایا کر کے قبضہ جمالیا۔ اشباح اور اس کے ساتھیوں کے لیے یہ تبدیلی بے حد حوصلہ افزا تھی۔

رات دوسرے پہر تک جنگ پورے زور سے جاری رہی۔ مسلمانوں نے نہ صرف فصیل کا مرمت شدہ حصہ پھر منہدم کر دیا بلکہ کئی جگہوں سے فصیل انکے قبضے میں آ گئی۔ جگہ جگہ آگ کے آلاؤ بھڑک رہے تھے۔ شب کی تیرگی کو دھوئیں کی چادر نے اور بھی گھمبیر بنا دیا تھا۔ زخمیوں کی چیخ و پکار۔ ہتھیاروں کی جھنکار، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور منجنیقوں کے دھماکوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ شب کے تیسرے پہر مسلمانوں کا دباؤ بہت بڑھ گیا۔۔۔۔۔۔ آخر دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔ راجہ داہر نے قلعے کا مشرقی دروازہ کھلوایا اور اپنی شکست خوردہ فوج کے ساتھ مسلمانوں کا گھیرا توڑ کر نکل گیا۔ ایک اندازے کے مطابق بھاگنے والی فوج کی تعداد پچیس ہزار تھی۔ اسلامی فوج چونکہ قلعے کے چاروں اطراف پھیلی ہوئی تھی لہٰذا وہ مشرقی

دروازے سے بھگوڑے داہر کو اس کے ارادے سے باز نہ رکھ سکی اور وہ اسلامی مورچوں کو پھلانگنے میں کامیاب رہا۔

محمد بن قاسم کو داہر کے فرار کی اطلاع ملی تو اس نے مشرقی دروازے پر زبردست ہلا بول کر دیبل کی باقی ماندہ فوج کے لیے فرار کا راستہ بند کر دیا۔ محصور فوج نے جان بچانے کے لیے مسلمانوں سے مزاحمت کی مگر اپنے چاروں طرف نعرہ تکبیر کی گونج سن کر ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ فصیل کے اندر اور باہر اب لاشوں کے انبار لگے تھے۔ مزاحم دستوں نے خود کو ان انباروں میں شامل کرنے کی بجائے ہتھیار ڈالنا بہتر سمجھا۔ صبح کاذب کے نمودار ہونے سے پہلے مسلمان دیبل پر قابض ہو چکے تھے۔

محمد بن قاسم نے صبح کی نماز اپنے ساتھیوں کے ساتھ گورنر کے محل میں ادا کی اور شہر کا جائزہ لینے نکل کھڑا ہوا۔ صبح کے اجالے نے سیاہی کی چادر کو کھینچ کر ہنگامہ شب کے آثار ہویدا کر دئے تھے۔ فصیل کا چپہ چپہ رات گزرنے والے طوفان کی خبر دے رہا تھا۔

محمد بن قاسم اپنے جانثاروں کے ساتھ شہر کے کوچوں میں نکلا تو ڈرے سہمے ہوئے لوگ آدھ کھلی کھڑکیوں اور نیم وا دروازوں سے جھانک رہے تھے۔ ان کے چہروں پر انجانے حدشات کے سائے تھے۔ لیکن محمد بن قاسم کی شکل و صورت اور اس کے انداز میں نہ جانے کیا بات تھی کہ دیکھنے والوں کا خوف از خود دور ہونے لگا۔ ان کے حدشے شب کی سیاہی کی طرح چھٹتے چلے گئے۔ پھر دروازے کھلنے لگے اور کھڑکیاں وا ہونے لگیں۔ جھروکوں اور بالکونیوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی نظر آنے لگے۔ دیبل کی ہزارہا

آنکھیں اپنے فاتح کی صورت دیکھ رہی تھیں۔ وہ فاتح جو فتح کے نشے میں چور نہیں تھا۔ جس کی آنکھوں میں ہوس اور چہرے پر غضب نہیں تھا۔ جس کی تلوار نیام میں یوں رکھی تھی جیسے کبھی نکلی نہ ہو۔ وہ خدا کا عاجز اور مسکین بندہ نظر آتا تھا۔ اس کے نورانی چہرے پر درد اور کرب کی لہریں تھیں۔ یہ کرب ان لوگوں کے لیے تھا جو ہنگامہ شب کی نظر ہو گئے۔ یہ دلسوزی اپنے پرائے سب کے لیے تھی۔

وہ ایک فرشتہ نما انسان تھا جسے دیکھنے سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل کو سکون نصیب ہوتا تھا۔ اچانک ایک بوڑھا لپک کر دروازے کی اوٹ سے نکلا اور محمد بن قاسم کے سامنے دوزانو ہو کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ آنکھیں بند کر کے کچھ بڑبڑانے لگا۔ شائد وہ اپنے عقیدے کے مطابق محمد بن قاسم کو کوئی دیوتا سمجھ رہا تھا۔ محمد بن قاسم نے اپنے ساتھیوں سے کہا اسے منع کر دو۔ اشباح اور دو عراقی سردار بوڑھے کی طرف بڑھے اور اسے اس کی جگہ سے اٹھایا وہ مزاحمت کرنے لگا۔

"مجھے دیوتا کے چرنوں سے مت اٹھاؤ، مجھے پرارتھنا کرنے دو۔ یہ انسان نہیں اوتار ہے۔ بھگوان نے اسے ہمارے دکھ بانٹنے کے لیے آکاش سے دھرتی پر اتارا ہے۔"

محمد بن قاسم نے مسکرا کر کہا۔ "تم ایسا کیوں کہتے ہو۔ میں تو تمہارے مہاراجہ کا دشمن ہوں۔"

بوڑھا پکار کر بولا، "ہم بھی اسکے دوست نہیں وہ ہم سب کا دشمن تھا۔ اس کے سپاہی رات بھر ہمارے گھروں میں گھسے رہتے تھے اور ہماری عورتوں کی عزت پامال کرتے تھے۔ اس کے گھوڑے ہماری کھیتیاں اجاڑتے

تھے اور اس کے ہر کارے ہمارے منہ کی روٹی چھینتے تھے۔ وہ دیبل کا محافظ بن کر نہیں لٹیرا بن کر یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔"

لوگ جوق در جوق محمد بن قاسم کے گرد جمع ہونے لگے۔ محمد بن قاسم نے مترجم کے ذریعے ان سے چند باتیں کیں پھر ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گیا۔ ایک مقام پر اشباح نے اسے رکنے کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

اشباح نے ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سالار محترم! یہی وہ گھر ہے جہاں میں ٹھہرا رہا ہوں۔ اگر آپ چند لمحے مہلت دیں تو مکینوں کی خیریت دریافت کر آؤں۔"

"ضرور۔" محمد بن قاسم نے کہا۔

اشباح نے گھوڑے کا رخ موڑا اور اسے تلسی داس کے گھر کے دروازے پر جا ٹھہرایا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے دروازے پر دستک دی لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دروازہ کھلا ہوا اور گھر سنسان ہے۔ تشویش کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ وہ اندر داخل ہوا۔ صحن میں آشا کے بھائی کے جوتے پڑے تھے۔ ایک الگنی پر آشا کی سفید اوڑھنی جھول رہی تھی۔ گھر کا سامان جوں کا توں تھا مگر مکین جا چکے تھے۔۔ وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ اشباح کی یقین دہانی کے باوجود وہ دیبل چھوڑ گئے تھے۔ اشباح کو ابھی تک آشا کے بڑے بھائی مہندر کا بھی کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔ محمد بن قاسم کو اشباح کا پیغام پہنچانے کے بعد اس نے مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اب معلوم نہیں وہ جنگ میں کام آ گیا تھا یا کہیں لاپتہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے چند روز وہاں قیام کیا پھر اپنے لشکر کے ساتھ اگلی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ روانگی سے قبل کئی ہزار سندھی نوجوان بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ یہ سب لوگ راجہ داہر کی استبدادی حکومت کے مخالف تھے اور اسکے خلاف جنگ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہتے تھے۔ صبح کا وقت تھا جب اسلامی لشکر نے کوچ کیا۔ دیبل کی گلیاں اسلامی فوج کے قدموں تلے بچھی جا رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اپنے ہی کسی شہر سے کوچ کر رہے ہوں۔ ایک سڑک پر ایک ادھیڑ عمر عورت نے محمد بن قاسم کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔

"بیٹے تو ہمارے لیے بھگوان کا سایہ بن کر آیا تھا۔ تیری روانگی دیکھ کر ہمارے دل بھی بھر آئے ہیں۔ کیا ہم پھر سے داہر کے رحم و کرم پر ہوں گے؟"

محمد بن قاسم نے مترجم کی وساطت سے کہا۔ "اے محترم عورت! میں واپس نہیں لوٹ رہا۔ آگے بڑھ رہا ہوں مجھے آپ لوگوں کے مصائب کا احساس ہے۔ میرے کچھ ساتھی آپ کے ساتھ موجود رہیں گے۔ وہ آپکی ہر پریشانی کا مداوا کریں گے۔ میں اپنے بہی خواہوں کو تنہا نہیں چھوڑ رہا۔"

عورت کو تسلی دے کر محمد بن قاسم آگے بڑھا۔ آخر لشکر شہر کے اس چوراہے میں پہنچا جہاں چند روز پہلے راجہ داہر نے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا تھا۔ اس اجتماع کے لیے بنایا گیا چبوترہ اسی طرح موجود تھا مگر اب اس پر راجہ داہر کی بجائے کسی اور کا قبضہ تھا۔ یہ محمد بن قاسم کا ایک خوبصورت مجسمہ تھا جسے دیبل کے سب سے

بڑے سنگ تراش نے دن رات کی محنت سے تیار کیا تھا۔ محمد بن قاسم کی نظر مجسمے پر پڑی تو اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔

"یہ مجسمہ کس نے بنایا؟" اس نے پوچھا۔

بوڑھا سنگ تراش چند قدم چل کر آگے آیا۔ اور اسلامی سپہ سالار کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ محمد بن قاسم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ شائد کوئی سخت بات کہتا مگر بوڑھے کی دل آزاری کا خیال اڑے آگیا۔ اس نے نرمی سے کہا۔

"محترم بزرگ ہمارے دین میں مجسمہ سازی اور بت پرستی ممنوع ہے۔ براہ مہربانی آپ اسے گرا دیجیے۔"

بوڑھے نے اطاعت مندی سے سر جھکا دیا۔

اسلامی فوج شہر سے رخصت ہوئی اور طوفانی رفتار سے نیرون کوٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ عربی صحرا نشینوں کے جھنڈے سندھ کی فضا میں پھڑ پھڑائے اور اس شہر کی جانب لپکے جہاں راجہ داہر نے بھاگ کر پناہ لی تھی۔ دیبل سے نیرون کا فاصلہ چار مرحلے یعنی قریبا چار روز کا تھا۔ تیسرے روز اسلامی فوج نیرون سے ایک منزل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوئی۔ ایک جانباز سپاہی جو مسلمانوں کے لیے خبر رساں کا کام کرتا تھا۔ پڑاؤ میں پہنچا اسے فوری طور پر سپہ سالار کے خیمے میں پہنچایا گیا۔ اس وقت سردار اور اشباح بھی وہاں موجود تھے۔

اس خبر رساں نے انکشاف کیا کہ راجہ داہر نیرون کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی سے آگاہ ہو گیا ہے۔ اور شہر کو فوجی پروہت کے حوالے کرکے خود دریائے سندھ کی جانب نکل گیا ہے۔ تفصیل بتاتے ہوئے خبر

رساں نے کہا۔ "رات ایک ہنگامی اجلاس میں راجہ داہر نے اپنے جنگی مشیروں سے مشورے کیے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ طغیانی کی وجہ سے مسلمانوں کو دریائے سندھ عبور کرنے میں سخت دشوری پیش آئے گی۔

اس طرح راجہ داہر کو مہلت مل جائے گی کہ سندھ کی فوج کو منظّم کر سکے۔ یہ امر بھی یقینی ہے کہ ارد گرد کے راجے مہاراجے اور جاگیر دار مسلمانوں کی یلغار کا سن کر ان کی مدد کو پہنچ جائیں گے اور یوں دریا کے پار مسلمانوں کو عبرتناک شکست دی جا سکے گی۔"

محمد بن قاسم یہ اطلاعات سن کر سکون سے مسکراتا رہا۔ اس کی آنکھیں گواہی دے رہی تھیں کہ دشمن کی کوئی تدبیر، اس کا کوئی حیلہ وسیلہ مسلمانوں کی اقبال مندی کے سامنے ٹھہر نہ سکے گا، کچھ دیر سوچ میں غلطاں رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ نیرون کوٹ کی تسخیر اب ہمارے لیے اور آسان ہو گئی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورج نے اپنی بے باک نگاہوں سے دیکھا تو اس کے چہرے پر حیا کی سرخی پھیلی اور وہ جسم چرا کر بھاگ گئی۔ اجالے نے نشیب و فراز کو چھو کر ہر شے کے رنگ اجاگر کر دیے۔ اور دن اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ طلوع ہو گیا۔ مسلمان فوج جو رات کو یہاں پہنچی تھی اپنے سامنے نیرون کوٹ کے بلند و بالا قلعے کو دیکھ رہی تھی۔ فصیل پر جابجا لہراتے ہوئے پرچم اور ان پرچموں کے نیچے متحرک زرہ پوش پہریدار نیزوں اور بھالوں کی چمکتی ہوئی انیاں اور تیر اندازی کے دستے۔ سب کچھ مسلم فوج کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ محمد بن

قاسم کو معلوم ہو چکا تھا کہ قلعے میں داہر تقریباً آٹھ ہزار سپاہی چھوڑ کر گیا ہے۔ یہ فوج پوری پوری طرح مسلح ہے اور مہینوں کا سامان رسد رکھتی ہے۔

محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کرتے ہی حملے کا فیصلہ کر لیا۔ دوپہر تک چند چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں اور ظہر کے فوراً بعد عام حملہ کر دیا گیا۔ نیرون کی فصیل منجنیقوں کے گولوں سے لرزنے لگی اور مسلمان مجاہدوں کے فلک شگاف نعرے سندھی سپاہ کے دل دہلانے لگے۔ تاہم فوجی پروہت کی کمان میں محصور فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اندھیرا پھیلنے پر مسلمان فوجی فصیل سے ہٹ کر خیموں میں واپس آ گئے۔

کم و بیش یہی سلسلہ تین روز جاری رہا۔ بے پناہ کوشش کے باوجود مقامی فوج نے مسلمانوں کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ تیسرے روز سہ پہر کے وقت فصیل کے نیچے دو دبابوں میں آگ بھڑکنے سے کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ اس واقعے نے مسلمانوں کے جذبے کو مہمیز کیا اور محمد بن قاسم نے مجاہدوں کو جانوں کی بازی لگانے حکم دیا۔ صفوں کو منّظم کر کے مسلمان مکمل فتح کا عزم لے کر نکلے اور صاعقہ آسمانی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ محصور فوج نے اسلامی لشکر کے جوش و خروش کا یہ عالم دیکھا تو ان کے دل لرز گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ جذبوں اور ولولوں کے اس تند ریلے سے ٹکرانا بے سود ہے۔

انہوں نے فصیل پر سفید جھنڈے لہرا دیے۔ پھر قلعے کا دروازہ کھلا اور چند پروہت ہاتھوں میں صلح کے جھنڈے تھامے باہر نکلے۔۔۔۔۔۔۔ اہل نیرون کوٹ نے جان کی امان لے کر شہر مسلمانوں کے حوالے

کر دیا۔ دروازے کھل گئے۔ شہر کی گلیاں چشم براہ ہو گئیں اور مسلمان شہسوار چاروں جانب سے فتح مند اندر داخل ہو گئے۔

فوجی پروہت نے اپنی اطاعت گزاری اور مہمان نوازی کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے مسلمان سالاروں اور سرداروں کے اعزاز میں ضیافت کا اہتمام کیا۔ شہر کے بیچوں بیچ اسکا شاندار محل رات کے وقت بقعہ نور بنا دیا گیا۔ راستے کے دونوں اطراف دست بستہ کنیزیں ہاتھوں میں شمع دان لیے کھڑی تھیں۔ دالانوں اور راہداروں میں دبیز قالین بچھے تھے اور ان قالینوں ہی کی طرح ہر شخص فاتحین کے قدموں میں بچھا جا رہا تھا۔ محمد بن قاسم اور اسکے ساتھی نشت گاہ میں پہنچے تو ہندوستانی فوج کے بڑے بڑے سردار گردنوں میں پگڑیاں ڈالے سر جھکائے کھڑے تھے۔ یہ بھی ایک طرح سے اطاعت کا اظہار تھا۔ محمد بن قاسم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور اس کے اشارے پر اشباح نے ایک سردار کی پگڑی اپنے ہاتھوں سے اس کے سر پر باندھی۔ محل کی وسیع و عریض بعام گاہ میں بیٹھے ہوئے اشباح کی نگاہ اچانک ایسی صورت پر پڑی کہ وہ چونک اٹھا۔ اس سے صرف چند قدم کے فاصلے پر عائشہ کا باپ تلسی داس کھڑا تھا۔ وہ شاندار لباس میں ملبوس تھا اور میزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ جونہی اشباح کی نگاہ تلسی داس سے ٹکرائی اس کے تاثرات بدل گئے۔ یوں لگا جیسے تلسی داس اس سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

کھانے کے فوراً بعد سب مہمان باہر باغ میں آ گئے۔ یہاں فوارے چھوٹ رہے تھے۔ اور سبز رنگ کے خوبصورت تختوں پر کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اچانک ایک کنیز نے اشباح کے ہاتھ میں چھوٹی سی پرچی تھما دی۔ اشباح ٹہلتا ہوا دالان کے ایک فانوس تلے پہنچا اور پرچی کی تحریر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔۔۔۔۔

"پردیپ بیٹے! تم سے ایک نہایت ضروری کام ہے۔ اگر ہو سکے تو طلوع آفتاب کے وقت مجھے شہر کے اونچے مندر کے سامنے ملو۔ تلسی داس۔"

اس تحریر نے اشباح کو الجھا کر رکھ دیا۔ تلسی داس نے اسے پردیپ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ کیا وہ ابھی تک اس کی اصلیت سے بے خبر تھا؟ تلسی داس کے گھر سے رخصت ہوتے وقت اشباح ایک خط میں سب کچھ لکھ آیا تھا۔۔۔۔۔۔ پھر تلسی داس نے اسے سابقہ نام سے کیوں پکارا۔ یہ کوئی سازش ہے یا واقعی اسکا چھوڑا ہوا خط گھر والوں کو نہیں مل سکا تھا؟

بہر حال دوسرے روز علی الصبح اشباح نے تلسی داس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ وہ آشا کے بڑے بھائی مہندر کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ گھر پہنچ چکا ہو۔ اشباح کو اس کی بہت فکر تھی۔ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ جاگتا رہا۔ پھر سادہ لباس پہن کر باہر نکلا۔ اور اونچے مندر کی طرف پیدل چل دیا وہ مندر کے سامنے پہنچا تو اسے فوراً ہی تلسی داس کے بوڑھے گھریلو ملازم کی شکل نظر آئی۔ اس کا نام لال کمار تھا۔ لال کمار ایک گھوڑا گاڑی کے قریب کھڑا اسے سر کے اشارے سے بلا رہا تھا۔ اشباح گاڑی کی طرف بڑھا۔ اور عقبی پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک شاندار گاڑی تھی۔ تلسی داس ایک پر تکلف نشست پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ اشباح اندر داخل ہوا تو اس نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ پھر جذباتی لہجے میں بولا۔

"بیٹا مجھے تیری بہت سخت ضرورت تھی۔ بھگوان نے میری سن لی۔۔۔۔۔۔ ہمیں بتائے بغیر تو کہاں چلا گیا تھا۔ معلوم ہے کتنے پریشان ہوئے ہم۔ آشا اور دیپک نے تو رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔"

اشباح نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو تلسی داس بولا۔

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں ساری بات سمجھ رہا ہوں۔ تم اس وقت اپنے دیش کے لیے بہت بڑا بلیدان دے رہے ہو۔ دشمن کی صفوں میں گھس کر اس طرح خبر رسانی کے فرائض سرانجام دینا کوئی معمولی کام نہیں۔ ہندو جاتی کو تم جیسے ہی من چلے اور جی دار سپوتوں کی ضرورت ہے۔ میں تم پر مان کر سکتا ہوں۔"

اب اشباح کی سمجھ میں آیا کہ تلسی داس اسے کیا سمجھ رہا ہے۔ اسے اشباح کا خط نہیں ملا تھا۔ اور اس کے خیال میں وہ ایک ایسا جانباز تھا جسکے مذہبی جذبے نے جوش مارا تھا اور وہ مسلمانوں کے بھیس میں رضاکارانہ طور پر ہندوستانی فوج کے لیے خبر رسانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اشباح نے کہا۔

"لیکن۔۔۔۔۔۔ لیکن آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟"

"اپنے گھر!" تلسی داس فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "تمہاری ماتا سخت بیمار ہیں۔ مجھے وشواس ہے، اگر اسے کوئی ٹھیک کر سکتا ہے تو وہ تم ہو۔"

"ماتا" سے تلسی داس کی مراد "آشا کی ماں" تھی۔

"کیوں کیا ہوا انہیں؟" اشباح نے پوچھا۔

تلسی داس نے گاڑی بان کو گاڑی چلانے کا حکم دیا، اور ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"آشا کی بیوگی کا غم ہی کم نہیں تھا۔ اب مہندر کی گمشدگی نے اسے بالکل مریض بنا دیا ہے۔ ہر وقت اس کے غم میں گھلتی ہے۔ دیبل کی لڑائی کے دوران کچھ بتائے بغیر گھر سے چلا گیا تھا۔ ابھی کچھ پتا نہیں۔ مہاراجہ کے ساتھ جو فوج دیبل سے یہاں پہنچی وہ اس میں شامل نہیں تھا۔ اس کے کمانڈر کا کہنا ہے کہ وہ دیبل کی لڑائی میں شامل ہی نہیں ہوا تھا۔ پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

اشباح کو ابھی خود معلوم نہیں تھا وہ کیا بتاتا۔ اس نے موضوع بدل کر تلسی داس سے پوچھا۔۔۔

"آپ کے نیرون پہنچنے کی بات تو سمجھ آتی ہے لیکن شاہی ضیافت میں آپ کیسے پہنچے؟"

تلسی داس نے کہا۔ "شائد تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ نیرون کا کمانڈر پروہت میرا چچیرا بھائی ہے۔ اس تعلق داری کی وجہ سے میں نیرون میں مکان حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ورنہ پچھلے دنوں تو یہاں ایک کمرے کا مکان ڈھونڈنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔"

گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ اشباح تلسی داس سے گھر والوں کی خیریت دریافت کرتا رہا۔ آخر گاڑی ایک پر شکوہ حویلی کے سامنے جار کی۔ تلسی داس اور اشباح اتر کر اندر داخل ہو گئے۔ ننھا دیپ بھاگ کر آیا اور اشباح کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ اشباح نے اسے گود میں اٹھالیا۔ سامنے دیکھا تو آشا ساڑھی کا پلو درست کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی سرخی پھیل گئی تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا اور جلدی سے اندر چلی گئی۔ آشا کی

ماتا کامنی دیوی ایک پلنگ پر نیم دراز تھی۔ اشباح کو دیکھ کر اس کے چہرے پر رونق آ گئی۔ بیٹھے بیٹھے اس نے اشباح کا ماتھا چوما اور بلائیں لینے لگی۔

"ہزار برس جیو۔ سارے جگ کی خوشیاں سمیٹو۔۔۔۔۔۔ تمہارے ہاتھ میں شفا ہے تم آئے ہو تو لگتا ہے اب میں کچھ دن اور جی لوں گی۔" پھر وہ آشا کو آوازیں دینے لگی۔

"آشا بیٹی۔۔۔۔۔ آشا بیٹی۔ پردیپ کمار کے لیے اوپر والا کمرہ صاف کروا دو۔ اب یہ کہیں نہیں جائے گا۔"

اشباح نے تلسی داس کی طرف دیکھا۔ تلسی داس آہستگی سے بولا۔

"بھاگوان! یہ یہاں نہیں رہ سکتا۔ اس کے ذمے بہت اہم کام ہے۔ میں اس وقت بھی اسے بڑی مشکل سے یہاں لایا ہوں۔"

کامنی دیوی کے چہرے پر اچانک مایوسی پھیل گئی۔ اشباح متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ نرمی سے بولا۔

"ماتاجی! آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں موقع نکال کر آپ کو دیکھنے آتا رہوں گا۔ آپ ضرور ٹھیک ہو جائیں گی۔"

کامنی دیوی بولی، "بیٹا بس اتنا جی لوں کہ اپنے مہندر کو دیکھ سکوں پھر مر جاؤں تو پرواہ نہیں۔"

اشباح بولا۔ "گھبرائیے نہیں۔ آپ بہت برس جئیں گی اور مہندر بھی بہت جلد آجائے گا۔"

اتنے میں ایک خادمہ دودھ لے کر آ گئی۔ آشا اسکے ساتھ ساتھ تھی۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے خادمہ سے دودھ لے لیا اور اپنے ہاتھ سے اشباح کو پیش کیا۔ اس کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ تھامتے ہوئے یکایک اشباح کو

کسی کی یاد آگئی۔ ایسی ہی جھکی جھکی پلکوں کے ساتھ کبھی کسی نے اسے پیالہ تھمایا تھا۔ اور رخ پھیر کر باہر نکل گیا تھا۔ کتنی مشابہت تھی ان دونوں مناظر میں۔

اشباح کو اب یقین ہو چکا تھا، کہ وہ خط جو وہ اسباب کی گٹھڑی پر رکھ گیا تھا، گھر والوں کو نہیں مل سکا اور وہ ابھی تک اسے معالج پر دیپ ہی سمجھ رہے ہیں۔ اس کی آمد سے ان سب کے چہروں پر رونق آگئی تھی۔ در حقیقت وہ اسے گھر کا ایک فرد ہی سمجھتے تھے اور مہندر کی غیر موجودگی میں انہیں اس کی سخت ضرورت بھی تھی۔ ویسے بھی آشا کی ماتا کی طبیعت کافی خراب تھی اور ایسے میں انہیں کوئی ذہنی صدمہ پہنچانا ٹھیک نہیں تھا۔ ان حالات میں اشباح نے اپنی اصلیت بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

اسے خیالوں میں کھوئے پا کر دیپک نے کہا۔

"بھائی جان! اب آپ یہیں رہیں گے، ہم رات دیر تک باتیں کیا کریں گے۔ دیبل کی طرح، روز سویرے سویرے گھڑ سواری کے لیے نکلا کریں گے اور تالاب میں نہایا کریں گے۔ ٹھیک ہے نا؟"

تلسی داس نے کہا۔ "نہیں بیٹا تمہارے بھائی جان آج کل بہت مصروف ہیں یہ پھر آئیں گے۔"

باپ کی بات سن کر دیپک کے ساتھ ساتھ آشا کا چہرہ بھی بجھ گیا۔ شاید وہ بھی یہی سمجھ رہی تھی کہ اشباح مستقل ان کے ہاں آگیا ہے۔ افسردہ سی آواز میں بولی۔

"آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

تلسی داس نے کہا۔ "آشا میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ پر دیپ یہاں نہایت ضروری کام انجام دے رہا ہے۔ تم فضول سوالات کرنے سے پرہیز کرو۔"

آشا نے جھینپتے ہوئے سر جھکا لیا۔ پھر چونک کر بولی۔

"آپکا عمانی خادم کہاں ہے؟"

اشباح نے گول مول سا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "وہ بھی میرے ساتھ ہی ہے۔"

اتنے میں دیپک دواؤں کا وہ تھیلا بھی اٹھا لایا جو اشباح یہیں چھوڑ گیا تھا۔ اس نے تھیلا اشباح کی گود میں رکھ کر کہا۔

"یہ لیں بھائی جان۔۔۔۔۔ اپنا دواخانہ اور ماتا جی کے لیے کوئی اچھی سی دوا تجویز کر دیں۔"

اشباح نے اویس کی بتائی ہوئی ایک طاقت کی دوا منتخب کی اپنے ہاتھوں سے کامنی دیوی کو پلائی اور تھوڑی دیر گفتگو کے بعد پھر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محمد بن قاسم نیرون کوٹ کو نظم و نسق درست کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ راجہ داہر کے متعلق بھی برابر خبریں مل رہی تھیں۔ وہ دریا پار کر کے برہمن آباد پہنچ چکا تھا اور اپنے حلیف راجاؤں کی طرف ایلچی دوڑا رہا تھا۔ وہ مسلمان عورتیں اور بچے جو دیبل سے گرفتار کیے گئے تھے برہمن آباد میں ہی

محبوس تھے۔ اسکا مطلب تھا سر زمین ہند پر کفر و اسلام کا سب سے بڑا معرکہ برہمن آباد کے قرب و جوار میں پیش آنے والا ہے۔ لیکن اس سے پہلے محمد بن قاسم کی راہ میں کئی رکاوٹیں تھیں۔ راجہ داہر اور اس کے حواریوں پر آخری ضرب لگانے سے پہلے اسے سہون اور سیستان کے مضبوط قلعوں کو تسخیر کرنا تھا۔ وہ چاہتا تو ان مہمات سے بچ کر گزر سکتا تھا۔ لیکن اس طرح اسکا عقب غیر محفوظ ہو جاتا اور دشمن پر وہ دھاک بھی نہ بیٹھ پاتی جس نے بالآخر راجہ داہر کے دفاع کو لرزہ بہ اندام کرنا تھا۔

نیرون کے شاہی محل میں محمد بن قاسم شب و روز اپنے مصاحبوں سے مشورے جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس کے علاوہ اپنے چچا حجاج بن یوسف سے بھی اس کا رابطہ مسلسل قائم تھا۔ خطوط کے ذریعے حجاج ہمہ وقت جنگ کی صورت حال سے باخبر رہتا تھا۔ ڈاک کا ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ خط تین دن میں بصرہ سے سندھ پہنچ جاتا تھا۔ نیرون کے شاہی محل میں ہونے والے مشوروں میں دوسرے مصاحبوں کے ساتھ اشباح بھی شریک ہوتا تھا۔ ایک روز وہ ایسی ہی نشست سے اٹھ کر جا رہا تھا کہ اویس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ دیبل کی لڑائی میں شرکت کے بعد وہ خود کو ٹھیک ٹھاک سپاہی سمجھنے لگا تھا اور اب اسکی چال میں بانکپن آ گیا تھا۔ لیکن شاعری کی لت اتنی جلدی چھوٹنے والی کہاں تھی اور خاص طور پر ان حالات میں جب اس پر ایک نیا عشق حملہ آور ہو چکا تھا۔ اشباح نے دیکھا وہ قلعے کو جانے والی سڑک کے کنارے ایک شجر سایہ دار کے نیچے بیٹھا بڑے انہماک سے شعر موزوں کر رہا تھا۔ اشباح کو دیکھ کر چونکا پھر کھسیانہ ہو کر بیاض بند کر دی۔

""""تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اشباح نے پوچھا۔ "میں تو تمہیں قلعے میں چھوڑ آیا تھا۔

اویس بولا۔ "میں ایک سوال کے جواب کے لیے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ معلوم ہوا تم محل میں ہو تو باہر بیٹھ کر تمہارا انتظار کرنے لگا۔"

"کیا اتنا ہی اہم سوال تھا؟" اشباح نے پوچھا۔

"ہاں!" اویس نے مٹکا سا سر ہلایا۔

وہ دونوں قدم سے قدم ملا کر چلنے لگے۔ اویس نے کہا۔

"کل مجھ سے عبدالناصر (رومی سردار بوہان) کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے باتوں باتوں میں سنہری شاہین کا ذکر چھیڑ دیا۔ کہنے لگا، نہ جانے زہار اپنے ساتھیوں سے دور کیوں رہتا ہے؟ پھر بولا۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ وہ ہم لوگوں کے درمیان ہی کہیں موجود ہے لیکن ہم اسے پہچانتے نہیں۔"

اشباح بولا۔ "تم نے کیا جواب دیا؟"

اویس بولا۔ "میں کیا جواب دیتا۔ مجھے خود معلوم نہیں۔۔۔۔ ہاں سپاہیوں میں آجکل کچھ عجیب سی چہ مگوئیاں ہو رہی ہیں۔"

اشباح کا ماتھا ٹھنکا۔ "کیسی چہ مگوئیاں؟"

اویس نے ایک نظر اشباح کو دیکھا پھر گھمبیر لہجے میں بولا۔

"فرصت کے لمحات میں سپاہی اور سردار عموماً سنہری شاہین کے بارے میں سوچا کرتے ہیں۔ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔"

فقرہ ادھورا چھوڑ کر اویس نے ایک گہری سانس لی۔اور بولا۔

"کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سنہری شاہین در حقیقت تم خود ہی ہو۔"

اشباح نے بڑی مہارت سے اپنے تاثرات پر قابو پایا اور ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ؟"

اشباح کے قہقہے نے اویس کی الجھن اور سنجیدگی کسی حد تک کم کر دی۔وہ بھی مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔

"اشباح !تم میرے دوست ہو۔میں دل کی ہر بات تمہیں بتادیا کرتا ہوں سچی بات یہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔کبھی کبھی مجھے شک ہوتا ہے کہ تم دوہری شخصیت کے مالک ہو۔میں نے بعض اوقات تمہاری آنکھوں میں ایسی آگ دیکھی ہے جو عام حالت میں کبھی نظر نہیں آتی۔"

اشباح مسکرایا۔"تو اس کا مطلب ہے تمہیں بھی وہم ہے کہ سنہری شاہین دراصل میں ہوں۔"

اویس نے زبان سے اقرار نہیں کیا اور بات بدل کر بولا۔

"اشباح اگر ایسا ہے بھی تو تم کو چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔سنہری شاہین کسی چور ڈاکو یا قاتل کا نام نہیں۔یہ وہ نام ہے جو لوگوں کے دلوں میں سنہری حروف میں چمکتا ہے۔لوگ دل و جان سے اس نام کا احترام کرتے ہیں اور اس نام کے لیے سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔اگر زبار عرف سنہری شاہین تم ہی ہو تو میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی اور عزت کی بات کیا ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔کیا تمہیں اقرار ہے کہ تم سنہری شاہین ہو؟"

اشباح مسکرایا۔"میرے اقرار سے کیا ہوتا ہے کیا تم مان لوگے ؟"

اویس الجھن سے اشباح کو دیکھنے لگا۔شاید سوچ رہا تھا کہ یہ عام سا نوجوان خوابوں اور خیالوں کا سنہری شاہین کیسے ہو سکتا ہے۔دونوں اب قلعے کی حدود میں پہنچ چکے تھے۔اس لیے یہ موضوع یہیں ختم کر دیا گیا۔

رات کا کھانا کھا کر اشباح نے فوجی لباس بدلا اور صرف ایک تلوار کمر سے باندھ کر قلعے سے نکل کھڑا ہوا۔آج اس نے آشا کی ماتا کو دیکھنے جانا تھا۔نیم روشن راستوں سے ہوتا وہ قلعے سے کوئی چھ فرلانگ آگے نکل آیا۔آخر اس نے تلسی داس کی شاندار حویلی پر دستک دی۔حسب معمول بوڑھے ملازم لال کمار نے دروازہ کھولا اور اسے اندر لے گیا۔کامنی دیوی کی حالت اب کافی بہتر تھی۔دوا سے زیادہ اسے اعتقاد نے فائدہ پہنچایا تھا۔اشباح کو بستر کے پاس دیکھ کر ہی وہ کھل اٹھتی تھی۔

تلسی داس بولا۔"دیپک تو تمہارا انتظار کرتے کرتے سو گیا۔آشا شائد بالائی کمرے میں ابھی جاگ رہی ہو۔"

اس نے آشا کو آوازیں دیں۔ فوراً ہی سیڑھیوں پر بھاگتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی اور آشا نمستے کہتے ہوئے اندر آگئی۔

"کہاں تھی تم؟" تلسی داس نے پوچھا۔

"وہ بولی۔" شکیلہ کے پاس۔ کم بخت بہت ڈرتی ہے بارش سے۔ بادل چھائے ہوئے ہیں اس لیے رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔

دفعتاً اشباح کو ہلابہ یاد آگئی۔ نہ جانے خدا کی کیا حکمت تھی؟ ہر روز کسی نہ کسی منظر پر اسے ہلابہ یاد آجاتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہوا۔ اسے یاد آیا کہ ابر و باد کے موسم میں ہلابہ اسی طرح بے قرار ہو جاتی تھی۔ گم صم ہو کر لیٹ جاتی۔ اور اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلتی جب تک مطلع صاف نہ ہو جاتا اور شعب ابو ریاض کے ٹیلے دھوپ میں چمکنے نہ لگتے۔

"یہ شکیلہ کون ہے۔" اشباح نے پوچھا۔

"تلسی داس بولا۔" چند کنیزوں کے ساتھ آئی ہے۔ بھائی صاحب نے محل سے بھیجی ہے۔ ویسے بڑی خوش اطوار اور بھلی مانس ہے۔

آشا چہک کر بولی۔ "اور خدمت گار بھی۔ بس ذرا ڈرپوک ہے۔ اس وقت کانوں میں روئی ٹھونسے لیٹی ہوئی ہے تاکہ بادلوں کی گرج نہ سن سکے۔"

سب قہقہہ مار کر ہنس دیے۔ اسی دوران بادل زور سے گرجا اور بارش ہونے لگی۔ تلسی داس نے ایک نظر صحن کا منظر دیکھا اور بولا۔

"پردیپ بیٹے! آج تو تم ادھر ہی رہ جاؤ۔ برکھا رک بھی گئی تو راستہ خراب ہو گا۔"

آشا کی ماتا بولی۔ "ہاں رات کافی ہو گئی ہے اب جانا ٹھیک نہیں۔"

اشباح نے کہا۔ "نہیں میرا جانا ضروری ہے۔"

وہ تلسی داس کے ساتھ باہر دالان میں آبیٹھا اور بارش تھمنے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر بادلوں نے بھی آج موسلا دھار برسنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ رات دوسرے پہر کی نوبت گونجی تلسی داس نے اسے زبردستی بالائی منزل کی خوابگاہ میں پہنچا دیا۔ کمرے کی روشنی گل کر کے اشباح نے عشاء کی نماز ادا کی اور بستر پر لیٹ گیا۔ نرم اور آرام دہ بستر سے کمر لگتے ہی اسے نیند نے آدبوچا۔۔۔۔ رات کسی پہر ایک آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ پہلا احساس یہ ہوا کہ کمرے میں تیز خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ پھر پاؤں کی طرف کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے جلدی سے تلوار بے نیام کی اور سن گن لینے لگا۔ کمرے میں گھٹاٹوپ اندھیرا تھا۔ اس نے تیز سرگوشی کی۔

'کون ہے؟"

یہ فقرہ تین بار دوہرانے کے باوجود کوئی جواب نہیں ملا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر شمعدان روشن کر دیا۔ ایک لرزتی کانپتی روشنی کمرے میں پھیلی۔ اور اس کے ساتھ ہی اشباح کی آنکھیں کھلیں کی کھلیں رہ گئیں۔ اسے لگا

شائد وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ ایک دفعہ پھر وہی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا جو وہ دیبل میں ایک رات دیکھ چکا تھا۔ کامدار عروسی جوڑے میں ملبوس، بنی سنوری آشا اس کے سامنے تھی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور نگاہیں بالکل ساکت تھیں۔ وہ چند بالشت کی دوری سے ایک ٹک اشباح کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے سینے کا مدو جزر، اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ، اس کی آنکھوں کی نیم بازی، سارے مناظر وہی کہانی دوہرا رہے تھے۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اس طوفانی شب کی زہد شکن تنہائی میں اشباح کی استقامت کا امتحان بن کر وہ پھر اسکے سامنے آگئی تھی۔

"آشا۔۔۔۔۔۔۔ آشا۔ ہوش کرو۔" اشباح نے اس کے قریب پہنچ کر اس کا شانہ جھنجھوڑ دیا۔ جواب میں آشا اس طرح اس کے بازؤوں میں جھولی کہ جیسے بلندی سے چھلانگ لگا کر اپنا آپ ہوا کے سپرد کر دے۔ اس کا ایک ہاتھ بے خیالی میں اشباح کی عریاں تلوار پر پڑا تھا اور وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اپنے بہتے خون سے یکسر بے خبر تھی۔ خود سپردگی اور خمار کی ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری تھی۔ وہ ایک دلہن کے روپ میں تھی اور اسکے جذبات ایک جوان دلہن کے تمام احساسات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ اشباح نے اپنے مضبوط بازؤوں کے سہارے اسے سیدھا کیا اور یکے بعد دیگرے کئی طمانچے اس کے منہ پر مارے۔ وہ ایک جھٹکے سے جیسے حواس میں آگئی۔ کتنی دیر پھٹی نگاہوں سے اشباح کو دیکھتی رہی۔ پھر بستر پر اوندھی گر کر زار و قطار رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں ہر لحظہ بلند ہو رہی تھیں۔ اگر بارش کا شور نہ ہوتا تو شائد یہ ہچکیاں دور تک سنائی دیتیں۔ یکایک وہ اٹھی اور شیرنی کی طرح جھپٹ کر اشباح کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ پلک جھپکتے میں اس نے تلوار کا رخ اپنے پیٹ کی طرف کیا اور ایک جھٹکے سے اس کی نوک پیٹ میں اتارنے کی کوشش کی۔ مگر اس

سے پہلے کہ گوشت اور لوہے کا خونی ملاپ ہوتا، اشباح نے جھپٹ کر اسکا بازو تھام لیا۔ سخت جدوجہد کے بعد وہ اس سے تلوار چھڑوانے میں کامیاب ہوا اور اسے زبردستی مسہری پر گرا دیا۔ دیکھو آشا پاگل مت بنو۔ ہوش کا دامن پکڑو۔" وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

"اس میں تمہارا کوئی دوش نہیں ہے۔۔۔۔۔ تم بیمار مرئضہ ہو۔۔۔۔۔۔۔ تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔ تم بالکل بے گناہ ہو۔ "

وہ دیر تک اس سے ہمدردی جتاتا اور اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ آشا رو رو کر اپنے دل کا غبار ہلکا کرتی رہی۔ بالآخر وہ اسے سہارا دے کر اسکے کمرے میں چھوڑ آیا۔

باقی کی رقت اشباح نے جاگتے اور سوچتے گزار دی۔ وہ آشا کا دکھ سمجھ رہا تھا۔ اس کی مشکلات جانتا تھا لیکن وہ جس ماحول کی عادی تھی وہاں اسکے دکھوں کا ازالہ کیا ہو سکتا تھا۔ وہ حسین پنجرے میں قید تھی وہاں اس کے لیے پھڑ پھڑانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ رات آخری پہر بارش تھم گئی اور بادلوں کی اوٹ سے کہیں کہیں ستارے جھانکنے لگے۔ صبح کی نماز اشباح قلعے میں باجماعت ادا کرنا چاہتا تھا اس لیے ابھی اندھیرا ہی تھا کہ تلسی داس اور اس کی بیوی سے اجازت لینے نچلی منزل پر چلا آیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تلسی داس پہلے سے جاگ رہا ہے اور کمر پر ہاتھ باندھے بے قراری سے دالان میں ٹہل رہا ہے۔ چھت کے بیش قیمت فانوسوں کی روشنی میں اس کا چہرہ متفکر نظر آتا تھا۔ پریشان صورتوں والے دو ملازم بھی قریب ہی کھڑے تھے۔ اشباح کو

دیکھ کر وہ چونک گیا۔اشباح کے اصرار پر اس نے بتایا کہ رات دوسرے پہر حویلی کے گرد کچھ مشکوک لوگ گھوم رہے تھے۔ معلوم نہیں وہ کیا چاہتے ہیں۔

تلسی داس کی یہ بات اشباح کو ٹھٹھکا گئی۔اسے بھی ایک دو دفعہ شبہہ ہوا تھا کہ تلسی داس کے گھر سے نکلتے ہی کوئی اس کا پیچھا کرنے لگتا ہے۔ شائد کچھ لوگ خفیہ طور پر حویلی کی نگرانی کر رہے تھے۔

اشباح نے پوچھا۔"آپ نے ان لوگوں سے پوچھ گچھ نہیں کی؟"

تلسی داس بولا۔"پوچھ گچھ کی تھی،ابھی کچھ دیر پہلے میں نے باہر جا کر ایک شخص سے پوچھا کہ وہ یہاں کیوں گھوم رہا ہے۔اس نے خوفزدہ ہونے کی بجائے بڑی ترشی سے جواب دیا کہ ابھی تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔اور تیز قدموں سے ایک طرف نکل گیا۔"

اشباح نے کہا۔"کیا میں باہر جا کر دیکھ سکتا ہوں؟"

تلسی داس بولا۔"نہیں پردیپ۔ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔مجھے یہ اچھے لوگ نہیں لگتے۔میرا خیال ہے ان کا تعلق مذہبی جنونیوں کے ایک خاص گروہ سے ہے۔انسان کو قتل کرنا ان کے لیے معمولی بات ہے۔یہ لوگ مسلمانوں کے سخت خلاف ہیں اور ہندوستانی فوج کو بھی گالیاں دیتے ہیں کہ اس نے دیبل سے پسپائی اختیار کر کے اپنی غیرت،حملہ آوروں کے قدموں میں ڈال دی ہے۔"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی۔دستک کی شدت سے معاملے کی سنگینی کا احساس ہو رہا تھا۔اشباح آگے بڑھا تاکہ دروازہ کھولے مگر تلسی داس نے اسے روک دیا وہ اپنی پگڑی

سنبھالتا خود دروازے کی طرف گیا۔جونہی اس نے دروازے کا کھٹکا ہٹایا،کسی نے اسے دھکا دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف جا گرا۔آناً فاناً کوئی بیس عدد آدمی دندناتے ہوئے اندر گھس آئے۔ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں اور آنکھوں میں آگ دہک رہی تھی۔سب سے آگے ایک چوبیس پچیس سالہ جوشیلا نوجوان تھا۔

"کون ہو تم؟"آشا کی ماتا کملا دیوی بستر سے چلا کر بولی۔

جوشیلے نوجوان نے جس کے جسم پر صرف ایک دھوتی تھی اپنے عریان سینے پر ہاتھ مارا اور طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میرا نام گھنیش ہے۔علاقے کے لوگ مجھے گھنیش غارت گر بھی کہتے ہیں۔آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ دیش دشمنوں سے دوستانہ لگانے والے بے غیرتوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔"

تلسی داس چلایا۔"کون دیش دشمن؟کس کی بات کر رہا ہے تو؟"گھنیش نے دانت پیس کر اشباح کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔"یہ دیش دشمن،جس کا تیری بیٹی سے معاملہ ہے اور جو تیرے گھر میں راتیں گزارتا ہے۔"

"کیا بکواس ہے یہ؟"تلسی داس سینے کی پوری قوت سے چلایا۔

"چلاؤ مت۔"ایک شخص دھاڑا۔"ہم پورے اطمینان کے بعد یہاں آئے ہیں۔اس مسلمان فوجی کو ہم کئی دن سے تیرے گھر آتا جاتا دیکھ رہے ہیں۔تیری بے غیرتی نے ہم سب کے سر جھکا دیے ہیں۔"

تلسی داس نے کہا۔ "کم بختو! تمہیں بڑی غلط فہمی ہو رہی ہے۔ جو بات تم جانتے نہیں اس کا دعویٰ مت کرو۔ یہ وہ شخص نہیں جو تم اسے سمجھ رہے ہو۔"

گھنیش نے کہا۔ "ہماری معلومات بہت وسیع ہیں۔۔۔۔۔۔۔اس کا نام اشباح بن اسقیل ہے۔ یہ حملہ آور فوج کے اہم سرداروں میں شامل ہے، تمہاری ودوا بیٹی سے اسکا تعلق دیبل میں شروع ہوا تھا اور اب یہ تعلق اپنی پوری بہار پر ہے۔"

تلسی داس دہاڑا۔ "خبردار! اگر اب ایک لفظ بھی میری بیٹی کے خلاف نکالا۔"

گھنیش قہقہہ مار کر ہنسا۔ "تم لفظ کی بات کر رہے ہو' ہم تو ابھی تمہارے سامنے دونوں کو ذبح کریں گے اور ان کی لاشیں بیل گاڑی میں ڈال کر شاہی محل میں تمہارے بھائی کے سامنے لے جائیں گے۔ وہ بھی تو دیکھے کہ اس کا بھائی کتنی بے غیرتی کا کھیل، کھیل رہا ہے"

اشباح کے لیے اب صبر ممکن نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں حضر موت کے سنہری شاہین پھڑ پھڑا رہے تھے۔ جبڑے بھینچ کر اس نے تلوار بے نیام کی اور ہندو غنڈوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پھر اس کی دل دہلا دینے والی آواز فضا میں ابھری۔

"مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

جواب میں گھنیش نامی نوجوان نے برچھی سیدھی کی اور مست بھینسے کی طرح اشباح پر جھپٹا۔ وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ اسکے اٹھنے والے قدم اسے موت کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ اس شخص کی طرف لے جا رہے ہیں جسکی

تلوار سے ایک خلقت پناہ مانگتی ہے۔ موت جس کی بازؤوں کی حرکت کے ساتھ چلتی ہے اور زندگی جس کی تلوار کی نوک پر اٹکی رہتی ہے۔ اس نے اشباح پر حملہ کیا اور جواباً اشباح کی تلوار اس کی پسلیاں توڑ کر دوسری طرف نکل گئی۔ اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر باقی افراد وحشی درندوں کی طرح اشباح پر ٹوٹ پڑے۔ وہ شوقیہ لڑاکے ایک تجربہ گاہ جنگجو کے سامنے کیا ٹھہرتے چونکہ تعداد میں زیادہ تھے انہوں نے اشباح کو آگے پیچھے سے گھیر لیا۔ حویلی کے ملازم دہشت کے عالم میں ساکت کھڑے تھے۔ تلسی داس نے انہیں غیرت دلائی اور خود بھی کٹار لے کر مقابل آ گیا۔ عورتوں کی چیخیں فضا میں گونجیں، پلک جھپکنے میں حویلی کا صحن میدان جنگ کا نقشہ پیش کرنے لگا۔ ایسا میدان جنگ جس میں فوارے چھوٹ رہے تھے۔ اور گھاس کے شبنمی تختوں پر پھول لہرا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں اشباح کے بے پناہ تلوار نے پانچ آدمی ہلاک اور اتنے ہی ناکارہ کر دیے مگر اس دوران ایک ہندو غنڈے کی برچھی تلسی داس کا پیٹ پھاڑ کر دوسری طرف نکل گئی اور وہ پھڑک کر ساکت ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر کامنی دیوی نے بستر پر پڑے پڑے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔ آشا اور دیپک کی دلدوز چیخوں سے در و دیوار لرزنے لگے اچانک مکان کے ایک حصے سے شعلے بلند ہوئے۔ حملہ آوروں میں سے کسی نے اندرونی کمروں میں آگ لگا دی تھی۔ جونہی آگ بھڑکی اشباح کے مقابل افراد نے راہ فرار اختیار کی۔ بھاگتے بھاگتے ایک شخص نے آشا پر تیر چلایا جو خطا ہو کر دیپک کو لگا۔ وہ بہن کے ساتھ سیڑھیوں پر کھڑا تھا۔ لڑھک کر صحن میں آ گرا۔ حویلی میں ہونے والا شور اہل محلہ کو جگانے کے لیے کافی تھا۔ لوگ غول در غول مکان کے سامنے جمع ہو گئے۔ ان میں سے کچھ نے آگ بجھانے کی بھی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اشباح نے آشا کی بے ہوش ماں کو کندھے پر اٹھا کر بڑی مشکل سے گھر سے باہر

نکالا۔ باقی سب کچھ قیمتی ساز و سامان سمیت دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ ان میں پانچ حملہ آوروں سمیت تلسی داس اور دیپک کی لاشیں بھی تھیں۔ آشا اور باقی گھر کے ملازم جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔

کامنی دیوی کو شعلہ فشاں حویلی سے کچھ دور لا کر جب اشباح نے کندھے سے اتار کر ہوش میں لانے کی کوشش کی تو یہ دیکھ کر صدمہ انتہا کو پہنچ گیا کہ بوڑھی اور کمزور عورت بے ہوشی کی حالت میں ہی انتقال کر گئی ہے۔ اپنے گمشدہ بیٹے کے انتظار سے تھک کر اور دو ابیٹی کے غم سے گھبرا کر اس نے اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کر لی تھیں۔۔۔۔ تلسی داس اور اس کے گھرانے پر قیامت اس کے ہم مذہبوں کی طرف سے توڑی گئی تھی۔ اور یہی بات زیادہ دکھ دینے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ سنگین ترین حادثہ گزرنے کے بعد آشا یکسر تنہا رہ گئی۔ اس کا مکان جل چکا تھا لہٰذا وہ نیرون کے شاہی محل میں منتقل ہو گئی۔ نیرون کا کمانڈر فوجی پروہت اس کا چچا تھا اور اس کے سوا اب آشا کا قریبی عزیز اور کوئی نہ تھا۔ ایک روز اشباح، آشا سے ملنے کے لیے شاہی محل پہنچا۔ ہندو پہریداروں میں اتنی جرات نہیں تھی کہ مسلمان فوج کے ایک سالار کو شاہی محل میں داخل ہونے سے روکیں۔ تاہم اشباح نے اخلاقی طور پر اجازت لینا ضروری سمجھا۔ اجازت ملنے کے بعد اشباح نے آشا سے ملنے کی درخواست کی۔ آشا کو اس کی آمد سے مطلع کیا گیا اور اس نے اسے بلوا بھیجا۔

آشا نے اس سے محل کی نشست گاہ میں ملاقات کی۔ اس کی دو کنیزیں بھی موجود تھیں۔ درمیان میں ایک باریک ریشمی پردہ جھول رہا تھا۔ آشا حسب معمول سفید ساڑی میں ملبوس تھی۔ اس کی سوگوار آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ اکثر و بیشتر روتی رہتی ہے۔ ماتا پتا اور دیپک کی موت، مکان کا جل جانا، بڑے بھائی کی گمشدگی اس کے لیے معمولی صدمے نہیں تھے۔ اس کا غمزدہ حسن پے در پے صدمات کی وجہ سے سرسوں کا پھول بن کر رہ گیا تھا۔ رسمی گفتگو کے بعد اشباح نے اس سے تنہائی میں ملاقات کرنی چاہی۔ کنیزیں نشست گاہ سے باہر چلی گئیں۔ اشباح نے آہستگی سے کہا۔

"آشا! میں تمہارے صدمات میں برابر کا شریک ہوں اور تمہاری ناراضگی کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ یہ جان کر تمہیں یقیناً صدمہ ہوا ہے کہ میں واقعی مسلمان سالار ہوں اور میں نے اب تک تم لوگوں کو اپنی حیثیت سے بے خبر رکھا۔۔۔۔۔۔ یہ شکوہ بجا ہے مگر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں نے اپنی اصلیت سے تم لوگوں کو دیبل میں آگاہ کر دیا تھا۔ گھر چھوڑتے ہوئے میں ایک خط تمہارے مرحوم پتا کے نام لکھ آیا تھا مگر نہ جانے وہ خط انکے ہاتھ کیوں نہیں لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں جب دوبارہ مجھے نیرون میں دیکھا تو پردیپ سمجھ کر زبردستی اپنے ساتھ لے گئے۔"

پردے کی دوسری جانب سے آشا کچھ دیر عجیب نظروں سے اشباح کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

"آپ کا خط میرے پاس ہے۔"

اشباح حیرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ شائد اس کی باتوں کا یقین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آشا سر جھکا کر بولی۔

"میں نے وہ خط پڑھا تھا اور جان گئی تھی کہ آپ مسلمان ہیں۔ پھر میں نے ماں کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ ماں نے کہا تھا یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہنی چاہیے۔ وہ پتاجی کی طبیعت اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ ایسے معاملات میں وہ بے انتہا سخت تھے۔ ان کے استعمال کی چیز سے کوئی نیچ ذات چھو جاتا تو وہ اسے تلف کر دیتے تھے۔ اسی کارن ایک دفعہ انہوں نے اپنے ہاتھی کو زہر دے کر مار ڈالا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نہایت شرمندگی کے ساتھ اعتراف کرتی ہوں کہ پتاجی مسلمانوں کو بھی ناپاک اور شودر سمجھتے تھے۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ جو مہمان ان کے گھر ٹھہرا ہے وہ برہمن کی بجائے مسلمان تھا تو پتا نہیں وہ کیا کیا غارت کر دیتے۔ ممکن تھا کہ گھر ہی جلانے پر تل جاتے۔ ان کے سامنے ہمارا خاموش رہنا ہی مناسب تھا۔ اس وقت ہم میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس پردہ داری کا آگے چل کے اتنا سنگین نتیجہ نکلے گا۔ کاش یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔"

ایک سسکی بھر کر آشا خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر دونوں کے درمیان گہری خاموشی طاری رہی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے۔ پھر اشباح نے طویل سانس لے کر کہا۔

"آشا جو ہو گیا اس پر کسی کا بس نہیں تھا اور نہ کسی کو توقع تھی۔ بہر حال اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ کیا تم یہاں نیرون میں اپنے چچا کے پاس مقیم رہو گی؟"

آشا نے لمبی پلکیں اٹھائیں۔ آنکھ کے کٹوروں میں شبنم لرز رہی تھی۔ وہ بولی۔

"نہیں اشباح! میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ یہاں انتہا پسندوں کی جانب سے مجھے اپنی عزت اور جان کا ہر وقت خطرہ رہے گا اور پھر ماتا پتا کے دھیانت اور مہندر بھائی کی گمشدگی کے بعد میرا اور یہاں کون ہے۔۔۔۔۔ چچا اور لاوارث بھتیجی کے رشتے میں اتنی گہرائی نہیں کہ مجھے مستقل پناہ مل سکے۔"

اشباح نے کہا۔ "آشا تم نے میرے دل کی بات کہی ہے، میرا ابھی یہی خیال ہے کہ تمہارا اب یہاں رہنا مناسب نہیں۔"

آشا نے کہا۔ "لیکن میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ پتاجی میرے لیے بہت نقد چھوڑ کر گئے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی اور شہر میں جا کر آباد ہو جاؤں اور ایک گمنام عورت کی حیثیت سے زندگی گزار دوں۔"

اشباح نے پر سوچ لہجے میں کہا۔ "آشا تم ایسا کرو کہ اسلامی لشکر کے ساتھ ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں ہماری اگلی منزل سہون ہے اور اسکے بعد ہمیں سیستان پہنچنا ہے۔ تم ان دونوں شہروں میں سے کسی شہر کو اپنے قیام کے لیے منتخب کر سکتی ہو۔"

آشا نے کہا۔ "اگر آپ سیستان جا رہے ہیں تو میں آپ کے ساتھ ضرور جاؤں گی۔ میرا اپنا ارادہ بھی وہیں پر مکان خریدنے کا ہے۔ بلکہ میں نے اپنے خاندانی ملازم لال کمار کو رقم دے کر روانہ کر دیا ہے۔ دو برس پہلے میں ماتا پتا کے ساتھ وہاں گئی تھی تو پتاجی کو ایک برہمن تاجر کی حویلی بہت پسند آئی تھی۔ میں نے لال کمار سے کہا ہے کہ وہ حویلی جتنے میں ملے خرید لے۔"

کچھ دیر آشا کی دلجوئی کرنے اور آئندہ کا لائحہ عمل سوچنے کے بعد اشباح نے اجازت طلب کی اور محل سے باہر آگیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چندروز قیام کے بعد اسلامی فوج نیرون کوٹ سے روانہ ہوئی تو اس کے ساتھ سینکڑوں پرجوش سندھی سپاہی بھی شامل ہوگئے تھے۔ مسلم فوج کے حسن اخلاق اور جرات مندی نے ہر شخص کو اپنا گرویدہ کرلیا تھا۔ لوگوں کو داہر کا انجام محمد بن قاسم کی تلوار پر لکھا نظر آتا تھا اور اس تلوار کی نصرت کے لیے وہ جوق در جوق اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے تھے۔

نیرون کوٹ سے سہون کا فاصلہ طویل نہیں تھا دشوار تھا۔ علاقہ صحرائی اور بے آب و گیاہ تھا۔ مشکی گھوڑوں کے سیماب پا دستے لشکر کے آگے آگے چلتے۔ ایک کوہان اور دو کوہان والے اونٹوں کی طویل قطاریں ایک ہم آہنگی کے ساتھ رواں رہتیں۔ بڑے بڑے چھکڑوں پر دیو ہیکل منجنیقیں لشکر کے آخر میں چلتیں۔ ان چھکڑوں کے ساتھ پیادہ دستے ایک ترتیب کے ساتھ آگے بڑھتے۔ کبھی کبھی رجز کی بازگشت لشکر میں گونجتی اور غازیوں کے قدموں میں غیر محسوس تیزی آجاتی۔۔۔۔۔۔ سفر کے دوسرے روز اسلامی فوج نے ایک نسبتاً بلند مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ خیمے نصب ہوگئے۔ مطبخ میں جانور ذبح ہونے لگے اور جگہ جگہ الاؤ روشن کردیے گئے۔ اشباح مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر آشا کے خیمے میں پہنچا۔ اجازت طلب کرکے وہ اندر داخل ہوا تو آشا اپنے لمبے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ رہی تھی۔ شائد چند لمحوں پہلے وہ کنیزوں سے کنگھی کروا رہی

تھی۔ آنچل سے سر ڈھانپ کر وہ جلدی سے پردے کی اوٹ میں چلی گئی اور خوش آمدید کہا۔ اشباح نے حسب عادت نگاہیں جھکائے جھکائے جواب دیا۔ دونوں کنیزیں دست بستہ ایک طرف کھڑی تھیں اشباح نے ایک نظر کنیزوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آشا! ان میں سے کون ہے جو بارش سے بہت ڈرتی ہے؟ "

آشا نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔ "وہ ان میں نہیں، نیرون میں ہی رہ گئی ہے۔"

"کیوں؟" اشباح نے پوچھا۔

آشا نے قالین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ایک مسئلہ تھا اس بیچاری کا، وہ کسی کو تلاش کرنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔"

"کوئی عزیز ہوگا؟"

"عزیز تو نہیں تھا مگر عزیزوں سے بڑھ کر تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پگلی۔۔۔۔۔۔۔ اسے چاہتی تھی۔ مجھے نہیں بتایا مگر میں جانتی ہوں وہ اسلامی لشکر کا کوئی سپاہی تھا۔ چپکے چپکے اس کے لیے آنسو بہاتی رہتی تھی۔ پتہ نہیں کہاں کہاں کی خاک چھانتی یہاں تک پہنچی تھی۔"

اشباح نے کہا۔ "اسکا مطلب وہ بھی عربی تھی۔"

آشا نے اثبات میں جواب دیا اور بولی۔ "بڑی بھلی مانس تھی، میں نے تو اسے آزاد کردیا اگر اس کی اپنی خواہش ہوئی تو آجائے گی میری طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

اشباح نے کہا۔"آئے گی کیسے ؟اسے تمہارا پتہ معلوم ہے ؟"

آشانے کہا۔"میں نے اسے بتادیا تھا کہ سیستان جارہی ہوں اور اپنا پتہ بھی دے دیا تھا۔"

اشباح کچھ دیر آشا سے مصروف گفتگو رہا۔۔۔۔۔پھر عشاء کی آذان فضا میں بلند ہوئی اور خیموں کے درمیان گشت کرتی ہوئی ساعتوں کے راستے دل پر وارد ہونے لگی۔

"حی علی الصلوۃ حی علی الصلوۃ"

خیموں کے در کھلے۔ادھر ادھر بیٹھے ٹولیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور لشکر جوق در جوق عارضی وضو خانوں کی طرف بڑھنے لگے۔اشباح بھی خیمے سے نکل کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا۔

اگلے روز سفر کے دوران سہ پہر کے وقت آشباح کی نگاہ آشا پر پڑی۔ظہر کی نماز سے پہلے لشکر کھانے کے لیے رکا ہوا تھا۔اشباح نے دیکھا کہ آشا اپنے اونٹ سے نہیں اتری۔اور گرمی کے باوجود ایک کنیز کے ساتھ محمل کے اندر ہی گم صم بیٹھی ہے۔کل تو وہ خاصی ہشاش بشاش بیٹھی تھی۔یکایک نہ جانے اسے کیا ہو جاتا تھا۔اس نے سوچا کہ وہ قریب جا کر اس سے صورت احوال دریافت کرے لیکن کھانے کے فوراً بعد ظہر کی اذان ہو گئی اور وہ نماز پڑھنے چلا گیا۔نماز پڑھتے ہی کوچ کی صدا آگئی۔اس کے بعد رات تک اشباح کو فرصت نہیں ملی۔رات کو جب وہ بستر پر لیٹا تو آشا کی اداسی یاد آئی لیکن اتنی رات گئے اس کے خیمے میں جانا کسی طور پر بھی ٹھیک نہیں تھا۔یہ کام صبح پر ڈال کر سو گیا۔علی الصبح اٹھ کر اس نے تہجد کی نماز ادا کی اور پھر با جماعت نماز ادا کرنے کے بعد وہ اویس کے ہمراہ خیمے کی طرف چل دیا۔صبح کی خنک اور صاف ہوا روح کو بالیدگی بخش رہی

تھی اور مشرق سے نمودار ہونے والا سپیدہ بتدریج پر نور اجالے میں ڈھل رہا تھا۔اشباح جب تک خیمے تک پہنچا تو اس نے ایک کنیز کو بے قرار کھڑے دیکھا۔یہ آشا کی کنیز تھی۔اشباح کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے قریب آئی اور چپکے سے ایک پرچہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔پھر لرزاں لہجے میں بولی۔

"آقا!مالکہ اپنے بستر پر موجود نہیں۔تکیے کے نیچے سے یہ کاغذ ملا ہے۔"

اشباح نے خیمے میں جا کر شمعدان کی روشنی میں یہ کاغذ دیکھا۔یہ آشا کی تحریر تھی۔سنسکرت میں لکھا تھا۔

آشا کی طرف سے اشباح بن سقیل کے نام

""میرے محترم!

میں بہت شرمندہ ہوں۔آپ کی ہدایت کے مطابق خود میں زندہ رہنے کا حوصلہ پیدا نہیں کر سکی۔آپ کی تمام دلجوئی اور حوصلہ افزائی میری محرومیوں کے سامنے غارت ہو گئی ہے۔بہت سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ میں عورت کے نام پر ایک بد نما داغ ہوں اور مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔میں اپنی تمام محرومیوں،نامراد خواہشوں اور لغزشوں کو سمیٹ کر موت کی آگ اوڑھ لینا چاہتی ہوں۔آپ سے صرف اتنی درخواست ہے کہ اگر میری لاش دستیاب ہو جائے تو اسے عزت کے ساتھ ٹھکانے لگا دیں۔میرا باپ بڑی عزت والا تھا۔اس کے نام پر مجھ بد نصیب کی وجہ سے کوئی حرف نہ آئے۔میں اپنی دونوں کنیزوں کو آزاد کرتی ہوں۔میرے ترکے میں سے دسواں حصہ میرے خاندانی ملازم لال کمار کو دیا جائے۔باقی رقم

سے ایسے مستحق افراد کی مدد کی جائے جن کی بیٹیاں بن بیاہے بوڑھی ہو رہی ہیں۔ سیستان میں جو میں نے مکان خریدا ہے اسے بیچ دیا جائے یا دھرم شالا میں تبدیل کر دیا جائے۔"

اشباح نے خط کی آخری سطور پر سرسری نظر ڈالی اور بھاگتا ہوا خیمے سے باہر نکل آیا۔ لرزتی کانپتی کنیز باہر کھڑی تھی۔ اشباح نے سختی سے پوچھا کہ یہ خط اسے کب ملا؟

"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔ جب میں عبادت کے لیے جاگی تھی۔" پارسی کنیز نے جواب دیا۔

"آخری بار تم نے مالکہ کو کب دیکھا تھا؟"

"رات سونے سے پہلے۔" کنیز نے جواب دیا۔

اشباح نے حیران و پریشان اویس کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں گھوڑے لے کر تیزی سے پڑاؤ کی ایک جانب نکلے۔ پڑاؤ سے نکلتے ہی اشباح کو آشا کا بوڑھا خدمت گار لال کمار نظر آیا۔ وہ بھی گھوڑے پر سوار پریشانی میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ اشباح نے اسے اور اویس کو دو مختلف اطراف میں بھیجا اور خود تیسری سمت میں نکل کھڑا ہوا۔ ہلکا اجالا اب نشیب و فراز کو نمایاں کرنے لگا تھا۔ آسمان پر محورقص اکادکا پرندوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اشباح عقابی نظروں سے چاروں طرف دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ شدت غم سے اس کا چہرہ چٹان کی مانند سخت ہو رہا تھا۔ کافی دیر بھٹکنے کے بعد اچانک ایک کنواں نظر آیا اور وہ رک گیا۔ ایسے ویران کنویں اس صحرا میں جابجا بکھرے ہوئے تھے۔

تھے۔ بارش کے دنوں میں یہ کنویں تھوڑا بہت پانی جمع کر لیتے تھے مگر جلد ہی یہ پانی استعمال ہو جاتا یا دھوپ اسے اڑا لے جاتی۔ اشباح نے گھوڑا کنویں کی طرف موڑا۔ کنویں کی بوسیدہ سی چرخی کے ساتھ چمڑے کی رسی لٹک رہی تھی۔ منڈھیر کی گیلی مٹی پر نسوانی قدموں کے تازہ نشان دیکھ کر اشباح کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ بسم اللہ پڑھتا ہوا منڈھیر کی طرف بڑھا۔ اندر جھانکتے ہی اس کی آنکھوں سے جیسے خون ٹپک پڑا۔ ساڑھی کا سفید پلو گدلے پانی پر تیر رہا تھا اور ایک نرم و نازک سپید ہاتھ کیچڑ میں سے جھانک رہا تھا۔

"آشا!" اشباح کی پُر درد آواز کنویں کی گہرائی میں گونج رہی تھی۔ وہ جلدی سے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ خرجین میں سے کمند کی مضبوط رسی نکالی۔ اسے چرخی سے باندھا اور تیزی سے کنویں میں اترنے لگا۔ کنویں کا پانی گدلے کیچڑ میں بدل چکا تھا اور آشا کا جسم اس کیچڑ میں پڑا تھا۔ اس کیچڑ میں خون کی سرخی بھی گھلی ہوئی تھی۔ اشباح تہہ میں اترا تو گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنس گیا۔ اس نے آشا کو کھینچ کر کیچڑ سے نکالا۔ وہ ایک کمان کی طرح اشباح کے بازو پر جھول گئی۔ اس کا سر پھٹا ہوا تھا۔ بظاہر وہ مر چکی تھی لیکن جسم میں زندگی کی حرارت ابھی باقی تھی۔ اتنے میں گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دیں شاید اویس یا لال کمار میں سے کوئی اس کا گھوڑا دیکھ کر کنویں پر چلا آیا تھا۔ ایک چہرے نے کنویں کے اندر جھانکا تو اشباح کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ یہ اویس ہی تھا۔۔۔ دونوں نے مل کر سخت کوشش سے آشا کو کنویں سے نکالا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر پڑاؤ کی طرف بڑھے تاکہ اسے طبّی امداد پہنچائی جاسکے۔

معجزانہ طور پر آشا کی جان بچ گئی۔۔۔ تیسرے روز اشباح اس کے بستر کے پاس بیٹھا تھا اور ادھیڑ عمر پارسی کنیز اپنے ہاتھ سے اسے سبزی کا شوربہ پلا رہی تھی۔ آج درمیان میں پردہ موجود نہیں تھا۔ یہ اشباح کی موجودگی کا

اثر تھا ورنہ شاید وہ ایک چمچ بھی لینے پر رضامند نہ ہوتی۔ کچھ دیر بعد کنیز خالی پیالی لے کر باہر چلی گئی۔ اشباح نے پلکیں جھکائے جھکائے کہا۔

"آشا! میں آج تم سے ایک نہایت اہم بات کہنے آیا ہوں۔ یہ بات مجھے تمہارے کسی بزرگ سے کہنا چاہیے تھی لیکن ان حالات میں براہ راست گفتگو کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

آشا سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کی شفاف دھلی ہوئی آنکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا۔ اشباح نے چٹانوں جیسے ٹھوس اور واشگاف لہجے میں کہا۔

"آشا! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

آشا کے رخساروں پہ اچانک سرخی کی ایک لہر دوڑی۔ اس کی آنکھوں میں ستارے جگمگائے اور جیسے دنیا جہان کی مسرتیں چہرے پہ سمٹ آئیں۔ بالکل اسی طرح جیسے اس نے پہلی بار اشباح کو دیکھا تھا اور اندرونی مسرت سے گلنار ہو گئی تھی، مگر ایسا صرف چند لمحوں تک کے لئے ہوا۔ فوراً ہی جذبوں کی یہ کہکشاں اس کے معصوم چہرے سے اوجھل ہو گئی اور مایوسیوں کی بے جان سپیدی نے نقوش کو ڈھانپ لیا۔ آنکھوں کے ستارے بجھ گئے اور ہونٹوں کے چراغوں نے دھواں پہن لیا۔ وہ صدیوں کی پسی ہوئی نحیف اور کمزور آواز میں بولی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"ایسا ہو کر رہے گا آشا!" اشباح نے ایک عزم لازوال کو لہجے میں سمیٹ کر کہا۔ "انشاءاللہ تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھو گی۔"

آشا نے لرزتی آواز میں کہا۔ "اشباح! آپ نہیں جانتے۔ میرے دھرم میں مجھ جیسی عورت کو ناگن کہا جاتا ہے، ناگن کا کام ڈسنا ہے۔ میں ہر اس مرد کو ڈس لوں گی جو مجھے گلے کا ہار بنائے گا۔۔۔ بھگوان نہ کرے آپ کے جیون پہ میرا سایہ بھی پڑے۔"

اشباح نے پہلی بار اپنی پلکیں اٹھائیں اور انتہائی سخت لہجے میں کہا۔ "آشا! اب ایک لفظ۔۔۔ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالنا۔ ورنہ ہمارے راستے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے۔ میں جو کچھ کہہ چکا ہوں وہ پتھر پر لکیر ہے اور اس لکیر کو دستِ قدرت کے سوا کوئی نہیں مٹا سکتا۔۔۔۔ خدا حافظ۔"

یہ کہتے ہوئے اشباح تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حدِ نگاہ تک ریت تھی اور اس پر چاندنی کا بسیرا تھا۔ آسمان پر ستاروں کی افشاں چنی ہوئی تھی۔ ایک مدھر ہوا نے آغازِ شب کی گھڑیوں کو خنک کر رکھا تھا۔ اسلامی فوج سیون کے نواح میں خیمہ زن تھی۔ اشباح پڑاؤ سے باہر چپ چاپ ایک ٹیلے پر بیٹھا تھا۔ وہ محمد بن قاسم کو بتا چکا تھا کہ وہ ایک مقامی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ محمد بن قاسم نے پوچھا۔ "وہ لڑکی کون ہے؟"

اشباح نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "سالار! وہ لڑکی ہندوستانی معاشرے کی بربریت کا شاہکار ہے۔ وہ مظلومیت اور بے کسی کی ایسی تصویر ہے جو اس سرزمین پر ہزار ہا برس سے، ہزار ہا ہاتھوں نے ایک ہی رنگ سے بنائی

ہے۔ وہ ایک بیوہ ہے جس سے شادی کرنا مقامی رواج کے مطابق گناہِ عظیم اور ذلت و رسوائی کا موجب ہے۔ میں اس لڑکی سے شادی کر کے ایک قابلِ نفرت رسم کے بت پر پہلی ضرب لگانا چاہتا ہوں۔۔۔"

اشباح کی پوری بات سننے کے بعد محمد بن قاسم نے اسے بخوشی اجازت دے دی تھی۔ صرف اتنی ہدایت کی تھی کہ یہ شادی ایک مسلمان مجاہد کی توجہ میدانِ جنگ سے کم کرنے کا سبب نہ بنے۔ اشباح نے کہا تھا۔

"سالار محترم! آپ مجھے پہلے سے زیادہ فعال پائیں گے۔ شادی کے بعد بیوی میرے ساتھ نہیں رہے گی۔ میں اسے سیستان یا کسی دوسرے شہر میں ٹھہرا دوں گا۔"

محمد بن قاسم نے کہا تھا۔ "اللہ آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔"

۔۔۔اور اس وقت اشباح تنہائی میں بیٹھا اپنے آپ سے سمجھوتہ کرنے میں مصروف تھا۔ زندگی کے نئے سفر کے لئے خود کو تیار کر رہا تھا۔ اپنے دل کو منا رہا تھا، اسے سمجھا رہا تھا، سوچ کے ناخن سے دل پر کندہ ایک نام کو کھرچنے میں مصروف تھا لیکن یہ نام تھا کہ کھرچنے سے اور زیادہ چمکتا جا رہا تھا۔ اس سے پھوٹنے والی شعائیں، کڑی کمانوں کے تیروں لی طرح اس کے جسم میں پیوست ہو رہی تھیں۔ بار بار اس کے ہونٹوں سے ایک آہ نکل جاتی تھی۔

"ہلابہ۔۔۔ بلابہ" اسے ریت کے ہر ذرے سے آواز آ رہی تھی۔ زمین سے لے کر آسمان تک اور آسمان سے لے کر نامعلوم رفعتوں تک یہ آواز پوری کائنات میں گونج رہی تھی۔ چاند کی کرنیں، ٹمٹماتے ہوئے ستارے، بادِ شب کے جھونکے، ریت کے ذرے اور اس کے اپنے جسم کا رواں رواں۔۔۔ سب بیک زبان ہو

کر یہی نام پکار رہے تھے۔ ایسا کیوں تھا۔۔۔ ایسا کیوں تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کیا وہ عشقِ لاحاصل میں گرفتار ہو چکا تھا۔ عشقِ مجازی کی بھول بھلیوں میں کھو گیا تھا! یہ تو اس کی منزل نہیں تھی۔ اس نے زندگی میں کبھی اس انداز میں نہیں سوچا تھا لیکن شاید سوچنے یا نا سوچنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تلواروں کی چھاؤں میں جینے کی آرزو کرتے کرتے نہ جانے کس وقت زلفوں کی چھاؤں نے بھی اس کے دل میں جگہ بنا لی تھی۔ وہ نڈھال سا ہو کر خنک ریت پر لیٹ گیا اور ماضی کے چمکتے دمکتے قطار اندر قطار اس کے ذہن میں داخل ہونے لگے۔ ہر لمحے میں ہلابہ کی جھلک تھی۔ کسی میں اس کی معصومیت، کسی میں اس کی ناراضگی، کسی میں شوخی اور کسی میں دوستی۔

ایک بھولے بسرے فقرے کی بازگشت اس کے کانوں سے ٹکرانے لگی۔

"میں چلی جاؤں گی تو بہت یاد کرو گے۔"

وہ چلی گئی تھی اور وہ خود بھی بہت دور نکل آیا تھا اور اب شاید کچھ دنوں تک اسے بلابہ کے بارے میں سوچنے کا مجاز بھی نہیں رہنا تھا۔۔۔ وہ بہت دیر تک نوکیلی سوچوں کے بستر پر بے قرار لیٹا رہا۔ دفعتاً قدموں کی چاپ سن کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے سامنے آشا کا بوڑھا خدمتگار لال کمار کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا اور اشباح کے کہنے پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"ہاں۔۔۔ لال کمار! کیا خبر لائے ہو؟"

لال کمار نے عاجزی سے کہا۔ "حضور! میں نے بٹیا سے بات کی تھی۔ دراصل اسے لاج آرہی ہے۔ ورنہ میں جانتا ہوں وہ انکار کر ہی نہیں سکتی۔ آپ اسے جو عزت اور مان دے رہے ہیں وہ اسکے خیالوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کا بس چلے تو خوشی سے مر کر آپ کے چرنوں کی دھول بن جائے۔"

اشباح نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس نے منہ سے کچھ کہا یا نہیں؟"

لال کمار بولا۔ "آپ جانتے ہی ہیں عورت کی خاموشی آدھی رضامندی ہوتی ہے۔ میں نے بیٹیا کو گود میں کھلایا ہے اور باپ کی طرح اس کے من کی بھاؤنائیں جانتا ہوں۔ کیول ایک آدھ روز کی بات ہے۔ وہ کسی اشارے کنائیے سے ہاں کہہ دے گی۔"

اشباح نے کہا۔ "لال کمار! میں پھر تمہیں کہتا ہوں اس کی طرف سے محتاط رہو۔"

بہتر ہے ایک دو راتیں اس کے خیمے سے باہر جاگ کر گزارو۔ کنیزوں کو بھی ہوشیار کر دو۔ وہ بہت جذباتی لڑکی ہے۔ کچھ پتہ نہیں کس وقت کیا کر جائے۔ اس سے پہلے قدرت تین دفعہ اس کی جان بچا چکی ہے۔"

لال کمار نے وعدہ کیا کہ وہ اشباح کی ہدایت پر عمل کرے گا اور اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔ اشباح کچھ دیر خیالوں میں گم رہنے کے بعد پڑاؤ میں لوٹ آیا۔

اب ہم سیون کی طرف آتے ہیں۔ سیون زیادہ بڑا شہر نہیں لیکن اس کی فوجی اہمیت مسلمہ تھی۔ یہاں کا والی راجہ داہر کا بھتیجا باج رائے تھا۔ ہم عصر ہندوستانی رہنماؤں کی تمام برائیاں باج رائے میں موجود تھیں۔ جس وقت اسے اسلامی فوج کی آمد کی اطلاع ملی وہ شاہی محل میں ایک جشن کا اہتمام کر رہا تھا۔ یہ جشن اس کی اپنی شادی کے سلسلے میں برپا ہو نا تھا۔ وہ اپنی عمر سے کوئی پندرہ برس چھوٹی ایک گجراتی حسینہ سے بیاہ رچا رہا تھا۔ نوتن نامی اس حسینہ سے اس کا عشق بہت دیر سے چل رہا تھا۔ وہ ایک گجراتی سوداگر کی بیٹی تھی۔ باپ کے ساتھ تجارتی قافلے کے ہمراہ سیون سے گزری تو باج رائے کی نگاہوں میں آگئی۔ باج رائے نے حیلے بہانوں سے تجارتی قافلے کو سیون میں روک لیا اور گجراتی سوداگر پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے۔ انعامات ونوازشات کی بارش سے اس نے سوداگر کو رام کر لیا اور بالآخر وہ نوخیز بیٹی کو باج رائے کے ساتھ بیاہنے پر تیار ہو گیا۔

۔۔۔اور اب کوئی ایک برس بعد اس کی مراد بر آرہی تھی۔ شادی کی تاریخ کوئی ایک ماہ بعد کی تھی لیکن باج رائے کے اصرار پر یہ شادی جلد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ جنگ کے میدان میں کودنے سے پہلے باج رائے اپنی زندگی کی یہ اہم خوشی حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ باج رائے کے مصاحبین وعمائدین بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے شادی کے انتظامات میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا تاکہ مسلمانوں کی آمد سے قبل یہ "فریضہ" انجام پا جائے اور ان کا راجہ پورے اطمینان وسکون قلب کے ساتھ شہر کے دفاع میں حصہ لے سکے۔

اس وقت منظر شاہی محل کی نشست گاہ کا تھا۔ محل کا یہ حصہ دلہن کے گھر کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ بارات پہنچ چکی تھی اور اگنی کے گرد پھیروں کی رسم ادا ہو رہی تھی۔ پھیرے مکمل ہوئے تو مبارک سلامت کا شور بلند ہوا۔ باج رائے نے ایک نہایت قیمتی ہار اپنے گلے سے اتار کر دلہن کے باپ کے گلے میں ڈال دیا۔ نقاروں پر چوٹ پڑی اور شاہی خزانے کا منہ کھول دیا گیا۔ محل کے سامنے غریب غرباء کے جمِ غفیر پر اشرفیوں کی بارش ہونے لگی۔ محل کے اندر مصاحبین کو قیمتی تحائف اور پوشاکوں کی تقسیم شروع ہوئی۔

سینکڑوں رسومات کے بعد دلہن کو ایک شاندار بگھی میں بٹھا کر محل کے دوسرے حصے میں پہنچایا گیا۔ یہاں زبردست جشن کا اہتمام تھا۔ رنگ برنگ آنچلوں کی بہار آئی ہوئی تھی۔ زرق برق کپڑوں پر قیمتی زیورات جگمگا رہے تھے۔ حسین و نازک اندام رقاصائیں موسیقی کے بہاؤ پر تھرکتی پھر رہی تھیں۔ پھر صراحیوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ بلوری جسموں والی حسین دوشیزائیں ساقی گری کرنے لگیں۔ پیالے گردش میں آئے تو در و دیوار گردش میں آ گئے۔ مستی، سرشاری، شریر نگاہیں، شوخ ادائیں سب کچھ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگا۔۔۔ اور یہی وہ وقت تھا جب شہر اسلامی فوج کے تھکے ماندے سپاہی شہر کو گھیرے میں لے رہے تھے۔ جنگ کی حکمت عملی تیار کر رہے تھے۔ جنگی چالوں پر غور کر رہے تھے۔ وزنی منجنیقوں کو چھکڑوں سے اتار رہے تھے۔ آہنی دبابوں کو دھکیل رہے تھے اور اپنے ہتھیاروں کا جائزہ لے رہے تھے۔ ایک طرف رقص و سرود کی محفل تھی، ایک طرف محنت کشوں کے پسینہ اگلتے جسم تھے۔ ایک طرف حسین و گداز جسموں کی بہار تھی۔ ایک طرف تاریکی تھی اور آہنی ہتھیاروں کا لمس تھا۔ ایک طرف پُر عیش

اور پُر آرام شب کی آمد تھی، ایک طرف روزِ جنگ کا کٹھن انتظار تھا اور نیم شب کی دعائیں تھیں۔۔۔ اور پھر ایک طرف باج رائے نشے میں دولتا ہوا اٹھا اور شبِ عروس منانے کے لئے چل دیا۔۔۔ دوسری طرف سترہ سالہ سپہ سالار نے وضو کیا اور سنگلاخ زمین پر نوافل کی نیت سے کھڑا ہو گیا۔

۔۔۔ اور پھر روزِ حساب آن پہنچا۔۔۔ یہ روزِ حساب سیون کے گمراہ فرمانرواؤں کے لئے تھا۔ مسلمان صفیں باندھے قلعے کے سامنے کھڑے تھے۔ تلواروں کی طرح ان کے چہرے بھی چمک رہے تھے اور ڈھالوں کی طرح ان کے سینے بھی فولاد نظر آتے تھے۔ ان کی آنکھیں جیسے قلعے کو نہیں، شہادت کے اس مرتبے کو دیکھ رہی تھیں جس کی آرزو میں وہ گھروں سے نکلے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک نورانی پیاس تھی، اس پیاس کو دیکھ کر کئی برس پہلے نامور سپہ سالار ابو عبیدہؓ بن جراح نے اہلِ ایران سے کہا تھا۔ "یاد رکو، میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جنہیں موت اتنی ہی عزیز ہے جتنی تم لوگوں کو زندگی۔"

اشباح اپنے دستے کے ساتھ میسرہ میں تھا۔ جنگی لباس اس کے تنومند جسم پر خوب جچ رہا تھا۔ جنگ کا آغاز ہونے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ وہ اپنے سپاہیوں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ جب دفعتاً اس کی نگاہ ایک چہرے پر پڑی اور وہ چونک اٹھا۔ اسے سپاہیوں کی پچھلی قطار میں آشا کھڑی نظر آئی۔ وہ مکمل جنگی لباس میں تھی۔ آہنی خود کے اندر سے شفاف آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اشباح گھوڑے کا رخ بدل کر پچھلی صفوں میں پہنچا اور آشا کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ صف میں سے گھوڑا نکال کر اشباح کے پاس چلی آئی۔

اشباح نے کہا۔ "آشا! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

آشانے اعتماد سے کہا۔"ایک عرصے سے میری خواہش ہے کہ میں میدان جنگ میں اپنے ہاتھ سے کم از کم ایک تیر چلا کر ضرور دیکھوں۔"

" اشباح نے سنجیدگی سے کہا۔"میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔

آشانے عجیب سی نظروں سے اشباح کو دیکھا۔ پھر دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ پلکیں جھکا کر بولی۔"ایک مسلمان لڑکی کو غیر مسلم دشمنوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کے لئے کسی کی اجازت درکار نہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔ مسلمان لڑکی؟"اشباح کچھ سمجھ نہیں سکا اور حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔۔۔آشا چہرے پر نامحسوس مسکراہٹ لئے خاموشی سے گھوڑے کے ایال سنوار رہی تھی۔اتنے میں لشکر کے مرکزی امام قاضی ابوالحسن،اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔انہوں نے اشباح کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا انہوں نے آج اسلام قبول کر لیا ہے اور میں نے ان کا اسلامی نام آسیہ رکھا ہے۔آسیہ بیٹی کی خواہش ہے کہ وہ جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے حصہ لیں۔میں نے انہیں بتایا کہ اسلام میں مسلمان خواتین کو میدان جنگ سے ہٹ کر کچھ ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں لیکن اگر یہ سیبون کی جنگ میں ضرور حصہ لینا چاہتی ہیں تو سپہ سالار سے اجازت لے لیں۔۔۔"

اشباح ابھی تک حیرت سے آشا کو دیکھ رہا تھا۔شاید سوچ رہا تھا کہ اسے آشا کہہ کر مخاطب کرے یا آسیہ کہہ کر۔آخر اس کے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

" آشا! تم۔۔۔"

آشانے اعتماد سے کہا۔"اشباح! پہلی بات تو یہ آپ مجھے اب آسیہ کہہ کر مخاطب کریں۔ رہی دوسری بات جنگ میں شامل ہونے کی تو آپ فکر مند نہ ہوں۔میں وہی کروں گی جو آپ کہیں گے۔اگر آپ نے برا محسوس کیا ہے تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔"

اشباح خوشی اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت سے،کچھ دیر صورت حال سمجھنے کی کوشش کرتا رہا، پھر بولا۔"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔میرا خیال ہے قاضی ابوالحسن ٹھیک فرما رہے ہیں۔۔۔ابھی کچھ دیر میں سپہ سالار یہاں سے گزریں گے۔تم ان سے اجازت لے لینا۔"

" قاضی ابوالحسن نے کہا۔"اور مجھے امید ہے وہ انہیں مایوس نہیں کریں گے۔

تینوں کچھ دیر وہاں کھڑے مصروفِ گفتگو رہے۔اتنے میں سپہ سالار کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ صفیں درست کر کے سب لوگ چوکس ہو گئے۔محمد بن قاسم سفید گھوڑے پر سوار ساتھیوں کے جلو میں نمودار ہوا۔اشباح پر نگاہ پڑتے ہی وہ سیدھا اس کی سمت چلا آیا۔سلام دعا کے بعد وہ فوجی امور سے متعلق گفتگو کرنے لگے۔اس دوران محمد بن قاسم کی نگاہ آشا یعنی آسیہ پر پڑی اور وہ چونک گیا۔

"یہ کون ہیں؟"اس نے اشباح سے پوچھا۔

قاضی ابوالحسن بھی قریب ہی تھے۔انہوں نے آسیہ کا پورا تعارف کرایا۔کچھ باتیں اشباح نے بھی بتائیں۔یہ جان کر محمد بن قاسم بہت متاثر ہوا کہ یہی وہ لڑکی ہے جس سے اشباح شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ آسیہ کے ساتھ خاص مہربانی سے پیش آیا۔ پھر اس نے نو مسلم آسیہ کو جنگ میں شامل ہونے کی اجازت دی لیکن یہ ہدایت کی کہ وہ عقبی صفوں میں رہے گی اور دست بدست لڑائی میں حصہ نہیں لے گی۔اس نے آسیہ کو ڈھال تھامنے کا صحیح طریقہ بھی سمجھایا۔آسیہ نہایت حیرت سے سپہ سالار کی ماہرانہ باتیں سن رہی تھی۔ اسلامی فوج کے اس کم عمر لیکن نہایت سنجیدہ اور باوقار سپہ سالا نے اسے ششدر کر دیا تھا۔ محمد بن قاسم صفوں کا معائنہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور آسیہ مسکراتی نظروں سے اشباح کو دیکھنے لگی۔آج وہ بہت نکھری نکھری نظر آتی تھی۔اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو اس سے پہلے اشباح نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔آج وہ ایک پھنکاری ہوئی بیوہ نہیں تھی۔ایک نوخیز دوشیزہ تھی۔زندگی کی امنگوں اور ولولوں سے بھرپور،ہشاش بشاش اور چاق وچوبند ایک نئے نام اور نئے جذبے کے ساتھ۔

سورج کی روپہلی کرنیں، مجاہدین کی پیشانیوں کو چوم رہی تھیں،جب طبلِ جنگ بجا اور سپہ سالار نے حملے کا حکم دیا۔صفوں میں حرکت ہوئی۔انتظار کا بند ٹوٹا اا اور جذبوں کا رکا ہوا سیلاب بہہ نکلا۔ فصیل سے موت اترنے لگی اور سرفروشانِ اسلام نقدِ جان ہتھیلیوں پر لے کر آگے بڑھے۔آناً فاناً سیون کی فصیل تین اطراف سے سیڑھیوں،دبابوں اور منجنیقوں کی زد میں آگئی۔

دوسری طرف شاہی محل میں باج رائے شب بسری کے بعد نشے میں مدہوش پڑا تھا۔اس کی خواب گاہ کا دروازہ بار بار کھٹکھٹایا گیا۔ نئی نویلی دلہن نے دروازہ کھولا۔باج رائے کو جھنجھوڑ کر جگایا گیا۔حملے

کی اطلاع دی گئی۔پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ اتنی جلدی حملہ ہو گیا ہے۔پھر اس نے تیار ہونے میں بہت سا وقت ضائع کر دیا۔زرہ پہن کر،جوشن سجا کر،چار آئینہ اور بازوبند وغیرہ سے آراستہ ہو کر وہ داروغہ محل کے ہمراہ باہر نکال تو سپاہیوں کا ایک جمِ غفیر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ہتھیار بند لشکریوں کو سامنے دیکھ کر باج رائے کا خون گرم ہو گیا۔اس نے گھوڑے کو ایک بلند جگہ پر کھڑا کیا اور پُرجوش بھاشن دینے لگا۔

"دیش کے سپوتو،دھرتی کے رکھوالو!سمندر پار سے آنے والے وحشی دشمن نے ہمیں للکارا ہے۔دیبل کی اتفاقیہ کامیابی سے وہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس ملک کو غلام بنا لے گا۔مہاراجہ داہر کو نیچا دکھانا تو بہت دُور کی بات ہے،آج اسے مہاراجہ کے ادنیٰ چاکر وہ سبق سکھائیں گے جو اسے جیون بھر یاد رہے گا۔ میرے بہادرو،میرے شیر وم دیوتاؤں کا آشیرباد تمہارے ساتھ ہے۔آگے بڑھو اور وردھیوں کو وردودھ کا مزا چکھادو۔۔۔"

باج رائے کی تقریر اور سپاہیوں کا جوش و خروش دونوں نقطہ ءعروج پر تھے جب سیناپتی کا ایک قاصد گھبرایا ہوا پہنچا اور اس نے باج رائے کے پاس جا کر آہستگی سے کچھ کہا۔باج رائے کے جبڑے بھنچ گئے۔اس نے حاضرین کو "شما کیجیے" کہا اور قاصد کے ساتھ چلتا ہوا محل کی ڈیوڑھی میں پہنچا۔

قاصد شکستہ لہجے میں بولا۔"حضور دو دروازوں پر دشمن کا قبضہ ہو چکا ہے اور تیسرے دروازے کی خونریز جنگ میں سیناپتی سمیت بہت سے سرکردہ بہادر کام آگئے ہیں۔دشمن کسی بھی لمحے شہر میں داخل ہوا چاہتا ہے۔"

قاصد کے الفاظ نے باج رائے پر جیسے بجلی گرادی۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ کتنی ہی دیر گم صم کھڑا رہا۔ اس نے پنڈت جی کو حاضر کرنے کی ہدایات کی۔ چند ہی لمحوں میں لمبی بودی اور ننگی منڈلیوں والا ادھیڑ عمر پنڈت ہاتھ باندھ کر حاضر ہو گیا۔

باج رائے نے پوچھا۔"پنڈت جی! جب دشمن کا زور ہو اور اس سے جنگ کا مطلب آتما ہتھیا کے سوا اور کچھ نہ ہو تو ایک بہادر دھرم پریمی کو کیا کرنا چاہیے؟"

ہوشیار پنڈت نے اپنے ان داتا کا مطمع نظر سمجھتے ہوئے کہا۔"مہاراج! ایسی صورت میں میدانِ جنگ سے کنی کترانا بزدلی نہیں ہوش مندی ہے۔"

باج رائے کو تو جیسے اشارے کی ضرورت تھی۔ اس نے اپنے ذاتی دستے کے ارکان کو اندر بلایا اور وہ سب گھوڑوں پر سوار ہو کر محل کے عقبی راستے سے بھاگ نکلے۔ اس وقت محل کے سامنے باج رائے کے مشتعل کئے ہوئے سپاہی، فلک شگاف نعرے بلند کر رہے تھے۔"جے کالی ماتا، جے بجر نگ بلی" انہیں ابھی معلوم نہیں تھا کہ راجہ محل چھوڑ کر بھاگ چکا ہے۔ محل کے اندر ان نعروں کی گونج سننے والوں میں ایک رات کی دلہن نوتن بھی تھی۔ ایک کھڑکی میں کھڑی وہ نفرت انگیز نظروں سے اس دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی، جہاں سے چند لمحے پہلے اس کا "بہادر دولہا" فرار ہوا تھا۔

اسلامی لشکر اب دفاعی فوج کو دھکیل کر شہر میں داخل ہو چکا تھا۔ ایک دو مقامات پر گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ اونچے مندر کے سامنے کچھ دستے خاص طور پر سخت مزاحمت کر رہے تھے۔۔۔ لیکن ان

کے سامنے جو شخص تھا، وہ سنہری شاہین تھا۔ اپنے مخصوص چمکدار لباس میں ملبوس، بغیر زرہ اور خود کے وہ بے باکانہ دشمن کی صفوں میں گھستا چلا جا رہا تھا۔ اس کا دلیرانہ انداز اس کے ساتھیوں کو بھی جان لڑانے پر آمادہ کر رہا تھا اور وہ سنہری شاہین کی قیادت میں فردِ واحد کی طرح دشمن پر جھپٹ رہے تھے۔ اس ہنگامے میں ایک اور شخص بھی شامل تھا اور وہ عبدالناصر تھا۔۔۔ عبدالناصر جس کے ظاہر و باطن میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت محبت بھری مسکراہٹ بکھری رہتی تھی مگر سینے میں ایک الاؤ بھڑکتا رہتا تھا۔ وہ سمندر کی طرح گہرا تھا، اوپر سے پُر سکون مگر اندر سے متلاطم۔ اس کے اندر چھپے ہوئے طوفان جس شخص کو نگلنا چاہتے تھے، وہ سنہری شاہین عرف زبار کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ دن میں ہزار بار اپنے مقتول دوست آرب کی قسم کھاتا تھا اور اس کی روح سے وعدہ کرتا تھا۔ میں تیرے قاتل کو عبرتناک موت سے دوچار کروں گا۔ اسے صرف ایک لمحہ درکار تھا۔ ایک لمحہ، جب وہ سنہری شاہین کے قریب پہنچ سکے اور اپنی پیاسی تلوار کو اس کے خون سے سیراب کر سکے۔۔۔ اس سے پہلے وہ جنگ میں دو تین بار یہ کوشش کر چکا تھا۔ مگر سنہری شاہین کو اس کے جانباز، پروانوں کی طرح اپنے گھیرے میں رکھتے تھے اور وہ کسی غیر معمولی حرکت سے انہیں ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔ مگر آج اس کا پیمانہ ءصبر لبریز ہو رہا تھا۔ اس نے گھمسان کی جنگ کا فائدہ اٹھایا اور پُر جوش نعرے بلند کرتا، سندھی سپاہیوں کو پچھاڑتا، دھیرے دھیرے سنہری شاہین کی طرف بڑھنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کا دل بے پناہ شدت سے دھڑک رہا تھا۔ آنکھوں میں خون کی پیاس تھی اور نگاہیں
سنہری شاہین پر جمی ہوئی تھیں۔ سنہری شاہین سے اس کا فاصلہ اب صرف آٹھ دس قدم کا تھا۔ بوہان عرف
عبدالناصر نے نیزے پر گرفت مضبوط کی۔ ایک نظر چاروں طرف دیکھا اور گھمسان کی جنگ کا فائدہ اٹھا کر
نہایت پھرتی اور طاقت سے نیزہ سنہری شاہین کی طرف اچھال دیا تھا۔ جب نیزہ اس کے ہاتھ سے نکلا تو اسے
احساس ہوا کہ وہ جلد بازی کر گیا ہے۔ اسے اپنا فاصلہ مزید کم کرنا چاہیے تھا۔ نیزہ بے پناہ قوت سے پھینکا گیا تھا
اس لئے تیر کی مانند گیا مگر نیزے کے پہنچتے پہنچتے سنہری شاہین کا رخ تھوڑا سا تبدیل ہو چکا تھا۔ لٰہذا نیزہ اس کی
پشت میں داخل ہونے کی بجائے اسکی ڈھال سے ٹکرایا اور پھسل کر گھٹنا چھیدتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ گھٹنے پر
آنے والے زخم نے سنہری شاہین کو ایک لمحے کے لئے ٹھٹکایا مگر دوسرے ہی لمحے وہ سب کچھ بھول کر دوبارہ
مصروفِ جنگ ہو گیا۔۔۔ اپنے کار گروار کے ضائع جانے پر بوہان کو بے پناہ افسوس ہوا۔ اس نے جھلا کر اپنے
مقابل آنے والے ایک ہندو لشکری کے پیٹ میں پیش قبض گھونپ دی۔ وہ الٹ کر گرا تو بوہان نے اس کا نیزہ
اپنے قبضے میں کر لیا۔ جنگ اب بہت شدت اختیار کر گئی تھی۔ اکثر تلواریں ٹوٹ گئی تھیں اور شمشیر زنوں نے
پیش قبض اور خنجر نکال لیے تھے۔ مندر کے قریب سندھی جھنڈے کے نیچے درجنوں افراد گتھم گتھا تھے اور
جنگ کا فیصلہ قریب نظر آ رہا تھا۔ سنہری شاہین بھی اسی مقام پر برسرِ پیکار تھا۔ وہ زرہ اور آہنی خود سے بے نیاز،
غنیم کے گروہ میں مثلِ آفتاب، ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ بوہان نے بے بسی سے دانت کچکچائے اور نیزہ تھام
کر ایک بار پھر سے اس کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ قدم قدم فاصلہ طے کرتا وہ ایک بار پھر سنہری
شاہین سے مناسب فاصلے پر پہنچ گیا۔ اس کا نیزہ بردار بازو حرکت میں آنے کے لئے پھڑکنے لگا اور آنکھوں کی

بے قراری فزوں تر گئی۔ مگر سنہری شاہین نشانے پر نہیں آ رہا تھا۔ کئی بار بوہان کا نیزہ اٹھا مگر ہر بار کوئی دوسرا
جسم آڑے آ گیا۔ آخر مسلمانوں میں سندھی جھنڈا گرا کر اسلامی جھنڈا بلند کر دیا اور بچے کھچے ہندو سپاہی سر پر
پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سنہری شاہین ان کا پیچھا کرتا ہوا بگولے کی طرح ایک کوچے میں روپوش ہو
گیا۔ بوہان نے دانت پیس کر نیزہ ایک گرے ہوئے گھوڑے کے پیٹ میں گھونپا اور بار بار زمین پر تھوکنے لگا۔
یہ اس کے بے پناہ غصے کا اظہار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیون پر قبضے کے بعد مسلمانوں نے ایک کشادہ میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ رات کے کھانے اور
عشاء کی نماز کے بعد تھکے ماندے مجاہدین فوراً ہی اپنے خیموں میں لوٹ آئے۔ ایسے ہی ایک خیمے میں سردار
بوہان کچھ ساتھیوں کے ساتھ موجود تھا۔ یہ کل اٹھارہ افراد تھے، جو اسلامی لشکر کے مختلف حصوں سے یہاں
پہنچے تھے۔ اس وقت حدیث کی ایک کتاب بوہان کے سامنے رکھی تھی اور وہ سب لوگ بڑی دلجمعی کے ساتھ
شرح اور مسائل کے بیان میں مصروف تھے۔ بڑی نورانی محفل دکھائی دیتی تھی۔۔۔ کچھ دیر بعد بوہان نے
ایک شخص کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر خیمے کے دروازے کی طرف گیا۔ ایک نظر باہر جھانکا۔ دونوں پہرے دار
اونگھ رہے تھے، ارد گرد کوئی موجود نہیں تھا۔ اس نے واپس آ کر معنی خیز انداز میں سر ہلا دیا۔ بوہان منافقت
سے مسکرایا اور حدیث کی کتاب ایک طرف رکھ کر ساتھیوں کو قریب بلا لیا۔ پھر دھیمی آواز میں بولا۔

" ہاں دوستو! کچھ پتہ چلا اس مردود کا؟"

مردود سے اس کی مراد محترم سالار زبار عرف سنہری شاہین تھا۔ کسی کی طرف سے "ہاں" میں جواب نہیں آیا۔ ایک ادھیڑ عمر شخص بولا۔ "سردار! ہم پوری طرح ہوشیار ہیں اور شب و روز کوشش کر رہے ہیں۔ اسلامی لشکر کا کوئی حصہ نہیں جو ہماری پہنچ سے دور ہو۔۔۔ مگر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ابھی تک کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔"

" بوہان نے کہا۔ "مجھے ہوئی ہے۔

اس کے اس فقرے نے سب کو چونکا دیا۔ یہ سارے افراد درحقیقت قبیلہ بنی سفال اور بنی لہب سے تھے اور بوہان نے انہیں بڑی ہوشیاری سے اسلامی لشکر میں پھیلا رکھا تھا تاکہ زبار عرف سنہری شاہین کا کھوج لگایا جا سکے۔ اپنے سردار کی زبان سے کامیابی کا لفظ سن کر ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اپنے مقتول سردار آرب کا انتقام ہر چہرے پر غضب بن کر لپک گیا۔

بوہان نے سلسلہء کلام جوڑتے ہوئے کہا۔ "صبح لڑائی میں میں خود کو خطرے میں ڈال کے سنہری شاہین کی طرف پہنچ گیا تھا۔ میں نے اس پر ایک وار بھی کیا جو اوچھا پڑا اور اس کا گھٹنا زخمی ہوا ہے اور مجھے یقین ہے ہم اس زخمی گھٹنے والے شخص کو پڑاؤ میں ڈھونڈ لیں گے۔"

" ایک شخص بولا۔ "سردار! کیا آپ کو کسی خاص آدمی پر شک ہے؟

بوہان بولا۔ "ہاں۔۔۔ میرا شک بھی اسی پر ہے جس پر آپ سب کو شک ہے یعنی اشباح بن سقیل۔ اب بہت جلد یہ شک یقین میں بدلنے والا ہے۔۔۔ مجھے صرف صبح کا انتظار ہے۔ صبح سب کچھ واضح ہو جائے گا۔"

" ایک عریف بولا۔ "وہ کیسے؟

بوہان نے ایک گہری اور نفرت بھری سانس لی۔ "کل صبح اشباح اپنے خیمے سے فجر کی نماز کو نکلے گا۔ اس وقت ہم سب اس کے راستے میں موجود ہوں گے۔ اگر وہ لنگڑائے گا اور بائیں ٹانگ پر وزن ڈال کر چلے گا تو اس کا ایک ہی مطلب ہوگا۔۔۔ وہ حضرموت کا سنہری شاہین ہے۔ وہ سنہری شاہین جس کے منحوس پنجے مردِ آہن آرب کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ ہم اس پر ٹوٹ پڑیں گے اور پلک جھپکتے میں اس کی تکہ بوٹی کر دیں گے۔ تاریکی کے سبب ہمیں روپوش ہونے میں دشواری نہیں ہوگی۔"

جس وقت یہ حکمت عملی طے ہو رہی تھی خیمے میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جسے بوہان کے خیالات سے بالکل اتفاق نہیں تھا۔ اتفاق ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ شخص اشباح کا ساتھی تھا۔ اس کا کام ہی بوہان کے ارادوں سے باخبر ہونا تھا۔۔۔ اس کا نام یاسر تھا۔ یاسر۔۔۔ وہ واحد شخص جو محمد بن قاسم کے علاوہ سنہری شاہین کے راز سے آگاہ تھا۔

علی الصبح اسلامی پڑاؤ کی فضا میں اذانوں کی بازگشت پھیلی اور غازیانِ اسلام اپنے خیموں سے نکل کر جوق در جوق نماز گاہ کا رخ کرنے لگے۔ ہر طرف الصلوٰۃ خیرٌ مّن النوم کا چرچا ہو گیا۔ آخر شب کی تیرگی

شوقِ بندگی کے لمس سے چمک اٹھی۔اشباح اور اویس وضو کے لئے آستینیں اڑستے ہوئے خیمے سے نکلے اور درمیانی رفتار سے نماز گاہ کی جانب چل دیئے۔۔۔بوہان اپنے اٹھاری عدد خونخوار ساتھیوں کے ساتھ ایک بڑے خیمے کی اوٹ میں موجود تھا۔یہ سب لوگ بغور اشباح کو دیکھ رہے تھے مگر اشباح کی چال میں لنگڑاہٹ نام کو نہیں تھی۔وہ بڑی متانت سے اپنے راستے پر چلا آرہا تھا۔بوہان کے چہرے پر الجھن نظر آنے لگی۔وہ سخت کشمکش میں تھا۔آخر یہ کیفیت جھنجلاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔وہ ایک عرصے سے سنہری شاہین کی ٹوہ میں تھا اور یہ سنہری شاہین کی گتھی تھی کہ کسی طور سلجھنے میں نہیں آرہی تھی۔اس کا پیمانہءصبر لبریز ہوگیا۔نتائج سے بے پرواہ ہوکر وہ خیمے کی اوٹ سے نکلا اور جذبات پر قابو پاتا ہوا اشباح کے پاس پہنچ گیا۔

"السلام وعلیکم!"اشباح نے اسے دیکھ کر خوشدلی سے کہا۔

"وعلیکم السلام!"بوہان نے جواب دیا اور بغور اشباح کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔اس کے انداز میں عجیب طرح کی الجھن تھی۔

"محترم عبدالناصر کیا بات ہے؟"اشباح نے شائستگی سے پوچھا۔

بوہان نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں کہا۔"اشباح!میں آپ کا گھٹنا دیکھنا چاہتا ہوں۔میرا خیال ہے کہ آپ کے دائیں گھٹنے پر ایک زخم ہے۔"

" اشباح نے کہا۔"محترم!اگر میرے دائیں گھٹنے پر زخم ہے بھی تو آپ اتنا تجسس کیوں فرما رہے ہیں؟

" یکایک بوہان کا لہجہ بدل گیا۔وہ غصے سے پھٹ پڑا۔"میں کہتا ہوں اپنا گھٹنا دکھاؤ۔

یہ کہتے ہوئے وہ اشباح پر جھپٹا تاکہ خود ٹٹول کر اس کا گھٹنا دیکھ سکے،جونہی وہ جھکا اشباح تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔اشباح کی اس حرکت نے بوہان کو غصے سے بے قابو کر دیا۔اس نے رومی زبان میں چلا کر کچھ کہا اور اشباح پر حملہ آور ہوا۔اویس اور ایک راہ گیر لپک کر اس کے سامنے آگئے اور اسے روک لیا۔قریب سے گزرتے ہوئے کئی نمازی بھی بوہان کو روکنے لے لئے آگے بڑھے اور اسے گھیر لیا۔وہ شدید غصے کے عالم میں لوگوں کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ساتھ ساتھ وہ عربی میں چلا رہا تھا۔

"یہ دھوکے باز ہے۔۔۔یہ فریبی ہے۔۔۔یہ ہندوستانی تم سب کو دھوکا دے رہا ہے۔ سنہری شاہین کے نام سے یہ تم سب کو خوفزدہ رکھتا ہے اور تمہارے جذبات سے کھیلتا ہے میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں یہی سنہری شاہین ہے۔"

بوہان زور زور سے بول رہا تھا اور ان دونوں کے گرد لشکریوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔بوہان مجمعے کو دیکھ کر اور جوش سے بولا۔"کیا ہم سب مسلمان نہیں؟کیا ہم سب ایک مقصد کے لئے نہیں لڑ رہے؟ پھر یہ مکر وفریب کیوں؟یہ شخص اپنے ہی ساتھیوں کو کیوں بیوقوف بنا رہا ہے۔۔۔دیکھو اس کے دائیں گھٹنے پر نیزے کا زخم ہے۔یہ وہی زخم ہے جو کل سنہری شاہین کو آیا تھا۔۔۔دیکھو اس کا گھٹنا۔"

مسلمان سپاہی ہکا بکا کبھی بوہان کو دیکھتے اور کبھی اشباح کو۔اشباح نے کہا۔

"بوہان! تجھے تیرے رویے نے بے نقاب کر دیا ہے۔ تیری نیت ظاہر ہو گئی ہے۔ تو صرف نام کا مسلمان ہے۔ تیری یہاں موجودگی کا مقصد صرف سنہری شاہین سے انتقام لینا ہے۔"

بوہان غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ وہ تکرار سے ایک ہی بات کہے جا رہا تھا۔ "تو سنہری شاہین ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں سنہری شاہین ہے۔ اگر نہیں تو اپنا گھٹنا کھول کر دکھا۔"

مجمعے میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو واقعی اس بات کی تصدیق چاہتے تھے لہٰذا وہ سوالیہ نظروں سے اشباح کو تک رہے تھے۔ کچھ دبی دبی سرگوشیاں بھی ابھر رہی تھیں۔ یکایک سب کو خاموش ہونا پڑا۔ ایک طرف سے گھوڑی ٹاپیں گونجیں اور تاریکی کا سینہ چیر کر سنہری شاہین برآمد ہوا۔ مشعلوں کی روشنی میں پہنچ کر اس نے اپنا سفید براق گھوڑا روک لیا اور سنہری نقاب کی اوٹ سے حاضرین کو دیکھنے لگا۔ ہجوم پر جیسے سکوتِ مرگ طاری ہو گیا۔ ہر شخص جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ سنہری شاہین کے دبدبے اور جلال نے ہر ذہن کو گرفت میں لے لیا۔ یہاں تک کہ بوہان بھی چند لمحے کے لئے کچھ نہ بول سکا۔۔ آخری سنہری شاہین کی بارعب اور گونجدار آواز فضا میں ابھری۔

" آپ لوگ مجھ سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں۔ میں حاضر ہوں۔ فرمائیے مجھ سے کیا کہنا ہے؟"

کوئی کیا جواب دیتا۔ ہونٹ تھرا کر رہ گئے اور سپاہی ایک دوسرے کی صورت تکنے لگے۔ یکا یک سنہری شاہین نے کمر بند سے خنجر نکالا اور گھٹنے پر سے لبادہ پھاڑ دیا۔ یہاں سفید پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ اپنا

گھٹنا مجمعے کو دکھاتے ہوئے بولا۔ "یہ ہے وہ زخم جو میرے رومی دشمن کو بے چین کر رہا تھا۔ میں اس زخم کا شکر گزار ہوں کہ اس کے سبب ایک منافق کے چہرے سے پردہ ہٹ گیا۔ بوہان کی سرگرمیوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس کا تعلق منافقین کے گروہ سے ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے لشکر میں شامل ہیں اور ان کا اہم ترین مقصد مجھ سے انتقام لینا ہے۔"

سنہری شاہین کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہی ہوئے تھے کہ بنو عمار کے لوگ جوش اور فرط عقیدت سے بے قابو ہو کر بوہان پر الٹ پڑے۔ بوہان کے ساتھی جو مجمعے میں موجود تھے تلواریں سونت کر مقابلے میں آ گئے۔ یکایک تلواروں کی جھنکار سے فضا گونج اٹھی۔ سنہری شاہین پکار کر بولا۔

" خبردار، انہیں زندہ گرفتار کرنا ہے۔"

مگر جب تک سنہری شاہین کی آواز شمشیر زنوں تک پہنچتی، بوہان کے آٹھ ساتھی خاک و خون میں لوٹ چکے تھے۔ باقی بھی اتنی سرکشی سے لڑے کہ ان میں سے صرف چار کو زندہ گرفتار کیا جا سکا۔ یہ چاروں بھی شدید زخمی ہوئے تھے۔ طوفانی جھڑپ کے بعد مشعلوں کی روشنی میں دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ زخمیوں میں بوہان نہیں ہے۔ لاشوں میں بھی وہ موجود نہیں تھا۔ جلد ہی ثابت ہو گیا کہ وہ تاریکی کا فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلا ہے۔ سنہری شاہین نے (جو در حقیقت یاسر تھا اور اس سے پہلے بھی کئی بار اشباح کی جگہ سنہری شاہین کا کردار ادا کر چکا تھا) چلا کر بنو عمار کے جانبازوں کو حکم دیا اور وہ گھوڑے سنبھال کر چاروں طرف لپکے۔ خود اشباح بھی ایک دستے کے ساتھ بوہان کی کھوج میں نکل کھڑا ہوا۔ پڑاؤ کے اس حصے میں زبردست ہلچل

نظر آنے لگی۔ تلاش کرنے والوں کو معلوم تھا کہ اگر بوہان ایک بار پڑاؤ سے نکل گیا تو اسے تلاش کرنا آسان نہیں ہوگا۔ وہ شہر کی بھول بھلیوں میں یوں گم ہو جائے گا جیسے دریا میں کنکر۔

رات اندھیری تھی۔ اسلامی فوج کے پڑاؤ سے دور شہر کے ایک مضافاتی باغ میں اشباح اور یاسر درختوں کے ایک جھنڈ میں کھڑے تھے۔ یاسر نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"جناب! وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ بوہان کے ساتھ لشکر کے مختلف حصوں میں سے قریباً 180 افراد غائب ہیں۔ میرا خیال ہے صبح حاضری لگے گی تو یہ تعداد مزید بڑھ جائے گی۔"

اشباح نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "خیر جو قدرت کو منظور تھا۔۔۔ اگر ہمیں چار پانچ روز اور مل جاتے تو بوہان اپنے تمام ساتھیوں سمیت گرفتار ہوتا۔ خدا ان کی رسی دراز کر رہا ہے لیکن عنقریب یہ انجام کو پہنچیں گے۔"

"انشاءاللہ!" یاسر نے پورے یقین سے کہا۔ پھر بولا۔ "آپ کے گھٹنے کا زخم کیسا ہے؟"

اشباح نے کہا۔ "قدرے افاقہ ہے۔۔۔ ویسے اب مجھے خیال گزرتا ہے ممکن ہے یہ زخم بھی بوہان کے کسی ساتھی کا دیا ہوا ہو۔"

یاسر نے کہا۔ "ہاں۔ میں کل آپ کو بتانا بھول گیا۔ حدیث کی نشست میں بوہان نے اپنی زبان سے اقرار کیا تھا کہ جنگ کے دوران اس نے آپ کی طرف نیزہ پھینکا تھا۔

اشباح کے لئے یہ ایک انکشاف تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتا اور مسکراتا رہا۔ پھر اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "یاسر! تمہارے کارکردگی بہتر جا رہی ہے۔ تم اب مہارت سے معلومات جمع کرنے لگے ہو۔ آج صبح بھی تم عین وقت پر پہنچے۔ بوہان میرا زخم دیکھنا چاہتا تھا اور میں سخت کشمکش میں تھا۔ اگر چند لمحے اور گزر جاتے تو شاید میری خاموشی سے خود بخود بوہان کے الزامات کی تصدیق ہو جاتی۔"

اشباح کے تعریفی کلمات نے یاسر کی آنکھوں میں ممنونیت بھر دی۔ وہ خوشی سے لبریز آواز میں بولا۔ "جناب! آپ کی خوشنودی کے لئے میں جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔"

" اشباح نے کہا۔ "اب ہمیں مزید محتاط رہنا ہوگا۔ بوہان غصے میں پاگل ہو رہا ہے اور جھلاہٹ میں وہ کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے۔ باتیں کرتے ہوئے وہ جھنڈ سے نکلے اور اپنے گھوڑوں کی طرف بڑھنے لگے۔ اشباح نے محسوس کیا کہ یاسر تھوڑا سا لنگڑا رہا ہے۔ وہ حیرت سے بولا۔ "کیا تم نے خود کو سچ مچ زخمی کیا ہے؟"

یاسر مسکرایا۔ "ہاں جناب! میں نے سوچا اداکاری میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے صرف پٹی ہی کافی نہیں پٹی کے نیچے مناسب زخم بھی ہونا چاہیے۔"

اشباح کی آنکھوں میں یاسر کے لئے محبت ابھر آئی۔

اور اس واقعے کے صرف دو روز بعد مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں طوفانی یلغار کر کے سیستان پر حملہ کیا اور آناً فاناً اسے تسخیر کر لیا۔ سیستان کے راجہ کاکا کو باج رائے کا تعاون بھی حاصل

تھا۔ یہ باج رائے وہی تھا جو اپنی نو بیاہتا دلہن کو سیون میں چھوڑ کر بھاگ آیا تھا۔ وہ موت سے بھاگا تھا لیکن موت یہاں سیستان میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ دورانِ جنگ وہ بزدلی کی موت مارا گیا اور راجہ کا کا، محمد بن قاسم کے اعلیٰ کردار سے متاثر ہو کر اس کا اطاعت گزار بنا۔ تسخیرِ شہر کے بعد مسلمانوں نے حسبِ دستور ایک کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالا اور پے در پے فتوحات پر خادم کے حضور سر بسجود ہو گئے۔ ان کی نمازوں میں زیادہ عاجزی اور شب بیداریوں میں زیادہ سوز آ گیا۔

سیستان پہنچ کر آسیہ یعنی آشا اپنے خریدے ہوئے مکان میں منتقل ہو گئی۔ شہر کی گہما گہمی سے تھوڑا سا ہٹ کر یہ پُر سکون قطعہ زمین واقعی رہائش کے قابل تھا۔ ایک دن اشباح وہاں پہنچا تو کشادہ صحن میں سبزے کے اوپر فواروں کی ایک طویل قطار نظر آ رہی تھی۔ چھوٹتے پانی میں پچھلے پہر کا سورج قوس و قزاح کے رنگ بکھیر رہا تھا۔ پھولوں کے ایک تختے کے پاس کھڑا بوڑھا لال کمار کرسی پر بیٹھا نئے خادموں کو ہدایت دے رہا تھا۔ اشباح کو دیکھ کر وہ مؤدب کھڑا ہو گیا۔ اشباح نے آسیہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ مالکن اپنے کمرے میں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا آپ آئیں تو اندر بھیج دیا جائے۔

اشباح باوقار انداز میں قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا تو ایک کنیز کے ساتھ آسیہ نے خود اس کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ لے کر نشست گاہ میں چلی آئی۔ نشست گاہ خوب سجی سنوری تھی اور ہر شے سے زندگی کی تروتازگی اور امنگ کا اظہار ہوتا تھا۔ آسیہ کے لباس کی یاس انگیز سفیدی بھی ہلکے رنگوں سے تبدیل ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی قرمزی اوڑھنی کو سر پر اس طرح جھکا رکھا تھا کہ ایک چھوٹا سا گھونگھٹ نکل آیا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

اشباح نہ کہا۔ "میں نے سنا تھا سیون کی لڑائی میں آپ کی کلائی زخمی ہو گئی۔ اس لئے خیریت دریافت کرنے چلا آیا۔"

" آسیہ نے کہا۔ "زخم کی تو دل میں حسرت ہی رہی۔ یہ معمولی موچ تھی چند روز میں ٹھیک ہو جائے گی۔

" اشباح نے کہا۔ "آپ کو ہلکی تلوار منتخب کرنا چاہیے تھی۔ پہلے پہل شمشیر زنی سے ایسا ہو جایا کرتا ہے۔

آسیہ نزاکت سے مسکرا دی۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لال کمار اجازت لے کر اندر داخل ہوا۔ اس کے بوڑھے چہرے کی جھریوں میں خوشی کروٹیں لے رہی تھی۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"آپ دونوں کو یوں باتیں کرتا دیکھ کر میرا من خوشی سے جھوم رہا ہے۔ کاش آپ دونوں اسی طرح بیٹھے رہیں اور مسکراتے رہیں۔"

لال کمار کا لہجہ ایسا معنی خیز تھا کہ آسیہ کے چہرے پر حیا کا رنگ بکھر گیا اور غیر ارادی طور پر اس کی انگلیوں نے گھونگھٹ کو طویل کر لیا۔ آسیہ کی خاموشی سے شہ پا کر لال کمار ایک قدم مزید آگے بڑھا اور بولا۔

"چاند سورج کی جوڑی ہے۔گھر میں اجالا اتر آیا ہے۔رام کرے اس گھر کے اندھیارے ہمیشہ کے لئے دُور ہو جائیں۔" فرطِ شرم کے باعث اب آسیہ کے لئے بیٹھنا دشوار ہو رہا تھا۔اس نے گھونگھٹ کی اوٹ سے ایک نگاہِ غلط انداز لال کمار پر ڈالی اور وہ گڑ بڑا کر جلدی سے باہر چلا گیا۔

" اشباح نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔"ہاں۔۔۔آپ کی اس کنیز کا پتہ چلا جو کسی کی تلاش میں نیرون کوٹ رک گئی تھی؟

" آسیہ نے چونکتے ہوئے کہا۔"آپ نے خوب یاد کرایا۔میں آپ کو بتانے ہی والی تھی۔ چار پانچ روز ہوئے وہ واپس آگئی ہے۔ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے یہاں میرے پاس بیٹھی تھی۔آپ ذرا جلدی آئے ہوتے تو میں اس سے ملواتی۔کوچہ کوچہ گھوم کر بیچاری کا برا حال ہو رہا ہے۔کملایا ہوا پھول بن گئی ہے۔ پتہ نہیں کچھ مرد ایسے کیوں ہوتے ہیں؟معصوم عورتوں کو روگ لگا کر کسی اور دنیا میں گم ہو جاتے ہیں۔"

" اشباح نے کہا۔"اس کا مطلب ہے اس کی تلاش لاحاصل رہی ہے۔

" آسیہ نے کہا۔"ابھی تک

"نہیں مالک کچھ نہیں"۔لال کمار انکساری سے بولا۔"بس ایک درخواست کرنی ہے پھر میں چلتا ہوں۔"

"ہاں کہو۔کیا کہنا ہے۔"اشباح نے پوچھا۔

"لال کمار نے جھجکتے ہوئے کہا۔"مالک!دراصل آسیہ بٹیا کی سہلیاں آپ کو دیکھنا چاہتی ہیں۔انھوں نے گھر میں ضیافت کا اہتمام کیا ہے۔آج کسی وقت شام کے بعد تھوڑا سا وقت نکال کر آپ آ جائیں۔ان کی خوشی پوری ہو جائے گی۔"

اشباح کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار ابھرے۔ذرا توقف کے بعد اس نے کہا۔

"لال کمار میں یہ شادی جس نیت سے کر رہا ہوں شائد تم سمجھ نہیں سکے۔میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ دھوم دھام اور رنگ آفرینی مجھے پسند نہیں۔اس لئے کہ یہ اسلام کا شیوہ نہیں اور نہ ہی ہمارے حالات اس کی اجازت دیتے ہیں۔ہم حالت جنگ میں ہیں اور ہر آنے والا دن ہمارے لئے کڑے امتحان لئے کھڑا ہے۔لہذا براہ مہربانی آپ ان دلچسپیوں کو منقود رکھیئے اور سیدھے سادہ طریقے سے نکاح کی تیاری کیجئیے۔"

اشباح کے دو ٹوک جواب سے اشباح اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔مری مری آواز میں بولا۔"ٹھیک ہے مالک جیسے آپ کا حکم۔میں ابھی جا کر لڑکیوں کو منع کر دیتا ہوں۔"پھر اجازت لے کر وہ واپس روانہ ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد اشباح دیر تک اپنی جگہ بیٹھا سوچتا رہا۔اس کے ذہن سے صدا آ رہی تھی کہ اس نے لال کمار سے اچھا سلوک نہیں کیا۔شائد اسے ایسا نہیں کہنا چاہئیے تھا۔آسیہ ایک بیوہ لڑکی تھی اور کچھ عرصہ پہلے تک وہ خود کو ایک دھتکاری پھٹکاری ہوئی ہستی سمجھتی تھی۔۔۔۔۔اب اگر اس کے دل کی کلی کھلی تھی اور وہ زندگی کی مسرتوں میں شریک ہونا چاہتی تھی تو اس کی حوصلہ شکنی مناسب نہیں تھی۔زخمی دل بہت جلد دکھ جاتا ہے کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ اسے ابھی تک ایک بدنصیب بیوہ اور اس کی شادی کو "کار شرمندگی" سمجھا جا رہا

ہے۔اسلامی نقطہ نظر سے بھی اس میں آفادیت نہیں تھی۔آسیہ کی حوصلہ شکنی ہر ہندوستانی بیوہ کی حوصلہ شکنی تھی۔آخر اشباح نے فیصلہ کیا کہ وہ لال کمار کو اپنی ہر خوشی پوری کرنے کی اجازت دے گا اور شام کی دعوت میں بھی کھلے دل سے شریک ہو گا۔اس نے اسی وقت اپنے ایک سپاہی کو لال کمار کے پیچھے دوڑایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام کا وقت تھا۔اشباح اور اویس حویلی میں پہنچے تو ہر طرف فانوس جگمگا رہے تھے۔لال کمار کی معیت میں خادموں کے ایک دستے نے ان کا استقبال کیا۔سہ پہر سے بوندا باندی ہو رہی تھی لہذا بیٹھنے کا انتظام اندر ہی کیا گیا۔خوش پوش کنیزوں کی دورویہ قطار سے گزر کر اشباح نشست گاہ میں داخل ہوا اور اپنی نشست سنبھالی۔ چند بڑی بوڑھیوں نے آگے آکر مقامی انداز میں اشباح کی بلائیں لیں۔نشست گاہ کہ ایک حصے میں باریک پردہ تنا ہوا تھا خواتین اس پردے کی دوسری جانب موجود تھیں۔ہلکے ہلکے قہقہے اور سریلی سرگوشیاں فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔اشباح نے موقع مناسب دیکھتے ہوئے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولا۔

"میری محترم بہنو! آپ سب کی محبت کا شکر گزار ہوں۔اس شکریئے کے ساتھ ساتھ آپ سے چند باتیں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ان باتوں کا تعلق میری یا آپ کی ذات سے نہیں پوری انسانیت سے ہے بلکہ اس کائنات کے ذرے ذرے سے ہے۔میری بہنو! بہت دیر نہیں گزری جب میرا وطن عرب جہالت اور تاریکی کا گہوارہ تھا۔ ہم چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے۔شراب، چوری، غیبت، جھوٹ، انتقام، غضب، ہمارے اندر دنیا کی ہر برائی موجود تھی۔زندگی ہمارے لئے دشوار ہو رہی

تھی۔اندھی رسموں اور قاتل رواجوں نے ہمیں جکڑا ہوا تھا۔۔۔پھر خدائے بزرگ و برتر نے ہماری طرف اپنا ایک بندہ بھیجا۔وہ بندہ جو شرافت اور اخلاق میں یکتا تھا۔اسوہ حسنہ جس کے پیکر میں ڈھلے ہوئے تھے۔وہ رحمتہ للعالمین۔سرورِ کائنات، شاہ دوجہاں ہاتھ میں شمع ہدایت لے کر مکہ کے افق سے نمودار ہوا اور پکار کر کہا۔لاالہ الااللہ۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ وحدہ لاشریک ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔اس پر مصائب کے پہاڑ توڑ دئے گئے۔اسے درد و کرب کے ویران دشتوں سے گزارا گیا مگر وہ پورے یقین اور جذبے سے کہتا رہا لاالہ الااللہ۔۔۔اور پھر ایک خلقت اس کی ہمنوا ہو گئی۔ایک دنیا نے اس کلمے کی صداقت تسلیم کر لی۔زندگیاں بدل گئیں، تقدیریں سنور گئیں، نصیب جگمگا اٹھے۔کل کے بوریا نشین قیصر و کسریٰ کے فاتح بنے اور روم و ایران نے ان کی عظمتوں کے سامنے سر جھکائے۔انہی عظیم لوگوں کی خاک پا چوم کر اور ان کے گاڑے ہوئے پرچم اٹھا کر ہم آپ کے پاس پہنچے ہیں۔وہی کلمہ لے کر، وہی درد لے کر، وہی تڑپ لے کر جو کوہ صفا سے نمودار ہونے والے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم عربی کے دل میں تھی۔میری محترم بہنو! اس کلمے کو سمجھو۔اس کے معنی پر غور کرو اور اس کی برکات کو محسوس کرو۔اس خطے کی سیاہی خطہ عرب کی سیاہی سے زیادہ گھمبیر نہیں۔یہ شب شکن اور نور پرور کلمہ ان تاریکیوں کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔پھر ہر آنگن میں اجالا اترے گا اور ہر آنکھ میں روشنی بسیرا کرے گی۔۔۔"

اشباح کی دل پذیر و پر تاثیر آواز نشست گاہ میں گونجتی رہی اور حاضرین گہری توجہ سے سنتے رہے۔باہر برسنے والی بوندوں کی طرح ایک نادیدہ پھوار ہر دل میں جذب ہو رہی تھی۔آخر اشباح نے اپنی گفتگو ختم کی اور یہ تلسم ٹوٹ گیا۔

کچھ دیر بعد کھانے کا دور شروع ہوا۔ دستر خوان پر انواع واقسام کے کھانے چن دئے گئے۔ کھانے کے دوران ایک خاموش طبع خادمہ کو دیکھ کر اشباح کو اچانک شکیلہ نامی کنیز کا خیال آیا۔ اس نے قریب بیٹھے لال کمار سے دریافت کیا کہ کیا یہی شکیلہ ہے؟

لال کمار نے نفی میں سر ہلا دیا اور مسکراتا ہوا بولا۔ "نہیں۔۔۔ وہ پگلی تو اپنے کمرے میں بند ہے۔ برکھا (بارش) ہو رہی ہے نا بے وقوف ڈرتی ہے۔"

پردے کے پیچھے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ کوئی لڑکی آسیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے بولی۔ "آسیہ کہتی ہے میں اسے ابھی بلواتی ہوں۔"

اشباح نے جلدی سے کہا۔ "نہیں۔ نہیں۔۔۔ خواہ مخواہ کسی کے حوصلے کا امتحان لینا ٹھیک نہیں۔"

لال کمار نے کہا۔ "ہاں خوشی کا موقع ہے کسی کے پران نکل گئے تو کیا ہو گا۔"

اس بات پر پردے کے دونوں جانب قہقہے گونج گئے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔۔۔ وقت کے غیر اہم لمحے ہرنوں کی طرح قلانچیں بھرتے گزر گئے لیکن یہ لمحے غیر اہم نہیں تھے۔ بڑے قیمتی تھے یہ لمحے۔ گھنے جنگلوں میں روپوش ہونے والے ہرنوں کی طرح انھیں کبھی واپس نہیں آنا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔ اشباح کی زندگی ایک نہایت اہم موڑ مڑ رہی تھی اور اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ کسی کو کچھ خبر نہیں تھی سب لاعلم تھے۔ آسیہ، اشباح، لال کمار اور وہ لڑکی جو نجانے کہاں سے چل کر آئی تھی اور بے درد موسموں میں بے مہر راستوں پر قریہ قریہ

، کوچہ کوچہ اپنے محبوب کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اپنے گمشدہ ماضی کو تلاش کر رہی تھی۔۔۔ کون تھی وہ لڑکی۔۔۔ اس کا اصل نام کیا تھا۔۔۔؟"

کھانے کے بعد اشباح کو نمازِ عشاء کی جلدی تھی اس لئے وہ اور اویس فوراً حویلی سے رخصت ہو گئے۔ وقتِ رخصت لال کمار کے استفار پر اشباح نے کہا کہ رسم نکاح کے لئے وہ پرسوں اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ پہنچ جائے گا۔۔۔ پڑاؤ میں پہنچ کر اشباح نے نمازِ عشاء ادا کی اور پھر خیمے میں لوٹ آیا۔ بارش اب بند ہو چکی تھی اور ایک حبس سا محسوس ہو رہا تھا، کھل کر پانی نہ برسے تو فضا میں ایسی ہی گھٹن ہو جاتی ہے۔ شائد اشباح کے دل میں بھی ایسا ہی موسم تھا۔ وہ خیمے سے نکلا اور پیدل ہی ایک طرف چل دیا اور آخر اس ٹیلے پر پہنچ گیا جہاں وہ اس سے پہلے بھی کئی بار آ کر بیٹھا تھا اور اپنی گمشدہ نیند کا سراغ لگاتا رہا تھا۔ یادوں کے انبار میں اپنے سکون کے ریزے تلاشتا رہا تھا۔ "ہلابہ۔۔۔۔ ہلابہ۔" جیسے ہی وہ ٹیلے پر بیٹھا ذّرے ذّرے کو تابِ گویائی مل گئی۔ اطراف کا نیل گوں صحرا فریاد کناں ہو گیا۔ آج اس فریاد میں ہمیشہ سے زیادہ شدت تھی۔ عہد ماضی کی دھول تھی جو لمحہ لمحہ اشباح کے گلے میں بھرتی جا رہی تھی۔ یادوں کے ریگ زار میں محو سفر قافلوں کا غبار سانسوں کو بوجھل تر کر رہا تھا۔ ہلابہ اپنی پوری معصومیت اور پوری رعنائیوں کے ساتھ اس کے سامنے جلوہ گر ہو گئی۔ اس کی شیشہ آنکھوں میں ایک سوال تھا اور اس ایک سوال میں ہزاروں سوال پوشیدہ تھے۔ ہر سوال ایک آب دار تیز انی کی طرح اشباح کے سینے میں چبھ رہا تھا۔ اشباح کی پیشانی پسینے سے تر ہونے لگی۔

ہلابہ کے لب ہلے۔"اشباح! آخر تم نے اپنے ضمیر کو مطمئن کر ہی لیا۔مجھے بھولنے کا بہانہ ڈھونڈ ہی لیا۔ میرے دل کا خون کر کے بھی کتنے سر خرو ہو تم! تمہاری جھولی میں ثواب ہی ثواب ہے اور میرے دامن میں محرومیاں ہی محرومیاں۔"

اشباح نے آہ بھر کر ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے مگر ہلابہ کی شبیہ کچھ اور نکھر آئی۔معصومیت سے بولی۔" کبھی مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کی تم نے؟ کبھی جاننے کی کوشش کی میں کس حال میں ہوں؟بس خود ہی میرا جرم تخلیق کیا اور خود ہی سزا دے کر چلے آئے۔یہ تک نہ دیکھا کہ سزائے موت پانے والا بسمل ہے یا نیم بسمل۔"

آخر اشباح کو احساس ہوا کہ اس کی قوت برداشت جو کئی روز سے دیوانہ وار ساتھ دے رہی تھی آج آکر اس موقع پر جواب دینے لگی ہے۔ہلابہ ابر پاش سورج کی طرح اس کے افقِ حیات پر طلوع ہو چکی تھی۔اس نے بے انتہا سنجیدگی سے سوچا،واقعی اسے کچھ معلوم نہیں،ہلابہ کہاں اور کس حال میں ہے؟اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے اسے ہلابہ کے بارے میں علم ہونا چاہئیے۔ہو سکتا ہے۔۔۔ہو سکتا ہے،وہ ابھی تک اس کا انتظار کر رہی ہو۔اس نے شادی نہ کی ہو اور اس صحرائی بستی میں بیٹھی اس کی راہ دیکھ رہی ہو۔کچھ بھی ممکن تھا ایسے میں اگر اس نے شادی کر لی تو اس پر کتنا بڑا ظلم ہو گا۔وہ اسے کیسے صورت دکھائے گا۔زندگی میں کبھی ملاقات ہوئی تو کیسے تاب لائے گا اس کی شکوہ کناں نگاہوں کی۔اپنی بے وفائی کا کیا عذر پیش کرے گا اس کی خاموش وفاداری کو۔ماں کیا سوچے گی؟ چچا طلحہ کیا سوچے گا؟نانا جان کیا کہیں گے؟جذبات کے گھوڑے بے لگام ہو گئے اور مرد آہن اشباح کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آسیہ سے شادی نہیں

کرے گا۔سب سے پہلے ہلابہ کے حالات معلوم کرے گا اور اس کے لئے ایک قاصد معقول معاوضہ دے کر خضر موت روانہ کرے گا۔

مگر ابھی وہ بمشکل اس فیصلے پر پہنچ پایا تھا کہ شرمائی لجائی ہوئی آسیہ،اپنے سپنے دیکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کے تصور میں آ گئی۔۔۔۔کسی نادیدہ ہاتھ نے اشباح کو جھنجھوڑا اور کسی غیر مرئی آواز نے پکار کر کہا۔" اشباح بن سقیل! اب قدم پیچھے ہٹانا مناسب نہیں،جو فیصلہ کر چکے ہو اس پر قائم رہو۔تم نے اپنے سالارِ اعظم سے کہا تھا،میں ایک مذموم رسم کے بت پر پہلا ہتھوڑا چلاؤں گا۔۔۔اب اس ہتھوڑے کو ایسے نہ پھینکو کہ حمیت اسلامی کا شیشہ چور ہو جائے۔۔۔یہ ایک عورت سے شادی کا مسئلہ نہیں،ایک قوم کے وقار کا سوال ہے۔اپنے انکار سے تم صرف آسیہ کا دل نہیں توڑو گے،ہزار ہا عورتوں کی آس کو شکست سے دوچار کرو گے۔ تم اس سپاہی کا کردار ادا کرو گے جو دورانِ جنگ سب سے پہلے میدان چھوڑ کر بھاگتا ہے۔"

"نہیں میں میدان نہیں چھوڑوں گا۔"اشباح نے ناقابل تسخیر عزم کے ساتھ کہا۔"میں ایک محروم عورت کو اس کے حصے کی عزت ضرور دوں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور تمام غیر ضروری خیالات ذہن سے جھٹکنے کے لئے نوافل ادا کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رسم نکاح کے وقت محمد بن قاسم خود موجود تھا اور یہ اشباح کے لئے ایک بڑے اعزاز کی بات تھی۔حویلی دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔درودیوار میں مشک وعنبر کی خوشبوئیں چکرا رہی تھیں۔جگہ جگہ لوبان سلگی

ہوئی تھی۔ارد گرد کے معززین نے بھی اس تقریب میں کھل کر شرکت کی تھی۔ان میں سے کچھ تو خلوصِ دل سے آئے تھے لیکن اکثریت ان ابن الوقت دولتمندوں کی تھی جو ہمیشہ حاکمانِ وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔یہ سب ہندو مہاشے تھے۔ایک بیوہ کی مسکان پر بھی انھیں اعتراض ہو سکتا تھا لیکن یہ بیوہ نہ صرف مسلمان ہوئی تھی بلکہ مسلمان سے شادی بھی کر رہی تھی،تاہم موقع پرستوں کی پیشانیوں پر شکن نہیں تھی۔اشباح اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے عربی لباس میں خوب جچ رہا تھا۔ہندو دوشیزائیں ایک بیوہ کی خوش بختی پر رشک کر رہی تھیں۔نکاح خوانی کا موقع آیا تو اشباح کی نگاہ خود بخود محمد بن قاسم کی جانب اٹھ گئی۔محمد بن قاسم اشباح کی نگاہ کا مفہوم سمجھ گیا اور مسکرا کر بولا۔

"یہ نکاح میں خود پڑھاؤں گا۔"

اشباح کی پیشانی چمک اٹھی محمد بن قاسم نے نکاح پڑھایا اور مبارک سلامت کے شور میں دستر خوانوں پر کھانے چنے جانے لگے۔نہایت خوشگوار ماحول میں پر تکلف کھانے کے بعد حویلی کے وسیع وعریض صحن میں باجماعت نمازِ ظہر ادا کی گئی اور اشباح کے ساتھی افسر اور سپاہی اس سے رخصت ہونے لگے۔اشباح کو ایک ہفتے کی رخصت دے دی گئی تھی اور اس رخصت کے دوران اسے حویلی میں قیام کرنا تھا۔

رات کو اشباح حجلہ عروسی میں داخل ہوا تو آسیہ زندگی کی تمام رعنائیاں سمیٹے اس کے سامنے تھی۔صحرائی بستی کے مناظر بہت پیچھے رہ گئے تھے،اب ایک نئی دنیا اس کے سامنے تھی۔وہ اس دنیا میں قدم رکھ چکا تھا اور اب

پورے خلوص کے ساتھ اسے چاہ رہا تھا۔اب اس کی تمام چاہتیں اور سوچیں صرف اس کی منکوحہ بیوی کے لئے تھیں وہ بیوی جو اسے ایک عظیم مقصد سے محبت کے نتیجے میں حاصل ہوئی تھی۔

علی الصبح اشباح اپنے کمرے سے برآمد ہوا تو ایک خادمہ صبح کا لباس لئے دروازے پر مودب کھڑی تھی۔اشباح نے اس کی طرف دیکھا اور نگاہ جیسے پتھر ہو گئی۔اسے لگا وہ زمین اور آسمان کے درمیان کہیں معلق ہے اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی طرف لپک رہے ہیں۔دوسری طرف خادمہ کی حیرت کیا بھی یہی عالم تھا۔وہ ہلابہ تھی۔دھلا ہوا لباس اس کے ہاتھ سے پھسل کر گر گیا تھا اور وہ پتھرائی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔وقت کی گردش تھم گئی اور ایک لمحے میں ہزاروں برس سمٹ آئے تھے۔

"ہلابہ!تم یہاں؟"اشباح کے ہونٹوں سے سرسراتی آواز نکلی۔

جواب میں ہلابہ کے خشک ہونٹ تھر تھرا کر رہ گئے۔یکایک اس کی ویران آنکھوں میں آنسو نمودار ہوئے اور رخساروں پر پھسلتے چلے گئے۔وہ ایک آہ کے ساتھ لڑکھڑائی اور اشباح کی بانہوں میں جھول گئی۔وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔اشباح نے دیکھا اس کے تھکے ماندے چہرے پر طویل مسافتوں کی روئیداد ہے۔اتنے میں آسیہ حجلہ عروسی سے برآمد ہوئی اور ہلابہ کو دیکھ کر پکاری۔"ہائے رام۔۔۔ہائے اللہ شکیلہ کو کیا ہوا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلابہ کا بے ہوش ہونا،پھر ہوش میں آنا،پھر اس کی مسلسل خاموشی،آخر میں اس کے آنسوؤں کا سیلاب،یہ سب واقعات دوروز کے اندر اندر وقوع پذیر ہوئے۔۔۔اور اب جبکہ سیستان کی گرم شام دریائے سندھ کی

جانب سے آنے والی ہواؤں کا لمس پا کر کسی صحرائی دوشیزہ کی طرح کھل اٹھی تھی اور حویلی کے پائیں باغ میں چولستان کے خوش الحان پرندے چہچہا رہے تھے۔۔۔اشباح ایک آرام دہ کمرے میں ہلابہ کے سرہانے بیٹھا تھا۔ان دو روز میں اس نے ہلابہ کی تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔آسیہ کو اس نے صرف یہ بتایا تھا کہ ہلابہ اس کے قبیلے بنو عمار سے تعلق رکھتی ہے اور وہ اسے جانتا ہے۔اس دور دراز مقام پر اپنے قبیلے کی بھٹکی ہوئی لڑکی سے اشباح کی ہمدردی کوئی حیرانی کی بات نہیں تھی۔

بہت کوشش کے بعد اشباح، ہلابہ کو کچھ بولنے پر رضامند کر سکا۔ ہلابہ کی زبان سے جو پہلا فقرہ ادا ہوا وہ یہ تھا۔

"خدا کے لئے اشباح، مجھے مجبور نہ کریں۔ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ اگر کچھ پوچھنا ہے تو احمد عباس سے پوچھ لیں۔"

"احمد عباس؟" اشباح حیرانی سے بولا۔ "اس کا مطلب ہے وہ تمہارے ساتھ ہے۔۔۔۔ کہاں ہے وہ؟"

ہلابہ نے آنکھیں میچ کر آنسو پیتے ہوئے کہا۔ "نیرون میں۔ وہاں کے فوجی پروہت کے محل میں۔"

اشباح نے کہا۔ "وہ تمہارے ساتھ تھا؟"

ہلابہ نے ہاتھ جوڑ دئے اور روتے ہوئی بولی۔ "خدا کے لئے میرے حال پر رحم کریں مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ میں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

اشباح ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر تیز قدموں سے باہر نکلا اور دروازے پر کھڑے خادمین کو ہدایات دیتا ہوا اصطبل کی طرف بڑھ گیا۔۔۔۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک تازہ دم گھوڑے پر سوار آندھی کی طرح نیرون کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے روز شام کے بعد وہ نیرون پہنچا۔اس نے چار گھوڑے تبدیل کئے تھے مگر خود ایک پل کے لئے آرام نہیں کیا تھا۔نیرون پہنچتے ہی اس نے شاہی محل کا رخ کیا۔ مسلمان پہرداروں میں سے اکثر اسے پہچانتے تھے۔وہ سیدھا داروغہ محل کی خواب گاہ تک پہنچا۔ہندو داروغہ ایک سابق فوجی افسر تھا۔اشباح کی دستک پر وہ باہر نکلا اور ایک مسلمان افسر کو سامنے دیکھ کر اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔اشباح اسے دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔کسی غریب دہقان کی بیٹی جو مسلمانوں کی نظر بچا کر یہاں تک لائی گئی تھی اپنی عریانی کو ڈھانپتی باہر بھاگ گئی۔

اشباح نے داروغہ کو سامنے بٹھایا اور نہایت سخت لہجے میں احمد عباس کے بارے میں پوچھا۔احمد عباس کا نام سن کر داروغہ چونکا ضرور مگر فوراً ہی اس کے چہرے پر مکاری کا پردہ پڑ گیا۔آنکھیں جھپک کر بولا۔ "کون احمد عباس؟ اس کا نام تو۔۔۔"

اس کا فقرہ ابھی ادھورا تھا کہ اشباح کی زوردار ٹھوکر نے اسے نشست سے اڑا کر قالین پر پھینکا۔اشباح نے محمد بن قاسم کی عطا کردہ پیش قبض نکالی اور پلک جھپکتے میں اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ بال مٹھی میں جکڑ کر اس نے پیش قبض کی نوک داروغہ کی ناک میں گھسیڑ دی، کرب کی شدت سے وہ بری طرح مچلا۔ "خبردار۔" اشباح نے اسے رانوں کے نیچے سنبھالتے ہوئے کہا۔ "آواز نکالی تو پیش قبض یہیں سے دماغ میں پہنچا دوں گا۔" فرطِ خوف سے داروغہ کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔یہی کمرہ جو چند لمحے پہلے اس کے لئے گوشہ عیش تھا، قفسِ کرب بن گیا۔ظالم کی جگہ ایک متحسب نے سنبھال لی تھی اور مظلوم کی جگہ وہ خود بے دست و پا لیٹا ہوا تھا۔اس کا جسم تھر تھر کانپنے لگا۔اشباح نے دل ہلا دینے والی سرگوشی کی۔

"بتاؤ، احمد عباس کہاں ہے۔"

"بتاتا ہوں، سب کچھ بتاتا ہوں۔" داروغہ نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

اشباح خون بار نظروں سے گھورتا ہوا اس پر سے اٹھ آیا۔ داروغہ نے کانپتے ہاتھوں سے مظلوم لڑکی کے لباس کا ایک حصہ اٹھایا اور اس سے زخمی ناک پونچھتے ہوئے بولا۔

"اس نام کا ایک غلام محل میں آیا تھا۔ ساتھ ایک کنیز بھی تھی۔ شائد شکیلہ نام بتایا تھا اس نے۔ پھر کنیز تو آقا نے اپنے بھائی کے سپرد کر دی مگر غلام یہیں رہا تھا۔ اب معلوم نہیں وہ محل میں ہے یا کہیں اور بھیج دیا گیا ہے۔"

اشباح نے تیزی سے کہا۔ "فوراً اس کا پتا کرو۔"

داروغہ ڈگمگاتا ہوا باہر نکلا اور اپنے خادم خاص کو ہدایات دے کر واپس آ گیا۔

اشباح نے پوچھا۔ "یہ دونوں تمہیں کہاں ملے تھے؟"

داروغہ بولا۔ "جناب! چند ماہ پہلے ان دونوں کو مکران کی سرحد پر گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ بلا اجازت سندھ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ بعد میں انھیں غلاموں کے ساتھ شامل کر کے نیرون لایا گیا۔ یہاں یہ شاہی محل کے خدمت گاروں میں شامل ہو گئے۔"

اشباح گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ یہ دو روز اس نے انگاروں پر لوٹتے گزارے تھے۔۔۔۔ آخر ہلابہ اور احمد عباس نے ہندوستان کا رخ کیوں کیا۔ اگر وہ دونوں ساتھ ساتھ تھے تو اس کا مطلب تھا ان کی شادی ہو چکی ہے، لیکن اگر شادی ہو چکی تھی تو پھر۔۔۔۔ ہلابہ کو اپنے کس محبوب کی تلاش تھی؟ یہ اور ایسے بہت سے سوالات اشباح کے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ قدموں کی چاپ سن کر اشباح کا دل دھڑک اٹھا۔ پھر دروازہ کھلا اور دو خادم احمد عباس کو لئے اشباح کے سامنے آ گئے۔

احمد عباس اور اشباح حیرت آمیز مسرت کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر اٹھ کر بغل گیر ہو گئے اور رخساروں کے بوسے لینے لگے۔ احمد عباس کی سسکیاں اشباح کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ کتنی ہی دیر بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور نمناک آنکھوں کے ساتھ آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ داروغہ نے احمد عباس کی اہمیت کا احساس کر لیا تھا۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ادب سے بولا۔

"آپ اطمینان سے گفتگو کریں میں دوسرے کمرے میں بیٹھتا ہوں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو خادمین دروازے پر حاضر ہیں۔"

اشباح نے ناگواری سے اسے دیکھا اور اجازت دے دی۔ وہ اپنی زخمی ناک پونچھتا دوسرے کمرے میں نکل گیا۔ احمد عباس اور اشباح فرطِ اشتیاق سے غلطاں تھے۔ بے تابانہ ایک دوسرے کا حال دریافت کرنے لگے۔

چچا طلحہ کا ذکر آیا تو احمد عباس بجھ سا گیا۔ اشباح کے اندر بھی جیسے کوئی چیز ٹوٹ گئی۔ اس نے ایک گہری سرد آہ بھری اور بولا۔

"احمد عباس، میرا خیال ہے آپ شروع سے ساری روئیداد سنائیں۔ اس طرح ہم دونوں کو آسانی رہے گی لیکن اس سے پیشتر میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ جب میں حضر موت سے آیا تو آپ کی شادی کی بات چل رہی تھی۔ کیا اب میں آپ کو شادی کی مبارکباد دے سکتا ہوں۔"

احمد عباس کچھ دیر اشباح کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اب آپ نے پوری روئیداد سننی ہے تو اس میں یہ ذکر بھی آجائے گا۔"

احمد عباس نے دھیرے دھیرے سے کہنا شروع کیا۔ "حضر موت سے چلے جانے کے بعد ہم پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مرحوم سردار ابو حارث کا ناخلف بیٹا عقیل ہر صورت میں اپنی ضد پوری کرنا چاہتا تھا۔ وہ ہلابہ کو حاصل کرنے کے لئے چچا طلحہ پر بار بار دباؤ ڈالنے لگا، پھر خوشامد کی، پھر دھمکیاں دیں اور آخر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا۔ آپ کے دوست زبیر نے اس برے وقت میں ہمیں بہت سہارا دیا اور عقیل کی من مانیوں کے سامنے دیوار بن گیا۔ مگر عقیل نے بڑی ہوشیاری سے بستی کے ایک گروہ کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ اس موقع پر ایسا لگنے لگا کہ قبیلے مین خانہ جنگی ہو جائے گی۔ آپ جانتے ہی ہیں زخم کی وجہ سے چچا طلحہ پہلے ہی بستر سے لگے ہوئے تھے۔ اس کشمکش نے ان کی حالت مزید بگاڑ دی۔ ہلابہ اور میں نے دن رات ان کی تیمارداری کی

لیکن وہ کمزور تر ہو گئے اور آخر۔۔۔۔۔۔ آج سے کوئی تین ماہ قبل ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ انتقال سے قبل انھوں نے مجھے اور ہلابہ کو بلایا اور چند باتیں کیں۔

ان باتوں کے ذکر سے پہلے میں آپ کو یہ بتادوں کہ میں ہلابہ کا رضاعی بھائی ہوں۔ ہم دونوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہے۔ ہماری شادی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ مجھے ٹھیک طرح نہیں معلوم کہ آپ نے کیا سمجھا تاہم میرا قیاس تھا کہ آپ شک میں مبتلا تھے۔ شائد آپ نے اپنے طور پر سمجھ لیا تھا کہ چچا طلحہ ہلابہ کا رشتہ مجھ سے کر رہے ہیں۔ حالانکہ چچا طلحہ بہت پہلے دل ہی دل میں ہلابہ کو آپ سے منسوب کر چکے تھے۔ وہ اپنی پوتی کی دلی کیفیت سے بھی آگاہ تھے۔ انھیں معلوم تھا وہ آپ کے سوا کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ تو صرف بگڑے حالات کا تقاضا تھا جو انھوں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ آخری وقت انھوں نے ہلابہ سے کہا۔

"بیٹی! میرے بعد اس بستی میں رہنا ٹھیک نہیں۔ زبیر کب تک تیری نگہبانی کرے گا۔ ہو سکتا ہے عقیل اپنی ضد میں ان کی جان لے لے۔ میرے بعد تو اپنے بھائی کو لے کر یہاں سے نکل جانا۔ اشباح کو تلاش کرنا۔ تجھے زندگی گزارنے کے لئے اس سے بہتر ساتھی اور کوئی نہیں مل سکتا۔ وہ یہاں سے بہت دکھی گیا ہے اس کی دلجوئی کرنا۔ اس کی خدمت کرنا، اس کی اطاعت گزار بننا۔ مجھے یقین ہے تم دونوں بہت خوش رہو گے۔"

چچا طلحہ کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ہلابہ نے قصدِ سفر کیا اور آپ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ ایک عمانی جہاز پر ہم نے خلیج فارس عبور کی اور حدودِ مکران میں داخل ہو

گئے۔ کئی عشروں کے دشوار اور کٹھن سفر کے بعد دیبل پہنچ چکے تھے جب ایک طوفانی شب کو بد قسمتی سے ہمیں سرحدی محافظوں نے گھیر لیا۔ وہ تعداد میں کوئی چھ افراد تھے۔ میں نے ان میں سے تین کو مار گرایا اور ہلابہ کو لے کر نیلوں میں نکل گیا۔ ایک طویل جدوجہد کے بعد بلاآخر ہمارے گھوڑے ہانپ گئے اور تعاقب کرنے والوں نے ہمیں پکڑ لیا۔ ہماری مشکیں کس کے ہمیں دیبل پہنچا دیا گیا۔ یہاں سے غلاموں کے ایک گروہ میں شامل کر کے نیرون بھیج دیا گیا۔ نیرون کے فوجی پروہت نے جن کنیزوں اور غلاموں کو شاہی محل میں خدمت کے لئے منتخب کیا۔۔۔۔۔ان میں ہم دونوں بھی شامل تھے۔ یوں وقتی طور پر ہلابہ کی عزت بچ گئی۔

تاہم یہ سلامتی عارضی تھی۔ ایک خوبصورت جوان کنیز کب تک ہندو آقا کے دستِ ستم سے محفوظ رہتی؟ ایک روز فوجی پروہت کے ایک جواں سال بیٹے نے دو کنیزوں کو اپنی خواب گاہ میں بلایا۔ جن میں سے ایک ہلابہ بھی تھی اور جب وہ ہلابہ پر دست درازی کرنے لگا تو اس نے دلیرانہ مزاحمت کی اور تلوار کے کندے مار مار کر اسے شدید زخمی کر دیا۔ اس لڑکے کے دماغ میں ایسی چوٹیں آئیں کہ وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہو گیا۔ چند روز کی بے ہوشی کے بعد ہوش میں آیا تو کسی کو پہچان نہ سکا۔ فوجی پروہت کو دوسری کنیز کی زبانی پتہ چل چکا تھا کہ یہ ہلابہ کا کام ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اب ہلابہ اذیت ناک موت ماری جائے گی مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ فوجی پروہت اپنے اس بیٹے سے بے حد نالاں تھا اور اسے خدشہ تھا کہ وہ اس کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرے گا۔ اس کی ذہنی معذوری کو پروہت نے تائید غیبی جانا اور غیر متوقع طور پر ہلابہ کو معاف کر دیا۔ کچھ دن بعد پروہت نے اسے اپنے بھائی کو سونپ دیا اور یوں وہ اور میں جدا ہو گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے کچھ

معلوم نہیں کیونکہ اسلامی فوج نے نیرون کوٹ پر قبضہ کر لیا اور ہندو آقاؤں نے مجھ سمیت چھ ہندو غلاموں کو تہہ خانوں میں چھپا دیا تاکہ ہمیں آزاد نہ کرا لیا جائے۔ اس وقت سے ہم انہی تہہ خانوں میں قید ہیں۔۔۔۔۔"

احمد عباس کی داستان پر حیرت سننے کے بعد اشباح نے اپنی روئیداد سنائی اور اور اپنی جنگی مہمات کا ذکر کرنے کے بعد بتایا کہ کس طرح ہلابہ نیرون کوٹ کے بعد سیستان پہنچی اور اپنی نئی مالکن کی حویلی میں اس کے ساتھ رہنے لگی۔ اس نے نئی مالکل یعنی آسیہ کے بارے میں جزوی طور پر بتایا کہ وہ کون ہے اور کس طرح مسلمان ہوئی۔ اس نے آسیہ کے گھر ہلابہ سے اپنی ملاقات کا ذکر بھی کیا۔ احمد عباس سنتا رہا اور اس کی آنکھوں سے کبھی غم اور کبھی خوشی کا اظہار ہوتا رہا۔ آخر اشباح خاموش ہوا اور دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے۔ اچانک اشباح نے چونک کر پوچھا۔

"یہ شکیلہ کا کیا معاملہ ہے۔"

احمد عباس نے کہا۔ "دیبل کے نواح میں جب ہم سرحدی محافظوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور ہمیں غلاموں کے گروہ میں شامل کیا گیا تو ہلابہ نے نام ونسب کی رسوائی سے بچنے کے لئے اپنا نام شکیلہ رکھ لیا۔"

اشباح نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے آپ لوگ محفوظ رہے۔" احمد عباس نے ایک پر سکون سانس لے کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بولا۔

"اشباح! آپ اور ہلابہ مل گئے۔ میری تمام محنت کام آگئی۔ میں اس سفر میں اٹھایا ہوا ہر دکھ اور ہر زخم بھول گیا ہوں۔ اشباح۔۔۔۔ آپ کو معلوم نہیں وہ آپ سے کس قدر محبت کرتی ہے۔ میں نے اسے تھکن سے چور اور

بھوک سے نڈھال نیرون کی گلیوں میں آپ کو تلاش کرتے دیکھا ہے۔ مین نے شب کی تاریکی میں اس کی سسکیاں سنی ہیں اور چمکیلی صبحوں میں اس کی ویران آنکھوں کا درد محسوس کیا ہے۔ میں نے اس کی نگاہوں کو دیکھا ہے جنھوں نے حضرموت سے دیبل اور دیبل سے نیرون تک ہر چہرے سے ایک ہی سوال کیا ہے، تم نے میرے محبوب کو دیکھا ہے۔ تم نے میرے بچھڑے ساتھی کو دیکھا ہے؟ اس کا یہ سوال میرے لئے بھی سوہانِ روح بن گیا تھا۔ آج میں بہت خوش ہوں، بے حد مسرور ہوں۔ اللہ تعالٰی نے اپنی مہربانی سے آپ کو پھر ایک کر دیا۔ خدا کرے اب آپ کبھی جدا نہ ہوں۔"

احمد عباس کی پر مسرت آواز اشباح کے درد کو اور ہوا دے رہی تھی۔ اس کے اندر جیسے جسم کی رگ رگ ٹوٹ رہی تھی۔ وہ مردِ صحرا تھا، کوئی اور ہوتا تو فرطِ کرب سے چلا اٹھتا یا شدت جذبات سے اس کا سینہ شق ہو جاتا۔ آخر اس نے حوصلہ جمع کیا اور احمد عباس کو اپنی زندگی کے سب سے بڑے المیے سے آگاہ کرتے ہوئے بولا۔

"احمد عباس! قدرت کے کاموں میں کسی کو کوئی دخل نہیں۔ آج سے صرف چار روز پہلے میں شادی کر چکا ہوں۔"

احمد عباس پر جیسے برق گر پڑی۔ کتنی ہی دیر وہ مجسم حیرت بنا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ آخر دل پانی کر دینے والی ایک یاس انگیز مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی اور وہ کمزور آواز میں بولا۔ "مبارک ہو اشباح، بہت بہت مبارک ہو۔"

احمد عباس اور اس کے پانچ مسلمان ساتھیوں کو داروغہ محل کی قید سے آزاد کرانے کے بعد اشباح نے اپنے کچھ ساتھیوں سے ملاقاتیں کیں اور سیستان کا رخ کیا۔ احمد عباس اس کا ہمرکاب تھا۔۔۔۔۔ دونوں تیسرے روز سہ پہر کے وقت سیستان پہنچے۔ آسیہ حویلی کے دروازے پر ہی مل گئی۔ وہ اشباح کی غیر حاضری سے سخت پریشان تھی، خادموں نے صرف اتنا بتایا تھا کہ مالک ایک کام سے نیرون روانہ ہو گئے ہیں۔ اشباح نے اس کی شاکی نظروں کا جواب تسلی تشفی کے بولوں سے دیا اور احمد عباس کو ہلابہ کی طرف بھیج کر خود نشست گاہ کی طرف آ گیا۔

دو خادمین نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے پاپوش اتارے۔ ایک کنیز نے آکر اطلاع دی کہ غسل کا پانی تیار ہے۔ اشباح غسل کر کے نکلا تو آسیہ زرق برق لباس پہنے اپنے ہاتھوں سے دستر خوان پر کھانا چن رہی تھی۔ کئی قسم کے ہندوستانی کھانے تھے جو آسیہ نے بڑے اہتمام سے تیار کرائے تھے۔ اشباح کوشش کے باوجود زیادہ نہ کھا سکا۔ آسیہ بھانپ کر بولی۔

"نصیبِ دشمناں آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"نہیں کچھ نہیں۔ بس راستے کی تھکاوٹ سے ذرا سر میں درد ہے۔"

آسیہ بے چین ہو گئی۔ خادموں کو باہر نکال کر دریچوں کے پردے برابر کئے اور محبت سے اس کا سر زانو پر رکھ کر دبانے لگی۔ اس کی نرم انگلیاں اشباح کی کشادہ پیشانی پر محبت کی تحریر لکھ رہی تھیں مگر اشباح کوشش کے باوجود ذہن کو حاضر نہیں پا رہا تھا۔

"مجھ سے کوئی خطا ہو گئی؟" آسیہ نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

اشباح نے بے چین ہو کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے اور محبت سے بولا۔ "آپ نے ایسا کیوں سمجھ لیا۔ اگر آپ کو میری خاموشی سے گلا ہے تو چلیں اسی وقت ہم پائیں باغ کی سیر کو نکلتے ہیں۔"

سہمی ہوئی آسیہ جیسے کھل اٹھی۔ دونوں بعام گاہ سے باہر نکلے اور شفاف راہداریوں سے گزر کر صحن میں آ گئے۔ ڈوبتے سورج کی کرنیں سبز پتوں کا مغربی رخ روشن کر رہی تھیں۔ کہیں کہیں پھولوں کے تختے ہوا کے جھونکوں میں ہم آہنگی سے رقص کر رہے تھے۔ کبھی یہ جھونکے شدت اختیار کرتے تو فواروں کا پانی لہرا کر روش پر آ پڑتا۔ آسیہ اور اشباح پائیں باغ میں پہنچے یہاں وہاں خوش پوش کنیزیں مودب کھڑی تھیں۔ آسیہ نے تالی بجا کر انھیں رخصت کر دیا۔ میاں بیوی گلشن کی خلوت میں چہل قدمی کرنے لگے۔ یکایک اشباح کو احساس ہوا کہ وہ حویلی کے بائیں پہلو پر ہیں۔ اس جانب ہلابہ کی آرام گاہ تھی۔ اشباح نے چونک کر دیکھا، چند گز دوری پر آرام گاہ کی کھڑکی تھی۔ ہلابہ بستر پر نیم دراز محویت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے چہرے کا دردانگیز تاثر ایک آسودہ مسکراہٹ میں چھپا رکھا تھا بالکل جیسے وہ بچپن میں خنظل کی گٹھلیاں منہ میں چھپا لیا کرتی تھی اور اشباح انھیں پتھروں کے نیچے ڈھونڈتا رہتا تھا۔

"چلیئے آسیہ۔" اشباح نے بے قرار ہو کر کہا۔ "ہم واپس چلتے ہیں۔"

دو روز اشباح بالکل ہلابہ کے پاس نہیں گیا۔ تیسرے روز وہ آسیہ کے پاس بیٹھا ہلکی پھلکی گفتگو کر رہا تھا کہ ایک خواجہ سرا نے آ کر بتایا۔ "مہمان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" مہمان سے اس کی مراد احمد عباس تھا۔ آسیہ سے

اجازت لے کر اشباح زنان خانے سے نشست گاہ میں پہنچا۔ احمد عباس کے ہاتھ میں ایک چمڑے کی خرجین تھی اور چہرے پر رنج والم کے سائے اس نے خرجین اشباح کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہلابہ نے دی ہے۔"

اشباح نے خرجین کھولی اس میں حضرموت کی خوش ذائقہ کھجوریں اور یمن کے خشک انگور تھے جو اس کی والدہ نے بطور خاص سوغات کے طور پر بھیجے تھے۔ ساتھ میں چاندی کا ایک قدیم ہار اور دو خط تھے۔ ایک خط میں اس کی والدہ نے اپنی خیر خیریت سے آگاہ کیا تھا اور بے شمار دعاؤں کے بعد لکھا تھا۔ "خدا کرے ہلابہ تمہیں ڈھونڈنے میں کامیاب رہے۔ میری بچی نے تیرے لئے بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ اسے ہر طرح کا آرام دینا۔ خبردار کبھی ناراض کیا تو۔ مجھے خدا سے امید ہے کہ میں جلد یا بدیر تم دونوں کو دیکھ سکوں گی۔ شائد اس وقت میری ہلابہ کی گود میں ایک چاند سا ٹکڑا بھی ہو۔ اللہ مجھے وہ دن جلد دکھائے۔ یہ خاندانی ہار تیری بیوی کے لئے ہے۔"

اشباح نے دوسرا خط کھولا۔ یہ مرحوم چچا طلحہ کی طرف سے تھا انھوں نے لکھا تھا۔۔۔۔ "بیٹا، قبیلے کی جس خانہ جنگی کو ٹالنے کے لئے تو ہلابہ کے حق سے دستبردار ہوا تھا وہ پھر ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ میں اس مسئلے کا بہترین حل یہ سمجھتا ہوں کہ ہلابہ کو تیرے پاس ہندوستان بھیج دوں اور تو اس سے شادی کر لے۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ اس شادی کے بعد یہ معاملہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ رہی بات یہ کہ تو غیر قوم کا شخص ہے اس لئے قبیلے کی لڑکی کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں نہیں دیا جا سکتا۔۔۔۔ تو بیٹے اشباح، میں نے کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا۔ تو داؤد کا نواسہ ہے تو میرے بھی دل میں بستا ہے۔ میں ہلابہ کا ہاتھ تیرے ہاتھ

میں دینا باعث فخر سمجھتا ہوں اور خدا سے دعا گو ہوں کہ وہ میرے اہل قبیلہ کو بھی ہدایت دے۔ ہلابہ کا بزرگ اور سرپرست ہونے کی حیثیت سے میں تجھے ہلابہ کے ساتھ نکاح کی کلی اجازت دیتا ہوں۔۔۔۔" چچا طلحہ نے ڈھیروں دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ خط کا اختتام کیا تھا۔

خط پڑھنے کے بعد اشباح گم صم بیٹھ گیا۔ وقت کی کج روی نے کیا سے کیا کر دیا تھا۔ احمد عباس نے چاندی کے ہار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بوجھل آواز میں کہا۔

"ہلابہ نے تاکید کی ہے کہ یہ ہار آپ اپنے ہاتھ سے ہلابہ بہن کو پہنائیں۔"

اشباح نے کہا۔ "ہلابہ خود کہاں ہے۔"

احمد عباس بولا۔ "باہر ڈیوڑھی میں ہے۔ ہم جا رہے ہیں۔"

"کہاں؟" اشباح بے ساختہ بولا۔

"واپس خضر موت۔۔۔ اب یہاں ہمارے کرنے کے لئے ہے بھی کیا۔"

اشباح تڑپ کر رہ گیا۔ احمد عباس کو نظر انداز کر تا وہ تیز قدموں سے باہر نکلا اور صحن سے گزر کر ڈیوڑھی میں جا پہنچا۔ چادر میں لپٹی ہلابہ دو گھوڑوں کے بیچ کھڑی تھی۔

"یہ کیا مذاق ہے ہلابہ؟ تم اس طرح نہیں جا سکتی۔" ہلابہ خاموش رہی۔ اشباح نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے لگام لے لی۔ "چلو واپس اپنے کمرے میں۔ تم ابھی تک ٹھیک نہیں ہو۔"

ہلابہ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں میں سفر کے قابل ہوں۔"

اشباح نے کہا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے۔ چلو میرے ساتھ، یہاں گفتگو مناسب نہیں۔" وہ اسے لے کر نشست گاہ میں آ گیا۔ ہلابہ سر جھکا کر ایک نشست پر بیٹھ گئی۔ اس کی زلفیں ڈھلک کر ناک اور ٹھوڑی کو چھو رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر مصمم ارادے کی جھلک تھی۔ اشباح کافی دیر اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں تمہاری واپسی سے اتفاق نہیں کرتا تاہم اگر تم جانا ضروری سمجھتی ہو تو یہ موقع مناسب نہیں۔ سفر کے حالات غیر یقینی ہیں اور داہر کے شکست خوردہ سپاہی علاقے میں لوٹ مار کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ فی الحال تم یہاں آسیہ کے پاس رہو۔ اسے تمہاری صحبت کی ضرورت بھی ہو گی۔ رہی میری بات تو میں چند دنوں میں لشکر کے ساتھ آگے روانہ ہو رہا ہوں۔ دریائے سندھ پار کر کے ہمیں برہمن آباد پر حملہ کرنا ہے اور مسلمان قیدیوں کو آزاد کرانا ہے۔ اس کے بعد نجانے ہمیں کب تک اور کہاں تک آگے بڑھنا ہے۔ سپہ سالار کا ارادہ ہے کہ وہ ہندوستان کے آخری گوشے تک اسلام کا پیغام پہنچائیں گے۔۔۔۔ میری غیر حاضری میں تم مکمل سکون سے اس حویلی میں رہ سکتی ہو۔ واپس آ کر میں تمہیں رکنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ اس وقت یہ بھی ممکن ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہی واپسی کا راستہ اختیار کر لو۔۔۔۔۔"

اشباح تا دیر ہلابہ کو سمجھاتا رہا لیکن اسے قائل نہ کر سکا۔ یوں لگتا تھا اس جگہ اس کا دم گھٹ رہا ہے اور وہ جلد از جلد یہاں سے دور چلے جانا چاہتی ہے۔۔۔۔ آخر تھک ہار کر اشباح نے ہتھیار ڈال دئے۔ آزردگی سے بولا۔

"ٹھیک ہے ہلابہ! میں تمہیں روکنے کا حق نہیں رکھتا۔۔۔۔ تم اپنے رویے میں حق بجانب ہو۔۔۔۔ مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں تمہاری توقعات پر پورا نہ اتر سکا۔"

ہلابہ خاموشی سے آنسو پیتی رہی۔ اٹھتے اٹھتے اشباح نے کہا۔ 'ہلابہ، اس وقت سفر کا آغاز مناسب نہیں۔ میرا خیال ہے تم کل علی الصبح روانہ ہونا۔ مجھے بھی والدہ اور زبیر کے نام تفصیلی خطوط لکھنے کا موقع مل جائے گا۔"

ہلابہ نے سر کی جنبش سے رضامندی کا اظہار کیا۔ اشباح نے آخری نگاہ ہلابہ پر ڈالی اور بھاری قدموں سے چلتا کمرے سے باہر آگیا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں پہنچا اور بے دم سا ہو کر ایک منقش کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ خطوط کا تو اس نے صرف عذر پیش کیا تھا وہ تو ابھی بھی لکھے جا سکتے تھے۔ وہ صرف اتنا چاہتا تھا کہ ہلابہ اور احمد عباس کی رخصتی کا منظر وہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے۔ کل علی الصبح اس کی چھٹی ختم ہو جانا تھی اور اسے منہ اندھیرے حویلی چھوڑ کر لشکر میں واپس چلے جانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نماز فجر ادا کر کے ہلابہ اور احمد عباس جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ حویلی کے دروازے پر آسیہ نے انھیں گرمجوشی اور محبت سے رخصت کیا۔ اشباح کے بارے میں اس نے بتایا کے وہ صبح کاذب کے وقت چلے گئے تھے۔ نماز فجر انھوں نے لشکر میں ادا کرنا تھی۔ اشباح کے لکھے ہوئے خطوط بھی آسیہ نے ہی ہلابہ کو دئے۔ بوجھل دل اور نمناک آنکھوں کے ساتھ ہلابہ روانہ ہوئی۔ احمد عباس اور وہ دو تازہ دم گھوڑوں پر سوار تھے۔ آسیہ نے خرجینوں میں کئی روز کا راشن جمع کر دیا تھا۔۔۔۔ بادصبا کے جھونکے ہلابہ کے غم سے اٹھکیلیاں کر

رہے تھے۔ ہر ہچکولے کے ساتھ اس کی آنکھیں کٹوروں کی طرح چھلک پڑتیں۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے وہ خاموشی سے گھوڑا بڑھا رہی تھی۔ چند فرلانگ آگے جا کر اس کی نگاہ شمشان گھاٹ کی طرف اٹھ گئی۔ یہ سنسان جگہ اندھیرے اجالے کے پر اسرار آمیزے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ قریب ہی قدیم عمارت کے کھنڈر تھے۔ دن کا مدھم اجالا ڈرتے ڈرتے ان کھنڈروں میں قدم رکھ رہا تھا۔ اچانک ہلابہ کے دل میں آئی کہ وہ جاتے جاتے محترم بزرگ کے نیاز حاصل کرتی جائے۔ اپنے چند روزہ قیام کے دوران وہ کئی مرتبہ محترم ہستی کے پاس آچکی تھی اور ایک خاص طرح کی عقیدت اسے پیدا ہو گئی تھی۔ یہ بزرگ خود کو مالدیپی مسلمان بتاتے اور ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ چند ہفتے پہلے انھیں پہلی بار اس علاقے میں دیکھا گیا تھا اس وقت سے اب تک سینکڑوں لوگ ان کے عقیدت مند ہو چکے تھے۔۔۔۔ احمد عباس اور ہلابہ نے گھوڑے کھنڈر کے سامنے باندھے اور مودب انداز میں اندر داخل ہو گئے۔ کھندر کے اندر تین قد آور کھجوروں تلے ایک سنگی چبوترہ تھا۔ درویش بابا ایک گدڑی نما چادر اوڑھے یہاں بیٹھے رہتے۔ چادر کا ایک گھونگھٹ سا ہر وقت ان کے چہرے پر جھولا کرتا۔ ان کے ساتھ گوشہ نشین قسم کے فقیروں کی ایک ٹولی ہوتی تھی۔ لمبی قباؤں، الجھی داڑھیوں اور پھٹی پرانی گدڑیوں والے یہ فقیر ننگی زمین پر بیٹھے دائیں بائیں جھوم کر "حق حق" کی ضربیں لگاتے تھے۔ ہلابہ نے دیکھا کہ آغاز صبح کی ان نیم تاریک اور خاموش ساعتوں میں بزرگ اپنے چبورترے پر موجود نہیں، نہ ہی کوئی دوسرا شخص نظر آرہا ہے۔ شائد وہ چبوترے کے پیچھے واقع کوٹھڑی میں تھے۔ وہ احمد عباس کے ساتھ آگے بڑھی اور ایک ناگوار بو کا بھبکا اس نے نتھوں سے ٹکرایا۔ احمد عباس بھی یہ بو محسوس کر چکا تھا۔ "شراب" اس کے ہونٹوں سے سرسراہٹ برآمد ہوئی۔ اس وقت ایک بدمست قہقہے

کی مدھم آواز سنائی دی اور احمد عباس چند لمحے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر کوٹھڑی کا کہنہ سال دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ بو میں شدت آگئی۔ قہقہوں اور گفتگو کی آواز اور بھی واضح ہو گئی۔ یہ آوازیں تہہ خانے سے آرہی تھیں۔ ہلابہ نے دو قدم بڑھا کر تہہ خانے میں اترنے والی سیڑھیوں کے دروازے سے کان لگا دیے۔ وہ مسلمان درویش کی آواز صاف سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"چلو دوستوں! ایک جام اور پی لو۔ پھر روانہ ہوتے ہیں۔"

"لیکن منزل کہاں ہے۔" ایک آواز اور آئی۔

"منزل ہمارے دوست ارب بن عوف کی روح کو معلوم ہے۔ صرف اس کی روح کو۔" درویش نے قہقہہ لگا کر کہا۔

ایک تیسری آواز نے اشتیاق سے پوچھا۔ "سردار بوہان۔ کچھ تو بتاؤ۔ اس بدذات سنہری شاہین کو تم گھیرو گے کیسے۔"

بوہان نے چھنگاڑ کر کہا۔ "اپنی اس کھوپڑی سے جو اس چوہے کی طرح بے مغز نہیں ہے وہ اب سے تھوڑی دیر بعد ہمارا پھینکا ہوا دانہ چک لے گا اور اس سفر پر روانہ ہو جائے گا جس کا انجام یقینی موت ہے۔"

"کیسا سفر۔" کسی نے سوال کیا۔

بوہان نے آخ تھو کی آواز سے زمین پر تھوکا، پھر سوال کرنے والے سے جوابی سوال کیا۔ "آج کون سا دن ہے۔"

"جمعہ۔" بیک وقت کئی آوازیں آئیں۔

بوہان بولا۔ "اسی جمعے کا مجھے انتظار تھا۔ محمد بن قاسم نے میری تلاش کے لئے مختلف قبیلوں کو ذمہ داریاں سونپ رکھی ہیں۔ ہر قبیلہ اپنی باری پر میری تلاش کا کام سنبھالتا ہے۔ لہٰر تین روز بعد یہ باری بدل جاتی ہے۔ آج سے قبیلہ بنو عمار کی باری ہے اور تم سب جانتے ہو سنہری شاہین جس ظالم کا نام ہے وہ بنو عمار کا کوئی شخص ہے۔۔۔۔ کون سا شخص ہے، اس کا علم ہونا اب زیادہ دور کی بات نہیں۔۔۔۔ اب سے تھوڑی دیر بعد بنو عمار کے پڑاؤ میں دو بھکاری پہنچیں گے۔ یہ بھکاری اسلامی فوج کے جاسوس ہیں لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ یہ جاسوس ہمارے ہاتھ بک چکے ہیں۔ وہ اشباح بن سقیل کو میرے بارے میں غلط اطلاع پہنچائیں گے اور اشباح بنو عمار کے سواروں کو لے کر ان کے ساتھ چل دے گا۔۔۔۔ ہاہاہاہا۔ بوہان نے رک کر منحوس قہقہہ لگایا۔ وہ دونوں بھکاری بنو عمار کے سواروں کو لے کر دور بہت دور ٹیلوں میں پہنچ جائیں گے۔ آخر ایسے مقام پر رکیں گے جہاں اسلامی دستہ بے یار و مددگار ہو کر بھیڑوں کے ریوڑ کی مانند پھنس جائے گا۔ ہم عقب سے پہنچیں گے اور ان کے گرد موت کی دیوار کھڑی کر دیں گے۔ پھر اس ویرانے میں سنہری شاہین اور اس کے ساتھیوں کا یادگار شکار کھیلا جائے گا۔"

ایک شخص نے کہا۔ "سردار بوہان، کیا تمہیں یقین ہے کہ سنہری شاہین اس جال میں پھنس جائے گا۔"

بوہان بولا۔"بے شک، اتنا ہی یقین ہے جتنا تھوڑی دیر میں سورج کے طلوع ہونے کا۔"

ایک جنگی نعرے کی گونج تہہ خانے کی گہرائی سے ابھری اور جام ٹکرانے کی صدائیں آنے لگیں۔ پھر ہلابہ اور احمد عباس نے اندازہ کیا کہ بہت سے عربی اور ہندی سپاہی وفورِ جوش میں اٹھ کر ناچ رہے ہیں۔

دونوں خاموشی سے باہر نکلے اور دبے پاؤں اپنے گھوڑوں کی جانب بڑھے۔ ہلابہ کی آنکھوں میں گہری تشویش تھی اور احمد عباس کا حال بھی مختلف نہیں تھا۔"ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔"ہلابہ نے بے قراری سے کہا۔

"بے شک۔"احمد عباس نے جواب دیا۔

دونوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اسلامی پڑاؤ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ بلندی پر پہنچے تو انھیں نیلوں میں سینکڑوں گھوڑے کھڑے نظر آئے۔ غالباً یہ گھوڑے ان سواروں کے تھے جو مہم پر روانہ ہونے سے پیشتر محل کے کھنڈروں میں دادِ عیش دے رہے تھے۔

سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہلابہ اور احمد عباس اسلامی لشکر کی خیمہ گاہ میں پہنچے تو اجالا پھیل چکا تھا۔ پڑاؤ کے مختلف حصوں میں دھوئیں کے مرغولے بلند ہو رہے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مسلمان فوجی کھانا تیار کر رہے ہیں۔ کچھ دستے صبح کی مشقوں میں مصروف تھے۔ غیر فوجی افراد کے لئے پڑاؤ میں داخل ہونے کی پابندی تھی۔ دونوں کو باہر ہی روک لیا گیا۔ احمد عباس نے محافظوں سے کہا۔

"مجھے قبیلہ بنو عمار کے سالار اشباح بن سقیل سے ملنا ہے اور میرا ملنا ضروری ہے۔"

ایک محافظ نے کہا۔"محترم ہمیں افسوس ہے۔ آپ فی الحال سردار اشباح سے نہیں مل سکتے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی مہم پر روانہ ہوئے ہیں۔"

ہلابہ بے قرار ہو کر نقاب کی اوٹ سے بولی۔"آپ کو یقین ہے کہ وہ اشباح ہی تھے؟"محافظ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔"ہاں۔"

ہلابہ بولی۔"کیا روانہ ہونے والے دستے کے ساتھ دو بھکاری بھی تھے؟"

محافظ نے روانی سے اس سوال کا جواب بھی"ہاں"میں دیا۔ پھر چونک کر بولا۔"آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں۔"ہلابہ نے کہا۔ پھر احمد عباس کی طرف جھک کر بولی۔"میرا خیال ہے وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔"احمد عباس نے محافظ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر گھوڑوں کا رخ موڑ کر وہ دونوں تیزی سے ایک جانب روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح جس وقت حویلی سے اسلامی لشکر کی خیمہ گاہ میں پہنچا وہ بے حد افسردہ تھا۔ افسردگی کی وجہ ہلابہ اور احمد عباس کی روانگی تھی۔ تاہم خیمہ گاہ میں پہنچتے ہی اسے ایک ایسی خبر ملی جس نے اس کا اتھاہ غم، عارضی مسرت میں بدل دیا۔ مسلمان فوج کے دو سندھی جاسوس جو بھکاریوں کے بھیس میں تھے اور بے حد قابل اعتماد تھے، پڑاؤ میں پہنچے اور انھوں نے اطلاع دی کہ یہاں سے کوئی دس بارہ کوس کے فاصلے پر بوہان اپنے اڑھائی سو

ساتھیوں کے ساتھ ایک گاؤں میں دیکھا گیا ہے۔اشباح نے مشورے کے بعد اپنے ساتھیوں کو فوراً تیاری کا حکم دیا۔ نماز ادا کرتے ہی انھوں نے گھوڑوں پر زینیں کسیں اور خبر رسانوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔اڑھائی سو منافقین کے لئے اشباح ڈیڑھ سو مسلمان کافی سمجھتا تھا مگر اس خیال سے کہ بوہان نے کوئی چال نہ چلی ہو اس نے تین سو سوار لے جانا مناسب سمجھا۔وہ نہایت برق رفتاری سے روانہ ہوئے اور سہ پہر تک منزل پر پہنچ گئے۔ مطلوبہ گاؤں میں پہنچ کر انھیں مایوس کن خبر ملی کہ منافقین کا دستہ آگے روانہ ہو چکا ہے۔۔۔۔۔

ساتھیوں سے مشورے کے بعد اشباح نے بغیر رکے سفر جاری رکھا اور شام تک کوئی بیس کوس کا فاصلہ طے کیا۔راستے میں جا بجا ملنے والے شواہد سے اندازہ ہوتا تھا کہ بوہان دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ جنوب مشرق کی طرف بڑھ رہا ہے۔اشباح کے دستے میں کھوجی بھی موجود تھے اور ان کے خیال میں دونوں جاسوسوں کی اطلاع درست تھی۔بوہان اور اس کے ساتھیوں کی تعداد اڑھائی سو کے لگ بھگ تھی۔

اگلے روز علی الصبح پھر تعاقب شروع ہوا،بنو عمار کے سوار اشباح کی قیادت میں دلجمعی سے آگے بڑھ رہے تھے۔۔۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ بوہان ان کے آگے نہیں پیچھے ہے اور اس کے ساتھ اڑھائی سو نہیں کم و بیش ایک ہزار ہندو، عربی اور رومی سپاہی تھے۔ جن میں سے ہر ایک بنو عمار کے خون کا پیاسا ہے اور عنقریب وہ سب مل کر انھیں گھیرنے والے ہیں۔جنگ کے میدان میں بڑے بڑے سالاروں سے غلطی ہو جاتی ہے۔ایک ایسی ہی غلطی اشباح اور اس کے ساتھیوں سے ہو چکی تھی۔اشباح کیا، کوئی بھی سالار اپنے انتہائی قابل اعتماد جاسوسوں پر اتنی جلدی شک نہ کر سکتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک طویل سفر کی دوسری رات کا واقعہ ہے۔اشباح اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک بلند جگہ پر خیمہ زن تھا۔ آدھی رات گزر چکی تھی اور انھوں نے تھکن سے چور ہو کر ابھی ابھی پڑاؤ ڈالا تھا۔ نماز فجر کے ساتھ ہی انھیں پھر روانہ ہو جانا تھا۔اشباح اپنے خیمے میں گم صم بیٹھا تھا۔اب تک وہ سیستان سے کوئی پچاس کوس دور آ چکے تھے، کبھی کبھی اشباح کو شبہ ہونے لگتا کہ یہ دشمن کی کوئی چال نہ ہو۔ایک آدھ بار تو اسے اپنے دونوں جاسوسوں پر بھی شک ہوا تھا۔۔۔۔۔ابھی وہ انھی سوچوں میں گم تھا کہ دفعتاً تیز رفتار گھوڑوں کی ٹاپین گونجیں۔اشباح کی نیند سے بوجھل آنکھیں خود بخود کھل گئیں۔اس نے خیمے کے دروازے پر آ کر دیکھا۔دو گھڑ سوار تیزی سے اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ پھر ان کے گھوڑے خیمے کے سامنے رکے اور وہ دونوں جست کر کے نیچے اتر آئے اس وقت اشباح کو احساس ہوا کہ ان میں سے ایک عورت ہے۔ مشعلوں کی روشنی میں وہ اشباح کو دیکھ چکے تھے اس لئے بھاگتے ہوئے اس کی طرف آئے۔دو پہرداروں نے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روکا اتنے میں اشباح نے مرد کی آواز پہچان لی۔بلاشبہ وہ احمد عباس تھا۔یکبارگی اشباح کا دل دھڑک اٹھا۔ اگر وہ احمد عباس تھا تو یقیناً ساتھی عورت ہلابہ تھی۔یہ دونوں اس وقت یہاں؟اشباح حیرت کے سمندر میں ڈوبنے لگا۔اس نے پہرداروں کو پکار کر کہا۔ان دونوں کو آنے دیا جائے۔

پہرداروں نے تعمیل کی۔وہ دونوں تیز قدموں سے چلتے اشباح تک پہنچے۔اشباح نے بے تابی سے آگے بڑھ کر احمد عباس سے مصافحہ کیا اور حیرت زدہ آواز میں بولا۔

"احمد عباس! آپ اس طرف کیسے؟"

احمد عباس نے ہانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اشباح بھائی ہم سیستان سے آپ کا پیچھا کر رہے ہیں۔ سخت جدوجہد کے بعد آپ تک پہنچے ہیں۔ آپ سب اس وقت سخت خطرے میں ہیں۔ آپ کے مخبروں نے غداری کی ہے۔ جن اڑھائی سو سواروں کا آپ تعاقب کر رہے ہیں، بوہان ان میں شامل نہیں۔ وہ کم و بیش ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے پیچھے آرہا ہے۔ یہ لوگ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں۔" احمد عباس نے ایک ہی سانس میں سب کچھ بتا دیا۔

اشباح تیزی سے صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہلابہ نے نقاب کی اوٹ سے کہا۔ "وقت بہت کم ہے۔ آپ لوگ فوراً کوئی فیصلہ کر لیں۔"

اس گفتگو کے دوران دستے کے کئی عریف ان کے گرد جمع ہو چکے تھے۔۔ ہر چہرے پر ایک طرح کی بے قراری کروٹ لے رہی تھی۔ اشباح نے وہیں کھڑے کھڑے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ فیصلہ کیا گیا کہ دشمن کی کثیر تعداد کے پیش نظر پڑاؤ کو خالی کر دیا جائے اور اطراف کے بلند ٹیلوں میں پناہ لی جائے پھر دشمن کی صحیح قوت کا اندازہ ہونے کے بعد آئندہ کی حکمت عملی طے کی جائے۔۔۔۔ مگر ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک رات کے سناٹے میں ایک گونج سنائی دینے لگی۔ اس نتیجے پر پہنچنا دشوار نہیں تھا کہ سینکڑوں گھوڑے تیز رفتاری سے ان کی سمت بڑھ رہے ہیں۔ جلد ہی ٹیلوں کے عقب سے مشعلوں کی روشنی نمودار ہوئی اور نیم دائرے کی شکل میں ان کی طرف بڑھنے لگی۔ اشباح نے ساتھیوں کی طرف دیکھا اب ان کے چہروں پر بے قراری کی جگہ بھوری چٹانوں کی سختی اور بھڑکتے شعلون کا جوش نظر آرہا تھا۔ اشباح نے تلوار نیام سے برآمد کی اور سپاہیانہ جذبے سے پکار کر کہا۔

"ساتھیو! ہم مقابلہ کریں گے۔ ہماری تلواریں دشمن سے فیصلہ کئے بغیر نیاموں میں واپس نہیں جائیں گی۔"

"بے شک نہیں جائیں گی۔" ایک ساتھ کئی آوازوں نے پکار کر کہا۔

اویس نے پرچم بلند کیا اور نعرہ تکبیر کی صدا لگائی۔ جواب میں اللہ اکبر کی گونج سنائی دی اور غازیانِ اسلام کے سینوں میں شوقِ شہادت بیدار ہونے لگا۔ خدشات کی دھند چھٹنے لگی اور عشق، سرفروشوں کو سودزیاں سے بیگانہ کرنے لگا۔ پلک جھپکتے میں مسلمان گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صف بندی کرنے لگے۔ اس دوران روشنیاں قریب پہنچ چکی تھیں۔ ایک ہزار گھڑ سوار غضب ناک نعرے بلند کرتے ہوئے انھیں تین اطراف سے گھیرنے لگے۔ اس وقت چوتھی طرف سے بھی روشنیاں نمودار ہونے ہوئیں۔ یہ وہ اڑھائی سو سوار تھے جن کا تعاقب کرتے ہوئے اسلامی دستہ یہاں تک پہنچا تھا۔ اپنی حکمت عملی کے مطابق اب وہ بھی پلٹ آئے تھے۔ چاروں طرف سے روشنیوں کا سیلاب اُمڈ رہا تھا اور درمیان میں تین سو مسلمان جانباز اپنے ہتھیار درست کر رہے تھے۔

یہ پورے چاند کی رات تھی۔ صاف نکھرے آسمان پر چاندنی کچھ اور بھی کھل اٹھی تھی۔ قرب وجوار ایک دھیمی دھیمی روشنی میں نہائے ہوئے تھے دور سے نیلگوں نیلے نظر آرہے تھے۔ کہیں کہیں کھجوروں کے جھنڈ۔ افق پر ستاروں اور زمین پر مشعلوں کی قطاریں۔ آخر مدمقابل فوجیں سامنے پہنچ گئیں۔ دشمن کی طرف سے ایک گھڑ سوار مشعل تھامے برامد ہوا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا مسلمانوں کے عین سامنے پہنچ گیا۔ یہ بنی لہبہ کا ایک شخص تھا پکار کر بولا۔ "اے بنو عمار! میں سردار بوہان کی طرف سے تمہیں کہنے آیا ہوں کہ تم چاروں

طرف سے گھر چکے ہو۔ مقابلے پر آؤ گے تو شائد ایک بھی زندہ نہ بچو گے۔ اس مکمل تباہی سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ زہار عرف سنہری شاہین خود کو ہمارے حوالے کر دے۔"

جواب میں اشباح گھوڑا بڑھا کر آگے آیا" سردار بوہان کے بد قسمت قاصد! جا کر بوہان سے کہہ دے کہ سنہری شاہین کی پرواز اس کے خیالوں سے بہت اونچی ہے۔ وہ ساری زندگی بھی خوار ہوتا رہے تو سنہری شاہین تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں جب وہ چاہے گا، خود اس کی شہ رگ پر آ بیٹھے گا۔۔۔۔۔۔ ہاں اگر بوہان میں مردانگی نام کی کوئی چیز ہے اور وہ کھلے میدان میں مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو سنہری شاہین کا ایک ادنی خادم اشباح بن سقیل حاضر ہے اور پورے یقین سے کہتا ہے کہ اگر بوہان مقابلے پر آیا تو اس رات کی صبح نہیں دیکھے گا۔"

قاصد نے ایک بار پھر پکار کر کہا۔ "سردار بوہان کا کہنا ہے کہ اگر سنہری شاہین نہیں ملا تو اس کے شبے میں پورے دستے کی گردنیں ماری جائیں گی۔ لہذا تم لوگوں کی عافیت اسی میں ہے کہ اگر اس پردہ نشین کے بارے میں کچھ جانتے ہو تو ظاہر کرو۔"

اشباح کا ایک ساتھی آگے بڑھا اور غضب ناک ہو کر چلایا" کتے! اپنے سردار سے کہہ دے سنہری شاہین ہمارے دلوں میں ہے۔ ہم میں سے ہر ایک سنہری شاہین ہے۔ اس میں ہمت ہے تو آئے اور ہمیں شکار کرے۔"

قاصد نے گھوڑے کا رخ موڑا اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دشمن کی طرف سے چند آدمی آئے اور انھوں نے ایک کھلی جگہ بہت سی مشعلیں دائرے کی شکل میں گاڑ دیں۔ پھر ایک زرہ بند سوار آیا اور ان مشعلوں کے

درمیان کھڑا ہو کر مبارزت طلب کرنے لگا۔ اشباح نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا اس نے اطاعت سے سر جھکایا اور نہایت جوش سے تلوار بے نیام کر کے مدمقابل کی طرف بڑھا۔ مشعلوں کے دائرے میں تلواریں چمکیں جھنکار ابھری اور موت و حیات دست و گریباں ہو گئیں۔ اس خونی کشمکش کا فیصلہ مسلمان سوار کے حق میں ہوا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ مدمقابل کا کٹا ہوا سر نیزے پر چڑھائے فتح مند واپس آگیا۔ اس کے بعد دو اور مقابلے ہوئے جن میں سے ایک کا فیصلہ دشمن کے حق میں اور دوسرے کا مسلمان کے حق میں ہوا۔ چوتھا شخص جو دشمن کی طرف سے مبارزت طلب کرنے آیا ایک گرانڈیل حبشی تھا۔ ہلابہ کے رضاعی بھائی احمد عباس نے دلیرانہ آگے بڑھ کر اشباح سے اجازت طلب کی۔ معمولی تذبذب کے بعد اشباح نے اجازت دے دی۔ یہ بھی ایک زبردست مقابلہ تھا۔ احمد عباس نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن آخر کار حبشی غالب رہا اور اس نے احمد عباس کو شہید کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ مسلمان سوار گئے اور احمد عباس کا سر بریدہ جسم لے کر واپس آگئے۔ ہلابہ اپنے رضاعی بھائی اور ہمدرد ہمراہی کا جسد خاکی دیکھ کر سسکیاں لینے لگی۔ اتنی دیر میں طاقت اور جسامت کے نشے میں چور بوہان مشعلوں کے دائرے میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے پکار کر سنہری شاہین کو للکارا۔ اشباح کو وقت نہیں ملا کہ وہ لباس بدل کر سنہری شاہین کے روپ میں بوہان کے مقابل پہنچ سکتا۔ لہذا اسے اپنے اصل حلیے میں ہی بوہان کے سامنے جانا تھا۔ اس نے ہتھیار درست کئے۔ آنسو بہاتی ہلابہ پر ایک نگاہ ڈالی چہرے پر چٹان کی سی سختی لئے بوہان کے مقابل پہنچا۔۔۔۔۔۔ لیکن وہ اپنے عقب سے بے خبر تھا۔ اس کے عقب میں دو افراد ایسے تھے جو بوہان تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے ختم کر دینا چاہتے تھے۔۔۔۔۔۔ اور یہ وہ جاسوس بھکاری تھے جن کی غداری کا راز اب کھل چکا تھا اور وہ اسلامی دستے کو چھوڑ کر مخالف صفوں

میں جارہے تھے۔وہ دونوں تیر کی طرح ایک خیمے کی اوٹ سے نکلے اور نیزے تولتے عقب سے اشباح کی طرف بڑھے۔ان کے اور اشباح کے درمیان ہلابہ تھی جو احمد عباس کی ایک خون آلودہ جوتی اٹھانے کے لئے میدان میں ذرا آگے گئی ہوئی تھی۔اس نے نیزہ بردار بھکاریوں کو عقب میں اشباح پر جھپٹتے دیکھا تو یکایک ٹھٹک گئی۔۔۔ایک ساعت کے ہزارویں حصے میں اس نے فیصلہ کیا پیاری جان اپنے محبوب کے قدموں میں نچھاور کرنے کے لئے دیوانہ وار مڑی۔اس کا آنچل اڑا۔لمبے ریشمی بال ہوا میں لہرائے۔جسم نے دلیرانہ جنبش کی۔بازو وا ہوئے اور وہ ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر نیزہ برداروں کے سامنے آگئی۔۔۔۔۔!!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موت بالکل سامنے نظر آرہی تھی۔۔۔۔گھڑ سوار ہلابہ پر جھپٹ رہے تھے اور اس نے نیزوں کا سامنا کرنے کے لئے آنکھیں بند کرلیں تھیں۔۔۔لیکن اگر وہ سمجھتی کہ اشباح بے خبر ہے تو وہ غلطی پر تھی۔وہ اپنے پیچھے سرپٹ گھوڑوں کی آوازیں سن چکا تھا۔پلک جھپکتے میں وہ مڑا۔بلا کی پھرتی سے اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور سنسناتا ہوا نیزہ گھڑ سوار کے حلق سے پار ہو گیا۔دوسرے گھڑ سوار بھکاری نے اشباح کو نشانہ بنانا چاہا مگر ہلابہ کے سامنے آجانے سے اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ چلاتا ہوا اوندھے منہ ریت پر جا گرا۔گھوڑے کی ٹانگ لگنے سے ہلابہ بھی دور جا گری تھی۔اشباح نے بھکاری پر تلوار کا وار کیا۔وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پھر زمین پر گرا اور خاک و خون میں تڑپنے لگا۔۔۔۔یہ سب کچھ چند ساعتوں کے اندر وقوع پذیر ہو گیا۔اشباح نے گھوم کر ہلابہ کو دیکھا۔اس نے ایک ہاتھ سے اپنا کندھا تھام رکھا تھا اور اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔اشباح گھوڑے سے اترا اور جلدی سے ہلابہ کو تھاما۔اس کے کندھے سے گھوڑے کی آہنی رکاب ٹکرائی تھی

اور گردن کے قریب گہرے نیل سے خون رس رہا تھا تاہم اس کے چہرے پر تکلیف کا شائبہ تک نہ تھا۔یوں لگتا تھا اشباح کے لئے زخم اٹھا کر اسے راحت محسوس ہو رہی ہے۔اس لمحے اشباح کو اس پر اور خود پر بے پناہ ترس آیا۔وقت نے ان کے ساتھ کیا مذاق کیا تھا۔۔۔۔کاش اشباح سے اس کی ملاقات چند روز پہلے ہو جاتی۔کاش یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا جو ہو چکا تھا۔"

بوہان رومی کے للکارے دور سے اشباح کے کانوں تک پہنچ رہے تھے۔یہ للکارے آتشیں شراروں کی طرح اس کے تن بدن میں آگ لگا رہے تھے۔وہ زیادہ دیر ہلابہ کی مزاج پرسی نہیں کر سکتا تھا۔جبڑے بھینچ کر وہ اٹھا جست کر کے گھوڑے پر سوار ہوا آندھی کی طرح بوہان کی طرف بڑھا۔بھڑکتی ہوئی بڑی بڑی مشعلوں کے دائرے میں بوہان سرتاپا آہن میں غرق چمک رہا تھا۔اشباح کے جسم پر ایک جوشن اور خود کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اشباح کو دیکھ کر بوہان رومی نے زمین پر تھوکا اور نفرت سے بولا۔"وہ زہار کا بچہ تم لوگوں کو ذلیل موت مرنے کے لئے میرے سامنے کیوں بھیج رہا ہے۔خود اپنا حساب کیوں نہیں چکاتا۔"

اشباح نے غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا۔اس گھڑی اشباح بالکل ایک بدلا ہوا انسان نظر آرہا تھا۔یوں لگتا تھا کہ یہ اشباح نہیں کوئی اور ہے۔اس کے حلق سے غراہٹ آمیز آواز نکلی۔وہ سرگوشی میں بولا۔"تم سنہری شاہین سے ملنے کے لئے بے تاب ہو رہے ہو نا۔۔۔۔۔سنہری شاہین تمہارے سامنے کھڑا ہے۔"

بوہان نے چونک کر اسے دیکھا۔"تم۔۔۔تم سنہری شاہین ہو؟"

جواب میں اشباح نے اپنا لبادہ گھٹنے پر سے چاک کر دیا۔ یہاں چند روز پرانا نیزے کا زخم موجود تھا۔ بوہان آنکھیں پھاڑے دیکھتا جا رہا تھا۔ اشباح نے بدستور سرگوشی کے لہجے میں کہا۔۔۔۔۔ "اور جانتے ہو میں یہ بات تمہیں کیوں بتا رہا ہوں؟"

"کیوں؟" بوہان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اشباح نے دائیں بائیں دیکھا۔ دونوں اطراف مشعل بردار گھڑ سوار صفیں باندھے کھڑے تھے۔ وہ کافی فاصلے پر تھے اور ان کے درمیان اس وسیع و عریض میدان میں یہ گفتگو سننے والا کوئی نہ تھا۔ اشباح نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "میں یہ بات تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ اب مجھے راز فاش ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ راز تو اس وقت فاش ہو گا جب تم یہاں سے زندہ جاؤ گے اور اللہ نے چاہا تو آج ایسا نہیں ہو گا۔"

بوہان کی آنکھوں میں خوفناک چمک لہرائی۔ وہ سانپ کی طرح پھنکار کر بولا "اے بدبخت ہندوستانی! مجھے پہلے ہی شک تھا۔۔۔۔ آج اس میدان سے تیرے جسم کے خون آلودہ ٹکڑے جائیں گے۔"

اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیر کی طرح اشباح پر آیا۔ اشباح پہلے سے تیار تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایک طرف ہٹایا اور تلوار کا طوفانی وار بوہان پر کیا۔ یہ وار بوہان نے ڈھال پر روک تو لیا مگر خود گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ اشباح بھی جست کر کے نیچے آیا۔ دونوں لپک کر روبرو پہنچے اور مشعلوں کے درمیان ایک خوفناک لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ روم کا نامور اور ناقابل شکست پہلوان، حضر موت کے سنہری شاہین سے پنجہ آزما تھا۔ چشم فلک حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ تلواروں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں

اور آنکھیں شعلہ نشاں تھیں۔ دونوں طرف کے لشکر پرجوش نعرے بلند کر رہے تھے۔ ان نعروں کی دور افتادہ آوازیں دونوں حریفوں تک پہنچ رہی تھیں۔ مگر وہ اپنے گردوپیش سے یکسر بے خبر ہو چکے تھے۔ وہ جدوجہد کی اس منزل پر تھے جہاں صرف ہتھیاروں کی جھنکار ہی کانوں تک پہنچ سکتی ہے۔ اشباح کے تابڑ توڑ حملوں نے اشباح کو کئی جگہوں سے گھائل کر دیا تھا۔ خود اس کا اپنا لباس بھی خون سے تر ہو رہا تھا۔۔۔۔ آخر ایک زوردار نعرے کے ساتھ اشباح نے بھرپور حملہ جو کیا تو بوہان مشعلوں کا دائرہ توڑ کر ایک برتن کے اوپر جا گرا۔ پختہ مٹی کے اس مٹکے نما برتن میں مشعلوں کا روغن تھا جو دائروں کی مشعلوں کو روشن کرنے کے لئے لایا گیا تھا۔ بوہان پشت کے بل برتن پر گرا اور اسے توڑتا اور الٹتا ہوا زمین پر آیا۔ اس کا آہنی خود اتر کر دور جا گرا اور سارا جسم گاڑھے سیاہ روغن میں لتھڑ گیا۔ تاہم وہ پھرتی سے اٹھا اور آنکھوں سے روغن پونچھ کر اشباح کو دیکھنے لگا۔ اشباح اس وقت تلوار پھینک کر ایک مشعل اکھاڑ چکا تھا۔ بوہان نے اشباح کے ہاتھ میں تلوار کی جگہ مشعل دیکھی تو یکلخت ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف نظر آیا۔ اس نے ہاتھ کی تلوار خنجر کی طرح اشباح پر کھینچ ماری اور بھاگ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اشباح نے بھی چھلانگ لگا کر اپنا گھوڑا سنبھالا اور تیر کی طرح بوہان کے پیچھے گیا۔

دونوں گھوڑے کوئی سو قدم تک سرپٹ دوڑتے رہے۔ بوہان اب اپنی فوج کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ اشباح کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ بوہان تک پہنچ سکے۔۔۔۔ یہ فیصلہ کن لمحہ تھا۔ اس نے بھاگتے بھاگتے پوری قوت سے مشعل پھینکی جو بوہان کی پشت پر لگی۔ دفعتاً بوہان کے حلق سے خوفناک چنگھاڑ نکلی اور اس کا سارا جسم شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ پھڑک کر اچھلا اور قلابازی کھا کر گھوڑے سے نیچے آیا۔ پھر دور تک

آتشی گھوڑے کی طرح لڑھکتا چلا گیا۔۔۔۔یہ ایک پر ہول منظر تھا۔ وہ کسی بدروح کی طرح چلاتا ہوا اپنے ساتھیوں کی طرف بھاگا۔ کوئی اس کے قریب نہیں آیا۔ مہلک آگ سے بچنے کے لئے سب دائیں بائیں سمٹ گئے۔ تب بوہان لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور سوکھی لکڑی کی طرح جلنے لگا۔ وہ اب بھی حرکت کرنا چاہتا تھا لیکن ہاتھ اٹھانے سے قاصر تھا۔ اس منافق نے ایک دفعہ خود کو جھوٹ موٹ سکتے کا مریض بنایا تھا آج وہ حقیقتاً سکتے میں تھا اور زندہ جل رہا تھا۔

ہندوستانی فوج کی کمزوری یہ تھی کہ سیناپتی یا راجہ کے ہلاک ہوتے ہی لشکری ہمت ہار دیتے ہیں۔ بعض اوقات اس صورت حال میں بڑی طاقت ور اور منظّم فوج بھی بھاگ اٹھتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد کئی گنا تھی۔ تاہم جونہی انھوں نے سردار بوہان کو عبرت ناک موت مرتے دیکھا وہ حواس باختہ ہو گئے۔ اس دوران اسلامی دستے نے فلک شگاف نعرے لگائے اور مشعل بردار گھڑسوار یلغار کرتے ہوئے ان کی طرف بڑھے اور چند لمحوں میں بوہان کی فوج کو آلیا۔ یہ ایک پست ہمت فوج پر دلیرانہ دھاوا تھا۔ نعروں کی گونج اور تلواروں کی کاٹ نے دشمنوں کے سینے شق کر دئے۔ دشمن کے چالیس، پچاس بہادر خاک و خون میں لوٹے تو اچانک ہراول دستہ بھاگ کھڑا ہوا اور ایک بار قدم اکھڑے تو اکھڑتے چلے گئے۔ ذرا سی دیر میں پوری فوج بھاگ نکلی۔ اشباح نے فتح کا نعرہ بلند کیا اور ساتھیوں کو تعاقب کا حکم دیا۔ مسلمان شہسوار بھگوڑی فوج کے پیچھے لپکے اور چن چن کر قتل کرنے لگے۔

یہ ایک طویل تعاقب تھا۔ مدھم چاندنی میں، اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان، درختوں میں اور چٹیل صحرا میں مسلمان گھڑسوار دشمن کے تعاقب میں تھے ان کی تلواریں قدم قدم پر ہندوؤں اور رومیوں کی لاشیں بچھا

رہی تھیں۔ کبھی کوئی چھوٹی موٹی ٹولی مزاحمت کی کوشش کرتی لیکن مسلمان سوار اسے روندتے ہوئے گزر جاتے۔ بنی سفال کے غداروں اور بوہان رومی کے چیلوں کے لئے آج کہیں امان نہیں تھی۔ بیس میل کے تعاقب میں مسلمانوں نے قریباً ان کا صفایا کر ڈالا چند ہی افراد ہوں گے جو اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو گئے۔۔۔ایک عیار شخص کی قیادت میں یہ لوگ ایک یادگار شکار کھیلنے آئے تھے اور خود جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ صحرا میں کوسوں تک ان کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔

آخر ایک جگہ مسلماں کے گھوڑے ہانپ گئے اور انھوں نے رکنے کا فیصلہ کیا۔ ستاروں کے رخ سے اندازہ لگایا گیا کہ وہ جنگ کے مقام سے کوئی بیس میل مشرق کی طرف آچکے ہیں۔ یہ ایک ویران صحرا تھا۔ دور تک ریتلے ٹیلوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ چاند اب دور مغرب میں ڈوب رہا تھا۔ کسی بھی لمحے صبح صادق نمودار ہونے والی تھی۔ اشباح نے اپنے دستے کو ایک جگہ جمع کیا۔ شہیدوں اور زخمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔۔۔پھر اس عظیم کامیابی پر خدا کے حضور سجدہ شکر بجالانے کے لئے، سب نماز کی تیاری کرنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسلمان سپاہی فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو نیا دن اپنے اجلے ہونٹوں سے صحرا کے نشیب و فراز کو چوم رہا تھا۔ ریت کی تہیں ہموار اور ان چھوئی تھیں، صرف عقب میں اسلامی فوج کے گھوڑوں کے چھوڑے ہوئے نشان تھے۔ یکایک اشباح ٹھٹک گیا۔ اس کی نگاہ کچھ دور ایک ویران کھنڈر پر پڑی۔ یہ کھنڈر صبح کے دھندلکے میں

کسی پر اسرار ادھوری کہانی کی طرح خاموش کھڑا تھا۔ لگتا تھا مدتوں اس جگہ سے کسی آدمی کا گزر نہیں ہوا۔ جس چیز نے اشباح کو چونکایا وہ کھنڈر کی ساخت تھی۔ اس ساخت کی شبیہہ اس نے کہیں دیکھی تھی۔ یکا یک اس کے چہرے پر بے پناہ تحیر نظر آنے لگا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور بھاگتا ہوا اپنے گھوڑے کی طرف گیا۔ گھوڑے کی خرجینوں میں اس کا سامان موجود تھا۔ اس سامان میں وہ چند چیزیں بھی موجود تھیں جو اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے قدیم صندوق سے نکلیں تھیں۔ ان اشیاء کو وہ ہر وقت اپنی جان کے ساتھ لگائے رکھتا تھا۔ اس نے جلدی سے ایک خرجین اتاری۔ اس کے اوپر سے کچھ غیر ضروری چیزیں ہٹائیں۔ اندر سے ایک چرمی تھیلا نکالا۔ اس نے تھیلے کی ڈوریاں کھولیں۔ اس تھیلے میں ایک کتاب اور ایک چھوٹی ڈبی کے علاوہ چمڑے کا ایک ٹکڑا بھی تھا۔ چمڑے کو گول لپیٹنے کے بعد اس پر موٹا دھاگہ باندھ دیا گیا تھا۔ اشباح نے بے قرار ہاتھوں سے چمڑا کھولا اور اسے سامنے پھیلا کر بغور دیکھنے لگا۔ کالی روشنائی سے اس پر کئی آڑی ترچھی لکیریں اور شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ چمڑے کو دیکنے کے بعد اشباح نے غور سے کھنڈر کو دیکھا، پھر چمڑے کو دیکھا۔۔۔۔ پھر کھنڈر پر نظر ڈالی اور تب اس کے چہرے پر بے پناہ جوش نظر آنے لگا۔ اس نے سب چیزوں کو واپس تھیلے میں ڈال کر خرجین میں رکھا اور گھوڑے پر بیٹھ کر کھندر کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی اس کے پیچھے چل دئے ان میں ہلابہ بھی تھی۔ وہ حیرت سے اشباح کی حرکات سکنات دیکھ رہی تھی۔ دوسروں کی طرح اسے بھی کچھ سمجھ نہیں آئی۔ گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہ سب کھنڈر میں پہنچے۔ سب سے پہلے اشباح اندر داخل ہوا۔ کھندر بالکل سنسان تھا۔ کہیں کہیں صحرائی پودے اگے ہوئے تھے۔ کئی دیواریں مسمار ہو چکی تھیں۔ ایک جگہ ادھ جلی لکڑی کے ٹکڑے اور ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ شائد چند ماہ پہلے کوئی بھٹکا ہوا قافلہ

ادھر آ نکلا تھا اور شب بسری کی تھی۔ آثار سے لگتا تھا جیسے انسانی قدم بہت کم اس کھنڈر میں پڑے تھے۔ اشباح کے ذہن میں جیسے کچھ دھندلے دھندلے مناظر گھوم رہے تھے۔ اس کے دل کی عجیب حالت تھی اسے یقین ہو چکا تھا کہ یہی وہ کھنڈر ہے جس کا ذکر اس کے والد نے اپنی قدیم وصیت میں کیا تھا۔۔۔۔ جہاں آج سے قریباً بیس برس پہلے وہ اپنے والدین اور اپنی ننھی بہن کے ساتھ پیاس سے نڈھال پہنچا تھا جہاں بیٹھ کر اس نے ڈوبتی نگاہوں سے چچا امر ناتھ کی واپسی کا انتظار کیا تھا اور جہاں وہ خونریز جھڑپ ہوئی تھی۔ جس میں اس کی بہن اپنی ننھی جان سے گزری اور اس کے والدین جان لیوا طور پر زخمی ہوئے۔ وہ نہایت جذباتی انداز میں کھنڈر کے اندر گھومنے لگا۔ اسے ان در و دیوار سے اپنے مرحوم باپ کی خوشبو آ رہی تھی۔ اپنی ننھی بہن کی مہک آ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا اس جگہ وہ اپنے والد کے ساتھ بیٹھا ہو گا۔ یہاں سے چچا امر ناتھ آیا ہو گا۔ یہاں اس کی بہن زخمی ہو کر ماں کے ہاتھ سے گری ہو گی۔ پھر اسے صحن کے پاس ایک مسمار دیوار نظر آئی۔ شائد یہی وہ دیوار تھی جو اس کے نانا نے حملہ آوروں پر گرائی تھی۔

ہلابہ جواب تک حیرت سے اشباح کو دیکھ رہی تھی خاموش نہ رہ سکی۔ آگے بڑھ کر اس کے پاس پہنچی اور نقاب کی اوٹ سے بولی۔

"کیا بات ہے آپ اس کھنڈر کو دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئے ہیں۔"

اشباح جیسے چونک کر حقیقت کی دنیا میں آ گیا۔ "کچھ نہیں ہلابہ۔۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔۔۔ میں پھر تمہیں بتاؤں گا۔ اس وقت ہمیں آگے سفر کرنا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ساتھیوں کو پکار کر بولا۔

"دوستو! مجھے معلوم ہے آپ لوگ بہت تھکے ہوئے ہیں، لیکن میں اپنے کچھ شبہات کی تصدیق کے لئے آگے جانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ ساتھ دیں گے ؟"

سب نے "ہاں" میں جواب دیا۔

اشباح نے انھیں سفر کی تیاری کا حکم دیا۔ تب اس کی نگاہ ہلابہ پر پڑی اور وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ ہلابہ خاموش کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس خاموشی میں ایک سوال تھا۔ ایک نہایت اہم اور سنجیدہ سوال، اشباح جانتا تھا وہ بہت مایوس اور دل گرفتہ ہے۔ رات احمد عباس کی شہادت نے اسے اور بھی غمزدہ کر دیا تھا۔ وہ احمد عباس کے ساتھ واپس جا رہی تھی مگر اشباح اور اس کے ساتھیوں کی خاطر وہ دونوں اپنا راستہ چھوڑ کر ان کے پیچھے چلے آئے تاکہ انھیں بوہان کی چال سے آگاہ کر سکیں۔۔۔۔۔ اور اب احمد عباس بھی چلا گیا۔ ہلابہ بالکل تنہا رہ گئی۔

اشباح نے نرمی سے کہا۔ "ہلابہ میں اور میرے تمام ساتھی تمہارے شکر گزار ہیں۔ تم نے ہمیں مشکل سے بچانے کے لئے بہت تکلیف اٹھائی ہے۔"

ہلابہ خاموش رہی۔ کچھ دیر توقف کے بعد اشباح نے پوچھا۔ "اب تمہارا کیا ارادہ ہے ؟"

ہلابہ نے نقاب کی اوٹ سے کہا۔ "میں آپ کو اپنا ارادہ سیستان میں بتا چکی ہوں۔"

اشباح کی کشادہ پیشانی پر سوچ کی لکیریں پھیل گئیں۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

"ہلابہ۔ "حالات انسان کو نامعلوم منزل کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں۔۔۔۔ تمہارا ارادہ وطن واپس لوٹنے کا تھا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ تم اس وقت اس بے آب و گیاہ صحرا میں ہمارے ساتھ موجود ہو۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہی دانشمندی ہے۔ اگر احمد عباس زندہ ہوتا تو بھی میں تمہیں اس انجان علاقے میں تنہا سفر نہ کرنے دیتا۔ اب تو وہ بھی زندہ نہیں ہے۔ کیا اس صورت میں یہ بہتر نہیں کہ تم ہمارے ساتھ ہی رہو۔۔۔۔ کچھ روز تک ہم سیستان واپس لوٹ جائیں گے۔۔۔۔ پھر تم آئندہ کی منصوبہ بندی کر لینا۔"

نقاب کے اوپر ہلابہ کی آنکھیں گہری سوچ میں غلطاں تھیں۔ وہ اپنی مجبوری سمجھ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا وطن واپسی کا سفر اتنا آسان نہیں جتنا وہ خیال کر رہی ہے۔۔۔۔ تو پھر۔۔۔۔۔ آگے بڑھتے رہنا ہی بہتر ہے۔ پیچھے بھی کیا رکھا تھا جو وہ واپس جاتی۔ ایک دادا ہی ادا تھے وہ بھی اسے چھوڑ گئے تھے۔ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے اشباح! میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔ لیکن میری ایک بات آپ کو بھی ماننا ہو گی۔۔۔۔ جہاں کہیں لڑائی کا موقع آیا آپ مجھے لڑنے کی اجازت دیں گے اور عورت سمجھ کر مجھے الگ تھلگ نہیں کریں گے۔"

اشباح نے کہا۔ "مستقبل قریب میں تو ایسی صورت حال کا کوئی امکان نہیں، بہر حال میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری اس خواہش کو رد نہیں کروں گا۔"

تھوڑی ہی دیر بعد اسلامی دستہ اشباح کی رہنمائی میں جنوب مشرق کی طرف محو سفر تھا۔ روانگی سے پہلے اشباح نے چند زخمیوں کو ایک دستے کے ساتھ واپس بھیج دیا تھا اور ان لوگوں کو ہدایت کی تھی کہ مسلمان شہیدوں کی لاشوں کو اکھٹا کر کے احترام سے دفن کر دیا جائے۔۔۔اب آگے بڑھنے والا ہر قدم اشباح کے تجسس میں اضافہ کر رہا تھا۔ وہ اس بات کا یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہی وہ علاقہ ہے جس کا ذکر اس کے شہید والد کی وصیت میں ملتا ہے۔۔۔اپنے سفر کے دوسرے روز وہ ایک ریتلے ٹیلے کے دامن میں پہنچے۔ ٹیلہ محرابی شکل میں تھا اور اس کے دامن میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین کنوئیں تھے۔ اس ٹیلے کو دیکھنے کے بعد اشباح کو یہ یقین ہو گیا کہ یہی وہ علاقہ ہے جس کے کسی حصے میں ایک پراسرار ریاست قائم ہے اور پر ماتما حکومت کرتا ہے۔ اس کے شوق اور تجسس میں مزید اضافہ ہوا۔ ویران کنوؤں والے ٹیلے سے کچھ آگے ایک بہت بڑا بھدا سا بت تھا جو ریت میں دبا ہوا تھا۔

اشباح کے والد نے لکھا تھا کہ ریت میں سے اس بت کا صرف ایک پہلو نظر آرہا ہے۔ ٹیلے سے اس بت کا فاصلہ سات آٹھ کوس بتایا گیا تھا۔ اشباح نے چاہا کہ اب وہ اس بت کو دیکھے تاکہ شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس نے ساتھیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔۔۔۔لق دق صحرا میں سفر کرتے وہ شام کے وقت اس مقام تک پہنچ سکے۔۔۔۔بت اب ریت میں مکمل طور پر دفن ہو چکا تھا صرف اس کا ایک پاؤں باہر تھا۔ یہ بے ڈھنگا سا پاؤں کئی گز لمبا اور چوڑا سا تھا۔ غالباً کسی زمانے میں یہاں کوئی مندر وغیرہ تھا جو اب مسمار ہو کر

ریت برد ہو چکا تھا۔ اشباح نے چرمی نقشہ کھول کر دیکھا۔ اس مقام سے اس پراسرار ریاست کی سرحد قریباً تین روز کی مسافت پر تھی۔۔۔۔اس رات انھوں نے اس بت کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ خیمے کھڑے کر دئے اور سپاہی مغرب کی نماز کے بعد کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس وافر خوراک اور پانی بھی نہیں تھا۔ اگر وہ صحرا میں راستہ بھٹک جاتے تو زندہ بچنا محال تھا۔ اشباح نے فیصلہ کیا کہ واپسی کا سفر اختیار کرے۔ اس صحرا سے نکل کر کسی مناسب جگہ پڑاؤ ڈالے۔ ایک قاصد محمد بن قاسم کی طرف بھیجے اور اسے تمام حالات سے آگاہ کر کے اجازت طلب کرے۔ ہم پوری تیاری کے ساتھ دوبارہ اس علاقے میں داخل ہو جائیں۔۔۔یہ سب کچھ سوچ کر اشباح سونے کے لئے لیٹ گیا۔

ابھی اس نے بمشکل کمر ہی سیدھی کی تھی کہ دروازے پر اویس کی آواز سنائی دی۔ اشباح نے اٹھ کر پردہ کھینچا۔ اویس کچھ پریشان سا تھا۔ اس کے ہمیشہ مسکراتے چہرے پر تشویش کے سائے تھے۔ دونوں مشعلوں کی روشنی میں بیٹھ گئے۔ اویس نے کہا۔

"اشباح! میں ایک بری خبر لایا ہوں۔۔۔۔۔قبیلے والے تمہیں مزید سردار ماننے کے لئے تیار نہیں وہ چاہتے ہیں کہ سنہری شاہین کو اپنی رائے سے آگاہ کریں اور ان سے کہیں کہ ان پر کوئی عربی سردار مقرر کیا جائے۔"

اویس کی باتیں سن کر اشباح کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔ اسے معلوم تھا کہ اندر ہی اندر کافی روز سے کھچڑی پک رہی ہے۔ دراصل اس کے ساتھیوں نے پہلے دن سے اس کی قیادت قبول نہیں کی تھی اور وجہ وہی تھی۔۔۔۔۔یعنی وہ عربی نہیں تھا۔۔۔حالانکہ صرف چند روز پہلے وہ اپنے ساتھیوں کو اپنی

اہلیت کا انمٹ ثبوت فراہم کر چکا تھا۔ بوہان رومی جیسے جنگجو کو میدان میں پچھاڑنا اور ہلاک کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا، لیکن اس کے ساتھی بوہان رومی کی موت اور اس کے لشکر کی عبرتناک تباہی کو بھول گئے تھے۔ انھیں صرف اپنے تیس، چالیس ساتھیوں کی شہادت یاد رہ گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اشباح نے سیتان سے روانہ ہو کر ایک غلط فیصلہ کیا تھا۔ اس فیصلے کے سبب وہ دشمن کی چال میں آ گئے اور جانی و مالی نقصان ہوا۔ اشباح جانتا تھا یہ تو عذر ہیں ورنہ حقیقتاً انھیں صرف اشباح کی سرداری پر اعتراض تھا۔ اشباح کا ہمزاد و ہمراز یاسر بھی اس دستے میں موجود تھا اور وہ اسے ساتھیوں کے خیالات سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔

اس رات اشباح دیر تک سوچتا رہا۔۔۔۔۔ آخر ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

علی الصبح اس نے اپنا سنہری لباس زیب تن کیا اور یاسر کے سفید گھوڑے پر سوار ہو کر ساتھیوں کے روبرو پہنچ گیا۔ اسے دیکھتے ہی تمام سپاہیوں کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے۔ احترام اور عقیدت کے سبب وہ کھڑے ہو گئے اور نظریں جھکا لیں۔ اس دور افتادہ علاقے میں اپنے سالار کی موجودگی نے انھیں ہمیشہ کی طرح حیران کر دیا۔ اشباح نے اپنی مخصوص بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

"ساتھیو! جو فیصلہ آپ لوگوں نے کیا ہے میں اس کے متعلق جان چکا ہوں۔ اشباح نے اب تک جو اقدام کئے ہیں ان میں میری منشاء شامل تھی۔ تاہم میں سمجھ چکا ہوں کہ آپ اس کی قیادت سے مطمئن نہیں۔ اپنے ساتھیوں کی رائے کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔۔۔۔ اسے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ آپ دوسرا سردار

چن لیں۔ اب آپ اس معاملے میں آزاد ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اتفاق رائے سے کسی ساتھی کو بطور سردار منتخب کر لیں۔"

مختصر تقریر کے بعد سنہری شاہین نے ساتھیوں کو خدا حافظ کہا اور اس بات کا یقین دلا کر کہ وہ ہر لمحہ ان کے ساتھ ہے اور ان کے خیالات سے آگاہ ہے۔۔۔۔۔ نیم تیرگی میں روپوش ہو گیا۔

اسی روز سب نے مل جل کر یحیٰی بن سفیان نامی ایک عرب جنگجو کو سردار چن لیا۔ یحیٰی بن سفیان اپنے متعدد ساتھیوں کے ساتھ اشباح کے خیمے میں آیا۔ اشباح نے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس کے چہرے سے محسوس ہوتا تھا کہ اس نے ساتھیوں کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کیا ہے۔ رسمی گفتگو کے بعد یحیٰی نے اشباح سے کہا۔

"محترم زہار کا کہنا ہے کہ ہمیں پہلے کی طرح اپنے فیصلے خود کرنا ہوں گے۔ وہ صرف نہایت اہم موقعوں پر ہی مداخلت کیا کریں گے۔۔۔۔۔ اب آپ بتائیں کہ آپ کا کیا ارادہ تھا۔ آپ اس سفر میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

اشباح نے کہا۔ "میرا ارادہ یہاں سے واپسی کا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس صحرا سے نکل کر کسی مناسب جگہ پڑاؤ ڈالا جائے۔ پھر محترم زہار اور سپہ سالار محمد بن قاسم کی طرف قاصد بھیجے جائیں اور ان سے اجازت طلب کی جائے۔"

یحییٰ نے اشباح سے اس سفر کے اغراض و مقاصد پوچھے۔اشباح نے مختصراً بتایا کہ اس کی معلومات کے مطابق اس علاقے میں کچھ فاصلے پر ایک جابر راجہ کی حکومت ہے اور وہ ماضی میں اپنی ریاست کے نو مسلموں پر بہت ظلم ڈھا رہا ہے۔

اشباح سے تفصیلی بات چیت کے بعد نئے امیر یحییٰ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ سامان سفر درست کیا گیا۔ خیمے اکھاڑے گئے اور سواریوں کو ہنکا لیا گیا۔۔۔ مگر ابھی واپسی کے سفر کا آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ ناگاہ اسلامی دستے کو ٹھٹک جانا پڑا۔ جنوب مشرق کی طرف سے گرد کے بادل دکھائی دیے یوں لگا کہ بیسیوں سواریاں سرپٹ بھاگی چلی آ رہی ہیں۔ کچھ ہی دیر بعد ریتلے ٹیلوں کے عقب سے اونٹوں اور خچروں کا ایک قافلہ نمودار ہوا۔ کوئی دو سو مرد و زن تھے۔ لباس پھٹے پرانے اور سواریاں خستہ حال تھیں۔ گھر کا مال اسباب بھی سواریوں پر بار تھا۔ اندازہ ہوتا تھا کہ گھر بار چھوڑ کر بھاگے ہیں۔ ان کے چہرے دہشت زدہ تھے۔ مرد بار بار مڑ کر دیکھتے تھے۔ جلد ہی ان کے عقب میں گرد کے بادل دکھائی دیے۔ آناً فاناً تعاقب کرنے والے ٹیلوں سے نمودار ہو گئے۔ وہ سب کے سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ یہ سرخ پوش تھے اور پوری طرح مسلح۔ ان کے لباس دیکھتے ہی اشباح کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ اس کے تصور میں اپنے والد کا وصیت نامہ آیا جس میں انھوں نے سرخ لباس والوں کی شناخت بتائی تھی۔

"تو کیا یہ پرماتما کی فوج ہے؟" اس نے سوچا۔

یہ سوال جتنا سنسنی خیز تھا اتنا ہی پر خطر بھی۔ لٹے پٹے لوگ اب اسلامی دستے اور سرخ پوشوں کے درمیان کھڑے تھے۔ اسلامی دستے کا نیا سردار یحییٰ بن سفیان گھوڑا ہنکا کر آگے بڑھا۔ بدحال لوگوں میں سے ایک فرد آگے آیا اور اس نے بگڑی تگڑی سندھی زبان میں کچھ کہا۔ یحییٰ کے کچھ پلے نہیں پڑا۔ اس نے اشباح کو اشارہ کیا۔ اشباح نے آگے بڑھ کر اس شخص کی بات سنی۔ اس نے فریاد کن لہجے میں کہا کہ ان کی مدد کی جائے۔ یہ لوگ جوان کے پیچھے آ رہے ہیں انھیں جان سے مار دیں گے۔

اشباح نے سرخ پوشوں کی تعداد کا اندازہ لگایا۔ وہ ڈھائی تین سو سے زائد نہیں تھے۔ اسلامی دستہ بخوبی ان کا مقابلہ کر سکتا تھا لیکن کیا ان سے جنگ مناسب تھی؟

اشباح نے یحییٰ بن سفیان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ یحییٰ ساتھیوں سے صلاح مشورہ کرنے لگا۔ اس دوران سرخ پوشوں کی چند چھوٹی چھوٹی ٹولیاں مزید پہنچ گئیں۔ اب ان کی تعداد پانچ سو کے قریب پہنچ ہو چکی تھی۔ زخمیوں اور شہیدوں کو نکال کر اسلامی دستے کی تعداد صرف دو سو کے قریب تھی۔ دشمن ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ مسلح اور تازہ دم تھا۔ اس دوران شمال کے جانب سے بھی گرد و غبار کے بادل اٹھے اور ایک بہت بڑا دستہ آتا دکھائی دیا۔ گرد و غبار کے سبب ان کی تعداد کا اندازہ لگانا دشوار تھا تاہم آثار بتاتے تھے کہ وہ ڈیڑھ ہزار کے قریب سوار ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سرخ پوشوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سورج کی روشنی میں ان کے ہتھیار چمک رہے تھے اور چہرے تمتما رہے تھے۔ دم بدم وہ اپنا گھیرا تنگ کرتے جا رہے تھے۔۔۔۔ سب سے پہلے انھوں نے شتر سوار قافلے کے لوگوں کو گرفتار کیا۔ وہ انھیں کھینچ کھینچ کر اونٹوں سے اتارتے اور مارتے پیٹتے ایک جگہ لے جا کر کھڑا کر دیتے۔ عورتیں چیخ رہی تھیں، بچے فریاد کناں تھے، مرد

گڑگڑا رہے تھے مگر انھیں رحم نہیں آتا تھا۔انھوں نے تمام قیدیوں کی مشکیں کس کر گرم ریت پر لٹادیا۔پھر وہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کون ہو تم لوگ اور کہاں سے آئے ہو؟"آہنی خود اور زرہ والے ایک سرخ پوش نے یحییٰ کے پاس آکر پوچھا۔وہ ان کا سردار لگتا تھا۔

اشباح نے یحییٰ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا"ہم یہاں اجنبی ہیں۔تاہم آپ ہمیں اپنا دوست سمجھ سکتے ہیں۔"

سرخ پوش نے کہا۔"اور میرا خیال ہے کہ تمہارا تعلق دشمنوں سے ہے۔عرب سے جو فوج حملہ آور ہوئی ہے،تم اس میں سے ہو۔"

سرخ پوش کی معلومات پر اشباح حیران رہ گیا۔اس دور دراز علاقے میں ان لوگوں کی باخبری توقع سے زیادہ تھی۔تاہم اس نے فوراً پریشانی پر قابو پایا اور بولا۔

"محترم سردار!آپ درست کہتے ہیں۔ہمارا تعلق محمد بن قاسم کی فوج سے ہی ہے۔۔۔۔لیکن ہم اس کے معتوب ہیں۔اسلامی فوج سے چھپتے چھپاتے یہاں پہنچے ہیں۔"

سرک پوش کچھ دیر تولنے والی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔چند مزید سوالات کرنے کے بعد بولا۔"کچھ بھی ہے اب تم لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔جو شخص بھی یہاں پہنچ جاتا ہے اسے پرماتما کے حضور پیش ہونا پڑتا ہے۔"

"پرماتما کون ہے؟"اشباح نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

سرخ پوش بولا۔"پرماتما وہ قوت ہے جو اس صحرا کے ہر ذرے اور اس ہوا کہ ہر جھونکے میں موجود ہے۔وہ اس سرزمین کا لازوال تاجدار ہے اس کے سامنے صفائی بیان کرنی ہوگی۔"

یحییٰ بن سفیان نے پس وپیش سے کام لیا مگر اشباح سمجھ چکا تھا کہ اب اس صورت حال سے فرار ممکن نہیں۔انھیں وہی کرنا ہوگا جو یہ لوگ کہہ چکے ہیں۔اس کا اندازہ درست تھا۔تھوڑی ہی دیر بعد وہ سرخ پوشوں کے ساتھ سفر کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ان کی حیثیت قیدیوں کی سی نہیں تھی مگر وہ آزاد بھی نہیں تھے۔ان کے چاروں طرف سرخ پوش تھے اور ان سے ہتھیار لے لئے گئے تھے۔۔۔۔روانگی سے پہلے اسلامی دستے نے ایک نہایت لرزہ خیز منظر دیکھا۔سرخ پوشوں نے سفاکی کا یادگار مظاہرہ کیا۔گرم ریت پر لیٹے مفلوک الحال لوگوں کو بے دردی سے نیزے چبھو کر ہلاک کردیا۔معصوم بچوں تک کو معاف نہیں کیا گیا۔پیاسی ریت ان کے لہو سے سیراب ہوگئی۔صرف چھ سات سرغنہ افراد کو پرماتما کے حضور پیش کرنے کے لئے زندہ رکھا گیا۔ان کی مشکیں کس کے اور چہرے کالے کرکے اونٹوں پر الٹا بٹھادیا گیا۔بعدازاں ان کے تمام سامان کو آگ لگائی گئی اور سواریاں ہنکالی گئیں۔۔۔۔یحییٰ کے پوچھنے پر انھیں بتایا گیا کہ یہ لوگ پرماتما کے مجرم ہیں۔ان کے ذمے کئی برسوں کا لگان تھا اور وہ سزا کے خوف سے بھاگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لق دق ویرانے میں دو روز کے دشوار سفر کے بعد یہ قافلہ ایک نسبتاً کم خشک علاقے میں داخل ہوا۔ رفتہ رفتہ سبزے کے آثار نمودار ہونے لگے۔ آخر انھوں نے خود کو ایک جنگل میں پایا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے گئے، جنگل گھنا اور شاداب ہوتا گیا۔ کھیتی باڑی کے قطعے بھی دکھائی دینے لگے۔ کسی دریا سے نکلنے والی چھوٹی چھوٹی نہریں اس علاقے کو سیراب کر رہی تھیں۔ راستے کی تمام نشانیاں اشباح کے چرمی نقشے سے ملتی جلتی تھیں۔

آخر تیسرے روز شام کے وقت انھیں اس علاقے میں پہلی آبادی نظر آئی۔ مکانوں کی طویل قطاریں، کشادہ گلیاں اور ان میں گھومتے عجیب وضع لوگ اور ان کے پالتو جانور۔ آبادی کے نواح میں انھیں ایک بہت بڑے احاطے میں لے جایا گیا۔ یہ کوئی فوجی چھاؤنی تھی۔ اصطبل، اسلحہ خانے، گودام، رہائشی حجرے سب کچھ موجود تھا۔ پختہ اینٹوں کی ایک بہت بڑی عمارے میں انہیں ٹھہرایا گیا۔ سواریاں اصطبل میں پہنچادی گئیں۔ غسل کے بعد کھانے وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ مقامی سپاہی حیرت سے انھیں دیکھتے تھے اور آپس میں مسکراتے ہوئے باتیں کرتے تھے۔

رات پہلے پہر بہت بڑی پگڑی اور سانولی رنگت والا ایک خوش پوش شخص مہمان خانے میں داخل ہوا۔ اس کے ارد گرد ننگی تلواروں والے پہرہ دار مودب چل رہے تھے۔ لمبا ریشمی دامن شفاف فرش پر گھسٹتا آ رہا تھا۔ یحییٰ بن سفیان کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اشباح بطور مترجم ساتھ تھا۔ پگڑی والے نے نہایت بارعب لہجے میں ان سے گفتگو کا آغاز کیا۔ وہ ان کی کہانی ان کی اپنی زبانی سننا چاہتا تھا۔ یحییٰ بن سفیان نے اپنی روئیداد سنانے سے پہلے پوچھا۔

"گستاخی معاف! کیا میں پرماتما سے گفتگو کا شرف حاصل کر رہا ہوں؟"

پگڑی والے نے نہایت نخوت سے کہا۔ "پرماتما کے درشن کسی بختوں والے کو ہی حاصل ہوتے ہیں۔ میں تو پرماتما کا ادنیٰ چاکر ہوں۔ تم مجھے اس بستی کا حاکم کہہ سکتے ہو۔ میرا نام منوہر چند ہے۔"

یحییٰ کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا تھا لیکن رائے منوہر چند کے بگڑے تیور دیکھ کر ارادہ بدل دیا اور اپنی کہانی سنانے لگا۔۔۔۔ اس نے وہی باتیں کیں جو اس سے پہلے اشباح کر چکا تھا۔ یعنی وہ لوگ محمد بن قاسم کے باغی ہیں اور اگر انھیں یہاں پناہ مل جائے تو ان کی خوش بختی ہے۔۔۔۔ یہ گفتگو جاری رہی۔۔۔ آخر رائے منوہر چند ان سے رخصت ہو کر واپس چلا گیا۔ اشباح اور اس کے ساتھی بھی سونے کے لئے لیٹ گئے۔

علی الصبح انھیں ایک عجیب تبدیلی کا احساس ہوا۔ ان کے سر پر ننگی تلواروں کا پہرہ تھا اور پہرہ داروں کے تیور نہایت خطرناک نظر آتے تھے۔ دروازوں پر بھی بڑی تعداد میں مسلح آدمی موجود تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کچھ آدمی اندر داخل ہوئے ان کے ہاتھوں میں لوہے کی وزنی زنجیریں تھیں۔ بہ نوکِ شمشیر یہ زنجیریں انھیں پہنائی جانے لگیں۔ یحییٰ بن سفیان نے احتجاج کرنا چاہا لیکن ایک سرخ پوش نے تلوار کا کندا اتنی زور سے اس کے منہ پر مارا کہ اس کے دونوں ہونٹ پھٹ گئے اور خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ اب ان کی حیثیت قیدیوں اور غلاموں کی سی تھی۔ دوسروں کی طرح اشباح بھی حیران تھا کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ ہلابہ چپ چاپ اس کے پاس بیٹھی تھی۔ اس تمام عرصے میں اس کا چہرہ بے تاثر رہا تھا یوں لگتا تھا کہ اسے کچھ فکر نہیں کہ کیا ہوتا ہے اور کیوں ہوتا ہے۔ وہ دریا میں بہنے والے تنکے کی طرح بے ارادہ سفر میں تھی۔ تاہم کبھی کبھی اشباح کو لگتا تھا

جیسے اس کے اندر کوئی آتش فشاں دہک رہا ہے اور موقع پاتے ہی پھٹ پڑے گا۔۔۔۔ نجانے اسے ایسا کیوں محسوس ہوتا تھا۔اس کے علاوہ وہ سب دیکھ رہے تھے کہ اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی واقعات کی رفتار ایکدم تیز ہوگئی ہے۔ان کے پابہ زنجیر ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ رات والا شخص اندر داخل ہوا۔حسب سابق اس کے گرد عریاں تلواروں کا گھیرا تھا۔یحییٰ بن سفیان کو بری طرح گھورتے ہوئے اس نے ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں پر جمائی اور غرا کر بولا۔

"تم پر کالی ماتا کی مار ہو۔۔۔۔ جھوٹ بولتے ہو۔ تمہیں خبر نہیں کہ پرماتما سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی۔۔۔۔ تم سینکڑوں ہندو سورماؤں کے قاتل ہو۔ یہ قتل عام تم نے مغرب کی طرف دریائے سندھ کے کنارے کیا ہے۔ وہاں تم نے محمد بن قاسم کے ایک بڑے دشمن بوہان کو بھی ٹھکانے لگایا ہے اور یہ سب کچھ اسلامی فوج کا "باغی" ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔"

رائے منوہر کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی۔ پھر وہ کڑک کر بولا۔ "بتاؤ تمہارا سردار کون ہے؟"

یحییٰ بن سفیان نے کراہ کر کہا۔ "میں ہوں ان کا سردار۔"

رائے منوہر نے ایک اور ٹھوکر اسے ماری "میں اصل سردار کا پوچھ رہا ہوں۔۔۔۔ تم میں سے سنہری شاہین کون ہے؟"

اشباح سناٹے میں رہ گیا۔ان لوگوں کی معلومات واقعی بہت وسیع تھیں۔رائے منوہر گرج کر بولا۔"پرماتما کے غلام لوہے کو بھی ہاتھ میں لیں تو وہ پانی بن جاتا ہے، تم تو پھر انسان ہو۔ کل تک اپنا اچھا برا خوب سوچ سمجھ لو۔ ہر صورت اپنے سردار کا پتا بتانا ہے۔"

رائے منوہر پاؤں پٹختا باہر نکل گیا اور اس کی دھمکی ایک بازگشت کی طرح قید خانے کی دیواروں میں گونجنے لگی۔

وہ رات جیسے تیسے گزر گئی۔اگلے روز مسلح آدمی ان کے قید خانے میں داخل ہوئے۔انھوں نے گہری نظروں سے قیدیوں کا جائزہ لیا پھر یحییٰ، اشباح، ہلابہ اور اویس کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ چاروں کو تعمیل کرنا پڑی۔ وہ انھیں عریاں تلواروں سے دھکیلتے ہوئے قید خانے سے باہر لے آئے۔ سرخ پوشوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ یحییٰ سے پہلے اشباح سردار تھا اور اویس اس کا گہرا دوست ہے۔ ہلابہ کو ساتھ لانے کی وجہ اس کا عورت ہونا تھا۔ شائد ان کا خیال تھا کہ ساتھی عورت کو اذیت میں دیکھ کر مرد زبان کھول دیں گے۔ احاطے سے گزر کر وہ انھیں ایک تہہ خانے میں لے آئے۔ ایک طویل راہداری سے گزر کر ایک پتھریلے کمرے میں لایا گیا۔ اس وسیع کمرے میں ایذارسانی کے بے شمار آلات پڑے تھے اور ان خوفناک آلات سے بڑھ کر خوف زدہ کرنے والا ایک منظر تھا۔ وسیع کمرے کے ایک گوشے میں ان سات افراد کی لاشیں پڑی تھیں جنھیں سرغنہ کے طور پر صحرا سے گرفتار کر کے اونٹوں پر الٹا بٹھایا گیا تھا۔۔۔۔ یہ لاشیں لوہے کے ایک بڑے پنجرے میں بند تھیں۔ اس پنجرے کے گرد لوہے کی ایک باریک جالی لپٹی ہوئی تھی۔ یہ جالی ایسی مہین تھی کہ اندر کا منظر صاف نظر آرہا تھا اور یہ منظر انسانی نگاہ کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ ساتوں برہنہ لاشیں ہاتھوں کے بل

پنجرے کی چھت سے لٹک رہی تھیں اور پنجرے میں سینکڑوں سانپ، بچھو، زہریلی چھپکلیاں اور کیڑے رینگ رہے تھے۔ جالی کی وجہ سے یہ موذی حشرات الارض باہر نہیں آسکتے تھے اور لاشوں سے چمٹے ہوئے تھے، گوشت نوچ رہے تھے، ڈنگ مار رہے تھے اور انسانی جسم مین آزادنہ راستہ بنارہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو آپس میں ہی گتھم گتھا تھے۔ لاشوں کا ٹکڑا اکثر جگہوں سے غائب ہو چکا تھا اور سفید ہڈیاں بھیانک سوراخ نظر آرہے تھے۔ کمرے میں عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ منظر ایسا دلدوز تھا کہ ہلابہ آنکھیں ڈھانپنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔ یحییٰ، اشباح اور اویس میں سے کوئی بھی نظر بھر کر نہ دیکھ سکا۔ اس کمرے کی جھلک دکھانے کے بعد انھیں ایک دوسرے کمرے میں لایا گیا۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا عقوبت خانہ تھا۔ تاہم ناقابل برداشت بو نہیں تھی۔ ایک جلاد صورت شخص نے ان سے پوچھ گچھ شروع کر دی پھر انھیں علیحدہ علیحدہ آہنی شکنجوں میں جکڑ دیا گیا اور دو مشتاق کوڑا بردار کوڑے لہرانے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات تاریک اور سرد تھی۔ کہیں سے روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس زمین دوز عقوبت خانے میں ہلکی ہلکی کراہوں کے سوا کوئی صدا نہیں تھی۔ یہ کراہیں اویس کے ہونٹوں سے برآمد ہو رہی تھیں۔ کبھی کبھی ہلابہ یا یحییٰ کی سسکاری بھی سنائی دے جاتی تھی۔ وہ چاروں ساتھ ساتھ شکنجوں میں کسے ٹھنڈے فرش پر پڑے تھے۔ جسم کے ہر حصے پر کوڑوں کے نشان تھے اور سردی نے ان نشانات میں جیسے نمک بھر دیا تھا۔

یحییٰ کی مدھم سرگوشی ابھری۔

"تمہارا کیا خیال ہے اشباح؟ محترم زہار ہماری مدد کو آئیں گے؟"

اشباح نے جوابی سرگوشی کی۔ "مجھے امید ہے وہ ہمیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

ہلابہ، اشباح کے بائیں جانب تھی، آہستگی سے بولی۔ "کہیں وہ خود کسی مصیبت میں نہ پھنس گئے ہوں۔ انہیں آ جانا چاہئیے تھا۔" ہلابہ کے لہجے میں عجیب سا شبہ اور ہلکا سا طنز تھا۔ اس شبے اور طنز کو صرف اشباح محسوس کر سکتا تھا۔

اویس نے کراہتے ہوئے کہا "ایسا نہ کہو ہلابہ، اگر محترم زہار بھی بے بس ہو گئے تو ہمارا کون وارث ہو گا؟"

اشباح نے سخت لہجے میں کہا۔ "اویس! آہستہ بولو۔ یہ ہمارا گھر نہیں قید خانہ ہے۔"

اس کے بعد کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ سب اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے۔ اشباح کے کانوں میں عقوبت خانے کے جلاد کے دھمکی آمیز الفاظ گونج رہے تھے۔ اس نے جاتے جاتے کہا تھا۔ "آج اچھی طرح سوچ لو۔ کل کے دن سے تم پناہ مانگو گے لیکن وہ تمہاری جانیں لئے بغیر غروب نہیں ہو گا۔ سب سے پہلے تمہاری اس حسین ساتھی کو انجام سے دوچار کیا جائے گا۔ اس عقوبت خانے کے جلاد اس کے خوبصورت جسم کو داغدار کریں گے پھر گرم انگارہ سلاخوں سے اس کی شفاف جلد پر گلکاریاں کی جائیں گی پھر اسے "نرک کے پنجرے" میں بند کیا جائے گا۔ بچھو اور سانپ اپنا زہر اس کے جسم میں اتاریں گے اور سسک سسک کر مرے

گی اور یہ سب کچھ۔۔۔۔۔سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو گا۔اس کے بعد اسی طرح ایک ایک کر کے تم سب کی باری آئے گی۔۔۔۔۔"

اشباح بہت دیر تک سوچتا رہا اور صدق دل سے نصرت خداوندی کی دعا کرتا رہا۔وہ جانتا تھا کہ اس کے ساتھی اس پر بے پناہ اعتماد کرتے ہیں اور اسے سنہری شاہین کے روپ میں ان کے اعتماد پر پورا اترنا ہے۔۔۔۔۔لیکن کیسے ؟اس قسم کی صورت حال کا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔آناً فاناً وہ سب ایک نہایت قوی دشمن کی گرفت میں آ گئے تھے اور اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

آخرات گزر گئی۔وقت کی برف،جو سخت گرمی میں ہی نہیں سخت سردی میں بھی پگھلتی رہتی ہے۔۔۔۔ پگھل گئی۔نئے دن کا سورج طلوع ہو گیا۔یہ سورج ان کے لئے ایک کڑا امتحان لے کر آیا تھا۔۔۔۔۔"لمحے خون آشام درندوں کی طرح دبے پاؤں ان کی سمت بڑھ رہے تھے۔پھر آزمائش کی گھڑی پہنچ گئی۔آہنی دروازے کھلے۔۔۔۔۔بند ہوئے۔۔۔۔قدموں کی چاپ گونجی۔سفاک چہرے نظر آئے۔نگران جلاد نے سوالیہ نظروں سے چاروں کے چہرے دیکھے۔پھر ایک بے رحمانہ اشارے سے ہلابہ کو شکنجے سے نکالنے کا حکم دیا۔اشباح نے کن اکھیوں سے دیکھا،ندر اور بے خوف ہلابہ کا چہرہ پتھر کی طرح بے جان تھا۔لگتا تھا وہ موت اور حیات سے یکسر لا تعلق ہو چکی ہے۔اشباح کو اس سے ایسی بے حسی کی توقع نہیں تھی۔وہ غیر معمولی خاموشی سے حالات کا سامنا کر رہی تھی۔مگر کچھ بھی تھا اشباح کو اسے بچانا تھا۔وہ اسے اپنے ہاتھوں سے درندوں کے سپرد نہیں کر سکتا تھا۔اس کی زندگی میں یہ سب کچھ کیسے ہو سکتا تھا؟اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"ٹھہرو!میں تمہارے سوالوں کے جواب دوں گا۔"

نگران جلاد نے گھوم کر دیکھا۔اشباح کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔جلاد سفاکی سے مسکرایا۔"مجھے کل سے لگ رہا ہے یہ حسینہ تمہاری کچھ۔۔۔۔۔لگتی ہے۔"

اشباح نے کہا۔"میں تمہاری بات کی تردید نہیں کروں گا۔میں اس لڑکی کو مرتے نہیں دیکھ سکتا۔آخر ہم کب تک سردار سے وفاداری کا کڑوا پھل کھاتے رہیں گے۔ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔"

یحییٰ نے گھور کر اشباح کو دیکھا۔وہ سمجھ رہا تھا کہ اشباح کس قسم کی بات کہہ رہا ہے۔اس نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔"کیا کہہ رہے ہو اشباح؟"

اشباح نے عربی میں کہا۔"ٹھیک کہتا ہوں۔میری خدمات فراموش کر کے آج تمہیں سردار بنایا گیا ہے تو کل تمہیں دھتکار کے کسی اور کو عزت دی جائے گی۔۔۔۔ویسے بھی میں تو ہندوستانی ہوں،تم عربیوں کے درمیان مجھ عجمی کا کیا مقام۔"

یحییٰ گہری نظروں سے اشباح کو دیکھ رہا تھا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ یہ چال ہے یا شباح کے دل کی آواز۔"

نگران جلاد نے کارندوں کو حکم دیا۔"لڑکی کو دوبارہ شکنجے میں ڈال دو اور اس شخص کو نکال کر ساتھ لے آو۔"

اس کا شارہ اشباح کی طرف تھا۔

ہدایت پر عمل ہوا۔اشباح کو آہنی شکنجے سے نکالا گیا۔دونوں ہاتھ پشت پر باندھے گئے اور بانوک تلوار اسے عقوبت کانے کے دروازے کی طرف لے جایا گیا۔ایک راہداری سے گزر کر وہ چند کوٹھڑیوں سے گزرے اور ایک کشادہ کمرے میں پہنچ گئے۔یہاں آرام و آسائش کے تمام سامان موجود تھے۔دیواروں پر دیوی دیوتاوں کی تصویریں آویزاں تھیں۔فرش پر غالیچے تھے۔صاف پتہ چل رہا تھا کہ یہ کمرہ نگران جلاد کی قیام گاہ ہے۔وہ ایک آرام دہ نشست پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ہاتھ میں نقش و نگار والا طلائی جام تھا۔ایک نوخیز حسینہ، نیم برہنہ لباس میں ساقی گری کر رہی تھی۔جونہی اشباح کو اندر لایا گیا نگران جلاد نے تخلئے کا حکم دیا۔سب لوگ باہر چلے گئے۔دروازہ بند ہو گیا۔جلاد نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔۔اب کھل کر بتاؤ سنہری شاہین کون ہے؟ تم کس ارادے سے یہاں آئے ہو اور تمہارے دیگر ساتھی کہاں ہیں؟"

جواب میں اشباح نے پہلے تو محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔پھر ایک گہری سانس لے کر جلاد کی طرف تھوڑا سا جھک ایا۔اچانک اس کی ٹانگ حرکت میں آئی اور اتنے زور سے اس کے منہ پر پڑی کہ طلائی جام اس کے دانتون سے ٹکرا کر پچک گیا۔سر پورے زور کے ساتھ دیوار سے ٹکرایا۔جونہی سر ٹکرا کر واپس آیا۔ اشباح کا گھٹنا اٹھا اور ٹھوڑی کے نیچے ایک ضرب کاری لگی۔سر اور پتھریلی دیوار کا تصادم دوبارہ ہوا۔یہ تصادم ایسا مہلک تھا کہ جلاد ہوش میں نہ رہ سکا اور اپنی نشست پر مردہ پرندے کی طرح پھیل گیا۔اشباح نے تیز نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا مگر دروازہ بدستور بند تھا۔مطمئن ہو کر اس نے جلد کی کمر سے خنجر نکالا اور اپنے ہاتھوں کی رسی کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔اس کام میں کچھ دیر تو لگی مگر ناکامی نہیں ہوئی۔ہاتھ آزاد

ہوتے ہی اشباح نے دروازہ اندر سے بند کیا پھر نہایت سرعت سے جلاد کے کپڑے اتارے اور اپنے لباس کے اوپر پہن لئے۔جلاد کے جسم کو گھسیٹ کر ایک پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔۔۔۔اب وہ باہر نکلنے کے لئے پوری طرح تیار تھا اور یہی سب سے خطرناک مرحلہ تھا۔۔۔۔۔اس کی کامیابی اسی صورت میں ممکن تھی کہ پہردار اسے پہچاننے میں ناکام رہیں۔اس سلسلے میں جلاد کی آہنی ٹوپی اس کی بہت مدد کر سکتی تھی۔یہ ٹوپی پہن کر اس نے اللہ کا نام لیا اور باہر نکل آیا

یہاں آتے ہوئے وہ راستہ ذہن نشین کرتا آیا تھا لہٰذا راہداری تک پہنچنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔راستہ میں کئی پہریدار ملے لیکن وہ سر جھکائے بڑی تیزی کے ساتھ ان کے درمیان سے گزر گیا۔تہہ خانے کی نیم تاریکی اس کا بہت ساتھ دے رہی تھی۔وہ "نرگ کے بنجرے" والے بڑے پنجرے سے گزر کر چھوٹے عقوبت خانے میں داخل ہوا۔دروازے پر کھڑے سپاہی نے اس کا سراپا دیکھتے ہی کنجی نکالی اور دروازہ کھول دیا۔اشباح اندر داخل ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اچانک گھوم کر سپاہی کی گردن پر ایسا مکہ مارا کہ وہ چکرا کر اس کی بانہوں میں جھول گیا۔اشباح نے اس کی بغلوں میں ہاتھ دیئے اور کھینچ کر کمرے میں لے آیا۔پھر اس کے لباس سے آہنی شکنجوں کی کنجیاں نکال کر تینوں شکنجے کھول دیئے۔ہلابہ،اویس اور یحییٰ اسے پہچان چکے تھے۔اشباح نے رسایاں لیں اور تینوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔پھر انہیں آہستگی سے کچھ سمجھایا اور دیوار سے لٹکا ہوا کوڑا اتار لیا۔ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لی اور دوسرے سے ان تینوں پر کوڑے برسانے لگا۔وہ چیختے کراہتے، گرتے پڑتے، آگے آگے بھاگے۔نہایت تیزی سے اشباح انہیں مختلف خطرات سے صاف بچاتا ہوا تہہ خانے کے زینوں تک لے آیا۔زینوں کی جانب کچھ روشنی آ رہی تھی،ایک پہریدار نے اشباح کو پہچان

لیا۔ مگر اس سے پہلے کہ اس کے حلق سے آواز نکلتی اشباح نے اس کے سر پر تلوار کا آہنی دستہ مار کر ڈھیر کر دیا۔ تہہ خانے سے نکل کر اشباح نے ارد گرد نظر دوڑائی۔ چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دور چند گھوڑا گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اشباح نے نظروں نظروں میں ایک گاڑی کا انتخاب کیا اور اپنے ساتھیوں کو مارتا دھکیلتا اس کی طرف لپکا۔ اس کے انداز میں بلا درجے کی برہمی تھی۔ گاڑی میں گھستے ہی اس نے گھوڑوں کی لگام سنبھالی اور برق رفتاری سے انہیں بیرونی پھاٹک کی طرف بڑھایا۔ ابھی وہ پھاٹک سے پچاس ساٹھ گز دور تھا کہ عقب سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں۔ کچھ پہریدار تلواریں لہراتے ہوئے بھاگے چلے آرہے تھے۔ پھاٹک والوں نے چونک کر پھاٹک بند کرنا چاہا لیکن اس وقت گاڑی پوری رفتار سے بھاگتی سر پر پہنچ چکی تھی ۔ وہ پھاٹک سے ٹکراتی اور اسے دھکیلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"فرش پر لیٹ جائیں۔" اشباح نے چلا کر کہا

یحییٰ اویس اور ہلابہ نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ گاڑی ہوا کے جھونکے کی مانند صاف اور سیدھے راستے پر اڑی جارہی تھی۔ عقب سے کئی تیر چلائے گئے جو بے کار گئے۔ اشباح نے گاڑی کو آبادی کی جانب موڑ دیا۔ جلد ہی عقب سے یحییٰ کی آواز آئی وہ اشباح کو بتارہا تھا کہ چند سرخ پوش گھڑسواروں نے تعاقب شروع کر دیا ہے۔ اشباح نے چابک دکھا کر گھوڑوں کو اور تیز کیا اور وہ جلد ہی گنجان آبادی میں داخل ہو گئے۔ بازاروں میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ سرپٹ گاڑی کو دیکھ کر وہ چیختے چلاتے دائیں بائیں سمٹنے لگے بھگدڑ میں کئی خوانچہ فروشوں کے خوانچے الٹے اور کئی خریدار اپنی خریداری پھینک کر بھاگ نکلے۔ آخر ایک جگہ اژدھام کے باعث گاڑی رک گئی۔ وہ چاروں فوراً گاڑی سے نکلے اور اشباح کی رہنمائی میں ایک تنگ گلی میں گھس

گئے۔ ان کی افراتفری انہیں مشکوک بنا رہی تھی مگر اس سے پہلے کہ لوگ کسی نتیجے پر پہنچ سکتے وہ چاروں ایک دو منزلہ مکان میں داخل ہو گئے۔ اشباح کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ یحییٰ نے بھی قید خانے سے ایک سپاہی کی تلوار اٹھالی تھی۔ اویس نے کوڑا سنبھال رکھا تھا۔ یہ مکان کسی پجاری کا تھا۔ وہ ایک کمرے میں بیٹھا تھا۔ ماتھے پر قشقہ کھینچے، دھونی رمائے، پوجا پاٹ میں مصروف تھا۔ اجنبی مہمانوں کو دیکھ کر اس کی گھگھی بندھ گئی۔ اشباح ابھی تک جلاد کے لباس میں تھا۔ اس نے تحکمانہ لہجے میں پجاری سے کہا کہ وہ اصطبل میں چلے۔ عیار پجاری نے پس و پیش سے کام لیا۔ اشباح نے وقت ضائع کیے بغیر تلوار کی نوک اس کی گردن سے لگا دی۔ پجاری لرزتا کانپتا آگے آگے چل دیا۔ اشباح کا خیال تھا کہ شاید اصطبل سے گھوڑے مل سکیں اور وہ تنگ گلیوں سے ہو کر محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن اصطبل میں پہنچ کر اسے مایوسی ہوئی۔ یہاں بھی ایک گھوڑا گاڑی کے سوا کچھ نہ تھا اور یہ گھوڑا گاڑی پہلے کی نسبت خستہ حال تھی۔ بہر حال یہاں رکنا موت کو دعوت دینا تھا۔ یحییٰ سے مشورے کے بعد اشباح نے گھوڑا گاڑی سنبھالی۔ اویس نے ہلکے پھلکے پجاری کو گود میں اٹھا کر گاڑی میں ڈالا۔ پھر وہ تینوں خود بھی سوار ہو گئے۔ اشباح کی ہدایت پر اویس نے پجاری کو کوچوان کی نشست پر بٹھایا۔ اشباح نے تلوار کی نوک اس کی پشت سے لگا دی اور انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

"دیکھو پجاری، ہم سزائے موت کے قیدی ہیں۔ زندگی اور موت کی ہمارے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں، یاد رکھو اگر تم نے راستے میں کوئی چالاکی دکھائی تو زندہ نہیں بچو گے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

اشباح کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ پجاری کے ساتھ ساتھ اویس اور ہلابہ بھی لرز کر رہ گئے۔ اشباح کا ایسا روپ وہ کبھی کبھار ہی دیکھتے تھے۔ اس کی آواز میں جگر پانی کر دینے والا دبدبہ تھا۔ پجاری نے مرتا کیا نہ کرتا

کے مصداق لگامیں سنبھالیں اور گاڑی کو اصطبل سے نکال کر دھیمی رفتار سے سڑک پر لے آیا۔ یحییٰ نے گاڑی کے تمام پردے گرا دیئے تھے، اشباح بھی پردے کے اندر تھا، تاہم اس کی تلوار عقب سے پجاری کی ننگی پشت کو چھو رہی تھی۔ بازار میں ہلچل کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔ بیسیوں سرخ پوش دکانوں اور مکانوں میں گھس گھس کر تلاشی لے رہے تھے۔ کچھ گھڑ سوار تنگ گلیوں میں گھوڑے دوڑاتے پھر رہے تھے۔ گاڑی کے اندر چاروں کے دل شدت سے دھڑک رہے تھے۔ گرفتاری اور فراری کے امکانات پچاس فیصد تھے۔ پجاری بری طرح کانپ رہا تھا اور اس کی یہ کپکپاہٹ کسی کو بھی شک میں مبتلا کر سکتی تھی۔ اشباح سرگوشیوں میں اسے راستے کے متعلق ہدایت دیتا جا رہا تھا۔ جونہی وہ ایک تنگ موڑ پر پہنچے، دفعتاً پجاری نے چالاکی دکھائی۔ اس نے جست لگائی اور تڑپ کر سڑک پر گر پڑا۔ گرتے ساتھ ہی اس نے لنگوٹی سنبھالی اور چیختا ہوا بھاگا۔ بچاؤ۔۔۔۔۔۔۔ بچاؤ۔"

اشباح کی آنکھوں میں غضب کی چنگاریاں پھوٹیں۔ اس نے کمر سے جلاد والا خنجر نکالا اور تاک کر مارا۔ بیچ رستے ہی پجاری نے چیخ ماری اور پشت کے بل گرا۔ خنجر دستے تک اس کی پسلیوں میں گھس گیا تھا۔ اشباح جست لگا کر پردے سے باہر آیا۔ گھوڑے سنبھالے اور چابک دکھا کر انہیں ہوا کر دیا۔

اندھا دھن گاڑی بھگاتے وہ گنجان بازار سے نکلے اور ایک کشادہ سڑک پر ہو لئے اس سڑک کے دونوں جانب کھجور اور بیری کے درخت تھے۔ گھڑ سوار بھی اب بھیڑ سے نکل کر ان کے تعاقب میں آرہے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ موت وحیات کی دوڑ تھی۔ گھوڑا گاڑی کے پہیے جیسے ہوا میں گھوم رہے تھے۔ خستہ حال گاڑی یہ رفتار زیادہ دیر برداشت نہ کر سکی۔ کوئی نصف میل فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک پل سے گزر

رہے تھے، دفعتاً اس کا ایک پہیہ نکل گیا۔ ہلابہ کی چینخ گاڑی میں گونج کر رہ گئی۔ اشباح نے گھوڑوں کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اپنے زور میں حفاظتی باڑ توڑتے ہوئے کئی گز نیچے نہر میں جا گرے۔

چند ہی لمحے بعد ان چاروں نے خود کو تیز نہر میں تیرتے پایا۔ پانی میں بھیگتے ہی ان کے کوڑوں سے زخمی جسم جیسے جل اٹھے تھے۔۔۔۔۔۔۔ اشباح نے گھوڑوں کو بچانے کے لئے تلوار سے ان کے ساز کاٹ دیئے تھے اور اب وہ بھی ان کے ساتھ تیر رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔ تھوڑی ہی دیر میں دور پل پر سرخ پوشوں کی جھلک نظر آنے لگی۔ ان چاروں نے سانس روک کر پانی کے نیچے تیرنا شروع کر دیا۔ وہ بہاؤ کی طرف جا رہے تھے لہٰذا انھوں نے کافی طویل غوطے مارے اور جلد ہی پل سے خاصا دور نکل آئے۔ گھڑ سوار اب پل سے اتر کر دونوں کناروں پر بڑھے چلے آرہے تھے۔ بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ اچانک یحییٰ کی نگاہ کچھ دور ایک پرانے گنبد پر پڑی۔ یہ مزار نما عمارت دریا کے عین کنارے پر تھی۔ تیز رفتار پانی بنیادوں کے نیچے سے مٹی نکال کر لے گیا تھا اور یہاں سے گھاؤ نظر آرہے تھے۔

یحییٰ نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "یہ جگہ چھپنے کے لیے موزوں ہے۔"

تجویز معقول تھی۔ چاروں زیر آب تیرتے ہوئے اس جانب بڑھنے لگے۔ زندگی کی خواہش ان کے نڈھال جسموں کو قوت دے رہی تھی۔ آخر وہ کیچڑ، مینڈکوں اور کیچوؤں سے بھرے ہوئے ایک خلا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کیچڑ نے انہیں لت پت کر کے مٹی کا حصہ بنا دیا تھا اور وہ ساکت وجامد ہو کر آئندہ لمحوں کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ ہی دیر میں گھڑ سواروں کی آوازیں ان کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ وہ پاگلوں کی طرح انہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ پھر اندازہ ہوا کہ کچھ سپاہی دندناتے ہوئے مرزا کی عمارت میں گھس گئے ہیں۔ ان کے قدموں کی گونج چاروں کو عین اپنے سر پر سنائی دے رہی تھی۔ وہ ہر چیز کو تہہ و بالا کر رہے تھے۔ پھر کچھ سپاہی پانی میں اتر آئے۔ ان چاروں نے اپنے سانس روک لئے۔ سالار کی آواز گونجی۔

"فرش کے نیچے گڑھوں میں دیکھو۔"

یہ الفاظ اشباح کی سمجھ میں آئے تھے۔ مگر باقی تینوں بھی خوفزدہ ہوئے بغیر نہیں رہے۔ وہ سپاہی شڑاپ شڑاپ کی آوازیں پیدا کرتے ہوئے بالکل پاس آ گئے۔ اشباح ان کے سرخ پاجامے اور عریاں تلوار دیکھ سکتا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی جھکتا تو انہیں ڈھونڈ لیتا۔ وہ چاروں کیچڑ میں کچھ اور دبک گئے۔ دو تین مینڈک ٹراتے ہوئے سپاہیوں کی طرف بڑھے۔

"کچھ نہیں ہے یہاں۔" ایک نے کراہت سے کہا۔

دوسرے نے حامی بھری، وہ الٹے پاؤں واپس چلے گئے۔۔۔۔۔۔ موت جیسے انہیں چھو کر گزر گئی تھی۔

اشباح، ہلابہ، یحییٰ اور اویس گہری تاریکی چھانے تک اپنی پناہ گاہ سے باہر نہیں نکلے۔ ان کے نچلے دھڑ جیسے پانی میں سن ہو گئے تھے۔ خاص طور پر اویس کا برا حال تھا وہ مینڈکوں سے گھبرا رہا تھا اور وہ تنگ بھی اسے ہی زیادہ کر رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ غرا کر انہیں کوستا اور پانی میں ہاتھ ڈال کر ایک آدھ مینڈک کو دور پھینک دیتا۔

سنگین ترین لمحے گزر جانے کے بعد انہیں اویس کا جھلانا اچھا لگ رہا تھا۔ اشباح نے اس سے کہا۔ "ان ناخلف مینڈکوں کے بارے میں ایک زبردست قسم کی ہجو تم پر قرض ہو گئی ہے۔"

اویس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "ایک اور ہجو زہار کے متعلق بھی۔ یہ کیسا سالار ہے جسے اب تک ہماری حالت کی خبر نہیں ہوئی۔"

یحییٰ نے گھبرا کر کہا۔ "بے وقوف آہستہ بولو۔ وہ ہوا کی طرح ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ کہیں جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھنا۔"

اویس نے منہ بسور کر کہا۔ "ان مینڈکوں اور کیچوؤں کی مہمانِ خصوصی بننے سے تو مر جانا بہتر ہے۔"

اشباح نے کہا۔ "ذرا حوصلہ رکھو۔ ابھی تمہیں اس محفل سے نکال لیتے ہیں۔"

اویس نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا اور ایک کیچوے کو مسل کر دور تاریکی میں پھینک دیا۔ اس غیر یقینی صورتحال میں یحییٰ اور اشباح کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئے بغیر نہ رہی۔ دفعتاً انہیں چونک جانا پڑا۔ کہیں قریب سے قدموں کی چاپ اور مدھم آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک دفعہ پھر وہ یکسر ساکت بیٹھ گئے۔ شاید سرخ پوش ابھی واپس نہیں گئے تھے۔۔۔۔۔۔۔ کتنی ہی دیر وہ صورت حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے رہے۔ انہیں محسوس ہوا کہ کچھ لوگ بڑی دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے ہیں۔ آواز باریک تھی اور نزدیک سے آ رہی تھی۔ شاید وہ لوگ مزار کے اندر موجود تھے۔ کبھی کبھار کسی بچے یا عورت کی صدا بھی کانوں میں پڑتی تھی۔ پھر ہو۔۔۔۔۔۔ ہو کی طویل آوازیں آنے لگیں۔ محسوس ہوا جیسے بہت سے لوگ مل کر نوحہ کر رہے

ہوں۔۔۔۔۔۔۔یہ سب کچھ بے حد حیران کن تھا۔اس ویران کن مزار میں نوحہ کرنے والے لوگ کون تھے۔یحییٰ اور اشباح نے باہم مشورے کے بعد باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔پہلے وہ چاروں باآسانی پانی میں اترے کچھ غوطے لگا کر انہوں نے خود کو صاف کیا۔ہلابہ نے بھی اپنے مٹی بھرے بالوں کو دھویا۔کوڑوں کے زخم گدلے پانی سے ایک بار پھر جل اٹھے۔نسبتاً وہ صاف ہو کر کنارے پر بڑھ آئے اور گہری تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ارد گرد دیکھنے لگے۔مزار نما عمارت پراسرار تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔اب انہیں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔لگتا تھا وہاں کوئی موجود ہی نہیں اور انہوں نے جو کچھ سنا یا محسوس کیا سب طلسم تھا۔دریا اور مزار سے کچھ دور ایک ٹیلہ نظر آرہا تھا۔اس پر کھجوروں کے درخت تھے۔

اشباح اور یحییٰ کچھ دیر سوچتے رہے پھر یحییٰ نے ہلابہ اور اویس کو درختوں میں رکنے کا حلم دیا۔ایک تلوار اس نے اویس کو دے دی۔پھر وہ اور اشباح محتاط قدموں سے مزار کی طرف بڑھے۔یہ مزار بالکل اسلامی طرز کا تھا۔عمارت قدرے شکستہ ہو چکی تھی مگر ابھی ٹوٹ پھوٹ شروع نہیں ہوئی تھی۔گنبد کے درمیان ایک ویران قبر نظر آرہی تھی۔

دائیں بائیں دو کوٹھڑیاں تھیں۔ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن دوسری بند تھی اور آوازیں بھی اس کے اندر سے آرہی تھیں۔دروازے سے مدھم روشنی نظر آتی تھی۔یحییٰ نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی پھر اشباح کو اشارہ کیا اور دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئے۔سیڑھیاں چڑھتے ہوئے انہیں آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔یہ ایک روزن تھا جو کوٹھڑی میں کھلتا تھا۔یحییٰ اور اشباح نے باری باری اندر جھانکا۔یہ ایک کشادہ کوٹھڑی تھی۔طاقوں میں مٹی کے دیئے جل رہے تھے اندر کا منظر حیرت انگیز تھا۔کوئی پچیس عدد مرد

وزن سیاہ لبادہ پہنے وہاں موجود تھے۔عورتوں نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے اور اکثر مردوں کی داڑھیاں تھیں۔وہ دائرے کی شکل میں بیٹھے مسلسل ہو ہو کی آوازیں نکال رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ایک شخص درمیان میں بیٹھا تھا اور اس کے پاس تسبیح قسم کی کوئی چیز تھی۔اس تسبیح کو وہ شہادت کی انگلی میں ڈال کر وہ لگاتار ہوا میں چکر دے رہا تھا اور منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

معاً اشباح اور یحییٰ کو چونک جانا پڑا۔کوٹھری کا دروازہ تیزی سے کھلا اور اویس ہلابہ کے ساتھ اندر گھس آیا۔اویس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر ہلابہ نہایت اعتماد سے کھڑی تھی۔ان کے اندر داخل ہوتے ہی تمام حاضرین خاموش ہو گئے اور بھیگی آنکھوں سے چونک چونک کر دیکھنے لگے۔نووارد افراد میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"جناب، یہ دونوں باہر جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ہم نے پکڑنا چاہا تو اس موٹے نے تلوار سے حملہ کر دیا ۔بڑی مشکل سے قابو کیا ہے۔"

جس شخص کو جناب کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا وہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔پیشانی کی محراب ظاہر کرتی تھی کہ مسلمان اور نمازی ہے۔

اس نے تیز نظروں سے ہلابہ اور اویس کو دیکھا پھر بولا۔"کون لوگ ہو تم؟"

ہلابہ اور اویس کیا جواب دیتے ان میں سے کوئی ہندوستانی زبان نہیں جانتا تھا۔نووارد بولا۔

"صورتوں سے لگتا ہے یہ اس علاقے کے نہیں، کہیں اور سے آئے ہیں۔"

ادھیڑ عمر شخص بولا۔" ممکن ہے بھٹکے ہوئے مسافر ہوں۔"

نووارد نے کہا۔" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فریب دے رہے ہوں اور پرماتما کے مخبر ہوں۔"

پرماتما کا نام سن کر سب کا کارنگ اڑ گیا۔ایک عجیب بے چارگی نے پوری محفل کا احاطہ کر لیا۔ تلوار برادر نے کڑک کر کہا۔"بولتے کیوں نہیں۔کون لوگ ہو تم؟"اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار کی نوک اویس کی گردن پر رکھ دی۔اب اشباح اور یحییٰ کے لئے خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔ تیزی سے سیڑ گیاں اتر کر وہ نیچے آئے اور دروازہ کھول کر اندر داحل ہو گئے۔ان کی آمد نے حاضرین کو بری طرح چونکایا۔خاموش طور پر اشباح کے لباس نے انہیں بے حد مضطرب کیا۔۔۔۔۔۔۔۔مگر انہیں غیر مسلح دیکھ کر ان کا خوف کچھ کم ہوا۔اشباح نے ہندوستانی میں کاہ۔

"جناب،ہم ان دونوں کے ساتھ ہیں۔۔۔۔۔۔اور الحمداللہ مسلمان ہیں آپ کو ہم سے کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

"مسلمان" کے لفظ نے جیسے ان سب میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔معتبر شخص نے اٹھ کر اشباح سے مصافحہ کیا ۔پھر یحییٰ اور اویس سے مصافحہ کرکے ہلابہ کے سر پر ہاتھ پھیراا اور بڑی محبت سے بیٹھنے کے لئے جگہ دی ۔غالباًوہ مزید گرم جوشی کا اظہار کرنا چاہتا تھا مگر ابھی اس کے شبہات پوری طرح دور نہیں ہوئے تھے۔

اس نے پوچھا۔"کون ہیں آپ لوگ اور کہاں سے آئے ہیں؟"پھر یحییٰ کے جواب دینے سے پیشتر ہی وہ چونک پڑا۔انگلی اٹھا کر بولا۔" کہیں آپ۔۔۔۔۔۔۔۔ان قیدیوں میں سے تو نہیں جنہیں پرسوں ریاست میں لایا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

یحییٰ کے لئے اب اقرار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔اس کے سوا وہ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔اس نے کہا۔"جی ہاں محترم بزرگ،ہم وہی ہیں جو آپ نے سمجھا ہے۔اگر زحمت نہ ہو تو ہم تنہائی میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

ادھیڑ عمر شخص نے کہا میرا نام ہاشم ہے۔اس مزار کے باہر جو ٹیلہ نظر آتا ہے۔اس کی دوسی جانب گاؤں ہے میں اسکا مکھیا ہوں۔یہ تمام لوگ پورے بھروسے کے ہیں۔آپ ان کلے سامنے بلا جھجک بات کر سکتے ہیں۔"

یحییٰ نے اشباح کی وساطت سے مختصراًبتایا کہ وہ بستی کی فوجی چھاؤنی سے جان بچا کر بھاگے ہیں اور پناہ کی تلاش میں ہیں۔حاضرین کے چہروں پر ہمدردی اور محبت نظر آنے لگی۔شاید وہ پہلے سے ان قیدیوں کے متعلق بہت کچھ جانتے تھے۔رہی سہی کسر ہلابہ،اویس اور یحییٰ کی عربی شکل وشباہت نے پوری کر دی تھی۔وہ اپنے درمیان عرب دوستوں کو پا کر نہال ہو جاتے تھے۔یحییٰ نے مسلمانوں کے عظیم الشان لشکر کا ذکر نہیں کیا صرف اس قدر بتایا کہ وہ لوگ عرب سے آئے ہیں۔اپنے ایک رومی دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے اس صحراء میں دور تک نکل آئے اور سرخ پوشوں کے ہاتھ چڑھ گئے۔۔۔۔۔۔۔۔ان کے حالات نے تمام مردوزن کو غمزدہ کر دیا۔تشویش کے گہرے سائے ان کے سوگوار چہروں پر پھیل گئے۔اشباح نے پوچھا۔

محترم بزرگ، کیا آپ بتائیں گے کہاس ویران مزار میں یہ اجتماع کیسا ہے؟""""

بوڑھے ہاشم نے داڑھی پر ہاتھ پھر کرایک لمبی آہ کھینچی اور بولا۔"بیٹا، یہ طویل کہانی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن چونکہ تم اس سرزمین سے آئے ہو، جس سے ہمیں بے پناہ عقیدت ہے اس لئے تمہیں ضرور سنائیں گے۔۔۔۔۔۔۔آج سے کوئی بیس برس قبل اس ریاست میں ملک عرب سے دو مبارک مہمان آئے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔"

ابھی بوڑھے ہاشم نے اتنا ہی کہا تھا کہ دفعتاً گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ایک دبلا پتلا شخص، خوفزدہ چہرے کے ساتھ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔اس نے جلدی جلدی کچھ پھونکیں مار کر طاقدانوں میں رکھے چراغ بجھا دیئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چراغ بجھتے ہی کوٹھڑی میں گہری تاریکی چھا گئی۔"کون ہے؟"ایک سہمی ہوئی آواز تاریکی میں گونجی۔

"پرماتما کے آدمی۔"چراغ بجھانے والے نے جواب دیا۔

سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔بوڑھا ہاشم دھیمی آواز میں قرآنی سورت پڑھنے لگا۔مزار کے قریب پہنچ کر گھوڑوں کی ٹاپیں مدھم ہو گئیں۔۔۔۔۔۔۔گھڑسواروں نے رک کر مزار کا جائزہ لیا پھر سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آگے بڑھ گئے۔

"الحمدللہ"بوڑھے ہاشم کی آواز ابھری۔

دوسرے حاضرین بھی خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔ایک طاقدان کے چراغ پھر روشن کر دیئے گئے۔ہاشم نے اشباح سے کہا۔"لگتا ہے آپ لوگوں کو سرگرمی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔تاہم گھبرانے والی کوئی بات نہیں اللہ آپ کا مددگار ہے اور ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔"

چراغ گل ہونے سے پہلے بوڑھے ہاشم نے جس کہانی کا آغاز کیا تھا وہ اس نے پھر وہیں سے شروع کی۔اس کی آنکھیں ماضی میں جھانکنے لگیں اور لب متحرک ہو کر گئے دنوں کے واقعات دہرانے لگے۔۔۔۔۔۔۔۔"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ آج سے کوئی بیس برس قبل اس ریاست میں ملک عرب سے دو مبارک مہمان آئے تھے۔۔۔۔۔۔۔ان میں سے ایک کا نام داؤد بن مغیرہ تھا اور دوسری ان کی صاحب زادی تھیں۔۔۔۔۔۔۔"

بوڑھے ہاشم کی کہانی واقعی طویل تھی۔اس میں اس نے وہ سب کچھ بتایا جو اشباح نے اپنے بابا کی وصیت میں پڑھا تھا۔یعنی اشباح کی والدہ سے ان کی شادی، اسلام کی تبلیغ، لوگوں کا شوق اور جذبہ، اور پھر پرماتما کی برہمی، زبانیں کاٹنے کا واقعہ، کشیدگی اور باقاعدہ حملہ، دیوان جی اور ان کی پتنی کی آتما ہتھیا اور اشباح کے والد والدہ اور دادا کی بحر ہند کو روانگی۔سب کچھ بتانے کے بعد آخر میں بوڑھے ہاشم نے نمناک نگاہوں سے کوٹھڑی کے دروازے کے باہر دیکھا۔تیرگی میں اسکی نگاہیں بہت دور تک دیکھ رہی تھیں۔بولا

"بیٹا، ہم لوگ اس دور دراز ویرانے میں آج بھی عثمان بن سقیل کا انتظار کر رہے ہیں۔ہمیں یقین ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور آئے گا۔دمِ رخصت اس نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا ضرور وفا کرے گا۔ایک روز ایک

بڑی فوج کے ساتھ وہ اس ریاست کا رخ کرے گا اور پرماتما کو سرنگوں کر کے اسلام کا بول بالا کر دے گا۔۔ اگر وہ نہ آسکا تو اس بیٹا آئے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر اس کا بیٹا نہ آسکا تو اس کا بیٹا آئے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہمارا انتظار طویل ہو سکتا ہے لیکن رائیگاں نہیں جا سکتا۔ ہمارے دلوں میں امید کی شمعیں روشن ہیں اور رہیں گی۔ ہمارے بعد ہمارے بچے ان شموں کی روشنی میں آنے والے کا انتظار کریں گے۔ اس دن کی راہ دیکھیں گے جب سے افتابِ ہدایت طلوع ہو گا۔۔۔۔۔۔۔ اس ریاست میں جہاں جہاں مسلمان ہیں وہ ہر جمعہ کی شب اسی خاموشی سے کسی مقام پر جمع ہوتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کے رہنما کو لوٹا دے۔"

اشباح سن رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ ان عبادت کرنے والوں کو کیا معلوم تھا کہ آج رات اس نیم تاریک کوٹھری میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو عثمان سقیل کا بیٹا ہے اور اپنے باپ کی ہدایت پر طویل فاصلے طے کر کے ان سے ملنے پہنچا ہے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ برسوں سے جس وقت کا انتظار کر رہے ہیں وہ پہنچ چکا ہے۔ مدت سے ان کی آنکھیں جس منظر کو ترس رہی تھیں وہ وجود میں آنے والے ہیں اور سالوں سے ان کے کان جن آوازوں کو ڈھونڈ رہے تھے وہ فضاؤں میں ارتعاش پیدا کرنے والی ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا۔

اشباح نے ہاشم سے کہا۔ "اے محترم بزرگ؛ یہ مزار کس کا ہے؟"

ہاشم نے کہا پدر، یہ اسی نوجوان قاری کا مزار ہے جسے مسجد کے صحن میں ظالموں نے برچھا مار کر شہید کر دیا تھا۔ اس کی خطا صرف یہ تھی کہ اس نے کتابِ الٰہی کو سینے سے لگایا تھا اور اپنے ساتھیوں کی کٹی ہوئی زبانیں دیکھ کر بھی علی الاعلان تلاوتِ قرآن کا ارادہ کیا تھا۔ اس شہید کا نام محمود تھا اس وقت تو ہم نے محمود شہید کو خاموشی سے سپرد خاک کر دیا تھا۔ مگر بعد ازاں جب بات پرانی ہو گئی تو قبر پر یہ مزار بنا دیا گیا۔ یہ مزار دریا سے ہٹ کر تھا لیکن بعد میں دریا نے راستہ بدلا اور مزار کے پہلو میں بہنے لگا۔ کئی سالوں سے یہ اسی طرح مزار کو گزند پہنچائے بغیر بہہ رہا ہے۔ ہم اسے شہید کا معجزہ ہی کہہ سکتے ہیں۔

سرخ و سپید چہرے والے ایک بارعب شخص نے اشباح سے کہا۔ "بیٹا، اس وقت آپ لوگوں کو پناہ کی اشد ضرورت ہے۔ میرا نام ابدال غازی ہے اور بستی میں میرے پاس ایک بڑی حویلی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس حویلی میں اتنی گنجائش ہے کہ اپنے عربی مہمانوں کو نگاہ بد سے محفوظ رکھ سکے۔"

باریش بزرگ ہاشم نے کہا۔ "ابدال تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس وقت ان مہمانوں کے لئے تمہاری حویلی ٹھیک رہے گی۔"

" اشباح نے کہا۔ محترم، ہم کسی کے لئے مصیبت بننا نہیں چاہتے بہتر ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔

ہاشم نے اس کی بات قطع کی۔ "نہیں بیٹا، خود کو غیر کہہ کر ہمیں خدا کی بارگاہ میں گنہگار نہ کرو۔ ہم لوگ تو ان ہواؤں کو چومنا بھی باعثِ سعادت سمجھتے ہیں جو رسولِ ﷺ عربی کے وطن سے آتی ہیں۔"

کچھ دیر گفتگو کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر تمام حاضرین اٹھ کر نماز ادا کرنے لگے۔ ان کی نماز عجیب طرح کی تھی ۔ قیام رکوع اور قبلے کی ترتیب غلط تھی۔ سجدے بھی وہ بار بار کرتے تھے۔ نماز کے بعد ہر مرد وزن نے ایک کتاب کو باری باری سر پر رکھا اور آنکھیں بند کر کے وظیفے کے انداز میں لبوں کو حرکت دی۔ اس بڑبڑاہٹ میں عثمان بن سقیل کا نام بار بار آیا۔ تب سب مرد و حاضرین نے محترم بزرگ ہاشم سے مصافحہ کیا اور ایک ایک کر کے باہر نکلنے لگے۔ اشباح نے دیکھا سر پر رکھی جانے والی کتاب قرآنِ پاک تھی۔ یہ نسخہ ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں ہاشم اور ابدال غازی کے علاوہ چند افراد کوٹھڑی میں رہ گئے اب رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ ابدال غازی نے اپنے ایک خادم کو کان میں کچھ کہہ کر باہر بھیجا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے آکر بتایا کہ گھوڑے پہنچ گئے ہیں۔ ابدال غازی نے اشباح سے کہا۔

"چلو بیٹا، تاخیر مناسب نہیں۔ ہمیں جلد حویلی پہنچ جانا چاہیئے۔ بزرگ ہاشم نے بھی تائید کی۔ اشباح نے سردار یحییٰ سے مشورہ کیا اور جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد اشباح، ہلا بہ یحییٰ اور اویس گھوڑوں پر سوار ابدال غازی کے ساتھ شمالی رخ پر جا رہے تھے۔ ابدال غازی کے ساتھ چند ملازم بھی تھے لیکن وہ دو ٹولیوں کی صورت میں کچھ فاصلے پر آرہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اشباح جانتا تھا کہ پورے علاقے میں پرماتما کے آدمی شکاری کتوں کی طرح ان کی بو سونگھ رہے ہیں۔ ابدال غازی نے انہیں پناہ دے کر خود کو سخت آزمائش میں ڈالا تھا۔ اشباح کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر مضبوطی سے قائم تھا اور نگاہیں تیزی سے اطراف میں گردش کر رہی تھیں۔ ایک جگہ پہنچ کر ابدال غازی نے گھوڑا روک لیا۔ اشباح سے بولا۔

"بیٹا، میرا خیال ہے کہ اب ہمیں گھوڑے چھوڑ دینے چاہئیں۔ کوئی چار فرلانگ آگے آبادی شروع ہوتی جاتی ہے۔ یہاں پر سرخ پوشوں سے مدبھیڑ ہو سکتی ہے۔"

ابھی وہ یہ بات کر رہے تھے۔ دفعتاً گھوڑوں کی ٹاپیں سنائیں دیں شاید وہی دستہ جو کچھ دیر پہلے مزار کے پاس سے گزرا تھا، واپس آرہا تھا۔ ان سب نے گھوڑے ایک ملازم کے سپرد کئے اور پیدل ہی درختوں میں آگے بڑھنے لگے۔ چاند اب کافی بلندی پر آگیا تھا اور اس کی کرنیں شاخوں سے چھن چھن کر آرہی تھیں۔ قدموں کے نیچے خشک پتوں پر جگہ جگہ پانی کے دودھیا دھبے تھے۔ ان کے کان گھوڑوں کی ٹاپوں پر لگے ہوئے تھے ۔ وہ اب دائیں جانب سنائیں دے رہی تھیں۔ پرماتما کے گھڑ سوار اب ان سے دور جا رہے تھے۔ اچانک ابدال غازی کو کسی خطرے کا احساس ہوا۔ وہ ٹھٹک کر ایک جانب دیکھنے لگا۔ اشباح نے بھی نگاہ دوڑائی۔ دور درختوں میں آگ جل رہی تھی اور باتوں کی مدھم آواز آرہی تھی۔ شاید کچھ لوگ آگ روشن کئے بیٹھے تھے۔ جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ سرخ پوش سپاہی ہیں۔ وہ پوری طرح مسلح تھے اور تلاش سے تھک کر کچھ دیر ستانے کے لئے بیٹھ گئے تھے۔ بے خبری میں اشباح وغیرہ ان کے بالکل نزدیک پہنچ گئے تھے۔

ابدال غازی نے ایک طرف اشارہ کیا اور سرگوشی میں بولا۔ "یہ راستہ کچھ طویل رہے گا، مگر اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

مگر اس سے پہلے کہ وہ اس نئی سمت کی طرف حرکت کرتے دفعتاً ان کے بالکل قریب سے ایک سایہ اٹھ کر بھاگا۔ پہلے تو وہ اسے کوئی جانور سمجھے مگر جلد ہی انسانی چیخیں سنائی سنیں۔ سایہ بھاگ رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔ وہ اپنے

ساتھیوں کو مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ در حقیقت وہ سرخ پوشوں کا ساتھی تھا۔ رفع حاجت کے لئے الاؤ سے اٹھ کر اس طرف آیا تھا۔ شومئ قسمت اشباح وغیرہ وہاں رکے اور اس نے ان کی تمام گفتگو سن لی۔

ساتھی کا شور و غل سنتے ہی الاؤ کے گرد بیٹھے افراد تلواریں سونت کر ان کی طرف لپکے۔ ان میں سے کچھ نے ہاتھ میں کلتی ہوئی لکڑیاں اٹھا رکھی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ابدال غازی سمیت سب کو گھیر لیا۔ وہ تعداد میں ان سے تین گناہ یعنی پندرہ کے قریب تھے۔ ہلابہ کو دیکھتے ہی انہیں یقین ہو گیا کہ یہی قیدی آج صبح چھاؤنی کے قید خانے سے فرار ہوئے ہیں۔ ان کے سالار نے کڑک کر کہا۔

"بہتر ہے تم لوگ ہتھیار ڈال دو۔ بچنے کی کوئی صورت نہیں۔"

اشباح نے ترکی بہ ترکی کہا۔ "ہم تمہارے عقوبت خانے کی بھینٹ چڑھنے کی بجائے بہادری کی موت مرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔"

سالار نے کہا "ہو سکتا ہے تمہاری سزا میں تخفیف ہو جائے۔"

اشباح نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "کتے کا کام کاٹنا اور سانپ کا کام صرف ڈسنا ہوتا ہے۔ ہمیں کتوں اور سانپوں کے سر کچلنا سکھایا گیا ہے۔ ان کی باتیں سننا نہیں۔"

اشباح کی دیدہ دلیری نے سرخ پوشوں کو شعلہ جوالا بنا دیا۔ لو پھر سنبھلو۔ "ان کے سالار نے للکار کر کہا۔ یکایک گھیرا تنگ ہوا اور سرخ پوشوں نے حملہ کر دیا۔ اشباح نے نعرہ لگا کر جوابی حملہ کیا۔ اویس، یحییٰ اور ہلابہ نے بھی اس کی تقلید کی۔ ابدال غازی نے سرخ پوشوں کو دیکھتے ہی چہرہ پگڑی میں چھپا لیا تھا۔ وہ بھی اس

لڑائی میں شامل ہو گیا۔ لڑائی کا شور بلند ہوا تو کہیں سے قریب آٹھ دس سرخ پوش اور پہنچ گئے۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اشباح کی تلوار موت بن کر لپکی۔ یحییٰ اور اویس نے بھی دل کھول کر دادِ شجاعت دی۔۔۔۔۔۔۔ لیکن ہلابہ کا تو انداز ہی کچھ اور تھا۔ اشباح نے زندگی میں پہلی بار اسے اتنی خود فراموشی اور بے جگری سے لڑتے دیکھا تھا۔ اشباح اور یحییٰ وغیرہ کی طرح اس کے جسم پر بھی زرہ نہیں تھی، ڈھال بھی ندارد تھی۔ مگر وہ ہر خطرے سے بے نیاز "مردانہ وار" تلوار چلا رہی تھی۔ اشباح کی نگاہوں کے سامنے اس نے دو سرخ پوشوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور دو تین کو شدید گھائل کیا۔ اس دوران ابدال غازی کے وہ پانچ گھڑ سوار ملازمین بھی پہنچ گئے جو عقب میں آرہے تھے۔ ان کے لڑائی میں شریک ہوتے ہی سرخ پوشوں کے پاؤں اکھڑے اور وہ چھ لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یحییٰ نے ان کا تعقب کرنا چاہا مگر ابدال غازی نے فوراً روک لیا۔ بولا۔

"ہمارے لئے فوراً کسی محفوظ مقام پر پہنچنا ضروری ہے۔ یہ لوگ اپنے ساتھیوں تک پہنچ گئے تو ہم چاروں طرف سے گھر جائیں گے۔"

انہوں نے ملازمین کو ایک دوسری سمت بھیج دیا اور خود گھنے درختوں میں راستہ بناتے تیزی سے حویلی کی طرف بڑھنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک ذی شان حویلی تھی۔ابدال غازی حویلی کے عقبی دروازے سے اندر داخل ہوااور ایک چور راستے سے ہوتاہوادوسری منزل پر آگیا۔اشباح اوراس کے ساتھی بھی ہمراہ تھے۔درحقیقت ابدال غازی نہیں چاہتا تھا کہ حویلی کے خادمین کو مہمانوں کی آمد کا علم ہو۔اس نے انہیں دوسری منزل کے تین اندورنی کمروں میں ٹھہرادیا۔یہ کمرے ہر قسم کی سہولتوں سے آراستہ تھے۔چار قابلِ بھروسہ خادم ان کی خدمت پر مامور کر دیئے گئےاور حویلی کے اس حصے کو باقی عمارت سے جدا کرنے کے لئے زینوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔

رات بے قراری میں گزری۔علی الصبح ان چاروں نے نہادھو کر لباس تبدیل کئے۔ان کے ملبوسات کاانتظام بھی ابدال غازی نے کیا تھا۔عمدہ ناشتے اور زخموں پر مرہم پٹی کے بعد وہ کچھ سکون محسوس کرنے لگے۔اشباح کو سب سے زیادہ فکر مندی اپنے ساتھیوں کی تھی۔قید خانے میں ان کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک ہونے والا تھا۔اس کے علاوہ اشباحکو اپنے سامان کی بھی فکر تھی۔اگر اس سامان کی تلاشی لی جاتی تو وہ ساری اشیاء برآمد ہو جاتیں جو عرب سے اپنے ساتھ لے کر آیا تھااور ان میں وہ چوبی ڈبہ بھی شامل تھا جس کے بارے میں اس کے والد کی ہدایت تھی کہ اسے ایک خاص موقع پر کھولا جائے۔اگر یہ پرماتما کے آدمیوں کو معلوم ہو جاتا کی اشباح ،عثمان بن سقیل کا بیٹا ہے تو حالات اور زیادہ خراب ہو سکتے تھے۔اشباح دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ چھاؤنی کے مال خانے میں اس کا مال سرخ پوشوں کی دست برد سے محفوظ رہے۔

یحییٰ کی آواز سن کر اشباح اپنے خیالوں سے چونک گیا۔اس نے کہا۔"اشباح، اب کیا خیال ہے ہمیں اپنے دستے کو بچانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔"

اشباح نے کہا، جناب انتظار کے سوااور کیا کیا جا سکتا ہے۔جیسا کہ ہمارے میزبان نے بتایا ہے، ہماری تلاش سرگرمی سے جاری ہے۔اس وقت ہماری کوئی بھی کاروائی خطرناک ہو گی۔"

یحییٰ نے کہا۔"تلاش کی سرگرماند پڑ گئی تو پھر کیا کریں گے؟"

"پھر کسی طرح واپسی کا سوچیں گے۔ساتھیوں کی رہائی کے لئے ہمارے پاس قوت کا ہونا ضروری ہے اور اس کے لئے ہمیں اسلامی لشکر تک پہنچنا ہو گا۔"

یحییٰ بولا۔ہو سکتا ہے کہ ہماری روپوشی سے پریشان ہو کر محترم محمد بن قاسم کوئی دستہ ہماری تلاش میں بھیج دیں۔"

اشباح نے کہا۔"جناب ایسا بعید از امکان تو نہیں مگر خاصا مشکل ہے۔اگر ہمارے پاس راستے کا نقشہ نہ ہوتا تو ہم بھی اس علاقے میں داخل نہ ہو سکتے۔"

یحییٰ نے ایک گہری سانس لی۔"اب تو محترم زہار(سنہری شاہین)ہی کی طرف سے کچھ امید ہے۔"

اشباح نے سر ہلا کر یحییٰ کی تائید کی۔یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اویس تیز قدموں سے اندر آیا۔اس کی گول آنکھوں میں حیرت تھی اور چہرے سے خوف چھلک رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟"سردار یحییٰ نے پوچھا؟"

اویس نے تھوک نگلا۔ "جناب، میں نے ابھی ایک ناقابل یقین منظر دیکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ایک۔۔۔۔۔۔ زندہ عورت جو پتھر کی ہے بستر پر پڑی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔" یحییٰ درشتگی سے بولا۔

"آ۔۔۔۔آیئے میرے ساتھ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔"

اشباح اور یحییٰ اس کے ساتھ چل دیئے۔ ہلابہ بھی آہستگی سے پیچھے آئی۔ درمیانی کمرے سے گزر کر وہ ایک غلام گردش میں پہنچے۔ یہاں تاریکی تھی اور چھت سے قندیل لٹک رہی تھی۔ اویس نے ہوشیاری سے ہموار دیوار پر ہاتھ پھیرا، پھر لوہے کے ایک چھوٹے سے کڑے میں دو انگلیاں ڈال کر پتھر کی ایک چوکور بیل نکالی لی۔ دوسری طرف خلا میں روشنی نظر آرہی تھی۔ اشباح اور ع یحییٰ نے ایک ساتھ آنکھیں لگائیں۔ منظر ایک آرام دہ اور نفیس خوابگاہ کا تھا۔ سونے چاندی کے منوش پائیوں والی ایک خوبصورت مسہری پر ایک جسم پڑا تھا۔ یہ ایک عورت تھی۔ چہرہ بالکل سفید تھا۔ بغور دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ عورت نہیں بلکہ پتھر یا چونے کی مورت ہے۔ اس کی آنکھوں میں سرمہ، ہونٹوں پر سرخی اور گلے میں زیور تھا۔ لباس بھی بیش قیمت تھا۔ سرہانے ایک منقش تپائی پر تازہ گلدستہ پڑا تھا۔ ایک خادمہ مؤدب بیٹھی اس بے جان پتلی کو پنکھا جھل رہی تھی۔ پتلی کے سینے تک سفید چادر کھنچی ہوئی تھی۔ شمعدانوں کی روشنی میں یہ منظر پُراسرار لگ رہا تھا۔ اشباح، ہلابہ اور یحییٰ نے باری باری اندر جھنکا۔ پھر دیوار کو برابر کر کے واپس آ گئے۔ اشباح نے سوچا شام کو ابدال غازی سے اس پُراسرار کے بارے میں پوچھے گا۔ مگر شام کو غازی آیا تو سخت پریشان لگ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"بستی کے طول اور عرض میں زبردست پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے۔ پرماتما کے حکم پر رائے منوہر چند نے آپ چاروں کو ہر قیمت پر گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ پر جو الزامات لگائے ہیں ان میں، چھاؤنی کی قید میں جلاد کی ہلاکت، ایک مہمان پروہت کا سرے بازار قتل اور سرخ پوشوں کی مسلح مزاحمت شامل ہیں۔ ان میں سے ہر جرم پر کم از کم سزا اذیتناک موت ہے۔ خدا آپ کو پرماتما کے شر سے محفوظ رکھے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ اپنے کمروں سے قدم بھی باہر نکالیں۔۔۔۔۔۔ میں نے آج کچھ خادموں کو فارغ کر دیا ہے تاکہ راز کے افشاء کا امکان کم سے کم ہو۔۔۔۔۔۔ اس وقت بستی کے سردار منوہر چند نے کچھ لوگوں کو مشورے کے لیے بلایا ہے۔ ان میں میرا نام بھی شامل ہے۔ درحقیقت یہ مشورہ نہیں بلکہ مشکوک لوگوں سے پوچھ کچھ کا بہانہ ہے۔ اللہ کرے آزمائش کی یہ گھڑی عافیت سے گزر جائے۔"

پھر ابدال غازی انہیں کچھ ہدایت دے کر تیز قدموں سے واپس چلا گیا۔ عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔ اشباح نے کمرے میں رکھی ہوئی رام کرشن کی مورتیں ایک طرف ہٹائیں اور یحییٰ کی امامت میں باجماعت نماز ادا کی۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ ابدال غازی مسلمان تھا اور اپنا مذہب چھپاتا بھی نہیں تھا پھر اس کے گھر جابجا دیوی دیوتاؤں کی مورتیں اور تصویریں کیوں نظر آرہی تھیں۔

نماز کی ادائیگی کے بعد وہ دوراتوں کے تھکے ماندے سونے کے لئے لیٹ گئے۔ نیند ابھی بھی اشباح کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کا ذہن مستقبل کے ان دیکھے روز و شب میں بھٹک رہا تھا۔ حالات نے انہیں اچانک کہاں سے کہاں لا پھینکا تھا۔ پھر اس کا دھیان آشا کی طرف چلا گیا۔ وہ نئی نویلی دلہن کیا سوچ رہی ہوگی۔ اشباح کی گمشدگی اس کے لیے نہایت صبر آزما ہوگی۔ ہو سکتا ہے اچانک جدائی نے اسے بے حال کر رکھا ہو۔ اشباح کو

بے اخیار اس پر ترس آنے لگا۔ اچانک اسے اویس کی آواز سنائی دی۔ وہ کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر سرگوشی کر رہا تھا۔

"اشباح، دروازہ کھولو۔" اشباح نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اویس نے کہا۔ "آؤ تمہیں کچھ دکھاؤں۔"

اشباح نے کہا۔ "لگتا ہے تم نے پھر سوراخ سے تانک جھانک کی ہے۔" اویس نے اقرار میں سر ہلایا۔ اشباح بولا ۔"تم اچھے مہمان ثابت نہیں ہوئے۔"

اویس بولا۔ "لیکن اچھا سراغاں ضرور ثابت ہو رہا ہوں۔"""

اشباح اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ غلام گردش میں پہنچے تو چیخ و پکار کی مدھم آوازیں سنائی دیں۔ شاید انہی آوازوں نے اویس کو دوبارہ پتھریلی سل ہٹانے پر مجبور کیا تھا۔ وہ متحرک سل کے پاس پہنچے اور اویس نے اسے بے آواز کھینچ لیا۔ چیخ و پکار کی صدا ایک دم تیز ہو گئی۔ اشباح نے خلا میں جھانکا اور ایک حیرت ناک منظر دیکھا۔ ایک انتہائی خوبصورت نوجوان جس نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا، زمین پر لوٹ رہا تھا اور تڑپ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ وحشت کی فروانی میں مسہری کے پایوں سے سر ٹکرانے لگتا۔ کچھ دیر رونے اور تڑپنے کے بعد وہ اچانک پر سکون ہو گیا۔ اس نے تپائی سے ایک مشروب اٹھا کر پیا۔ اپنے آنسو پونچھے، لباس درست کیا اور مسہری پر دراز نازنین پتلی کا سپید ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا۔

مجھے معاف کر چندا۔ میں اپنے بس میں نہیں رہتا۔ دل پھٹنے لگتا ہے تو میری مجبوری سمجھتی ہے نا۔۔۔۔۔۔؟

اشباح اور اویس نے حیرانی سے دیکھا کہ خوبرو نوجوان مسلسل پتلی سے محو گفتگو ہے۔ کبھی خود ہی مسکرانے لگتا۔ کبھی دل گرفتہ ہو جاتا۔ کبھی کوئی لطیف بات کہتا، کبھی کوئی شعر پڑھتا۔ پھر وہ اٹھا گیلے کپڑے سے احتیاط کے ساتھ پتلی کا منہ صاف کیا، اس کے پاؤں صاف کیے اور اسے پھل کھلانے لگا۔ پھل کا ٹکڑا اس کے ہونٹوں سے چھواتا پھر دوبارہ تھالی میں رکھ دیتا۔ کچھ دیر بعد اس نے سفید چادر پتلی کے سر تک کھینچی اور شمعدان بجھا کر باہر نکل گیا۔

اگلے روز ابدال غازی آیا تو اشباح نے سب سے پہلے اس نوجوان کی بابت پوچھا۔ اس نے کہا۔ "محترم میزبان، کل رات ہمیں غلام گردش کی جانب سے آہ و بکا کی آوازیں آتی رہیں۔ دل سخت پریشان ہوا۔"

ابدال غازی کے لئے یہ اشارہ کافی ثابت ہوا۔ اس نے اپنے سرخ و سپید چہرے کو ہاتھ سے رگڑا اور ایک سرد آہ کھینچ کر بولا۔ "بیٹا اشباح، وہ ایک بدنصیب نوجوان کی آہ وزاری تھی۔۔۔۔۔۔ وہ میرا سگا بھتیجا ہے۔ اس پر بے حد ظلم ہوا ہے" اشباح سوالیہ نظروں سے ابدال غازی کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ابدال غازی کی آنکھوں میں ایک نفرت انگیز تاثر ابھرا اور وہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ سب پرماتما کے جور و ستم کا شاخسانہ ہے ۔۔۔۔۔ اس نے صرف ایک میرے بھتیجے کی زندگی برباد نہیں کی سینکڑوں لوگ اس ریاست میں اس کے قہر کا شکار ہیں اور ہوتے رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ میرا یہ بھتیجا جو آج دیوانوں کی طرح جی رہا ہے، ریاست کا سب سے خوبرو اور عقل مند نوجوان تھا، لوگ اس کی دولت اور خوشحالی پر رشک کرتے تھے۔۔۔۔۔۔ مگر پھر اس کی زندگی پر پرماتما کا منحوس سایہ پڑا۔ میرا بھتیجا جس کا نام مانک وجے ہے ایک مسلمان لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ وہ لڑکی بھی اسے چاہتی تھی۔ چاند اور سورج کی جوڑی تھی مگر ایک روز اس جوڑی کا چاند گرہن کی زد میں آ گیا۔

قدیم رسم کے مطابق ہر سال دیوالی کے مہینے میں پرماتما کے ت ہرکارے بستیوں میں نکلتے ہیں اور خوبصورت دوشیزاؤں کو پرماتما کی سیوا کے لیے چنتے ہیں۔ان لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کر کے سرخ ڈولیوں میں بٹھا کر پرماتما کے پراسرار محل میں پہنچایا جاتا ہے۔ان لڑکیوں میں سے بارہ موزوں ترین لڑکیاں انتخاب کر کے باقی کو واپس بھیج دیا جاتا ہے۔لڑکیوں کی ڈولیاں واپس آتی ہیں تو ان میں سے کچھ کے اندر، چونے اور پتھر کی مورتیاں ہوتی ہیں۔یہ وہی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ جنہیں محل میں رکھ لیا جاتا ہے۔پرماتما کے ہرکارے بتاتے ہیں ان لڑکیوں کی آتمائیں کبھی فنا نہ ہونے والے جسموں میں چلی گئی ہیں تاکہ عرصے تک پرماتما کی خدمت کر سکیں۔ان مورتیوں کو احترام کے ساتھ دفن کر دیا جاتا ہے۔ایسی لڑکیوں کے والدین کو قابل عزت سمجھا جاتا ہے اور عالم باشندے بھی ان کو خوش قسمت تصور کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔میرے مانک کے ساتھ بھی یہی ہوا۔وہ جس لڑکی سے پیار کرتا تھا اس کا نام چندا تھا۔اس کا باپ مر چکا تھا اور وہ اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھی ۔یہ لوگ پوشیدہ طور پر مسلمان تھے لہٰذا اس سال چناؤ کا دن آیا تو چندا کی والدہ نے بیٹی کو گھر سے نہیں نکالا۔جبکہ ریاستی قانون کے مطابق ہر جوان ہونے والی لڑکی کو چناؤ کے روز اپنے گھر سے باہر کھڑا ہونا پڑتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ویسے تو بعض بااثر ہندو بھی اس ریاستی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں لیکن یہ معاملہ مسلمان کا تھا لہٰذا اسے اچھالا گیا۔کسی نے شکایت کر دی۔اگلے روز پرماتما کے آدمی آئے اور ماں بیٹی کو زبردستی ساتھ لے گئے۔مانک کو معلوم ہوا تو صدمے سے بے حال ہو گیا۔اس نے ایک عرض داشت لکھ کر بستی کے سردار تک پہنچائی۔بستی کے سردار منوہر چند نے جو مانک کا واقف کار بھی تھا جواب دیا۔"لڑکی اب چونکہ محل میں پہنچ چکی ہے اس لئے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔صرف پراتھنا کی جاسکتی ہے کہ وہ پرماتما کی نظر میں جگہ نہ پاسکے۔

کئی اعلیٰ سرداروں سے بھی مانک کے مراسم تھے لیکن کوئی کچھ نہ کر سکا اور وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔دیوالی سے دو روز پہلے محل سے ڈولیاں واپس آئیں تو چندا کی جگہ اس میں نے جان مورتی تھی۔مانک غش کھا کر گر پڑا۔ کئی روز اس پر غشی کے دورے پڑتے رہے۔جب کچھ ہوش میں آیا تو ایک روز چپکے سے مرگھٹ پہنچا اور چندا کی دفن شدہ مورتی زمین سے اکھاڑ لایا۔اس وقت سے اس نے وہ مورتی بڑے احترام سے خوابگاہ میں سجار کھی ہے۔اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔تنہائی میں اس سے باتیں کرتا ہے اور کبھی شدت غم سے بے حال ہو کر پچھاڑیں کھانیں لگتا ہے۔دو مہینے پہلے بیٹے کے غم میں اس کا باپ بھی چل بسا ہے۔یہ والدین کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اب ان زمینوں اور حویلی کو سنبھالنے والا اور کوئی نہیں،اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق میں اس کی دیکھ بھال کے لئے یہیاں آگیا ہوں۔زمین کی ایک فصل توماری گئی ہے،اب دوسری فصل کی تیاری کر رہا ہوں۔ فصل نہ ہو گے تو منوہر چند ہمارا رہا سہا خون بھی نچوڑ لے گا۔"

اشباح حیرت سے یہ کہانی سن رہا تھا۔۔۔۔۔۔ابدال غازی اپنے بات ختم کر چکا تو اشباح نے کہا۔"محترم،ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔آپ مسلمان ہیں اور آپ کا بھتیجا ہندو؟"

ابدال غازی نے جواب دیا۔"یہ صورت حال اس ریاست میں کئی جگہ موجود ہے۔میں اپنے خاندان میں واحد مسلمان ہوں اور یہ سعادت مجھے اٹھارہ سال پہلے حاصل ہوئی تھی۔اس وقت میں قریباً گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا مگر اب مرحوم بھائی کی اولاد کی خاطر پھر سرگرم زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔"

ابدال غازی کے جانے کے بعد اشباح نے ساتھیوں کو مختصراً اس گفتگو سے آگاہ کیا۔ ہلابہ، یحییٰ اور اویس کی آنکھوں میں بھی نوجوان کے لئے ہمدردی کے جذبات نظر آنے لگے۔

اگلے روز دوپہر کے وقت نوجوان مانک سے ان کی ملاقات ہوئی۔ وہ سب خاموشی سے بیٹھے ابدال غازی کا انتظار کررہے تھے۔ اویس خلا میں نگاہیں جمائے کوئی گمشدہ مصرعہ ڈھونڈ رہا تھا۔ ہلابہ حسب معمول اپنی سندھی خادمہ سے مقامی زبان بولنے کی کوشش کررہی تھی۔ یحییٰ بن سفیان کھڑکی کے باہر جھانک رہا تھا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ ابھی کہیں سے سنہری شاہین آئے گا اور انہیں اس مشکل صورتِ حال سے بچا لے جائے گا۔۔۔۔۔ دفعتاً مانک دھیمے قدموں سے چلتا اندر آگیا۔ اس وقت وہ ایک ہوش منداور سلجھا ہوا شخص نظر آرہا تھا۔ آنکھوں میں ذہانت کی چمک اور ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ تھی۔ اس نے مخصوص انداز میں ہاتھ جوڑ کر چاروں کو نمستے کیا اور بولا۔ "چچا جان ایک ضروری کام کی وجہ سے آج نہیں آسکیں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ کوئی ضرورت ہو تو بے تکلفی سے بتادیں۔"

مانک ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ جب باتوں میں پرماتما کا ذکر آیا تو اس کی آنکھوں میں نفرت بھڑک اٹھی۔ چہرہ جذبات سے سرخ ہوگیا۔ تلخ لہجے میں بولا۔

"کاش ہم لوگ متحد ہوسکتے۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم بکھرے ہوئے ہیں اور پرماتما کی سب سے بڑی طاقت یہ ہے کہ وہ منظّم ہے۔ اگر ہم اپنی کمزوری پر قابو پالیں تو ایک دن پرماتما اور اس کے حواریوں کے چیتھڑے اڑا سکتے ہیں۔"

اشباح نے کہا۔ "مانک، میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں جوش سے زیادہ ہوش اور رازداری کی ضرورت ہے۔"

مانک نے کہا۔ "کاش ہمیں کوئی راہ نما مل جاتا۔ یا وہ شخص ہی واپس آجاتا جس نے بیس برس پہلے پرماتما کے خلاف پہلی آواز بلند کی تھی۔۔۔۔۔۔ ریاست کے طول و عرض میں آج بھی اس کا انتظار ہوتا ہے۔"

اشباح نے کہا۔ "آپ لوگ خود پر بھروسہ کریں۔ کمر باندھ کر چل نکلیں گے تو اوپر والا بھی مدد کرے۔ بڑی بات ہے کہ پھر وہ شخص بھی آجائے جس کے آپ منتظر ہیں۔"

مانک نے کہا۔ "محترم، اپنے طور پر ہم بہت کچھ کررہے ہیں لیکن پرماتما کی طلسمی قوتوں نے ہر ذہن کو خوف کے جال میں جکڑ رکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"

کافی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مانک کل ناشتے پر ملنے کا وعدہ کرکے چلا گیا۔ اگلے روز ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ اشباح صبح کی نماز کے لئے اٹھا۔ نماز سے فارغ ہوکر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ہلابہ نظر نہیں آرہی تھی۔۔۔۔۔۔ کسی دم سورج کی پہلی کرن افقِ نیلگوں پر طلوع ہونے والی تھی۔ وہ اس کے کمرے کے دروازے پر پہنچا اور ہولے سے دستک دی۔ تین چار دستکوں کے بعد اس نے دروازہ کھولا تو وہ کھل گیا۔ ہلابہ کمرے میں موجود نہیں تھی۔ وہ ارد گرد کہیں بھی نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلابہ علی الصباح حویلی سے نکل آئی تھی۔اس نے جسم کے گرد ایک پھول دار چادر لپیٹ رکھی تھی اور اس حلیے میں وہ ایک مقامی عورت دکھائی دیتی تھی۔اس کے پاس تھوڑی سی نقدی اور ایک خنجر کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔اجالے نے ابھی اندھیرے کا سینہ چاک نہیں کیا تھا۔وہ تیز قدموں سے ایک اونچی عمارت کی طرف بڑھتی رہی۔اس عمارت کے اوپر سونے کے خول والا قبہ تھا اور جھنڈا لہرا رہا تھا۔ہلابہ نے کل شام ہی معلوم کر لیا تھا کہ یہ اس بستی کا بڑا مندر ہے اور یہاں سے کل صبح ایک قافلہ روانہ ہو کر "دوارے" جائے گا۔"دوارا" اس مقام کو کہتے تھے جہاں پرماتما کی ایک بہت بڑی طلائی مورتی نصب تھی۔عقیدت مند یہاں پوجا پاٹ کرتے تھے اور کبھی کبھی پرماتما انہیں درشن بھی دیتا تھا لیکن یہ درشن صرف آواز کی حد تک ہوتا تھا۔پرماتما کی آواز اس کی طلائی مورتی میں سے پھوٹتی تھی اور چاروں طرف پھیل جاتی تھی۔پرماتما بنفس نفیس سال میں صرف ایک مرتبہ اپنی پرجا کے سامنے آتا تھا۔

ہلابہ مندر پہنچی۔وہاں پہلے سے ایک ہجوم موجود تھا۔رنگ برنگ کپڑے پہنے عوریں مرد بچے "جے ماتاکی" پکار رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔پھر ڈھول تاشوں کے ساتھ یہ قافلہ یاترا کے لئے "دوارے" روانہ ہوا۔راستے میں چھوٹی موٹی مزید ٹولیاں بھی شامل ہوتی گئیں۔کوئی چھ کوس کا فاصلہ شام تک طے ہو سکا۔ہلابہ اس جلوس میں خاموشی سے محو سفر تھی۔اس نے طویل گھونگھٹ نکال رکھا تھا اور کلائیوں پر مقامی انداز کے دھاتی کڑے جھول رہے تھے۔اس کی کوشش تھی کہ مردوں کے درمیان سفر کرے۔باتونی عورتوں سے بچنے کا یہ واحد طریقہ تھا۔پھر بھی ایک دو عورتوں نے اس سے بات چیت کا آغاز کرنا چاہا تھا مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنا گونگا پن ظاہر کر کے جان چھڑالی تھی۔شام گئے یہ قافلہ دوارے

پہنچا۔"دوارہ" ایک وسیع و عریض پتھریلی عمارت کا نام تھا۔سنگ مرمر کے شفاف فرش، محرابیں اور طلائی قندیلیں۔اس کے علاوہ طمع کاری سے مزین بے شمار ستون تھے جن کے ساتھ دور دراز کے یاتریوں نے اپنا سامان لٹکا رکھا تھا۔پرماتما کی مورتی ایک شفاف چبوترے کے اوپر تھی۔چبوترے کے چاروں جانب سیڑھیاں تھیں اور لوگ یہاں سجدہ ریز ہوتے تھے۔ایک بہت بڑی قندیل مورتی کے عین سر پر جگمگا رہی تھی۔یہ مورتی زمین سے کوئی دس گز بلند تھی۔پرماتما نے آشیر باد کے انداز میں اپنا ہاتھ اٹھا رکھا تھا۔اس کا چہرہ ایک باریک نقاب میں چھپا ہوا تھا۔بت تراش نے یہ طلائی نقاب کمال مہارت سے بنایا تھا۔

تمام شب پوجا پاٹ کا سلسلہ جاری رہا۔دوسرے روز بھی اس مصروفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ہلابہ سیدھی سادھی عورت کی تلاش میں تھی۔آخر مطلوبہ ہستی نظر آگئی۔یہ ایک نوعمر لڑکی تھی جو تنہا ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ہلابہ آہستگی سے اس کے پاس جا بیٹھی۔ہلابہ مقامی زبان سے بالکل ناواقف نہیں تھی۔حضر موت میں وہ اکثر اشباح اور اس کی والدہ کو اس زبان میں گفتگو کرتے سنتی تھی۔پھر کبھی کبھی خود بولنے کی کوشش کرتی۔اس سفر میں بھی اس نے مقامی زبان سیکھنے کی کوشش جاری رکھی تھی۔اب وہ کسی حد تک سمجھنے اور بولنے لگی تھی۔اس نے مقامی لڑکی سے گفتگو کا آغاز کیا۔اس سے بات چیت سے اسے معلوم ہوا کہ پرماتما کا محل یہاں سے چند کوس کے فاصلے پر ہے۔دوارے کے عقب میں ایک پل ہے جو اس نہر نما مصنوعی جھیل پر سے گزرتا ہے جس نے گھنے جنگل کے ایک بڑے حصے کو گھیر رکھا ہے۔اس گھنے جنگل کے بیچوں بیچ ایک انتہائی تاریک مقام پر بہت بڑی سفید عمارت پرماتما کا مسکن ہے۔آج تک کسی نے اس عمارت کو نہیں

دیکھا۔ جھیل کے اس پار بھی صرف سرخ پوش ہی جا سکتے ہیں لیکن ایک حد تک جا کر انہیں بھی قدم روکنا پڑتے ہیں۔

ہلابہ ساری باتیں ذہن نشین کرتی رہی۔۔۔۔۔۔۔شام کے وقت وہ دروازے سے نکلی اور درختوں کی آڑ لیتی ہوئی اس پل تک پہنچ گئی جو جھیل پر سے گزرنے کا واحد راستہ تھا۔ پل پر دورویہ بڑی بڑی مشعلیں روشن تھیں۔ صرف سرخ پوش گھڑ سواروں کی آمدورفت جاری تھی۔ کبھی کبھی کوئی گھوڑا گاڑی بھی روشنی میں نمودار ہوتی مگر اس کی سخت تلاشی لی جاتی۔ بعض سرخ پوش گھڑ سواروں کو بھی شناخت اور تلاشی کے مرحلے سے گزرنا پڑتا۔ ہلابہ بہت دیر سوچتی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر عمل کے لئے تیار ہو گئی۔

وہ جانتی تھی کہ ااس راستے پر خطرات ہی خطرات ہیں۔۔۔۔۔۔ مگر خطروں کی اب اسے کچھ زیادہ پرواہ نہیں رہ گئی تھی۔ اس کی زندگی ایک ایسے موڑ پر آگئی تھی جہاں اسے جینے سے کچھ لگاؤ تھا اور نہ مرنے سے خوف۔ اگر وہ مردوں کی طرح جینا نہیں چاہتی تھی تو اس کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ خودکشی یا شہادت کی موت اور اس نے دوسرے راستے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت کہ موت مرنا چاہتی تھی۔ وہ جاگتی آنکھوں سے ایک خواب دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔اس کا خون آلود جسم فرش خاک پر پڑا ہے۔ جان اس کے جسم سے پنجہ آزما ہے۔ اشباح اس پر جھکتا ہے اس کا سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ کانپتی آواز میں کہتا ہے "ہلابہ۔۔۔۔۔۔۔۔ تم جا رہی ہو۔ مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر۔" وہ مسکراتی ہے ایک الوداعی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتی ہے اور ایک ہچکی کے ساتھ اس کے ہاتھوں میں دم توڑ دیتی ہے۔

وہ اپنی زندگی کے اس آخری سہانے خواب کو حقیقت کا روپ دینا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے لئے مرنے کا ارادہ کر چکی تھی، جس کے لئے وہ سب اس دور دراز خطے میں پہنچے تھے۔ وہ اپنی جان کا نذرانہ دے کر اپنے خدا اور اپنے محبوب کی نظروں میں سرخروئی چاہتی تھی۔ اس خواہش نے اسے ہر خطرے سے بے نیاز کر کے شیرنی بنا دیا تھا۔ اس ے عربی خون نے جوش مارا تھا۔ دیہات کی آزاد فضا میں پلا ہوا اس کا جسم جذبے کی آنچ سے فولاد بن گیا تھا۔ وہ درختوں کی اوٹ سے نکلی اور کچھ آگے جا کر اونچی گھس کے ایک جھنڈ میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ یہاں سے پل کا منظر اور بھی واضح دکھائی دیتا تھا۔ وہ آنے جانے والوں کو دیکھتی رہی اور پار جانے کی کوئی تدبیر سوچتی رہی۔۔۔۔۔۔۔۔وقت گزرتا رہا۔ آخر رات پچھلے پہر کا تارا طلوع ہو گیا۔ ایک خوشگوار ہوا شمالاً جنوباً چلنے لگی۔ پل پر آمدورفت بھی اب بہت کم ہو چکی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شاید اس فرحت بخش خنکی میں پہریدار بھی اونگھ رہے تھے۔ سامان سے لدی ہوئی ایک بیل گاڑی گھنٹیاں بجاتی پل کی طرف جا رہی تھی۔ ہلابہ ہمت کر کے اس کے پیچھے ہو لی۔ وہ بیل گاڑی کی آڑ سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ بیل گاڑی پل پر پہنچی۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر اسے روک لیا گیا اور تلاشی شروع ہو گئی۔ اس دوران پیچھے سے چند اور بیل گاڑیاں نمودار ہو گئیں۔ اب ہلابہ کے لئے چھپنا ممکن نہیں تھا۔ وہ تیزی سے واپس آئی اور اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر دوبارہ گھاس میں گھس گئی۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ صبح تک یوں بیٹھی رہی اور اسے یقین ہو گیا کہ پل کے راستے جنگل میں داخل ہونا ممکن ہے۔ وہ واپس ہوئی اور دوارے میں آگئی۔

سارا دن دوارے میں گزار کر اندھیرا پھیلتے ہی وہ پھر نہر نما جھیل کی طرف نکل گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس نہر نے چاروں طرف سے جنگل کو گھیر رکھا ہے اور اس نہر کو پار کئے بغیر کسی بھی سمت سے جنگل میں داخل نہیں

ہوا جا سکتا۔۔۔۔۔۔ وہ نہر میں کودنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ایک مناسب جگہ دیکھ کر اس نے کمر ہمت
باندھی اور پانی میں چھلانگ لگا دی۔یہ پانی آہستگی سے بہہ رہا تھا پھر بھی کنارے تک پہنچنے کے لئے ہلابہ کو
سخت جدوجہد کرنا پڑی۔بالآخر وہ دوسری طرف خشکی پر پہنچی۔تاریک جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔اس نے
بھیگی ہوئی اوڑنی نچوڑ کر دوبارہ کمر سے باندھ لی۔بالوں کو کھول کر نچوڑا اور جوڑے کی شکل میں کس لیا۔ایک
جوتا پانی میں بہہ گیا تھا۔اس نے دوسرا بھی گھنی گھاس میں پھینک دیا اور تاریکی میں محتاط قدموں سے آگے
بڑھنے لگی۔یہ احساس نہایت سنسنی خیز تھا کہ وہ اس زمین پر قدم رکھ چکی ہے جو صرف پرماتما کے لئے
مخصوص ہے اور جہاں ہر طرف اس کے طلسم کا جال بچھا ہوا ہے۔اس طلسم کے مقابلے کے لئے اس کے پاس
ایک اللہ کے نام کے سوا کچھ نہیں تھا۔اگر کچھ تھا تو ایک خنجر تھا جسے وہ کسی طرح پرماتما کے ناپاک سینے میں اتار
دینا چاہتی تھی۔کیا وہ ایسا کر سکے گی؟اس سوال کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ اچانک فضا میں ایک منحوس قہقہہ ابھرا اور یکبارگی ارد گرد کے درختوں پر
آنکھیں سی روشن ہو گئیں۔ہلابہ ٹھٹک کر رک گئی۔اس نے دیکھا دو درختوں پر آنکھیں روشن تھیں۔دونوں
آنکھوں کے درمیان کوئی ساٹھ گز کا فاصلہ تھا۔ان انسانی آنکھوں کی لمبائی ایک انسانی جسم کے برابر تھی۔
درختوں پر حرکت ہوئی اور پانچ چھ سائے اچھل کر زمین پر آئے۔پھر انہوں نے ہلابہ کو گھیر لیا۔یہ سائے سیاہ
پوش تھے اور ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں،ہلابہ نے بہ آہستگی اپنا خنجر نکال لیا۔جونہی ایک سایہ اس کے
قریب پہنچا ہلابہ نے لپک کر اسے زخمی کیا اور ایک دوسرے کی تلوار سے بچتی ہوئی گھنے درختوں کی طرف
بھاگ کھڑی ہوئی اس کا انداز اتنا اچانک اور دلیرانہ تھا کہ سب دیکھتے رہ گئے۔پھر وہ چونک کر اس کے پیچھے

لپکے۔ہلابہ اونچی جنگلی گھاس سے گزر کر دوسری طرف نکل آئی۔اس کی نظر ایک درخت پر پڑی۔اس کی
شاخیں کافی جھکیں ہوئی تھیں اور اوپر چڑھنا آسان تھا۔ہلابہ نے تاریکی میں بھاگنے سے درخت پر چڑھنا بہتر
سمجھا اور شاخیں تھامتی ہوئی اوپر آ گئی۔خود کو پتوں میں چھپا کر وہ نیچے اچھلتی کودتی مشعلوں کا نظارہ کرنے لگی
۔اسے تلاش کرنے والے سیاہ پوش چاروں طرف بھاگ رہے تھے۔ہلابہ بے حرکت بیٹھی رہی۔آنکھیں
گہری تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس کی نگاہ کسی سفید چیز پر پڑی۔یہ لکڑی کی دو بڑی بڑی کمانیں تھیں
جن پر سفید کپڑا منڈھا ہوا تھا۔دونوں کمانوں کو یوں جوڑا گیا تھا کہ انسانی آنکھ کی شکل بن گئی تھی۔اب
ساری بات ہلابہ کی سمجھ میں آ گئی۔ایسی ہی انسانی آنکھیں جھیل کے ساتھ ساتھ دور تک بنائی گئی تھیں۔ان پر
تیل ڈال کر آگ لگا دی جاتی تھی۔دور سے دیکھنے پر ایک بہت بڑی انسانی آنکھ روشن نظر آتی تھی۔یوں دیکھنے
والوں پر ایک طرح کی دہشت سوار ہو جاتی ہو گی اور وہ سوچتے ہوں گے کہ پر اسرار آنکھیں پرماتما کی حفاظت
کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اچانک ہلابہ ڈر گئی۔اگر یہ آنکھ درخت پر موجود تھی تو اسے جلانے والا بھی موجود
ہو گا۔اس نے گھوم کر دیکھا اور سن ہو گئی۔صرف ایک ہاتھ کے فاصلے پر ایک تنومند سیاہ پوش ننگی تلوار لئے
بیٹھا تھا۔اس کی آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔اس سے پہلے کہ ہلابہ اپنی جگہ سے حرکت کرتی اس
نے تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

"خبردار،"وہ غرایا۔"انگلی بھی ہلائی تو چھید کر رکھ دوں گا۔"

ہلابہ اپنی جان اتنے سستے میں گنوانا نہیں چاہتی تھی۔اس نے سیاہ پوش کے حکم کی تعمیل کی۔جس نے ہاتھ بڑھا
کر بڑی ہوشیاری سے ہلابہ کا خنجر لے لیا۔پھر تلوار کی نوک پر اسے نیچے لے آیا۔اچانک ہلابہ کے سر پر قیامت

ٹوٹ پڑی۔اسے احساس ہوا کہ سیاہ پوش نے اس کے سر پر تلوار کا دستہ مارا ہے۔اس نے سہارے کے لئے فضا میں ہاتھ چلائے اور ناکام ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

دوبارہ حواس بحال ہوئے تو اس نے خود کو لکڑی کے ایک تختے پر پایا۔ تختہ بری طرح ہچکولے کھا رہا تھا اور کانوں میں گھوڑوں کی ٹاپیں گونج رہی تھیں۔اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ گھوڑا گاڑی میں ہے۔اس کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھنسا تھا۔ سر کے پچھلے حصے میں ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔وہ سمجھ گئی کہ اسے دوبارہ قید خانے میں پہنچایا جا رہا ہے۔اسی قید خانے میں جہاں خونی آنکھوں والے جلاد اسے گھوریں گے اور دہکتی ہوئی سلاخوں، کوڑوں اور سنپوں بچھوؤں کی دھمکیاں دی جائیں گی۔۔۔۔۔۔۔۔ ممکن تھا یہ وہ پہلے والا قید خانہ نہ ہو لیکن کوئی بھی ہو۔۔۔۔۔۔۔ ہو گو وہ قید خانہ ہی۔ حضر موت کا وہ گاؤں نہیں ہو گا جہاں وہ اپنے دادا کو لاڈ دکھایا کرتی تھی، اشباح کے ساتھ گھڑ سواری کیا کرتی تھی اور سہیلیوں کے ساتھ ابو شعب ابو ریاض ہیں آنکھ مچولی کھیلا کرتی تھی۔ وہ قید خانہ ہو گا اور وہاں اس کے جسم سے جان نکالنے کے پر اذیت ترین طریقہ سوچا جائے گا۔ وہ اپنی حالات پر خود ہی مسکرا دی اور ذہن کو پیش آنے والے حوادث کے لئے تیار کرنے لگی۔

گھوڑا گاڑی مسلسل سفر میں رہنے کے بعد آخر ایک جگہ رک گئی۔یہ کسی عمارت کا اندرونی حصہ تھا۔ گاڑی کا عقبی دروازہ کھلا اور دو ہاتھوں نے اسے باہر نکال لیا۔ باہر کا منظر دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔ گرد و پیش کسی قید خانے کا نہیں تھا۔یہ ایک خوبصورت عمارت تھی۔ سبزے کے تختوں پر کہیں کہیں قندیلیں روشن

تھیں۔اسے گرفتار کرنے والا سیاہ پوش سامنے کھڑا تھا۔اس کے ساتھ کچھ ملازم بھی تھے۔ایک ملازم نے ہلابہ کے پاؤں کی بندشیں کھول دیں۔ تلوار کی نوک پر اسے ایک آراستہ و پیراستہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

یہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ عمارت میں اور عمارت کے باہر ہر طرف خاموشی تھی۔ کچھ دیر بعد سیاہ پوش اندر داخل ہوا اس کے ایک ہاتھ میں شراب کا جام تھا۔اب ہلابہ نے غور سے دیکھا اس کے سیاہ لباس کے نیچے سرخ کپڑے نظر آرہے تھے۔ معلوم ہوا کہ سرخ پوش سپاہی پہریداری کے وقت سیاہ لباس اوڑھ لیتے ہیں۔ اس نے ہلابہ کے سراپے کو مخمور نگاہوں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر ایک ناپاک مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ایسی دلنواز حسینہ، حسرتناک موت ماری جائے۔ پورب کمار کیسے برداشت کر سکتا ہے۔یہ حسن بھگوان نے ضائع کرنے کے لئے نہیں لاڈ اٹھانے کے لئے بنایا ہے۔"

" ہلابہ خاموشی سے سنتی رہی پھر ٹوٹی پھوٹی سنسکرت میں بولی۔"کون ہو تم؟

پورب کمار نے گونج دار قہقہہ لگایا۔"یہ سوال تو مجھے تم سے کرنا چاہیئے تھا لیکن کیوں کروں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم پچھمی بستی سے سردار منوہر کی قید سے بھاگی ہوئی ہو۔ تم پر اور تمہارے تین ساتھیوں پر ہتھیا کے الزام ہیں۔۔۔۔۔۔۔ایک مہمان پجاری، ایک جلاد اور پرماتما کے کئی وفادار تمہارے ہاتھوں جان گنوا چکے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔اور اب تم شاید پرماتما کی جان لینے کے درپے تھیں۔۔۔۔۔۔۔ کتنی بھولی اور معصوم قاتل ہو تم۔ کیا تمہارا خیال تھا کہ اس خنجر سے پرماتما کو مار سکو گی، بے وقوف۔۔۔۔۔۔۔ پرماتما انسان نہیں ایک طلسم ہے اور طلسم کو ختم کرنے کے لئے اس سے بڑے طلسم کی ضرورت ہے۔ تمہارے پاس کون سا طلسم

ہے۔۔۔۔۔۔۔اگر تم اپنے حسن کو طلسم سمجھتی ہو تو پرماتما ایسے طلسم کو صدیوں سے بے اثر کرتا آیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"

پورب کمار کچھ وحشیانی نظروں سے ہلابہ کو دیکھتا رہا اور شراب چڑھتا رہا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اب تم آرام کرو۔۔۔۔۔۔اور ساتھ ساتھ بھوان کا شکر کرو کہ اس نے تمہیں کسی منحوس قید خانے میں ڈالنے کے بجائے پورب کمار جیسے قدردان کی جھولی میں ڈالا ہے۔۔۔۔۔۔۔یہاں تم ہر طرح محفوظ ہو۔ میں کل شام کے بعد آؤں گا۔ اس وقت تمہارے چہرے پر شگفتگی اور دل میں میرے لیے جگہ ہونی چاہیے۔۔۔۔۔نمستے۔"

اس نے ایک ادا سے ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ہلابہ کہاں ہے۔ پہلے تو اس نے خیال کیا کہ وہ کسی سازش کا شکار ہو گئی ہے پھر اسے اس کے تکیے کے نیچے سے ایک تحریر ملی۔

یہ ہلابہ کے ہاتھ کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

"سردار یحییٰ میں اپنی مرضی سے جا رہی ہوں۔ میری درخواست ہے کہ مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے اس لیے۔۔۔۔۔۔۔۔کہ میں آپ کو نہیں ملوں گی۔ خدا حافظ۔"

اس تحریر کے بعد اشباح، اویس اور یحییٰ کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوا تھا، اویس کا ایک خنجر بھی اس کے ہتھیاروں سے غائب تھا۔ غالب امکان تھا کہ یہ خنجر ہلابہ ساتھ لے گئی ہے۔ اس کا اس حویلی سے نکلنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ہر جگہ ان کی تلاش ہو رہی ہے اور وہ اپنے حلیے اور زبان کی وجہ سے فوراً پہچانی جا سکتی ہے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ وہ گئی کہاں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اشباح کے ذہن میں عجیب سا شک سر ابھار رہا تھا۔ حویلی پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں سرخ پوشوں سے ان کی جھڑپ ہو چکی تھی۔ اس جھڑپ میں اشباح نے ہلابہ کی لڑائی کا انداز دیکھا تھا۔ یوں لگتا تھا وہ اپنی زندگی اور موت سے لاتعلق ہو چکی ہے۔ کیا اس جذباتی کیفیت میں وہ کسی خطرناک ارادہ سے نکل گئی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ وہ تن تنہا پرماتما سے ٹکرانے چلی گئی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ بہت غلط تھا۔

اشباح نے یحییٰ سے کہا۔ "جناب، میرا خیال ہے۔ ہمیں اسے تلاش کرنا چاہیے۔"

یحییٰ نے کہا۔ "اشباح ہمیں حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس وقت حویلی سے نکلنا بے حد نقصان دہ ہے۔"

ابدال غازی نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "محترم یحییٰ بالکل بجا فرما رہے ہیں۔ میں اس وقت آپ کو باہر نکلنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔۔۔۔۔۔۔میرے کچھ خاص آدمی مسلسل کوشش کر رہے ہیں، جونہی کوئی اطلاع ملی میں آپ کو مطلع کروں گا۔۔۔۔۔۔۔۔میں خود بھی اسے ڈھونڈنے نکل رہا ہوں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ وہ میری مہمان ہی نہیں میری بیٹی بھی ہے۔"

انہیں تسلی دے کر ابدال غازی واپس چلا گیا۔ ہر گھڑی ایک کڑی آزمائش کی طرح گزر رہی تھی۔ عشاء تک اشباح کی بے قراری نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔ اس بے قراری کو ابدال غازی کی آمد نے مزید ہو دی۔ ابھی تک اس کی تلاش کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ ویسے اس کے آدمی مسلسل سرگرداں تھے۔

نماز کے بعد اشباح بے قرار سا بستر پر دراز ہو گیا نیند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہلابہ کی صورت رہ رہ کر اس کی نگاہوں میں گھوم رہی تھی۔ جسم کا ریشہ ریشہ ایک نامعلوم آتش میں پھٹک رہا تھا۔ بچپن میں کھیل کے دوران وہ اسی طرح ٹیلوں میں گم ہو جاتی تھی اور وہ آوازیں دیتا پھرتا تھا۔ پھر وہ کسی پتھر کی اوٹ سے نکل کر اسے ڈرا دیتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن آج وہ کسی پتھر کی اوٹ سے نکلنے والی نہیں تھی۔ آج نہ وہ بچپن تھا اور نہ کھیل۔۔۔۔۔۔ آج ایک نہایت سنگین صورتِ حال نے ان کے گرد جال بن رکھا تھا۔

رات جب بھیگنے لگی تو اشباح اپنے بستر سے اٹھ گیا۔ قریبی مسہری پر اویس بھی اسی کی طرح جاگ رہا تھا۔ اشباح کو اٹھتے دیکھ کر سرگوشی میں بولا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"باہر" اشباح نے کہا۔ "تم کسی کو خبر نہ ہونے دینا۔ میں صبح سے پہلے لوٹ آؤں گا۔"

اویس منمنایا۔ "اشباح سوچ لو۔۔۔۔۔۔ کہیں کوئی اور مسئلہ کھڑا نہ ہو جائے۔"

"کچھ نہیں ہو گا۔۔۔۔۔ تم اطمینان رکھو۔"

"سردار یحییٰ کی حکم عدولی۔۔۔۔۔۔ زہار کو خفا کر دے گی۔"

"میں اس خفگی کا سامنا کر لوں گا۔" اشباح نے سخت لہجے میں کہا اور اویس کو ضروری ہدایت دے کر باہر نکل گیا۔

گلیاں سنسان تھیں۔ آبادی کے نشیب و فراز کو خنک تاریکی نے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس تاریکی میں کہیں ہلابہ پوشیدہ تھی۔ اشباح بغیر کسی منصوبے کے نکل آیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ ایک امکان یہ تھا کہ ہلابہ نے اس بستی کے حصار سے نکل کر واپس سیستان جانے کی کوشش کی ہے اور دوسرا امکان تھا کہ وہ "دوارے" کی طرف نکل گئی ہے تاکہ پرماتما کے ٹھکانے تک پہنچ سکے۔ دونوں صورتوں میں اس کی کامیابی امکانات صفر تھے وہ ضرور کہیں نہ کہیں پکڑی گئی تھی۔ ممکن تھا کہ وہ دوبارہ چھاؤنی کے قید خانے میں پہنچ چکی ہو اور یہ بھی امکان تھا کہ وہ دوارے کے کسی بندی خانے میں موجود ہو۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ کسی حادثے یا لڑائی میں زخمی ہو کر شفاخانے پہنچ چکی ہو۔

اشباح اپنے خیالوں میں مگن چلا جا رہا تھا کہ معاً اسے چونکنا پڑا۔ آگے راستے کے درمیان ایک فوجی بگھی کھڑی تھی اور دو بڑی مشعلیں جل رہی تھیں۔ صاف اندازہ ہوتا تھا کہ ناکہ بندی کر کے راہ گیروں سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔ اشباح فوراً راستہ بدل کر ایک بغلی گلی میں گھس گیا لیکن اس گلی میں بھی آگے جا کر اسے ناکہ بندی کے آثار نظر آئے۔۔۔۔۔۔۔ قریباً ایک پہر تک وہ اسی طرح مختلف گلیوں میں گھومتا رہا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ یوں لگتا تھا کہ ان کی تلاش کے لیے پوری آبادی کو قید خانہ بنا دیا گیا ہے۔ اس نے کئی دیواروں پر اشتہار

بھی لکھے دیکھے۔ ان اشتہاروں میں پرماتما کے نائب رائے منوہر چند کی طرف سے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ فوجی
قید خانے سے بھاگے ہوئے چار قیدی نہایت خطرناک ہیں۔ کوئی شخص انہیں پناہ دینے کی کوشش نہ کرے
۔ ورنہ وہ اپنی مصیبت کا خود ذمہ دار ہوگا۔

نصف رات بیت چکی تھی۔ اشباح سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔ وہ ہلابہ کا سراغ لگانا چاہتا تھا لیکن ہر طرف موت کا پہرا
تھا۔ وہ ایک تاریک گلی میں ایک بند گھوڑا گاڑی کے عقب میں کھڑا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر چار مسلح پہریدار خوش
گپیوں میں مصروف تھے۔ کچھ دیر بعد انہیں فرض کا احساس ہوا اور وہ چاروں الگ الگ گلیوں میں گشت کے
لیے روانہ ہوگئے۔ جس پہریدار کے حصے میں یہ گلی آئی تھی وہ اشباح کے نشانے پر تھا۔ جونہی وہ ٹہلتا ہوا گھوڑا
گاڑ کے نزدیک سے گزرا۔ اشباح تاریکی سے نکلا اور پلک جھپکتے میں اس سے لپٹ گیا۔ اس کا اندازہ اتنا مکمل
تھا کہ تنومند پہریدار کو آواز نکالنے کی مہلت نہ ملی۔ اشباح کے آہنی ہاتھ نے اس کے ہونٹوں کو ڈھانپ لیا اور
دوسرے بازو نے کمر سے لپٹ کر خنجر اس کی پسلیوں سے لگا دیا۔ چند لمحوں کی مزاحمت نے پہریدار کو سمجھا دیا
کہ مقابل اس سے کہیں زیادہ توانا ہے۔ اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔ اشباح اسے گھسیٹتا ہوا گھوڑا گاڑی
کے اندر لے آیا۔ پہریدار کو لکڑی کے فرش پر پٹخ کر وہ اسکے سینے پر چڑھ بیٹھا اور خنجر اس کی شہ رگ پر رکھ دیا
۔ اشباح کے غضب ناک انداز نے پہریدار کو سہا کر رکھ دیا تھا۔

اشباح غرایا۔ "اگر آواز نکالی تو بے دریغ ذبح کردوں گا۔"

اور واقعی وہ اس قدر جھنجھلایا ہوا تھا کہ اگر پہریدار چالاکی دکھاتا تو وہ اسے بے موت مار دیتا۔ جلد ہی کانپتے
پہریدار نے اپنی غیر مشروط اطاعت کا اظہار کر دیا۔ اشباح نے اسے اپنے سامنے بٹھا لیا اور سوالات کرنے لگا
۔ اس کے سوالات کا خلاصہ یہ تھا کہ اسے یعنی پہریدار کو چار مغرور قیدیوں کے بارے میں کسی نئے واقعے کی
اطلاع ملی ہے؟ وہ صاف طور پر ہلابہ کا نام لینا نہیں چاہتا تھا کہ کہیں اس کی مشکلات میں اضافہ نہ ہو جائے
۔ پہریدار پہلے تو صاف انکار کرتا رہا۔ مگر جب اشباح نے بالوں سے پکڑ کر اسے دوبارہ فرش پر گرا دیا اور خنجر
آنکھوں کے سامنے نچایا تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور بولا۔

"مہاراج مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ آج شام بستی کے شمالی حصے میں چھاپہ مار کر تین آدمیوں کو گرفتار کیا
گیا ہے۔ اس وقت چھاؤنی کے قید خانے میں ان سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ اب سے کچھ دیر پہلے سردار
منوہر چند خود بھی چھاؤنی پہنچے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پوچھ گچھ اہم مراحلے میں داخل ہو گئی
ہے۔۔۔۔۔۔"

اشباح کی پیشانی پر پریشانی کی سلوٹ ابھری۔ پہریدار کی اطلاع اہم تھی لیکن اس سے ہلابہ کی گمشدگی پر کوئی
روشنی نہیں پڑتی تھی۔

اس نے کہا۔ "تمہیں پورا یقین ہے کہ کل صبح سے قید خانے میں کوئی اور قیدی نہیں لایا گیا؟"

پہریدار بولا۔ "سرکار میں معمولی ملازم ہوں، جو کچھ صحیح یا غلط میرے علم میں تھا آپ کو بتا دیا ہے۔"

اشباح غور سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ عیال دار شخص لگتا تھا اور جان کے خوف سے ادھ موا ہو رہا سا تھا۔ اشباح اسے جان سے مارنا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے یوں بھی کیسے چھوڑا جا سکتا تھا۔ اس نے اسے رخ پھیر کر بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ ڈرتا جھجکتا گھوم گیا۔ اشباح نے بڑی مہارت سے اس کے سر کے پچھلے حصے پر تلوار کے کندے سے ضرب لگائی اور بے ہوش کر دیا۔ اب وہ صبح سے پہلے بیدار ہونے والا نہیں تھا۔

اشباح محتاط انداز میں باہر نکلا اور دیواروں کے سائے سائے چلتا حویلی کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک طرح سے اس کی یہ تمام شب بیداری رائیگاں ہی گئی تھی۔

وہ حویلی کی عقبی گلی میں پہنچا تو ستاروں کے رخ رات تیسرے پہر کی اطلاع دے رہے تھے۔ صبح کاذب طلوع ہونے میں ابھی کوئی تین گھڑی کا وقت باقی تھا۔ دور سے اشباح کو ابدال غازی کی حویلی کا بیرونی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ یکایک اشباح ٹھٹک گیا۔ اسے کسی خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اور بھی احتیاط سے قدم اٹھانے لگا۔ گلی میں کچھ آگے اسے مکانوں کے دریچے روشن نظر آئے۔ کچھ لوگ چھتوں پر بھی کھڑے تھے۔ سب لوگ حویلی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اچانک کچھ فاصلے سے شور سنائی دیا۔ کوئی چالیس پچاس افراد بھاگتے ہوئے نمودار ہوئے اور خوفزدہ انداز میں بغلی گلیوں میں روپوش ہو گئے۔ ان کے عقب میں مسلح گھڑسوار تھے جو انہیں منتشر کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ اشباح کو احساس ہو رہا تھا کہ حویلی میں کوئی تماشہ ہوا ہے جسے دیکھنے کے لیے لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں اور گھڑسوار انہیں منتشر کر رہے ہیں۔

اشباح اسی ادھیڑ بن میں کھڑا تھا کہ دفعتاً کسی نے عقب سے آ کر اسے تھام لیا۔ اشباح بے حد پھرتی سے گھوما مقابل ایک شناسا شخص تھا۔ اشباح فوراً پہچان گیا۔ وہ حویلی میں اس کی خدمت پر معمور تھا۔ اس وقت اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اشباح کو دیکھ کر اس کے آنسو نکل آئے۔ رندھے ہوئے گلے سے بولا۔

"جناب بہت بڑا ظلم ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔ آپ کی جان خطرے میں ہے فوراً میرے ساتھ آیئے۔" وہ بے قراری میں اشباح کا بازو پکڑ کر کھینچنے لگا۔

اشباح نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "کچھ بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟"

وہ بولا۔ صاحب، بس کچھ نہ پوچھو۔ آپ کے ساتھی پکڑے گئے ہیں۔ ظالموں نے بڑے صاحب کو جان سے مار ڈالا ہے چھوٹے صاحب کے پیچھے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ پوری حویلی کو لوٹ لیا گیا ہے۔"

اشباح کے جسم کا خون اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا۔ سینہ شوقِ شہادت سے لبریز ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے جی میں آئی کہ تلوار بے نیام کر کے نعرہ تکبیر بلند کرتا ہوا آتشِ نمرود میں کود پڑے۔ دشمن سے اتنا لڑے کہ اس کے بازو شل ہو جائیں۔ اور پھر اس کے بدن کے چیتھڑے اڑ جائیں اور ریشہ ریشہ خونِ شہادت میں ڈوب کر پیوند خاک ہو جائے۔۔۔۔۔۔ مگر پھر ایک سچے مسلمان سپاہی کی طرح اس نے اپنے جذبات کو لگام دی۔ وہ ایک بہت بڑے مقصد کے تحت یہاں پہنچا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اسے جوش کے ساتھ ساتھ ہوش کو بھی بروئے کار لانا تھا۔ خادم ابھی تک بے چینی سے اس کا بازو کھینچ رہا تھا۔ اشباح اس کے ساتھ چل دیا۔ دونوں نیم تاریک گلیوں میں بھاگتے ہوئے حویلی سے کافی دور نکل آئے۔ آخر ایک کچی بستی

کے چھوٹے سے مکان میں داخل ہوگئے۔یہ مکان بھی پوری بستی کی طرح اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا لیکن ایک کمرے کے خستہ دروازے میں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ادھیڑ عمر خادم اشباح کو لے کر اس دروازے میں داخل ہوگیا۔ایک بوسیدہ چٹائی پر اس علاقے کا سب سے بڑا زمیندار، مانک وجے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا اس نے تھکے ہوئے انداز میں دیوار سے ٹیک لگا رکھی تھی اور لباس پر خون کے چھینٹے تھے۔ان کی آہٹ سن کر نوجوان مانک نے آنکھیں کھول لیں وہ رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔اشباح کو دیکھ کر اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"اشباح بھائی، ظالموں نے چچا جان کو مار ڈالا۔ان کا سر تن سے جدا کر کے اسے نیزے پر چڑھا دیا گیا۔حویلی کے کئی ملازموں کو ٹکڑے کر دیا گیا لیکن اس سے بڑھ کر افسوس کیا ہوگا کہ آپ کے ساتھی اور ہمارے عزیز مہمان پھر بھی گرفتاری سے بچ نہ سکے۔

اشباح حیرت سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ابدال غازی کا سرخ و سپید باعزم چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔اس نے اشباح اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دی تھی اور جان دے کر پناہ کا حق ادا کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔۔وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ابدال غازی اتنی جلدی ان سے جدا ہو جائے گا۔دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔"

کون؟" خادم نے ڈرے ڈرے لہجے میں پوچھا۔

"جگدیش کے پتا یہ میں ہوں۔" باہر سے صاحبِ خانہ کی بیوی نے سہمی ہوئی سرگوشی کی۔

"کیوں کیا بات ہے؟" مانک کے خادم نے پوچھا۔

"گلی میں کوئی کہہ رہا ہے کہ کوئی دستہ اس طرف آ رہا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے تو کمرے میں جا کر لیٹ جا۔" یہ کہتے ہوئے خادم نے پھونک مار کر چراغ گل کر دیا۔کمرے میں گہری تاریکی چھا گئی۔اس تاریکی میں کہیں دور سے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائیں دے رہی تھیں۔

مانک نے کہا۔"میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے چلنا چاہیئے۔سب سے پہلے اس گھر کی تلاشی ہوگی۔"

اشباح نے کہا۔"آپ بالکل درست کہتے ہیں۔اہلِ خانہ کو مصیبت میں ڈالنے اور چوہے کی طرح پھنسنے کی بجائے بہتر ہے کہ ہم اپنی کوشش کر لیں۔"

خادم کے روکنے کے باوجود دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔اشباح نے جلدی سے چراغ جلایا۔چٹائی پر خون کے دھبے پڑ گئے تھے۔انہیں اپنے رومال سے صاف کیا۔مانک کے لباس سے عطریات کی خوشبو پورے کمرے میں پھیل گئی تھی۔اس خوشبو کو ختم کرنے کے لیے اس نے کمرے کی کھڑکیاں کھول دیں۔پھر دونوں تلواریں سنبھال کر جانے کے لیے تیار ہوگئے۔وفادار غلام ہچکیاں لیتا ہو مانک کے قدموں میں گر گیا۔اسے تسلی دے کر مانک اور اشباح نے ایک کھڑکی کی دہلیز پھلانگی اور گھر کی عقبی جانب آ گئے۔چند ہی لمحے بعد وہ دیوار پھاند کر اندھیری گلی میں بھاگ رہے تھے۔رخِ مہتاب پر ابر سیاہ کے ٹکڑے نے سایہ کر دیا تھا۔چاندنی دور دور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔ان کے سامنے رات کی تاریکی تھی اور عقب میں موت کی تاریکی۔اگر کہیں روشنی تھی تو ان کے دلوں میں تھی۔وہی روشنی جو دل کے نہاں خانوں میں امید بن کر جگمگاتی ہے اور خارزار حق میں اترنے والے جوانوں کو راستہ دکھاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلابہ دستہ سالار پورب کمار کی قید میں تھی۔اب وہ سب کچھ سمجھ چکی تھی۔پورب کمار اسے قید خانے میں لے جانے کے بجائے اپنے گھر لے آیا تھا۔ہلابہ اس کی آنکھوں میں شیطانی جذبوں کی چمک دیکھ چکی تھی۔کل وہ دوبارہ آنے کا کہہ کر چلا گیا تھا۔۔۔۔۔۔اور اس وقت شام ہونے والی تھی۔وہ شیطان صفت شخص کسی وقت بھی اس کمرے میں داخل ہو سکتا تھا۔ہلابہ کے ہاتھ بدستور بندھے ہوئے تھے اور وہ مسہری پر بیٹھی گہری سوچ میں گم تھی۔وہ جب حویلی سے نکلی تھی تو اس ارادہ پرماتما کے محل تک پہنچنے کا تھا وہ کسی طرح پرماتما تک رسائی حاصل کر کے اس کا قصہ پاک کرنا چاہتی تھی۔اس کے علاوہ وہ اس مسلمان لڑکی کو آزاد کرانے کی خواہشمند بھی تھی جو بے شمار دوسری بدقسمت لڑکیوں کی طرح پرماتما کے محل میں تھیں۔ان لڑکیوں کے عزیز واقارب مانک ہی کی طرح ان کی جدائی میں بے حال تھے۔نہ جانے کون کون فرش پر پچھاڑیں کھاتا اور دیواروں سے سر ٹکراتا تھا۔ہلابہ کو یقین تھا کہ چندا نامی جس مسلمان لڑکی کی پتلی مانک کی خواب گاہ میں ہے اور جس کی یاد میں وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہے وہ زندہ سلامت اپنی "آتما" اور اپنے جسم کے ساتھ پرماتما کے عشرت کدے ہیں موجود ہو گی۔ہلابہ نے اس لڑکی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔اس کی آواز نہیں سنی تھی۔وہ کوئی بھی تھی لیکن اس کی مسلمان بہن تھی اور ایک ظالم کے پنجہ استبداد میں تھی۔

جب سے ہلابہ نے مانک کی آواز سنی تھی اور اس کی تڑپ دیکھی تھی اس کے دل میں پرماتما کی خدائی سے ٹکرانے کا جذبہ شدید تر ہوا تھا۔وہ دوسروں کی محبتیں لوٹانے کے لیے۔دوسروں کو سکھ پہنچانے کے لیے، ایک اعلیٰ مقصد کے تحت اپنا آپ قربان کر سکتی تھی۔۔۔۔۔یہی سوچیں تھیں جو اسے حویلی سے باہر لائی

تھیں، لیکن اس سفر کے آغاز کے بعد جو کچھ ہوا تھا وہ قطعی خلافِ توقع تھا۔وہ کوشش کے باوجود پرماتما کی سلطنت میں پر نہیں مار سکی تھی اور اب ایک ہوس پرست کی قید میں تھی۔تاہم وہ مایوس نہی تھی۔اس کے پاس ہارنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔۔۔۔۔۔۔۔کچھ بھی نہیں تھا اور جیتنے کے لیے بہت کچھ تھا۔وہ خاموشی سے پورب کمار کا انتظار کرتی رہی آخر جب شام گہری ہوئی تو ایک خادمہ نے آکر شمعدان روشن کیے اور ایک خوبصورت لباس ہلابہ کے لیے تپائی پر رکھ کر اور اس کے ہاتھ کھول کر چلی گئی۔ہلابہ نے ایک نفرت انگیز نگاہ اس لباس پر ڈالی اور لاتعلقی سے بیٹھی رہی۔پھر پورب کمار دروازہ کھول کر دندناتا ہوا اندر داخل ہوا۔اس کے عقب میں جلے ہوئے چہرے والا ایک لنگڑا خادم تھا۔اس نے ہاتھوں میں ایک بڑا طشت اٹھا رکھا تھا۔طشت کمرے میں رکھ کر اور ادب سے سر جھکا کر باہر چلا گیا۔پورب کمار نے دروازہ اندر سے بند کر دیا اور بڑے اعتماد کے ساتھ ہلابہ کے سامنے آ بیٹھا۔اس کے اعتماد کی وجہ ظاہر تھی۔کمرے میں کوئی ایسی شے نہیں تھی جسے ہلابہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکے اور پورب کمار پوری طرح مسلح اور چوکس تھا۔

"میری رانی۔" وہ تمسخر سے بولا۔تو نے کل سے بھوجن نہیں کیا۔اگر کہتی ہے تو اپنے ہاتھ سے کھلا دوں؟"

"میں کھا۔۔۔۔۔۔سکتی ہوں۔۔۔۔۔۔لیکن بھوک نہیں۔" ہلابہ نے اٹک اٹک کر کہا۔

""پھر تھوڑی سی شراب پی لو۔" اس نے بدبودار جام اس کے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔ہلابہ نے نفرت سے سر پیچھے ہٹا لیا۔"پی لو، میری شہزادی۔" پورب کمار آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ہلابہ نے ہاتھ جھٹک کر جام

پیچھے ہٹادیا۔وہ چلک کر نیچے جا گرا۔یکایک پورب کمار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا غرا کر بولا۔"لگتا ہے تیرا مغز ٹھیک نہیں ہوا۔تونے لباس بدلا ہے نہ تیرے چہرے پر مسکان ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ سب کیوں ہے؟"

ہلابہ خاموش رہی اور بڑے وقار سے اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔یکایک پورب کمار کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔وہ غرایا۔"تیرے کرموں کی سزا، تیرے شریر کو بھگتنا پڑے گی۔"اس نے کھانے کا طشت اٹھایا اور کسی وحشی درندے کی طرح ہلابہ پر جھپٹا، لیکن وہ بھول رہا تھا کہ یہ اس کی ریاست کی کوئی سدھائی ہوئی ہرنی نہیں ،جنگل کی آزاد شیرنی ہے۔۔۔۔۔۔۔ریگزارِ عرب کے سخت موسموں نے اسے پالا ہے۔سچے جذبوں نے اس کے جسم کو توانائیوں کا سرچشمہ بنایا ہے اور ناکامی، آرزو نے اسے خاکستر کرنے کی صلاحیت بخشی ہے۔اس نے شدتِ پیاس میں پانی کے بجائے پارے کا پیالہ تھام لیا تھا۔جونہی اس نے شانوں پر ہاتھ رکھ کر ہلابہ کو گرایا۔اس نے جھپٹ کر اس کی لمبی بودی (چوٹی) پکڑی اور ایسی شدت سے جھٹکا دیا کہ اس کی گردن مڑ گئی اور سر فرش سے جالگا۔تنومند پورب کمار نے تیزی سے سہارا لیا اور ایک زور کا تھپڑ ہلابہ کے منہ پر مارا۔بودی ہلابہ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ لڑکھڑا کر ایک تپائی پر گری۔

پورب کمار پھنکارتا ہوا اٹھا اور ہلابہ پر چھلانگ لگادی۔وہ بے حد پھرتی سے کروٹ بدل گئی اور ایک زوردار ٹانگ اس کی پسلیوں میں لگائی۔یہ ٹانگ کچھ ایسی کارگر ثابت ہوئی کہ پورب تکلیف سے دوہرا ہو گیا۔اس نے جھکے جھکے اپنے پہلو سے پیش قبض کھینچ لی۔تیز دھار پیش قبض دیکھ کر ہلابہ ایک ساعت کے لیے ٹھٹک گئی مگر اگلے ہی لمحے اس نے تانبے کا ایک گلدان اٹھایا اور پوری قوت سے پورب کے ہاتھ پر دے مارا۔پیش قبض اس کے ہاتھ سے نکل کر چھناکے کے ساتھ فرش پر گری۔ہلابہ بجلی کی طرح لپکی اور پیش قبض اپنے قبضے میں کر

لی۔پورب کمار اس تیزی پر حیران رہ گیا۔جدوجہد میں ہلابہ کے ریشمی بال کھل چکے تھے اور جوش سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔جان بچانے کے لیے پورب کمار نے لیٹے لیٹے دونوں ہاتھ سامنے پھیلا دیے۔ہلابہ کا وار اس نے بائیں ہاتھ پر روکا اور اس کی کلائی تھام لی۔دونوں میں زبردست جدوجہد ہونے لگی۔جوش وجذبے نے ہلابہ کی جسمانی طاقت کو دوگنا کر دیا تھا۔یکایک پورپ کمار مدد کے لیے چلانے لگا۔"گنگے ۔۔۔۔۔۔گنگے۔"اس کی تیسری آواز پر بغلی دروازہ کھلا اور وہی بگڑے ہوئے چہرے والا لنگڑا اندر داخل ہوا۔اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے اور ہاتھ میں لمبے پھل کا خم دار خنجر۔ایک لمحے کے لیے دروازے پر رک کر اس نے صورتِ حال کا جائزہ لیا پھر لپک کر ہلابہ کے سر پر پہنچا۔خنجر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سر سے بلند کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور پوری قوت سے پورب کمار کے دل میں پیوست کر دیا پورب کی آنکھیں دہشت اور حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔منہ کا تاریک غار خود بخود کھل گیا۔پھر اس تاریک غار سے خون کا فوارہ نکلا اور اس کے کپڑوں کو بھگونے لگا۔ہلابہ کی کلائی پر پورب کمار کی گرفت ختم ہو چکی تھی۔دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا ہلابہ جیسے کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی یہ کیا ہوا ہے۔

لنگڑا خادم جسے پورب کمار نے گنگے کہہ کر بلایا تھا ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ہلابہ کو ایک بار پھر خطرے کا احساس ہونے لگا مگر اس کے برعکس لنگڑا خادم آہستگی سے اس کے قریب بیٹھ گیا اور سرگوشی میں بولا۔

""مالکن، ہمیں اس لاش کو فوراً ٹھکانے لگانا ہو گا ورنہ بڑی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔آپ کوئی کپڑا لے کر یہاں سے خون کے دھبے صاف کریں اور کمرے کی چیزوں کو ترتیب سے رکھ دیں میں باہر کا جائزہ لے کر ابھی آتا ہوں۔"یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور ہلابہ کمرہ بند کر کے جلدی جلدی کمرہ ٹھیک کرنے لگی۔تھوڑی دیر بعد

دروازے پر مدھم دستک ہوئی اور ہلابہ نے اپنے مددگار کی آواز پہچان کر دروازہ کھولا۔ اس کے پاس ایک بڑی بوری اور ایک موٹی چادر تھی۔ یہ موٹی چادر اس نے لاش کے گرد لپیٹ کر اسے بوری میں بند کر دیا۔ پھر اس وزنی بوری کو کمال ہمت سے کندھے پر لاد کر باہر نکلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ ہلابہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

کمرے کے تمام شمعدان بجا کر وہ بہ آہستگی باہر نکل آئے۔ غالباً ارد گرد کوئی دوسرا ملازم موجود نہیں تھا یا ہلابہ کے مددگار نے انہیں ادھر ادھر کر دیا تھا۔ وہ ایک راہداری سے ہو کر آسانی سے مکان کی عقبی سمت نکل آئے۔ یہاں ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا باغیچہ اور مکان کی بیرونی چار دیواری مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہلابہ کے مددگار نے ایک جگہ بوری کندھے سے اتاری اور ایک بیلچے کی مدد سے زمین کھودنے لگا۔ وہ بڑی تیزی اور توانائی سے کام کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ہانپ گیا تو ہلابہ نے اس کی مدد کی۔ آخر وہ دونوں ایک مناسب گہرائی کی قبر کھودنے میں کامیاب ہو گئے۔

شیطان صفت پورب کمار کو اس قبر میں اتار کر اور زمین لو اوپر سے ہموار کرنے کے بعد وہ دونوں تھوڑی دیر بیٹھ کر سانسیں درست کرتے رہے۔ پھر ہلابہ کے مددگار نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ باغیچے سے نکل کر وہ مکان کے پہلو میں آ گئے۔ یہاں تنگ سا زینہ زمین سے اترتا تھا۔ زینہ طے کر کے وہ لوہے کے ایک دروازے کے سامنے پہنچے۔ ہلابہ کے مددگار نے اپنے لباس میں سے ایک موم بتی اور ایک چابی نکالی۔ موم بتی جلا کر اس نے زنگ آلود چابی سے آہنی دروازہ کھولا اور ہلابہ کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ہلابہ کے پاس پورب کمار کی قبض ابھی تک موجود تھی اور اس کا ذہن خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو خود کو ایک سیلن زدہ بدبودار تہہ خانے میں پایا۔ دیواروں پر جالے لگے ہوئے تھے اور بہت سا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔

وہ شخص لجاجت سے بولا۔ "مالکن، میرا نام گنگا رام ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ایسی ناصاف جگہ ٹھہرانے پر مجبور ہوں، لیکن معاف کیجئے۔ میں بہت جلد آپ کو یہاں سے نکال لوں گا۔"

ہلابہ نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا۔ "گنگا رام تم کون ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور میری مدد کیوں کر رہے ہو؟"

گنگا رام نے کہا۔ "مالکن، میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا، لیکن اس وقت مجھے کچھ ضروری کام کرنے ہیں کل آرام سے بات ہو گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ بالکل شانت ہو کر سو جایئے۔ یہاں میرے سوا کوئی نہیں آئے گا۔"

گنگا رام آہنی دروازے کو باہر سے مقفل کر کے چلا گیا۔ شمع دان کی مدھم روشنی میں ہلابہ کچھ دیر بے قراری سے پھرتی رہی پھر تھک کر ایک بوسیدہ قالین بچھا کر لیٹ گئی۔

اس تہہ خانے میں دن اور رات کا کچھ احساس نہیں ہوتا تھا۔ ہلابہ نہ جانے کتنی دیر سوئی رہی۔ پھر اس نے اٹھ کر تیمم کیا اور فجر کی نماز ادا کرنے لگی۔ مگر اس وقت سورج اپنا ایک چوتھائی سفر طے کر چکا تھا۔ گنگا رام آیا اور اس نے ہلابہ کو کھانا دیا اور بڑی جلدی واپس چلا گیا۔ ہلابہ بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ جس وقت وہ واپس آیا اس وقت تہہ خانے کے باہر بھی گہری تاریکی پھیل چکی تھی۔ گنگا رام کے ہاتھ میں کھانے کا طشت تھا۔ بھنا ہوا گوشت، سبزی اور روٹیاں۔ وہ بڑے اہتمام سے کھانا لایا تھا اور خود بھی جلدی میں نہیں تھا۔ ہلابہ نے محسوس کیا کہ وہ خاصا مطمئن ہے۔ دروازہ اندر سے مقفل کرنے کے بعد اس نے ہلابہ کو کھانا کھلایا۔ پھر دونوں شمع کی

روشنی میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ گنگارام نے بتایا کہ پورب کمار کے قتل کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔

اس نے کہا "پورب کمار، آپ کو بڑی رازداری سے یہاں لایا تھا۔ میرے علاوہ صرف تین ملازموں کو اس بارے میں علم تھا اور وہ تینوں بھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ رات آپ اور پورب کمار میں جدوجہد ہوئی ہے۔ آپ اسے دھوکا دے کر نکل بھاگی ہیں اور وہ آپ کا پیچھا کرتا ہوا نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔"

ہلابہ نے کل رات والا سوال پھر دہرایا۔ تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میری مدد کیوں کر رہے ہو؟"

گنگارام نے کہا۔ مالکن، اس سوال کا سیدھا سادا جواب تو یہ ہے کہ میں آپ کو پورب کے ظلم و ستم سے بچنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ میں ایک عرصہ سے پورب کے ساتھ تھا، میں جانتا تھا کہ وہ کیسا اور بدفطرت شخص ہے۔ وہ اپنی خواہشات پوری کرنے کے بعد آپ کو تشدد کا نشانہ بناتا اور آپ کے باقی تین ساتھیوں کا پتا ٹھکانہ پوچھتا۔ پھر وہ آپ کی ہتھیا کر دیتا اور آپ کے ساتھیوں کو پکڑ کر پرماتما کے حوالے کر دیتا۔"

ہلابہ یہ جان کر حیران ہوئی کہ گنگارام نہ صرف اس کے بارے میں جانتا ہے بلکہ اس کے ساتھیوں کا بھی اسے علم ہے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے مفرور ہونے کی خبر پورے علاقے میں پھیل چکی ہے۔ ہلابہ نے گنگا رام سے کہا۔

"میں حیران ہوں کہ تم ایک انجان عورت کی خاطر اپنے دیرینہ مالک سے بے وفائی کر رہے ہو۔"

گنگارام، ہلابہ کا مطمع نظر سمجھتے ہوئے بولا۔ "مالکن، میں دھوکے باز نہیں ہوں۔ لیکن جسے آپ میرا مالک کہہ رہی ہیں، وہ میرا مالک نہیں دشمن تھا۔"

ہلابہ نے دیکھا گنگارام کے جلے ہوئے چہرے پر ایک نفرت انگیز تاثر پھیل گیا ہے۔ وہ ایک گہری اور تلخ سانس پھر کر بولا۔

"میں شوور ہوں۔۔۔ نیچ ذات کا۔۔۔۔۔۔ کمینہ اور بدنصیب۔ میری قسمت میں برہمنوں اور کھتریوں کے جوتوں میں بیٹھنا اور ان کے دھکے کھانا لکھا ہے۔ میں کتنا بھی اچھا ہو جاؤں، کیسا بھی وفادار بن جاؤں۔ کتنی بے غیرتی اختیار کر لوں مگر اونچی ذات کے لوگ مجھ سے خوش نہیں ہوں گے۔ وہ مجھے پاؤں تلے مسل کر مٹی میں ملانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ میں بھی پورب کمار کا وفادار ملازم تھا۔ اس کے چرنوں میں سر رکھتا تھا مگر میرا یہ دوش تھا کہ میں خوبصورت تھا یہی خوبصورتی میرے لیے وبال بن گئی۔ ایک روز پورب کمار کی سورگ باشی پتنی نے میرے چوڑے چکلے جسم کی تعریف کر دی بس اسی روز سے پورب کمار اندر ہی اندر مجھے سزائیں دینے کے لئے بہانے ڈھونڈنے لگا۔ ہم نیچ ذات کے لوگوں کے لئے حکم ہوتا ہے کہ دھوپ میں چلتے وقت احتیاط رکھیں کہ کہیں ہمارا سایہ کسی برہمن یا کھتری کے پوتر جسم پر نہ پڑ جائے۔ ایک روز مجھ سے اتنی سی غلطی ہو گئی کہ میرا سایہ پورب کمار کے ایک عزت دار مہمان پر پڑ گیا۔ وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ ایک جلتی ہوئی لکڑی سے مجھے اس قدر مارا کہ دیکھنے والے کانوں کو ہاتھ لگانے لگے۔ میری ٹانگ ٹوٹ گئی اور چہرہ جل گیا۔ اصل نے پورب نے مجھے نہیں مارا تھا، میری خوبصورتی کو مارا تھا۔ مجھے بدصورت کر کے وہ شانت ہو گیا۔ میں شرم کا مارا، منہ چھپا کر کہیں چلا جانا چاہتا تھا لیکن میری سزا ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ پورب کمار نے

مجھے زبردستی اپنی خدمت میں رہنے پر مجبور کر دیا میں جب جلے ہوئے چہرے کے ساتھ لنگڑاتا ہوا مکان میں پھرتا تو اس راکھشس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ کھیل جاتی تھی۔۔۔۔۔۔۔اب آپ ہی بتائیے۔وہ میرا مالک تھا یا دشمن۔اس کی خدمت میں میں نے جو اذیت ناک سال گزارے،وہ میں ہی جانتا ہوں۔کل رات بھگوان نے مجھے جو شکتی دی وہ میرے صبر کا نتیجہ تھا۔میں آپ کو بچانا چاہتا تھا۔میں جانتا تھا کہ آپ کے ساتھ کیا برتاؤ ہونے والا ہے۔مجھے آپ کی سندرتا اور آپ کی پوترتا پر ترس آ رہا تھا۔میں آپ کو بچانا چاہتا تھا ۔پھر جب میں نے دیکھا کہ آپ نے بڑی ہمت سے راکھشس کا مقابلہ شروع کیا ہے اور اس کے دانت کھٹے کر رہی ہیں تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس لڑائی میں آپ کو ہارنے نہیں دوں گا۔جب اس نے آپ کی کلائی جکڑلی تو میں اندر آنے کو بالکل تیار تھا۔۔۔۔۔۔پھر اس کی آواز پڑتے ہی میں اندر داخل ہو گیا۔"

ہلابہ احسان مندی کی نظروں سے گنگارام کا چہرہ دیکھنے لگی۔کچھ دیر دونوں گزرے ہوئے واقعات کو ذہن میں تازہ کرتے رہے پھر گنگارام نے کہا۔

"مالکن،میں نہیں جانتا کہ آپ کے ساتھی اس وقت کہاں ہیں۔۔۔۔۔۔۔اور مجھے پوچھنے کا حق بھی نہیں ہے مگر اتنا ضرور کہ آپ اس پاپ کی نگری میں اکیلی نکلیں گی تو پورب جیسے شیطان چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔مناسب ترین بات یہ ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں میں واپس پہنچ جائیں۔"

ہلابہ نے کہا۔"گنگارام تم ٹھیک کہتے ہو۔"

گنگارام بولا۔"تو پھر آپ بتائیں۔۔۔۔۔۔۔کہ میں آپ کو کہاں تک پہنچانے کا انتظام کروں۔"

ہلابہ نے بے خیالی میں شمع کے شعلے کو گھورتے ہوئے کہا۔"گنگارام،میں پیچھے نہیں آگے جانا چاہتی ہوں ۔اگر تم میرے لیے کچھ کر سکتے ہو تو اتنا کرو کہ مجھے پرماتما تک پہنچنے کا طریقہ بتادو۔"

گنگارام پرخیال نظروں سے ہلابہ کو دیکھتا رہا پھر بولا۔"میرا قیاس ہے کہ آپ کسی بڑے ارادے سے نکلی ہیں ،لیکن آپ شاید اس اندھیری نگری کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتیں۔پرماتما تک پہنچنے سے پہلے طلسم کے ایک ایسے جال سے گزرنا پڑتا ہے جسے سینکڑوں برس سے کوئی نہیں توڑ سکا اور نہ توڑ سکے گا۔ماضی میں کئی بد قسمت گیانی دھیانی۔جادوگر اور سادھو یہ کوشش کر چکے ہیں اور عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے ہیں۔اپنی پیچ،کمینی عقل کے مطابق میں آپ کو صرف اتنا مشورہ دے سکتا ہوں کہ کسی خطرناک ارادے سے پرماتما تک رسائی کا خیال ترک کر دیں۔"

ہلابہ نے عجیب اعتماد سے کہا۔گنگارام،میں تمہارے مشورے کی قدر و قیمت جانتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن میرے پاس ایک ایسا اسم اعظم ہے جو ہر مشکل پر قابو پا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔تم کوئی ایسی صورت بتاؤ کہ میں پرماتما کی اندھیری نگری میں داخل ہو سکوں۔"

گنگارام ہلابہ کی پرعزم آنکھوں کو دیکھتا رہا۔ان خوبصورت آنکھوں میں کوئی ایسی آگ جل رہی تھی جو گنگارام نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔اس آگ میں کچھ ان کہی کہانیاں تھیں اور ایسی تپش تھی جو پتھر کو راکھ بنانے کا دعویٰ کرتی تھی۔ایکا ایکی گنگارام کے چہرے پر چمک نظر آنے لگی۔وہ پرسوچ لہجے میں بولا۔

"مالکن، ایک صورت تو پیدا ہو سکتی ہے، لیکن ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ اچھی طرح سوچ وچار کر لیں۔"

ہلابہ نے کہا۔ "گنگارام تم میری مدد کرو نہ کرو۔۔۔۔۔۔۔ مجھے ہر صورت جھیل کے پار پہنچنا ہے۔ میں نے جو سوچنا تھا سوچ چکی ہوں۔ "

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مانک اور اشباح پورے آٹھ پہر سے درختوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے۔ ان کی چاروں طرف لمبی خودرو گھاس تھی۔ دھوپ کی شدت نے اس گھاس کو زرد کر دیا تھا اور اس کے کنارے نہایت کٹیلے ہو گئے تھے ۔ پسینے میں بھیگے ہوئے جسموں پر جب یہ گھاس چر کہ لگاتی تو جسم میں مرچیں سی بھر جاتیں۔ بھوک اور پیاس نے ان دونوں کو نڈھال کر رکھا تھا۔ لباس پھٹے ہوئے اور کیچڑ آلود تھے۔ قریب ہی ایک آبی نالہ تھا وہ اسے پار کر کے نسبتاً محفوظ علاقے میں پہنچ سکتے تھے لیکن نالے پر کڑا پہرہ تھا اور سرخ پوش گھڑ سواروں کی آوازیں یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔ اب ان دونوں کو شب کی تاریکی کا انتظار تھا تاکہ یہاں سے نکلنے کے لیے قسمت آزما سکیں۔ شباح کو رہ رہ کر ابدال غازی کی موت اور ساتھیوں کی گرفتاری کا غم بھی ستا رہا تھا، نہ جانے وہ اس وقت کہاں تھے اور ان پر کیا گزر رہی تھی۔

شام ہونے میں ابھی کافی دیر تھی جب انہیں اپنے بالکل قریب گھڑ سواروں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر اشباح اور مانک پر انکشاف ہوا کہ نالے کے کنارے کنارے گھنی گھاس میں ان کی تلاش شروع ہو چکی ہے

۔ ایک طرح مصیبت سر پر پہنچ چکی تھی۔۔۔۔۔۔۔ وہ دم سادھے بیٹھے رہے۔ پھر جونہی گھڑ سوار نزدیک پہنچے انہوں نے گھاس میں رینگتے ہوئے مخالف سمت میں حرکت شروع کر دی۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی جانب سے گھڑ سواروں کی زد سے نکل جائیں، لیکن وہ بڑے منظّم طریقے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ آخر اشباح اور مانک نے خود کو حالات کے سپرد کر دیا اور گھاس سے ڈھکے ہوئے ایک گڑھے میں اوندھے لیٹ گئے ۔ انہیں امید تھی کہ گھڑ سوار انہیں دیکھے بغیر گزر جائیں گے۔۔۔۔۔۔۔ یہ گڑھا چھپنے کے لیے واقعی مناسب ترین جگہ تھی۔ دو گھوڑے اس گھڑھے کے دائیں بائیں سے گزر گئے اور انہوں نے اپنی سلامتی پر شکر ادا کیا ۔ جب تلاش کا کام ختم ہوا اور گھڑ سوار دوبارہ نالے کی سمت چلے گئے تو اشباح اور مانک اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت اشباح کی نظر مانک کی ٹانگ پر پڑی۔ وہاں سے خون ابل رہا تھا۔ اشباح ششدر رہ گیا۔ گھڑ سوار گھاس میں نیزے چبھوتے ہوئے گزر رہے تھے اور ایک نیزہ مانک کی ٹانگ کو چھید گیا تھا۔ اس نے واقعتاً بڑی ہمت کا ثبوت دیا تھا اور کاری زخم کھانے کے باوجود آہ نہیں بھری تھی۔ اشباح نے باریک مٹی رکھ کر اس کا خون روکا اور جلدی جلدی پٹی باندھ دی۔ مانک سخت تکلیف میں تھا۔

اب شام کا ملگجا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ جلد ہی تاریکی گہری ہو گئی۔ اشباح نے مانک کو کندھے پر اٹھایا اور اس پر خطر بیلے سے نکلنے کو تیار ہو گیا۔ اس وقت اس کی نگاہ اطراف میں پڑی اور وہ بری طرح چونک گیا۔ ان کا گھیراؤ کرنے والے اتنی آسانی سے ان کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے۔ انہوں نے خشک گھاس کو تین اطراف سے آگ لگا دی تھی جو سرخ روشنی بکھیرتی دم بدم بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ قدمِ آدم گھاس دھڑا دھڑ جل رہی تھی اور ان کے گرد موت کا گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ مانک کراہا۔

اشباح بھائی، آپ مجھے یہیں چھوڑ دیں۔ میں خود کو سپاہیوں کے حوالے کر دیتا ہوں۔ آپ اپنی جان بچانے کی کوشش کریں۔""""

اشباح اس بات پر کان کیسے دھر سکتا تھا؟ وہ ایک مسلمان تھا حلقہ دوستاں میں بریشم کی طرح نرم اور حلقہ دشمناں میں مانند فولاد۔ اس کا مذہب احسان فراموشی نہیں قربانی سکھاتا تھا۔ اس کے عقیدے نے اسے بسم اللہ کہہ کر آگ کے دریا میں کودنا سکھایا تھا۔ وہ پیچھے کیسے ہٹ سکتا تھا۔ اس نے مانک کو مظبوطی سے اپنے کشادہ کندھے پر تھاما اور سر کھکا کر گھامیں آگے بڑھنے لگا۔۔۔۔۔۔۔ وہ اپنے زخمی ساتھی کے لیے آخری لمحے تک جدوجہد کرنا چاہتا تھا، لیکن اسے معلوم نہیں تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ ہونی ہو کر رہے گی۔۔۔۔۔۔ وہ اسے بچا نہیں پائے گا۔ ایک کھائی کو پھلانگ کر جونہی اس نے خاردار جنگلی جھاڑیوں میں بھاگنا شروع کیا۔۔۔۔۔۔ اچانک خرخر کی عجیب آوازیں آنے لگیں۔ وہ ذرا سا آگے بڑھا تو چار خونخوار جنگلی سور اور ان کے بچے سامنے آ گئے۔ آگ کی تپش اور دھوئیں نے ان موذی جانوروں کو بھی پریشان کر رکھا تھا۔ اشباح کو دیکھتے ہی وہ مشتعل ہو گئے اور حملے کے لیے اپنے سر جھکا لیے۔ اشباح نے دھوئیں سے آنسو بہاتی آنکھوں کے ساتھ عقب میں دیکھا وہاں سرخ پوش گھڑ سواروں کی سرخ ٹوپیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ موذہ درندوں کے تین غولوں کے درمیان گھر گیا تھا۔ ایک طرف شعلوں کے سانپ پھنکار رہے تھے دوسری طرف خون آشام سوروں کی تھوتھنیاں تھیں اور تیسری طرف۔۔۔۔۔۔ تیسری طرف بھی سور ہی تھے سرخ پوش سور۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح نے اپنی تلوار برآمد کی اور موذی جانوروں کے مقابلے کے تیار ہو گیا۔ سور تعداد میں آٹھ تھے۔ ان میں سے چار بڑے اور چار بچے تھے۔ دو بڑے سور تھوتھنیاں جھکا کر خونخوار انداز میں اشباح پر جھپٹے۔ اشباح زخمی مانک کو کندھے پر تھامے بے حرکت کھڑا رہا۔ جونہی سور قریب پہنچے اشباح نے جست لگائی اور ہوا میں اڑتا ہوا ایک جھائی پار کر گیا۔ جست لگاتے ہوئے اس کی تلوار چمکی تھی اور اس چمک کے ساتھ ہی ایک سور کا اگلا پاؤں کٹ کر علیحدہ ہو گیا تھا۔ زخم کھا کر موذی جانور لمبی زرد گھاس میں لوٹ پوٹ ہونے لگا جبکہ اس کے ساتھ رخ پھیر کر ایک بار پھر اشباح کی طرف بڑھے۔ اس بار ان سوروں میں غضب سے زیادہ خوف کا عنصر تھا۔ اشباح نے محسوس کیا کہ موذی جانور آگ کی تپش سے سخت گھبرائے ہوئے ہیں اور اگر وہ ان کا راستہ چھوڑ دے تو اس سے وہ سیدھے نکلے چلے جائیں گے۔ پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ جونہی جانور غراتے ہوئے اس کے قریب پہنچے اس نے پھرتی سے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔ سور الجھے بغیر سرپٹ بھاگتے چلے گئے۔ اب ان کا رخ سرخ پوشوں کی طرف تھا۔ اشباح نے دھوئیں کے مرغولوں میں دیکھا دو سرخ پوش سوروں کی ٹکر کھا کر چلاتے ہوئے ہوا میں اچھلے اور کچھ بدحواسی میں دائیں بائیں بھاگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مشتعل جانوروں نے سرخ پوشوں میں بھگدڑ مچا دی۔ لمبی زرد گھاس کے گرد سرخ پوشوں کا حصار اس مقام سے ٹوٹ پھوٹ گیا۔ یہ لمحے اشباح کے لیے بہت قیمتی تھے۔ اس نے فوری فیصلہ کیا اور دھوئیں کے مرغولوں میں دوبتا ابھرتا آبی نالے کی طرف بھاگا۔ مانک اس کے کندھے پر تھا اور کبھی کبھی اس کی کراہ اشباح کے کانوں میں گونج جاتی تھی۔ نالے کے کنارے ایک بلند ٹیلا تھا۔ بارش کے پانی نے ٹیلے کی مٹی میں دراریں سے بنا رکھی تھیں۔ اشباح اس ٹیلے پر چڑھ کر دوسری جانب نالے میں اتر سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ مگر یہ ٹیلا گھاس سے بالکل خالی تھا۔ لہٰذا جونہی

اشباح ٹیلے کے دامن سے نکل کر ڈھلوان پر پہنچا، سرخ پوش سپاہی چلانے لگے۔ پھر وہ دو اطراف سے اس کی طرف بھاگے۔

"رک جاؤ۔۔۔۔۔۔ رک جاؤ۔" وہ دھمکی آمیز انداز میں پکار رہے تھے۔ مگر رکنے کا مطلب بے بسی کی موت تھا اور اشباح ایسی موت مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر اسے مرنا ہی ہے تو اس کی موت پرماتما کی ریاست میں ایک یادگار موت ہوگی۔ ☆☆ کفر کی اندھیری نگری میں روشنی کے انقلاب کو جنم دے گی۔ وہ جسم کی پوری قوت سے ٹیلے پر چڑھتا چلا گیا۔ پھر تیر سنسنائے اور خوفناک سرگوشیاں کرتے اس کے دائیں بائیں سے گزرنے لگے۔ اچانک ایک تیر اس کی ران اور دوسرا پنڈلی میں اتر گیا۔ پوری کوشش کے باوجود اشباح خود کو سنبھال نہ سکا۔ وہ لڑکھڑایا اور پہلو کے بل ٹیلے کی بھربھری مٹی پر گرا۔ مانک پر سے اس کی گرفت ختم ہوگئی۔ وہ اس کے کندھے پر سے پھسلا اور لڑھکتا ہوا نشیب کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ بڑی تیزی سے اشباح نے خود کو سنبھالا اور پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ مانک اس وقت دامن کی گھاس میں پہنچ چکا تھا۔ اشباح نے گھاس میں سے اس کا سر برآمد ہوتے دیکھا اور اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر چاروں طرف سے مشعلیں لپکیں اور سرخ پوشوں نے اسے دبوچ لیا۔ اشباح کا جی چاہا کہ وہ اس کی مدد کو پہنچے۔۔۔ مگر اس نے اپنے بے قرار قدموں کو روک لیا۔ اب یہ کوشش لاحاصل تھی۔ اس نے دل ہی دل میں مانک کو خدا حافظ کہا اور پلٹ کر دوبارہ ٹیلے کی چوٹی کی طرف بڑھا۔ ایک بار پھر سرخ پوشوں کے للکارے گونجے اور تیروں کی دوسری بوچھاڑ آئی۔ تاہم خوش قسمتی سے وہ محفوظ رہا۔ چوٹی پر پہنچتے ہی اسے پچاس ساٹھ قدم نشیب میں نالے کا تیز رفتار چمکتا پانی دکھائی دیا۔ وہ ٹانگ کے زخموں کی پرواہ کئے بغیر تیزی سے پانی کی طرف بڑھا۔ تاریکی میں ایک

جگہ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ پشت کے بل گر گیا۔ اس کے گرنے سے مٹی اور ریت کا ایک بڑا تودا لڑھکا اور پر گونج آواز سے نالے میں جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی نالے کی طرف سے سپاہیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اشباح۔۔۔ کے دماغ میں روشنی سی بھر گئی۔ نالے میں تودے کا گرنا اس کے لئے نیک شگون ثابت ہوا تھا بلکہ اس کے لئے سلامتی کا دروازہ کھول رہا تھا۔ سرخ پوشوں نے اسے نالے کی طرف بڑھتے دیکھا تھا اور اب تودہ گرنے کی آواز سے وہ سمجھ رہے تھے کہ اس نے پانی میں چھلانگ لگا دی ہے۔ اشباح نالے میں گودنے کا ارادہ ملتوی کر کے وہیں ایک کھائی میں لیٹ گیا اور وقت کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلابہ اسی تہہ خانے میں تھی جہاں گنگارام نے اسے، پورب کمار کو دفنانے کے بعد چھوڑا تھا۔ وہ پچھلے آٹھ پہر سے بے قراری کے ساتھ گنگارام کا انتظار کر رہی تھی۔ گنگارام نے اس سے کہا تھا کہ وہ کل آکر ایک اہم بات بتائے گا۔۔۔ آخر خدا خدا کر کے تہہ خانے کے دروازے پر آہٹ ہوئی اور گنگارام لنگڑاتا ہوا اندر آگیا۔ اس کے ہاتھوں میں کھانے کا طشت تھا۔ ہلابہ کو بھوک تو نہیں تھی مگر اس نے گنگارام کا دل رکھنے کو چند لقمے لے لئے۔ گنگا نے اس کی بے دلی دیکھی تو مسکرا کر بولا۔

"مالکن! لگتا ہے آپ کھانے سے زیادہ میری باتوں کو اہمیت دیتی ہیں۔"

ہلابہ نے کہا۔ "پہلے تو ایسا نہیں تھا مگر آج ضرور ہے۔ مین جاننا چاہتی ہوں کہ تمہارے ذہن میں وہ کون سی تدبیر ہے جو مجھے پرماتما کے محل میں پہنچا سکتی ہے۔"

گنگا نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا" مالکن! بات دراصل یہ ہے کہ چند روز بعد پرماتما کے محل میں جادو گری کا ایک زبردست مقابلہ ہو رہا ہے۔اس مقابلے میں ریاست بھر کے ساحر، شعبدہ باز اور سفلی علم کے ماہر حصہ لے رہے ہیں۔اس مقابلے میں حصہ لینے کے لئے ہر فن اکر کو اپنے ساتھ ایک مددگار لے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح مجھے اس مقابلے میں شریک ہونے کی اجازت مل جائے تو میں آپ کو ساتھ لے جاؤں۔"

ہلابہ نے حیرانی سے پوچھا۔"تم جادو گر ہو؟"

گنگا نے کہا۔"جادو گر کا رتبہ یہاں بہت اونچا ہوتا ہے میں تو صرف ایک شعبدہ باز ہوں۔یہاں شعبدہ بازوں کے بھی دو درجے ہیں۔آپ مجھے ادنیٰ درجے کا شعبدہ باز کہہ سکتی ہیں۔کئی برسوں سے میں شعبدہ بازی کے میدان میں سر کھپا رہا ہوں۔"

ہلابہ نے کہا۔"کیا تم اس مقابلے میں شریک ہو سکتے ہو؟"

گنگا نے سوچتے ہوئے کہا۔"یقین تو نہیں ہے لیکن آشا ضرور ہے۔میرے ہاتھ ایک انوکھا شعبدہ آیا ہے۔اگر یہ شعبدہ کامیاب ہو گیا تو ہو سکتا ہے پرماتما کے روبرو جانے کا موقع مل جائے۔"

ہلابہ نے پوچھا۔"کامیابی سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

گنگا نے جواب دیا۔"پرماتما کے محل میں ہونے والے اصل مقابلے سے پہلے جادو گروں اور شعبدہ بازوں کی آزمائش کی جاتی ہے۔اس آزمائش کی نگرانی ریاست کا مہان جادو گر اقتیلا جام کرتا ہے۔مقابلے میں شرکت

کے سب خواہش مند سب اپنے اپنے شعبدے اور کمالات دکھاتے ہیں۔صرف وہی خوش بخت اصل مقابلے کے لئے چنے جاتے ہیں جن کا کام اقتیلا جام کو پسند آتا ہے۔میں کل اس آزمائش میں شریک ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔آپ پرارتھنا کریں کہ مجھے اس میں کامیابی ہو۔"

ہلابہ اب دلچسپی سے یہ باتیں سن رہی تھی۔اس نے پوچھا۔"تمہارا شعبدہ کون سا ہے؟"

گنگا نے اپنے سیاہ تھیلے میں سے مرغی کا ایک انڈا نکالا۔پھر اس کی دونوں طرف کسی گوند کے ذریعے چڑیا کے دو ننھے منھے پر چپکا دئے۔تب اس نے انڈا ایک ہموار تختے پر رکھ دیا۔شمعدان کے ذریعے اسے حرارت دینے لگا۔ساتھ ساتھ وہ ہاتھ کی مخصوص حرکات سے کچھ پڑھتا بھی جا رہا تھا۔تھوڑی دیر بعد ہلابہ نے حیرت سے دیکھا کہ انڈے میں لرزش پیدا ہوئی وہ اپنی جگہ سے لڑھکا اور۔۔۔۔پھر اچانک ہوا میں تیرنے لگا۔ہلابہ کی آنکھوں میں سراسیمگی تھی۔وہ حیرت سے کبھی انڈے اور کبھی گنگارام کو دیکھتی تھی۔شمعوں کی روشنی میں گنگارام کا چہرہ بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔اچانک انڈا زمین پر گرا اور ٹوٹ گیا۔اس کے اندر چھلکوں پر کسی بدبودار نیلے سیال کے قطرے چمک رہے تھے۔

"یہ سب کیا ہے؟" ہلابہ نے اپنی حیرت ظاہر کی۔

گنگارام اپنی کامیابی پر مسکرایا۔"آپ کا چہرہ گواہی دے رہا ہے کہ میرے شعبدے میں دلچسپی کا سامان ہے۔"

ہلابہ بولی۔"یہ تو ٹھیک ہے۔۔۔۔مگر یہ سب کیسے ہوا؟"

گنگارام نے سیاہ تھیلے سے ایک دوسرا انڈا نکالا اور ہلابہ کو بتانے لگا۔

"یہ دیکھیں مالکن! میں نے اس میں ایک چھوٹا سا سوراخ کیا ہے۔ پھر نلکی کے ذریعے اس میں سے تمام زردو سفید مادہ نکال لیا ہے۔ اس خالی انڈے کے اندر میں ایک کیمیائی مرکب کے چند انڈے ڈال دیتا ہوں۔ بعد میں موم کے ذریعے انڈے کا سوراخ بند کر دیا جاتا ہے۔ دیکھنے پر یہ سوراخ بالکل نظر نہیں آتا بعد ازاں میں ہلکے پھلکے پر چپکا کر اس انڈے کو دھوپ میں رکھ دیتا ہوں۔ اندر کا کیمیائی مادہ بے حد تبخیری ہے۔ گرمی پہنچتے ہی بخارات بنتے ہیں اور انڈا ہوا میں تیرنے لگتا ہے۔"

ہلابہ اس شعبدے پر خاصی حیران ہوئی۔ گنگا کچھ دیر اپنے شعبدے کی باتیں کرتا رہا پھر گفتگو کا رخ پورب کمار کی طرف مڑ گیا۔ ہلابہ کے پوچھنے پر گنگا نے بتایا کہ اب سب معاملات ٹھیک ہیں۔ گھر میں کسی کو شبہ نہیں کہ گھر کا مالک اپنے ہی گھر کے باغیچے میں ابدی نیند سو رہا ہے۔ کچھ دیر بات چیت کے بعد گنگا کل آنے کا وعدہ کر کے تہہ خانے سے چلا گیا۔

اگلے روز شام کو گنگا رام آیا تو بے حد خوش تھا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی ہلابہ نے اندازہ لگایا کہ وہ شعبدہ بازی کی آزمائش میں کامیاب رہا ہے۔ گنگا رام نے جیب سے چمڑے کا ایک ٹکڑا نکال کر ہلابہ کی آنکھوں کے سامنے لہرایا اور پھر بار بار اسے چومنے لگا۔

"مالکن! آج میرے جیون کی ایک بڑی کامنا پوری ہوئی ہے۔ مجھے ان شعبدہ بازوں میں شامل کر لیا گیا ہے جو چند روز بعد ایک عظیم الشان مظاہرے میں شرکت کے لئے پرماتما کے محل میں جائیں گے۔ آج میرا انگ انگ خوشی سے ناچ رہا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے گنگا رام نے چمڑے کا گول ٹکڑا ہلابہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس پر سفید رنگ سے ایک مردے کی کھوپڑی بنی ہوئی تھی اور سنسکرت میں کچھ تحریر تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ کو یہ سند ہے جو گنگا رام کو دی گئی ہے اس نے گنگا رام سے کہا۔

"گنگا! مجھے کس روپ میں تمہارے ساتھ چلنا ہوگا؟"

ہلابہ کے فقرے نے گنگا رام کی مسرت کافور کر دی۔ وہ کچھ سنجیدگی سے ہلابہ کو دیکھتا رہا۔ اس کا ادھ جلا چہرہ یاس میں ڈوبا ہوا تھا۔ التجا آمیز لہجے میں کہنے لگا۔ "مالکن! میری مانیں تو وہاں جانے کا دھیان من سے نکال دیں۔ آپ نہیں جانتیں، کسی برے ارادے سے جھیل پار کرنے والا کبھی زندہ واپس نہیں آتا۔"

ہلابہ نے کڑی نظروں سے گنگا کو گھورا۔ یہ کڑی نظر اس کے تمام سوالوں کا جواب تھی۔ وہی جواب جو ہلابہ بیسوں بار اسے دے چکی تھی۔ یعنی اسے محل تک پہنچنا ہے اور ہر صورت پہنچنا ہے۔ گنگا رام نے اسے مترحم نظروں سے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "ٹھیک ہے مالکن! میں اس کا انتظام کرتا ہوں۔ آپ میری مددگار کے طور پر ساتھ جائیں گی۔۔۔۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ آپ کی صورت چھپانے کے لئے میں آپ کی صورت پر رنگ و روغن سے نقش و نگار بنا دوں گا۔ اس کے علاوہ آپ کو ایک خاص قسم کا لباس بھی پہننا ہوگا۔۔۔۔ بہر صورت ایک بات میں آپ کو بتا دوں۔ آپ کو جو کچھ کرنا ہے دو روز کے اندر اندر کرنا ہے۔ وہاں ہمارا قیام دو روز ہوگا۔"

ہلابہ نے کہا۔ "اگر میں وہاں ہی رہ جانا چاہوں تو؟"

گنگا بولا۔ "تو پھر میری گردن بھی وہیں رہ جائے گی۔۔۔ پرماتما کے محافظ اتنے غافل نہیں کہ کوئی ایسا فریب چل سکے۔۔۔ محل تک پہنچنے سے پہلے نہ صرف کئی جگہ ہماری تلاشی ہوگی بلکہ بار بار گنتی بھی کی اجئے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" ہلابہ نے کہا۔ "میں اپنا کام دو ہی روز میں نمٹانے کی کوشش کروں گی۔"

گنگارام نے جھکتے ہوئے کہا۔ "مالکن! مجھے معلوم ہے آپ ہر صورت وہاں پہنچنا چاہتی ہیں مگر ایک بات ذہن میں رکھیں۔ ابھی آپ کے ساتھی مفرور ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ قیدی ہوں اور آپ پر تشدد کر کے ان کے بارے میں معلوم کر لیا جائے۔"

ہلابہ نے کہا۔ "گنگارام! تم اس بات کی فکر نہ کرو۔ جب مجھے اپنے ساتھیوں کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں تو میں کیا بتاؤں گی۔۔۔ ہاں اگر میری مدد کرنے میں تم اندیشہ محسوس کرتے ہو تو بتادو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی کیونکہ میں جانتی ہوں یہ کام واقعی خطرناک ہے۔"

گنگارام نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "بس مالکن! اب اور کچھ نہ کہنا۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو قدم بڑھا کر پیچھے ہٹاتے ہیں۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا چاہے اس میں میرا جیون ہی چلا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ جنگ ظالم کے ساتھ ہے اور مظلوم کا ساتھ مظلوم نہیں دے گا تو اور کون دے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح پورے آٹھ پہر اس ٹیلے کی ایک کھائی میں چھپا رہا۔ اس نے اپنے اوپر گھاس پھونس اس طرح پھیلا لیا تھا کہ جب تک کھائی میں نہ اترا جاتا کسی کی موجودگی کا پتا لگانا ناممکن تھا۔ اسے پتا تھا کہ سرخ پوش اسے نالے کے

ساتھ ساتھ تلاش کر رہے ہیں۔ انھیں پختہ یقین تھا کہ وہ پانی میں کود کر بہاؤ کی طرف نکل چکا ہے اس یقین کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اشباح اور اس کے ساتھیوں نے ایک دفعہ پہلے بھی فرار کے لئے زیر آب تیراکی کا ہنر استعمال کیا تھا۔

اشباح کی جسمانی حالت اب نہایت دگرگوں تھی۔ لباس تو پہلے ہی پھٹ چکا تھا اب جسم بھی خون اگل رہا تھا۔ ٹیلے پر گرتے ہوئے کوئی نوکیلا پتھر اس کی پشت پر چبھا تھا اور پسلیوں کے درمیان ایک گہرا گھاؤ آ گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ہی ٹانگ پر قریب قریب دو گہرے زخم آئے تھے۔ ایک تیر اشباح نے نکال لیا تھا مگر پنڈلی والا تیر اندر ہی ٹوٹ گیا تھا اور یہی زخم زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔ خون کے مسلسل اخراج نے اس کے ہر ریشہ بدن میں نقاہت اتار دی تھی۔ بھوک اور پیاس کی شدت اس نقاہت میں اور اضافہ کر رہی تھی۔ درحقیقت وہ صرف اپنی قوت ارادی کے بل پر زندہ تھا۔ ورنہ ظاہری اسباب اسے ختم کر چکے تھے۔ شام اب گہری ہو گئی تھی۔ وہ اپنی تلوار پر زور دے کر اٹھا۔ کھائی سے سر نکال کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ دور نیچے نالے کا ہلکورے لیتا پانی تھا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے تھے اور کسی بھی وقت بارش شروع ہو سکتی تھی۔ نالے کے ساتھ کچھ فاصلے پر دو سرخ پوش گھڑ سوار نظر آ رہے تھے۔ اشباح نے سوچا کہ اگر بارش شروع ہو جائے تو وہ یہاں سے نکلنے کی کامیاب کوشش کر سکتا ہے۔ ابھی یہ سوچ اس کے ذہن میں تھی کہ بادل برسنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد گھڑ سواروں کی سرخ وردیاں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں شائد وہ سائے کی تلاش میں کسی طرف نکل گئے تھے۔

اشباح جسم کو گھسیٹتا ہوا باہر نکل آیا اور میان پر زور دے کر لنگڑاتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔ بارش کی بوچھاڑیں اس کے فاقہ زدہ جسم کی رہی سہی حرارت زائل کر رہی تھیں۔۔۔۔تاہم وہ بے حد حوصلے سے آگے بڑھتا رہا اور جلد ہی ٹیلے کے دامن میں پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ دریا کے بالکل ہی نزدیک ہے۔ اسے وہ شکستہ مزار نظر آرہا تھا جہاں چندروز پہلے اس کی ملاقات ابدال غازی سے ہوئی تھی۔ وہ نورانی محفل اس کی نگاہوں میں گھومنے لگی جس میں بوڑھے ہاشم نے اسے اٹھارہ برس پہلے کی داستان سنائی تھی۔ اچانک اشباح کو یاد آیا کہ آج تو جمعہ کی رات ہے۔ اس کے رگ وپے میں امید کی توانائی دوڑ گئی۔ اس کا مطلب تھا آج پھر قریبی گاؤں کے لوگ اس مزار میں پہنچیں گے اور اپنے عقیدے کے مطابق ذکر وفکر کی محفل جمائیں گے۔ ان لوگوں میں پہنچ کر اشباح خود کو محفوظ تصور کر سکتا تھا۔ اس کے زخموں کو مرہم اور جسم کو خوراک مل سکتی تھی۔ اس کا رخ ایک بار پھر زندگی کی طرف ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔اس کے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا۔ وہ اپنے زخموں سے چور بے جان جسم کو گھسیٹتا دھیرے دھیرے محمود شہید کے مزار کی طرف بڑھنے لگا۔ بار بار اس کی ٹانگ میں اٹھنے والی درد کی لہریں ناقابل برداشت ہو جاتی تھیں۔ وہ رک کر اس درد کو افاقہ دیتا۔ اپنی سانسیں درست کرلیتا اور ایک بار پھر منزل کی طرف سرکنے لگتا۔ آخر ایک طویل اور جان لیوا کوشش کے بعد وہ مزار کے نواح میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے جسم کی آخری قوت تک خرچ کر چکا تھا اور اب اس کی کان "ہو ہو" کی اسرار انگیز آوازیں سننے کے لئے بے تاب تھے مگر یہ آوازیں کہیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ نہ ہی مزار کے اطراف میں گھومنے والے کسی پاسباں نے اسے روکا۔ وہ گھسٹتا، اور ہانپتا ہوا مزار کے اندر پہنچا اور بائیں جانب والی کوٹرھڑی کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھڑی میں کوئی متنفس نہیں تھا۔ اس کے درودیوار

تاریک تھے۔ مایوسی کے گہرے بادل نے اشباح کو ڈھانپ لیا۔ کوٹھڑی کی گہری تاریکی جیسا اندھیرا اس کی آنکھوں میں بھی چھانے لگا۔۔۔۔۔پھر اس کے اندر کا مجاہد پکار اٹھا۔ جرات ایمانی سے سرشار حضر موت کا سخت کوش جوان اسے جھنجوڑ کر بولا۔

"تو مسلمان ہے اور تیرے مذہب میں مایوسی گناہ ہے۔ موت سے پہلے تجھے دل وجان سے زندہ رہنا ہے۔"

وہ اپنے بارش سے شرابور جسم کو گھسیٹتا ہوا اٹھا۔ ہوا کی آمدورفت ختم کرنے کے لئے دروازہ بند کیا پھر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ بھوک، سردی اور تکلیف کی انتہا میں اسے نماز ایک ہمدرد اور مونس کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ جو اپنے گرم بازو کھولے اسے اپنی آغوش راحت میں تھپکنے کے لئے بے قرار تھی۔ اس نے کوٹھڑی کی دیوار سے تیمم کیا اور نیم درازی کی حالت میں عشاء کی نماز ادا کرنے لگا۔ آج اس کی نماز میں ہمیشہ سے زیادہ اخلاص اور درد تھا۔ وہ جیسے اپنے پالنے والے سے براہ راست باتیں کر رہا تھا۔ نماز پڑھتے ہی پڑھتے اس کا سر سینے پر ڈھلک گیا اور وہ گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ قطرہ قطرہ خون مسلسل اس کی پنڈلی سے رس رہا تھا

دوبارہ آنکھ کھلی تو بادوباراں کی شب گزر چکی تھی۔ کوٹھڑی کے روزنوں سے دھوپ اندر آرہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس کے پاس دودھ کا ایک پیالہ اور روٹی پڑی ہے۔ وہ کچھ دیر حیرت سے یہ چیزیں دیکھتا رہا۔ جسم وجاں کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے اسے ان اشیاء کی ضرورت تھی۔ اس نے دھیرے دھیرے لقمے توڑنے شروع کیے اور تازہ دودھ کے ساتھ انہیں نگلنے لگا۔ نقاہت اتنی تھی کہ یہ عمل بھی اسے دشوار

محسوس ہو رہا تھا۔ نہ جانے اسے کھانا کھلانے والا شخص کون تھا اور کیوں یہ ہمدردی کر رہا تھا اور اس کا ہمدرد ہی تھا تو اس کی مزاج پُرسی کے بغیر چلا کیوں گیا۔ کھانا کھا کر وہ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ دوبارہ سو گیا۔

اگلے روز وہ شدت سے اپنے محسن کا انتظار کر رہا تھا۔ ٹانگ کی تکلیف بہت بڑھ گئی تھی اور اس کے ننگے پاؤں میں کئی خار ٹوٹے ہوئے تھے۔ اسے جلد از جلد کسی ماہر جراح کی ضرورت تھی۔ اس کا سارا جسم بخار میں تپ رہا تھا۔ اسے خوراک سے بھی زیادہ علاج کی حاجت تھی۔ ایک پہر دن چڑھے کوٹھڑی کے دروازے پر آہٹ ہوئی اور دس بارہ سال کا لڑکا سہمی نظروں کے ساتھ کوٹھڑی میں جھانکنے لگا۔ اسے تنہا پا کر وہ جلدی سے اندر آ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں دودھ کا برتن اور دوسرے ہاتھ میں مکئی کی روٹی تھی۔

وہ کچھ ڈرا ڈرا تھا۔ اشباح نے اسے دلاسہ دیا اور قریب بٹھا لیا۔ اس کے پوچھنے پر لڑکے نے بتایا کہ اس کا نام حسین ہے اور وہ قریبی گاؤں کا رہنے والا ہے۔ بھیڑ بکریاں چراتا ہے کل اس طرف آیا تو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اشباح نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟"

لڑکے نے کہا۔ "مجھے آپ کا نام تو معلوم نہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ مسلمان ہیں۔۔۔۔ اور آپ سفید گھوڑے والے سنہری شاہین کے ساتھ یہاں آئے ہیں؟""

لڑکے کی زبان سے سنہری شاہین کا نام سن کر اشباح بھونچکا رہ گیا۔ اس نے کہا۔ "تم سنہری شاہین کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

لڑکے نے کہا۔ "میں ہی نہیں۔ ہماری بستی کا ہر شخص سنہری شاہین کے بارے میں جانتا ہے۔ سنہری شاہین ملک عرب کا ایک بہادر انسان ہے۔ وہ سفید براق گھوڑے پر بیٹھتا ہے اور اس کے چہرے پر ایک سنہری نقاب رہتا ہے۔ وہ پرماتما سے لڑنے کے لیے ہمارے ملک میں آیا ہے۔ بہت جلد وہ اپنی سنہری تلوار سے پرماتما کی زندگی ختم کر دے گا۔"

اشباح نے پیار سے پوچھا۔ "کیا تم نے کبھی سنہری شاہین کو دیکھا ہے؟"

لڑکے نے معصومیت سے کہا۔ "نہیں۔۔۔۔ لیکن میرا باپ کہتا ہے سنہری شاہین کسی بھی وقت کسی بھی جگہ موجود ہو سکتا ہے۔ کسی بھی دیوار کے پیچھے۔ کسی بھی پیڑ کی اوٹ میں۔ کسی بھی کھنڈر کے سائے میں۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا میرا باپ سچ کہتا ہے؟ آپ تو اس کے ساتھی ہیں۔ آپ نے تو اسے دیکھا ہوگا۔"

اشباح بے دلی سے مسکرایا۔ "نہیں بھائی۔ اس معاملے میں تم مجھے اپنے جیسا ہی سمجھ سکتے ہو۔""

بچے کی باتیں اشباح کو سمجھا رہی تھیں کہ سنہری شاہین کی افسانوی شخصیت علاقے کے لوگوں میں تیزی سے مقبول ہو رہی ہے۔ کچھ دیر اپنی سوچ میں گُم رہنے کے بعد اس نے لڑکے سے پوچھا۔

"تم نے اپنے کسی بزرگ کو میرے بارے میں بتایا ہے؟"

"ہاں!" لڑکے نے جواب دیا۔ "میں نے کل اپنے باپ سے کہا تھا۔ اس نے بستی کے سردار کو بتایا اور اب یہ خبر گاؤں کے کئی افراد کو معلوم ہے۔"

اشباح نے پریشانی سے پوچھا۔ "تمھارے گاؤں کے سردار کا کیا نام ہے؟"

"ہاشم۔" لڑکے نے جواب دیا۔

اطمینان کی سانس اشباح کے سینے سے نکلی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کے ہمدرد اس کی مصیبت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ "مگر وہ یہاں پہنچے کیوں نہیں؟" یہ ایک اہم سوال تھا یہ سوال جب اس نے لڑکے سے پوچھا تو اس نے تفصیل سے جواب دیا۔ اس جواب کا خلاصی یہ تھا کہ گاؤں سرخ پوشوں کی کڑی نگرانی میں ہے۔ جب سے وہ چاروں چھاؤنی کے قید خانے سے فرار ہوئے تھے پوری ریاست میں نگرانی سخت کر دی گئی تھی۔ خاص طور پر جن بستیوں میں مسلمان رہتے تھے وہاں دیکھ بھال بھی زیادہ تھی اور یہی وجہ تھی کہ پچھلی جمعرات بستی کے لوگ مزار میں جمع نہیں ہو سکتے تھے۔ اب بھی وہ ادھر آنے سے کترا رہے تھے۔ بستی کے سردار ہاشم نے لڑکے کے ذمے لگایا تھا کہ وہ بکریاں چرانے کے بہانے روز مزار کی طرف جایا کرے اور زخمی شخص کی خیر و عافیت دریافت کر کے اسے کھانا پہنچا دیا کرے۔

اب پوری بات اشباح کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ اس نے لڑکے سے کہا۔ "حسین! میری ٹانگ میں ایک تیر ٹوٹا ہوا ہے اور اس کے لیے جراح کی شدید ضرورت ہے۔ تم میری یہ بات اپنے باپ تک پہنچا دینا اور میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کرنا۔" لڑکا۔ "جی اچھا" کہہ کر باہر نکل گیا، لیکن اگلے ہی لمحے واپس آ گیا۔

"ایک بات تو میں بھول ہی گیا۔ ابا جان نے کہا تھا کہ آپ کا نام معلوم کرنا ہے۔"

"میرا نام اشباح ہے۔"

"اشباح۔۔۔" لڑکے نے زیرِ لب دہرایا۔ "ٹھیک ہے اشباح بھائی۔ آپ فکر مت کریں۔ میں ابھی جا کر بابا جان کو ساری بات بتاتا ہوں۔ وہ ضرور آپ کے زخموں کا بندوبست کریں گے۔"

"خدا حافظ"۔ اشباح نے کہا۔

جوابا گڑ کا اسے حوصلہ بخش نظروں سے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔ "ٹخ ٹخ" کی آواز آئی وہ بکریوں کو ہنکاتا ہوا جنگل کی طرف جا رہا تھا۔ اشباح نے اپنے سامنے رکھے دودھ اور روٹی کی طرف دیکھا۔ پیاس کی شدت سے اس کا گلا سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا۔ اس نے دودھ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اپنے ہونٹ تر کرنا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے کہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہوتی۔ اچانک کوٹھڑی سے باہر کسی کے بھاگتے قدموں کی صدا آئی۔ اشباح نے ٹھٹک کر پیالہ نیچے رکھ دیا۔ اس کا ہاتھ خود بخود اپنی تلوار تک پہنچ گیا تھا۔ دروازہ دھماکے سے کھلا اور ایک حواس باختہ شخص اندر داخل ہوا۔ وہ مقامی لباس میں تھا۔ عمر قریباً چالیس سال اور چہرے پر تھوڑی تھوڑی داڑھی تھی۔

اس نے کہا۔ "میرا نام عبدالواحد ہے۔ میں حسین کا باپ ہوں۔ تمھاری زندگی اس وقت سخت خطرے میں ہے۔ جتنی جلد ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ۔۔۔۔۔۔" اشباح سوالیہ نظروں سے نووارد کو دیکھ رہا تھا۔ عبدالواحد نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "تمھاری موجودگی راز نہیں رہی۔ رائے منوہر چند کے آدمی

اس طرف آرہے ہیں۔ تم کسی طرح یہاں سے نکل جاؤ۔" اشباح نے بے بسی سے اپنی زخمی ٹانگ کی طرف دیکھا۔ سوجن سے پوری پنڈلی سرخ ہورہی تھی۔ اس کے لیے پاؤں کو حرکت دینا بھی دشوار تھا۔ ابھی وہ اسی گومگو میں تھا کہ دفعتاً کچھ فاصلے پر گھوڑوں کی سرپٹ ٹاپیں سنائی دینے لگیں۔ نووارد کا چہرہ خوف سے تاریک ہو گیا۔ اس نے بے چارگی سے اشباح کو دیکھا۔ چند لمحے سوچتا رہا پھر نہایت گھبراہٹ میں باہر نکل گیا۔

حالات کا سامنا کرنے کے سوا اشباح کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے تلوار پر اپنی گرفت مضبوط کی اور کان باہر سے آنے والی آہٹوں پر لگا دیے۔ گھوڑے کھنڈر سے باہر رک چکے تھے اور اب محتاط قدموں کی مدھم آواز کوٹھڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اشباح بے حرکت بیٹھا رہا۔ آخر دروازے پر ایک سرخ پوش کا چہرہ نظر آیا۔ اس نے تیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں اشباح کو دیکھ کر چونکا اور پھر پھرتی سے سامنے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں عریاں تلوار تھی۔ اس کے پیچھے ایک اور سرخ پوش نظر آیا۔ وہ بھی عریاں تلوار تھامے ہوئے تھا۔ دونوں اشباح کو کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے اندر آگئے۔

"بہت خوب تو تم یہاں ہو اور ہم تمہاری تلاش میں دردر کی خاک چھان رہے ہیں۔۔۔۔ خبردار اگر اپنی جگہ سے حرکت کی کوشش کی۔ تلوار پھینک دو۔"

اشباح تیز نظروں سے ان دونوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ دونوں عام پہریدار سپاہی تھے اور اتنے چالاک نہیں تھے جتنا نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اشباح کو یہ بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ صرف دو ہیں۔ شاید انعام و اکرام کی لالچ میں انہوں نے تنہا یہاں آنا پسند کیا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ابھی انہیں خود بھی یہاں اشباح کی

موجودگی کا یقین نہ ہو۔۔۔۔۔۔ اشباح خود کو آنے والے لمحوں کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اس نے اپنے بھوک سے نڈھال اور زخموں سے چُور جسم کی رہی سہی قوت جمع کرنا شروع کی۔ ایک سرخ پوش نے کڑک کر اپنی بات دہرائی۔

"تلوار پھینک دو۔"

اشباح نے تلوار اپنے سامنے سنگلاخ فرش پر پھینک دی۔ پہریدار اٹھانے کے لیے آگے بڑھا۔ اس کی نظریں بدستور اشباح پر تھیں۔ تلوار اٹھانے کے لیے اس نے ایک لمحے کو سر جھکایا اور یہی لمحہ اس کے لیے قیامت بن گیا۔ اشباح بیٹھا بیٹھا اپنی جگہ سے اچھلا اور پہریدار کے اوپر جا پڑا۔ اس کا بایاں بازو پوری قوت کے ساتھ پہریدار کی گردن سے لپٹ گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنی گری ہوئی تلوار اٹھائی اور کسی خنجر کی طرح تاک کر دوسرے پہریدار پر دے ماری۔ یہ سب کچھ اتنا آناً فاناً ہوا کہ دروازے پر کھڑا پہریدار بھونچکارہ گیا۔ اس سے پیشتر کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کرتا۔ اس کے سامنے بجلی سی لپکی اور وزنی تلوار دو بالشت تک اس کے سینے میں گھس گئی۔ اس نے ایک دہشت زدہ چیخ ماری اور تلوار کے دستے کو ٹٹولتا ہوا پشت کے بل دہلیز پر گرا۔ خون کے چھینٹے اچھل کر اس کے چہرے کو بھگو گئے۔ اس نے اپنے ساتھی کا انجام دیکھنے کے لیے پلکیں جھپکائیں لیکن اس کی پتلیوں کے سامنے خون کی چادر تن چکی تھی۔ اسے خون کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

دوسری طرف اشباح کا آہنی بازو پہریدار کی گردن سے لپٹا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کے پاس ایک ہی موقع ہے۔ اگر وہ مقابل کی گردن نا توڑ سکا تو اس کے ہاتھ کی تلوار اپنا کام دکھا جائے گی۔ اس کی ایک ٹانگ بے کار

شے کی طرح فرش پر گھسٹ رہی تھی۔ داہنے ہاتھ سے اس نے مد مقابل کا تلوار والا ہاتھ روک رکھا تھا۔۔۔۔۔ چند لمحے شدید کشمکش ہوئی پھر اشباح کو اپنی بغل کے نیچے ایک مخصوص آواز آئی۔ پہریدار کی گدی کی ہڈی چیخ گئی تھی۔ وہ پھڑکا۔ اس کی ایک ٹانگ دودھ کا پیالہ الٹا گئی۔۔۔۔ کچھ دیر بعد وہ بے دم ہو گیا تو اشباح نے اسے مردہ چھپکلی کی طرح فرش پر پھینک دیا۔ دوسرا پہریدار بھی اپنے خون میں ڈوب کر ساکت ہو چکا تھا۔۔۔۔ اس وقت دروازے پر عبدالواحد کا ڈراڈرا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ دہشت زدہ نظروں سے سرخ پوشوں کی لاشوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تم۔۔۔۔۔ تم نے دونوں کو مار دیا۔۔۔۔۔ بہت بُرا کیا۔ تم نے یہ بہت برا کیا۔ رائے منوہر تمہاری موت کو عبرت ناک بنادے گا۔"

عبدالواحد سرتاپا لرز رہا تھا۔ اشباح اب کراہتا ہوا دوبارہ فرش پر ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کی زخمی ٹانگ پھر خون اگلنے لگی تھی۔ عبدالواحد نے کہا۔

"تمہاری زندگی بچانے کے لیے میں جان خطرے میں ڈال کر یہاں تک آیا تھا لیکن تم نے رائے منوہر کے دو آدمی مار کر اپنی بد نصیبی پر مہر ثبت کر دی ہے۔"

اشباح نے کہا۔ "میرے بھائی خوش نصیبی اور بد نصیبی کا حال صرف خدا کو معلوم ہے۔ ہماری نیت اچھی ہے تو نصیب بھی اچھے ہوں گے۔"

عبدالواحد نے جل کر کہا۔ "کیسے اچھے ہوں گے نصیب؟ تم یہاں سے نکل بھی گئے تو اب یہ لاشیں اپنا خراج وصول کیے بغیر نہیں رہیں گی۔ ان لاشوں کی وجہ سے سب سے زیادہ تباہی ہمارے گاؤں پر ہی آئے گی۔"

اشباح نے کراہتے ہوئے کہا۔ "حوصلہ رکھو میرے بھائی، انشاءاللہ یہ لاشیں رائے منوہر کو کبھی نہیں مل سکیں گی۔۔۔۔۔ تم بس اتنا کرو کسی طرح ان دونوں کے گھوڑے یہاں کوٹھڑی تک لے آؤ۔"

عبدالواحد نے پوچھا۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

اشباح نے کراہتے ہوئے کہا۔ "ابھی بتاتا ہوں۔"

عبدالواحد باہر گیا اور تھوڑی دیر بعد گھوڑے لے آیا۔ اشباح نے اس سے درخواست کی کہ وہ دونوں لاشیں ایک گھوڑے پر ڈال دے۔ کچھ تذبذب کے بعد عبدالواحد نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس کے بعد اشباح خود اٹھا اور عبدالواحد کے سہارے نہایت دقت کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ نقاہت اور تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا رہا تھا مگر اس نے کسی نہ کسی طرح خود کو گھوڑے پر سنبھال لیا تھا۔ رخصت ہونے سے پہلے اس نے ایک نظر کوٹھڑی کے اندر ڈالی۔ دودھ کا پیالہ الٹا پڑا تھا اور مکئی کی راٹی پر خون کے دھبے تھے۔ یہ خوراک اس کی قسمت میں نہیں تھی۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور کمزور آواز میں عبدالواحد سے بولا۔

"محترم ہاشم کو میرا سلام کہنا۔۔۔۔۔ اور حسین کو بھی۔ میں اس کی میزبانی کا احسان مند ہوں۔"

پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دوسرے گھوڑے کو ساتھ لیتا ہوا کھنڈر کی عقبی جانب آ گیا۔ گہرے بادل پھر گھر آئے تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی جاری تھی۔ اس نے اللہ کا نام لیا اور گھوڑوں کو دریا کنارے کی لمبی گھاس میں ڈال دیا۔۔۔ نہایت تیز بخار اس کے ذہن کو بار بار بے ہوشی کی طرف دھکیل رہا تھا۔ اس کے ہوش اور نے ہوشی کے درمیان اگر کوئی چیز حائل تھی تو وہ اس کی قوتِ ارادی تھی۔ کچھ دیر سفر میں رہنے کے بعد اس کا ہچکولے کھاتا ہوا جسم بتدریج گھوڑے کی پشت کی طرف جھکنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آٹھ گھوڑا گاڑیاں ایک جلوس کی شکل میں پل کی طرف جا رہی تھیں۔ یہ بے چھت کی گاڑیاں پوری طرح سجی ہوئی تھیں۔ رنگ برنگ لباس پہنے جادوگر، شعبدہ باز اور ان کے معاون اچھل کود کر رہے تھے۔ جادوگروں اور شعبدہ بازوں کا ساز و سامان چند دوسری بیل گاڑیوں میں تھا جو آہستہ آہستہ پیچھے آ رہی تھیں۔ ہلابہ اور گنگا رام بھی ایک گھوڑا گاڑی میں تھے۔ ہلابہ نے مصری انداز کا ایک سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر شوخ رنگ سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ ریشمی لبادے میں اس کا پُرکشش جسم بہت جچ رہا تھا۔ کئی حریص نگاہیں بار بار اس کے نشیب و فراز سے الجھنے لگتی تھیں۔ ہر نگاہ اس کا ظاہری پیکر دیکھ رہی تھی۔ کوئی اس کے اندر نہیں جھانک سکتا تھا۔۔۔۔ اندر۔۔۔۔ دل کی گہرائی میں جہاں پُرغضب آگ روشن تھی۔۔۔۔ ہلابہ کی طرح گنگا رام کا لبادہ بھی مخصوص رنگ کا تھا۔ وہ پل پر پہنچے تو ان کے لباس اور لباس کی اچھی طرح تلاشی لی گئی۔ پھر وہ گھنے جنگل کے علاقے میں میں داخل ہو گئے۔ یہاں ہلابہ اس مقام سے گزری جہاں چند روز پہلے وہ سیاہ پوشوں سے جان بچا کر ایک درخت پر چڑھ گئی تھی اور پورب کمار نے اسے بے ہوش

کر دیا تھا۔۔۔۔۔ ان درختوں میں جا بجا سیاہ چہروں والے بندے نظر آ رہے تھے۔ گنگا رام نے بتایا کہ سارے بندر در حقیقت انسان ہیں۔ مختلف اوقات میں انہوں نے پرماتما کے احکام کی نافرمانی کی اور انہیں طلسم کے زور سے بندر بنا دیا گیا۔ جنگل کے درختوں کے بارے میں گنگا رام نے بتایا کہ یہ درخت پرماتما کے حکم پر انسان بن جاتے ہیں اور ان کی شاخیں ان کی تلواروں اور کٹاروں کا روپ دھار لیتی ہیں اور ایسا کئی صدیوں سے ہوتا آیا ہے۔

جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے جنگل گھنا اور سورج کی روشنی ناپید ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں درختوں پر خوش الحان پرندے نغمہ سرا تھے اور نیم تاریک راستوں پر مسلح پہریدار سیاہ لباس پہنے گشت لگا رہے تھے۔ ہلابہ کی طرح گنگا رام بھی حیرت اور دلچسپی سے یہ سارے منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہلابہ کو بتایا کہ اس جنگل میں اڑتے پھرتے بہت سے پرندے جادو کے زور پر بنائے گئے ہیں۔ یہ پرندے پرماتما کے جاسوس ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی دیکھتے ہیں جا کر انسانی زبان میں پرماتما کو بتاتے ہیں۔ ان پرندوں کے سبب کوئی محافظ یا سپاہی اپنے فرض سے غفلت کا سوچ بھی نہیں سکتا۔۔۔۔ کوئی دو کوس فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک اور جھیل پر پہنچے۔ یہ جھیل بھی ایک نیم دائرے کی شکل میں دور تک چلی گئی تھی اور اس پر ایک پل بنا ہوا تھا۔ گنگا رام نے کہا۔

"یہ پرماتما کے محل کا دوسرا حصار ہے اور اسے پار کر کے ہم اس خاص علاقے میں داخل ہوں گے جہاں پرماتما رہتا ہے۔ اس علاقے میں صرف اہم ترین لوگوں کو جانے کی اجازت ملتی ہے۔"

ہلابہ نے دیکھا پل کے دونوں جانب دو ہاتھیوں کے کٹے ہوئے سر نصب ہیں۔ ہاتھیوں کے کھلے ہوئے منہ آسمان کی طرف تھے اور سونڈیں پیچھے مڑی ہوئی تھیں۔ دونوں کے منہ میں لہسن کے پودے اگے ہوئے تھے۔ جونہی ہی کوئی شخص پل پار کرنے کے لیے ان پودوں کے پاس پہنچتا۔ محافظ ایک پتہ توڑ کر اس کے ہاتھوں میں تھما دیتے۔ ہلابہ اور گنگارام کو بھی یہ پتہ دیا گیا۔ دونوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ پتہ کس لیے دیا جاتا ہے۔ سخت تلاشی اور پوچھ گچھ کے بعد انہیں پل پار کرنے کی اجازت ملی۔ تنگ پل پار کرتے ہوئے ہلابہ کی نگاہ جھیل کی طرف اٹھ گئی۔ جھیل کے دونوں کنارے اونچے تھے اور پانی گہرائی میں بہتا تھا۔ اس پانی میں سینکڑوں آبی سانپ لہرا رہے تھے۔ یوں لگتا تھا بطورِ خاص ان سانپوں کی افزائش کی گئی ہے۔

اس جھیل کو پار کر کے وہ انتہائی گھنے جنگل میں داخل ہو گئے۔ یہاں بے حد حسین و جمیل نظاروں نے ان کا استقبال کیا۔ مصنوعی آبشاریں بہہ رہی تھیں۔ درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ آم، سیب، انار غرض ہر قسم کا پودا یہاں نظر آتا تھا۔ جگہ جگہ پھولدار جھاڑیوں سے جنگل کی آرائش کی گئی تھی۔ رنگ برنگ پرندے ان درختوں پر چہچہاتے پھرتے تھے اور جانور از قسم خرگوش، ہرن، مور بکثرت دکھائی دیتے تھے۔ خوش پوش و خوش جمال کنیزوں کی ٹولیاں ان درختوں میں ٹہلتی پھرتی تھیں۔ ان کی آوازیں نقرئی گھنٹیوں کی طرح فضا میں بکھر رہی تھیں۔ جب ان آوازوں میں کسی مور یا کوئل کی کوک شامل ہو جاتی تو سماعت میں رس سا گھلنے لگتا۔ حسین و جمیل کنیزوں کے درمیان جگہ جگہ ہلابہ کو سخت چہرہ محافظ بھی کھڑے نظر آئے لیکن ان محافظوں کی وجہ سے ماحول کی دلآویزی میں کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ یہ محافظ پتھروں کی طرح ساکت اپنے اپنے مقام پر یوں کھڑے تھے جیسے زندہ انسان نہ ہوں، مجسمے ہوں اور انہیں اس

ماحول سے کوئی سروکار نہ ہو۔ ہلابہ نے محسوس کیا کہ یہاں کے مکین شاذ و نادر ہی باہر کے کسی مہمان کو دیکھ پاتے ہیں۔ جونہی گھوڑا گاڑیاں ان خدمت پیشہ لوگوں کے قریب سے گزریں وہ حیرت اور دلچسپی سے انہیں تکنے لگتے۔ چند گل پوش راستوں سے گزار کر انہیں ایک شاندار عمارت میں ٹھہرایا گیا۔۔۔۔۔ یہاں ان کے کھانے پینے اور تفریحات کا وافر انتظام تھا لیکن ان میں سے کوئی عمارت کی حدود سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ دوپہر کا پُر تکلف کھانا کھانے کے بعد ہلابہ نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو زرد پوش مسلح محافظوں نے اسے روک کر واپس بھیج دیا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ سورج ڈوبنے کے بعد ہی یہاں سے نکل سکیں گے جب پرماتما کے محل کے سامنے ایک وسیع پنڈال میں جادوگری کے مظاہرے شروع ہوں گے۔

شام تک مظاہرے میں حصہ لینے والے تمام جادوگر اور شعبدہ باز تیاریوں میں مصروف رہے۔ جونہی سورج غروب ہوا، پرماتما کے مسلح محافظوں نے انہیں گاڑیوں میں سوار ہونے کی ہدایت کی۔ اس خاص علاقے کے تمام محافظ زرد پوش تھے اور سرخ پوش محافظوں سے زیادہ ہوشیار اور سفاک دکھائی دیتے تھے۔۔۔۔۔ کچھ دیر ہچکولے کھانے کے بعد گاڑیاں ایک بلند و بالا عظیم الشان عمارت کے سامنے جا کر رکیں۔ یہ سفید عمارت چاروں طرف سے طویل قامت درختوں میں گھری ہوئی تھی عمارت کا صدر دروازہ محرابی شکل میں تھا اور اتنا بلند تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اس دروازے کے عین اوپر چھت پر ایک برجی تھی۔ اس برجی میں آگ کا الاؤ روشن تھا۔ گنگارام نے بتایا کہ اسے "جیون اگنی" کہا جاتا ہے۔ اس آگ کی عمر اتنی ہی ہے جتنی پرماتما کی۔ یہ طلسمی آگ ہے اور کبھی نہیں بجھتی۔ ہلابہ نے عجیب و غریب نظروں سے اس آگ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جلتی ہوئی آگ، اس آگ کے عکس سے اور بھی بھڑک اٹھی تھی۔

انہیں ایک وسیع و عریض پنڈال میں پہنچایا گیا۔ پنڈال کی ایک جانب ایک سنگی چبوترہ تھا۔ چبوترے پر پُراسرار سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور زرنگار تخت بچھا ہوا تھا۔ تخت کے عین پیچھے ایک دروازہ تھا۔ یہ دروازہ محل کے کسی حصے میں کھلتا تھا۔ پرماتما کو اس دروازے سے چبوترے پر نمودار ہونا تھا۔ چبوترے پر زرنگار تخت کے ساتھ ساتھ دونوں طرف آٹھ دس نشستیں پڑی تھیں۔ یہ کرسی نما نشستیں پرماتما کے قریبی مصاحبوں کے لیے تھیں۔ اس چبوترے کو کپڑے کے ایک باریک کپڑے نے چاروں طرف سے ڈھانپ رکھا تھا۔ عام تماشائیوں کے لیے چبوترے کے پیچھے دونوں طرف کرسیاں رکھی تھیں۔ ان کرسیوں پر سینکڑوں تماشائی بیٹھے مظاہرہ شروع کا انتظار کر رہے تھے۔

ہلابہ بڑے غور سے سارے انتظامات دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت بھی مصری دوشیزہ کے روپ میں تھی۔ چہرہ نقش و نگار میں چھپا ہوا تھا۔ مظاہرہ شروع ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ پورے پنڈال میں انتظار کی بے قراری نظر آرہی تھی۔ محافظ نئے آنے والوں کو مقررہ جگہوں پر بٹھانے میں مصروف تھے۔ ہلابہ اس ہلچل سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ تمام خدشات بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور گنگارام کا بازو دباتے ہوئے باہر نکل گئی۔ پنڈال کے دروازے پر کھڑے محافظوں نے شک آمیز نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ بے پناہ اعتماد سے تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل آئی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اس کے سامان میں سے کوئی چیز گھوڑا گاڑی میں رہ گئی ہے اور لینے جارہی ہے۔ وہ گئی بھی سیدھی گھوڑا گاڑیوں کی طرف۔ مگر ان کے عقب میں پہنچتے ہی وہ بیدِ مجنوں کے پودوں میں روپوش ہوگئی۔ تاریکی نے اب ہر چیز کو اپنے پروں میں چھپا لیا تھا۔ گھونسلوں میں پرندوں کی چہچہاہٹ مدھم پڑتی جارہی تھی۔ تاریکی میں ہر شجر کے تنے پر کسی مسلح محافظ کا

گمان ہوتا تھا۔ ہلابہ بڑی احتیاط سے محل کے پہلو میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔ ایک جگہ اچانک اسے رکنا پڑا اسے یوں محسوس ہوا جیسے پاؤں سے کوئی خودرو بیل لپٹ گئی ہو۔ مگر نہیں یہ بیل نہیں تھی کوئی زندہ جسم تھا۔ خوف کی ایک لہر ہلابہ کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس نے جھٹکے سے اپنے لبادے میں چھپی ہوئی لوہے کی ایک نوک دار سلاخ نکال لی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ وار کرتی ایک کمزور اور نحیف آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ۔"

ہلابہ کا سلاخ والا ہاتھ اٹھا رہ گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا پاؤں چھڑایا اور الگ جا کھڑی ہوئی۔

"تم عربی ہو؟" کسی نے شستہ عربی زبان میں پوچھا۔

"تم نے کیسے جانا؟" ہلابہ بے خوفی سے بولی۔

"اس لے کہ میں بھی عربی ہوں۔" تاریکی سے نحیف آواز ابھری۔ "تمہارے چلنے کا انداز ہو بہو کسی عربی دوشیزہ کا تھا۔"

ہلابہ کو عجیب سی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

جواب ملا۔ "ایک بدقسمت۔"

ہلابہ نے لبادے کے اندر سے ایک شمع نکالی۔ وہ اسے روشن کر کے نامعلوم شخص کی صورت دیکھنا چاہتی تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ اندھیرے میں بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دوبارہ ہلابہ کا پاؤں تھام لیا اور فریادی لہجے میں بولا۔

"خدا کے لیے نہیں۔۔۔۔۔۔خدا کے لیے نہیں۔ روشنی نہ کرنا۔ میں کسی کو اپنی شکل نہیں دکھا سکتا۔ اگر اس وقت میں تم سے مخاطب ہوں تو اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ اس وقت تاریکی ہے۔"

ہلابہ نے کہا۔ "میں جاننا چاہوں گی کہ تم کون ہو؟"

نامعلوم شخص نے کہا۔ "تم عرب سردار علافی کو جانتی ہو جس نے اویہ خلافت سے بغاوت کی تھی؟"

ہلابہ نے کہا۔ "ہاں۔ اس غدار کا نام ہر عرب باشندے کو معلوم ہے۔ علافی نے بغاوت کر کے سندھ میں پناہ لی تھی اور وہاں کے راجہ کا دستِ راست بن گیا تھا۔"

نامعلوم شخص نے کہا۔ "میں اس کا بیٹا ہوں۔ میری بدقسمتی مجھے کسی طرح پرماتما کی اس اندھیر نگری میں گھیر لائی۔ یہاں میں نے مہمان جادوگر اقتیلا جام سے جادوگری کا فن سیکھا۔ پھر ایک موقعے پر اقتیلا جام جو میرا استاد تھا میرا دشمن بن گیا۔ اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہو گیا کہ میں اسے مار کر اس کی جگہ لے لوں گا۔ اس نے میری نوجوانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھے غلط راستے پر ڈال دیا۔ میں ایک حسین لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ تادیر عشق کی آگ میں جلنے کے بعد جب میں س کے وصل کو بے تاب ہوا اور تنہائی میں اس مہ جبیں کے جسم کو ہاتھ لگایا تو میرا سارا علم غارت ہو گیا۔ میری ساری طاقتیں چھن گئیں۔ اس وقت اقتیلا جام نے مجھ

پر وار کیا اور اپنی طاقت سے میرے جسم کو زخم زخم کر دیا۔ اب میرا سارا جسم پیپ اور زخموں سے بھرا ہوا ہے۔ میرے ہر عضو پر کیڑے چلتے ہیں اور صورت بگڑ گئی ہے۔ اب میں یہاں کے مکینوں کے لیے عبرت نگاہ ہوں۔ ایک دھتکاری اور پھٹکاری ہوئی مخلوق کی طرح میں سارا دن خود کو ان درختوں میں چھپاتا رہتا ہوں۔ کبھی کسی کھوکھلے تنے میں کبھی کسی کھوہ میں۔ صرف رات کو نکلتا ہوں اور خوراک کی تلاش کرتا ہوں۔ زندگی اب تھوڑی رہ گئی ہے مگر جو بھی ہے موت سے کہیں بدتر ہے۔۔۔"

ہلابہ نے پوچھا۔ "اس وقت تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

اس نے کہا۔ "میری جادوئی طاقت چھن چکی ہے مگر کچھ نہ کچھ صلاحتیں ابھی باقی ہیں۔ ان صلاحیتوں کے ساتھ بھی میں کسی چھوٹے موٹے ساحر کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ شاید تم یقین نہ کرو مگر یہ حقیقت ہے کہ مجھے پہلے سے تمہارے آنے کا علم تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم کسی ایسی لڑکی کو چھڑانا چاہتی ہو جو اس وقت پرماتما کی قید میں ہے۔ تم نے اس لڑکی کے محبوب کو اس کی جدائی میں تڑپتے دیکھا ہے۔ دیواروں سے سر ٹکراتے دیکھا ہے۔ تمہارے اندر رحم کا جذبہ پیدا ہوا ہے اور تم جان ہتھیلی پر لے کر اس کی مدد کے لئے نکل کھڑی ہوئی اور ایسا کیوں ہوا ہے؟ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ تم خود بھی کسی کی محبوب ہو اور اس سے محبت کرتی ہو۔ تمہاری محبت اپنی منزل کو نہیں پا سکی اور اس محرومی نے تمہیں ایک نئے جذبے سے آشنا کیا ہے۔ تمہیں ایک نیا عزم دیا ہے۔ تم اپنی ناکامی کے کانٹوں کا مداوا کسی کو کامیابی کے پھول دے کر کرنا چاہتی ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟ بولو کیا میں غلط ہوں؟"

ہلابہ خاموش رہی۔ نامعلوم شخص کی کہی ہوئی بہت سی باتیں درست تھیں۔ وہ زبردست قیافہ شناس لگتا تھا۔ اب وہ ان باتوں کا کیا جواب دیتی۔ کچھ دیر دونوں کے درمیان ایک گھمبیر خاموشی طاری رہی۔ پھر نامعلوم شخص کی آواز آئی۔

"چند قدم دائیں طرف جاؤ۔ وہاں ایک پتھر ہے اس پر چڑھ کر دیکھو سامنے کیا نظر آتا ہے؟"

ہلابہ کچھ دیر سوچتی رہو پھر اس نے نامعلوم شخص کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے پتھر پر چڑھ کر دیکھا اور کچھ دیر دیکھنے کے بعد واپس آگئی۔ اجنبی شخص کی آواز آئی۔ "کیا دیکھا؟"

ہلابہ بولی۔ "پرماتما کا محل ہے۔ پہلو میں تھوڑی سی جگہ خالی ہے اور پھر ایک اور محل ہے۔ اس محل میں بارہ دروازے ہیں اور ہر دروازے پر ایک ایک قندیل لٹک رہی ہے۔ یہاں سے تو اتنا کچھ ہی نظر آتا ہے۔"

نامعلوم شخص بولا۔ "ہاں۔۔۔۔ یہاں سے تو اتنا کچھ ہی نظر آتا ہے۔ یہ جس کو تم ایک محل کہہ رہی ہو، یہ بارہ چھوٹے چھوٹے محل ہیں۔ ان محلوں میں سے ہر محل کے اندر ایک حسین و جمیل دوشیزہ بمعہ اپنے خدام اور کنیزوں کے ساتھ بسیرا کرتی ہے۔ جانتی ہو یہ بارہ حسین و جمیل دوشیزائیں کون ہوتی ہیں؟ اچانک ہلابہ کو یاد آیا کہ دیوالی کے موقعے پر پرماتما کے ہرکارے ریاست کے طول و عرض میں نکلتے ہیں اور محل کے لیے حسین و جمیل دوشیزائیں چُن کر لے جاتے ہیں، جن میں سے بارہ دوشیزائیں پھر کبھی واپس نہیں آتیں۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیا میں جس لڑکی کی تلاش میں آئی ہوں وہ انہی محلات میں ملے گی؟" نامعلوم شخص کی آواز آئی۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اس وقت ان محلات میں صرف چھ دوشیزائیں باقی ہیں کیوں کہ دیوالی سے لے کر اب تک پورے چاند کی چھ راتیں گزر چکی ہیں۔ ہر پورے چاند کی رات ایک دوشیزہ پرماتما کی خدمت گزاری کے لیے محل میں بھیجی جاتی ہے۔ وہ دوشیزہ ایک ماہ کی دلہن ہوتی ہے۔ ایک ماہ کے لیے وہ دنیا کی خوش قسمت ترین ہستی تصور ہوتی ہے۔ پرماتما کا سارا پیار اس کی ساری مہربانیاں اور اس کی ساری طاقتیں صرف اس ایک دوشیزہ کے لئے ہوتی ہیں۔ وہ اس جنت ارضی کی ملکہ ہوتی ہے۔ مگر۔۔۔۔ پھر جب ایک ماہ پورا ہو جاتا ہے اور اگلے ماہ کا چاند بدرِ کامل کی صورت نصف النہار پر چمکتا ہے تو ایک اور دلہن پرماتما کے محل میں پہنچ جاتی ہے۔۔۔۔۔ اور پہلے والی دوشیزہ کا کبھی پتہ نہیں چلتا۔ تین صدیوں سے یہ سلسلہ اسی طرح چلا آرہا ہے۔۔۔۔ اور نہ جانے کب تک چلتے رہنا ہے۔۔۔۔ اب معلوم نہیں تم جس دوشیزہ کی تلاش میں ہو وہ زندہ ہے یا پرماتما کی خوابگاہ کی زینت بن کر عدم کو سدھار چکی ہے۔ تاہم اگر وہ زندہ بھی ہے تو تم اسے مردہ سمجھو۔ میں پوری ہمدردی اور دیانتداری سے تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پاؤ گی۔ اگر تم کسی طرح یہاں سے اپنا آپ بچا کر چلی جاؤ تو یہ بھی تمہاری بہت بڑی کامیابی ہو گی۔۔۔ تم میری ہموطن ہو۔ رب العزت کی قسم، مجھے تم پر ترس آرہا ہے۔ ایک غلط ارادے کے ساتھ تم ایک غلط مقام پر آگئی ہو۔۔۔۔"

اچانک دور درختوں میں سے کچھ روشنیاں سی چمکیں۔ نامعلوم شخص نے بات ادھوری چھوڑ کر گھبراہٹ میں کہا۔ "محل سے پہریداروں کی تیسری ٹولی روانہ ہو رہی ہے۔ وہ گشت کرتے ہوئے ادھر سے گزریں گے تم اب یہاں سے جاؤ۔ ورنہ بہت جلد مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔"

ہلابہ نے کہا۔ "کاش میں تمہاری شکل دیکھ سکتی۔۔"

وہ بولا۔ "میری شکل آنکھوں کا عذاب ہے۔ تم اس عذاب کا مزہ کیوں چکھنا چاہتی ہو۔ جاؤ واپس چلی جاؤ۔ اقتیلا جام اور پرماتما کے قہر سے بچو۔۔۔"

ہلابہ کچھ دیر تاریکی میں اس خیالی مقام کی طرف دیکھتی رہی جہاں اس شخص کو ہونا چاہئیے تھا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر خدا حافظ کہا، اور تیز قدموں سے پنڈال میں واپس پہنچ گئی۔

پنڈال کا منظر اب دیدنی تھا۔ کچھ لمحوں کے لیے تو ہلابہ ششدر رہ گئی۔ چبوترے کی پُراسرار روشنی میں ایک پُراسرار منظر نظر آرہا تھا۔ طلائی تخت پر رکھی ہوئی سنہری کرسی اب خالی نہیں تھی۔ اس پر کوئی براجمان تھا اور وہ جو کوئی بھی تھا ایسا چمکدار لباس پہنے ہوئے تھا کہ اس پر نظر نہیں جمتی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک مہین نقاب تھا جس کے اندر سے اس کا چہرہ چلمن کی شمع جیسا نظر آرہا تھا۔ وہ کسی مجسمے کی طرح بالکل ساکت تھا جیسے صدیوں سے اسی مقام پر بیٹھا ہو، نہ پلک جھپکائی ہو اور نہ سانس لیا ہو۔ اس کے ارد گرد قیمتی کرسیوں پر کوئی دس مرد و زن بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب بے حس و حرکت تھے۔ ان مناظر میں ایک منظر سب سے انوکھا تھا۔ پرماتما کے عین عقب میں ایک شخص محافظ کے انداز میں کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر ہلابہ کو اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا۔ وہ ایک گرانڈیل شخص تھا۔ اس کے دو سر اور چار ہاتھ تھے۔ ان چاروں ہاتھوں میں اس نے چار برہنہ تلواریں اٹھا رکھی تھیں۔ اس کی خوفناک بھوری آنکھیں مسلسل حرکت میں تھیں جیسے ارد گرد کی ہر شے ان کی زد میں ہو۔ ہلابہ اس بلا کو دیکھ کر لرز گئی۔ اس نے چبوترے سے دھیان ہٹالیا۔ وہ جادوگر کی منکر

نہیں تھی اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ دنیا میں کچھ ایسی قوتیں ہیں جن کے بارے میں جاننے سے انسان قاصر ہے اور شاید ہمیشہ رہے گا۔۔۔ مگر یہ چار ہاتھوں اور دو سروں والا انسان جادو کا کرشمہ ہرگز نہیں تھا۔ شاید یہ پُرہیبت بلا ماں کے پیٹ سے اسی طرح برآمد ہوئی تھی۔۔۔۔ چبوترے کے عقب میں عام تماشائیوں کی تمام نشستیں بھی بھر چکی تھیں۔ پنڈال میں سحر کاری کا مظاہرہ زوروں پر تھا۔ دو جادوگروں میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک جادوگر نے اپنے کسی عمل یا شعبدے کے ذریعے مدِمقابل جادوگر کو اندھا کر دیا تھا اور اب دوسرے عمل کے ذریعے اسے فرش سے سر ٹکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سر ٹکرانے والا نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا۔ فاتح جادوگر نے خنجر کی نوک سے زمین پر ایک نقش کھینچا اور نقش سے مٹی اٹھا کر اپنے شکست خوردہ مقابل پر پھینکی، وہ تڑپ تو پہلے ہی رہا تھا اب پھڑکنے بھی لگا دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ناک سے خون جاری ہوا اور وہ غش کھا گیا۔ معالج اسے اٹھا کر باہر لے گئے۔ ایک جانب سے بارعب آواز گونجی۔ یہ آواز مہمان جادوگر اقتیلا جام کی تھی۔ اس نے مخصوص جملوں کے ذریعے ساحر کی فتح کا اعلان کیا۔ ہلابہ نے غور سے دیکھا اقتیلا جام ایک ادھیڑ عمر مکروہ صورت شخص تھا۔ گلے میں مردے کی ہڈیوں کی مالا پہنے ماتھے پر قشقہ کھینچے، وہ بڑی تمکنت سے پنڈال کے ایک سرے پر بیٹھا تھا۔ خوابیدہ آنکھوں والے تین بوڑھے ساحر اس کی معاونت کے لیے موجود تھے۔ دو نیم برہنہ خادمائیں اقتیلا جام کے دونوں طرف بے حرکت کھڑی تھیں۔

جونہی اقتیلا جام نے نتیجے کا اعلان کیا ایک جواں سال جادو گرنی اچھل کر پنڈال کے اندر آ گئی۔ وہ سر تا پا ایک سیاہ لبادے میں ملبوس تھی۔ اس کے سفید چہرے پر چمکیلی آنکھیں تھیں۔ وہ اقتیلا جام کو مخاطب کر کے پکاری۔

"مہاراج، جالی نے میرے چیلے کو اندھا کیا ہے۔ میں اس کا مقابلہ کرنا چاہتی ہوں۔"

فاتح جادو گر کا نام جالی تھا۔ اقتیلا جام نے اس سے کہا۔ "جالی! کیا تم یہ مقابلہ کرنا چاہتے ہو۔ ویسے قواعد کے مطابق تم اس کے پابند نہیں ہو۔"

جالی جو ایک جواں سال جادو گر تھا تذبذب میں کھڑا تھا۔ جادو گو عورت کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ہراس سا نظر آنے لگا۔ اتنے میں ایک عمر رسیدہ شخص کود کر اندر آ گیا۔ اس کی دونوں بھنویں نہایت گھنی تھیں۔

"میں مقابلہ کروں گا رانیا کا!" اس نے سینہ ٹھونک کر کہا۔ "میں جالی کا استاد ہوں۔"

اقتیلا جام نے پوچھا۔ "رانیا! کیا تم مقابلہ کرنا چاہتی ہو؟"

رانیا نے اپنے لمبے بال کھول دیے۔ اس کا مطلب تھا وہ مقابلے پر رضامند ہے۔ دونوں استاد جادو گر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔ رانیا آلتی پالتی مار کر زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کے معاون نے اس کے ہاتھوں میں گھنٹیاں دے دیں۔ وہ ان گھنٹیوں کو بڑے جوش سے باری باری زمین پر مارنے لگی اور اپنے سر کو ایک چکر کی صورت میں حرکت دینے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پنڈال پر سانپ نظر آئے یہ سانپ پنڈال کے پردوں کے نیچے سے برآمد ہو رہے تھے۔ ان میں چھوٹے بڑے ہر طرح کے سانپ تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان سانپوں نے عمر

رسیدہ جادو گر کو گھیر لیا۔ اس جادو گر نے اپنا ہاتھ لبادے کے اندر کیا اور جست لگا کر سانپوں کی زد سے نکل گیا۔ پھر اس نے بڑے جوش سے کوئی منتر پڑھ کر ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ ایک شعلہ سا لپکا تھا اور سانپوں کی جگہ ایک الاؤ بھڑک اٹھا۔ زیادہ تر سانپ اس آگ کی زد میں آ گئے اور باقی بل کھاتے واپس پردوں کے پیچھے رینگ گئے۔ جلتے ہوئے گوشت کی بُو پورے پنڈال میں پھیل گئی۔ رانیا نے یہ منظر دیکھا تو جوش سے دیوانی ہو گئی۔ اس نے اپنا لبادہ اتار پھینکا اور آگ کے گرد والہانہ رقص کرنے لگی۔ اس نیم عریاں رقص کو تال فراہم کرنے کے لیے دو بونے طبلچی بڑی تیزی سے ہاتھ چلا رہے تھے۔ اس وحشیانہ رقص نے حاضرین کو مبہوت کر دیا۔ دل عجیب انداز سے دھڑکنے لگے۔ ساحرہ رانیا ہیجانی انداز میں رقص کرتی کرتی الاؤ کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ پھر اس نے ایک عجیب و غریب نعرہ بلند کیا اور آگ کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ ایک ناقابل یقین منظر تھا۔ دیکھنے والے حیرت سے گنگ رہ گئے۔ شعلوں کی لپکتی زبانیں ساحرہ کی برہنہ کمر تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ آنکھیں موندے، دونوں ہاتھ ناگن کے پھن کی طرح اوپر اٹھائے وجد انگیز رقص کر رہی تھی۔ اس کا انگ انگ تھرک رہا تھا، ہلچل مچا رہا تھا۔ کچھ دیر محوِ رقص رہنے کے بعد وہ الاؤ سے صحیح سلامت باہر نکل آئی اور مقابل جادو گر سے چلا کر بولی۔

"بڈھے! یہ تیری ہی جلائی ہوئی آگ ہے۔ اگر ہمت ہے تو اس میں پاؤں رکھ کر دکھا۔ پاؤں رکھ کر دکھا اس میں۔"

بوڑھا جادو گر تذبذب میں کھڑا تھا۔ پھر اس نے اقتیلا جام کی طرف دیکھا اور بولا۔

"مہاراج ! یہ جادو نہیں شعبدہ ہے۔ رانیا نے دھوکا کیا ہے اس نے اپنے بدن پر کسی مرکب کا لیپ کر رکھا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں یہ شعبدہ ہے۔ قاعدے کے مطابق اس فریب کاری کی سزا موت ہے۔"

اقتیلا جام نے بغور رانیا کی طرف دیکھا اور تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "رانیا! میرے پاس آؤ"۔

رانیا نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ اس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اقتیلا جام نے اپنا حکم دہرایا۔ "میرے قریب آؤ رانیا۔" اس وقت رانیا بجلی کی طرح حرکت میں آئی۔ چیخ کر اس نے مقابل جادوگر کو دھکا دیا وہ آگ کے بالکل پاس کھڑا تھا۔ دھکا کھا کر شعلوں میں جا گرا۔ پلک جھپکتے میں اس کے کپڑوں نے آگ پکڑی اور وہ اپنے شعلے بجھانے کے لیے پنڈال میں لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ کئی مددگار اس کی آگ بجھانے کے لیے لپکے اور بھاری کپڑے پھینک کر شعلے سرد کیے مگر اتنی دیر میں جادوگر بُری طرح جھلس چکا تھا۔۔۔۔ اس وقت ہلابہ کی نگاہ رانیا کی طرف چلی گئی۔ اس نے دیکھا رانیا نے ایک خنجر سے اپنا پیٹ پھاڑ لیا اور جان کنی کے عالم میں فرش پر تڑپ رہی ہے۔ اس کا خون تیزی سے پنڈال کی مٹی میں جذب ہو رہا تھا۔۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے جادوگر اور جادوگرنی ٹھنڈے ہو گئے۔ اقتیلا جام کے حکم پر زرد پوش محافظ آگے بڑھے اور دونوں لاشوں کو اٹھا کر باہر لے گئے۔ آگ بجھا کر ادھر سے سانپوں کی کینچلیاں اٹھا کر جگہ صاف کر دی گئی۔ پنڈال کے چاروں کونوں میں تانبے کے بڑے بڑے برتنوں میں عود و عنبر سلگ رہے تھے۔ ذرا ہی دیر میں ان کی مہک سوختہ گوشت کی بُو پر غالب آ گئی۔ پھر اسی جوش و خروش کے ساتھ نئے مقابلے شروع ہو گئے۔ ماہر جادوگر اور شعبدے باز اپنے اپنے کمالات دکھانے لگے۔ فتح اور شکست کا دور چلنے لگا۔ حاضرین ایک بار پھر اس ہنگامہ پُر حیرت میں گُم ہو گئے۔ یوں لگتا تھا یہاں کوئی سنگین واقعہ رونما ہی نہیں ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جادوئی کمالات کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہا تھا۔ اس کے بعد کامیاب مظاہرین کو بیش قیمت انعامات دیے گئے اور اس محفل کی پہلی نشست ختم ہو گئی۔ دوسری محفل آج رات برپا ہونی تھی۔ حصہ لینے والے جادوگر اور شعبدہ باز تیاریوں میں مصروف تھے۔ سب صبح سویرے سے اٹھے ہوئے تھے۔ کوئی درخت کے سامنے سرٹیک کر کڑا بجا رہا تھا۔ ایک طرف گنگا رام، رام نام جپنا کی تکرار کر رہا تھا۔ وہ رات اپنے شعبدے پر ایک گراں قدر انعام لے کر لوٹا تھا مگر وہ اس انعام پر بھی زیادہ خوش نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا اگر وہ شعبدہ کسی اونچی ذات کے ہندو نے دکھایا ہوتا تو یہاں سے مالا مال ہو کر لوٹتا۔۔۔۔ ہلابہ سب سے الگ تھلگ بیٹھی اپنی سوچوں میں گُم تھی۔ اس نے صبح سے دو تین بار یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوئی تھی اور اب اسے خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ اگر ایک بار پھر اسے محافظوں نے روکا تو روکنے کے علاوہ اسے گرفتار بھی کر لیں گے۔ وہ جانتی تھی اس کے پاس صرف آٹھ پہر ہیں۔ کل اس وقت انہیں یہاں سے روانہ ہو جانا ہے۔ اگر اسے کچھ کرنا ہے تو آج رات ہی کر لینا ہے۔ دو تین پہر میں اسے نہ صرف چندہ کو آزاد کروانا تھا بلکہ پرماتما تک پہنچ کر اسے جہنم واصل بھی کرنا تھا۔ اور یہ ایسا ہی تھا جیسے کوئی سوئی کے سوراخ میں سے ہاتھی گزارنے کا سوچے۔ پرماتما تک پہنچنا تو دور کی بات تھی ابھی وہ چندا نامی اس مسلمان لڑکی کی موجودگی کا سراغ بھی نہیں لگا سکی تھی۔ وہ سوچتی رہی۔۔۔۔ اور سوچتی رہی۔ جادوگروں اور شعبدہ بازوں کی ہاہاکار کے درمیان بیٹھی اپنے سچے رب کو یاد کر رہی تھی۔ اس مالک کو پکارتی رہی جا کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے اور جس کا اشارہ دن کو رات اور سیاہ کو سفید بنا سکتا ہے۔

بہت دیر اپنی سوچوں میں غلطاں رہنے کے باوجود اس کا ذہن کسی نتیجے پر نہیں پہنچا۔ سورج اب ڈھلنے لگا تھا۔ درختوں کے سائے آسیبوں کی طرح رینگتے ہوئے "شام طلسم" کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دن کی حدت سبزے سے پراسرار سرگوشیاں کرتی جنگل کے تاریک کونوں میں سمٹ رہی تھی۔ ہلابہ نے بہ آہستگی گنگارام سے کہا۔

"گنگا! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں یہیں رہ جاؤں۔ اگر میں جنگل کے کسی تاریک حصے میں چھپ جاؤں تو پرماتما کے آدمی آسانی سے ڈھونڈ نہیں سکیں گے۔ دو تین جادوگر ہلاک بھی تو ہوئے ہیں۔ شائد محافظ میری غیر موجودگی کو محسوس نہ کر سکیں۔"

گنگارام بے دلی سے مسکرایا۔ "نہیں مالکن! جیتا جاگتا انسان تو دور کی بات ہے اگر ہم اپنے سامان سے کوئی تنکا بھی یہاں چھوڑنا چاہیں گے تو انھیں معلوم ہو جائے گا۔ یہاں کی "نگران آنکھیں" بہت تیز اور یہاں کا حساب کتاب بہت سخت ہے مالکن۔"

ہلابہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس وقت ایک زرہ پوش پہریدار ٹہلتا ہوا ان کی طرف چلا آیا۔ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

شام تک ہلابہ بے قرار پھرتی رہی۔ آخر اجالے پر تاریکی غالب آنے لگی۔ در و دیوار قندیلوں، فانوسوں اور مشعلوں سے جگمگانے لگے۔ حسب سابق گھوڑا گاڑیاں پہنچ گئیں اور محافظوں کی نگرانی میں انھیں گاڑیوں پر سوار کر کے پنڈال کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ ہلابہ پہلے سے سب کچھ سوچ چکی تھی لہذا جب پرماتما کے عظیم

الشان سفید محل کے سامنے پہنچ کر سب لوگ گاڑیوں سے اترنے لگے تو وہ اندر ہی بیٹھی رہی۔ اس نے خود کو ایک نشست کی اوٹ میں چھپا لیا اور وقت کا انتظار کرنے لگی۔ جلد ہی سب لوگ پنڈال کی طرف روانہ ہو گئے اور ہلابہ گاڑی میں تنہا رہ گئی۔ اس نے اٹھ کر گنگارام کا سیاہ تھیلا ڈھونڈا۔ یہ تھیلا شعبدہ بازوں کے سامان کے ساتھ ہی گاڑی کے عقبی حصے میں پڑا تھا۔ اس سیاہ تھیلے کے اندر سے ہلابہ نے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا۔ اخروٹ کی منقش لکڑی کا یہ ڈبہ اس نے لبادے کے نیچے چھپا لیا۔ لوہے کی نوک دار سلاخ بھی یہیں موجود تھی۔۔۔۔۔

اب وہ گاڑی کے عقبی حصے میں بیٹھ کر اندھیرا گہرا ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی۔ اس کی سوچیں خود بخود اپنے ساتھیوں کی طرف چلی گئیں پچھمی بستی میں ابدال غازی کی حویلی میں چھوڑ آئی تھی۔ اس کے بعد اسے ان کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ اشباح کا چہرہ اس کی نگاہوں میں گھومنے لگا۔ آنکھوں سے خود بخود اشکوں کی نمی اتر آئی "کہاں ہو اشباح!" اس کے دل نے پکار کر کہا۔ "دیکھو آج میں زندگی کی سرزمین سے موت کی سرزمین کی طرف جا رہی ہوں۔ اس راستے پر قدم رکھنے لگی ہوں جہاں ہر موڑ پر موت گھات لگائے بیٹھی ہے۔ معلوم نہیں اب کبھی تمہیں دیکھ پاؤں گی یا نہیں۔۔۔۔"

وہ دیر تک اپنے خیالوں میں گم بیٹھی رہی۔ اندھیرا کسی ستم گزیدہ کے مقدر کی طرح گہرا ہو گیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور گاڑی سے نکل کر بہ آہستگی بید مجنوں کے پودوں میں رینگ گئی۔ محتاط انداز میں چلتی۔ روشن جگہوں سے بچتی۔۔۔۔ آخر وہ ان بارہ محلات کے نواح میں پہنچ گئی جو اس نے کل رات شمال کی جانب سے دیکھے تھے۔ وہ اس وقت ان محلات کے عقبی حصے میں تھی۔ ہر محل کی عقبی جانب بھی ایک دروازہ موجود تھا لیکن یہ دیکھ کر ہلابہ کو مایوسی ہوئی کہ ہر دروازے پر ایک زرہ پوش پہریدار موجود ہے۔۔۔۔ ہلابہ ایک چکر کاٹ کر

محلات کے پہلو میں چلی گئی۔ بیرونی دیوار خاصی بلند تھی اور اس پر نوکیلی آہنی سلاخیں بھی لگی ہوئی تھیں۔۔۔
ہلابہ ان سلاخوں کو جلتی نظروں سے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر جذبے کا عجیب سا رنگ تھا۔ یہ جذبہ
دعویٰ کر رہا تھا کہ وہ آج ہر رکاوٹ کو پار کر جائے گی۔ کوئی باڑھ، کوئی آہنی سلاخ، کوئی دیوار اسے روک نہیں
سکے گی۔ رکاوٹیں توڑنے والی نے جان ہتھیلی پر رکھ لی اور جان جب سچ مچ ہتھیلی پر آجائے تو نگاہوں میں وہ
طاقت آتی ہے جو لوہے کو پگھلا کر آب کر دیتی ہے۔ ہلابہ نے آگے بڑھ کر چھوٹی سی جست لگائی اور دیوار کے
ساتھ لٹک گئی۔ ایک زبردست کوشش کے بعد وہ دیوار پر پہنچی اور وہاں سے چھت پر آگئی۔ یہاں پہنچ کر اس
نے اپنے جوتے اتار دئے اور ننگے پاؤں بڑی احتیاط سے، چھتوں پر چلتی محلات کی اس قطار کے عین درمیان پہنچ
گئی۔ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے لبادے میں ہاتھ ڈال کر آہنی سلاخ برآمد کی اور اس دروازے کی طرف
بڑھی جو اس کے خیال میں سڑھیوں کا دروازہ تھا۔ جب وہ نزدیک پہنچی تو اسے اچانک بری طرح چونک جانا
پڑا۔ دروازے کے بالکل ساتھ تاریکی میں ایک پہریدار ایسے کھڑا تھا جیسے کوئی زردی مائل ستون ہو۔ اس کی
سانپ جیسی چمکیلی آنکھیں ہلابہ کو گھور رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے کافوری مشعل جلائی اور دھیرے دھیرے
ہلابہ کی جانب بڑھا۔ ہلابہ نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ کر سلاخ چھپالی تھی۔ وہ پہریدار کے قریب
آنے کا انتظار کرتی رہی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ پہریدار نے ابھی تک چیخ وپکار کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو
کیوں نہیں بلایا۔ شائد وہ ایک تنہا عورت کے لئے خود کو کافی سمجھ رہا تھا۔ پھر ہلابہ نے اس کی طرف نگاہیں
اٹھائیں اور اصل معاملہ سمجھ گئی۔ وہ نشے میں بدمست تھا۔ اس کی حریص نگاہیں جیسے خواب کی حالت میں ہلابہ
کے جسم کا طواف کر رہی تھیں۔ قدرت نے ہلابہ کو ایک سنہری موقع فراہم کر دیا تھا۔ اپنی جگہ بے حرکت

کھڑی رہی۔ پہریدار ڈولتا ہوا آیا اور مجنونانہ انداز میں ہلابہ کو دیکھتا ہوا اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اس نے
مشعل ایک طرف رکھ دی اور ہلابہ کے سپید پیروں پر بڑی ہولناکی سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر اس نے پاؤں کو
چومنا شروع کر دیا۔ ہلابہ نے آہنی سلاخ کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اوپر اٹھایا۔۔۔ لیکن اچانک ارادہ بدل
دیا۔ اس بدمست پہریدار کے لئے کوئی خطرہ مول لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہلابہ کے پاؤں چھونے
کے بعد پہریدار جونہی سیدھا ہوا ہلابہ نے اس کے بال مٹھی میں جکڑے اور نہایت تیزی اور طاقت سے اس کا
سر دیوار سے ٹکرانا شروع کر دیا۔ چوتھی پانچویں ضرب پر وہ بے ہوش ہو کر ہلابہ کی بانہوں میں جھول گیا۔
ہلابہ نے اسے بدوقت تمام گھسیٹا اور چھت کے اوپر سے ساتھ والے خالی محل کے صحن میں پھینک دیا۔ بلندی
کافی تھی پختہ فرش پر گرتے ہی پہریدار کی کھوپڑی پھٹ گئی۔ ہلابہ نے مشعل کی روشنی میں شرابی پہریدار کی
بوتل ڈھونڈی اور وہ بھی اس کے قریب پھینک دی۔ اب دیکھنے والے کے لئے یہ سمجھنا نہایت آسان تھا کہ
پہریدار بدمست ہو کر چھت سے گر گیا ہے۔ ہلابہ کچھ دیر تاریکی میں کھڑی ردعمل کا انتظار کرتی رہی۔۔۔ پھر
مطمئن ہو کر نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ اب پہریدار کی عریاں تلوار اس کے لبادے میں
تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ بس وہ آنکھیں بند کر کے موت کے حصار میں داخل ہو گئی
تھی۔ محتاط انداز میں چلتی وہ شاندار محل کے اندر پہنچی۔ اسے معلوم تھا کہ محل کے اندرونی حصے میں کوئی مرد
پہریدار موجود نہیں ہو گا اور یہ بات اس کے لئے بہت تسلی بخش تھی۔ کہیں قریب ہی خادماؤں کے چلنے
پھرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ شائد رات کے کھانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ ستونوں اور پردوں کی آڑ لیتی زر
وپوش خادماؤں کی نگاہ سے بچتی وہ قدم قدم آگے بڑھنے لگی مگر کب تک۔۔۔۔۔۔ آخر اسے دیکھ لیا گیا۔ ایک

مسلح خادمہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ پہلے حیران ہوئی پھر تیز لہجے میں بولی۔ "کون ہو تم؟" ہلابہ نے ان لمحات کے لئے پہلے سے تیاری کر رکھی تھی۔ اطمینان سے بولی۔

"میں مصری ساحرہ ہوں پہریداروں کی اجازت سے آئی ہوں۔ پرماتما نے مجھے دلہن کے دل بہلاوے کے لئے بھیجا ہے۔ میں تو صبح سے یہاں ہوں۔"

ہلابہ کی یہ تدبیر کارگر رہی۔ رات کی خادمائیں چونکہ ابھی ابھی آئیں تھیں لہذا انھیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ دوسرے ہلابہ کے لہجے میں بے پناہ اعتماد تھا خادمہ کو یقین کرتے ہی بنی۔ اس نے کہا تمہارا شناخت نامہ۔ ہلابہ نے فوراً لبادے کے اندر سے وہ گول چمڑا نکال کر پیش کر دیا جس پر مردے کی کھوپڑی بنی ہوئی تھی اور جو افنبلا جام کی طرف سے گنگارام کو عطا کیا گیا تھا۔ ہلابہ کو ہرگز معلوم نہیں تھا کہ ایک موقع پر چمڑے کا یہ حقیر ٹکڑا اس کے لئے اتنا کارآمد ثابت ہو گا۔ مسلح عورت نے چمڑا ملاحظہ کرنے کے بعد اسے واپس دے دیا اور خشک لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے لیکن تمہیں اس طرح محل میں آزادنہ گھومنے کی اجازت نہیں صرف خواب گاہ تک محدود رہو۔"

ہلابہ نے اقرار میں سر ہلایا اور محل وقوع کا جائزہ لے کر ایک جانب چل دی۔ "ادھر کہاں جا رہی ہو؟" مسلح عورت کی شک آمیز آواز سنائی دی۔ "خوابگاہ ادھر ہے۔" اس نے ہاتھ سے ایک جانب اشارہ کیا۔

"اوہ میں بھول گئی۔" ہلابہ نے اعتماد سے کہا اور عورت کی بتائی ہوئی سمت روانہ ہو گئی۔ وہ وسیع کمروں اور وہاں پر مصروف خادماؤں کے بیچوں بیچ سے گزر کر ایک طویل راہداری میں داخل ہو گئی۔ اس راہداری کے آخر میں ایک دروازہ تھا۔ ہلابہ نے احتیاط کے ساتھ دروازے کی جھری میں جھانکا۔ یہ ایک شاندار خوابگاہ تھی۔ فرش پر قالین، دیواروں پر ایرانی غالیچے، چھت سے نفیس پردے آبشار کی طرح گر رہے تھے اور ایک شاندار مسہری کو ڈھانپ رہے تھے۔ مسہری پر ایک نہایت خوش شکل، نازک اندام دوشیزہ محو استراحت تھی۔ وہ آنکھیں بند کئے لیٹی تھی۔ ہلابہ تمام خطرات بالائے طاق رکھتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ دبے پاوں چلتی وہ حسین دوشیزہ کے سرہانے پہنچی۔ پھر اچانک جھک کر اس کا منہ ہاتھ سے ڈھانپا اور تلوار کی نوک اس کی شفاف گردن پر رکھ دی۔ لڑکی نے اپنی آنکھیں پوری کھولیں اور اس کی چیخ گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔ وہ حیرت ناک نظروں سے ہلابہ کے نقش و نگار والے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ ہلابہ نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں تمہاری دشمن نہیں دوست ہوں۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ صرف ایک سوال پوچھ کر واپس چلی جاؤں گی۔"

لڑکی کچھ دیر خوف سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اثبات میں سر ہلانے لگی۔ ہلابہ نے بہ آہستگی اس کے ہونٹوں سے ہاتھ اٹھا لیا۔ تلوار ابھی تک اس کے دوسرے ہاتھ میں تھی۔

"کیا تمہارا نام چندا ہے؟" اس نے لڑکی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔۔ میرا نام۔۔۔۔ سریتا ہو۔" لڑکی ہکلائی۔

"چندا کہاں ہے؟" ہلابہ نے پوچھا۔

"وہ تو۔۔۔وہ تو۔۔۔لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو۔کون ہو تم؟"

ہلابہ نے بے قابو ہو کر تلوار کی نوک پھر سے اس کی گردن پہ رکھ دی اور صحرائی لو جیسے پر تپش لہجے میں بولی۔"جو میں پوچھتی ہوں، صرف اس کا جواب دو۔"

لڑکی نے ہکلا کر کہا۔"میں چندا کی ذاتی خادمہ ہوں۔۔۔چندا ادھر حمام میں ہے۔"

خوشی اور مسرت سے ہلابہ کی رگوں میں خون اچھل کر رہ گیا۔اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔چندا زندہ ہے۔۔۔اور اسی محل میں موجود تھی۔اس کی تقدیر اسے کامیابی سے ٹھیک مقام پر لے آئی تھی۔ہلابہ جھپٹ کر واپس مڑی اور خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر کے کھڑکی کے پردے برابر کر دئے۔اس وقت اسے پہلو میں آہٹ سنائی دی۔اس نے دیکھا خواب گاہ کی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا اور بھاپ اور خوشبو کے ایک جھونکے کے ساتھ ایک لڑکی نظر آئی۔اس کے حسین و جمیل چہرے پر پانی کے قطرے موتیوں کی طرح دمک رہے تھے۔بھیگے ہوئے لمبے بال اس نے ایک کپڑے میں لپیٹ رکھے تھے وہ حسب وجمال اور جسمانی دلکشی کی ایک مکمل مورتی تھی۔کمرے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی رد عمل ظاہر کرتی۔ہلابہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک پہر رات گزر چکی تھی۔سریتا، ہلابہ اور چندا آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ہلابہ سرگوشیوں میں چندا کو سمجھا رہی تھی۔

"میری بہن! کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا۔صرف ہمت کی ضرورت ہے تم ایک بار اس محل سے نکل گئی تو پھر کوئی تمہیں پا نہیں سکے گا۔کوئی طلسم تمہارا راستہ نہیں روک سکے گا۔سب سے بڑا خدا کا نام ہے اور اس کے سامنے کوئی جادو کارگر نہیں۔"

چندا نے روہانسے لہجے میں کہا۔"لیکن یہ سب کیسے ہو سکتا ہے۔محل سے نکلنا چاہے دشوار نہ ہو لیکن پرماتما کی زد سے نکلنا ناممکن ہے، یہاں ہر چپے پر اس کے پہریدار موجود ہیں، ہزاروں آنکھیں نگران ہیں۔کسی نہ کسی مرحلے پر مجھے پکڑے ہی جانا ہے اور پھر میری موت اور بھی اذیت ناک ہو جائے گی۔"

ہلابہ نے کہا۔"غلط۔۔۔تمہیں کسی مرحلے پر پکڑے نہیں جانا اور نہ ہی نصیب دشمناں تمہیں مرنا ہے۔۔۔اور میں تمہیں بتاتی ہوں یہ سب کیسے کرنا ہوگا۔" یہ کہتے ہوئے ہلابہ نے اپنے لبادے کے نیچے سے اخروٹ کی لکڑی کا وہ چھوٹا سا ڈبہ نکال لیا۔اس بے میں رنگ وروغن اور دو چھوٹے چھوٹے برش تھے۔ہلابہ نے چندا سے کہا۔

"میری بہن! یہ کپڑے اتار دو۔۔۔۔۔۔میں بھی اتار دیتی ہوں۔میرے کپڑے تم پہن لو اور تمہارے میں۔۔۔جلدی کرو ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

چندا نے حیل و حجت کرنا چاہی لیکن ہلابہ نے اپنی اثر انگیز باتوں سے اسے قائل کر لیا۔۔۔۔ چندا کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنی اس ہمدرد مونس کی بات مان جائے۔ خواب گاہ کی روشنیاں گل کر کے دونوں نے کپڑے بدلے۔ کپڑے بدلنے کے بعد ہلابہ نے اسے اپنے سامنے نشست پر بٹھالیا اور شمعوں کی روشنی میں اس کے چہرے پر نقش و نگار بنانے لگی۔ لرزتے ہاتھوں سے وہ دیر تک اپنے کام میں مصروف رہی۔ سریتا بے قراری سے دروازے اور کھڑکی کے سامنے ٹہل رہی تھی۔ اسے ہر گھڑی خطرہ تھا کہ کوئی خواب گاہ کی طرف چلا آئے گا۔ وہ چندا کی ذاتی خادمہ ہی نہیں تھی اس کی سہیلی بھی بن چکی تھی۔ دونوں اکٹھے کھاتی تھیں، اکٹھے سوتی تھیں اور بہنوں کی طرح ایک دوسرے سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اس محبت کی خاطر سریتا ہر خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئی تھی اور اس کا جذبہ لائق صد تحسین تھا۔ وہ جانتے بوجھتے ایک عذاب ناک موت کی دعوت قبول کر رہی تھی صرف اس امید پر کہ اس کی مالکہ جو اس کی جان سے پیاری سہیلی بھی ہے پرماتما کے چنگل سے بچ جائے۔

تھوڑی ہی دیر میں ہلابہ نے چندا کو تیار کر لیا۔ وہ چھڑے کا ٹکڑا اس کے سپرد کرتے ہوئے بولی۔ "جا میری پیاری بہن آزادی تیرا راستہ دیکھ رہی ہے اور خدا نے چاہا تو ہم دونوں بھی اس جادو نگری سے صحیح سالم نکل آئیں گی۔۔۔۔ تو اس خواب گاہ سے نکل کر کسی طرح چھت پر چلی جا، چھت پر موجود پہریدار ابدی نیند سو رہا ہے۔ چھتوں پر سے ہوتی ہوئی تو محلات کی بیرونی دیوار تک پہنچ جائے گی۔ وہاں ایک مقام پر نوکیلی سلاخیں تیرا راستہ روک سکتی ہیں ان کے لئے تو یہاں سے کوئی گدا وغیرہ لیتی جا۔ مجھے امید ہے تجھے سلاخیں پار کرنے میں زیادہ دقت نہیں ہو گی۔ دیوار سے اترتے ہی تو با آسانی جنگل میں اتر سکتی ہے۔ اس موقعے پر اگر کوئی تجھے

دیکھ لے تو چھڑے کا یہ ٹکڑا تیرے کام آ سکتا ہے اور تو کہہ سکتی ہے کہ میں پنڈال سے راستہ بھول کر ادھر آ نکلی ہوں۔۔۔۔ پنڈال میں اس وقت جادو گری کا مظاہرہ زوروں پر ہو گا۔ تو وہاں گنگا رام کو با آسانی پہچان لے گی۔ وہ ایک ٹانگ سے معذور ہے اور اس کا نصف چہرہ جلا ہوا ہے۔ تو اسے میرے اور اپنے بارے میں سب کچھ بتا دینا۔ اسے کہنا کہ میری بالکل فکر نہ کرے تجھے یہاں سے لے کر نکل جائے۔ میں بھی جلد ہی آ جاؤں گی۔۔۔۔"

چندا خاموشی سے ساری باتیں سن رہی تھی۔ ہلابہ نے کہا۔ "دیکھ میری بہن کوئی اعتراض نہ کرنا ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ پہریدار کی لاش کسی بھی وقت ظاہر ہو سکتی ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو ہم تینوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔ کیا تو چاہتی ہے کہ میری ساری جدوجہد رائیگاں جائے؟"

چندا نے سسکی لے کر گردن جھکائی اور نفی میں سر ہلانے لگی۔ ہلابہ نے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔ "تو چل پھر اٹھ شاباش۔ کمر ہمت باندھ اللہ تیری مدد کرے گا۔"

چندا نے بھیگی آنکھوں سے چندا کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ہلابہ نے ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ چندا سسک کر سریتا سے لپٹ گئی۔ یہ الوداعی ملاقات تھی۔ سریتا نے اسے بازوؤں میں بھینچ کر گالوں اور گردن پر لگاتار بوسے دئے اور آنسو بہاتے ہوئے بولی۔

"بھگوان تیری رکھشا کرے۔ تیری آشائیں پوری ہوں۔ تجھے گرم ہوا نہ لگے۔ تو اپنے پریتم کی صورت دیکھے۔" سریتا سے جدا ہو کر چندا ہلابہ سے لپٹ گئی۔ ہلابہ نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے اسے پر اعتماد لہجے

میں دلاسہ دیا اور مسہری سے تلوار اٹھا کر اس کے لبادے میں چھپا دی۔۔۔۔ذرا ہی دیر بعد چندا لرزتے قدموں سے خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔۔وہ ایک ایسا کام کرنے جا رہی تھی جو آج تک کسی نے نہیں کیا تھا۔وہ شیطانی قوتوں کے مالک،اس تاریک جنگل کے لازوال فرمانروا۔۔۔پرماتما کو دھوکا دے کر،اس کی ہوس کو ناکام بنا کر،اس کی قید سے نکلنے کی جرات کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چندا مصری ساحرہ کا روپ دھار کر پرماتما کے محل سے نکل گئی۔محل میں اس کی جگہ ہلابہ نے لے لی۔ہلابہ ایسا ہرگز نہ کر سکتی اگر اسے چندا کی ملازمہ خاص سریتا کا تعاون حاصل نہ ہوتا۔سریتا چندا کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار تھی۔اس نے اپنے سوا کسی کو ہلابہ کی خواب گاہ تک نہیں پہنچنے دیا۔ہلابہ کا کھانا بھی وہ خود خواب گاہ تک لاتی اور اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھتی۔اگر زرد پوش محافظ عورتوں میں سے کوئی اس کے بارے میں پوچھتی تو وہ کہہ دیتی کہ دلہن کی طبیعت ناساز ہے اس لئے وہ کمرے میں بند رہتی ہے۔

پانچ چھ روز تو عافیت سے گزرے لیکن کب تک؟آخر ایک روز محافظ دستے کی سالار نے اصرار کیا کہ وہ دلہن کا حال احوال پوچھنا چاہتی ہے،تاکہ اگر وہ زیادہ بیمار ہے تو اس کی جگہ دوسری دلہن کو پرماتما کے محل میں پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔عورت کی یہ بات درست تھی کیونکہ ترتیب کے لحاظ سے اب چندا کی باری تھی۔نیا چاند طلوع ہوئے پانچ روز ہو چکے تھے اور ٹھیک دس روز بعد چندا کو پرماتما کے محل میں پہنچ جانا تھا۔سریتا

نے محافظ دستے کی سالار سے کہا۔۔۔۔"اچھا تھوڑا انتظار کرو۔دلہن ابھی سو رہی ہے۔ابھی بیدار ہوتی ہے تو میں ملواتی ہوں۔"

جونہی سالار واپس گئی سریتا جلدی سے خواب گاہ میں واپس آ گئی۔ہلابہ مسہری پر کروٹ کے بل لیٹی تھی۔چھت سے آبشار کی طرح گرنے والے پردوں نے مسہری کو چاروں جانب سے ڈھانپ رکھا تھا۔

"مالکن!"اس نے آہستہ سے ہلابہ کے کان میں سرگوشی کی۔ہلابہ سیدھی ہو بیٹھی اسے سریتا کے چہرے پر پریشانی کے سائے نظر آ رہے تھے۔

"کیا بات ہے سریتا تم کچھ پریشان ہو؟"

سریتا نے کہا۔"مالکن بہت مشکل ہو گئی ہے۔محافظ دستے کی سالار بوکالی ہو صورت آپ کو دیکھنا چاہتی ہے۔دستور کے مطابق ٹھیک دس دن بعد آپ کو پرماتما کے محل میں پہنچنا ہے۔وہ دیکھنا چاہتی ہیں کہ اگر آپ کی طبیعت واقعی ناساز ہے تو دوسری دلہن کا انتظام کیا جائے۔"

ہلابہ نے کہا۔"اس کا مطلب ہے،کوئی دوسری چلی گئی تو پھر مجھے ایک ماہ انتظار کرنا ہو گا۔"

سریتا نے کہا۔"قاعدے کے مطابق تو ایسا ہی ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ آپ کی بیماری کا یقین ہی کر لیا جائے۔بوکالی کے بعد آپ کو دو ماہر طبیب دیکھنے آئیں گے اور وہی کوئی فیصلہ کریں گے۔"

ہلابہ نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "مجھے اس قسم کا بہانہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں حالات کا سامنا کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔ جو کل ہونا ہے وہ آج ہو جائے۔ تم جا کر دستے کی سالار سے کہہ دو کہ میں اب ٹھیک ہوں۔"

سریتا نے پریشانی سے کہا۔ "لیکن مالکن۔۔۔۔ آپ کی صورت؟"

ہلابہ کی نگاہ خود بخود خواب گاہ کے ایک کونے کی طرف اٹھ گئی۔ حمام کے دروازے کے پاس ایک چاندی کی ایک تپائی پر شیشے کے چند خوبصورت مرتبان رکھے تھے۔ ان مرتبانوں میں مختلف عرق، خوشبوئیں اور ابٹن وغیرہ تھے۔ ہر دلہن کے سامان میں یہ اشیاء ضروری شمار کی جاتی تھیں، ان محلات میں قیام کے دوران اپنی باری آنے تک تمام دلہنیں اپنے جسم کے نکھارنے اور بنانے سنوارنے میں مصروف رہتی تھیں۔۔۔۔ ایک روز پہلے ہی سریتا نے ایک ابٹن سے ہلابہ کے بازوؤں اور پنڈلیوں پر لیپ کیا تھا۔ اب ایسا ہی لیپ ہلابہ اپنے چہرے پر کرنا چاہتی تھی۔ اس نے سریتا کو ایک مرتبان لانے کی ہدایت کی۔ سریتا مرتبان لائی اور ہلابہ نے اسے کہا کہ وہ اس کے چہرے اور ہاتھ پاؤں پر اچھی طرح لیپ کر دے۔ سریتا اپنی مالکن کا مطمع نظر سمجھ گئی تھی۔ اس نے اتنی فراخدلی سے لیپ کیا کہ ہلابہ کا چہرہ مکمل طور پر چھپ گیا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ بوکالی کو بلا لائی۔ بوکالی کو کسی طرح کا شک نہیں گزرا۔ اس نے ہلابہ سے چند سوال کئے۔ ہلابہ نے ازیادہ تر سوالوں کے جواب ایک دلہن کے انداز میں "ہوں، ہاں" کر کے دئے۔ سریتا اپنی چرب زبانی کے طفیل اسے جلدی خواب گاہ سے لے جانے میں کامیاب ہو گئی۔

وقت اب تیزی سے گزر رہا تھا۔ گزرے والا ہر دن ہلابہ کو ایک خوفناک صورت حال سے قریب تر کر رہا تھا۔ جیسے جیسے پورن ماشی کی رات قریب آ رہی تھی سریتا کی اداسی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی پردہ غیب میں کچھ دن ان دیکھے حادثے ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ کبھی کبھی وہ نڈھال سی ہو کر ہلابہ کے ساتھ چارپائی پر لیٹ جاتی اور اس سے لپٹ کر سرگوشیوں میں کہتی۔ "مالکن! میری بات مان لو۔ اپنا سوانگ ختم کر لو۔ پرماتما سے کچھ چھپانا ممکن نہیں۔ اس جنگل کا ہر پتہ اس کا کان اور ہر ذرہ اس کی آنکھ ہے۔ وہ دلوں میں اٹھنے والے وسوسوں سے بھی آگاہ ہو جاتا ہے۔ ہم یہ سب کچھ چھپا کر اپنی موت کو اور بھی اذیت ناک بنا لیں گے۔"

ایسے میں ہلابہ اس کو دلاسا دیتی۔ "میری بہن! پرماتما سے بڑی بھی ایک طاقت ہے۔ اس لامحدود و بیکراں طاقت کے سمندر میں پرماتما ایک قطرہ ہے۔ اگر ہمارے سانس باقی ہیں تو پرماتما ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور اگر ہمیں مرنا ہے تو پرماتما سے رحم کی بھیک مانگنے سے اور اپنی اصلیت کا اعتراف کرنے سے ہماری زندگی طویل نہیں ہو جائے گی۔"

چاند کی دسویں تاریخ کو علی الصبح دستے کی سالار بوکالی خواب گاہ میں پہنچی۔ سریتا کو بوکالی کے آنے کا پہلے سے علم ہو گیا تھا لہذا اس نے ہلابہ کو حمام میں بند کر دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ جب تک بوکالی کمرے میں موجود رہے وہ وقفے وقفے سے پانی فرش پر گراتی رہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو کہ یہ غسل کر رہی ہے۔ ہلابہ نے ایسا ہی کیا۔ سریتا نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ کمرے میں جھانکنے کی بالکل کوشش نہ کرے۔ لیکن جب بوکالی خواب گاہ میں آئی اور ہلابہ کو مختلف آوازیں سنائی دیں تو وہ دروازے کی ایک درز سے جھانکنے پر مجبور ہو گئی۔ خواب گاہ کا منظر حیران کن تھا۔ بوکالی کے ساتھ تین ہٹی کٹی محافظ عورتیں اور تھیں۔ اس کے علاوہ چار

نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ چاروں نے ستر ڈھانپنے کے لئے مختصر لباس پہن رکھے تھے۔ وہ خوبصورت تھیں لیکن اتنی نہیں جتنی سریتا تھی۔ ہلابہ نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی کہ وہ چاروں کچھ خوفزدہ تھیں۔ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی تھیں اور منہ میں کچھ بدبدانے لگتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہلابہ کو ایک بڑا پنجرہ بھی نظر آیا۔ یہ پنجرہ بوکالی کے ہاتھ میں تھا پنجرے کے اندر چار پانچ الو پھڑ پھڑا رہے تھے۔

بوکالی کی کرخت آواز سنائی دی وہ سریتا سے مخاطب تھی۔ "چندادیوی کہاں ہے؟"

سریتا نے کہا۔ "ابھی حمام میں گئی ہے۔"

ہلابہ نے جلدی جلدی چند کٹورے پانی نیچے گرایا اور دوبارہ درز سے جھانکنے لگی۔ اس نے دیکھا کہ ایک محافظ عورت نے دھات کا بنا ہوا ایک بڑا سا مٹکا نما برتن دیوار سے ہٹ کر رکھ دیا ہے۔ پھر چاروں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کو اس برتن کے منہ پر اوندھا لٹا دیا گیا۔ اب وہ رکوع کی حالت میں برتن پر اوندھی گری ہوئی تھی۔ اس وقت ہلابہ نے دیکھا کہ لڑکی کے پاوں اور بازو ایک رسی سے بندھے ہوئے ہیں۔ دستے کی سالار بوکالی کے ہاتھ میں ایک وزنی نیزہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے زیر لب کچھ کہا اور پھر نیزے کو اٹھا کر پوری قوت سے لڑکی کی پشت میں گھونپ دیا۔ لڑکی کے حلق سے ایک گھٹی ہوئی چیخ نکلی اور اس کا جسم پھڑکنے لگا۔ چونکہ دو محافظ عورتوں نے اسے مضبوطی سے دبوچ رکھا تھا لہذا وہ برتن کے اوپر ہی ٹکی رہی۔ گرانڈیل بوکالی نے پوری وقت سے نیزہ کھینچ لیا۔ یقیناً وہ آر پار ہو گیا تھا۔ پیٹ کے سوراخ سے دوشیزہ کا گرم خون تیزی سے برتن کے اندر گر کر ایک خوفناک آواز پیدا کر رہا تھا۔ لڑکی کا جسم گاہے گاہے پھڑکتا تو بقیہ تین لڑکیوں کی زبانیں ان کے

ہونٹوں پر گردش کرنے لگتیں۔ کچھ ہی دیر بعد بدنصیب لڑکی کا سارا خون برتن کے اندر پہنچ گیا۔ اس کی لاش اٹھا کر ایک طرف مومی چادر پر ڈال دی گئی۔ پھر بوکالی نے دوسری لڑکی کو آگے آنے کی ہدایت کی۔ اسے بھی برتن پر اوندھا ڈال دیا گیا۔ ہلابہ نے درز سے نگاہیں ہٹالیں اور آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وحشت اور درندگی کا یہ مظاہرہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے چار چیخیں گونج چکیں اور چاروں لڑکیوں کا خون برتن میں جمع ہو چکا تو ہلابہ نے دوبارہ درز سے جھانکا۔ بوکالی کے ہاتھوں پر اب سیاہ دستانے نظر آ رہے تھے۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک الو بے بسی سے پھڑ پھڑایا اور اس کا سیاہی مائل خون تیزی سے برتن میں گرنے لگا۔۔۔۔۔ نہایت مہارت اور چابکدستی سے بوکالی نے چاروں الو کاٹ کر ان کا خون برتن میں ٹپکا دیا۔ پھر اس نے ایک گٹھڑی کھولی۔ اس میں کسی سرخ پھول کی بہت سے پتیاں تھیں۔ یہ پتیاں بھی اس نے برتن میں گرادیں اور اپنی برہنہ تلوار سے اس محلول کو ہلانے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے دھاتی برتن کو ایک ڈھکنے سے بند کر دیا۔ تب اس نے دروازے کی طرف گھوم کر تالی بجائی۔ کچھ اور محافظ عورتیں اندر آئیں۔ انھوں نے لڑکیوں کے مردہ جسم اٹھائے اور باہر نکل گئیں۔

یہ سارا عمل ایک یا ڈیڑھ گھڑی کے اندر وقوع پزیر ہوا۔ جب خواب گاہ کے اندر سریتا کے علاوہ کوئی نہ رہا تو ہلابہ حمام سے باہر نکل آئی۔ اس کے چہرے پر خوف تھا تاہم سریتا کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ لگتا تھا ایسے مناظر اس کے لئے روز کا معمول ہیں۔ ہلابہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا۔

"مالکن! اب آپ کی رخصتی کے دن نزدیک آ گئے ہیں۔ اگلے چار روز تک آپ کو اس محلول سے غسل کرنا ہے۔ ہر دلہن کو ایسا ہی کرنا پڑتا ہے۔ اقتیلا جام کی ہدایت کے مطابق بنایا گیا یہ محلول حسن اور دلکشی کے لئے ایک خاص تاثیر رکھتا ہے۔ اس سے جسم روشن اور شاداب ہو جاتا ہے۔"

ہلابہ نے گھبرا کر کہا۔ "میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے حسن اور شادابی پر۔"

سریتا نے عاجزی سے کہا۔ "مالکن! بھگوان کے لئے۔۔۔۔ بھگوان کے لئے اس اندھیر نگری کے قوانین سے ٹکرانے کی کوشش نہ کریں۔ اس سے ہم دونوں کا انجام اور بھی نزدیک آ جائے گا۔"

ہلابہ نے اپنے سیاہ ریشمی بالوں کو لپیٹ کر ایک جوڑے کی صورت گردن پر باندھا اور مسہری پر نیم دراز ہو کر گہری سوچوں میں گم ہو گئی۔ حالات لمحہ بہ لمحہ اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے جا رہے تھے۔ مفر کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ چندا اور گنگا رام کے بارے میں سوچنے لگی۔ یقیناً وہ یہاں سے بچ کر نکل گئے تھے اور اب اس تاریک جنگل سے باہر کسی محفوظ جگہ بیٹھے ہلابہ کا انتظار کر رہے تھے۔۔۔۔۔ لیکن اہلابہ ایک ایسے جال میں قید ہو چکی تھی جہاں سے صرف موت ہی اسے رہائی دلا سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اور آخر پورے رات کی چاند آ گئی۔ محل کے جھروکوں سے کرنیں موت کے گیت گاتی اندر چلی آئیں۔ پروا کی ہوا، اجل کے ہونٹوں سے کسی کی پیشانی چومنے کے لئے دالانوں میں چکرانے لگی۔۔۔۔ تاریک جنگل کے لازوال فرمانروا کی بھینٹ چڑھانے کے لئے ایک اور دوشیزہ کو سہاگ کا جوڑا پہنایا جانے لگا۔۔۔۔ اور یہ

دوشیزہ کون تھی؟ یہ صحرا کا حسن تھی۔ یہ حضرموت کا نخلستان تھی۔ یہ وہ خوشبو تھی جو اٹھارہ برس تک شعیب ابوریاض کے ٹیلوں میں چکرائی تھی۔ یہ وہ پہیلی تھی جسے سلجھانے کے لئے اشباح بن سقیل جیسے سیلابی نوجوان نے لاتعداد راتیں جاگ کر گزاری تھیں۔ یہ وہ دل آویز کہانی تھی جو کہیں سے کسی کی سمجھ میں آئی تھی اور کہیں سے نہیں۔ آج یہ کہانی ایک کھلی کتاب بن کر پرماتما کے حضور پیش ہو رہی تھی۔ تاکہ وہ اس کا ورق ورق نوچ لے اور اس کے حسن کو ہوس کی آگ میں راکھ کر کے کسی طلسمی دریا میں بہا ڈالے۔۔۔۔۔ یہ سب زمانے کے اتفاقات تھے۔ سریتا، ہلابہ کو تیار کر رہی تھی اور سسک رہی تھی۔ بار بار بے قرار ہو کر وہ اس کے حسن بلاخیز کی بلائیں لینی لگتی اور بلائیں لے چکتی تو پھر رونے لگتی۔ آخر اس نے ہلابہ کو نکھار اور سنگھار کر ماہ کامل بنا ڈالا۔ آج چاند زمین پر تھا۔۔۔۔۔ آسمان پر صرف اس کا پرتو رہ گیا تھا۔

زیورات سے سج کر اور خوشبو میں بس کر ہلابہ مکمل دلہن بن چکی تو بوکالی کی معیت میں ایک نہایت بوڑھی عورت اندر آ گئی۔ اس کے جھریوں بھرے جسم کی کھال لٹکی ہوئی تھی۔ گلے میں بے شمار مالائیں تھیں۔ ہاتھوں اور پاؤں میں رزنی کڑے تھے۔ ایک حنوط شدہ مردہ سانپ اس کے گلے میں لٹکا ہوا تھا۔ سریتا اس عورت کے بارے میں ہلابہ کو پہلے ہی بتا چکی تھی۔ اس عورت کا نام رنگا چماری تھا۔ رنگا چماری جادوگر اقتیلا جام کی سب سے پرانی خادمہ تھی۔ اس نے اقتیلا جام کے سائے میں رہ کر بہت سے پراسرار علوم میں مہاتر حاصل کی تھی۔ اب اسے ان محلات میں ایک اہم درجہ حاصل تھا۔ ہر شخص پر اس کی عزت واجب تھی۔ وہ اپنے کڑے لڑکھڑاتی ہوئی ہلابہ کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر اس نے اپنے استخوانی ہاتھوں سے اس کا

گھونگھٹ اٹھا کر ایک چندھیائی ہوئی نگاہ ڈالی اور تعریفی کلمات کہنے کے بعد گھونگھٹ چھوڑ دیا تب وہ اپنی پراسرار سرگوشیوں میں ہلابہ کو سمجھانے لگی۔

"بیٹا! تو بہت بھاگوان ہے، تجھے پرماتما کا قرب نصیب ہو رہا ہے، تیرے شریر کو اس کا رنگ ملنے والا ہے۔ تو خود پر جتنا بھی مان کرے کم ہے لیکن یاد رکھ دیوتاؤں کی پرستش کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ان کے چرنوں میں خود کو بھینٹ چڑھانے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔۔۔۔ خبردار ان طریقوں سے انحراف نہیں کرنا۔ جونہی پرماتما تجھے عزت بخشنے کے لئے خواب گاہ میں داخل ہوں اٹھ کر ان کے پاؤں چومنا پھر ان کے روبرو ماتھا ٹیکنا۔ وہ خود ہی تجھے اٹھا کر اپنے سامنے بٹھائیں گے۔ خبردار کسی بھی لمحے کسی بے تابی کا اظہار نہیں کرنا۔ ان کی جانب نگاہ بھر کر نہیں دیکھنا ان کے شریر کو گستاخی سے نہیں چھونا۔۔۔۔۔"

بھیدوں بھری آواز والی بوڑھی عورت دیر تک ہلابہ کو پیش آنے والے حالات سے آگاہ کرتی رہی اور باریک بینی سے ہدایت دیتی رہی۔ آخر وہ گئی تو ہلابہ نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے دو جادوگر آئے اور کچھ پڑھنے لگے اور پھونکنے کے بعد واپس چلے گئے۔ ہلابہ جانتی تھی اب مشکل وقت قریب آ رہا ہے اسے کچھ معلوم نہیں تھا اسے آگے کیا کرنا ہے۔ اس کے ذہن میں کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ شائد لاشعوری طور پر اس نے خود کو حالات کے سپرد کر دیا تھا۔ جادوگر گئے تو ہلابہ کے کانوں میں موسیقی کا بے ہنگم شور آنے لگا۔ بہت سے ڈھول اور باجے ایک ساتھ بج رہے تھے۔ ان میں کچھ انسانی آوازیں بھی شامل تھیں۔ شور دم بہ دم نزدیک آتا گیا۔ انسانی آوازیں بھی اب صاف سنائی دے رہی تھیں۔ یہ بہت سے مرد و زن تھے جو مل کر کوئی قدیم ہندی گیت گا رہے تھے۔ بس کوئی کوئی لفظ ہلابہ کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

اے آسمان

ہم پرماتما کے غلام

ہم پرماتما کی لونڈیاں

ہمارے جسم اس پر قربان

ہماری عصمتیں اس کی بھینٹ

ہم اس کے چرنوں کی دھول

ہم اس کے تلواروں کے پھول

بالکل نزدیک آ کر موسیقی کا شور تھم گیا۔ انسانی آوازیں بھی خاموش ہو گئیں۔ ایک خوشبو سی کمرے میں پھیل گئی۔ ہلابہ نے اوڑھنی کی اوٹ سے دیکھا۔ گلاب اور چنبیلی کے تازہ پھولوں سے ڈھکی ہوئی ایک شاندار ڈولی اس کے سامنے رکھی تھی۔ ڈولی کے طویل بانسوں کو رنگ برنگ بیلوں سے چھپا رکھا تھا۔ ایسی شاندار سواری ہلابہ نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔ ڈولی کے ارد گرد تنومند کہار، زرق برق لباس پہنے خاموش کھڑے تھے۔ چاروں طرف ایک گہرا سکوت طاری تھا۔ دو لمبی تڑنگی محافظ عورتوں نے ہلابہ کو اس کی جگہ سے اٹھایا اور احترام سے چلاتی ہوئی ڈولی تک لائیں۔ ہلابہ ڈولی میں سوار ہوئی تو اسے ایک سسکی سنائی دی۔ گہرے سناٹے میں یہ سسکی جیسے در و دیوار کو لرزاں گئی۔ یہ سریتا کی سسکی تھی۔ ہلابہ نے گھونگھٹ کی اوٹ

سے اس کی جانب دیکھا۔ اپنے ہونٹ مرمریں ہاتھوں سے ڈھانپے، اپنے نالے کو دبائے ہوئے وہ بھی اس کے ساتھ سوار ہو رہی تھی۔ جب دونوں ڈولی میں بیٹھ چکیں تو کہاروں نے کندھے دے کر ڈولی اوپر اٹھالی۔ اس کے ساتھ ہی جیسے فضا میں بھونچال آگیا۔ باجے بجنے لگے، ڈھول ڈھمکنے لگے، سارنگیوں نے نغمہ طرب چھیڑا اور مرد وزن گیت گاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ بیسوں مسلح محافظوں کی کڑی نگرانی میں ہلا بہ اپنے حجلہ عروسی کی طرف رواں ہو رہی تھی۔

اس وقت پرماتما کے محل سے کوسوں دور، اس ہنگامہ، رنگ و روشنی سے بے خبر اشباح بن سقیل ایک تنگ و تاریک غار میں اوندھا پڑا تھا۔ یہ غار کچھ بلندی پر واقع تھا اور اسے چاروں طرف سے گھنے درختوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ غار کی طوالت اشباح کو معلوم نہیں تھی لیکن اپنی آواز کی گونج سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ غار کافی دور تک چلا گیا ہے اور شائد آگے جا کر کچھ کشادہ بھی ہو گیا ہے۔ باہر کی روشنی غار کے دہانے سے دس پندرہ قدم اندر آپاتی تھی۔ اس سے آگے گھٹاٹوپ اندھیرا تھا جس میں حشرات الارض کی باریک آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ اس غار تک پہنچنے سے پہلے اشباح نے دونوں سرخ پوشوں کی لاشیں دریا کے کنارے ایک دلدل میں پھینک دی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے دلدل نے ان دونوں کو ہڑپ کر کے ان کا نام و نشان مٹا دیا تھا۔۔۔۔۔ اب اشباح اپنے زخموں اور اپنی شدید پیاس کے ساتھ پورے دو روز سے اس غار میں مقید تھا۔ کمر اور ٹانگ کے زخم اب پہلے سے بھی خراب ہو گئے تھے اور یوں لگتا تھا ان کا زہر پورے جسم میں پھیل رہا تھا۔ جوں جوں یہ زہر چڑھ رہا تھا اشباح کے بخار میں شدت آتی جا رہی تھی۔۔۔۔۔ ایک گھوڑا اس نے دلدل کے پاس ہی چھوڑ دیا تھا۔ دوسرا گھوڑا وہ غار کے دہانے پر چھوڑ آیا تھا۔ ایک گھوڑا ایک رات تو وہاں کھڑا تھا پھر

چارے کی تلاش میں کسی طرف نکل گیا، اور اشباح سمجھ رہا تھا یہ اس کے حق میں اچھا ہی ہوا ہے۔ اب غار میں اس کی موجودگی کے متعلق کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس وقت شام کے سائے ڈھل رہے تھے جب اشباح کو کچھ فاصلے پر انسانی آوازیں سنائی دیں۔ اس کا دل دھڑک اٹھا۔ یہ کون لوگ تھے جو غار کی طرف آ رہے تھے۔ شائد سرخ پوش۔۔۔۔۔۔ شائد علاقے کے مسلمان ہوں۔ وہ امید اور ناامیدی کے درمیان ڈولنے لگا۔ قدموں کی چاپ سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ آٹھ دس کے قریب ہیں۔ اشباح گھسٹ کر کچھ اور بھی تاریکی میں چلا گیا۔ اب اس کی نگاہیں تاریکی میں اچھی طرح دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ چند لمحوں بعد اسے چند نوجوان نظر آئے۔ انہوں نے کندھے پر کچھ سامان اٹھا رکھا تھا۔ اپنی حرکات سے وہ خاصے محتاط دکھائی دیتے تھے۔ بہ آہستگی چلتے ہوئے وہ تاریکی میں پہنچے پھر انھوں نے سامان کے بڑے بڑے بوریئے پتھروں میں چھپانے شروع کر دئے۔ لوہے کی جھنکار سے اشباح کو اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ جنگی ساز و سامان ہے۔ نوجوان کام کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ ان میں سے کچھ مسلمان ہیں اور باقی ایسے ہندو ہیں جو پرماتما کے ظلم و ستم سے نالاں ہیں۔ وہ کسی کٹھن وقت کے لئے یہ سامان یہاں چھپانے آئے تھے، ایسا کرنے کی ہدایت انھیں ان کے بزرگوں نے کی تھی۔ ان کی باتوں سے پتا چلتا تھا کہ علاقے میں پرماتما کے خلاف نفرت کی ایک لہر سی نمودار ہو رہی ہے۔ یہ لہر پوری ریاست میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ تاہم کہیں اس کی شدت کم ہے اور کہیں زیادہ۔ نوجوانوں کی گفتگو میں سنہری شاہین کا نام بھی کئی بار آیا۔

ان میں سے ایک نے کہا۔ "سنا ہے چھاونی کے عقوبت خانے میں سنہری شاہین کے ساتھیوں کو اذیتیں دے دے کے مارا جا رہا ہے مگر وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ ابدال غازی نے اس کے ساتھیوں کو پناہ دی تھی اور اس جرم میں وہ اپنے درجنوں ملازموں سمیت جان سے مار دیا گیا ہے۔ اگر سنہری شاہین کہیں ہے تو پھر ظاہر کیوں نہیں ہوتا، کیوں یہ سارا ظلم برداشت کر رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نام کے حوالے سے صرف افواہیں اڑائی گئی ہوں۔"

ایک دوسرے نوجوان کی آواز آئی۔ "میں پرسوں سردار ہاشم کی بستی میں گیا تھا سنا ہے وہاں سے رائے منوہر کے دو آدمی لاپتہ ہو گئے ہیں۔ سردار ہاشم پر شبہ کیا جا رہا ہے کہ اس نے سنہری شاہین کے کسی مفرور ساتھی کے ساتھ مل کر یہ کام کیا ہے۔ بھرے بازار میں منوہر کے سپاہیوں نے سردار ہاشم کو بے حد رسوا کیا۔ اس کی داڑھی کھینچی گئی اور ٹھوکریں ماری گئیں۔ مجھ سے تو یہ ذلت برداشت نہیں ہوئی۔۔۔۔۔"

ایک تیسری آواز ابھری یہ آواز نسبتاً سنجیدہ اور متین تھی۔ "دوستو! اپنے حوصلے خود ہی توڑنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ تو سفر کا آغاز ہے، ابھی سے اپنے یقین کا قتل کیوں کر رہے ہو۔ سنہری شاہین ہے اور اسی خطے میں موجود ہے۔ سب حالات اس کی نظر میں ہیں۔ اسے ظاہر ہونا ہے اور ضرور ہونا ہے۔"

ایک اور نوجوان بولا۔ "میری والدہ محترمہ کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں۔ کل انھوں نے خواب میں دیکھا کہ "دوارے" میں تاریک جنگل کے ساتھ ساتھ بہت سی چتائیں جل رہی ہیں اور ان کے دھوئیں میں ایک سفید گھوڑے والا گھوم رہا ہے۔۔۔۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ سنہری شاہین کی طرف اشارہ ہے۔"

اس کے بعد بہت سے نوجوان تیز تیز باتیں کرنے لگے۔ شائد ان کا کام ختم ہو گیا تھا اور اب وہ یہاں سے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اشباح تذبذب کا شکار تھا۔ سوچ رہا تھا اس بے کسی کی حالت میں انھیں پکارے یا نہیں۔ جس سنہری شاہین کے بارے میں وہ حیران کن خواب دیکھ رہے تھے، جس کی طاقت اور بہادری کی داستانیں ان کے لہو کو گرما رہی تھیں۔۔۔۔۔ وہ سنہری شاہین کہیں نہیں تھا اور اگر تھا تو زخموں سے چور ایک بے کس انسان کی طرح خاک میں لتھڑا پڑا تھا۔ اگر وہ ان سے کہے کہ میں سنہری شاہین کا ساتھی ہوں تو وہ کیا سوچیں گے؟ کیا سنہری شاہین ایسا ہی بے کس ہے کہ اپنے قریبی دوستوں کو بے چارگی کی حالت میں مرنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔۔۔۔ لیکن کچھ بھی تھا اشباح کو بہر حال انھیں مدد کے لئے پکارنا تھا۔ اپنی زندگی بچانے کے لئے زخموں کو مرہم فراہم کرنے کے لئے اس عظیم مقصد کے لئے جس کی خاطر وہ سینکڑوں میل یہاں پہنچا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور اجنبی کو پکارنے کے لئے سر کو زمین سے اٹھایا۔۔۔ مگر اس وقت اسے ٹھٹک جانا پڑا۔ غار کے دہانے پر گھوڑوں کی سرپٹ ٹاپیں سنائی دیں۔ پھر کسی نے ایک وحشیانہ جنگی نعرہ بلند کیا اور درجنوں سرخ پوش غار میں موجود نوجوانوں پر ٹوٹ پڑے۔ نوجوانوں نے بھی اپنی تلواریں برآمد کیں اور حملہ آوروں کے سامنے ڈٹ گئے۔ چند لمحے تنگ غار میں خون ریز لڑائی ہوئی۔ اشباح کسی صورت اس لڑائی میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھا۔ لہذا وہ خود کو گھوڑوں کے سموں سے بچانے کے لئے کچھ اور تاریکی کی طرف سمٹ گیا۔ ہتھیاروں کی جھنکار اور چیخوں سے غار کی نامعلوم گہرائی گونج رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں لڑائی کا شور کم ہو گیا تھا۔ اشباح دل ہی دل میں مسلمان نوجوانوں کی فتح کی دعا کرنے لگا۔۔۔ لیکن لگتا تھا دعاؤں کی قبولیت کا وقت ابھی نہیں آیا۔ ابھی آزمائش تھی اور مسلسل

آزمائش تھی۔ شائد خدا کو اس آزمائش کی ہیشگی ہی منظور تھی۔ کچھ دیر بعد سرخ پوش گھڑ سوار فاتحانہ غار میں لوٹ آئے اور تلاشی شروع کر دی۔ جلد ہی انھوں نے مختلف جگہوں سے جنگی ساز و سامان برآمد کر لیا اور مسلمان نوجوانوں کو غلیظ القابات سے نوازنے لگے۔ تین نوجوان شہید اور چار کے قریب سرخ پوش جہنم وصل ہوئے تھے۔ یہ سب لاشیں وہاں سے ہٹالی گئیں۔ اس کے بعد سرخ پوشوں نے مشعلیں جلائیں اور کچھ دور تک غار کے اندر چلے آئے۔ اشباح کو غنودگی کی حالت میں یہ سب دھندلا دھندلا نظر آرہا تھا۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ خود کو مشعلوں کی روشنی سے بچانے کے لئے کسی جانب تاریکی میں رینگ سکے۔ وہ خود کو حالات کے سپرد کئے اسی جگہ پڑا رہا۔ سرخ پوش اس کے قریب سے ہو کر واپس آگئے۔ اب پھر وہ گھٹا ٹوپ تاریکی میں تھا۔۔۔۔ لیکن یہ تاریکی گواہی دے رہی تھی کہ صبح زیادہ دور نہیں۔ اس تاریکی کا گہرا پن ہی صبح کی نوید تھا۔ یہ گہرا پن پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ مشرق میں روشنی کا ایک طوفان پل رہا ہے۔ کوئی کرن ہے جو پھوٹنے کو ہے، کوئی ہوا ہے جو چلنے کو ہے، کوئی آہٹ ہے جو صور اسرافیل بننے والی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ محل تھا یا کوئی خواب تھا۔ در و دیوار تھے یا کوئی سپنا تھا۔ اس کے چپے چپے پر پرماتما کی شان و شوکت کی داستان لکھی تھی۔ بلند و بالا شفاف دیواریں نقش و نگار سے مزین چھتیں۔ بیش قیمت فانوس اور پردے سینکڑوں مداح خواں بھی اس پُر شکوہ عمارت کی تعریف لکھتے تو زندگیاں صرف کر دیتے۔ وہ خوشبوؤں اور رنگوں کا ایک جہاں تھا۔ جیسے کسی نے حسین خواب کو مجسم کر کے اس تاریک جنگل کے بیچوں بیچ اتار دیا ہو۔ مسلح محافظوں کی نگرانی میں ہلابہ کی ڈولی پرماتما کے محل کے اندرونی حصے میں لائی گئی۔ کئی دالانوں اور راہداریوں سے گزرنے کے بعد ایک مقام پر یہ ڈولی رکھ دی گئی۔ یہ ایک حد تھی جس سے آگے باہر کی دنیا کا کوئی آدمی نہیں جاسکتا تھا۔ ہلابہ کو ڈولی سے اترنے کی ہدایت کی گئی۔ سریتا کے لیے بھی یہ آخری حد تھی۔ اس نے الوداعی انداز میں ہلابہ کو چھوا اور ساکت کھڑی ہو گئی۔ ایک بلند و بالا پُر ہیبت دروازہ کھلا اور محافظوں نے ہلابہ سے اندر داخل ہونے کی درخواست کی۔ وہ لرزاں قدموں سے اندر چلی آئی۔ یہاں اسے گہرے نیلے لباس والے محافظ نظر آئے۔ یہ سب کے سب گونگے اور بہرے تھے۔ لیکن ان کی حرکات میں بلا کی چستی اور تیزی تھی۔ انہوں نے دونوں اطراف سے ہلابہ کو اپنے حلقے میں لے لیا اور ایک وسیع کمرے میں لے آئے۔ یہاں ہلابہ کو چند نہایت معزز عورتیں نظر آئیں۔ شکل و صورت اور لباس کے اعتبار سے ان میں سے ہر کوئی کسی ملک کی شہزادی یا ملکہ لگتی تھی۔ ان میں سے کچھ نوجوان تھیں اور کچھ ادھیڑ عمر۔ ہلابہ کو یاد آیا کہ ان عورتوں میں سے دو تین کو تو اس نے پہلے بھی دیکھا ہے۔ چند ہفتے پہلے جب پنڈال میں جادو گری کا مظاہرہ ہوا تھا تو پرماتما کے ساتھ پردے کی اوٹ میں جو خاموش معززین بیٹھے تھے۔ ان میں یہ عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان عورتوں

نے ہلابہ کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ حسن عرب کی خیرہ کن جولانی نے ان کی آنکھوں کو "تعریف" چھلکانے پر مجبور کر دیا۔ پھر ایک ادھیڑ عمر عورت نے اشارہ کیا۔ نیلے لباس والے محافظ باہر چلے گئے۔ شاہانہ صورت والی عورتیں اسے لے کر آگے بڑھیں۔۔۔ آخر اسے ایک وسیع و عریض خوابگاہ میں پہنچا دیا گیا۔ ہلابہ نے اپنی جھکی ہوئی پلکیں اٹھائیں۔ خوابگاہ کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گئی کہ یہ پرماتما کی خوابگاہ ہے۔

سارے محل کی خوبصورتی جیسے اس چھت تلے سمٹ آئی تھی۔ در و دیوار سے ایک مسحور کن روشنی پھوٹ رہی تھی۔ ہلکی خوشبو والے رنگ دار بادل تھے۔ جو بھرپور لطافت کے ساتھ خوابگاہ میں چکرا رہے تھے۔ ان بادلوں میں نمی نہیں تھی اور نہ وہ کسی چیز پر اپنا رنگ چھوڑتے تھے۔ ان میں سانس لینے سے جسم عجیب فرحت سے بھر جاتا تھا۔ خوابگاہ کے مختلف حصوں سے یہ بادل مسلسل اڈتے آ رہے تھے۔ خوابگاہ میں موجود سامان کی ندرت اور خوبصورتی بیان کرنے کے لیے قلم کو دفتر درکار تھے۔ صرف ایک مسہری کے ایک زرنگار ہیروں جڑے پائے کی قدر و قیمت ہلابہ کے حساب و شمار سے باہر تھی۔ یہ مسہری خوابگاہ کے بیچوں بیچ پڑی تھی۔ اس پر گلاب کے تر و تازہ پھولوں کی سیج بچھی ہوئی تھی۔ مسہری کے چاروں جانب مختلف رنگوں کے نادر پھولوں کی لڑیاں جھول رہی تھیں۔

ہلابہ نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی مسہری نہیں دیکھی تھی۔ ایک امر دیکھ کر ہلابہ ششدر رہ گئی۔ مسہری زمین سے کوئی دو بالشت بلند خلا میں معلق تھی۔ نہ اوپر کوئی سہارا تھا اور نہ نیچے۔ اب معلوم نہیں۔ یہ پرماتما کی سحر کاریوں میں سے ایک نمونہ تھا یا کوئی ہنرمندی استعمال کی گئی تھی۔ عورتوں نے ہلابہ کو مسہری پر بٹھا دیا۔ اس مسہری پر بیٹھتے ہی ایک عجیب طرح کا ہراس ہلابہ کے رگ و پے میں بھر گیا۔ ایک ہیبت سی اس کے دل

میں طاری ہونے لگی۔ معزز عورتوں میں سے دو لڑکیوں نے اس کا گھونگھٹ اٹھایا۔ دبی آواز میں ہنسیں، پھر سب کی سب باہر چلی گئیں۔ خوابگاہ کا دروازہ باہر سے بند ہو چکا تھا۔

لمحے آگے کو سرکتے رہے۔ لمحے جو مجسم صورت اختیار کر گئے تھے۔ وحشی آدم خور بونوں کی طرح اچھلتے کودتے ناچتے گاتے ہر حادثے سے بے پرواہ قطار اندر قطار، وقت کے تاریک غار میں گم ہوتے رہے۔ ان کے قدموں کی دھمک ہلابہ کی دھڑکنوں کو خوف کے چابک سے ہانک رہی تھی۔ ان کے گزرنے کا احساس اس کی چاند جبیں کو عرق آلود کر رہا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی اور لمحے گزر رہے تھے۔۔۔۔ اور آخر پردہ غیب چاک ہوا اور اس سرزمین کے لازوال فرمانروا کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مدھم آواز کے ساتھ شفاف دیوار میں ایک در کھلا۔ گھنٹیوں کی صدا فضا میں ابھری۔۔۔۔ ایک سرخ روشنی نمودار ہو کر رنگین بادلوں پر منعکس ہوئی اور ہلابہ نے کن اکھیوں سے دیکھا۔ ایک سنہری چمکیلا ہیولا، دھیمے قدموں سے اس کی مسہری کی طرف بڑھا۔ اس کی قربت ہلابہ کے جسم کو ایک عجیب سنسنی سے بھرنے لگی۔ ایک لمحے کے لیے اسے محسوس ہوا کہ وہ بے ہوش ہو جائے گی یا اٹھ کر اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہو کر التفات کی بھیک مانگنے لگے گی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالا۔ وہ کوئی عام عورت نہیں تھی۔ وہ صحرا کی بیٹی تھی۔ دوشیزہ عرب تھی۔ وہ ایک خدا کو ماننے والی تھی۔ اس نے اشباح بن سقیل جیسے دلیر مرد کی محبت کا دم بھرا تھا۔ وہ سنبھلی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سنہری ہیولا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ شاید منتظر تھا کہ وہ اس کی قدم بوسی کرے اور اس کے چرنوں میں اپنا سر رکھے لیکن وہ بے حرکت کھڑی رہی۔ لمحوں کے بونے بھاگتے چلے گئے۔ ان کی طویل قطاریں جیسے ٹوٹ گئیں۔ وہ حواس باختہ چیختے چلاتے اندیشوں کے جنگل میں گم ہونے لگے۔ آخر ایک سرخ و سپید ہاتھ

حرکت میں آکر اس کے شانے پر آیا۔ ایک دھیمی نرم آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ "بیٹھ جاؤ، آرام سے بیٹھ جاؤ۔" یہ پرماتما کی آواز تھی اس شخص کی آواز تھی۔ جو تین صدیوں سے زندہ تھا۔ یہ ایک نرم اور شائستہ آواز تھی۔ لیکن اس آواز کے اندر کچھ تھا۔ کوئی تپش تھی جو اس کی شائستگی کا ساتھ نہیں دیتی تھی۔ پریشانی کے ان اولین لمحوں میں ہلابہ اس تپش کو سمجھ نہیں سکی مگر جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ یہ تپش دراصل وہ خوفناک سفاکی ہے جو پرماتما کے نرم لہجے میں کسی خونخوار درندے کی دھاڑ کی طرح چھپی ہوئی ہے۔ یہ سفاکی اتنی وحشت ناک تھی کہ ذہن کو جکڑ کر روح کو لرزہ بہ اندام کر دیتی تھی۔ پرماتما کے پُراسرار ہاتھوں نے ہلابہ کا گھونگھٹ اٹھایا اور دھند کے رنگین مرغولوں کی اوٹ سے اسے مبہوت دیکھتا چلا گیا۔

"دیوتاؤں نے تمہیں فرصت میں بنایا ہے۔" آخر اس کی دلکش آواز ہلابہ کے کانوں سے ٹکرائی۔ "مگر ۔۔۔۔۔ مگر ہمیں یاد نہیں آرہا۔ تمہارا نام، تمہارا نام ؟"

"چندا!" ہلابہ نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی۔

"تمہاری صورت کچھ اجنبی سی ہے۔۔۔۔۔ شاید بناؤ سنگھار نے تمہیں حسین تر بنا دیا ہے۔" ہلابہ کو اپنا دل اچھلتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی اصلیت کا پردہ چاک ہو رہا تھا۔ اس نے شرمانے کے انداز میں چہرہ گھٹنوں میں جھکا لیا۔ پرماتما کی خوابناک آواز خوابگاہ کی وسعت میں ابھری۔

"ہلابہ بنت شرجیل بن طلحہ بن ابو جعفر۔۔۔ ہمیں تمہارا انداز پسند آیا۔"

ہلابہ پر جیسے برق گر پڑی۔ وہ پرماتما کی زبان سے اپنا نام سن رہی تھی۔ اس نے چونک کر پہلی بار پرماتما کو دیکھا۔ رنگین دھند کی اوٹ میں باریک نقاب کے پیچھے ایک سرخ و سپید چہرے کے خدوخال دمک رہے تھے۔ دوحد درجہ تیز چمکیلی آنکھیں ہلابہ پر مرکوز تھیں۔ وہ سکتے میں بیٹھی رہ گئی۔ پرماتما کی آواز ابھری۔

"اے نادان حسینہ عرب! پرماتما کو فریب میں رکھنا اتنا آسان ہوتا تو دیوتا تین صدیوں سے اس پر مہربان نہ ہوتے۔ آ۔۔۔۔۔ آ ہم تجھے کچھ دکھانا چاہتے ہیں۔"

ہلابہ اس کے اشارے پر کسی معمول کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ در و دیوار اس کی نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔ پرماتما کا چمکدار ہیولا بڑی تمکنت سے چلتا ہوا اس دروازے کی طرف بڑھا جو دیوار میں کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ہلابہ اس کے پیچھے آرہی تھی۔ پرماتما قریب پہنچا تو دروازہ کھل گیا۔ دونوں اس میں سے گزر کر ایک راہداری میں پہنچے۔ یہ راہداری کئی رنگوں کے شیشے سے بنائی گئی تھی اور اتنی نظر فریب تھی کہ آنکھ پر دھوکا ہوتا تھا۔ راہداری کے طول و عرض میں مدھم گھنٹیاں سی بجتی محسوس ہوتی تھیں۔ اس راہداری کے آخر میں دودھیا دھند کا ایک پردہ سا تھا۔ ان دونوں نے یہ پردہ پار کیا تو ایک ہولناک منظر ہلابہ کے سامنے آیا۔ یہ منظر جیسے اچانک دھند کے اندر سے اگ آیا تھا۔ ہلابہ حیرت ناک نگاہوں سے دیکھتی چلی گئی۔ اس کے سامنے ایک ویسا ہی پنجرہ تھا جو اس نے چھاؤنی کے عقوبت خانے میں دیکھا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ یہ پنجرہ قدرے چھوٹا تھا۔ پنجرے کے اندر سے ناگوار بُو کے بھبھکے اٹھ رہے تھے مگر حیرت کی بات تھی کہ یہ بھبھکے دودھیا دھند کے پردے کی اس جانب محسوس نہیں ہوئے تھے۔ پنجرے میں ایک عریاں جسم اپنے بازوؤں پر لٹک رہا تھا۔ یہ جسم گنگارام کا تھا۔ سینکڑوں سانپ بچھو اور زہریلے کیڑے اس سے چمٹے ہوئے تھے۔ جسم کا گوشت جگہ جگہ

سے غائب ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے تاریک گڑھوں کے اندر سانپ آزادانہ آجا رہے تھے۔ ہلابہ نے اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا ورنہ اس کے حلق سے چیخ نکل جاتی۔ نہایت حسرت سے اس نے گنگارام کی اکلوتی ٹانگ کو دیکھا جو قرنوں کے ظلم کی گواہی بن کر فضا میں جھول رہی تھی۔ گنگارام کے الفاظ اس کی سماعت میں گونجنے لگے۔۔۔۔۔۔ "بس مالکن! اب کچھ نہ کہنا۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو قدم بڑھا کر پیچھے ہٹاتے ہیں۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا چاہے اس میں میرا جیون ہی چلا جائے۔ آپ کی جنگ ظالم کے ساتھ ہے اور مظلوم کا ساتھ مظلوم نہیں دے گا تو اور کون دے گا"

پرماتما کی آواز نے ہلابہ کو اس کے خیال سے چونکا دیا۔ "آگے آؤ لڑکی۔ ابھی کچھ اور مناظر تمہاری دید کے منتظر ہیں۔"

پرماتما کی آواز میں کچھ ایسا اثر تھا کہ وہ معمول کی طرح اس کے پیچھے چل دی۔ چند قدم دور ایک اور پنجرہ تھا۔ اس پنجرے کے سامنے ایک نیلے لباس والا محافظ پتھر کی طرح ساکت کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بلوریں پیالہ تھا۔ پیالے میں شفاف پانی چمک رہا تھا۔ ہلابہ نے پنجرے میں دیکھا اور لرز گئی۔ وہاں سریتا تھی۔ پرماتما کو دیکھتے ہی وہ سجدے میں گر پڑی اور بلک بلک کر رحم کی فریاد کرنے لگی۔ اس کی آہ و بکا نے ہلابہ کا کلیجہ دہلا دیا۔ وہ اپنا چہرہ زمین پر رگڑ رہی تھی اور گھگھیا رہی تھی۔

"دھیا کرو مالک۔ رحم کرو۔ مجھ پاپن کو شما کر دو مالک۔۔۔۔۔" وہ پکار رہی تھی اور پکارتی جا رہی تھی۔ پرماتما کا ہیولا ساکت تھا۔ کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ پتھر کا ہو گیا ہے۔ نہ سانس لیتا ہے نہ پلک جھپکتا ہے۔

پھر چمکدار لبادے سے اس کا سپید ہاتھ باہر نکلا اور محافظ کے پیالے کی طرف گیا۔ یہ منظر دیکھ کر سریتا کی آہ و بکا اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ وہ جیسے دہشت سے قریب المرگ ہو رہی تھی۔ پرماتما نے پیالے میں سے نصف چلو پانی لے کر سریتا پر چھینک دیا۔ سریتا کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ خدا کی پناہ اس چیخ نے ہلابہ کا سینہ شق کر دیا۔ سریتا کا خوبصورت جسم ہوا میں اچھلا اور زمین پر گر کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ وہ فرش خاک پر مرغ بسمل کی طرح پھڑک رہی تھی۔ خوبصورتی اور نسوانیت کی یہ تذلیل ہلابہ کے تصور میں بھی نہ آسکتی تھی۔ سریتا کسی ایسے کرب میں مبتلا تھی جو ہزار موتوں پر بھاری تھا۔ ہلابہ نے دیکھا کہ بدنصیب سریتا کے پورے جسم پر آبلے نمودار ہو گئے ہیں اور ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ اٹھ اٹھ کر گر رہی تھی اور اپنا سر آہنی سلاخوں سے ٹکرانے کی سعی کر رہی تھی۔ موت کا یہ وحشیانہ رقص تادیر جاری رہا۔ آخر سریتا کا جسم پھولنا شروع ہو گیا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں اور چیخوں کی شدت سے یوں لگتا تھا کہ اب اس کے پھیپھڑے چاک ہو جائیں گے۔۔۔ جسم پھولتا چلا گیا اور پھر دفعتاً ایک دھماکے جیسی آواز سے پھٹ گیا۔ گوشت کے لوتھڑے ادھر اُدھر بکھر گئے اور خون فرش پر بہہ نکلا۔ سریتا کربناک عذاب سے گزر کر موت کے ابدی سفر پر روانہ ہو گئی تھی۔۔۔ ہلابہ نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں ورنہ اسے خدشہ تھا کہ اپنی تمام تر قوت ارادی کے باوجود وہ اپنے حواس میں نہ رہ سکے گی۔ یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا، ناقابل گمان تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موت کا یہ وحشت ناک کھیل ختم ہو گیا تو پرماتما نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں اسے پیچھے آنے کا حکم دیا۔ اب وہ ایک تیسرے پنجرے کے سامنے پہنچے۔ یہاں کوئی پندرہ عدد عورتیں بند تھیں۔ ہلابہ ان میں سے چند

ایک کو فوراً پہچان گئی۔ یہ چندا کے محل کی محافظ عورتیں تھیں۔ انہی کو دھوکا دے کر وہ چندا کی خوابگاہ تک پہنچی تھی۔ اس وقت یہ محافظ عورتیں غیر مسلح تھیں اور ان کے چہروں پر موت کی زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ ہر جسم پر لرزہ طاری تھا اور ہر آنکھ خوف کا سمندر تھی۔ پرماتما کو دیکھتے ہی یہ عورتیں بھی سرپیتا کے انداز میں چلانے لگیں اور زمین پر گر کر رحم کی درخواستیں کرنے لگیں۔

ان کے جسم کا ہر حصہ ایک فریاد تھا جو بلک بلک کر کربناک موت سے پناہ مانگ رہا تھا۔ ان کے لہجوں میں دنیا بھر کر التجائیں سمٹ آئی تھیں۔ ان کی حالت دیکھ کر ہلابہ کو اپنی روح جسم کے پنجرے میں پھڑ پھڑاتی محسوس ہوئی۔ پرماتما کچھ دیر اپنی سفاک خاموشی کے ساتھ ان بدنصیب عورتوں کو دیکھتا رہا۔ اس پنجرے کے سامنے بھی ایک محافظ بلوری پیالے کے ساتھ ساکت کھڑا تھا۔ پرماتما نے ہاتھ پیالے کی طرف بڑھایا تو عورتوں کی چیخ وپکار انتہا کو پہنچ گئی۔ پرماتما کا ہاتھ رک گیا۔ اس نے چند ساعت کے لیے سوچا۔ پھر محافظ کو کوئی خفیف اشارہ کیا۔ محافظ نے فوراً ایک ہاتھ پیالے سے جدا کیا اور اپنی کمر سے کوئی چیز نکال کر پنجرے میں پھینک دی۔ یہ چمڑے کی ایک لمبوتری سی تھیلی تھی جو اکثر محافظوں کی کمر سے بندھی دکھائی دیتی تھی۔ محافظ دستے کی سالار نے اس چیز کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور اس کے چہرے پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ شکر گزاری کے اظہار کے لیے اپنے سامنے کی زمین کو چومنے لگی اور اپنا سر فرش پر رگڑنے لگی۔ دوسری عورتوں کی حالت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ خاک ہو کر اپنے دیوتا کے قدموں میں بکھر جاتیں۔ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے۔ ہلابہ یہی سمجھی کہ پرماتما نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ تاہم اس کا خیال غلط تھا۔ چمڑے کی لمبوتری تھیلی سے ایک عجیب وضع کا ہتھیار برآمد ہوا۔ اس تیز

دھار ہتھیار کا دستہ خنجر سے اور پھل کٹار سے مشابہہ تھا۔ ہلابہ کے دیکھتے ہی دیکھتے دستے کی سالار دوزانو بیٹھی اور اس نے ہتھیار کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر ایک جھٹکے سے اپنے پیٹ میں اتار لیا۔ نہایت بے جگری سے اس نے دستے کو دائیں بائیں گھمایا اور اپنا جسم ادھیڑ کر رکھ لیا۔ خون کا فوارہ برآمد ہوا اور چند بار پھڑک کر وہ ساکت ہوگئی۔ کٹار نما ہتھیار اب ایک دوسری عورت نے اٹھا لیا تھا۔ دیکھے ہی دیکھتے وہ بھی دوزانو بیٹھی اور خود کو اسی طریقے کا زخم لگا کر ہلاک کر لیا۔ ہلابہ پر جیسے غشی طاری ہونے کو تھی۔ پانچ چھ عورتوں کی ہلاکت تک پرماتما وہاں کھڑا رہا۔ پھر محافظ کو کوئی اشارہ کرنے کے بعد ہلابہ کو لے کر واپس روانہ ہوگیا۔ دودھیا دھند کے پردے اور طویل بلوری راہداری سے گزر کر وہ پھر اس عظیم الشان خوابگاہ میں پہنچ گئے جس میں پھول مسکرا رہے تھے اور روشنی پھوٹ رہی تھی۔ رنگ لہرا رہے تھے اور ناقابل بیان طلسماتی حسن نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ پرماتما ہفت رنگ دھند میں چھپا ہوا اس کے روبرو کھڑا تھا۔ ہلابہ اس کے آئندہ رویے کے بارے میں اندازہ لگانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، آخر وہ بولا۔۔۔۔۔۔۔ اس کی آواز نہایت ملائم تھی۔

"اے حسینہ عرب، تم نے جو دیکھا اس کو بھول جاؤ۔۔۔۔۔۔ سب کچھ فراموش کر دو۔ صرف یہ یاد رکھو کہ تم اس وقت دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہو۔ تم پرماتما کی ملکہ ہو۔ اس کی محبت کی حقدار ہو۔ دیوتاؤں کی برکتیں برکھا کی طرح تمہارے جسم کو بھگو رہی ہیں۔"

ہلابہ کے کان پرماتما کی آواز سن رہے تھے اور اس کا ذہن دائروں میں سفر کرتا کہیں سے کہیں پہنچ رہا تھا۔ گنگا رام کی لاش تو وہ دیکھ چکی تھی لیکن چندا کہاں تھی۔ اس کے اپنے ساتھی کہاں تھے؟ اشباح، اویس، سردار یحییٰ۔ پھر اس کا ذہن دور بہت دور پرواز کرتا ہوا سنہری شاہین تک جا پہنچا۔ وہ شاہین کہاں تھا جس کی فضاؤں

پر حکمرانی تھی۔ جو ظالم کو کوسوں دور سے دیکھ لیتا تھا اور لپکتا ہوا اس کی آنکھیں نوچنے پہنچ جاتا تھا۔ پھر اس کا دھیان اس سے بھی آگے سالار اعظم محمد بن قاسم کی طرف چلا گیا۔ وہ بصرے کا چاند کہاں تھا جس کی کرنوں میں ہزاروں مسواجوں کی تپش تھی، جس کے جلو میں حوصلوں اور جذبوں کا سیلاب سفر کرتا تھا۔۔۔ وہ سب لوگ کہاں تھے، جو اس کے ہمدرد تھے، جو اس کے طرفدار تھے۔

پرماتما جیسے دلوں کے حال پڑھ لیتا تھا۔ اس کی آواز ہلابہ کی سماعت سے ٹکرائی۔

"اے دوشیزہ صحرا! تو اپنے ساتھیوں کے بارے میں سوچ رہی ہے اور ہم تجھے کہہ چکے ہیں اب تیری سوچ، صرف اور صرف اپنے خوش قسمت حال پر مرکوز رہنی چاہیے۔ ماضی اور مستقبل کا کوئی وجود نہیں۔ ان دیواروں کے اندر جو کچھ ہے حال ہے۔ سب چہروں اور ناطوں بھول جاؤ۔ ان چہروں اور ناطوں کو یاد کر کے تم ان کی مصیبتوں میں اضافے کے سوا اور کچھ نہ کر پاؤ گی۔ ہمارا خیال ہے کہ تم ذہین لڑکی ہو اور آشا کرتے ہیں کہ تم ذہانت کا ثبوت دو گی۔"

ہلابہ پتھر کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ پرماتما نے ایک شائستہ اشارے سے اسے مسہری پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ بیٹھ گئی تو اس نے دھند کے ایک نیلگوں مرغولے میں ہاتھ بڑھایا۔ ایک طلائی طشت اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس طشت میں سونے اور چاندی کی رکابیوں میں ایسے میوے پڑے تھے۔ جن میں اکثر ہلابہ نے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ پرماتما نے ہاتھ دوبارہ بڑھایا۔ اس دفعہ دھند سے ایک اور طشت برآمد ہوا۔ اس میں شیشے کی

خوبصورت بوتلیں رکھی تھیں۔ یہ ایسی شفاف تھیں کہ ان پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ ان بوتلوں میں شراب چھلک رہی تھی۔

پھر پرماتما کے ہاتھ کے اشارے پر ہلابہ نے ایک حیران کن منظر دیکھا۔ شاید وہ یہ منظر اس اندھیر نگری میں پہنچنے سے پیشتر دیکھتی تو کبھی اپنی بصارت پر یقین نہ کرتی لیکن اب وہ تسلیم کرنے لگی تھی کہ ان در و دیوار میں، ان فضاؤں میں سب کچھ ممکن ہے۔ پرماتما کے ہاتھ کا اشارہ ہوتے ہی وسیع و عریض خوابگاہ کے ایک حصے میں موسلادھار بارش ہونے لگی۔ یوں لگا جیسے خوابگاہ کی چھت اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہے اور ابر آلود آسمان تک سب کچھ صاف دکھائی دے رہا ہے۔ تاریک بادلوں میں کوندتے ہوئے برق کے لہریے اور گڑگڑاہٹ کی آوازیں۔ پانی "آسمان" سے برس رہا تھا، خوابگاہ کے فرش پر گر رہا تھا، پھر ایک آبشار کی صورت نشیب کے خوبصورت حوض میں پہنچتا تھا اور نظروں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ یہ سب کیا ہے؟ ہلابہ نے نہایت حیرت سے سوچا۔ شاید پرماتما کی پُراسرار قوت کا مظاہرہ۔۔۔۔۔۔ شاید اس کا فریب نظر۔ پرماتما کی آنکھوں کی مقناطیسی کشش ہلابہ کو بتدریج اس کے اثر میں لا رہی تھی۔ ہلابہ کو محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ آپوں آپ پرماتما کی عظمتوں کی معترف ہوتی جا رہی ہے۔

پرماتما کا ہیولا اب اس کے قریب تھا۔ بہت قریب۔ وہ اس کے جسم کی حدت محسوس کر رہی تھی۔ اس کے سانسوں کی پھنکار سن رہی تھی۔ پھر سنہری لبادے کے اندر سے پرماتما کے سرخ و سپید ہاتھ برآمد ہوئے اور ہلابہ کے شانوں پر آ گئے۔ ہلابہ کی آنکھیں جیسے خود بخود بند ہونے لگی تھیں۔ اس پر ایک خود سپردگی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ وہ اس دھند میں تحلیل ہو کر اپنے شعور کی حد سے گزر جانا چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا اس

کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، پرماتما کی ہوس ناک آنکھیں اسے سب کچھ بتا رہی تھیں، اس کے ہاتھوں کا دباؤ اسے سب کچھ سمجھا رہا تھا مگر اس کا ذہن ماؤف ہوتا جا رہا تھا ایسا کیوں تھا؟ اس ماحول کا اثر تھا؟ پرماتما کی پُراسرار قوتوں کی گرفت تھی یا کوئی اور بات تھی۔۔۔۔۔۔اچانک ہلابہ کے دل کی گہرائیوں سے ایک خاموش چیخ بلند ہوئی۔

"نہیں۔۔۔۔۔۔یہ کچھ نہیں۔ یہ سب فریب ہے۔ ہوش میں آؤ ہلابہ، تم مسلمان ہو، مسلمان جھکتا نہیں۔ مرعوب نہیں ہوتا۔ خوف نہیں کھاتا اور خوف کس بات کا موت ہی تو تمہارا مقصود ہے۔ شہادت ہی تو تمہاری منزل ہے۔ اشباح کے ہاتھوں میں تمہارا خونچکاں جسم نہ پہنچے گا تو کیا ہوا۔ کبھی نہ کبھی اسے تمہاری موت کی خبر تو ملے گی۔ کبھی اسے تمہارے انجام کا پتہ تو چلے گا۔ پھر یہ بھی معلوم ہوگا کہ تم نے کس کوشش میں اپنی جان دی۔۔۔۔۔پرماتما کو جان سے مارنے کی کوشش میں۔ درست ہے تم اس کوشش میں کامیاب نہ ہو پاؤ گی۔ مگر یہ موت تمہارے شایان شان ہوگی۔ یہ شہادت تمہارے خوابوں کی تعبیر ہوگی۔ اٹھو ہلابہ! ہمت کرو۔ دل و دماغ پر چھانے والی اس دھند کو جھٹک دو۔ تم ایک خدا کو چاہنے والی ہو اور ایک خدا کو چاہنے والے آتش نمرود میں کودتے ہیں، دریائے نیل میں لشکر اتارتے ہیں۔ کوہ صفا سے آواز حق بلند کرتے ہیں اور کربلا میں گردن کٹاتے ہیں۔ تم یہ سب کچھ نہیں کر سکتیں، لیکن یہ معمولی کام تو کر سکتی ہو۔ اپنی آبرو کی حفاظت کے لیے اپنی جان تو دے سکتی ہو۔۔۔۔۔ہلابہ کے مسحور و مغلوب جسم میں ایک توانائی پیدا ہوئی۔ اس کے ڈوبتے ذہن نے ایک جھٹکا کھایا۔ اس کے غیر مزاحم بازوؤں میں ایک برق کوندی۔ وہ کسی وحشی ہرنی کی طرح تڑپ کر پرماتما سے علیحدٰہ ہوئی۔ اس کی دو انگلیاں دو تیروں کی طرح بڑھیں اور پرماتما کے ریشمی نقاب سے

گزرتی ہوئی اس کی آنکھوں میں پیوست ہو گئیں۔ پرماتما کی ایک آنکھ سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور وہ چلا کر اوندھا گرا۔ اس کے چلانے اور اس کے گرنے نے ہلابہ کو جیسے خوابوں کی دنیا سے باہر لا پھینکا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک جیتی جاگتی عورت ہے اور اس کا مقابلہ ایک زندہ انسان سے ہے۔ اس احساس نے اس کے جسم کو نئی توانائی سے بھر دیا۔ نہایت تیزی سے اس نے خواب گاہ کا جائزہ لیا۔ ایک ساعت کے اندر اندر اس کی نگاہ ہر شے پر دوڑ گئی۔۔۔خوابگاہ کے اندر ایسی کوئی شے نہیں تھی جسے کسی بھی طرح ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا۔ دوسرے معنوں میں ہلابہ سراسر نہتی تھی۔۔۔۔!

پرماتما کا سنہری ہیولا ایک بار پھر دھند کے اندر نمودار ہو رہا تھا۔ شاید اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا رکھے تھے۔ ایک ہاتھ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ ہلابہ کو دبوچنے کے لیے اس نے ہاتھ لہرایا تو وہ نیچے جھک کر ایک طرف ہو گئی۔ جب وہ گھومی تو اس کی لمبی چوٹی لہرا کر پرماتما کے شانے پر آئی۔۔۔ہلابہ کو محسوس ہوا۔ جیسے قدرت نے اپنے دست غیبی سے اسے ایک اشارہ دیا ہے۔ ساعت کے ہزارویں حصے میں اس نے اپنی چوٹی کو پرماتما کے سنہری کندھے پر پڑے دیکھا اور ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ لپکی اور اس نے اپنی چوٹی کو پرماتما کی گردن کے گرد بل دے دیا۔ اس کے بعد کیا ہوا، ہلابہ کو کچھ معلوم نہیں۔۔۔۔۔۔شاید وہ ہوش و حواس سے گزر گئی تھی۔ شاید اس نے جنون کی آخری حد بھی پار کر لی تھی۔ اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ اگر یاد تھا تو اتنا کہ اسکی جان جسم کے ایک ایک ریشے سے سمٹ کر، ایک ایک مسام سے کشید ہو کر اس کے ہاتھوں میں اور کلائیوں میں آگئی ہے وہ ان ہاتھوں اور کلائیوں کے زور سے اپنی چوٹی کے بل کو کھینچ رہی ہے۔ یہ چوٹی ایک گردن کو دبا رہی ہے۔ ایک ایسی گردن کو جس پر ہزار انسانوں کا خون ہے، جس میں ہزار فرعونوں کی

نخوت سمائی ہوئی ہے اور جو اس پُراسرار خطے کی ناپاک ترین گردن ہے۔۔۔۔۔۔نہ جانے ہلابہ کب تک اس عمل میں مصروف رہی۔

شاید چند ساعتیں، شاید چند پل۔۔۔۔۔۔یا چند گھڑیاں۔اسے کچھ علم نہیں تھا۔جب اس کے حواس بحال ہوئے اور اس نے اپنے سامنے دیکھا تو پرماتما کا بے حس و حرکت سنہری ہیولا سامنے پڑا تھا۔آدھا دھڑ مسہری پر اور آدھا قالین پر تھا۔ہلابہ خواب کی کیفیت میں ارد گرد دیکھنے لگی۔سب کچھ اسی طرح تھا۔بارش برس رہی تھی، دھند کے رنگین مرغولے چکرا رہے تھے۔خوشبوئیں در و دیوار سے پھوٹ رہی تھیں۔اس نے ایک بار پھر پرماتما کی طرف دیکھا۔اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنا بڑا کام کر چکی ہے۔ سینکڑوں برس سے زندہ، پرماتما اس کے ہاتھوں موت کا شکار ہو چکا ہے۔کیا واقعی ایسا ہو چکا ہے؟ وہ اسے چھوتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی۔اچانک اس کی جبلت نے اسے بھاگنے کا مشورہ دیا۔اسے یہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا، لیکن کہاں؟ ذہن کا جواب تھا، کہیں بھی، کسی بھی جانب،اسے اس جگہ موجود نہیں رہنا چاہیے۔وہ مڑی اور اس ہموار دیوار کی طرف گئی جہاں اس سے پہلے ایک دروازہ نمودار ہوا تھا۔وہ قریب پہنی تو دروازہ پھر نمودار ہو گیا۔سامنے رنگین بلوری راہداری نظر آرہی تھی۔ گھنٹیوں کی مدھم بازگشت اسی طرح سنائی دے رہی تھی۔ہلابہ نے راہداری میں قدم رکھنا چاہا مگر کچھ سوچ کر واپس مڑی۔اس کے مڑتے ہی دیوار پھر ہموار ہو گئی۔ہلابہ نے ایک منقش آبنوسی کرسی اٹھائی اور بار بار فرشی قالین پر پٹخ کر توڑ دیا۔پھر ایک ٹوٹا ہوا پایہ اپنے ہاتھوں میں لیا اور بے حرکت پرماتما کے سر پر پہنچ گئی۔تب اس نے پے در پے اس کے سر پر وار کرنے شروع کیے۔اس کے انداز میں نہایت قوت اور بے رحمی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وزنی پائے نے پرماتما کی کھوپڑی توڑ دی اور اس

کے اندر سے مغز اڑ اڑ کر مسہری کو داغدار کرنے لگا۔تر و تازہ پھولوں کی سیج خون کی سرخی اور بھیجے کی سفیدی سے غلیظ ہو گئی۔پرماتما کی کھوپڑی مکمل طور پر پچک گئی تو ہلابہ نے لکڑی کا پایہ ایک طرف پھینکا اور واپس دروازے کی طرف بھاگی۔دروازے سے گزر کر وہ راہداری میں پہنچی اور پھر سفید دھند کے اس پردے کے پاس پہنچ گئی۔ جس کی دوسری جانب معتوب قیدیوں کے آہنی پنجرے تھے۔وہ بھاگ کر دھند سے گزرنا چاہتی تھی مگر اچانک اس کی آنکھوں میں ستارے ناچ گئے۔دھند نے اسے راستہ دینے سے انکار کر دیا۔اس کی پیشانی کسی ٹھوس شے سے ٹکرائی اور وہ الٹ کر دوبارہ راہداری میں آن گری۔شاید دھند میں کوئی دروازہ چھُپا ہوا تھا، جسے صرف پرماتما کھول سکتا تھا۔اچانک ہلابہ کو احساس ہوا کہ اس دھند کی دوسری جانب قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔وہ الٹے پاؤں خوابگاہ کی طرف ہٹنے لگی۔جب وہ راہداری کے ایک موڑ سے مڑ رہی تھی اس کی نگاہ دھند سے برآمد ہونے والی شے پر پڑی اور وہ سرتاپا لرز گئی۔ دو سروں اور چار ہاتھوں والا ہیبت ناک انسان جھومتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔یہ وہی شخص تھا جسے اس نے جادو گری کے پنڈال میں پرماتما کے عقب میں کھڑے دیکھا تھا۔اس کے حلق سے کوئی دھیمی دھیمی غراہٹ نکل رہی تھی جو پوری راہداری میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ہلابہ کے پیچھے ہٹتے ہوئے قدم ڈگمگانے لگے۔اس نے افسوس کے ساتھ سوچا۔کاش وہ ہتھیار کے طور پر لکڑی کا پایہ ہی اپنے ساتھ رکھتی۔۔۔۔۔۔ اس کی کشادہ پیشانی پر پسینے کی چمک تھی اور سینہ سانسوں کی یورش سے دہل رہا تھا۔نادیدہ دروازے سے ٹکراؤ کے بعد اس کی پیشانی زخمی ہو گئی تھی اور خون کی ایک لکیر ٹھوڑی تک پہنچ رہی تھی۔وہ اپنے جسم کو راہداری کی دیوار سے مس کرتی ہوئی پیچھے ہٹ رہی تھی۔ عجیب الخلقت انسان کسی بھی لمحے راہداری کے خم

سے نمودار ہونے والا تھا۔ دفعتاً ہلابہ کے دائیں کندھے کے دباؤ سے ایک دروازہ بے آواز کھل گیا۔ یہ بھی ایک ایسی ہی راہداری تھی۔ رنگین جھلملاتے شیشوں سے سجی ہوئی۔ ہلابہ فوراً اس میں داخل ہو گئی۔ اس کے عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔ مسحور کن خوشبوئیں راہداری میں چکرا رہی تھیں۔ مدھم گھنٹیوں کی صدا یہاں بھی سنائی دے رہی تھی۔ ہلابہ تیز قدموں سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اسے کیا کرنا ہے، کہاں جانا ہے، وہ بس اپنی جان بچانے کے لیے حجت پوری کرنا چاہتی تھی۔ شہادت اور خودکشی کے درمیان ایک حد فاصل برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ یہ سرنگ نما راہداری طویل ہوتی جا رہی تھی۔ آخر کافی دیر بعد وہ دودھیا دھند کے ایک پردے کے سامنے پہنچی۔ ایسا ہی پردہ دوسری راہداری میں آہنی پنجروں کی طرف کھلتا تھا۔ اس دفعہ ہلابہ نے اس پردے سے بھاگ کر گزرنے کی حماقت نہیں کی۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے محتاط قدموں سے آگے بڑھی۔ یکایک اس کا اٹھا ہوا پاؤں کسی خلا میں پڑا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن وقت گزر چکا تھا۔ ایک چیخ کے ساتھ وہ کسی نشیب میں گرتی چلی گئی۔

وہ چند لمحے کئی زندگیوں پر بھاری تھے۔ ہلابہ کا جسم کسی پتھر کی طرح نیچے گر رہا تھا۔ آخر وہ ایک زبردست چھپاکے کے ساتھ کسی بدبودار پانی میں جا گری۔۔۔۔۔۔ شاید اس پانی کی بلاخیز ٹھنڈک اور بدبو ہی تھی جس نے ہلابہ کے ڈوبتے ذہن کو کچوکا دیا اور وہ بے ہوشی کے کنارے سے لوٹ آئی۔ اس نے دھندلائے ہوئے ذہن کے ساتھ محسوس کیا کہ وہ بدبودار پانی میں ڈوبتی جا رہی ہے۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔۔۔۔۔۔ خدا کی پناہ، کیسا بھیانک منظر تھا۔ وہ تیزی سے تہہ میں بیٹھی جا رہی تھی۔ چند گز نیچے پانی کی تہہ نظر آ رہی تھی۔ وہاں بہت سے انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ اور ان ڈھانچوں کے درمیان۔۔۔۔۔ ایک شخص آلتی

پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے گلے میں مردے کی ہڈیوں کی مالائیں تھیں۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گود میں تھے۔ جسم پر صرف ایک لنگوٹی تھی اور آنکھیں بند۔ وہ پتھر کا مجسمہ دکھائی دیتا تھا۔ ہلابہ جانتی تھی، چند ساعتوں بعد اسکا ڈوبتا ہوا جسم اپنے زور میں تہہ سے جا لگے گا اور تہہ میں انسانی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ وہ خود کو ان مکروہات کے لمس سے بچانا چاہتی تھی۔ اپنے ڈوبتے ذہن کو سنبھالا دے کر اس نے اپنے بازوؤں کو حرکت دینا چاہتی۔ بے حد سرد پانی نے اس کی بانہیں سُن کر دی تھیں۔ کوشش کے باوجود ابھر نہ سکی۔ پھر اس کے پاؤں کھردری تہہ سے ٹکرائے۔ اس نے پنجوں کے زور سے سطح کی طرف سفر کرنا چاہا۔۔۔ اس وقت ایک اور حیرت ناک واقعہ رونما ہوا۔ آلتی پالتی مارے شخص نے اپنی آنکھیں کھولیں اور ایک جھٹکے سے ہلابہ کا پاؤں ٹخنے کے قریب سے پکڑ لیا۔ ہلابہ نے دہشت نظروں سے دیکھا۔ وہ اس شخص کو پہلے سے جانتی تھی۔۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔۔ اس نے اسے مظاہرے میں دیکھا تھا۔ وہ اقتیلا جام تھا۔ تاریک جنگل کا ساحر اعظم۔ اس کی دہشت ناک صورت دیکھ کر اور اس کی آہنی گرفت محسوس کر کے ہلابہ کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ وہ کن بلاؤں میں پھنس گئی تھی؟ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبنے لگا۔ اس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب اس کے حواس دوبارہ بحال ہوئے تو اس نے خود کو ایک غار نما جگہ میں پایا۔ کہیں قریب ہی آبشار کی طرح پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ تعفن اور بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ ہلابہ نے اندازہ لگایا کہ وہ ابھی تک اسی اندھے کنوئیں کے پاس ہے جہاں گری تھی۔ اس کے قریب ہی نیم برہنہ اقتیلا جام بیٹھا تھا۔ شاید اس کے

ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ہلابہ کے چہرے پر مرکوز تھیں اور ان نگاہوں میں عجیب سی چمک تھی۔۔۔۔۔۔!

"میں کہاں ہوں؟" ہلابہ اپنی پیشانی کی چوٹ کو ٹٹولتے ہوئے کراہی۔

"خود دیکھ لو۔" افتیلا کے بھدے ہونٹوں سے بھاری صدا برآمد ہوئی۔

ہلابہ نے کہنیوں کے بل تھوڑا سا آگے کو سرک کو غار کے دہانے سے نیچے جھانکا اور اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ ابھی تک اس بدبودار کنویں میں تھی۔ کنویں کا غلیظ پانی چھ گز نیچے ہلکورے لے رہا تھا۔ اس پانی سے سرنگ کے دہانے تک رسی کی ایک

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہاں سے دو صفات مس ہیں جس کے لئے معذرت خواہ ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بعد ہلابہ نے دیکھا ایک صاف ستھرا نفیس لباس حمام کے اندر اس کا منتظر ہے۔ لباس تبدیل کر کے وہ باہر آئی تو افتیلا جام بھی نئے لباس میں نظر آ رہا تھا۔ اس کا سارا جسم خوشبو میں بسا ہوا تھا۔ اس کی عمر پنتالیس برس کے

قریب اور چہرہ سیاہی مائل تھا۔ جس منظر نے ہلابہ کو حیران کیا اور وہ کسی حد تک خوفزدہ بھی ہوئی۔ یہ تھا کہ افتیلا جام کے سر پر شہد کی مکھیوں کا ایک بہت بڑا غول چکرا رہا تھا۔ کسی صحرائی بگولے کی مانند یہ مکھیاں نیچے سے اوپر کی طرف گردش کر رہی تھیں۔ ہلابہ نے چونک کر دیکھا۔ وہ سیاہی مائل درخت اب سفید نظر آ رہا تھا۔ درحقیقت یہ مکھیاں ہی تھیں جنہوں نے درخت کو ڈھانپ رکھا تھا۔۔۔ افتیلا جام ان مکھیوں سے قطعاً لاپرواہ نظر آتا تھا۔ وہ ہلابہ کو لے کر عمارت کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔ مکھیاں بھی کسی پالتو جاندار کی طرح اس کے ساتھ حرکت میں آ گئیں۔ گھاس کا ایک وسیع قطعہ پار کر کے وہ شفاف فرشوں اور دیواروں والی ایک سفید عمارت میں داخل ہو گئے۔ جگہ جگہ مورتیاں، مردوں کی کھوپڑیاں اور عجیب و غریب اشکال نظر آ رہی تھیں۔ پورا ماحول اسرار و رموز میں ڈوبا ہوا تھا۔ نیم عریاں لباس میں حسین لڑکیاں تتلیوں کی طرح گھومتی پھرتی تھیں۔ غالباً یہ افتیلا جام کی خاص خادمائیں تھیں۔ اس سے پہلے پنڈال میں بھی ہلابہ ان لڑکیوں کو افتیلا جام کے گرد دیکھ چکی تھی۔ عمارت کے چند حصوں سے گزر کر افتیلا جام اسے ایک شاندار خوابگاہ میں لے آیا۔ یہاں ایک بوڑھی عورت نے اس کا استقبال کیا۔ یہ وہی عورت تھی جس نے شام کو رخصتی سے پہلے ہلابہ کو بزرگانہ نصیحتیں کی تھیں اور جس کے بارے سریتا نے بتایا تھا کہ یہ افتلا جام کی سب سے پرانی اور معزز خادمہ ہے۔ اس کا نام رنگا چماری تھا۔ افتیلا جام نے ہلابہ کو اس عورت کے سپرد کر دیا۔ پھر اپنے عصا کے ذریعے کمرے کی چاروں دیواروں کے ساتھ ساتھ ایک لکیر کھینچی اور منہ میں کچھ بدبداتا ہوا باہر نکل گیا۔ مکھیاں خوابگاہ سے باہر ہی رہ گئی تھیں۔ جونہی افتیلا جام باہر نکلا وہ ایک چھتری کی صورت پھر اسکے سر پر منڈلانے لگیں۔ دروازے پر کھڑے ہو کر افتیلا جام نے بوڑھی عورت سے کہا۔

"رنگا! مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ دوشیزہ میرے لیے بے حد اہم ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔"

بوڑھی عورت نے اطاعت مندی سے اقرار میں سر ہلایا۔ اقتیلا جام مکھیوں کو اپنے جلو میں لیتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلابہ اس کمرے میں پورے آٹھ پہر مقیم رہی۔ بوڑھی عورت رنگا چماری ہر طرح اس کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ ہلابہ اس کی زبان سے کوئی اہم خبر سننا چاہتی تھی۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے قرب وجوار میں کوئی اہم واقعہ رونما ہی نہیں ہوا۔ پرماتما کا قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یہ خبر تو جنگل میں آگ کی طرح پھیل جانی چاہیے تھی۔ لیکن یہاں سرے سے کوئی ردعمل ہی ظاہر نہیں ہوا تھا۔ کیا اس خبر کو چھپا لیا گیا ہے؟ یہ سوال کسی تیر کی طرح بار بار ہلابہ کے دماغ میں چبھ رہا تھا۔

اگلے روز رات کے وقت اچانک کمرے سے باہر مکھیوں کی خوفناک بھنبھناہٹ سنائی دی۔ اقتیلا جام اس طرف آ رہا تھا۔ حسب سابق مکھیوں کو باہر چھوڑ کر وہ اندر داخل ہوا۔ اس کا سیاہی مائل چہرہ غضبناک ہو رہا تھا۔

آتے ساتھ ہی اس نے ایک زناٹے کا تھپڑ ہلابہ کے گال پر مارا۔ وہ تیورا کر مسہری پر جا گری۔ اقتیلا جام پر درندگی سوار ہو رہی تھی۔ اس نے ہلابہ کو بے دریغ لاتوں اور گھونسوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ ہلابہ نے بھی مزاحمت ضروری نہیں سمجھی۔ وہ خاموشی سے مار کھاتی رہی۔ اس کے جسم کے مختلف حصوں سے خون نکلنے لگا۔ اقتیلا جام ہانپ گیا تو اس نے ہلابہ کو بالوں سے پکڑا اور کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔ خوفناک مکھیاں ایک بار پھر اس کے سر پر منڈلانے لگیں۔ ان کے منحوس سائے تلے ہلابہ کو گھسیٹتا ہوا وہ راہداری سے گزرا۔۔۔۔۔ اور پھر ایک تہہ خانے میں لے آیا۔ تہہ خانے کی نصف سیڑھیوں سے اس نے بے دریغ ہلابہ کو دھکا دے دیا۔ تہہ خانے میں گہری تاریکی تھی اور ایسی ہی تاریکی ہلابہ کے ذہن میں تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی یہ کیا ہو رہا ہے۔

پورے دو روز وہ بھوکی پیاسی اس حبس زدہ تہہ خانے میں بند رہی۔ آخر دروازہ کھلا اور رنگا چماری کھانے کا طشت لے کر اندر داخل ہوئی۔ ہلابہ کا جسم زخموں سے چور تھا اور وہ فرش پر پڑی سسک رہی تھی۔ شمعدان کی روشنی میں رنگا چماری کچھ دیر رحم آمیز نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے گلے میں مردہ سانپ بدستور لٹک رہا تھا۔ ہڈیوں کی مالائیں اور دھاتی کڑے سب ہل جل کر اس کے جھریوں بھرے جسم کو اور بھی پُراسرار بنا رہے تھے۔ وہ بہ آہستگی ہلابہ کے قریب بیٹھ گئی۔ اس نے اس کی مرہم پٹی کی اور پھر کھانے پر مجبور کرنے لگی۔

"میرے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے رنگا۔۔۔۔۔؟" ہلابہ نے اسے اپنا ہمدرد پا کر سوال کیا۔

رنگانے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے آہستہ بولنے کی ہدایت کی۔ کچھ دیر اسے پُراسرار نظروں سے دیکھتی رہی، پھر سرگوشی میں بولی۔

"نادان لڑکی! یہاں دیواریں سچ مچ سنتی ہیں۔ تم پہلے ہی اپنے لیے بہت مصیبتیں پیدا کر چکی ہو۔ اپنی موت کو سہل بنانا چاہتی ہو تو محتاط رہو۔"

ہلابہ نے کہا۔ "رنگا۔۔۔۔۔ مجھے موت کی پرواہ ہے نہ اذیت ناک موت کی۔ میں صرف اپنے ارد گرد کے حالات جاننا چاہتی ہوں۔ میں۔۔۔۔۔ پرماتما کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔"

رنگانے سرگوشی کی۔ "پاگل لڑکی، پرماتما سے بچانے کے لیے ہی تو اقتیلا جام تجھے یہاں لایا ہے۔"

ہلابہ ہکلائی۔ "پرماتما تو۔۔۔۔۔ پرماتما تو۔۔۔۔۔"

رنگا اسے ملامتی نظروں سے گھور کر بولی۔ "تو سچ مچ بہت بیوقوف ہے۔ تیرا خیال ہے، پرماتما تیرے مارنے سے مر جائے گا۔۔۔۔۔ دیوانی! پرماتما کو مارنے کے لیے سینکڑوں موتیں بھی ناکافی ہیں۔۔۔۔۔ وہ زندہ ہے اور تیرے خون کا پیاسا ہے۔ تو وہ لڑکی ہے جو روئے زمین پر سب سے زیادہ مظلوم ہے۔ اس لیے کہ تجھ پر پرماتما کا غضب قہر آسمانی بن کر ٹوٹنے والا ہے۔ تو نے اپنی دانست میں پرماتما کو ہلاک کیا اور وہاں سے بھاگ آئی۔ اقتیلا جام کو سب معلوم ہے۔ پرسوں شام اس نے تجھے پرماتما کے سپرد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر بہت دیر بے قرار رہنے کے بعد اس نے اپنا فیصلہ بدل لیا اور تجھے مار پیٹ کر اس تہہ خانے میں پھینک گیا۔ اگر اس

نے تجھے پرماتما کے حوالے کر دیا ہوتا تو نہ صرف اس وقت تک تو بے آبرو ہو چکی ہوتی بلکہ سینکڑوں بار موت کا ذائقہ چکھ چکی ہوتی۔"

ہلابہ نے حیرانی سے یہ سب کچھ سنا۔ وہ سوچنے لگی۔ کیا پرماتما ابھی تک زندہ ہے؟ کھوپڑی ٹوٹنے کے باوجود، مغز بکھرنے کے باوجود۔ اس نے کہا۔

"رنگا۔۔۔۔۔ میں نہیں مان سکتی کہ پرماتما زندہ ہے۔ اب وہ زندہ کیسے ہے؟"

رنگا چماری کچھ دیر ہراساں نظروں سے اسے دیکھتی رہی جیسے اسے کوئی عجوبہ سمجھ رہی ہو۔ پھر ایک جھرجھری لے کر بولی۔

"ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے۔ پرماتما کی آتما اس کے شریر سے زیادہ دور نہیں رہ سکتی۔ اس کا شریر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو آتما اسے پھر ڈھونڈ لیتی ہے۔ جب تک سفید محل کے دروازے پر جیون اگنی روشنی ہے پرماتما زندہ رہے گا اور جیون اگنی کے بجھنے میں ابھی دو سو برس باقی ہیں۔"

ہلابہ بوڑھی عورت کے ساتھ بحث میں الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے موضوع بدل کر پوچھا۔ "مہاراج اقتیلا جام مجھ سے یہ ہمدردی کیوں کر رہے ہیں۔ کیا پرماتما سے بچا کر وہ اس کی ناراضگی مول نہیں لے رہے؟"

رنگا نے کہا۔ "تو اقتیلا جام کے لیے بے حد قیمتی ہے۔ وہ تجھے زندہ دیکھنا چاہتا ہے۔" ہلابہ کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ رنگا چماری بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اس سے یہ مطلب نہ لو کہ اقتیلا جام تیرا خیر خواہ ہے۔ یہاں کوئی کسی کا خیر خواہ نہیں۔"

"پھر وہ مجھے کیوں بچا رہے ہیں؟"

رنگا چماری بولی۔ "تو اس کی طویل تپسیا کا حاصل ہے۔ تیری خاطر اس نے ایک لمبا چلہ کاٹا ہے۔ وہ ہر ساتویں روز اپنے معبد میں جاتا تھا اور سخت متعفن پانی کے نیچے دم روک کر پہروں جاپ کرتا تھا۔ وہ دیوتاؤں سے تیری طلب کرتا تھا اور یہ سلسلہ کئی برس سے جاری تھا۔"

"میری طلب۔۔۔۔۔ کیوں؟"

"تو اقتیلا جام کی طاقتوں کو دوام بخش سکتی ہے۔ اس کی شکتی کو بحال رکھ سکتی ہے۔ اسے تیرے شریر کی ضرورت ہے۔"

"میرے شریر کی؟"

"ہاں۔ تو اس کی ضرورت پر پوری اترتی ہے۔ تو عرب النسل ہے۔ خوبصورت ہے۔ تیرا رنگ سفید اور بال سیاہ ہیں۔ تیرے ناک کی چونچ پر ایک تل ہے۔ تو کنواری ہے۔ کسی مرد نے کبھی تیرے جسم کو ہاتھ نہیں لگایا۔۔۔۔۔۔ مجھے بتا کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

ہلابہ خاموش رہی۔ وہ بھلا کیا جواب دیتی۔ رنگا چماری نے کہا۔ "تجھے دیوتاؤں نے اقتیلا جام کے حوالے کیا ہے۔ اس لیے وہ تجھے کھونے کا تصور نہیں کر سکتا۔"

ہلابہ نے پوچھا۔ "کیا پرماتما مجھے اقتیلا کے پاس رہنے دے گا۔۔۔۔۔؟"

رنگا چماری نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی بوڑھی آنکھیں کسی گہری سوچ میں غلطاں تھیں۔ اس کے جھریوں بھرے چہرے پر اندیشوں کی پرچھائیاں تھیں۔ وہ جیسے کہیں دور بہت دور دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کی کھوئی کھوئی خوفزدہ آواز سنائی دی۔

"بھگوان ہمارے حال پر کرپا کرے۔ مجھے حادثوں کی بُو آ رہی ہے۔۔۔۔۔۔ شاید کچھ ہونے والا ہے۔۔۔۔۔۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نظر پرماتما کے محل کا تھا۔ بلند و بالا چھت والے ایک عظیم الشان کمرے میں اونچے چبوترے پر ایک زرنگار کرسی رکھی تھی۔ کرسی پر جو ادھیڑ عمر شخص براجمان تھا۔ اس کا نام روبل کمار تھا۔ روبل کمار پرماتما کا نائب سمجھا جاتا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے منہ میں پرماتما کی زبان ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہی پرماتما کی آواز ہوتی ہے۔ ایک زرد پوش اندر داخل ہوا اور اس نے کورنش بجا کر روبل کمار کو کسی کی آمد کی اطلاع دی روبل کمار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت کمرے کے دروازے سے باہر مکھیوں کی خوفناک بھنبھناہٹ سنائی دی۔۔۔۔۔۔ پھر اقتیلا جام بارعب انداز میں چلتا اندر داخل ہوا۔ اس کے عقب میں دو چیلے مودب انداز میں چل رہے تھے۔ اقتیلا جام مکھیاں باہر ہی چھوڑ آیا تھا۔

روبل کمار نے جلدی سے آگے بڑھ کر اقتیلا جام کا استقبال کیا اور پھر اسے چبوترے پر لے جا کر اپنے برابر بٹھایا۔ اقتیلا جام نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

"روبل کمار! میں یہاں اپنی طلبی کا مقصد جاننا چاہتا ہوں۔"

روبل کمار نے نوخیز خادماؤں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دو خوبصورت جام، اقتیلا جام اور روبل کمار کے آگے رکھ دیے۔ ان جاموں میں کوئی نفیس سرخ مشروب ہلکورے لے رہا تھا۔ روبل کمار نے کہا۔

"مہاراج! میں نے ایک اہم معاملے کے لیے آپ کو زحمت دی ہے۔ اس سلسلے میں آپ ہی ہماری مدد کر سکتے ہیں۔"

اقتیلا جام نے کہا۔ "روبل کمار! مجھے طویل بات پسند نہیں۔ میں تمہارا اصل موضوع جاننا چاہتا ہوں۔"

روبل کی پیشانی پر ناگواری کی ایک شکن ابھر کر غائب ہو گئی۔ اس نے سرخ مشروب کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! بات دراصل یہ ہے کہ آج سے چار روز پہلے لازوال پرماتما کے حجلہ عروسی میں جو ساتویں دلہن پہنچی تھی وہ۔۔۔۔۔۔غائب ہو گئی ہے۔"

اقتیلا جام خاموشی سے روبل کمار کی طرف دیکھتا رہا۔ یہ گفتگو تخلیئے میں ہو رہی تھی۔ خدام کمرے سے باہر جا چکے تھے۔ روبل کمار نے سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا۔ "وہ ایک بے حد خطرناک عورت ہے۔ میری اطلاع کے مطابق اس عورت کا تعلق ان مسلمان قیدیوں میں سے ہے جو کچھ ہفتے پہلے رائے منوہر چند کی قید سے فرار ہوئے تھے۔ اس عورت کی دیدہ دلیری اور بے جگری کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ وہ ایک برے ارادے سے تن تنہا لازوال پرماتما تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی۔۔۔۔۔۔لازوال پرماتما بہر صورت اس کی گرفتاری چاہتے ہیں۔"

اقتیلا جام ایک لمبی سی "ہوں" کر کے رہ گیا۔ روبل کمار نے کہا۔ "لازوال پرماتما کی خواہش ہے کہ آپ اپنی شکتی کو حرکت میں لائیں اور اس "ساتویں دلہن" کو تلاش کریں۔۔۔۔۔۔ویسے ایک بات کا ہمیں یقین ہے۔ ساتویں دلہن ابھی تک اس تاریک جنگل سے باہر نہیں گئی۔"

اقتیلا جام نے تلخی سے کہا۔ "جب تمہیں اتنا یقین ہے کہ وہ تاریک جنگل سے باہر نہیں گئی تو پھر خود ہی اسے ڈھونڈ کیوں نہیں لیتے!"

اقتیلا جام کے انداز نے روبل کمار کو چونکا دیا۔ وہ بولا۔ "آ۔۔۔۔۔۔آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تاریک جنگل سے نکل چکی ہے۔"

اقتیلا جام نے کہا۔ "میں اس موقع پر وشواس سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کے لیے مجھے آدھی رات کے بعد ایک پہر کے لیے دھیان کرنا ہو گا۔ ویسے میرا قیاس ہے کہ تم "ساتویں دلہن" کو کھو چکے ہو۔"

روبل کمار بے قراری سے بولا۔ "ایسا مت کہیے مہاراج! لازوال پرماتما کا غضب سب کو جلا کر راکھ کر ڈالے گا۔ میں نے سنا ہے کہ پرماتما بے حد غصے میں ہیں۔ شاید ہی کبھی کسی نے انہیں اتنا برہم دیکھا ہو۔"

پرماتما کے غیض و غضب کا سن کر اقتیلا جام کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ بہر طور اس نے فوراً ہی خود ہی قابو پایا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ٹھیک ہے روبل کمار! میں آج رات دھیان کر کے کچھ پتہ چلاؤں گا۔ اگر وہ لڑکی اس جنگل میں ہے تو اسے پکڑنا زیادہ کٹھن نہیں ہو گا۔"

کچھ دیر روبل کمار کے ساتھ مصروف گفتگو رہنے کے بعد اقتیلا جام وہاں سے اٹھ گیا۔ جونہی وہ کمرے سے نکلا مکھیاں اس کے سر پر منڈلانے لگیں۔ وہ انہیں جلو میں لیتا ہوا محل سے باہر نکل آیا۔ دونوں چیلے مودبانہ پیچھے آ رہے تھے۔ اقتیلا جام اپنے خیالوں میں ڈوبا گردوپیش سے بے خبر بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اسے روبل کمار کبھی اچھا نہیں لگا تھا۔ اگر وہ لازوال پرماتما کا ترجمان نہ ہوتا تو شاید اقتیلا جام کب کا اسے ملیامیٹ کر چکا ہوتا۔

روبل کمار کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ وہ اپنی حد سے تجاوز کرتا تھا۔ اسے سب سے بڑا گھمنڈ یہ تھا کہ پرماتما کے احکام اس کی زبان سے دوسروں تک پہنچتے ہیں۔ حالانکہ اقتیلا جام جانتا تھا، پرماتما خود کبھی روبل کمار سے مخاطب نہیں ہوا۔ ان کے درمیان کوئی تیسرا شخص بھی تھا اور وہی روبل کمار کو پرماتما کی ہدایات سے آگاہ کرتا تھا۔ اس کے علاوہ روبل کمار اس ریاست کا وہ واحد شخص تھا جو اقتیلا جام کی پُراسرار قوتوں کے بارے میں اپنے شبہے کا اظہار کرتا تھا۔ یہ اظہار اس نے کبھی برملا یا کھلے عام نہیں کیا اور نہ ہی وہ اتنی جرات رکھتا تھا مگر اس کی آنکھوں نے اقتیلا جام کو بارہا یہ احساس دلایا تھا کہ روبل کمار دل سے اس کی عظمتوں کا قائل نہیں۔

اقتیلا جام انہی سوچوں میں گم اپنے مرمریں محل میں پہنچا۔ بڑھیا رنگا چماری سے دروازے پر ہی ملاقات ہو گئی۔ وہ کچھ پریشان نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"مہاراج! ابھی پرماتما کے محل سے تین محافظ پہنچے تھے۔ آپ کا پوچھ رہے تھے۔ میں نے کہا، وہ ابھی محل ہی کی طرف گئے ہیں۔ پوچھنے لگے کہ گھر میں مہاراج کا کوئی مہمان تو نہیں ٹھہرا ہوا۔ میں نے انکار میں جواب دیا۔ ان کی باتوں سے شبہے کی بو آ رہی تھی۔ میں بڑی مشکل سے انہیں ٹال سکی ہوں۔"

اقتیلا جام کی سانولی پیشانی پر سوچ کی گہری لکیریں پھیل گئیں۔ وہ سوچنے لگا کہیں ایسا تو نہیں کہ روبل کمار کو کسی طرح کا شک پڑ گیا ہو۔ شاید اس نے مجھے محل میں اسی لیے بلایا تھا کہ میرے بعد میرے گھر آدمی بھیج کر رنگا چماری سے تفتیش کر سکے۔ یہ سوچتے ہی اقتیلا جام کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ روبل کمار کا لمبوترا چہرہ اس کی نگاہوں میں گھومنے لگا۔ جبڑے بھینچ کر وہ اندر داخل ہوا۔ پھر مختلف راہداریوں اور غلام گردشوں سے گزر کر اس تہہ خانے میں پہنچا جہاں اس نے تین روز پہلے ہلابہ کو قید کیا تھا۔ اس نے ایک مشعل جلائی اور سیڑھیاں اتر کر اندر پہنچ گیا۔ ہلابہ اوڑھنی سے سر منہ لپیٹے فرش کے ایک صاف ٹکڑے پر نماز پڑھ رہی تھی۔ اقتیلا جام کچھ دیر تک مشعل کی روشنی میں اس کا زرد زخمی چہرہ دیکھتا رہا، پھر باہر آ گیا۔ دروازہ مقفل کرنے کے بعد وہ اپنے محل میں پہنچا۔ محل کے بیرونی دروازے کے پاس ایک چھوٹی سی مندر نما عمارت تھی۔ یہی جگہ اقتیلا جام کی عبادت گاہ تھی۔ اس مندر نما عمارت میں داخل ہونے کے لیے صرف ایک مختصر سا سادروازہ تھا۔ اس میں جھک کر اندر آنا پڑتا تھا۔ اقتیلا جام کا محل سفید تھا۔ لیکن یہ عبادت گاہ مکمل طور پر سیاہ پتھر سے بنائی گئی تھی۔ کہیں کوئی باریک سی سفید دھاری بھی نظر نہیں آتی تھی۔ مندر میں صرف ایک ہی مورتی تھی۔ یہ قوی ہیکل سیاہ مورتی کسی بدشکل دیوتا کی تھی۔ دیوتا کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں اور سرخ زبان سینے پر لٹک رہی تھی۔ اس مورتی کے دونوں شانوں پر شہد کی دو بڑی بڑی مکھیاں بیٹھی تھیں۔ یہ مکھیاں بھی سیاہ پتھر سے تراشیدہ تھیں۔ مورتی کے سامنے بیٹھ کر اقتیلا جام نے پختہ موم کی ایک بہت بڑی شمع جلائی اور اپنے جاپ میں مصروف ہو گیا۔

بغیر کچھ کھائے، پیئے وہ اگلے روز دوپہر تک پوجا پاٹ میں مصروف رہا۔ یہاں تک کہ دروازے پر مدھم دستک ہوئی۔ "کون ہے؟" اقتیلا جام نے بھاری آواز میں دریافت کیا۔ دروازہ کھلا اور رنگا چماری کا پریشان چہرہ نظر آیا۔ وہ بولی۔

"مہاراج! پرماتما کے محل سے چند آدمی آئے ہیں، آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

اقتیلا جام غرایا۔ "تم نے کہا نہیں تھا کہ میں جاپ کر رہا ہوں۔"

"کہا ہے مہاراج! وہ کہتے ہیں کہ ملنا بے حد ضروری ہے۔"

اقتیلا جام کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔ "ٹھیک ہے بھیجو۔"

ذرا دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک آدمی سر ڈھانپے، ننگے پاؤں چلتا اندر آ گیا۔ وہ دستے کا سالار تھا۔ باقی نو آدمی باہر ہی کھڑے تھے۔ دستے کے سالار نے بڑے ادب سے جھک کر پرنام کیا اور احترام کے ساتھ اقتیلا جام کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کہو کیا بات ہے؟" اقتیلا جام نے اپنی سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھورا۔ رات بھر شمع کے شعلے کو گھورتے رہنے سے اس کی آنکھوں میں عجیب آسیبی سی قوت اتر آئی تھی۔

سالار انکساری سے بولا۔ "مہاراج! بے حد افسوس ہے کہ مجھے آپ کے دھیان میں مخل ہونا پڑا۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ امید ہے آپ مجھے شما کریں گے۔"

اقتیلا جام غرایا "تمہیں معلوم ہے مجھے طویل بات پسند نہیں"

سالار جھجک کر بولا۔ "مہاراج! جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا لازوال پرماتما کے محل سے کوئی ناری فرار ہوئی ہے۔ ہم اسی کی کھوج میں ہیں، وہ ایک بے حد خطرناک قاتلہ ہے۔ جناب ہمیں پتا ہے کہ وہ کہیں آپ کے محل میں روپوش نہ ہو۔ در۔۔۔۔۔ دراصل کچھ لوگوں نے اسے اس جانب آتے دیکھا تھا۔ بدھی دان روبل کمار نہیں چاہتے کہ اس قاتلہ کی وجہ سے بھگوان نہ کرے آپ کے کسی ادنیٰ خادم کو بھی نقصان پہنچے۔"

اقتیلا جام کچھ دیر قہر آلود نظروں سے سالار کو دیکھتا رہا، پھر پھنکارا۔ "تم لوگوں کی یہ جرات۔۔۔۔۔ یہ جرات کہ میرے گھر کی تلاشی لو۔ بھگوان کی مار سے ڈرو۔ مورکھو، ڈرو بھگوان کی مار سے۔ چلے جاؤ یہاں سے ۔۔۔۔۔ ورنہ بھسم ہو جاؤ گے۔۔۔۔۔ اور اس روبل کمار سے بھی کہہ دینا رام کے بھگتوں کو چھیڑنا اچھا نہیں ہوتا۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے وہ لازوال پرماتما کی آگیا ضرور لے لے۔ یہ نہ ہو کہ لازوال پرماتما کو خبر ہونے تک اس کا نام و نشان مٹ جائے۔۔۔۔۔"

دستہ سالار ساحر اعظم کا غضب دیکھ کر سہم گیا۔ وہ کانپتا ہوا اٹھا اور ہاتھ جوڑ کر الٹے پاؤں باہر نکل گیا۔۔۔۔۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے ایک بار پھر پرنام کیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اقتیلا جام کچھ دیر اپنے آسن پر بیٹھا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ روبل کمار کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ اس کے بھیجے ہوئے سپاہی چلے تو گئے تھے لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ دوبارہ نہ آئیں۔ روبل کمار انہیں کسی زیادہ اختیار والے سالار کے ساتھ پھر بھیج سکتا تھا۔ اقتیلا جام مورتی کے

سامنے بیٹھا سوچتا رہا اور اس کی انگلیاں ہڈیوں کی مالا پر گردش کرتی رہیں۔ کچھ دیر بعد اچانک اس کی چھٹی حس نے کسی خطرے سے آگاہ کیا۔ اس وقت عبادت گاہ کا کھڑکی نما دروازہ کھلا اور رنگا چماری کی تشویشناک صورت نظر آئی۔

"مہاراج! میں نے چوبارے سے دیکھا ہے، روبل کمار کا ایک گھڑ سوار دستہ محل کی طرف آرہا ہے۔ اس کے ارادے۔۔۔۔۔ بھلے نہیں لگتے۔"

اقتیلا جام فوراً اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ دروازے میں سے قریباً کود کر وہ باہر نکلا اور اپنا لمبا سیاہ چغہ ہوا میں لہراتا تیز قدموں سے تہہ خانے کی طرف بڑھا مشعل جلا کر اور آہنی دروازہ اٹھا کر وہ اندر داخل ہوا۔ ہلابہ اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ اس کی حسین آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں تھیں۔ اقتیلا جام نے فوراً اسے زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ تب اس نے ہلابہ کو تلوار تھمائی اور اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تہہ خانے کے ایک کونے میں پتھر کی ایک سل کے نیچے خفیہ راستہ موجود تھا۔ تاریک خلا میں سیڑھیاں اترتی نظر آرہی تھیں۔ اقتیلا جام بولا۔

"ان سیڑھیوں میں جا کر بیٹھ جاؤ اور خبردار آگے جانے کی کوشش نہ کرنا، ورنہ سخت مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔ میں بار بار تمہیں بچا نہیں سکوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ہلابہ کو دھکیل کر سیڑھیوں پر اتار دیا۔ ہلابہ چند زینے اتر کر بیٹھ گئی، تو وہ بولا۔ "گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میں تھوڑی دیر میں تمہیں نکال لوں گا۔۔۔ اور ہاں کوئی آہٹ پیدا نہ کرنا۔"

ہلابی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اقتیلا جام نے بڑی احتیاط سے بل کو پھر برابر کر دیا۔ تب وہ تہہ خانے کو مقفل کر کے تیز قدموں سے محل میں آگیا۔۔۔۔۔ محل میں پہنچتے ہی روبل کمار کے آدمیوں سے ملاقات ہوگئی۔ وہ رنگا چماری سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ اقتیلا جام کو دیکھا کر دستے کا سالار جو ایک کرخت چہرہ آدمی تھا اس کی طرف بڑھ آیا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر ادب سے بولا۔

"مہاراج! تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔" پھر اس نے لبادے میں سے ایک تہہ شدہ باریک چمڑا نکال کر اقتیلا جام کی طرف بڑھایا۔ چمڑے پر سنسکرت میں کچھ تحریر تھا۔ اقتیلا جام پہچان گیا کہ یہ روبل کمار کی تحریر ہے۔ اس نے لکھا تھا۔

"مہاراج! لازوال پرماتما کی منشاء کے مطابق میں ساتویں دلہن کی تلاش پر مامور ہوں۔ میرے پاس کچھ ایسی گواہیاں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ساتویں دلہن نے فرار کے بعد ساحرِ اعظم کی رہائش گاہ میں چھپنے کی کوشش کی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ساحرِ اعظم کے خلاف کوئی گہری سازش ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ اس انتہائی خطرناک عورت کے سبب ساحرِ اعظم یا ان کے کسی رفیق کو نقصان پہنچے۔ میں محل کی تلاشی لے کر اپنی تسلی کرنا چاہتا ہوں۔ آشا ہے کہ ساحرِ اعظم میرے کارندوں کے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔

آپ کا چاکر۔ روبل کمار۔"

تحریر پڑھنے کے بعد اقتیلا جام دانت کچکچا کر رہ گیا۔ اسے روبل کمار سے یہی امید تھی۔ وہ دستہ سالار سے مخاطب ہوا اور غصے سے پھنکار کر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ لے لو تلاشی، اپنی تسلی کر لو۔۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا ۔ تم اور تمہارے آقا نے اقتیلا جام کی توہین کی ہے۔ تم اپنی سزا سے نہیں بچ سکو گے۔"

دستے کا سالار گڑگڑا کر بولا۔ "مہاراج! اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیجیے۔ لیکن بھگوان کے لیے بد دعا نہ دیجیے۔ آپ جانتے ہیں۔۔۔۔۔ میں اپنے فرض سے مجبور ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم اپنا فرض پورا کرو۔۔۔۔۔ لیکن جا کر اپنے آقا سے کہہ دینا کہ وہ دیوتاؤں کی نظر میں آ گیا ہے اور دیوتا اپنے دوشی کو کبھی نہیں بھولتے۔"

اقتیلا جام کی اجازت ملنے پر دستے کا سالار لرزتا کانپتا اٹھا، ایک بار پھر اس نے اقتیلا جام سے معافی کی درخواست کی۔۔۔۔۔ اور تلاشی میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی سی دیر میں روبل کمار کے سپاہیوں نے پورا محل کنگال ڈالا۔ تمام کنیزوں اور خادماؤں کے چہرے کھلوا کر دیکھے گئے۔ تہہ خانہ کھول کر اس کے دنر بھی اچھی طرح دیکھا گیا۔ اقتیلا جام محسوس کر رہا تھا کہ روبل کمار نے اپنے سپاہیوں کو سخت ہدایات دی ہیں ورنہ وہ کبھی اتنی باریک بینی سے تلاشی کی جرات نہ کرتے۔ جب تلاشی مکمل ہو گئی تو دستے کے سالار نے معذرت، شرمندگی اور عقیدت کے اظہار کے لیے بہت سے کلمات کہے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اقتیلا جام نے ہلابہ کو سیڑھیوں پر دھکیل کر پتھر کی سل برابر کر دی تو وہ دیر تک تاریکی میں بیٹھی سن گن لیتی رہی۔ اوپر سے کوئی صدا نہیں آ رہی تھی۔ سیڑھیاں سیلن زدہ تھیں اور در و دیوار سے عجیب سڑاند اٹھ رہی تھی۔ ہلابہ سمجھ چکی تھی کہ اقتیلا جام نے اسے کسی سے چھپانے کے لیے ان سیڑھیوں میں دھکیلا ہے۔ وہ کون ہو سکتا تھا؟ پرماتما یا پھر اس کے کارندے؟ اگر رنگا چماری کے انکشاف کے مطابق پرماتما زندہ تھا تو یقینی بات تھی کہ وہ اس کے خون کا پیاسا ہے اور اقتیلا جام نے درست کہا تھا کہ پرماتما کے محل میں ایک عبرتناک موت اس کا انتظار کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے، اقتیلا جام کی باتوں سے وہ سمجھ گئی تھی کہ ان سیڑھیوں سے آگے کوئی ایسا راستہ ہے جو اسے کھلی فضا میں پہنچا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ اب یہ فیصلہ اسے کرنا تھا کہ اقتیلا جام کی ہدایت کے مطابق خاموشی سے یہاں بیٹھی رہے، یا آزادی کے لیے قسمت آزمائے۔ اب تک تو یہی ظاہر ہوا تھا کہ اقتیلا جام اور پرماتما دونوں اس کے دشمن ہیں۔ کون سا دشمن کم خطرناک ہے اس کا فیصلہ ہونا ابھی باقی تھا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد ہلابہ نے فیصلہ کیا کہ اسے موقعے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیا معلوم قدرت کو کیا منظور ہو۔ اس نے اللہ کو یاد کیا اور محتاط قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ پندرہ بیس زینوں کے بعد اس کے قدم ہموار زمین پر آئے۔ اس نے تلوار بے نیام کر لی اور اسے لاٹھی کی طرح ٹیک ٹیک کر آگے بڑھنے لگی۔ گھپ تاریکی میں حشرات الارض کی آوازوں اور مکڑی کے جالوں کے سوا کسی شے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ یہ ایک سرنگ نما راستہ تھا جس کی چھت میں سے کہیں کہیں پانی بھی رس رہا تھا۔ چلتے چلتے ہلابہ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ سوچنے لگی کبھی یہ سرنگ ختم بھی ہو گی؟ جب وہ مایوس ہونے کے قریب تھی اسے کچھ دور مدھم

روشنی دکھائی دی۔اس کے ساتھ ہی ہوا کے تازہ جھونکوں کا احساس ہوا۔ ہلابہ کی جان میں جان آئی۔اس نے تلوار کا دستہ مضبوطی سے تھاما اور سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھنے لگی۔دہانے پر پہنچ کر اس نے احتیاط سے باہر جھانکا۔وہ ایک ایسے کشادہ غار میں کھڑی تھی جہاں چاروں طرف جھاڑ جھنکار اگا ہوا تھا اور مکڑیوں کے جالے تھے۔سرنگ سے نکل کر وہ غار میں آگئی اور پھر جھاڑ جھنکار میں رستہ بناتی باہر نکل آئی۔

اس کے سامنے کھلا آسمان اور جنگل تھا۔شام ہو چکی تھی۔درختوں کی شاخوں سے کہیں کہیں ستارے جھانک رہے تھے۔تھوڑی ہی دور اسے کسی آبی گزرگاہ کے آثار نظر آئے۔جلد ہی وہ جان گئی کہ یہی وہ گول نہر ہے جس نے پرماتما کے محل کو حصار میں لے رکھا ہے۔یہ ایک سنسان جنگل تھا۔ابھی وہ اپنی جگہ کھڑی سوچ رہی تھی کہ اسے اپنے پاس خرخر کی آواز سنائی دی۔اس نے چونک کر دیکھا۔چند گز دور ایک گھنے شاہ بلوط کی شاخوں پر سات آٹھ سیاہ بندر بیٹھے تھے۔وہ اپنی تیز چمکیلی نگاہوں سے ہلابہ کو دیکھ رہے تھے۔یکایک ہلابہ سُن ہو کر رہ گئی۔بندر صرف ایک درخت پر نہیں، بہت سے درختوں پر تھے۔لاتعداد بندروں نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ہلابہ کو شدید خطرے کا احساس ہوا۔اس کے کانوں میں گنگارام کے الفاظ گونجے۔

اس نے ان بندروں کے بارے میں بتایا تھا کہ درحقیقت یہ انسان ہیں اور ان میں تمام شریر اور مہم جو لوگ شامل ہیں جو وقتاً فوقتاً غیر قانونی طور پر تاریک جنگل میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ہلابہ نے ایک بندر کی آنکھوں میں دیکھا اور اسے سچ مچ یہ احساس ہونے لگا کہ وہ کسی انسان کی آنکھوں میں دیکھ رہی ہے یا ایسے شخص کی آنکھوں میں دیکھ رہی ہے جو عورت مرد کا فرق جانتا ہے۔خوف کی ایک لہر ہلابہ کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔اچانک اسے ایک چیخ سنائی دی اور ایک بندر عین اس کے سر پر سے کود کر اس کے کندھے پر

گرا۔اس سے پہلے کہ ہلابہ کچھ سمجھتی بندر کے تیز نوکیلے دانت اس کے بازو میں پیوست ہو گئے۔ہلابہ کراہ کر پہلو کے بل گری۔پھر اس کی تلوار حرکت میں آئی اور بے دریغ بندر کا پیٹ پھاڑ گئی۔گرم خون اچھل کر ہلابہ کے جسم کو بھگو گیا۔ایک کریہہ چیخ کے ساتھ بندر نیچے گر کر تڑپنے لگا۔اس وقت پانچ چھ بندر چھلانگیں لگا کر درختوں سے اتر آئے اور دانت نکوس نکوس کر ہلابہ کو ڈرانے لگے۔ایک جسیم لنگور نے پہلو سے اس پر حملہ کیا، ہلابہ کی تلوار چمکی اور اس کا سر تن سے جدا ہو کر زمین پر اچھلنے لگا۔یہ ایک خوفناک منظر تھا۔بندر چیختے چلاتے شاخیں بدلنے اور چھلانگیں لگانے لگے۔صورت حال کی نزاکت بھانپ کر ہلابہ نے فوراً مخالف سمت میں دوڑ لگا دی۔اس کے لمبے بال کمر پر جھول رہے تھے اور وہ جھاڑیوں میں راستہ بناتی دیوانہ وار بھاگ رہی تھی۔وہ نہر کی سمت جا رہی تھی۔پھر اسے یاد آیا کہ چند روز پہلے ایک پل پر سے گزرتے ہوئے اس نے نہر میں لاتعداد آبی سانپ دیکھے تھے۔اس کا مطلب تھا وہ پانی میں نہیں کود سکتی۔اس نے اپنا رخ بدلا اور بائیں طرف ایک تنگ راستہ اختیار کیا۔یکایک اسے رک جانا پڑا۔خونخوار بندروں نے درختوں پر تیزی سے حرکت کر کے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

اب ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ رہی تھی اور ان کی چمکیلی آنکھوں میں شرارت اور محاذ آرائی کا رنگ تھا۔یکایک دو بندر عقب سے ہلابہ کی پشت سے آن ٹکرائے اور وہ اوندھے منہ گری تو لاتعداد بندر چیختے چلاتے شاخوں سے کودنے لگے۔موت ہلابہ کی آنکھوں میں ناچنے لگی۔کوئی لمحہ جاتا تھا کہ سینکڑوں نوکیلے پنجے اور دانت اس کے گوشت میں پیوست ہونے والے تھے۔اقتیلا جام کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔اس نے کہا تھا، آگے جانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ زبردست مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔شاید اس نے اسی

مصیبت کا ذکر کیا تھا۔ موت کو گلے لگانے کے لیے ہلابہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر دفعتاً اسے چونکنا پڑا۔ اس کے کانوں سے مکھیوں کی خوفناک بھنبھناہٹ ٹکرائی تھی۔ سر اٹھا کر اس نے دیکھا۔ شام کے ملگجے اندھیرے میں درختوں کی شاخیں جھول رہی تھیں اور ان شاخوں سے اوپر آسمان پر ایک سیاہ چادر سی حرکت میں تھی۔

"اقنیلا جام کی مکھیاں" ہلابہ کے ذہن نے پکار کر کہا۔ یکایک اسے بندروں کی پُر خوف چیخیں سنائی دیں۔ کچھ بندر چلاتے ہوئے دھپ دھپ درختوں سے گرے اور لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ ہلابہ پر حملہ آور ہونے والے بندر بھی اسے چھوڑ کر بدحواسی میں ادھر اُدھر بھاگے۔ ہلابہ نے اپنے سامنے ایک بندر کو بری طرح تڑپتے اور بلبلاتے دیکھا۔ اندھیرے میں اس نے زور سے آنکھیں پھاڑیں۔ بندر کے جسم پر اسے بے شمار مکھیاں نظر آئیں۔ وہ اسے کاٹ کاٹ کر بے حال کر رہی تھیں۔ دور دور تک بندروں کی چیخیں اور آہ و بکا گونج رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل صاف ہو گیا۔ بس یہاں وہاں درختوں تلے کچھ لاشیں پڑی رہ گئیں۔ یہ انہی بندروں کی لاشیں تھیں جو چند لمحے پہلے اسے لرزہ خیز موت مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ ہلابہ نے اپنی گری ہوئی تلوار اٹھائی اور عقب سے بے پرواہ کر ایک جانب بھاگتی چلی گئی۔

نہ جانے وہ کب تک اور کتنی دیر تک بھاگتی رہی۔ اس کی سانس دھونکی کی طرح چلنے لگی۔ سینہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ شفاف گردن اور چہرے پر پسینے کے قطرے تھے۔ بائیں بازو پر جہاں بندر نے کاٹا تھا، خون رس رہا تھا۔ وہ زخم دیکھنے کے لیے چند لمحوں کے لیے رکی۔ یہی وہ وقت تھا جب اس پر دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ یکایک اس کے ارد گرد تین درختوں پر بڑی ہیبت ناک آنکھیں روشن ہو گئیں۔ ایسی ہی انسانی آنکھیں وہ اس سے پہلے تاریک جنگل کی سرحد پر دیکھ چکی تھی۔ آنکھیں روشن ہوتے ہی جنگل کا وہ حصہ بقعہ نور بن گیا اور

درختوں سے کود کود کر کوئی بیس عدد روپوش سپاہی نیچے اتر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں اور تیور نہایت خطرناک۔ وہ بڑے چوکنے انداز میں ہلابہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جیسے وہ کوئی بھوت ہو جو اچانک اپنے ہزار ہاتھوں سے ان سب کو چمٹ جائے گی اور واقعی اس کا حلیہ بھی ایسا ہو رہا تھا۔ ہاتھ میں عریاں تلوار، بال منتشر، ایک آستین ادھڑی ہوئی اور لباس بندر کے خون میں لت پت۔ سپاہیوں کی ہچکچاہٹ نے ہلابہ کو سمجھا دیا کہ انہیں اس کے بارے نہایت سخت ہدایات دی گئی ہیں۔ ان کی گھبراہٹ اور احتیاط دیکھ کر ہلابہ کو اپنے اندر ایک نئی توانائی کا احساس ہوا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ پرماتما کی پُراسرار قوتوں سے ٹکرا کر اس نے تاریک جنگل کے باسیوں پر اپنی دھاک بٹھا دی ہے۔ اب اس دھاک کا انجام کیا ہونا تھا؟ اس کی ہلابہ کو پرواہ نہیں تھی۔ اس کے نزدیک یہی بات بہت بڑی تھی کہ اس نے نہایت بے باکی سے ایک ایسے شخص کے اقتدار کو للکارا تھا جس کے سامنے زبان گنگ اور حوصلے برف ہو جاتے تھے۔ جس کی ماورائی طاقتوں کی شہرت نے سینکڑوں سال سے ایک خلقت کو بے دام، کا غلام بنا رکھا تھا۔

جونہی پرماتما کے للکاروں نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر زندہ پکڑنے کی کوشش کی ہلابہ برقی لہر کی طرح تڑپی اور تلوار سونت کر شعلہ جوالا بن گئی۔ اس کا انداز دیدنی تھا۔ وہ ایک ایسی بہادر عورت کا انداز تھا جس کے لیے زندگی اور موت کا فاصلہ ایک مدھم لکیر کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ وہ ایک ایسی مسلمان عورت کا انداز تھا جو اپنے مردوں کی غیر موجودگی میں دشمن کے لیے تر نوالہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ بے پناہ جوش سے ان کے دانت کھٹے کر دیتی ہے۔ وہ اپنے حریفوں سے موت کی طلبگار تھی لیکن ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس کے دامن میں موت بھر سکے۔ اجل کے فرشتے آج مفلس اور تنگ دست ہو گئے تھے۔ ہلابہ کے تابڑ توڑ حملوں نے ان میں

سے چار کو ہلاک کر دیا اور باقی گھبرا گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ان کی ایک مجبوری یہ بھی تھی کہ انہیں عورت کو زندہ پکڑنا تھا۔جو شخص موت طلب کر رہا ہو اسے زندہ پکڑنا کتنا مشکل ہوتا ہے، یہ کچھ انہی تلوار بازوں کو معلوم تھا۔دفعتاً ہلابہ کے عقب سے دو سپاہیوں نے درختوں سے چھلانگ لگائی اور جان داؤ پر لگا کر اسے پیچھے سے دبوچ لیا۔جونہی ہلابہ کے دونوں بازو آہنی گرفت میں آئے وہ بے بس ہو گئی۔یہ بے بسی کے لمحات تھے۔وہ کسی گھائل شیرنی کی طرح مچل رہی تھی۔لیکن اتنے مردوں کے نرغے میں اس کی کوششیں لاحاصل تھیں۔عین اس وقت جب پرماتما کے زرد پوش سپاہی اسے کسی طرح بے ہوش کرنے کا سوچ رہے تھے۔درختوں سے اقتیلا جام نمودار ہوا۔سیاہ لبادے میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے وہ کسی بہت بڑی چمگادڑ کی طرح نظر آ رہا تھا۔درختوں پر آویزاں آنکھوں کی روشنی میں اس کے چہرے کے تاثرات واضح تھے۔اسے دیکھتے ہی زرد پوشوں نے ہلابہ کو چھوڑا اور سب دوزانو ہو کر اقتیلا جام کے سامنے بیٹھ گئے۔اقتیلا جام کا چہرہ زلزلوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔اس نے ہلابہ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔وہ اس کے پاس چلی آئی تو اقتیلا جام اسے لے کر الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔تمام زرد پوش ابھی تک دوزانو بیٹھے تھے۔۔۔۔۔۔ہلابہ کو ہاتھ سے جانے دیکھا تو ان کے سردار نے عاجزی سے کہا۔

"مہاراج! ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

اقتیلا جام نے کہا۔"میں تمہیں ایسی جگہ بھیج رہا ہوں جہاں روبل کمار تم سے کوئی سوال جواب نہیں کر سکے گا۔"

اچانک سردار کی آنکھوں میں بے پناہ ہراس نظر آنے لگا۔اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اقتیلا جام نے لبادے میں سے ہاتھ نکال کر زرد پوشوں کی طرف لہرایا۔شاید اس نے ان پر کچھ پھینکا تھا۔تاریکی میں ہلابہ کو کچھ دکھائی نہیں دیا۔اس نے صرف اتنا دیکھا کہ معاً زمین سے شعلے بلند ہو کر درختوں کی طرف لپکے۔پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی اس کے ساتھ ہی زرد پوشوں کی لرزہ خیز چیخیں ابھریں اور وہ سب کے سب دھڑا دھڑ جلنے لگے۔جلنے والوں میں وہ بھی شامل تھے جو ہلابہ کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے تھے۔قریباً بیس افراد میں سے صرف دو جانیں بچا کر بھاگے۔اقتیلا جام نے اپنے لبادے میں سے ایک طاقتور کمان نکالی اور یکے بعد دیگرے دو تیر چلا کر دونوں کو ڈھیر کر دیا۔نارنجی آگ کے شعلے اب درختوں سے بھی اوپر جا رہے تھے۔درختوں پر آویزاں لکڑی کی آنکھیں بھی جل جل کر نیچے گر رہی تھیں۔چاروں طرف سوختہ گوشت کی بو پھیلتی جا رہی تھی۔اقتیلا جام نے قہر آلود نگاہ اس منظر پر ڈالی اور ہلابہ کو لے کر تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گیا۔کچھ آگے جا کر پُراسرار مکھیاں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئیں۔غالباً وہ بندروں کے ساتھ اپنی کارروائی ختم کر آئی تھیں۔راستے میں اقتیلا جام نے لبادے کے اندر سے ایک سیاہ پٹی نکالی اور ہلابہ کی آنکھوں پر باندھ دی۔شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہلابہ کو راستے کا علم ہو۔پھر اس نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"لڑکی! میں نے تجھے کہا تھا کہ سیڑھیوں کے آگے نہ جانا۔تو نے پھر من مانی کی۔"

ہلابہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔وہ خاموشی سے سر جھکائے اس کے ساتھ چلتی رہی۔اقتیلا جام نے بھی اسے زیادہ شرمندہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کافی دیر تک ہلابہ، اقتیلا جام کے ساتھ محوِ سفر رہی۔ پہلے وہ بانسوں کے ایک گھنے جنگل میں سے گزرے۔ پھر ایک اونچے ٹیلے پر چڑھے۔ پھر گھٹنے گھٹنے بدبودار پانی کو عبور کیا۔ پھر ایک کھنڈر نما جگہ میں داخل ہوئے جہاں بہت سی چمگادڑیں اور ابابیل پھڑ پھڑا رہی تھیں۔

تب ایک تنگ راستے سے گزر کر وہ کسی کشادہ جگہ میں آگئے۔ یہاں کے فرش چکنے تھے اور آواز دیواروں سے ٹکرا کر گونجتی تھی۔ اقتیلا جام نے ہلابہ کی آنکھوں سے پٹی ہٹادی۔ اس نے چندھیائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ ایک نہایت روشن کمرے میں کھڑی تھی۔ اسے اپنے سامنے دست بستہ خدام اور کنیزوں کی ایک قطار نظر آ رہی تھی۔ ان سب نے ایک ہی طرح کے دیدہ زیب لباس پہن رکھے تھے۔ کمرا خوب سجا ہوا تھا اور اسکی چھت سے شہد کی مکھی کی شکل کا ایک بہت بڑا فانوس جھول رہا تھا۔ معلوم نہیں یہ کون سی جگہ تھی مگر خوب آراستہ و پیراستہ تھی۔ اقتیلا جام، ہلابہ کو لے کر ایک شاندار خوابگاہ میں آیا۔ یہاں فرشوں پر قالین اور دیواروں پر غالیچے تھے۔ اس نے ہلابہ سے کہا۔

"یہ تمہارا آرام کا کمرہ ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو تالی بجانا، خادمائیں حاضر ہو جائیں گی۔ اب میں جا رہا ہوں۔ کل سویرے ملاقات ہوگی۔ میں تمہارے زخم کی دوا بھجوا دوں گا، پٹی کروا لینا۔"

ہلابہ کی طرف دیکھے بغیر اقتیلا جام باہر نکل گیا اور خونخوار مکھیوں کا غول بھی اس کے عقب میں اوجھل ہو گیا۔ ہلابہ بے دم سی ہو کر مسہری پر دراز ہو گئی۔ کچھ ہی دیر بعد ایک خادمہ نیا لباس لے کر آگئی اور بڑی محبت سے

اس کے زخم پر پٹی کرنے لگی۔ ہلابہ نے اس سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ خادمہ نے کچھ بھی بتانے سے معذوری ظاہر کی اور کہا انہیں خود معلوم نہیں وہ کہاں ہیں، بہرحال یہ جگہ تاریک جنگل کے اندر ہی کہیں ہے۔ اس کے سوا خادمہ سے اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہلابہ بے حد تھکی ہوئی تھی۔ کھانا کھائے بغیر ہی وہ مسہری پر دراز ہو گئی۔ خونخوار بندروں کی شکلیں اس کی نگاہوں میں گھومنے لگیں، پھر زرد پوش سپاہیوں کا آگ کے شعلوں میں جلنا اور چیخنا، تڑپنا اس کے تصور میں آیا۔ وہ ان ہی پُرہول مناظر کا سوچتی سوچتی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو ایک خادمہ اس کے سرہانے کھڑی تھی۔ اس نے ادب سے کہا۔

"مالکہ! دن نکل آیا ہے۔ آپ کھانے میں کیا پسند فرمائیں گی؟"

ہلابہ نے ارد گرد دیکھا۔ دن کے آثار نہیں نظر نہیں آئے۔ شاید یہ پوری عمارت زمین میں دفن تھی۔ اس کے در و دیوار سے تو یہی لگتا تھا کہ کوئی بہت قدیم عمارت ہے۔ ہلابہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ کمرے میں جگہ جگہ خوبصورت بچوں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ رات یہ تصویریں کہیں دکھائی نہیں دی تھیں۔ شاید اس کے سونے کے بعد لگائی گئی تھیں۔ وہ ابھی خادمہ سے ان تصویروں کے بارے میں پوچھنا ہی چاہ رہی تھی کہ اقتیلا جام نپے تلے قدموں سے اندر داخل ہوا۔ سیاہ چغے کی جگہ اس نے ڈھنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ پُراسرار مکھیاں بھی سر پر موجود نہیں تھیں۔ ہلابہ کو دیکھ کر وہ مسکرایا تو اس کا چمکدار سانولا چہرہ کچھ اور سانولا ہو گیا۔ اس کے تمام انداز آج بدلے بدلے تھے۔ ابھی تک تو وہ ہلابہ کا ہمدرد بن کر سامنے آیا تھا۔ آئندہ کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔

"تم نے کھانا کھایا؟" اس نے شائستہ نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

ہلابہ نے اپنے لمبے بال جوڑے کی صورت میں گردن کی پشت پر لپیٹے اور انکار میں سر ہلا دیا۔ اقتیلا جام نے گرجدار آواز میں خادماؤں کو ناشتہ لانے کا حکم صادر کیا اور ہلابہ کے پاس ایک مقش کرسی پر بیٹھ گیا۔ "تمہارا زخم کیسا ہے؟" اس نے پوچھا۔ا

ہلابہ نے چونک کر بازو کی طرف دیکھا۔ رات پٹی اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ زخم تقریباً ٹھیک ہو چکا ہے۔ نہ جانے وہ کون سی جادو اثر دوا تھی۔ اقتیلا جام اس کی حیرانی پر مسکرایا اور فخر سے بولا۔

"اے لڑکی اس وقت تو ساحرِ اعظم کی محبت کے سائے میں ہے۔ تو تمام بلاؤں سے محفوظ اور تمام مصیبتوں سے آزاد ہے۔ ساحرِ اعظم تجھے ایک بہت بڑی عزت بخشنا چاہتا ہے۔"

ہلابہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا میں ساحرِ اعظم سے اس عزت افزائی کی نوعیت پوچھ سکتی ہوں؟"

اقتیلا جام کی آنکھوں میں ایک نامعلوم چمک ابھری۔ وہ بڑی متانت سے بولا۔ "سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ کل تک، تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

کچھ دیر ادھر اُدھر کی گفتگو کے بعد اقتیلا جام چلا گیا۔ ہلابہ سوچوں میں گم ہو گئی۔ اس کی نگاہ خوبصورت بچوں کی تصویروں پر تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ کیا معمہ ہے۔ نہ جانے اس کے ساتھ کیا حالات پیش آنے والے

تھے۔ پھر اس کا دھیان اشباح کی طرف چلا گیا۔ اشباح کہاں ہوگا؟ اس کے ساتھی کہاں ہوں گے؟ شاید وہ سب اس شیطانی بستی سے واپس جا چکے ہیں۔ اسے شیطانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر۔ اس نے تصور کی آنکھوں سے دیکھا۔ اشباح اپنی دلہن آسیہ (آشا) کے پاس واپس پہنچ چکا ہے۔ اس کے ساتھ سیتان کے کسی خوبصورت باغ میں ٹہل رہا ہے۔ اس کے چہرے پر غم کا شائبہ تک نہیں، کوئی ملال اور دکھ نہیں۔ وہ آسیہ کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے۔ مستقبل کے منصوبے بنا رہا ہے۔ ایک ٹیس سی ہلابہ کے دل میں اٹھی اور وہ سوچنے لگی شاید سچ مچ ایسا ہی ہے۔ اگر ایسا نہیں تو اشباح نے اب تک اپنے وجود کا احساس کیوں نہیں دلایا۔ اس تاریک جنگل میں اسکے قدم کیوں نہیں پڑے۔ رہ رہ کر چندا کی یاد بھی ہلابہ کو ستا رہی تھی۔ نہ جانے وہ "تاریک جنگل" سے نکل سکی تھی یا نہیں۔ اگر نکلی تھی تو اپنے محبوب تک پہنچی تھی یا نہیں۔ مانک کہاں تھا؟ جیتی جاگتی چندا کو پا چکا تھا یا ابھی تک اس کی بے جان مورتی سے باتیں کرتا تھا اور فرش پر پچھاڑیں کھاتا تھا؟ انہی سوالوں کے جواب سوچتی سوچتی وہ ایک بار پھر مسہری پر نیم دراز ہو گئی۔ آخر تھوڑی ہی دیر میں خادمہ نے اطلاع دی کہ غسل کے لیے پانی تیار ہے۔ وہ کاہلی کو جھٹک کر مسہری سے اتر گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے روز دوپہر سے قبل اسے کمروں سے باہر کڑوں کی کھڑکھڑاہٹ اور مالاؤں کی جھنجھناہٹ سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور رنگا چماری جھک کر چلتی ہوئی اندر آ گئی۔ ہلابہ اسے ہاں دیکھ کر حیران ہوئی۔ کچھ دیر دونوں میں رسمی گفتگو ہوئی۔ رنگا چماری نے بتایا اس عمارت سے باہر پر ماتما اور روبل کمار کے سپاہی بھوکے کتوں کی طرح

اس کی تلاش میں ہیں۔ انہوں نے جنگل اور جنگل سے باہر کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ اس نے بتایا کہ راماجن دموہا بھی اس کی تلاش میں ہے۔

ہلابہ نے پوچھا۔

"یہ راماجن دموہا کون ہے؟"

رنگا چماری نے کہا کہ وہی دو سروں والا انسان جو ہر وقت پرماتما کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کے جسم میں بیس اصیل گھوڑوں کی طاقت ہے اور وہ چالیس میل دور سے اپنے شکار کی بو سونگھ لیتا ہے۔۔۔۔۔۔ پھر اس نے کچھ منتر وغیرہ پڑھ کر ہلابہ پر پھونکے اور آشیر باد دی کہ بھگوان اس کو پرماتما کی عبرتناک سزاؤں سے محفوظ رکھے۔

جلد ہی وہ اصل موضوع پر آ گئی۔ اس نے بڑی دانائی اور ہوشیاری سے ہلابہ کو اقتیلا جام کے لیے رام کرنا شروع کیا۔ ایک گہری اور طویل سانس بھر کر وہ بولی۔ "بٹیا! دیوتاؤں نے تمہیں ایک بہت بڑے کام کے لیے چنا ہے اور اس میں شک شبہے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب کچھ اس کتاب میں لکھا ہے جو مہاراج اقتیلا جام کے پاس موجود ہے۔ اس میں تمہارا ناک نقشہ تک بیان کر دیا گیا ہے۔ اقتیلا جام تمہارے حصول کے لیے بیس برسوں سے مسلسل چلہ کاٹ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں شب و روز تمہارا راستہ دیکھتی تھیں۔ شاید تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ اسے تمہاری کس قدر ضرورت ہے۔ تمہاری خاطر۔۔۔۔۔۔ صرف تمہاری خاطر اس نے

اس اوتار کی ناراضگی کا خطرہ مول لیا ہے جو تین سو برسوں سے اس خطے پر حکمران ہے اور جس کی برتری پر کوئی انسان شبہ نہیں کر سکتا۔"

ہلابہ نے زچ ہو کر کہا۔ "رنگا! میں یہ سب کچھ پہلے بھی سن چکی ہوں۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ میں اقتیلا جام کی کون سی ضرورت پوری کر سکتی ہوں اور وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

رنگا چماری نے جہاندیدہ نگاہوں سے ہلابہ کا حسین چہرہ دیکھا اور بولی۔ "بٹیا! تم کوئی غلط مطلب نہ لینا۔ اقتیلا جام ایسی عمر میں نہیں کہ وہ کسی سندر لڑکی کو دیکھ کر حواس کھو بیٹھے اور نہ ہی یہ اس کی فطرت ہے۔ وہ گندگی کا پجاری ہے اور کراہت اس کے عقیدے کا لازمی حصہ ہے۔ وہ اپنے نفس کو مار چکا ہے اور سنسار کی لذتوں سے اسے بہت کم تعلق ہے۔ کئی بار مہینوں تک وہ لذیذ کھانے اور عورت سے دور رہتا ہے۔۔۔۔ مگر یہ اس کی مجبوری ہے کہ وہ۔۔۔۔۔۔ تم سے بیاہ کرے۔"

رنگا چماری کے الفاظ ہلابہ کے کانوں میں دھماکے کی طرح گونجے۔ وہ حیرت سے بولی۔ "اقتیلا جام۔۔۔۔ اور مجھ سے شادی کرے گا۔۔۔۔۔۔؟"

"ہاں بٹیا!" رنگا چماری نے تحمل سے کہا۔ "یہ دیوتاؤں کا حکم ہے۔ اقتیلا جام تمہارے ساتھ بغیر ساحر اعظم نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ اپنی شکتیوں کو امر کرنا چاہتا ہے اور زوال کے گھن سے بچنا چاہتا ہے تو اس کی ایک شرط ہے۔۔۔۔۔۔ یہ شرط دیوتاؤں نے رکھی ہے اور اس میں ردوبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔۔۔۔۔۔" رنگا چماری نے ایک گہری سانس لی اور پھر بولی۔ "وہ شرط یہ ہے کہ اقتیلا جام تم سے شادی کرے۔ پھر بھگوان کی

کرپا سے وہ ایک سندر بچے کا باپ بنے سات ماہ اور سات دن تک تم دونوں اس بچے کی شکل نہ دیکھو۔ جب وہ سات ماہ اور آٹھ روز کا ہو جائے تو اسے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھایا جائے اور اس کے سر کو چالیس روز تک ڈھلتے سورج کی دھوپ میں سکھا کر اور رسی میں پرو کر اقتیلا جام اپنے گلے میں لٹکائے۔۔۔۔۔"

ہلابہ خونی نگاہوں سے رنگا چماری کو دیکھ رہی تھی، گرج کر بولی۔ "کیا مجھے یہی خرافات سنانے کے لیے تم یہاں آئی ہو۔۔۔۔۔ چلی جاؤ یہاں سے، میں کہتی ہوں چلی جاؤ یہاں سے۔"

رنگا چماری منہ میں تیز تیز کچھ پڑھنے لگی پھر اسے پھونکیں مارتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے پر ٹھہر کر بولی۔ "بٹیا! جو فیصلہ کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ اس خطے میں اگر تمہیں کوئی لازوال پرماتما کے قہر سے بچا سکتا ہے تو وہ اقتیلا جام ہے اور یہ اسی کی کرپا ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو۔"

اس سے پہلے کہ ہلابہ کچھ کہتی رنگا چماری دروازے سے نکل کر او جھل ہو گئی تھی۔ اگلے تین چار روز ہلابہ نے سخت عذاب میں گزارے۔ اقتیلا جام اس کی جان کو آ گیا تھا۔۔۔۔ وہ ہزار ڈھنگ سے اسے شادی پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی جدوجہد اور جھلاہٹ دیکھ کر ہلابہ سمجھ چکی تھی کہ وہ اس پر زبردستی نہیں کر سکتا۔ شاید دیوتاؤں کی لگائی ہوئی شرط میں یہ شرط بھی تھی کہ اقتیلا جام کی ہونے والی بیوی اپنی رضامندی سے یہ بندھن قبول کرے۔ جونہی یہ بات ہلابہ کی سمجھ میں آئی تھی وہ پوری سختی سے انکار پر ڈٹ گئی تھی۔ اس نے اقتیلا جام سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اسے پرماتما کے غضب سے ڈرانے کی کوشش نہ کرے۔ وہ یہاں

آئی ہی پرماتما سے ٹکرانے کے لیے تھی۔ اب بھی اس کی یہی خواہش ہے کہ وہ اس نیک مقصد کے لیے ان قربان کر دے۔

ہلابہ کے بے خوف لہجے اور مسلسل انکار نے آخر اقتیلا جام کو آگ بگولا کر دیا۔ وہ صبر کا دامن چھوڑ کر سفاک لہجے میں بولا۔ "مورکھ لڑکی! تو کیا اقتیلا جام کے پاؤں چاٹنا بھی اپنے لیے فخر سمجھے گی۔ تجھے اس حالت کو پہنچا دوں گا کہ موت بھی تجھ سے پناہ مانگے۔"

پھر پاؤں پٹختا ہوا وہ باہر نکل گیا تھا۔ ہلابہ کے ذہن میں وسوسوں کی آندھیاں چلنے لگیں۔ نہ جانے اب وہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ہلابہ نے اس عمارت میں خوب گھوم پھر کر دیکھا تھا۔ اسے کوئی در، دروازہ ایسا نظر نہیں آیا تھا جو اسے فرار کا راستہ دکھا سکے۔۔۔۔۔ ہلابہ جب بھی خوش کو شیطانی قوتوں میں گھرا ہوا پاتی اس کا دھیان اپنے خدائے رحیم کی طرف چلا جاتا۔ وہ دل کی گہرائیوں سے اپنے سچے رب کو پکارتی اور اس کی مدد طلب کرتی۔ اس وقت بھی یہی ہوا۔ وہ بے قرار ہو کر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نہ جانے کب تک وہ نوافل پڑھتی رہی اور دعائیں مانگتی رہی۔ رات کا آخری پہر تھا جب اسے کمرے سے باہر مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دی۔ ساحر اعظم اقتیلا جام اس کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے پاؤں کی چاپ انجانے خدشوں کی نشاندہی کر رہی تھی۔ ہلابہ کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ مکھیاں باہر چھوڑ کر اقتیلا جام اندر آ گیا۔ ہلابہ نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں سفاکی کی جگہ اب ملائمت نظر آ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے ہلابہ کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر رندھے ہوئے گلے سے بولا۔

"اے لڑکی! میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں۔ میں نے تمہیں بہت دکھ دیے ہیں۔ ساحرِ اعظم کو زیب نہیں دیتا کہ تمہاری مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا۔" ہلابہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اقتیلا جام نے کہا۔

"میں نے تمہیں جتنا دکھ دیا ہے، اتنی ہی خوشی بھی دوں گا۔" ہلابہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ محبت سے بولا۔ "میں تجھے خوشی دوں گا۔۔۔۔۔ تیری سب پیاری ہستیاں میری نظروں میں ہیں۔ مجھے معلوم ہے وہ سب کہاں کہاں اور کس حال میں ہیں۔ تو ان میں سے کسی ایک کو یہاں بلا سکتی ہے۔"

"میں۔۔۔۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" ہلابہ نے کہا۔

اقتیلا جام نے کہا۔ "میں اس بات کی شکتی رکھتا ہوں کہ تیرے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو اپنے طلسم کے زور سے یہاں اس چار دیوار میں لے آؤں۔ اب اس ساتھی کا چناؤ تیرا کام ہے۔"

ہلابہ نے بے یقینی سے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ ناممکن ہے۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ چند روز بعد میں تجھے اور تیرے ساتھی کو صحیح سالم اس علاقے سے نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں اور روبل کمار ہاتھ ملتا رہ جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تو ایک چڑیا یا بلبل کا روپ دھار لے اور سارا جیون اس جنگل میں چہکتی پھرے۔"

اقتیلا جام کی باتوں سے اب ہمدردی کی بو آ رہی تھی۔ ہلابہ نے کہا۔ "اگر واقعی آپ نے مجھے یہاں سے رہائی دلائی تو دیوتاؤں کی طرف سے لگائی ہوئی شرط کیسے پوری ہوگی۔ آپ کی طاقتوں کو دوام کیسے ملے گا؟"

اقتیلا جام بولا۔ "آس کی بنیاد پر جیون کی عمارت قائم ہے، ہو سکتا ہے کہ دیوتا تم جیسی کوئی دوسری بھیج دیں۔"

کچھ دیر ہلابہ سے گفتگو کے بعد اقتیلا جام واپس چلا گیا۔ اس کی دوبارہ آمد اگلے روز غروب آفتاب کے وقت ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑی مومی شمع تھی۔ یہ شمع اس نے چاندی کی ایک میز پر روشن کر دی پھر اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے ہلابہ کو بھی اپنے سامنے ایک نشست پر بیٹھنے کی ہدایت کی اور کہا کہ وہ جسم ڈھیلا چھوڑ کر مکمل سکون سے شمع کے شعلے کو دیکھتی رہے۔ ہلابہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور تھی۔ اقتیلا جام نے کمرے کی تمام کھڑکیوں پر پردے گرا دیے اور فانوس بجھا ڈالے۔ پھر اس نے ہلابہ سے کہا کہ وہ اس ہستی کا تصور کرے جسے وہ اس چار دیواری میں دیکھنا چاہتی ہے۔ ہلابہ اس معاملے کو غیر سنجیدگی سے لے رہی تھی۔ تاہم اقتیلا جام کے کہنے پر اس نے اشباح کا تصور کیا۔

اقتیلا جام بھی شمع کے شعلے کو گھور رہا تھا۔ اس کے ہونٹ پُراسرار انداز میں متحرک تھے۔ اس کی پُر ہیبت آنکھوں سے کوئی مقناطیسی قوت برقی لہروں کی طرح لپک رہی تھی۔ یہ ایک طویل عمل تھا۔ جلد ہی ہلابہ تھک گئی اور اس پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ پھر دھیرے دھیرے وہ گہری نیند سو گئی۔

اقتیلا جام اپنا عمل مکمل کرنے اور شمع بجھانے کے بعد چلا گیا۔ ہلابہ اسی طرح بستر پر بے خبر پڑی رہی۔

ایک دوبار خادمہ اندر آئی اور اسے سوتا دیکھ کر چلی گئی۔ ہلابہ دن چڑھے اٹھی۔ نماز قضا ہو چکی تھی۔ اس نے غسل کے بعد ناشتہ کیا اور رات کے واقعات پر غور کرنے لگی۔ اسے یاد آیا کہ اس نے اشباح کا تصور کیا تھا اور خواہش کی تھی کہ اگر اس کے آنے میں کوئی نقصان نہیں تو وہ جہاں بھی ہے اس چار دیواری میں چلا

آئے۔اب اسے اپنی رات کی سوچوں پر شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔وہ خود کو ملامت کرنے لگی کہ اس نے ایک ساحر کی باتوں میں آکر سفلی عملیات پر یقین کا اظہار کیا۔۔۔۔۔۔وہ انہی خیالوں میں گم بیٹھی تھی جب ایک خادمہ نے اطلاع دی کہ کوئی مہمان اس سے ملنا چاہتا ہے۔نہ جانے کیا ہوا کہ ایکاایکی ہلابہ کا دل دھڑک اٹھا۔وہ بے اختیارانہ اپنی جگہ سے اٹھی اور خادمہ کے پیچھے پیچھے چل دی۔چند قدم چل کر وہ واپس مڑی اور ایک اوڑھنی سے سر اور جسم ڈھانپ لیا۔پھر دوبارہ خادمہ کے ساتھ چلتی اس کمرے کے سامنے پہنچی جہاں مہمان کو بٹھایا گیا تھا۔گھونگھٹ کی اوٹ سے اس نے دیکھا اور اس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئیں۔اس کی پتلیاں آنکھوں میں حرکت کرنا بھول گئیں اور دل سینے میں دھڑکنا فراموش کر گیا۔وہ حیرت سے دیکھتی چلی گئی۔اس کے سامنے اشباح بیٹھا تھا۔وہ کچھ پریشان سا تھا۔وہ اسی لباس میں تھا جس میں ہلابہ نے اسے آخری بار دیکھا تھا صرف بال کچھ الجھے ہوئے تھے اور کُرتے پر مٹی کے دھبے تھے۔ہلابہ بے تابانہ آگے بڑھی اور گھونگھٹ الٹ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔اشباح اسے دیکھ کر بے قراری سے اٹھا۔ دونوں چند لمحے مبہوت ایک دوجے کو دیکھتے رہے۔پھر ہلابہ نے لپک کر اشباح کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور ان پر پیشانی ٹیک کر آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔اشباح نے بڑی محبت سے اسے دلاسہ دیا۔تب دونوں آمنے سامنے نشستوں پر بیٹھ گئے۔دونوں کمرے میں تنہا تھے اور ان کے پاس کرنے کے لیے بے شمار باتیں تھیں۔ان گنت سوال اور ان کے جوابات ذہنوں پر یلغار کر رہے تھے۔

ہلابہ نے پوچھا۔"اشباح! آپ۔۔۔یہاں کیسے پہنچے؟"

اشباح نے سرگوشی میں کہا۔"ہمیں بہت محتاط گفتگو کرنا ہوگی۔اقتیلا جام مجھے سب کچھ بتا چکا ہے۔یہاں ایک ایک چپے پر پرماتما کی گرفت ہے۔ہمارے منہ سے نکلی ہوئی کوئی بات ہمیں موت کے دہانے پر پہنچا سکتی ہے۔" گردوپیش کا جائزہ لینے کے بعد وہ بولا۔"بس تم اتنا سمجھ لو کہ میں بہت غیر معمولی حالات میں یہاں پہنچا ہوں۔یا یوں سمجھ لو کوئی ان دیکھی طاقت مجھے دھکیل کر یہاں لے آئی ہے۔"

ہلابہ حیرت سے اشباح کو دیکھنے لگی۔"اشباح۔۔۔۔۔کیا ایسا ممکن ہے؟کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی مافوق الفطرت بات ہوئی ہے؟"

اشباح نے الجھن سے اپنی پیشانی مسلی۔پھر گہری سوچ بھری آواز میں بولا۔"ہلابہ! ہم جانتے ہیں کہ طلسم کا وجود ہے اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ کائنات میں کچھ ایسے سربستہ راز ہیں۔جن تک انسانی عقل کی رسائی ابھی تک نہیں ہوئی اور شاید کئی ہزار سال تک نہ ہو سکیں؟"

اس موضوع سے ہلابہ کا دم گھٹ رہا تھا۔اس کے ذہن میں دھند سی بھرتی چلی جا رہی تھی۔اچانک اس کا دھیان اپنے ساتھیوں کی طرف چلا گیا۔وہ بولی۔"اشباح! باقی لوگ کیسے ہیں۔سردار یحییٰ،اویس۔۔۔۔۔۔"

اشباح نے کہا۔"سب ٹھیک ہیں اور تمہاری سلامتی کے لیے فکر مند ہیں۔ویسے وہ سب رائے منوہر کی قید میں ہیں۔"

ہلابہ نے کہا۔"جب میں آپ لوگوں سے جدا ہوئی تھی تو آپ ابدال غازی کے مہمان تھے۔میرے جانے کے بعد کیا ہوا تھا؟"

اشباح نے ایک بار پھر سرگوشی کی۔"ہلابہ! میرا خیال ہے ہمیں یہ تمام باتیں پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھنی چاہیں۔۔۔۔۔ویسے ابدال غازی اب اس دنیا میں نہیں۔انہیں پرماتما کے آدمیوں نے شہید کر دیا تھا۔"

ہلابہ کے چہرے پر تاسف ابھرا۔پھر وہ بولی۔"ان کا بھتیجا مانک؟"

"وہ زندہ ہے اور رائے منوہر کی قید میں ہے۔"

"چندا کے بارے میں کچھ پتہ ہے۔اسے میں نے۔۔۔۔۔پرماتما کی قید سے چھڑا دیا تھا۔"

اشباح نے نفی میں سر ہلایا اور بولا۔"مجھے اقتیلا جام سے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے ہلابہ۔۔۔۔۔مجھے تمہارے غیر معمولی کارناموں پر حیرت ہے۔افسوس کہ میں اس وقت کھل کر تمہاری تعریف بھی نہیں کر سکتا۔"

اشباح کی تعریف پر ہلابہ کے چہرے پر مسرت کا رنگ سا آکر گزر گیا۔وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن پھر رازداری کا خیال کر کے چپ رہی۔اسے ابھی تک اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اشباح کو چھو کر دیکھے۔کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں۔۔۔۔۔۔لیکن نہیں، یہ خواب نہیں تھا۔وہ بیدار تھی اور سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کا وقت تھا۔اشباح اور ہلابہ ایک وسیع و عریض لمبوترے کمرے میں بیٹھے تھے۔بلند و بالا چھت کے اس کمرے کے بیچوں بیچ تین فوارے نصب تھے۔ان کا پانی پھوار کی صورت ایک اتھلے حوض میں گر رہا تھا۔ اشباح اور ہلابہ حوض کے کنارے پر تھے۔دونوں نے اپنے پاؤں ایک بالشت گہرے پانی میں ڈبو رکھے تھے۔ ہلابہ کے سفید گلابی پاؤں پانی کے اندر دو شعلوں کی طرح دمک رہے تھے۔اس کے رخساروں پر پھوار کے چھینٹے تھے اور یوں لگتا تھا۔کسی اداس زرد گلاب پر شبنم کے موتی اٹک گئے ہوں۔۔۔۔۔پچھلے پانچ روز سے اقتیلا جام کہیں نظر نہیں آیا تھا وہ دونوں اس عمارت کے دالانوں اور کمروں میں آزاد گھومتے رہتے تھے۔ خدام اور خادماؤں کی ایک جماعت ان کی خدمت کے لیے کمربستہ رہتی تھی۔اس وقت بھی حسین اور خوش آواز کنیزوں کا ایک جھرمٹ قدیم فارسی رباعیاں سازوں کے ساتھ گا رہا تھا۔ہلابہ اور اشباح دونوں کو راگ رنگ سے نفرت تھی لیکن ان کنیزوں کو گانے کی ہدایت انہوں نے مجبوری کے تحت کی تھی۔ساز و آواز کے اس شور میں حوض کے کنارے بیٹھ کر وہ کچھ اہم سرگوشیاں کرنا چاہتے تھے۔اشباح کہہ رہا تھا۔

"اقتیلا جام نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ہفتہ عشرہ یہاں نہیں آئے گا۔درحقیقت پرماتما تمہاری تلاش میں دیوانہ ہو رہا ہے۔سنا ہے طیش میں اس نے اپنے کئی محافظوں کو ہلاک کر دیا ہے۔۔۔۔۔اقتیلا جام نے ہمیں ایک خفیہ ٹھکانے پر رکھا ہوا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کی روز روز کی آمد و رفت سے کسی کو ہماری موجودگی کا شبہ ہو۔ تاہم اس نے مجھ سے کہا ہے کہ جونہی حالات بہتر ہوئے وہ ہم دونوں کو یہاں سے صاف نکال دے گا۔"

ہلابہ نے پوچھا۔"حالات بہتر ہونے سے اس کی کیا مراد ہے؟"

اشباح نے کہا۔"وہ چاہتا ہے کہ تمہاری تلاش کی سرگرمی ماند پڑ جائے۔وہ پرماتما کی برتر قوتوں سے ٹکرانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

ہلابہ نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔"اشباح! کیا ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع ملا تو ہم نکل جائیں گے؟"

اشباح، ہلابہ کا مطلب سمجھ رہا تھا۔اس نے کہا۔"ہلابہ! ہم دل و جان سے پرماتما کے دشمن ہیں اور اس بدکار کو جہنم واصل کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں اور ان شاءاللہ کریں گے بھی۔۔۔۔۔۔مگر اس کے لیے ہمیں طاقت کی ضرورت ہے اور طاقت اس آسیب نگری سے نکلے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔شاید ہمیں واپس سیتان سالار اعظم محمد بن قاسم تک پہنچنا پڑے اور ان سے مدد کی درخواست کرنا پڑے۔"

سالار اعظم سیتان اور واپسی کے ذکر پر ہلابہ کی نگاہوں میں آسیہ (آشا) کی تصویر گھومنے لگی۔اس نے کن اکھیوں سے اشباح کو دیکھا اور چبھتے لہجے میں بولی۔"ہاں،ہاں کچھ لوگ آپ کے لیے بہت پریشان ہوں گے۔"

اشباح نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا پھر گھمبیر لہجے میں کہا۔"ہلابہ! مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے بے حد ناراض ہو۔میں بھی خود کو تمہارا مجرم خیال کرتا ہوں۔تم ہزاروں میل سے چل کر میری خاطر یہاں پہنچیں اور میں کسی اور کا ہمسفر بن گیا۔بہر حال یہ ایک سنگین اتفاق تھا اور اس میں ہم دونوں کا کوئی قصور نہیں ۔۔۔۔۔۔جہاں تک چاہت کا تعلق ہے۔ہلابہ! میرے دل میں آج بھی تمہاری چاہت ہے۔۔۔۔۔۔سچ

پوچھتی ہو تو میری نیندیں آج بھی تمہارے خیالوں سے سجتی ہیں اور میرے خیالوں پر آج بھی تمہارا تسلط ہے۔ محبت کرنا جرم نہیں۔۔۔۔۔۔اور میں یہ کرتا ہوں۔"

اشباح کے اچانک اظہار نے ہلابہ کو ہکا بکا کر دیا۔جو بات پندرہ سولہ برس میں نہیں کہی گئی تھی۔آج اس نے کہی تھی اور ہلابہ کے کانوں نے اسے سنا تھا۔اس کے کان شرم سے سرخ ہو رہے تھے۔وہ پانی کے اندر اپنے گلابی پاؤں کی انگلیاں مروڑنے لگی۔پھر اچانک اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔وہ پاؤں پانی سے نکالتے ہوئے بولی۔"اشباح! میرا خیال ہے ہمیں چلنا چاہیے۔"

اشباح نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔وہ پتھر کی طرح ساکت رہ گئی۔اشباح نے بھاری لہجے میں کہا۔

"ہلابہ! ہم سنگین حالات سے گزر رہے ہیں۔نہ جانے پھر موقع ملے یا نہیں۔آج مجھے کہنے دو کہ میں تم سے محبت کرتا تھا اور محبت کرتا ہوں۔محبت کسی رکاوٹ کو نہیں مانتی۔کسی دیوار کو تسلیم نہیں کرتی۔محبت اپنی راہ خود بناتی ہے اور منزل تک پہنچتی ہے۔"

اشباح کی گرفت میں ہلابہ کا ہاتھ انگارے کی طرح جلنے لگا۔اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔اشباح نے کہا۔"ہلابہ! میں تمہاری خواب گاہ میں تمہارے بستر کے نیچے ایک تحریر چھوڑ آیا ہوں،اسے پڑھ لینا۔امید ہے تمہاری غلط فہمی دور ہو جائے گی۔"

ہلابہ نے سر اثبات میں ہلانا چاہا، لیکن اس کا سر منوں وزنی ہو گیا۔ وہ تیزی سے اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔ خواب گاہ میں جا کر اس نے دروازہ بند کیا اور بستر پر گر کر حیران سی سوچنے لگی۔ حالات نے اچانک کیا کروٹ لی تھی۔ پھر اس کا ہاتھ تکیے کے نیچے

گیا۔۔۔۔۔ وہاں ایک بند لفافے میں ایک تحریر موجود تھی۔ لفافہ تھامتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور پلکیں شرم سے بوجھل ہو گئیں۔ اسے ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ لفافہ کھولے نہ جانے اس میں کیا لکھا ہو۔ اس نے لفافہ پھر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور آنکھیں موند کر سوچنے لگی۔ اشباح کا شیریں لہجہ اس کے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ اس لہجے میں نا معلوم کیا بات تھی کہ ہلابہ معطر ہواؤں کے دوش پر تیرتی ہوئی حضر موت کے گلستانوں میں پہنچ گئی۔ اس نے تصور میں اشباح کے ساتھ گھوڑے دوڑائے۔ شرطیں باندھ کر ٹیلوں پر چڑھی۔۔۔۔۔۔۔ کی گٹھلیاں توڑیں، ٹھنڈے چشموں میں غوطے لگائے۔ اور پھر نڈھال ہو کر ام اشباح کی گود میں آلیٹی۔ انہوں نے پیار سے اسکے سر ہاتھ پھیرا اور رخسار چوم کر کہا۔ "میرے اشباح کی دلہن بنو گی؟" تصورات کی حسین دنیا سے گھبرا کر ہلابہ نے کروٹ بدلی ،ایک بار پھر تکیے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور مضبوط ارادے کے ساتھ اشباح کا نامہ نکال لیا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے نامہ چاک کیا اور اشباح کے ہاتھ کی تحریر دیکھنے لگی۔ اس نے لکھا تھا۔

"ہلابہ ہندوستان میں تمہاری آمد کے بعد میں نے تمہارے بارے میں سوچا ہے اور آخر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میری زندگی پر جتنا تمہارا حق ہے کسی اور کا نہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میری زندگی، تمہاری زندگی سے جدا کوئی چیز نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں نظر انداز کر کے جہاں میں اپنے رب کو ناراض کروں گا، وہاں

تاحیات خود اپنے آپ اور اس دنیا سے بھی خفا رہوں گا۔۔۔۔۔۔۔ آسیہ سے میری شادی ایک حادثہ تھا۔ اگر سیستان میں تم سے صرف چند پہر پہلے ملاقات ہو جاتی تو یہ حادثہ نہ ہوتا۔۔۔۔۔۔ بہر حال یہ حادثہ ہمیں ہمیشہ کے لیے جدا نہیں کر سکتا۔ میرا خیال ہے تم میری بات سمجھ رہی ہو۔ خدائی احکام بھی ہمیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں۔ جہاں تک آسیہ کا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں کہ تم سے شادی کے بعد میں زیادہ بہتر طریقے سے اس کے حقوق ادا کر سکوں گا۔ میری نگاہ میں وہ میری خوشیوں کی دشمن نہیں رہے گی اور میں تہہ دل سے اسے اپنی بیوی سمجھ سکوں گا اور یوں معاشرے کی اصلاح کا وہ عظیم مقصد بھی پورا ہو جائے گا جس کے لیے میں نے اس سے رشتۂ ازدواج جوڑا تھا۔۔۔۔۔۔۔"

اشباح کا طویل خط ختم کرتے کرتے ہلابہ کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اشباح کی باتوں کا کیا جواب دے۔ کبھی آسیہ کا چہرہ اس کی نگاہوں میں آتا جسے وہ اپنی بہن سمجھتی تھی۔ کبھی اشباح کی مجبوریوں کا خیال آتا۔ ان حالات کا خیال آ جاتا جن میں وہ اس شادی پر مجبور ہوا تھا۔ پھر سوچتی کچھ بھی ہے، اشباح اور اسکا راستہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو چکا ہے۔ انہیں اب اس طرح ہر گز نہیں سوچنا چاہیے۔ دیر تک اپنے آپ سے لڑنے کے باوجود وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائی اور دروازہ بند کیے کمرے میں پڑی رہی۔

پورے چھ روز گزر گئے، ہلابہ کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اشباح کا سامنا کر سکے۔ پہلے دو روز وہ وقفے وقفے سے تین چار بار آیا اور دروازے پر دستک دے کر چلا گیا۔ ایک بار اس نے آواز بھی دی تھی۔ اور کھانے کے بارے میں پوچھا تھا۔ جواب میں ہلابہ نے مسہری پر لیٹے لیٹے کہا تھا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے، آپ کھا لیں۔" اسکے بعد اس نے خادمہ کے ہاتھ کھانا اندر ہی منگوا لیا تھا۔

اس واقعے کے بعد اشباح دروازے پر دستک دینے نہیں آیا تھا' بلکہ وہ اپنے رہائشی حصے سے بھی باہر نہیں آیا تھا۔ ہلابہ دریچے کا پردہ وا کر کے اس کے کمرے پر نظر ڈالتی رہتی تھی۔ چھ سات دنوں میں وہ صرف ایک بار صبح کی نماز کے لیے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ ہلابہ نے اسے نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ وہ خاصا کمزور اور پژمردہ نظر آرہا تھا۔ چہرہ بھی بجھا ہوا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ہلابہ بے چین سی ہو گئی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آتی تھی وہ کیا کرے۔ اشباح کی والدہ سراط کے الفاظ اسکے کانوں میں گونجنے لگے۔ اسے احمد عباس کے ساتھ ہندوستان رخصت کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"ہلابہ میں نے تئیس برس اشباح کو پھولوں کی طرح رکھا ہے، اب وہ تیرے سپرد ہے جب تو اس کی بیوی بن جائے تو ہر طرح اس کا خیال رکھنا۔"

ہلابہ سوچنے لگی۔ "کیا میں ہر طرح اسکا خیال رکھ رہی ہوں، کیا موجودہ حالات میں میرا رویہ اشباح کے ساتھ مناسب ہے؟"

اور اب ان دونوں کو ملے چھ روز ہو چکے تھے۔ رات کا دوسرا پہر چل رہا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد ہلابہ بے قرار سی دالان اور کمرے میں گھوم رہی تھی۔ اشباح کا نامہ اسکے ہاتھ میں تھا۔ کبھی وہ اسے پڑھتی اور کبھی تہہ کر کے مٹھی میں دبا لیتی۔۔۔۔۔ خدام اپنی اپنی جگہوں پر محو خواب تھا، کچھ پہرے پر تھے، اقتیلا جام کا آج بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔۔۔۔ ہلابہ عجیب کشمکش سے دو چار دیر تلک ٹہلتی رہی۔ پھر اس نے ہاری ہوئی گہری

سانس لی، اپنے منتشر بالوں کو باندھ کر اوڑھنی میں چھپایا اور کمرہ کھول کر اشباح کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دور کہیں کسی گوشے میں کوئی پہریدار نیند بھگانے کے لیے فارسی رباعی گا رہا تھا۔

اپنوں کی جدائی نے مجھے خاک کر دیا

میں دیوانی ہوا کے ساتھ صحرا صحرا اڑتا رہا

میں کہ شاہ کے تاج کا موتی تھا!

گلی گلی لوگوں کے قدموں میں رلتا رہا

میرے چاہنے والے مجھے جگا کر سو گئے!

جانے کن محفلوں کی جان ہو گئے!

دروازے کے سامنے پہنچ کر ہلابہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ دستک دی۔ چند آہٹوں کے بعد دروازہ کھل گیا۔، شمعدان کی روشنی میں اسے اپنے سامنے اشباح نظر آیا۔ اس کی جاگی ہوئی آنکھوں میں ناراضگی کروٹیں لے رہی تھی۔ وہ پیچھے ہٹا تو ہلابہ متانت سے اندر آ گئی۔

"تم اس وقت؟" اشباح نے پوچھا۔

"ہاں آپ سے ایک بات پوچھنا تھی۔" اس نے نظریں جھکائے جھکائے کہا۔

"پوچھو۔"

"آپ مجھ سے ناراض ہیں۔"

"کیا یہی بات پوچھنا تھی۔"

ہلابہ نے سادگی سے کہا نہیں اشباح۔۔۔۔۔۔میں بے حد پریشان ہوں۔ مجھے بتائیں میں کیا کروں۔ آپ نے مجھے ایسی الجھن میں ڈال دیا ہے جس کا کوئی حل ہی نہیں۔"

اشباح نے کہا۔"تو پھر ایسی الجھن میں سر کھلانے کا فائدہ؟"

ہلابہ بولی۔"آپ یہ خفگی میں کہہ رہے ہیں۔"

اشباح تلخی سے بولا۔"مجھے کسی سے خفا ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

ہلابہ نے عاجزی سے کہا۔"اشباح آپ مجھ سے کہیں بہتر جانتے ہیں۔ مجھے بتائیں یہ سب کیسے ہو سکتا ہے؟"

ہلابہ دیر تک اشباح سے مصروف گفتگو رہی۔ دونوں میں پہلے چند تلخ باتیں ہوئیں۔ پھر ہلابہ سسکنے لگی۔ اشباح نے نرم رویہ اختیار کیا۔ اس نے دلائل دیے نئے زاویوں سے ہلابہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

رات ڈھلے تک ان میں یہ اہم اور سنگین گفتگو جاری رہی۔ جب سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا یہ گفتگو اختتام پزیر ہوئی۔ اس وقت ہلابہ کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے گردن جھکائے ہوئے کہا۔

"اشباح مجھے سمجھ نہیں آتی میں کس زبان سے اقرار کروں اور۔۔۔۔ اگر فرض محال میں کروں بھی تو یہ سب اتنی جلدی کیسے ہو سکتا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے پرماتما کے محل کے خوفناک منظر گھوم رہے

ہیں۔ میرے خیر خواہوں، گنگارام اور سیتارام کی لاشیں۔ پرماتما کی لاش اور دوسری ان گنت لاشیں۔۔۔۔۔۔ میں ان سب صدموں کو بھول کر لباس عروس کیسے پہن سکتی ہوں؟"

اشباح نے کہا۔"اس وقت تم بہت پریشان ہو جاؤ جا کر آرام کرو۔ میں کل تمہیں سب کچھ تفصیل سے سمجھاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم قائل ہو جاؤ گی اور اگر پھر بھی نہ ہوئی تو پھر اس معاملے کو کچھ عرصے کے لیے التوا میں ڈال دیں گے۔"

ہلابہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے دھیمے پن سے کہا۔

"اشباح اب تو آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟"

"بہت ناراض ہوں۔" اشباح نے کہا اور آہستگی سے اسے بازوؤں میں لے لیا۔ اس اچانک پیش قدمی پر ہلابہ لرز کر رہ گئی۔ اس نے کسمسا کر خود کو چھڑایا اور عرق آلود پیشانی کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف لپک گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر ہلابہ نشست پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ وہاں گم صم بیٹھی رہی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ سب کچھ بدلا بدلا لگ رہا تھا، حتیٰ کہ اشباح بھی۔ کبھی اسکے دل میں اشباح کے لیے محبت جاگتی کبھی ذہن میں شبہے سر ابھارنے لگتے۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کے دل میں اشباح کے لیے محبت اور احترام کا جذبہ کم پڑتا جا رہا ہے۔ وہ ایک خاص انسان تھا لیکن "عام" کا رویہ اختیار کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ ایسا کیوں تھا؟ شائد یہ بھی کوئی سحر کاری تھی۔ گنگارام نے کہا تھا کہ اس جادو نگری میں سب کچھ ممکن ہے، یکایک ہلابہ کو چونکنا پڑا اسے اپنے سر کے عین اوپر کسی کے بھاری قدموں کی چاپ

سنائی دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس عمارت کی چھت پر کوئی آہٹ ہوئی تھی۔ اگر بات صرف اتنی ہوتی تو ہلابہ کا چہرہ یوں اپنا رنگ نہ بدلتا، لیکن بات اس سے بھی بڑھ کر بھی کچھ تھی۔ ہلابہ کو ایک مدھم آواز سنائی دی جیسے بھدی آوازوں والے دو افراد مل کر نوحہ کر رہے ہوں۔ یہ پر سرار اور کریہہ آواز ہلابہ نے اس سے پہلے بھی سنی تھی۔ پرماتما کے محل میں شیشے کی طویل راہداری میں جہاں گھنٹیاں بجتی رہتی تھیں۔۔۔۔۔۔ یہ دوسروں والے راماجن کی آواز تھی۔ وہی راماجن دوموہا جس کے بارے میں چند روز پہلے رنگا چماری نے اسے بتایا تھا کہ وہ کوسوں دور سے اپنے شکار کی بو سونگھ لیتا ہے۔

ہلابہ دم بخود یہ آواز سن رہی تھی۔ چند کنیزیں بھی اس کمرے میں موجود تھیں۔ وہ بھی آواز سن کر سراسیمہ ہو گئیں تھیں۔ ان سب کی آنکھیں چھت پر لگی ہوئی تھیں اور کان راماجن کے بھاری قدمون کی چاپ پر تھے۔ چند لمحے تک یہ آوازیں اتی رہیں پھر دھیرے دھیرے معدوم ہو گئیں۔ "دوسروں" والا خوفناک انسان اس عمارت کی چھت پر گھومنے کے بعد کسی اور جانب چلا گیا تھا۔ کنیزوں کے چہرے پر رونق آگئی۔ وہ آپس میں چہ مگوئیاں کرنے لگیں۔ ہلابہ نے بھی ایک طرح کا اطمینان محسوس کیا۔ وہ جانتی تھی اس موضوع پر کنیزوں سے بات کرنا فضول ہے۔ اقتیلا جام انہیں ہر طرح خاموشی کا پابند کر چکا تھا۔

وہ رات بھر کی جاگی اور تھکی ہوئی تھی۔ یونہی کمر سیدھی کرنے کے مسہری پر دراز ہوئی اور نیند نے اسے آ دبوچا۔ دوبارہ انکھ کھلی تو کنیزوں نے اسے بتایا کہ دوپہر ہو چکی ہے۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ سو کر بھی ہلابہ کا خمار نہیں ٹوٹتا تھا۔ وہ ہر وقت سوئی سوئی اور کھوئی کھوئی رہتی تھی۔ اقتیلا جام ابھی تک واپس نہیں لوٹا تھا۔ رات کے واقعات کے بارے میں سوچتی ہوئی وہ تالاب کی جانب چل دی۔ شفاف پانی کا یہ چھوٹا سا تالاب

صرف ہلابہ کے غسل کے لیے محسوس تھا۔ اس کے چاروں جانب تین گز اونچی چار دیواری تھی۔ ہلابہ کا لباس بھی وہاں ہر وقت موجود رہتا تھا۔ وہ پانی میں اتر کر نہانے لگی۔ پانی میں تیرتی ہوئی رنگ برنگی مچھلیاں اور سطح آب پر ہچکولے کھاتے ہوئے کنول کے پھول ہر آنکھ کو دعوت نظارہ دیتے تھے مگر آج یہ حسین نظارے ہلابہ کو بالکل اچھے نہیں لگے۔ بیدار ہونے کے بعد اسکا ذہن مسلسل اشباح اور اسکے رویے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ کافی دیر نہانے اور تیرنے کے بعد اس نے نیا لباس پہنا اور بھیگے بالوں کو نچوڑتی ہوئی تالاب کی چار دیواری سے باہر نکل آئی۔ ایک کنیز نے آگے بڑھ کر اس کے ننگے پاؤں کو جوتی پیش کی، مخملی جوتی پہنے ہلابہ سنگ مرمر کے راستے پر چلتی اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ نہانے سے طبیعت میں قدرے بشاشت آئی تھی۔۔۔۔۔۔ اچانک اسے ٹھٹھکنا پڑا۔ اس کی نگاہ اشباح کے کمرے کی طرف اٹھ گئی۔ وہ دریچہ کھولے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ہلابہ کے بھیگے بالوں سے پھسلتی ہوئیں اس کے سراپا پر آر کی تھیں۔ نہ جانے اس کے دیکھنے میں کیا بات تھی کہ ہلابہ اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گئی۔ ایک جھرجھری سی پورے جسم میں محسوس ہوئی اور پلکیں خود بخود جھکنے لگیں۔ اس نے اپنے کمرے کی طرف سفر جاری رکھا ۔ دس پندرہ قدم چل کر ایک بار پھر اس نے ہمت کر کے اشباح کی سمت دیکھا وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں ایک پیاس سی بھڑک رہی تھی۔ ہلابہ نگاہ چرا کر جلدی سے اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کی سانسیں تیزی سے چل رہی تھیں۔ اشباح نے اسے ایسی نظروں سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی کبھی ہلابہ اس کے روبرو شرمائی تھی چند دنوں میں سب کچھ بدل سا گیا تھا۔

دوپہر کھانے کے وقت بھی وہ اشباح کے سامنے نہ جا سکی۔ شام سے ذرا پہلے اشباح نے اسے پیغام بھیجا۔ "ہلابہ میں انتظار ہی نہ کرتا رہ جاؤں۔ شام کے بعد جلدی آ جانا۔ بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

اشباح کی بے تابی ہلابہ کو عجیب الجھن میں ڈال رہی تھی۔ تالاب سے واپس آتے ہوئے اشباح کے دیکھنے کا انداز ابھی تک ہلابہ کے ذہن میں تازہ تھا۔ وہ جلتی نگاہیں اسکے تصور میں گھوم رہیں تھیں۔ اشباح کا رات والا سلوک بھی ہلابہ بھولی نہیں تھی۔ جب اسے یاد ایا کہ اشباح نے بے باکی سے اسے بانہوں میں لے لیا تھا۔ تو وہ شرم سے سرخ ہو گئی۔۔۔۔۔ یکا یک اس کے دل میں آئی کہ وہ اشباح کے پاس نہ جائے۔ اسکا رویہ اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔۔۔۔ مگر پھر اشباح کی ناراضگی کا خوف اسکے ذہن میں آسمایا۔ وہ بچپن سے اسے جانتی تھی۔ اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ اسے معلوم تھا وہ سخت خفا ہو گا اور پھر نہیں مانے گا۔۔۔۔ وہ بے دم سی ہو کر بستر پر گر گئی۔ اور کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔ بار بار خیال آ رہا تھا کہ کہیں سچ مچ اشباح پر کسی طلسم وغیرہ کا اثر تو نہیں۔ وہ نہایت سنجیدہ اور باوقار شخص تھا۔ حوصلے اور صبر والا۔ اب ایسی وارفتگی کا مظاہرہ کیوں کر رہا ہے؟ شائد یہ سب اس لیے تھا کہ وہ مستقبل سے مایوس ہو چکا تھا۔ اس نے خود کہا تھا کہ حالات غیر یقینی ہیں۔ شائد وہ یہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ ابھی تک اقتیلا جام سے مطمئن نہ ہوا ہو اسے خدشہ ہو کہ وہ طلسمی عمل کے لیے ہلابہ سے شادی رچانے کے لیے باز نہیں آئے گا۔ ہلابہ کو اس سے محفوظ رکھنے کے لیے اشباح عجلت کا مظاہرہ کر رہا ہو۔ ہلابہ جتنا سوچتی اتنا ہی الجھتی جا رہی تھی۔ آخر اس نے سسک کر خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"اشباح۔۔۔۔ آپ نے مجھے کس آزمائش میں ڈال دیا ہے"

بہت دیر بعد وہ کشمکش میں رہنے کے بعد وہ اٹھ گئی۔ وضو کر کے اس نے عشاء کی نماز پڑھی اور بہت دیر تک مصلے پر بیٹھی سوچتی رہی۔ پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔۔۔۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس ماحول اور ان دیواروں کے اندر کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ کوئی انہونی ہے جو یہاں ہو رہی ہے۔ کبھی کبھی اسے لگتا یہ گڑبڑ ماحول کے اندر نہیں بلکہ اسکے اپنے اندر کچھ تبدیل ہو چکا ہے۔ شائد ذہن کا کوئی گوشہ سو چکا ہے یا سویا ہوا گوشہ جاگ چکا ہے۔ کبھی کبھی اسے اپنے سر میں دھند سی بھرتی ہوئی محسوس ہوتی۔ اشباح کا رویہ اس کیفیت کو اور بھی سنگین کر رہا تھا۔ یہ رویہ اسے سنبھالنے کی بجائے اور بکھیر رہا تھا۔ اس نے دکھ سے سوچا کیا اشباح کو ایسا کرنا چاہیے؟ کیا یہ موقع ہے محبت اور شادی وغیرہ کے بارے میں سوچنے کا؟ اس نے اپنے دل کی گہرائی میں جھانکا اور صاف طور پر محسوس کیا کہ اشباح کی محبت اور عقیدت اسکے دل سے رخصت ہو چکی ہے۔۔۔۔۔۔ بلکہ ایک طرح کی نفرت اور کھنچاؤ کی کیفیت شدت پکڑ رہی ہے۔ اشباح کی جلتی نگاہیں اس کی باہوں کا حلقہ، اسکی بے قراری، بار بار ہلابہ کی آنکھوں کے سامنے ناچتی اور وہ بے زار سی ہو جاتی۔ پھر اسے اشباح کی باتیں یاد آنے لگیں کہ کل کس طرح دلیرانہ انداز میں اس نے اسے شادی کی پیشکش کی تھی اور قطعا بھول گیا تھا کہ ایک محبت کرنے والی نئی نویلی دلہن سینکڑوں میل دور اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھی ہے۔ اس نو مسلم کا کیا قصور تھا۔ وہ کیوں سزا کی مستحق ٹھہر رہی تھی۔ آسیہ کی بھولی بھالی صورت ہلابہ کی نگاہوں میں گھومی اور اشباح کا کردار اور اجنبی لگنے لگا۔ سخت تذبذب کے عالم میں وہ خوابگاہ سے نکلی اور ایک روش پر ٹہلتی ہوئی فواروں والے حوض کی طرف نکل آئی۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا تاہم برآمدوں میں، دالانوں

میں خادمیں کی چہل پہل جاری تھی۔ایک کونے سے ہلابہ کو اس مغنی کی آواز آئی جو اکثر راتوں میں درد بھری لے میں گایا کرتا تھا۔

اپنوں کی جدائی نے مجھے خاک کر دیا

میں دیوانی ہوا کے ساتھ صحرا صحرا اڑتا رہا

میں کہ شاہ کے تاج کا موتی تھا

گلی گلی لوگوں کے قدموں میں رلتا رہا

میرے چاہنے والے مجھے جگا کر سو گئے

جانے کن محفلوں کی جان ہو گئے

ہلابہ کھوئی کھوئی سی اس مغنی کی طرف چلی گئی۔وہ ایک ستون سے ٹیک لگائے تنہا بیٹھا تھا۔وہ اندھا تھا۔آنسو اسکی بے نور آنکھوں سے بہے چلے آرہے تھے۔ہلابہ اسکا دکھ بانٹنے کے لیے اسکے پاس جا بیٹھی۔در حقیقت وہ اپنے دکھوں سے بھی کچھ دیر کے لیے فرار چاہتی تھی اس نے کہا۔

"مغنی میں کئی راتوں سے تیری آواز سن رہی ہوں۔دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ تجھے دیکھوں۔آخر ایسا کون سا غم ہے جو تجھے دن رات خون کے آنسو رلاتا ہے؟"

مغنی نے کہا۔"میرا خیال ہے میں اپنی مالکہ سے مخاطب ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔"

ہلابہ آہستگی سے بولی۔"تم مجھے اپنی ہی طرح کا ایک فرد سمجھ سکتے ہو؟"

کچھ دیر دونوں میں رسمی باتیں ہوتیں رہیں۔آخر مغنی ہلابہ کو اپنی روئداد سنانے پر آمادہ ہو گیا۔اس نے کہا۔"آیئے مالکہ فواروں کے پاس چل کر بیٹھتے ہیں۔آپ رقاصاؤں کو رقص کا حکم دے دیجیے۔ساز و آواز کے شور میں ہم سرگوشیاں کر سکیں گے۔"

ہلابہ نے مغنی کے مشورے پر عمل کیا۔دونوں اتھلے تالاب کے کنارے فواروں کے پاس آبیٹھے۔رقاصاؤں نے گھنگرو باندھے؛ طبلچیوں نے طبلے تھامے، رباب نوازوں کی انگلیاں متحرک ہوئیں اور رقص و موسیقی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔مغنی نے کہا۔

"میرا نام مہندر کمار ہے۔میں دیبل کا رہنے والا ہوں۔آج سے کچھ عرصہ پہلے میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ پر سکون زندگی گزار رہا تھا۔میرے پتا تلسی داس راجہ کی فوج میں تھے اور انہوں نے مجھے بھی فوج میں ملازم کرا رکھا تھا۔مگر میں دلی طور پر کبھی راجہ کا ملازم نہیں رہا۔میں اور میرے جیسے سینکڑوں نوجوان راجہ کے خون کے پیاسے تھے۔اس کی بہت سی وجوہات تھیں۔جن میں سے ایک شرمناک بات یہ بھی تھی کہ اس نے تخت و تاج کی خاطر اپنی سگی بہن کو زوجیت میں لے رکھا تھا۔ہماری غیرت ہمیں مجبور کرتی تھی کہ ہم راجہ کو روئے زمین پر دندنانے کے لیے زندہ نہ چھوڑیں۔ہم چپکے چپکے اس مہ پاپی کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھے۔اسی دوران عرب سے اسلامی لشکر دیبل پر حملہ آور ہوا۔ہم لوگوں نے اسے بھگوان کی کرپا جانا اور راجہ سے چھٹکارا پانے کے لیے اپنی جدوجہد تیز کر دی۔انہی دنوں میری ملاقات اشباح

نامی نوجوان سے ہوئی۔ یہ ایک شیر دل مسلمان مجاہد تھا۔ میں اس کے کردار سے اتنا متاثر ہوا کہ مسلمانوں کی خاطر ہر قربانی دینے کو تیار ہو گیا۔ دیبل کی فیصلہ کن جنگ سے دو روز پہلے میں شہر کے بارے میں اہم راز لے کر مسلمانوں کے پڑاؤ میں پہنچا۔ یہاں مجھے عظیم سپہ سالار محمد بن قاسم سے، ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے دیبل کی جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے کھلم کھلا حصہ لیا۔ میری ایک ہی خواہش تھی کہ میں کسی طرح راجہ داہر کا سر تن سے جدا کر سکوں۔ اپنی اس کوشش میں ، میں اپنی صفوں سے بچھڑ کر بہت آگے چلا گیا۔ راجہ داہر اپنے پچیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ قلعے سے فرار ہو رہا تھا۔ میں ان لوگوں میں شامل ہو کر داہر کے نزدیک تر پہنچ گیا۔ میں نے داہر پر حملہ بھی کیا۔ مگر اس سے پہلے کہ میں اس پر کوئی کارگر حملہ کر سکتا مجھے پکڑ لیا گیا۔۔۔۔"

ہلابہ سے اب صبر کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ مغنی کی زبان سے اشباح اور محمد بن قاسم کا نام سن کر اس کے ذہن میں آندھیاں چلنے لگی تھیں۔ اس نے مغنی کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ "کہیں تم آشا کے بھائی تو نہیں ہو؟"

آشا کا نام سن کر مہندرا چھل پڑا۔ اس نے سر گھما کر بے نور آنکھیں ہلابہ کی طرف کیں۔ پھر لرزاں آواز میں بولا۔

"کون ہیں آپ؟ آشا کے بارے میں کیسے جانتی ہیں؟ کہاں سے آئی ہیں آپ؟"

ہلابہ نے کہا۔ "فی الحال میں تمہیں اتنا بتا سکتی ہوں کہ میں تمہاری دشمن نہیں دوست ہوں اور جس اشباح کا تم نے ذکر کیا ہے میں اسی کے وطن اور گاؤں کی رہنے والی ہوں۔"

مہندر کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو گرنے لگے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اسکا دامن تھام لیا۔ اور بولا۔

"مالکن بھگوان کے لیے مجھے بتائیں، میرے گھر والے کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟ آشا کیسی ہے؟ دیپک کیسا ہے؟ وہ دیبل میں ہیں یا دیبل چھوڑ چکے ہیں؟ مسلمان فوج اب کہاں ہے۔ راجہ داہر کے ساتھ کیا بیتی ہے؟ اور۔۔۔۔۔۔۔ میں کہاں ہوں یہ جگہ کون سی ہے؟" مہندر نے اتنی عجلت میں اتنے زیادہ سوال کر دیئے کہ ہلابہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ اس نے مہندر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "مہندر میں تمہارے سب سوالوں کا جواب تفصیل سے دوں گی پہلے تم اپنی روئداد مکمل کر لو۔"

مہندر نے بعد کے واقعات جلدی جلدی کچھ اس طرح بیان کیے۔

"راجہ داہر مجھے ایک خطرناک قیدی کے طور پر نیرون کوٹ کی طرف لے جا رہا تھا کہ ایک رات مسلمانوں کے شب خون کی افواہ پھیلی؛ دیبل کی شکست خوردہ سینا میں کھلبلی مچ گئی۔ زبردست افراتفری مچی اور میں اس بھگدڑ میں ایک پہریدار کو قتل کر کے بھاگ نکلا۔ میری منزل نامعلوم تھی اور راستہ بھی نامعلوم۔ میں پورے دو روز گھوڑے کی پیٹھ پر رہا اور سفر کرتا رہا۔ آخر مجھ پر یہ خوفناک راز کھلا کہ میں صحرائے تھر میں راستہ کھو بیٹھا ہوں۔ تیسرے روز میں نے اپنے گھوڑے کو ذبح کیا اور دو دن اسکے خون اور گوشت پر گزارہ کیا۔ آخر یہ زادراہ بھی تمام ہوا۔ اب موت سر پر منڈلا رہی تھی اور دور دور جیون کے آثار نہیں تھے۔ آخر ایک روز جب میں گرم ریت پر جاں بلب پڑا تھا۔ سرخ لباس والے کچھ گھڑ سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ یہ گرفتاری موت سے رہائی بھی تھی۔ مجھے پانی اور سایہ ملا۔ سرخ پوش سوار مجھے ساتھ لے کر روانہ

ہو گئے۔اسی روز مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ یہ لوگ خود بھی راستہ بھٹکے ہوئے ہیں۔جیون جی آشا دوبارہ موت کی نراشا میں ڈھل گئی لیکن موت میرے بھاگوں میں نہیں تھی۔مجھے اندھا ہو کر اس قید خانے کی دیواروں میں بھٹکنا تھا اور اپنے بچھڑے ہوؤں کو یاد کرنا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔

منزل سے ناامید ہو کر سرخ پوشوں نے دیوتاؤں کو بھینٹ دینے کا فیصلہ کیا۔یہاں کے قدیم رواج کے مطابق جب کارواں راستہ بھٹک جاتا ہے اور منزل نہیں ملتی ہے تو کسی ایک مسافر کو اپنی آنکھوں کی بھینٹ دینا پڑتی ہے۔یہ بھینٹ کسی "سومار" نامی دیوتا کے نام پر دی جاتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ صحرائے تھر کے وسط میں اس دیوتا کا مجسمہ صدیوں سے ریت میں دبا پڑا ہے۔۔۔۔۔مسافر کی آنکھیں نکال کر بار بار ہوا میں اچھالی جاتیں اور سومار دیوتا سے پرارتھنا کی جاتی ہے کہ وہ ان آنکھوں کے صدقے انہیں راستہ سمجھا دے۔ظاہر ہے اس بلیدان کے لیے میرا ہی چناؤ ہونا تھا۔سرخ پوشوں نے میری آنکھیں نکال دیں اور پرارتھنا کرنے کے بعد مجھے اپنا راہبر بنا کر پیچھے چل دیے۔بھگوان کے کام بھگوان ہی جانتا ہے۔دوسرے روز شام کے وقت ہمیں اپنے راستے کا سراغ مل گیا۔اور ہم صحرائی راستوں پر چلتے،ایک طویل سفر کے بعد اس مقام تک پہنچ گئے۔کچھ روز بعد مجھے اس تاریک نگری کے جادوگر اقتیلا جام کے سپرد کر دیا گیا۔اس نے مجھے اپنے خادموں میں شامل کر لیا اور یوں میں اس قبر نما منحوس عمارت میں آن پہنچا۔"

مہندر کی بات ختم ہوئی تو ہلابہ نے کہا۔"مہندر مجھے ایک بات بتاؤ،تم اشباح کی آواز پہچان سکتے ہو؟"

مہندر نے پورے یقین کے ساتھ اثبات میں جواب دیا۔ہلابہ نے پوچھا۔

"اور اشباح بھی تمہیں پہچان سکتا ہو گا؟"

مہندر نے کہا۔"کیوں نہیں مالکن! وہ دیبل میں کئی روز میرا مہمان بن کر میرے گھر میں رہا ہے۔"

ہلابہ کے چہرے پر زبردست الجھن تھی۔اس نے کہا۔

"مہندر! میں تم پر شک نہیں کر رہی لیکن یہ عجیب بات نہیں کہ تم اشباح کی آواز پہچان سکے ہو اور نہ ہی اس نے تمہیں شناخت کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"مہندر چونک کر بولا۔

ہلابہ نے کہا۔"تمہاری اطلاع کے لیے بتا رہی ہوں کہ اشباح پچھلے کئی روز سے یہاں موجود ہے۔تم نے کئی بار ان کی آواز سنی ہو گی،اور انہوں نے بھی کئی بار تمہیں دیکھا ہو گا۔شائد کل ہی کی بات ہے ہم دونوں اسی وقت باتیں کرتے ہوئے تمہارے قریب سے گزرے تھے۔مجھے یاد ہے تم نے اشباح کو پر نام بھی کیا تھا۔"

یکایک مہندر کے چہرے پر بے پناہ تشویش نظر آنے لگی۔وہ گھمبیر لہجے میں بڑبڑایا۔"اس کا مطلب ہے میرا اندیشہ درست تھا۔"

"کیسا اندیشہ؟"ہلابہ نے پوچھا۔

مہندر نے اپنی آواز کچھ اور دھیمی کر لی۔"مالکن آپ میری بات کا وشواس نہیں کریں گی لیکن جو حقیقت ہے وہی آپ کو بتا رہی ہوں۔آپ کو زبردست دھوکا ہو رہا ہے۔بھائی اشباح نہ کبھی یہاں تھے،نہ ہیں۔"

ہلابہ کو محسوس ہوا کہ اسکا سر گھومنے لگا ہے وہ حیرت سے بولی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو میں اب اشباح کو بھی نہیں پہچان سکتی؟"

مہندر بولا۔ "آپ پہچان سکتی ہیں لیکن آپ کا ذہن آپ کے اختیار میں نہیں۔ آپ مجھے ایک بات بتائیں کیا آپ پر ہر وقت نیند کا غلبہ نہیں رہتا۔ کیا آپ کو ہر چیز بدلی بدلی نظر نہیں آتی؟"

ہلابہ نے اپنی کیفیت پر غور کیا تو اسے مہندر کی باتوں میں سچائی کی جھلک نظر آئی۔ وہ بولی "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

مہندر نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ "مالکن حقیقت یہ ہے کہ آپ سحر کے اثر میں ہیں، آپ وہی دیکھ رہی ہیں جو اقتیلا رام آپ کو دکھا رہا ہے۔ اپنی نظر پر آپ کا اختیار نہیں۔"

ہلابہ چلا کر بولی۔ "میں۔۔۔۔۔۔۔ان باتوں کو نہیں مانتی۔"

مہندر نے ادب سے کہا۔ "آپ کے ماننے یا نا ماننے سے فرق نہیں پڑتا۔ حقیقت یہی ہے کہ اشباح بھائی کا اس عمارت میں کوئی وجود نہیں۔"

ہلابہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کے گرد ہر چیز چکرا رہی ہے۔ اسے اشباح کی بانہوں کی گرفت یاد آئی۔ اس کی عجیب وغریب باتیں یاد آئیں۔ وہ کراہ کر بولی۔ "تو پھر وہ کون ہے جسے کل تم نے پرنام کیا تھا۔ جو میرے ساتھ تمہارے سامنے سے گزرا تھا؟"

مہندر نے پورے یقین اور اعتماد سے کہا۔ "وہ اقتیلا جام تھا۔ میں اس کی قدموں کی چاپ سے لے کر، اس کی اواز اور اسکے لب ولہجے تک کو پہچانتا ہوں۔"

ہلابہ کے کانوں میں جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ زرد ہوتی جا رہی تھی۔ مہندر نے کہا۔

"مالکن! جہاں تک میرا خیال ہے اقتیلا جام نے آپ کو کسی خصوصی مقصد کے لیے مسحور کر رکھا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ طاقت ہے۔ اگر آپ کو زندگی اور آبرو عزیز ہے تو اسکے قریب ہر گز نہ جائیں۔"

وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخی تھی۔ "یہ سب جھوٹ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ جھوٹ ہے۔"

ساز خاموش ہو گئے۔ رقاصاؤں کے پاؤں تھم گئے۔ مغنیوں نے گانا روک دیا۔ ہلابہ نے اٹھنے کی کوشش کی، مگر اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور وہ چکرا کر فرش بوس ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے دوبارہ ہوش آیا تو ذہن پر کئی روز سے چھائی ہوئی دھند صاف ہو چکی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی۔ سب سے پہلا خیال اسکے ذہن میں یہی آیا کہ اشباح۔۔۔۔۔۔ دراصل اشباح نہیں تھا۔ اس احساس نے اسکے دل کو ایک طرح کے اطمینان اور سکون سے بھر دیا۔ اس اطمینان اور سکون کو وہ کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ چار خادمائیں اسکے سرہانے مؤدب کھڑی تھیں۔ رنگا چماری بھی وہیں موجود تھی۔ مگر ہلابہ نے محسوس کیا کہ ان سب کہ چہرے بہت خوفزدہ ہیں اور وہ تشویشناک نظروں سے چھت کو گھور رہی ہیں۔۔۔۔۔۔ اور پھر ہلابہ ساری بات سمجھ گئی اور اسکے ساتھ ہی اسکے جسم میں بھی خوف کی لہر دوڑ

گئی۔عمارت کی چھت سے ایک بار پھر بھاری قدموں کی چاپ اور دو آوازوں کا نوحہ سنائی دے رہا تھا۔پر ماتما کا ہلاکت خیز پالتو درندہ راماجن وہاں موجود تھا۔اس کی ڈوبتی ابھرتی آواز کبھی دور اور کبھی نزدیک سے آرہی تھی۔تھوڑی دیر بعد یہ اواز بھی معدوم ہوگئی اور قدموں کی چاپ بھی تھم گئی۔کنیزوں کے چہروں پر آہستہ آہستہ رونق آنے لگی۔رنگا چماری کے بدبداتے ہوئے ہونٹ بھی کچھ سست پڑ گئے۔چاروں طرف گہری خاموشی تھی۔یکایک ایک خوفناک کڑاکا ہوا اور چھت کا ایک حصہ کمرے میں آگرا۔وزنی پتھر اوی مصالحہ چاروں طرف پھیل گئے۔ایک کنیز کی آخری چیخیں ملبے میں دب کر رہ گئیں۔ہلابہ سمیت باقی کنیزیں چیختی چلاتی کمرے سے بھاگیں۔اس وقت ہلابہ نے راماجن کی ایک جھلک دیکھی۔وہ چھت کے سوراخ سے کود کر اندر آرہا تھا۔یہ ایک لرزہ خیز منظر تھا۔ہلابہ پہلے ایک برآمدے میں سیدھی بھاگتی چلی گئی۔پھر اس نے ایک خوفزدہ ملازم سے تلوار کھینچی اور ایک بڑے ستون کی آڑ میں ہوگئی۔"دوسروں" والا قوی ہیکل درندہ چاروں طرف پھنکارتا پھر رہا تھا۔خدام وحشت کے عالم میں پناہ کے لیے بھاگ رہے تھے۔راماجن کا انداز ہلابہ کو سمجھا چکا تھا کہ وہ صرف اسے تلاش کر رہا ہے۔اگر اسے قتل وغارت کرنا ہوتی تو کوئی مرد وزن اس کے رستے میں آئے تھے۔ہلابہ نے تلوار کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کی اور ستون کے پیچھے کچھ اور بھی سمٹ گئی۔چند لمحوں بعد اس نے دیکھا کہ راماجن جھومتا سیدھی اس کی طرف آرہا ہے۔رنگا چماری کی بات ہلابہ کو ابھی تک یاد تھی۔اس نے کہا تھا راماجن دو موہا کو سوں دور سے شکار کی بو سونگھ لیتا ہے۔۔۔۔۔۔اور وہ ۔۔۔۔۔۔وہ تو صرف چند قدم کے فاصلے پر تھی۔اس نے تیزی سے فیصلہ کیا اور ستون کی آڑ سے نکل کر ایک غلام گردش میں بھاگ نکلی۔اسے دیکھتے ہی راماجن کی رفتار میں بھی اضافہ ہوگیا۔اس کی چنگھاڑیں روح

لرزا دینے والی تھیں۔ہلابہ اندھا دھند غلام گردش میں بھاگتی چلی گئی۔پھر ایک کمرے میں گھس کر ایک دوسری راہداری میں آگئی۔راماجن مسلسل اس کے پیچھے تھا۔وہ بڑی تیزی سے اس کے اس کے قریب پہنچ رہا تھا۔ہلابہ اب گھر گئی تھی۔آگے پیچھے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔بھاگتے بھاگتے اس نے تلوار پر گرفت مضبوط کی اور پلٹ کر حملہ کرنے کے لیے تیار ہوگئی۔تاہم ایک آواز نے اسکے ساتھ ساتھ راماجن کو بھی ٹھٹھکا دیا۔ہلابہ نے سر گھما کر دیکھا۔بالکونی میں اقتیلا جام سیاہ لبادہ پہنے کھڑا تھا۔مکھیاں اس کے سر پر منڈلا رہی تھیں۔اس نے ہاتھوں کو حرکت دی۔راماجن کے پاؤں کے پاس نیلے شعلے بلند ہوئے اور چھت تک پہنچنے لگے۔ہلابہ اس سے پہلے بھی ایسے مناظر دیکھ چکی تھی۔لہٰذا اسے زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔راماجن چنگھاڑتا ہوا چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔اس کے دونوں سر بے قراری سے حرکت میں تھے۔نگاہیں بدستور ہلابہ پر جمی تھیں۔لگتا تھا وہ شعلوں میں سے راستہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔اس وقت بغلی دروازہ دھماکے سے کھلا اور روہل کمار زرد پوش سپاہیوں کی بھاری جمعیت کے ساتھ اندر داخل ہوا۔اس نے راماجن کو عجیب زبان میں حکم دیا۔راماجن کا اشتعال ماند پڑنے لگا اور وہ چند قدم مزید پیچھے ہٹ گیا۔شعلے چھت کو چھونے کے بعد اب سرد پڑتے جارہے تھے۔روہل کمار نے بڑی تعظیم کے ساتھ اقتیلا جام کو پرنام کیا اور مؤدب لہجے میں بولا۔

"ساحر اعظم اس پوشیدہ ٹھکانے پر بے وقت مداخلت کی معافی چاہتا ہوں۔"اس کے لہجے کا طنز موقعے پر موجود ہر شخص محسوس کر سکتا تھا۔اقتیلا جام کے چہرے پر زلزلے نمودار ہو رہے تھے۔ہلابہ نے محسوس کیا کہ سیاہ طلسمی لبادے کے اندر اس کا سارا وجود لرز رہا ہے۔روہل کمار نے ہلابہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے پہلے ہی شبہہ تھا یہ لڑکی ساحرِ اعظم کی شہرت کو داغدار کرنے کی کوشش کرے گی۔ مجھے حیرانی ہو رہی ہے کہ یہ ایسی جگہ بھی پہنچ چکی ہے جس کا علم لازوال پرماتما کو بھی شائد ہی ہو۔"

روہل کمار کے طنز کی کاٹ اب اقتیلا جام کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ اس نے غرا کر کہا۔

"روہل کمار کیا چاہتے ہو، اپنا مقصد بیان کرو۔"

روہل کمار نے کہا۔ "محترم ساحر! فی الحال تو میں صرف اس لڑکی کو لے جانا چاہوں گا۔ اس کے بعد جیسے جیسے پرماتما حکم صادر کرتے جائیں گے ہم آپ کو بتاتے جائیں گے۔"

روہل کمار کے شائستہ لہجے میں ان گنت دھمکیاں چھپی ہوئیں تھیں۔ اس کی چمکیلی آنکھوں میں اقتیلا جام کے لیے عداوت ہی عداوت تھی۔ اقتیلا جام پرسوچ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"اگر میں اس لڑکی کو بھیجنے سے انکار کر دوں تو۔"

روہل بولا۔ "میں آشا کرتا ہوں کہ ساحرِ اعظم مجھے کسی بڑی آزمائش میں نہیں ڈالیں گے۔ مجھے پرماتما کی طرف سے ہر صورت لڑکی پیش کرنے کا حکم ہے۔"

تو پھر میں انکار کرتا ہوں۔" اقتیلا جام نے خوفناک لہجے میں کہا۔

اقتیلا جام کا دوٹوک جواب سن کر روہل کا لہجہ اچانک بدل گیا۔ وہ تیزی سے بولا۔

"اقتیلا جام! ایک بات یاد رکھنا، ہوشمندی سے کام لینا اور اپنا کوئی شعبدہ استعمال کرنے کی کوشش مت رنا۔ اگر ہمیں کوئی نقصان پہنچا تو لازوال پرماتما براہ راست تم پر عذاب نازل کرے گا اور تم تو جانتے ہی ہو کہ پرماتما کے عذاب کا کیا مطلب ہے۔"

روہل کمار کے توہین آمیز لہجے نے اقتیلا جام کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ وہ بھی صبر کا دامن چھوڑتے ہوئے گرج کر بولا۔

"کمینے، مورکھ، تیری یہ مجال کہ مجھے "تو" کہہ کر مخاطب کرے اور دھمکیاں دے۔ میں تجھے راکھ کر دوں گا۔"

اقتیلا جام کی دھاڑ نے ہر فرد کو سہما دیا صرف روہل کمار تن کر کھڑا رہا اس نے اقتیلا جام کی طرف انگلی اٹھائی اور بولا۔

"اقتیلا جام! میں پھر کہہ رہا ہوں جوش میں کوئی غلطی نہ کرنا۔"

اقتیلا جام کی آنکھوں میں دیوانگی ناچ رہی تھی۔ لگتا تھا اپنے ازلی دشمن کو دیکھ کر وہ عقل و شعور کی سرحد سے گزر گیا ہے۔ اس نے دانت پیس کر بولا۔

"بدبخت میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ بعد میں کچھ ہو جائے لیکن آج تیرے خون سے غسل ضرور کروں گا۔"

اقتیلا جام کے لہجے نے روہل کمار کا چہرہ تاریک کر دیا۔اس نے ایک جھٹکے سے اپنی کمان سیدھی کی لیکن اس سے پہلے کہ وہ یا اسکا کوئی سپاہی تیر چھوڑتا اقتیلا جام اپنے بازوؤں کو حرکت دے چکا تھا۔دھماکوں کے ساتھ فرش سے شعلے اٹھے اور روہل کمار سمیت تمام زرد پوش اسکی زد میں آ گئے۔عمارت خوفناک چیخوں سے گونج اٹھی۔ان میں راماجن کی دلدوز چیخ بھی شامل تھی۔شعلے بھڑکنے کے ساتھ ہی تین تیر سنسناتے ہوئے اقتیلا جام کی طرف بڑھے۔ہلابہ نے اقتیلا جام کے سینے اور ناف کو نشانہ بنتے دیکھا مگر وہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ مہلک تیر اسکے جسم سے ٹکرا کر فرش پر جا گرے۔یوں محسوس ہوا کہ وہ گوشت کی بجائے کسی دھات سے ٹکرائے ہوں۔شائد اقتیلا جام نے اپنے سیاہ لبادے کے نیچے کوئی جوشن وغیرہ پہن رکھا تھا۔۔۔۔کمرے کا منظر لرزہ خیز تھا۔روہل کمال اور اسکے درجنوں سپاہی موت کا رقص کر رہے تھے۔فرش پر لوٹ رہے تھے،اچھل رہے تھے۔پھر روہل کمار آگ میں لپٹا سیڑھیاں چڑھنے لگا اور لڑھکتا ہوا فرش پر آ گرا۔،،،،پھر اس کی چیخیں بھی دوسری چیخوں کی طرح مدھم پڑتی چلی گئیں۔۔۔۔۔اب وہاں کھال اتری سفید لاشوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔اس ہلابہ نے محسوس کیا کہ وہ دوسروں والا جلنے والوں میں موجود نہیں۔شائد وہ شعلوں اور دھوئیں کی اوٹ میں نکل بھاگا تھا۔اس دوران اقتیلا جام نے بھی اس کی غیر موجودگی محسوس کر لی۔اس نے اپنے آدمیوں سے چلا کر کہا۔

"اسے تلاش کرو،وہ جل رہا تھا۔زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔"

چند آدمی بھاگتے ہوئے کھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔روہل کمار اور اس کے ساتھیوں کے جلے اور ادھ جلے جسم خوفناک نظارہ پیش کر رہے تھے۔گوشت کی سڑاند دماغوں کو متعفن کر رہی تھی۔کئی پردوں وغیرہ نے

آگ پکڑ لی تھی اور اب یہ آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔اقتیلا جام کے خدام آگ بجھانے کے لیے تالاب سے پانی لانے کے لیے بھاگے تو اس نے انہیں منع کر دیا۔پھر اس کے حکم سے کئی اور جگہ بھی آگ لگا دی گئی۔ساری عمارت دھڑا دھڑ جلنے لگی۔اقتیلا جام نے اپنے خدام کو ساتھ لیا اور ایک خفیہ راستے کے ذریعے عمارت سے باہر نکل آیا۔ہلابہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

باہر نکل کر ہلابہ کو پتہ چلا کہ وہ ایک کھنڈر نما عمارت میں ہے۔اس عمارت کا کچھ حصہ مکمل طور پر زمین میں دفن ہو چکا تھا اور اسی مدفون حصے کو اقتیلا جام نے اپنے خفیہ ٹھکانے کی شکل دے رکھی تھی۔اب یہ عمارت دھڑا دھڑ جلنے لگی تھی۔رنگا چماری دھوں دھار فضاؤں میں گھور رہی تھی اور اس کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔لگتا تھا وہ کسی بہت بڑے طوفان کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح پچھلے چار روز سے اسی تاریک غار کے تاریک گوشے میں پڑا تھا۔ان چند دنوں میں اس نے بے پناہ اذیت برداشت کی تھی۔بہرحال اس کا بخار کم ہو گیا تھا۔اور ٹانگ کا زخم بھی زیادہ تکلیف نہیں دے رہا تھا۔شاید غنودگی کے عالم میں کسی پتھر وغیرہ سے ٹکرا کر پیپ بہہ گئی تھی۔اب وہ کمر کے زخم میں بھی قدرے افاقہ محسوس کر رہا تھا۔اس کے دل میں خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ وہ اس غار سے نکلے اور کسی ایسی بستی تک پہنچنے کی کوشش کرے جہاں اسے دوا اور خوراک مل سکے۔وہ جانتا تھا اس غار سے باہر اس کی اشد ضرورت ہے۔بہت سی آنکھیں اس کا راستہ دیکھ رہی ہیں۔اس نے تصور میں دیکھا کہ رائے منوہر چند کے قید خانے میں بھی اس

کے ساتھی موت کی اذیتیں جھیل رہے ہیں۔ایک ایک کرکے مر رہے ہیں اور سنہری شاہین کی آمد کے منتظر ہیں۔ریاست کے گلی کوچوں میں اسے مظلوم مسلمانوں اور ہندوؤں کی سرگوشیاں سنائی دیں۔ہر سرگوشی میں سنہری شاہین کا ذکر اور ہر دل میں اس کے آنے کی آس تھی۔

پھر اسکا دھیان ہلابہ کی طرف چلا گیا۔نہ جانے وہ پاگل لڑکی کہاں تھی۔اشباح اس کو ڈھونڈنے نکلا تھا جب سرخ پوشوں نے ابدال غازی کے مکان پر حملہ کرکے سب کچھ تہس نہس کر دیا تھا۔وہ سوچ رہا تھا قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔اس رات اویس اسے باہر نکلنے سے منع کر رہا تھا۔اس کا خیال تھا کہ گھر سے باہر نکلنے میں اس کے لیے خطرہ ہے حالانکہ خطرہ گھر میں رہنے والوں کے لیے تھا۔اشباح باہر نکل کر بچ گیا تھا اور وہ گھر میں رہ کر قتل اور گرفتار ہو گئے تھے۔اسے ہلابہ پر طیش آنے لگا،آخر وہ اسے بتائے بغیر گئی ہی کیوں تھی۔وہ اس بارے میں بہت دفعہ سوچ چکا تھا۔اگر وہ پرماتما کو نقصان پہنچانے کی نیت سے دوارے کی طرف گئی تھی تو یقینی بات تھی کہ کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکی ہو گی۔اسے تو یہاں کی زبان بھی ٹھیک طرح سے نہیں آتی تھی۔اشباح جتنا سوچ رہا تھا اسکی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔وہ کیا کرے گی؟اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ ہلابہ کو اس کی ضرورت ہے اور ہلابہ کو ہی نہیں اس ریاست کے ہر فرد کو اس کی ضرورت ہے۔انہوں نے اسکی ان دیکھی ذات پر اندھا اعتماد کیا تھا اور منہ اٹھا اٹھا کر اس کا راستہ دیکھ رہے تھے۔

ایک عزم سا اشباح کے اندر کروٹیں لینے لگا۔اس نے اپنی زخمی ٹانگ کو ایک دو بار ہلا کر دیکھا۔پشت کے زخم کو انگلیوں سے چھوا۔کچھ دیر گہری سوچوں میں گم رہا۔پھر اس فیصلے پر عمل کرنے کے لیے حرکت میں آ گیا جو اس نے اس رات کسی وقت کیا تھا۔وہاں اب مزید ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔اسے یہاں سے نکلنا

تھا۔اور اس طوفان کی قیادت کرنا تھی جو اس ریاست کی بھول بھلیوں میں سر پٹخ رہا تھا۔تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔وہ آہستہ آہستہ غار کے دھانے کی طرف کھسکنے لگا۔دہانے کی طرف سے اسے سخت بو آ رہی تھی۔اس بو کا احساس اسے پچھلے دو روز سے ہو رہا تھا۔شائد غار میں ہونے والی جھڑپ کے بعد کوئی لاش وہاں پڑی رہ گئی تھی۔جہاں تک اشباح نے دیکھا تھا سرخ پوشوں والے تمام لاشیں اٹھا کر لے گئے تھے۔اپنے چار ساتھیوں کی لاشیں تو انہیں اٹھانا ہی تھیں۔شہید نوجوانوں کی لاشیں بھی انہیں شناخت وغیرہ کے لیے درکار تھیں۔۔۔پھر یہ لاش کس کی تھی؟یہی سوچتا ہوا اشباح دھیرے دھیرے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔اچانک اسے عجیب سا احساس ہوا۔اب وہ ایسے مقام پر آ چکا تھا جہاں سے دھانے کی روشنی نظر آنی چاہیے تھی۔اشباح نے سوچا شاید اس کا اندازہ غلط ہے اور سہ پہر کی بجائے رات کا وقت ہے۔جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا اسکے دل میں اندیشے سے جاگتے گئے۔حالانکہ غار کا دھانہ کافی کھلا تھا مگر وہاں سے مطلق روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔صرف ایک دو درزیں ہی چمک رہی تھیں۔اشباح کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔۔۔۔۔۔آخر وہ رینگتا ہوا دہانے پر پہنچا اور یہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے کہ دہانے کے اوپر ایک بڑی چٹان لڑھکا کر اسے بند کر دیا گیا تھا۔صرف پہلو اور نچلے حصے میں معمولی درزیں تھیں جن سے سورج کی روشنی اندر آ رہی تھی۔اشباح نے لیٹے لیٹے پوری قوت سے چٹان کو دھکیلنا چاہا اور اس پہلی کوشش نے ہی اس پر واضح کر دیا کہ پندرہ بیس افراد کے لیے بھی اس چٹان کو ہلانا ناممکن تھا۔ایک لمحے کے اندر وہ سمجھ گیا کہ یہ ویران غار اسکا مقبرا بن چکا ہے،اب کوئی انہونی ہی اسے موت سے بچا سکتی ہے۔غالباً سرخ پوشوں نے اس خیال سے غار کو بند کر دیا تھا کہ دوبارہ کوئی گروہ اسے باغیانہ سرگرمیوں کے لیے استعمال نہ کرسکے۔شاید ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ

ایسا کرتے ہوئے انہوں نے ایک زبردست کامیابی بھی حاصل کی تھی۔اس شخص کو اذیت ناک موت سے دوچار کر دیا ہے جو اس خطے میں ان کا سب سے بڑا حریف ثابت ہونے والا تھا۔اشباح چٹان سے سر ٹکرائے کچھ دیر گم صم بیٹھا رہا۔کوئی اور ہوتا تو اس کا سینہ غم سے پھٹ جاتا۔وہ گریبان پھاڑ لیتا اور دیواروں سے سر ٹکراتا لیکن وہ اشباح تھا۔عقیدے کا پختہ اور خدا کی رضا پر راضی رہنے والا۔اس نے بڑے سکون سے اس صدمے کو برداشت کیا وہ جانتا تھا زندگی جیسی بھی ہے خدا کی امانت ہے اور اسے اس امانت کی حفاظت کرنی ہے۔۔۔۔یہ ناقابل برداشت بو نجانے کہاں سے اٹھ رہی تھی۔۔۔۔وہ اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا تھوڑا سا آگے بڑھا۔بو کی شدت اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔جلد ہی اس کا ہاتھ کسی انسانی جسم سے ٹکرایا۔اس نے ٹٹول کر دیکھا یہ کسی نوجوان لڑکے کی لاش تھی۔لباس سے ظاہر تھا کہ وہ سرخ پوشوں میں سے نہیں اس کا سر غائب تھا۔شاید اسی وجہ سے سرخ پوشوں نے اسکی لاش لے جانے کی زحمت نہیں کی تھی۔شناخت کے لیے انہوں نے اس کا سر ہی کافی سمجھا تھا۔وہ ایک نوجوان شہید کی لاش تھی۔یکایک اشباح کو محسوس ہونے لگا کہ اس کے جسم سے اٹھتی ہوئی بو اسے بالکل بری نہیں لگ رہی۔بلکہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا تو یہ بو اس کے لیے ہزار خوشبوؤں پر بھاری تھی۔دنیا جہاں کا عود و عنبر،زعفران و مشک گلاب و کافور اس غار میں جمع کر دیے جاتے تو اس لاشے کی مہک اس کے سامنے ہیچ تھا۔اشباح نے جھک کر اس پھولے ہوئے جسم کو بوسہ دیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔

"اے میرے بے کفن شہید! تیری معصوم شہادت گواہ ہے کہ اس ظلمت کدے پر نور کی یلغار تاریکیوں کے لشکر سے روکی نہیں جائے گی۔۔۔۔۔۔"

پھر اس نے بڑی کوشش سے شہید کی لاش کو سیدھا کیا۔دوزانو بیٹھ کر اس کے لیے دعائے خیر کی اور تب چھوٹے بڑے پتھر لا کر اس کے جسم کو ڈھانپنے لگا۔ایسا کرتے ہوئے اس کا اچانک کسی چیز سے ٹکرایا۔اس نے محسوس کیا کہ یہ ایک چرمی تھیلا ہے۔ایسے تھیلوں میں سپاہی اپنی ضروریات کی اشیا رکھ کر پشت پر باندھ لیتے تھے۔ااشباح نے دو تسمے کھول کر وہ تھیلا بہ آہستگی لاش سے جدا کر لیا۔تھیلے میں کچھ چنے اور خشک ستو تھے۔اس کے علاوہ پانی کی ایک بڑی بوتل بھی تھی۔شاید قدرت نے اشباح کے لیے چند روز زندہ رہنے کا سامان پیدا کیا تھا۔اس نے تھیلا ایک طرف رکھ دیا اور دوبارہ اپنے جسم کو گھسیٹ کر لاش پر پتھر جمانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زمین دوز عمارت چھوڑنے کے بعد اپنے تمام خدام،کنیزوں اور چیلوں کو لے کر ایک پہاڑی پر چڑھ آیا۔یہ پہاڑی گھنے درختوں سے گھری ہوئی تھی اور اس میں جگہ جگہ غار اور کھوہ تھے۔چرند پرند اور گیدڑ وغیرہ بھی نظر آتے تھے۔افتیلا جام نے ایک کشادہ غار کو اپنے قیام کے لیے منتخب کیا۔چیلوں نے اسے صاف شفاف کر کے مہان جادوگر کے شایان شان بنا دیا۔ارد گرد کے کچھ غار بھی صاف کر کے رہائش کے قابل بنائے گئے۔افتیلا جام نے وہ ساری رات پہاڑی کے ارد گرد گھومتے گزاری۔وہ کچھ پڑھتا جا رہا تھا اور پہاڑی کے گرد ایک حصار کھینچتا جا رہا تھا۔علی الصبح وہ مطمئن ہو کر غار میں واپس آ گیا۔پھر اس نے تاریک غاروں میں مومی شمعیں روشن کرنے کا حکم دیا۔ہر شمع کے ساتھ ایک چھوٹی سی مورتی بھی رکھی گئی۔مورتی کی سرخ زبان ناف پر لٹک رہی تھی اور کندھے پر شہد کی دو مکھیاں تھیں۔افتیلا جام نے اپنے تمام چیلوں کو ہدایت کی کہ وہ پوری دلجمعی سے پرارتھنا میں مصروف ہو جائیں۔رنگا چماری اور افتیلا جام خود بھی عجیب وغریب عبادتوں

میں مصروف ہو گئے۔ سب سے پہلے چار خوبصورت کنیزوں کو اقتیلا جام کے سامنے لایا گیا۔ اقتیلا جام نے ان کے سروں سے اوڑھنیاں لے لیں اور اپنے ہاتھوں سے ان کے بال کھول دیے۔ پھر چار غلاموں کے ساتھ پہاڑی کے چاروں کونوں میں بھیجا گیا۔ کنیزوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنی عصمت دیوتاؤں کے نام پر قربان کر دیں۔ اس کے بعد ایک نو عمر لڑکے کو ذبح کر کے اس کے خون میں مالائیں ڈبوئیں گئیں اور اقتیلا جام کے چیلے یہ مالائیں لے کر مختلف پتھروں پر بیٹھ کر جاپ کرنے لگے۔

پوجا پاٹھ کا یہ سلسلہ پورے آٹھ پہر جاری رہا۔ کوئی نیا واقعہ رونما نہیں ہوا۔ ہاں اقتیلا جام کے بچے کھچے چیلے دو دو تین تین ٹولیوں کی صورت میں پہاڑی کی طرف آتے رہے اور مختلف غاروں میں ڈیرے جماتے رہے۔ ان چیلوں کی زبانی معلوم ہوا کہ روہل کمار کی لاش جلے ہوئے کھنڈر سے برآمد ہو گئی ہے۔ اس کے تیس ساتھی بھی اسی کھنڈر میں مردہ پائے گئے ہیں۔ آگ میں جھلسنے سے ان سب کی شکلیں بگڑ چکی ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ روہل کمار کو اپنے کیے کی سزا ملی ہے۔ اس نے چونکہ چند روز پہلے ساحر اعظم کی توہین کی تھی۔ اور اس کے محل کی تلاشی بھی لی تھی۔ لہٰذا دیوتاؤں نے اس پر قہر نازل کیا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ خبریں سن کر اقتیلا جام کے عقیدت مند خوش ہو رہے تھے لیکن ان کی یہ خوشی تادیر برقرار نہ رہ سکی۔ شام ہوتے ہی پہاڑی کے نواح میں زبردست شور غل بلند ہوا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں زرد پوش اور سرخ پوش سپاہیوں نے پہاڑی کو گھیر لیا۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے اور بھالے چمک رہے تھے اور ان کے گھوڑے چاق و چوبند نظر آتے تھے۔ ان کی قیادت منوہر چند کر رہا تھا وہ خود بھی سر تا پا لوہے میں غرق تھا۔ اسے دیکھ کر

اقتیلا جام غار سے باہر نکل آیا اور ایک بلند پتھر پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے اور انگلیوں میں مالا گردش کر رہی تھی۔ رائے منوہر چند نے کہا۔

"بدھی وان اقتیلا جام! مجھے لازوال پرماتما کی طرف سے حکم ملا ہے کہ آپ کو ساتھیوں سمیت پرماتما کے حضور پیش کروں۔"

اقتیلا جام نے کہا۔ "میں اس کا کارن جاننا چاہتا ہوں۔"

منوہر چند نے کہا۔ "آپ پر کچھ الزامات ہیں۔ آپ نے ایک ایسی دوشیزہ کو اپنی تحویل میں رکھا ہوا ہے جو پرماتما کی دلہن تھی اور اسکے محل سے فرار ہو گئی تھی۔ وہ ساتویں دلہن اس وقت بھی آپ کے قبضے میں ہے۔ اس کے علاوہ آپ پر الزام ہے کہ آپ نے اپنی شکتی کا غلط استعمال کرتے ہوئے لازوال پرماتما کے کئی جانثاروں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ ان میں پرماتما کا دست راست روہل کمار بھی ہے۔"

اقتیلا جام نے کہا۔ "یہ الزامات بے بنیاد اور غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ میں تمہارے ذریعے یہ بات لازوال پرماتما کی خدمت میں کہنا چاہتا ہوں کہ وہ عرب دوشیزہ ساتویں دلہن بعد میں بنی پہلے وہ میری ضرورت تھی۔ دیوتاؤں نے اسے جنم ہی میرے لیے دیا تھا۔ میں بیس برس سے اس کے لیے پرارتھنا کر رہا تھا۔ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہو گا۔ کہ لازوال پرماتما میرے اور اس دوشیزہ کے ملاپ کے لیے ایک وسیلہ بنے ہیں اور یہ سب کسی انسان کا نہیں دیوتاؤں کا کیا ہوا ہے۔ لہٰذا ہم سب کو یہ آسمانی فیصلہ قبول کر لینا چاہیے۔ اگر تم تاریک جنگل کے صدیوں پرانے امن و سکون کو برباد نہیں کرنا چاہتے تو ہمیں یہ سب کرنا ہی ہو گا۔ جہاں تک روہل کمار اور

اسکے ساتھیوں کی موت کا تعلق ہے انہوں نے خود اپنی موت کو دعوت دی تھی۔انہوں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا تھااور مجھے اپنا بچاؤ کرنا پڑا۔ میں روہل کمار سے بارہا کہہ چکا تھا کہ وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہ کرے لیکن وہ ہر صورت میری جانب سے لازوال پرماتما کو بدگمان کرنا چاہتا تھااور اپنی اس کوشش میں اتنا آگے نکل گیا کہ واپسی کا کوئی راستہ نہ رہا۔ میں لازوال پرماتما کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اس معاملے میں نردوش ہوں۔"

رائے منوہر نے کہا۔"ساحر اعظم! آپ کو ماننا پڑے گا کہ روہل کمار کی موت کوئی معمولی واقعہ نہیں۔اگر آپ اس معاملے میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتے ہیں تو پہلے آپکو لازوال پرماتما کے احکامات کی تعمیل کرکے اپنی اطاعت کا یقین دلانا ہوگا۔"

اقتیلا جام بھڑک کر بولا۔"رائے منوہر مجھے باتوں میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔۔۔۔اس وقت میں یہ پہاڑی نہیں چھوڑ سکتا۔"

یکایک رائے منوہر کا انداز تبدیل ہوگیا۔اس نے جبڑے بھینچ کر اقتیلا جام کے چیلوں کو دیکھا پھر بغیر کچھ کہے سنے واپس چلا گیا۔۔ذرا ہی دیر بعد زرد اور سرخ ٹولے آگے بڑھے اور مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے۔اقتیلا جام خطرہ بھانپ چکا تھا۔اس نے چلا کر اپنے ساتھیوں کو تیاری کا حکم دیا۔وہ بھی تلواریں سونت کر جنگی ترتیب میں آگئے۔اقتیلا جام بھاگتا ہوا غار کے اندر گیا۔تھوڑی دیر بعد وہ باہر آیا۔اس کے جسم پر وہی سیاہ لبادہ نظر آرہا تھا۔ہاتھ میں ایک حنوط شدہ سانپ بھی تھا۔یہ سانپ رنگا چماری والے سانپ سے بھی کچھ بڑا

تھا۔اس سانپ کی اہمیت ہلابہ پر اس وقت واضح ہوئی جب اقتیلا جام کے چیلوں اور رائے منوہر کے سپاہیوں میں زبردست جھڑپ شروع ہوئی۔ تلواروں کی جھنکار،ڈھالوں کی کھڑکھڑاہٹ اور نیزوں کی چمک نے میدان جنگ کا سماں پیدا کردیا۔اقتیلا جام نے سانپ ہلابہ کے گلے میں ڈال دیا اور ایک تلوار اسکے ہاتھ میں تھما دی۔وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر نہایت دلیری سے اقتیلا جام کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوگئی۔اس کا تربیت یافتہ گھوڑا اسکا پورا ساتھ دے رہا تھا۔ہلابہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اسکے مدمقابل سپاہی جونہی اسکے گلے میں آویزاں سانپ کو دیکھتے ، ٹھٹھک جاتے۔ان میں سے کچھ خوفزدہ ہوکر الٹے پاؤں بھاگتے اور کچھ کنی کترا کر نکل جاتے۔ہلابہ اس صورت حال سے پورا فائدہ اٹھا رہی تھی۔دشمن اسکے ارد گرد مولی گاجر کی طرح کٹ رہے تھے۔رنگا چماری ،اقتیلا جام اور اسکے چند پہنچے ہوئے چیلوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ان کے ہاتھوں کی حرکت سے شعلے نکلتے اور سپاہیوں کو گھوڑوں سمیت آگ کا لباس پہنا دیتے۔ جھلسے ہوئے سپاہی اور گھوڑے چاروں طرف بھاگ رہے تھے۔پھر ان پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔اقتیلا کی خون آشام مکھیاں اچانک ایک منظم دستے کی طرح حرکت میں آئیں اور حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑیں۔لمحوں میں سرخ اور زرد پوش سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔یوں بھی وہ ڈھلوان پر تھے۔ایک بار وہ پیچھے ہٹے تو پھر ان کے لیے سنبھلنا مشکل ہوگیا۔وہ گرتے گرتے دوبارہ پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے۔اقتیلا جام کی ہزاروں مکھیاں چکراتی ہوئی آئیں اور دوبارہ اسکے سر پر منڈلانے لگیں۔چاروں طرف سرخ اور زرد پوش سپاہیوں کی لاشیں بکھری تھیں۔کہیں کہیں اقتیلا جام کے چیلے بھی مرے پڑے تھے۔کچھ دیر پہاڑی پر گہرا سکوت طاری رہا پھر رائے منوہر گھوڑا بھگاتا ہوا آگے آیا اور اقتیلا جام سے پکار کر مخاطب ہوا۔

"ساحر اعظم! آپ نے اس لڑائی میں طلسمی قوتوں کے استعمال میں پہل کی ہے اب آپ کو لازوال پرماتما کے رد عمل کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

اقتیلا جام نے کہا۔ "میں نے کبھی لازوال پرماتما کی برابری کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کر سکتا ہوں۔ ہاں میں اصولوں کا آدمی ضرور ہوں اور مجھے وشواس ہے کہ پرماتما کو اصل صورت حال معلوم ہوئی تو مجھے سزا کا مستحق نہیں سمجھیں گے۔ رائے منوہر نے کہا۔ "ساحر اعظم مجھے حیرت ہے کہ آپ ابھی تک خود کو رعایتوں کا مستحق سمجھ رہے ہیں۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ لازوال پرماتما کو صورت حال کا علم نہیں۔"

اقتیلا جام نے کہا۔ "اگر میرا خیال غلط ہے تو پھر میں ہر قسم کے رد عمل کے لیے تیار ہوں۔ اصولوں پر میرے پران بھی جاتے ہیں تو پرواہ نہیں ہے۔"

رائے منوہر نے قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "مجھے افسوس ہے کہ اتنا بڑا اوتار ایک ناری کی خاطر راہ سے بھٹک گیا اور دردناک انجام سے دوچار ہونے والا ہے۔"

اقتیلا جام نے کہا۔ "منوہر چند بہتر ہے کہ تم اب یہاں سے چلے جاؤ۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ تمہیں مار کر بھی میری مشکلات میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔"

منوہر چند نے گھوڑا گھمایا اور ڈھلوان سے اتر کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ذرا سی دیر بعد اس کے مسلح دستے محاصرہ چھوڑ کر واپس جاتے دکھائی دیئے۔

زخمیوں کی مرہم پٹی اور مرنے والوں کو جلانے کے بعد اقتیلا جام نے اپنے چیلوں اور عقیدت مندوں کو اکٹھا کیا۔ ان کی تعداد تین چار سو کے لگ بھگ تھی۔ سب کے لبادے کھلے اور ماتھوں پر قشقے تھے۔ اس نے کہا۔

"میرے سپاہیوں! جیسا کہ تم جان چکے ہو۔ حالات ہمیں لازوال پرماتما کے سامنے لے آئے ہیں، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ لازوال پرماتما کی قوتیں برتر ہیں۔ تاہم کچھ بھی ہے اس صورت حال کا مقابلہ کرنا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اس پہاڑی سے جانا چاہیں، بخوشی جا سکتے ہیں۔ مجھے ان سے ہرگز کوئی شکوہ نہیں ہوگا۔"

حاضرین پر چند لمحے سکوت طاری رہا پھر چند کمزور دل مرد اور دو تین عورتیں اٹھیں انہوں نے اپنی اپنی مجبوریاں بیان کیں اور اقتیلا جام سے جانے کی اجازت لے لی۔ باقی حضرات جم کر بیٹھے رہے۔ ان کے چہروں پر اندیشے تھے لیکن اقتیلا جام سے والہانہ عقیدت کا اظہار بھی ہوتا تھا۔ اقتیلا جام کے حکم پر دس بارہ چیلے استرے لے کر آئے انہوں نے یکے بعد دیگرے تمام حاضرین کے سر مونڈ دیئے۔ صرف اقتیلا جام ، رنگا چماری اور ہلابہ بچے رہے۔ اقتیلا جام کی ہدایت پر رنگا چماری نے سب لوگوں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر اس پہاڑی کے مختلف مقامات پر استھان جمانے کے لیے کہا گیا۔ سب لوگ مخصوص آسن جما کر بیٹھ گئے تو ہر ٹولی کے سامنے اقتیلا جام نے ایک مومی شمع روشن کرائی۔ پھر خود بھی ایک بڑی شمع روشن کر کے بیٹھ گیا۔ اور پوجا پاٹ کا طویل سلسلہ شروع کر دیا۔

ایک بار پھر یہ سلسلہ شروع ہوا تو پورے تین روز جاری رہا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا پہاڑی کے پجاریوں کا جوش و خروش بڑھ رہا تھا۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ پرماتما اپنی تمام تر برتری کے باوجود ابھی تک انہیں نقصان

نہیں پہنچا سکا۔اقتیلا جام کا کھینچا ہوا حصار اور اسکی راہنمائی میں کی جانے والی پوجا پاٹ کار گر ثابت ہو رہی تھی۔ ہلابہ یہ سارے منظر حیرت اور تجسس سے دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے معذور مہندر کمار بھی وہیں موجود تھا اور ہلابہ کی طرح اس پوجا پاٹھ کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ ہر وقت اس کوشش میں رہتا تھا کہ کسی طرح اسے موقع ملے اور وہ ہلابہ سے اپنے عزیزوں اور باہر کی دنیا کے حالات جان سکے مگر اقتیلا جام، ہلابہ کو اکثر اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا تھا۔ صرف ایک دو بار ہلابہ کو چند لمحوں کی تنہائی میسر آئی اور اس نے محتاط لفظوں میں مہندر کو بتا دیا تھا کہ اس کے والدین نیرون میں اپنے ہی ہم وطنوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے۔ ننھے دیپک کی موت کا ذکر وہ گول کر گئی تھی۔ اس نے آشا کا قبول اسلام اور اشباح سے اس کی شادی کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ والدین کی موت کا سن کر مہندر کو بے پناہ دکھ ہوا تھا مگر آسیہ اور اشباح کی شادی کے ذکر نے اس پر حیرانی اور خوشی کی کیفیت طاری کر دی تھی وہ اس بارے میں بھی بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر بات چیت کا موقع نہیں ملا تھا۔

پھر آٹھ روز گزر گئے۔۔۔۔ کوئی اہم واقعہ رونما نہیں ہوا۔ پہاڑی کے پجاری صرف حاجتوں کے لیے اپنی جگہوں سے اٹھتے تھے۔ سردی گرمی کی پرواہ کیے بغیر وہ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہتے تھے۔ آٹھ پہر میں صرف ایک بار مٹی کے پیالوں میں ارہر کی دال کھانے کو ملتی تھی۔

یہ نویں روز کا واقعہ ہے۔ صبح کے وقت ایک نوجوان چیلا روتا بلکتا اقتیلا جام کے پاس آیا اور اس کے پاؤں تھام کر آہ وبکا کرنے لگا۔ اقتیلا جام نے سبب پوچھا تو وہ بولا۔

"مہاراج! میں پاپی ہوں۔ مجھ سے بڑا انیائے ہوا ہے۔ مجھے سزا دیں۔"

اقتیلا جام نے تفصیل پوچھی تو اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! کل رات میں اپنے غار میں تنہا بیٹھا پرارتھنا کر رہا تھا۔ ایسا لگا ایک خوبصورت ناری میرے میرے پاس کھڑی ہے۔ میں نے غور سے دیکھا وہ سچ مچ ایک ناری تھی۔ اتنی سندر کہ کسی پری کا گمان ہوتا تھا۔ اس نے چمکدار لباس پہن رکھا تھا اور گہنوں سے لدی پھندی تھی۔ وہ مسکرائی اور نزاکت سے میرے پاس بیٹھ گئی۔ میرے من نے کہا کہ میری تپسیا بھرشٹ کرنے کے لیے شیطان نے کوئی چال کھیلی ہے۔ میں نے اسے ڈانٹ کر بھگانا چاہا تو وہ مجھ سے لپٹ گئی اور رونے لگی" مجھے ایسی نظروں سے کیوں دیکھتے ہو۔ میں کوئی وہم نہیں جیتی جاگتی عورت ہوں۔ تم نے مجھے اس غار سے نکالا تو میری آبرو اتر جائے گی۔"

میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ منوہر چند کے کچھ شرابی سپاہی اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ ان سے عزت بچا کر یہاں تک پہنچی ہے۔ وہ اب بھی دامن میں اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ اگر وہ واپس گئی تو وہ اسے دبوچ لیں گے۔ میں اس لڑکی کی باتوں میں آ گیا۔ میں نے سوچا چاند نکلتے ہی اسے آپ کے غار میں چھوڑ جاؤں گا۔ وہ مجھ سے چمٹی رہی اور آنسو بہاتی رہی۔ اس کے شریر میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ میرا من پاپی ہو گیا۔ وہ بھی شاید یہی چاہتی تھی۔ اس نے اپنے پلو کی ہوا دے کر شمع بجھا دی پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ ہوش آیا تو میں آپ سب کا ابھاگی چیلا بن چکا تھا۔ مجھے اپنے پہلو میں لیٹی ہوئی اس چڑیل پر سخت غصہ آیا۔ میں غصے میں پاگل ہو کر اس پر

پل پڑا اور گردن دبا کر اسے ہلاک کر دیا۔۔۔۔۔۔اس وقت اس فاحشہ کی لاش میرے غار میں پڑی ہے۔۔۔۔"

پوری بات سننے کے بعد اقتیلا جام اور رنگا چماری اس چیلے کے ساتھ اس غار کی طرف بڑھے۔ ہلابہ بھی ان کے ساتھ ہولی۔ تنگ غار میں ایک سنگلاخ سطح پر ایک لڑکی کی لاش پڑی تھی۔ اس کے برہنہ جسم پر زرق برق لباس یونہی رکھ دیا گیا تھا۔ قیمتی زیورات ادھر ادھر بکھرے تھے۔ اقتیلا جام کے چیلے نے نہ صرف لڑکی کا گلا گھونٹ دیا تھا بلکہ وحشت میں ایک پتھر مار کر اسکا سر بھی کچل دیا تھا۔ خون کی ایک لمبی لکیر دور تک چلی گئی تھی۔ لاش دیکھ کر اقتیلا جام کچھ دیر بڑبڑاتا رہا۔ چیلا مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔ ہلابہ نے دیکھا اقتیلا جام کی آنکھوں میں بتدریج سرخی اتر رہی تھی۔ اس نے چیلے کو حکم دیا کہ وہ اپنے گلے سے مالائیں اتار کر رکھ دے اور مردہ لڑکی کے پہلو میں لیٹ جائے۔ یہ حکم سنتے ہی چیلے کا رنگ سرسوں کی طرح زرد ہو گیا۔ اس نے فریادی نگاہوں سے اقتیلا جام کی طرف دیکھا لیکن پھر گبھرا کر فورا گردن جھکالی۔ مالائیں اتار کر وہ لرزتی ٹانگوں سے لاش کے پہلو میں لیٹ گیا۔ دونوں ہاتھ "پرنام" کے انداز میں جوڑ لیے اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا جسم جیسے لرزے کے بخار میں کانپ رہا تھا۔ اقتیلا جام نے مومی شمع اور سرخ زبان والی مورتی بھی غار سے اٹھوالی۔ پھر اپنی گھمبیر آواز میں چیلے کے حق میں کوئی طویل پرارتھنا کی۔ پرارتھنا ختم ہوئی تو سب حاضرین دم بخود رہ گئے۔۔۔۔۔ ان کی نگاہیں بتا رہیں تھیں کہ کوئی سنگین واقعہ رونما ہونے والا ہے۔ اقتیلا جام نے اپنی مہلک انگلیوں کو مخصوص انداز میں حرکت دی۔ چیلے کے منہ سے دبی دبی چیخ نکلی۔ پھر

ایک دھماکے کے ساتھ وہ نیلگوں شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ مردہ لڑکی کا جسم بھی دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ ہلابہ یہ سب کچھ دیکھنے سے پہلے ہی غار سے نکل چکی تھی۔ کچھ دیر بعد اقتیلا جام بھی باہر آگیا۔

اس نے رنگا چماری سے پوچھا "مرنے والے کے ذمے کیا کام تھا؟"

رنگا چماری نے آہستگی سے کچھ بتایا۔

اقتیلا جام نے ایک دوسرے چیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رنگا چماری کو کچھ ہدایات دیں اور ہلابہ کے ساتھ اپنے غار میں واپس آگیا۔ ہلابہ مڑ مڑ کر دیکھتی آرہی تھی۔ تنگ غار کے اندر سے دھوئیں کے مرغولے نکل رہے تھے۔

بڑے غار میں کھانا جاچکا تھا۔ مٹی کے پیالوں میں وہی ارہر کی دال تھی۔ جو وہ آٹھ پہر بعد کھاتے تھے۔۔ رنگا چماری اور دوسرے خاص چیلے پتھریلے دستر خوان پر آلتی پالتی کے آسن میں بیٹھ گئے۔ ہلابہ اور اقتیلا جام نے بھی اپنی اپنی جگہ سنبھال لی۔ مگر اس سے پہلے کہ کھانا شروع کیا جاتا اقتیلا جام کی نگاہ طلوع ہوتے سورج کی طرف اٹھ گئی۔ وہ چونک کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

اس نے ہلابہ کو بھی اٹھنے کا حکم دیا۔ اسے ساتھ لے کر وہ غار کے عقبی حصے میں آگیا اور ایک پردہ سا کھینچ کر تخلیہ کر لیا۔

بولا! "اے لڑکی میرے خیال سے یہ شبھ گھڑی ہے۔ میں کئی دنوں سے اس گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ شاید آج میری کہی بات تیری سمجھ میں آجائے۔ کیونکہ تیرے اور میرے ستارے آج ایک ہی برج میں ہیں۔"

ہلابہ نے کہا ساحر اعظم! میں مسلمان ہوں اور میرے لیے ہر گھڑی برابر ہے اور آپ جان جائیں کہ میرا جواب آج بھی وہی ہو گا جو اس سے پہلے میں کئی بار دے چکی ہوں۔ میں اپنی منشا سے آپکی طلسم گری میں شامل نہیں ہو سکتی۔ شادی کا تصور میری زندگی سے نکل چکا ہے اور کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔"

اقتیلا جام نے کہا۔ "لڑکی تو اپنی پہلی زندگی کو بھول کیوں نہیں جاتی۔ تجھے مان لینا چاہیے کہ تو جیون بھر اس نگری سے باہر نہیں جا سکے گی۔ جب تجھے اس نگری میں رہنا ہے تو تجھے اس نگری میں رہنے کا سامان بھی کرنا ہو گا۔ پرماتما کی برتر قوتوں سے تجھے میں اور صرف میں ہی بچا سکتا ہوں۔ اور مجھے خود بھی قوت کی ضرورت ہے۔ یہ قوت مجھے تو فراہم کر سکتی ہے۔ ایک خوش شکل بچے کی صورت میں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ تجھے یہ بات سمجھنی چاہیے۔ اگر نہیں سمجھے گی تو ہم دونوں کا انجام خوفناک ہو گا۔"

اقتیلا جام کی باتوں نے ہلابہ کا چہرہ شرم سے سرخ کر دیا۔ تاہم وہ سنبھل کر بولی۔

"مجھے کسی خوفناک انجام سے ڈرانے کی کوشش نہ کریں۔ بہت دیر ہوئی میں نے انجام سے ڈرنا چھوڑ دیا ہے۔"

اقتیلا جام بہت دیر ہلابہ کو سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر غصے میں پاؤں پٹختا ہوا غار کے اگلے حصے میں واپس آگیا۔ دوسرے لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ اقتیلا جام اور ہلابہ کے پہنچتے ہی رنگا چماری نے ان کے سامنے بھی دال کے پیالے رکھ دیے۔ وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے گھونٹ گھونٹ شوربہ پینے لگے۔ کبھی کبھی ہلابہ کن اکھیوں سے اقتیلا جام کا غصیلا چہرا دیکھ لیتی تھی۔ پیالے خالی کر کے انہوں نے نیچے

رکھ دیے۔ ایک چیلا پانی کے کٹورے لیے مؤدبانہ اندر داخل ہوا جو نہی وہ کٹورے رکھ کر سیدھا ہوا۔ ایک ناقابل یقین واقع رونما ہوا۔ چیلے کے منہ سے ہنسی کی دبی دبی آواز نکلی۔ اس نے ہاتھوں سے منہ کو ڈھانپا۔ پھر یکایک اس کے حلق سے ہنسی کا فوارہ ابل پڑا۔ وہ ایک نہایت بلند اور فلک شگاف قہقہہ تھا وہ ایک قہقہہ بھی نہیں تھا قہقہوں کا سلسلہ تھا۔ مہان جادو گر کے سامنے یہ بد تمیزی عجیب و غریب تھی۔ اقتیلا جام خود بھی حیران ہو رہا تھا۔ چیلے کی آنکھوں میں دیوانگی ناچ رہی تھی۔ اور وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ قہقہے سن کر دو اور چیلے بھاگتے ہوئے اندر آئے۔ انہوں نے جنونی چیلے کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر یکایک خود بھی ہنسنے لگے۔ اس وقت ہلابہ کو غار کے باہر سے قہقہوں کی صدا آئی۔ وہ بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔ اس نے ایک حیران کن منظر دیکھا۔ اقتیلا جام کے چیلے عقیدت مند مختلف جگہوں پر بیٹھے اور کھڑے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ یوں لگتا تھا ان سب پر کوئی دورہ پڑ گیا ہے۔ ہر لحظہ ان کے چہرے سرخ تر اور آوازیں تیز تر ہو رہی تھیں۔ ہلابہ کی آنکھیں دہشت سے پھٹیں رہ گئیں۔ ہر طرف ایک قیامت برپا ہو چکی تھی۔ چیلے پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہے تھے۔ اور ان کی آوازیں چیخوں کی صورت نکل رہی تھیں۔ اس وقت ہلابہ کو اقتیلا جام نظر آیا۔ وہ بھاگتا ہوا غار سے نکلا تھا اور اب ہراساں نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چیلوں کی دیوانگی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ انہوں نے ہنستے ہنستے کپڑے پھاڑ لیے اور رقص دیوانگی شروع کر دیا۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ ان میں سے کچھ مادر زاد ننگے ہو چکے تھے۔ اور کچھ ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر ہلابہ کو ایک خوفناک چیخ سنائی دی۔ اس نے دیکھا ایک تنومند چیلے نے ایک اونچی چٹان پر چڑھ کر کھائی میں چھلانگ لگا دی تھی۔

اقتیلا جام چیخا۔ "ان کورو کو۔۔۔۔۔۔۔ان کورو کو۔"

ہلابہ نے دیکھا دو اور چیلے بھاگتے ہوئے اس چٹان پر چڑھ رہے تھے۔ان کے قہقہے اپنی انتہا پر پہنچ چکے تھے۔اقتیلا جام کا حکم ماننے والا کوئی نہ تھا۔ لہٰذا وہ خود ہی اپنے شاگردوں کی طرف لپکا اور انہیں اپنے بازوؤں میں جکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر ان میں تو جیسے کوئی حیوانی طاقت عود کر آئی تھی۔انہوں نے اپنے استاد محترم کو جھٹکے پر جھٹکے دیے اور تڑپ مچل کر آزاد ہو گئے۔ پھر اقتیلا جام اور ہلابہ نے بے بسی سے دیکھا کہ ان دونوں نے بھی ہند چٹان سے چھلانگ لگا دی اور پلک جھپکتے ہی راہی عدم ہوئے۔اب ہلابہ کو چیخوں پر چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔اس نے یہ دہشتناک منظر دیکھا کہ اقتیلا جام کے چیلے ہنستے چیختے مختلف جگہوں سے نیچے کود رہے ہیں اور سنگلاخ پتھروں سے ٹکرا کر جان دے رہے ہیں۔ہر طرف موت کا راج تھا۔کوئی آسیبی قوت اپنے سفاک ہاتھ سے قتل عام کر رہی تھی۔ قہقہے چیخیں اور موت۔اس کے علاوہ کچھ سنائی اور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔اپنے عقیدت مندوں کا المناک انجام دیکھ کر اقتیلا جام اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور چہرا خاک میں رگڑنے لگا۔اس نے انگلیاں کانوں میں ٹھونس رکھیں تھیں۔دفعتاً ہلابہ کو رنگا چماری نظر آئی۔اس کے ہاتھوں میں ہڈیوں کی مالا تھی اور وہ تیز تیز جاپ کرتی ایک طرف بھاگی جا رہی تھی۔اس کا چہرا ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔

"رنگا۔۔۔۔۔۔رنگا!" ہلابہ کربناک آواز میں پکاری۔رنگا چماری نے اس پر ایک خوفزدہ نظر ڈالنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ہلابہ کی آواز سن کر اقتیلا جام نے بھی خاک سے چہرہ اٹھایا اور رنگا چماری کو دیکھ کر آوازیں دینے لگا۔دونوں رنگا چماری کے پیچھے لپکے۔رنگا چماری کی بوڑھی ٹانگوں میں ناجانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی

تھی۔وہ نوجوان عورت کی طرح بھاگی جا رہی تھی۔ہلابہ اور اقتیلا جام کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک بلند درخت پر چڑھ گئی اور پھر اسکی سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھی۔مالا بدستور اس کے ہاتھ میں تھی اور چھوٹی چھوٹ ہڈیاں تیزی سے گردش کر رہی تھیں۔

"رنگا۔۔۔۔۔۔رنگا۔۔۔۔۔۔نیچے اتر آؤ۔" ہلابہ اسے بار بار صدائیں دے رہی تھی۔رنگا یکسر خاموش تھی۔صرف اسکے ہونٹ حرکت میں تھے۔یکایک نامعلوم اسے کیا ہوا کہ اس نے مالا توڑ کر پھینک دی۔۔۔پہلے دبی دبی ہنسی ہنستی رہی پھر دیوانہ وار قہقہے لگانے لگی۔اس کی ہنسی دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی۔یوں لگتا تھا کہ کوئی طاقت اسے چھلانگ لگانے پہ مجبور کر رہی ہے اور وہ جان بچانے کے لیے شاخ سے چمٹی ہوئی ہے۔یہ درخت ایک گہرے کھڈ کے کنارے پر تھا اور رنگا چماری شاخ سے گر کر موت کی گہرائی میں پہنچ سکتی تھی۔۔۔۔۔اور پھر یہی ہوا۔اس نے کھل کر قہقہہ لگایا۔۔۔۔۔۔۔تڑپی مچلی اور چلا کر درخت سے کود گئی۔ہلابہ کے سامنے اسکا جسم سینکڑوں گز نیچے ایک نوکیلی چٹان پر گرا اور سرخ چیتھڑوں میں تبدیل ہو گیا۔

"رنگا۔۔۔رنگا۔" اقتیلا جام دیوانوں کی طرح دھاڑا۔اس کی خوفناک آنکھوں میں غضب کے آنسو چمک رہے تھے۔ہراساں نظروں سے اس نے ہلابہ کو دیکھا۔پھر ایک نگاہ پہاڑی پر رقصاں موت پر ڈالی اور ہلابہ کا ہاتھ پکڑ کر بھاگ نکلا۔ہلابہ کو مہندر کی تلاش تھی۔اس کی نگاہیں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں اور وہ بھاگتی ہوئی "مہندر۔۔۔۔۔۔مہندر" پکار رہی تھی۔لاشیں اور گوشت کے لوتھڑے پھلانگتے ہوئے وہ اندھا دھند ایک جانب۔۔۔۔۔لپکتے چلے گئے۔ایک جگہ اقتیلا جام کو نہ جانے کیا نظر آیا اس نے ٹھٹک کر رخ پھیر

لیا۔۔۔۔اقتیلا جام کی مکھیاں اس کے سر پر محوِ پرواز تھیں۔ پہاڑی سے اتر کر وہ گھنے درختوں میں پہنچے۔ پھر ایک مقام پر اقتیلا جام رک گیا۔ خدا جانے اسے کیا سوجھی کہ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی انگلیاں حلق میں ڈالیں اور قے کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے ہلابہ کو بھی ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ دونوں انگلیاں حلق میں گھسیڑ گھسیڑ کر قے کرنے لگے۔۔۔۔۔۔ معدہ کچھ ہلکا ہوا تو اقتیلا جام اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہلابہ کو لے کر اس نے ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اقتیلا جام اور ہلابہ بھاگ رہے تھے۔۔۔۔اور ہانپ رہے تھے۔ ان کے چاروں طرف بانس کے گھنے درخت اور اونچی نیچی گھاٹیاں تھیں۔ آخر وہ ایک سنسان غار کے سامنے پہنچ گئے۔ ہلابہ اس غار کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے وہ اقتیلا جام کے محل سے فرار ہو کر نکلی تھی۔ اور بعد میں خونخوار بندروں نے اس کا گھیراؤ کیا تھا۔ اقتیلا جام اسکا ہاتھ پکڑ کر اندھادھند اندر گھس گیا۔ جھاڑ جھنکار اور مکڑیوں کے جالے ہٹاتے ہوئے وہ اس سرنگ کے دھانے پر پہنچ گئے جس کا دوسرا سرا اقتیلا جام کے تہہ خانے میں کھلتا تھا۔ اقتیلا جام ہلابہ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ اور تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ ہلابہ حیران ہو رہی تھی کہ وہ واپس اپنے محل کی طرف کیوں جا رہا ہے۔ اگر اس کا خفیہ ٹھکانہ پرماتما کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکا تو وہ محل میں کہاں چھپ سکتے تھے۔ اس نے جب یہی سوال اقتیلا جام سے کیا تو اس نے جھڑک کر اسے خاموش کرا دیا۔

جلد ہی ہلابہ کو اصل صورتحال کا علم ہو گیا۔ اقتیلا جام محل کی طرف نہیں کسی اور طرف جا رہا تھا۔ درحقیقت وہ اپنے قدموں کی گنتی کر رہا تھا جونہی مطلوبہ گنتی پوری ہوئی وہ رک گیا۔ اس نے گہری تاریکی میں ہاتھوں سے ٹٹول کر ایک بغلی راستہ دریافت کیا اور ہلابہ کے ساتھ اس میں گھس گیا۔ یہ بھی ایک سرنگ تھی مگر پہلی کے مقابلے میں زیادہ تنگ اور دشوار گزار تھی۔ ایک دو جگہوں پر ان دونوں کو گھٹنوں کے بل چلنا پڑا۔ یہاں آ کر وہ ایک کشادہ جگہ پر پہنچ گئے۔ یہاں ہلابہ کو ایک بلند و بالا قدیم دروازہ نظر آیا۔ مکڑی کے جالوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس راستے کو کبھی کبھار ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اقتیلا جام کی مکھیاں اب بھی بھنبھناتی ہوئی سرنگ سے نکل آئی تھیں۔ اور اس کے سر پر چکرا رہی تھیں۔ اقتیلا جام نے اپنے بھدے ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔

"کون؟" دوسری طرف سے ایک سال خوردہ زنانہ آواز آئی۔

"اقتیلا جام۔" مہان جادوگر نے اپنا تعارف کروایا۔

چند آہٹیں ہوئیں۔ پھر دروازہ چرچراتا ہوا کھلا اور ایک بوڑھی عورت اقتیلا جام کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گئی۔ ہلابہ دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ دروازہ کھلتے ہی ایک جنت نظیر حصہ اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ ایک تاریک سرنگ کو پار کر کے وہ ایسی خوشنما جگہ پر وارد ہو سکتی ہے۔ شائد وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی بہت بڑے اور اونچے گنبد کے اندر کھڑی تھی۔ اس گنبد میں پتھر اور چونے کا بنا ہوا ایک خوبصورت محل تھا۔ محل پر نیلا رنگ کیا گیا تھا۔ اور

اسکے سامنے شفاف پانی کی چھوٹی سی نہر بہہ رہی نہر کے کنارے خوشنما پودے اور پیڑ نظر آ رہے تھے۔ رنگ برنگے پھولوں کے تختے نہایت خوبصورت لگتے تھے۔ ہلابہ حیران ہو رہی تھی کہ اس گنبد میں کہیں سے دھوپ اور ہوا نہیں آ رہی پھر یہ پھول پودے کیسے لہلہا رہے ہیں۔ اس نے دیکھا کے نہر کے بیچوں بیچ ایک آراستہ بجرہ تیر رہا ہے اس بجرے پر ایک خوبصورت زرنگا جھونپری بنی ہوئی تھی۔ جھونپڑی کے دروازوں پر رنگین پردے لہرا رہے تھے۔ چھدری داڑھی والا ایک دبلا پتلا شخص جس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی جھونپری کے سامنے ایک تخت پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے گرد نیم عریاں لباس والی دوشیزاؤں کا جھمگٹا تھا۔ یہ منظر کچھ ایسا حیاسوز تھا کہ ہلابہ کی نگاہیں خود بخود جھک گئیں۔ اقتیلا جام ہلابہ کو لے کر آگے برھا۔ بجرے پر بیٹھا ہوا شخص جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے ملاحوں کو ہدایت کی کہ بجرے کو فوراً کنارے پر لے آئیں۔

"آؤ اقتیلا جام!" دبلا پتلا شخص دور ہی سے پکارا۔ "زہے نصیب، 'خوش آمدید۔" اس کا لب ولہجہ عربی تھا اور انداز میں اقتیلا جام کے لیے بے تکلفی تھی۔ اقتیلا جام اور ہلابہ قدم بڑھا کر نجرے کے اوپر آ گئے۔ دبلے پتلے شخص نے پہلے ہندوؤں کے انداز میں نمستے کیا پھر گرمجوشی سے مصافحہ کر کے ہلابہ کو دیکھنے لگا۔ وہ خوش شکل تھا لیکن اس کی آنکھیں بہت بڑی بڑی اور کسی حد تک خوفناک تھیں۔

اقتیلا جام نے سنجیدگی سے کہا۔ "الجواہری! تم یہاں رنگ رلیاں منا رہے ہو اور باہر حشر برپا ہو گیا ہے۔"

"کیا ہوا؟" دبلے پتلے شخص نے حیرت سے پوچھا۔

"سب کچھ برباد ہو گیا ہے۔ روہل کمار مر گیا ہے، رنگا چماری مر گئی ہے۔ میرے سینکڑوں آدمی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے۔"

الجواہری کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے۔ اس نے کہا۔

"تو اس کا مطلب ہے پرماتما۔۔۔۔۔؟"

"ہاں۔" اقتیلا جام نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

الجوہری کے چہرے پر تاریک سائے لہرا گئے۔ اس نے کہا۔ "اب کیا ہو گا؟"

اقتیلا جام کی پر غصب نگاہیں کہیں دور سنگلاخ گنبد کی چھت سے آگے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے کہا۔ "بہت کچھ ہو گا۔ یہ تو اب کھلی جنگ ہے۔ اس جنگ میں کسی ایک کو مرنا ہے۔ پرماتما کو یا مجھے۔"

اقتیلا جام کی بات سن کر الجواہری لرز گیا۔ "کیا کہہ رہے ہو اقتیلا جام؟ کیا پرماتما سے براہ راست ٹکر لو گے؟"

ٹکراؤ ہو چکا ہے الجوہری!" اقتیلا جام خوفناک انداز میں بولا۔ "اب تو صرف انجام باقی ہے۔"

الجوہری نے پریشان ہو کر بجرے کے سازندوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ خوبصورت لڑکیاں بھی اس کے اشارے پر پس منظر میں چلی گئیں۔ اقتیلا جام اور الجواہری زرنگار جھونپڑی کی طرف بڑھے۔ ہلابہ کو باہر ہی رکنے کا اشارہ کیا گیا۔ اس جھونپڑی میں اقتیلا جام اور الجواہری کے مابین دیر تک گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔ گاہے گاہے ایک حسین لڑکی انہیں شراب پلاتی رہی۔ اس دوران اقتیلا جام کے حکم پر ملاحوں نے چپو چلانے شروع

کر دیے۔اور بجرے کو کھیتے ہوئے کسی نامعلوم مقام کی طرف لے چلے۔ ہلابہ دو کنیزوں کے ساتھ ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھی۔کچھ پوچھنے اور بتانے کا چارہ نہیں تھا۔بجرہ تھوڑی دیر چلنے کے بعد کنارے پر رک گیا۔یہ جگہ گنبد کے اندر ہی تھی۔اب گنبد کی ساخت دیکھ کر ہلابہ کو اندازہ ہوا کہ یہ کوئی پہاڑ ہے جو اندر سے کھوکھلا تھا یا کیا گیا تھا۔یہ نہر اس کھوکھلے پہاڑ کے اندر بہتے نہ جانے کہاں نکل جاتی تھی۔ایک بات کا اسے اور پتہ چلا اس گنبد کے اندر نظر آنے والے تمام پھول پتے مصنوعی تھے۔انہیں کسی چمڑا نما شے سے کاٹ کر اتنی خوبصورتی سے رنگا گیا تھا کہ ہاتھ سے چھونے تک اصل کا گمان باقی رہتا تھا۔بجرا کنارے پر رکا تو ہلابہ کو عجیب سی بو نتھنوں میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی۔پھر اسکی نگاہ نہر سے چند گز دور ایک گڑھے پر پڑی۔گڑھے کے کنارے دو نہایت کریہہ صورت غلام پہرہ دینے والے انداز میں کھڑے تھے۔ان کی صورتیں دیکھ کر ہلابہ نے اندازہ لگایا کہ وہ کچھ دیر پہلے سو یا اونگھ رہے تھے۔بجرے کی آمد پر انہیں گڑبڑا کر جاگنا پڑا۔گڑھے کے اندر پانی تھا۔جس میں جانوروں کا گوبر پیشاب انسانی فضلہ اور ہڈیاں وغیرہ تیر رہی تھیں۔ناقابل برداشت بو اس گڑھے سے اٹھ رہی تھی۔اقتیلا جام نے بجرے سے اتر کر ہلابہ کو الوداعی نظروں سے دیکھا اور تیز قدموں سے گڑھے کی طرف بڑھ گیا۔چند ہی لمحے بعد وہ اپنا لبادہ اتار کر گڑھے میں اترنے کی تیاری کر رہا تھا۔اس سے پہلے کے وہ گڑھے میں اترتا بجرہ واپس روانہ ہو چکا تھا۔ہلابہ کے ذہن میں اندیشے سر اٹھانے لگے۔اس نے الجواہری سے پوچھا۔"کیا مہاراج یہیں رہیں گے ؟"

الجواہری نے شستہ عربی میں جواب دیا۔"ہاں۔انہیں یہاں کچھ دیر کے لیے یہاں جاپ کرنا ہے۔پھر وہ یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"کہاں ؟"

"اس کا علم صرف مہاراج کو ہے۔تم اب کچھ دنوں کے لیے میرے پاس مہمان بن کر رہو گی۔"

ہلابہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔اس نے کہا۔"اگر میں آپ کو میزبانی کی تکلیف نہ دینا چاہوں تو ؟"

الجواہری نے تنقیدی نگاہوں سے اس کا سراپا دیکھ کر کہا۔"تو پھر مجھے بہت تکلیف ہو گی۔کیونکہ میں تم پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا حالانکہ مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تم ایک دفعہ اقتیلا جام کو دھوکا دینے کی کوشش کر چکی ہو۔اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ ساری آفتیں تمہاری ہی لائی ہوئی ہیں۔اگر تم نہ ہوتیں تو شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا جو اس نگری میں ہو رہا ہے اور ہونے والا ہے۔"

ہلابہ نے زچ ہو کر کہا۔"تم کہنا کیا چاہتے ہو ؟"

الجوہری نے کہا۔"یہی کہ اب تم الجواہری کے پاس اقتیلا جام کی امانت ہو۔میں اس امانت میں خیانت نہیں کروں گا۔اور نہ تم مجھے کسی مشکل میں ڈالو گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند دنوں میں اس نامعلوم مقام کے بارے میں ہلابہ پر کئی راز کھلے۔یہ پہاڑی قدرتی طور پر اندر سے کھلی تھی یہاں پر کھانے پینے کی اشیا باہر سے آتی تھیں اور حیرت کی بات تھی کہ انہیں کوئی انسان نہیں لاتا تھا۔یہ اشیا اس نہر کے ذریعے آتی تھیں جو پہاڑی بھول بھلیوں سے گزرتی ہوئی اس مقام تک پہنچتی تھی۔ہر روز ایک

مقررہ وقت پر مخصوص سینگوں والے ایک یادو پہاڑی بکروں لاشیں تیرتی ہوئی نہر میں پہنچتی تھیں۔انہیں جال لگاکر پکڑ لیا جاتا تھا۔کھالوں کو کھولا جاتا تو ان کے اندر سے اشیائے خورد و نوش نکل آتی تھیں۔اس کے علاوہ ہلابہ کو معلوم ہوا کہ الجواہری کا پورا نام حکیم عطار دالجواہری ہے۔اس نے محل کے اندر اپنا ایک بہت بڑا دواخانہ بنا رکھا ہے۔اس دواخانے میں صرف خاص خاص خادموں کو جانے کی اجازت تھی۔ حکیم عطار دالجواہری اقتیلا جام کی دریافت تھی۔کئی برس پہلے اس نے اسے کہیں سے لاکر اسے یہاں آباد کیا تھا۔وہ اس پر بے حد مہربان رہتا تھا اس ویرانے مقام پر بھی اس نے عطار دالجواہری کے لیے عیش و عشرت کا ہر سامان جمع کرر کھا تھا۔قیمتی ترین شرابیں لذیذ ترین کھانے اور حسین عورتیں۔۔۔۔۔۔۔ہر چیز الجواہری کو یہاں مل رہی تجی۔اسے باہر کی دنیا میں جاکر کرنا بھی کیا تھا۔

ہر روز کم از کم ایک بار عطار دالجواہری ،ہلابہ سے ضرور ملتا تھا۔اس کا حال احوال دریافت کرتا اور ضروریات کے بارے میں پوچھتا۔ہلابہ کے لیے محل کا ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا تھا اور دو خادماؤں کے علاوہ دو مسلح محافظ بھی اس کی نگرانی پر موجود رہتے تھے۔الجواہری جب بھی آتا، ہلابہ اس سے اقتیلا جام کے بارے میں پوچھتی۔الجواہری نے اسے بتایا تھا کی تاریک جنگل کے طول و عرض پر پرماتما اور اقتیلا جام کے درمیان ایک سنگین آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔دونوں اپنی اپنی طاقت کے ذریعے ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔اور اس سلسلے میں کئی انسانی جانیں بھی ضائع ہو چکی ہیں۔ہلابہ اس جنگ کا انجام پوچھتی تو الجواہری خاموش سا ہو جاتا۔شاید وہ انجام کے بارے میں زیادہ پر امید نہیں تھا۔اب ہلابہ کو یہ سمجھ آرہی تھی کہ اقتیلا جام اسے یہاں کیوں چھوڑ کر گیا ہے۔غالباً وہ پرماتما کے ساتھ اپنی لڑائی میں اسے خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا

تھا۔اگر اسے کچھ ہو جاتا یا اس کے طلسمی عمل میں کوئی خلل آتا تو اسکی بیس سال کی پوجا بھی رائیگاں جاتی اور وہ اپنی شکتیوں کو دوام دینے کا خواب کبھی پورا نہ کر سکتا ہلابہ کو اس جادو نگری کی کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ہر روز ایک نیا منظر اس کی آنکھ کا امتحان لیتا تھا اور ہر رات ایک نیا معمہ اس کی عقل کو الجھانے لگتا۔پہاڑی پر اور پہاڑی پر پہنچنے سے پہلے جو کچھ پیش آیا تھا وہ ایک باشعور شخص کی عقل خبط کرنے کے لیے کافی تھا۔وہ ان واقعات کا سبب جاننا چاہتی تھی۔ایک دن اس نے عطار دالجواہری سے پوچھ ہی لیا۔اس نے کہا۔

"آپ عرب ہیں؟'الجواہری نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ اس کا تعلق سکندریہ سے ہے۔

ہلابہ نے پوچھا۔"مسلمان ہیں؟"

الجواہری نے کہا۔"میرا مذہب صرف "خوشی" ہے لیکن اگر تم حسب نسب کے حوالے سے پوچھ رہی ہو تو میرا تعلق ایک مسلمان خاندان سے ہے۔"

ہلابہ نے کہا۔"میں ہم قوم اور ہم زبان ہونے کے ناطے ایک سوال آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔امید ہے آپ درست جواب دیں گے۔"

"پوچھو پوچھو۔"الجواہری نے نشے میں ہاتھ ہلا کر فراخدلی سے کہا۔

ہلابہ نے کہا۔"مجھے بتائیں کہ یہ سب کیا ہے۔کیا واقعی اقتیلا جام ایک جادوگر ہے۔اور مافوق الفطرت کام انجام دینے پر قدرت رکھتا ہے۔کیا اس تاریک جنگل میں جو کچھ ہو رہا ہے۔اس کے پیچھے طلسمی قوتیں ہیں؟آخر یہ سارا کارخانہ کیسے چل رہا ہے؟"

الجواہری نے اپنی مخمور آنکھوں سے اسے دیکھا پھر گہری سانس بھر کر بولا۔ "ہلابہ بنت شرجیل، اس سوال کا جواب اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ ایسے معموں کے حل کے لیے بہت گہرائی میں اترنا پڑتا ہے۔ بہت گہرائی میں۔ یہاں تاریک جنگل میں بہت کچھ کام کر رہا ہے۔ فریب نظری، شعبدہ بازی، جادوگری، روحانی طاقت اور عیاری کی طاقت۔ تم جس خاص واقعے کے بارے میں الجھن کا شکار ہو مجھے بتاؤ شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔"

ہلابہ نے کہا۔ "یہی پہاڑی والے واقعات لے لیں۔ ایک قیامت تھی جو چند لمحوں کے اندر ہم سب پر گزر گئی۔ آخر یہ سب کیسے ہوا؟ کیونکر ہوا؟"

الجواہری عجیب انداز میں مسکرایا۔ پھر بھید بھری آواز میں بولا۔ "وہ پرماتما کا ایک بہت بڑا فریب تھا۔ تم اسے کیمیا گری کا فریب بھی کہہ سکتی ہو۔"

"کیمیا گری کا فریب؟" ہلابہ نے حیرت سے دوہرایا۔

"ہاں۔" الجوہری نے کہ۔ "جہاں تک میں اقتیلا جام کی باتوں سے سمجھ سکا ہوں تم سب کو کھانے میں ایک خاص قسم کی دوا دی گئی تھی۔"

ہلابہ کو یاد آگیا کہ اقتیلا جام نے پہاڑی سے اترتے ہی حلق میں انگلیاں ڈال کر سب کچھ الٹ دیا تھا اور اسے بھی ایسا ہی کرنے کو کہا تھا۔

الجواہری نے کہا۔ "تمہیں یاد ہوگا کہ اس واقعے سے کچھ دیر پہلے اقتیلا جام کے ایک چیلے نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔ دراصل یہ سارا چکر اس غلطی کی وجہ سے چلا۔ وہ حسین لڑکی جس نے غار میں جا کر چیلے کو گناہ پر آمادہ کیا پرماتما کی بھیجی ہوئی تھی۔ اس کے پاس ایک خاص قسم کا نہایت زوداثر سفوف تھا۔ یہ سفوف ایک نایاب بوٹی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ بوٹی فشار خون کا سبب بنتی ہے اور دماغ میں انتشار پیدا کر کے اپنے شکار کو جان کے لالے ڈال دیتی ہے۔ بہت کم لوگ اس بوٹی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ خاص حکمت کی باتیں ہیں شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئیں۔ میں تمہیں اس لڑکی کے بارے میں بتاتا ہوں جس نے چیلے کو جال میں پھنسایا تھا۔ دراصل پہاڑی پر تقسیم ہونے والا تمام کھانا وہی چیلا پکاتا تھا۔ لڑکی نے چیلے کو مدہوش کرنے کے بعد کھانے کے برتنوں میں سفوف ملا دیا۔ بعد میں وہ کھانا سب نے کھایا اور تھوڑی ہی دیر میں شدید پاگل پن کا شکار ہو گئے۔۔۔۔۔۔خوش قسمتی سے تم نے اور اقتیلا جام نے کھانا ذرا دیر بعد کھایا اور حادثہ ہونے کے بعد اقتیلا جام نے عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا اور تمہارا معدہ صاف کر دیا۔ شاید تم نے محسوس کیا ہو، پہاڑی سے اتر کر بھاگتے ہوئے ایک مقام پر اقتیلا جام نے اچانک اپنا راستہ بدل لیا تھا۔ دراصل اسے منوہر چند کے مسلح آدمی دکھائی دیے تھے۔ یہ لوگ بچے کھچے چیلوں کو صفایا کرنے آئے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا مقصد تمہیں اور اقتیلا جام کو زندہ گرفتار کرنا ہو۔"

ہلابہ حیرت میں گم تھی۔ اس نے پوچھا۔ "آپ بھی تو حکیم ہیں۔ کیا آپ نے وہ بوٹی کبھی دیکھی ہے۔ جو اچھے بھلے انسان کو قہقہے لگانے پر مجبور کر دے۔"

الجواہری نے کہا۔ "مجھے فخر ہے کہ میں نے دمشق میں اپنے استاد محترم کے ہاں اس بوٹی کے اثرات کا مطالعہ کیا ہے۔" وہ کچھ دیر چپ رہا پھر بولا۔ "بہر حال ایک بات میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں۔ ضروری نہیں کہ یہ سب کچھ ویسا ہی ہو جیسا میں نے کہا ہے۔ ایک بہت بڑا حکیم ہونے کے باوجود میں اس بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ بلکہ ساحر اعظم اقتیلا جام بھی اس بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکے گا۔ عین ممکن ہے کہ یہ سب ہمارے قیافے ہوں اور پہاڑی پر ہونے والے واقعے کی وجہ کچھ اور ہی ہو۔"

ہلابہ نے سراسیمہ نظروں سے اسے دیکھا اور بولی۔ "آپ کا مطلب ہے کوئی جادوئی طاقت۔۔۔۔"

الجوہری نے کہا۔ "بالکل۔۔۔۔ یہ ممکن ہے۔ پرماتما کوئی ایسی شخصیت نہیں جسے ہم آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس کے ہزار رنگ ہیں اور ہر رنگ اپنی جگہ پر اسرار ہے۔۔۔۔ تم نے کبھی اقتیلا جام کی آنکھوں میں دیکھا ہے؟ ان میں تمہیں ایک مقناطیسی کشش نظر آئی ہو گی۔ یہ کشش اتنی طاقتور ہے کہ ہوش مند ترین انسان کو بھی مسحور کر سکتی ہے اور اس سے اپنے مطلب کے افعال سرزد کرا سکتی ہے۔ ایسی قوت برسوں کی ریاضت کے بعد حاصل ہوتی ہے اور اقتیلا جام اس پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔۔۔۔۔ لیکن کیا تم یہ یقین کرو گی کہ اقتیلا جام کی یہ قوت پرماتما کی قوت کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ پرماتما کی آنکھوں میں ہزاروں سورجوں کی توانائی ہے۔"

ہلابہ کو وہ وقت یاد آیا جب اس نے عجلہ عروسی میں غیر ارادی طور پر پرماتما کی آنکھوں میں دیکھ لیا تھا۔ ان نگاہوں کی تپش آج تک ہلابہ کی آنکھوں کو جھلساتی تھی۔۔۔۔ باتیں کرتے ہوئے ہلابہ اور الجواہری نیلگوں

محل کے اندر پہنچ چکے تھے۔ ہلابہ اپنے رہائشی حصے کی طرف جانے لگی تو الجواہری نے اچانک اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ہلابہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ دبلے پتلے چہرے پر اس کی بڑی آنکھوں میں کوئی عجیب سا جذبہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"ہلابہ بنت شرجیل عرف ساتویں دلہن۔ ادھر نہیں۔۔۔۔۔۔ آج ادھر میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔"

ہلابہ ذرا سا گھبرائی پھر ایک مجاہدہ کے عزم کے ساتھ اس کے ہمراہ چل دی۔ چند صاف وشفاف کمروں سے گزر کر وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچے۔ ہلابہ در و دیوار کا جائزہ لے رہی تھی کہ اچانک اس کے قدموں کے نیچے سے فرش نکل گیا۔ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ پانچ چھ گز نیچے کسی نرم شے پر گری اور دو تین بار اچھل کر ساکت ہو گئی۔ یہ دبیز گدوں والی ایک نہایت گداز مسہری تھی۔ الجواہری بھی اس کے ساتھ گرا ہوا تھا۔ چھت اب برابر ہو چکی تھی۔ آنا فانا دروازوں سے چار حبشی کنیزیں نکلیں اور انہوں نے مسہری کے دونوں جانب سے چمڑے کی پٹیاں نکال کر باندھ دیا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی کے ساتھ ہوا کہ ہلابہ حیران رہ گئی۔ نیم عریاں لباسوں والی حبشی کنیزیں اسے باندھ کر باہر نکل گئیں تو الجوہری قہقہے لگاتا ہوا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کے عقب میں ایک الماری تھی جس میں بے شمار دوائیں اور جڑی بوٹیاں بھری ہوئی تھیں۔ ان اشیاء کی بو سارے کمرے میں بھری ہوئی تھی۔ ایک الماری ہلابہ کے دائیں جانب تھی اس میں جراحی کا سامان رکھا ہوا تھا۔ خوفناک نشتر، ہڈیاں کاٹنے والی آریاں، قینچیاں، جمور، خون جمع کرنے والے

پیالے اور بلوری مرتبان۔اس الماری کے اوپر بنوامیہ کے مشہور حکیم اور کیمیادان خالد بن یزید کی تصویر آویزاں تھی۔۔۔۔۔۔۔ہلابہ کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ کس بڑی مصیبت میں پھنس چکی ہے۔

وہ مکمل طور پر بے بس تھی۔اس نے خود کو بندشوں سے آزاد کرانا چاہا مگر ناکام رہی۔چمڑے کی پٹیاں اس طرح کسی گئیں تھیں کہ وہ صرف اپنے ہاتھ پاؤں اور سر کو ہی محدود حرکت دے سکتی تھی۔آخر وہ چلا کر بولی۔

"الجواہری یہ سب کیا ہے۔میں تمہارے پاس مہاراج اقتیلا جام کی امانت ہوں۔تم خود بھی مجھے اپنا مہمان قرار دے چکے ہو۔کیا مہمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے؟

الجوہری عجیب انداز میں مسکرایا۔"مہمان خوبصورت ہو تو بعض اوقات مہمان نوازی کے انداز بھی بدل جاتے ہیں۔"

ہلابہ نے ایک گہری سانس لی۔"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

الجواہری نے اپنی دبلی پتلی انگلی اٹھا کر نفی میں ہلائی۔"نہیں ہلابہ بنت شرجیل۔۔۔۔۔۔۔میں تمہاری عزت کے لیے کوئی خطرہ نہیں بنوں گا۔حالانکہ تم اتنی دلکش ہو کہ عطارد الجواہری جیسا عورتوں کا رسیا تم کو سالم کا سالم نگل جاتا۔۔۔۔۔۔یا تمہارے شباب کی ساری شراب نچوڑ کر ایک جام میں بھر لیتا لیکن مجبوری ہے تم اس کے پاس اقتیلا جام کی امانت ہو۔اس امانت کی حفاظت کے لیے الجواہری نے اپنے عاشق دل پر کتنا جبر کیا ہے تم کیا جانو۔۔۔بہر حال۔۔۔۔۔"کچھ کہتے کہتے الجواہری خاموش ہو گیا۔

ہلابہ نے پوچھا۔"کیا کہہ رہے تھے؟"

وہ کمینگی سے مسکرا کر بولا۔"بہر حال میں تمہارے حسن کو بالکل ہی معاف نہیں کروں گا۔تھوڑی بہت سزا تمہیں ضرور ملے گی۔"

ہلابہ کے جبڑے بھنچ گئے اور آنکھوں میں شعلے ناچنے لگے لیکن وہ خود کو بندشوں سے آزاد کرانے کے لیے جتنا زور لگاتی اتنا ہی نرم مسہری میں دھنستی چلی جاتی ۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی الجوہری کیا کرنا چاہتا ہے۔وہ نپے تلے قدموں جراہی کے سامان والی الماری کی طرف بڑھا۔الماری کھول کر اس نے چینی کا ایک بڑا پیالہ نکالا۔پھر وہ دو تیز نشتر اور کوئی مرہم لے کر ہلابہ کے سرہانے آن کھڑا ہوا۔ہلابہ کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔اس بے چارگی کے عالم میں وہ صرف اپنے خدا کو یاد کر سکتی تھی۔الجواہری نے پیالہ ہلابہ کے بائیں ہاتھ کے نیچے رکھا اور تیز نشتر سے اس کی کلائی کی ایک رگ کاٹ دی۔کلائی پوری طرح گرفت میں تھی۔رگ کٹتے ہی خون تیزی سے پیالے میں گرنے لگا۔الجواہری نے پنی دبلی پتلی انگلیاں اس کی دوسری کلائی پر رکھ دیں۔وہ اس کی نبض پرکھ رہا تھا۔تھوڑی ہی دیر میں پیالہ خون سے لبالب بھر گیا اور ہلابہ کے بدن میں عجیب سی نقاہت اور لرزش اتر گئی۔الجواہری نے مرہم لگا کر اسکی نس جوڑ دی اور پھر اوپر پٹی باندھ دی۔پیالہ اٹھا کر اس نے ایک ٹوٹے پھوٹے مرتبان میں انڈیل دیا اور خود باہر چلا گیا۔

اسکی واپسی پورے آٹھ پہر بعد ہوئی۔اس عرصے میں ہلابہ یکسر تنہا رہی تھی۔نقاہت اور بھوک سے اس کا برا حال تھا۔وہ کچھ کھانا چاہتی تھی تاکہ جسم کی توانائی بحال ہو۔اسے محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ دیر اسے مزید کچھ

کھانے کو نہ ملا تو وہ شاید ہوش میں نہ رہ سکے۔ الجوہری آیا تو اس کے ہاتھ میں چاندی کا ایک طشت تھا جس پر نہایت خوبصورت رومال پڑا ہوا تھا۔ یہ طشت اس نے ہلابہ کے قریب تپائی پر رکھ دیا اور بولا۔

"مجھے معلوم ہے تمہیں بہت بھوک لگی ہوگی۔ میں کھانا لے آیا ہوں۔"

ہلابہ کو طشت میں سے کچھ عجیب سی بدبو آرہی تھی۔ الجواہری نے رومال اٹھایا تو چینی کی خوبصورت تھالی میں کوئی لمبی سی کالی چیز رکھی تھی۔ جیسے کسی جانور کا سینگ ہو۔ لیکن یہ سینگ بھنے ہوئے نرم قیمے کا تھا۔ شاید یہ کباب قسم کی کوئی چیز تھی۔ سب سے کریہہ چیز اس کی بو تھی۔ الجوہری نے یہ تھالی بالکل ہلابہ کے پاس رکھ دی۔ پھر سرد پانی کا پیالہ بھی اس کے قریب کھسکا دیا۔ تب اس نے ہلابہ کے ہاتھوں کو جکڑنے والی بندش کھول دی۔

"کھاؤ۔" اس نے ہلابہ سے کہا۔

ہلابہ کو ابکائی سی آنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

الجواہری نے کہا۔ "اس کا نام للجال ہے۔ للجال کئی قسم کے گوشت کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ یہ انسانی بدن میں نہایت اعلیٰ درجے کا خون پیدا کرتا ہے۔"

ہلابہ نے کہا۔ "مجھے اعلیٰ درجے کا خون نہیں چاہیے۔ خدا کے لیے مجھے کوئی ڈھنگ کی چیز کھانے کو دو۔ اس میں کون سا گوشت ہے۔ میرا دماغ بو سے پھٹا جارہا ہے۔"

الجواہری نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھیلا کر کچھ اور بڑی کیں۔ پھر عجیب لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں، یہ کئی طرح کے گوشت کا مرکب ہے۔ نمونے کے طور پر میں تمہیں چند اجزا بتا دیتا ہوں۔ اس میں ایک گوشت ایسے مردے کی رانوں کا ہے جسے مرے ہوئے کم از کم چودہ دن ہو چکے ہیں۔ دوسرا گوشت گدھ کے ان بچوں کا ہے جو طبعی طور پر انڈوں کے اندر ہی مر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بندر کے مغز۔۔۔۔"

"خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔" ہلابہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخی۔ اس کے ساتھ ہی اسے ابکائی ہوئی جو اس نے بمشکل روکی۔

الجواہری نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔ "للجال تو تمہیں کھانا ہی پڑے گا ساتویں دلہن، اگر نہ کھاؤ گی تو بھوک سے مر جاؤ گی اور یہ سراسر خودکشی ہوگی۔ میں اس خودکشی کے لیے اقتیلا جام کو ہرگز جوابدہ نہیں ہوں گا۔ میں یہ کھانا تمہارے پاس چھوڑے جا رہا ہوں۔ اب اسے تناول کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔"

الجوہری واپس چلا گیا اور اسکے عقب میں کمرے کا واحد دروازہ بند ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلابہ پورے تین روز بھوکی پیاسی اسی جگہ مقید رکھی۔ نقاہت اور بھوک نے اس پر ایک غنودگی سی طاری کر دی تھی۔ شاید وہ کبھی کبھی بے ہوش بھی ہو جاتی تھی۔ ہوش آتا تو اس کا ہاتھ تھالی میں رکھے گوشت کی طرف بڑھتا مگر پھر فوراً کراہت غالب آجاتی۔ وہ سوچتی یہ شے کھانے سے تو مر جانا بہتر ہے۔ جب وہ مرنے کا

سوچتی تو دل کی گہرائی سے آواز آتی، ہلابہ موت برحق ہے، تو تو اس تاریک جنگل میں داخل ہی طلب شہادت میں ہوئی ہے۔ مگر یوں اپنی رائیگاں اپنی جان دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔اس قربانی کا کوئی حاصل ہونا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر اسے اپنے دینی احکام یاد آتے۔اسے معلوم تھا مختلف روایات میں جان بچانے کے لیے مردار کھانا بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ مگر۔۔۔۔۔۔۔ مگر وہ اپنے دل کو کس طرح مطمئن کرے۔اسی کشمکش میں پورے تین روز گزر گئے۔اسے معلوم تھا وہ اقتیلا جام کے لیے بہت اہم ہے اور الجوہری اسکی موت کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ مگر اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ الجوہری نیلے محل میں موجود ہے یا نہیں۔

آخر تیسرے روز آدھی شب کے وقت جب ہلابہ کی جان آخری لبوں پر تھی اس کا ہاتھ خود کو دللجال کی طرف بڑھ گیا۔ سینگ نما ٹکڑے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑا اس نے ہونٹوں سے چھوا۔ آنکھیں بند کر کے کچھ دیر دل کڑا کرتی رہی۔ پھر منہ کھولا اور گوشت کے غلیظ ٹکڑے کو منہ میں داخل کر لیا۔ یکایک ایک ابکائی نے اس کے پورے جسم کو ہلا دیا۔۔۔۔۔ اس کا جی چلانے کو چاہنے لگا مگر اسے ایک بہادر عورت ہونے کا ثبوت دینا تھا۔ ایسی عورت جو ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر سکتی ہے۔اس نے اڈتے ہوئے آنسو روک کر آنکھیں بند رکھیں اور دھیرے دھیرے گوشت نگلنے لگی۔ یہ اس کی زندگی کا کریہہ ترین تجربہ تھا۔ حلق سے اترنے والے ہر لقمے کے ساتھ اس کی جان ہزاروں عذابوں سے گزر رہی تھی۔ نہایت کوشش سے اس نے نصف ٹکڑا کھا لیا تو کمرہ تالیوں کی صدا سے گونج گیا۔ ہلابہ نے آنکھیں کھولیں۔ چہرے پر شیطانی آنکھیں لیے الجوہری اس کے سامنے کھڑا تھا۔

خوب بہت خوب مجھے امید تھی تم عقلمندی کا ثبوت دو گی۔"

ہلابہ نے باقی کا ٹکڑا دیوار پر دے مارا اور آنکھوں پر بازو رکھ کر آنسو چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔اس کے دل میں الجواہری کے لیے نفرت ہی نفرت موجزن تھی۔

الجواہری نے کہا۔"میں کل صبح آؤں گا تم سے ایک ضروری کام ہے۔"

ضروری کام وہی تھا جو وہ اس سے پہلے بھی انجام دے چکا تھا۔ یعنی اگلے روز اس نے پھر ہلابہ کی کلائی کی رگ کھول کر چینی کے پیالے میں اس کا خون جمع کیا اور اسے نیم جان و بے حال چھوڑ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک حبشی کنیز منحوس "للجال" تھالی میں رکھے اس کے پاس لے آئی۔اس کی بو سے پورا کمرہ بھر گیا۔ تاہم اس دفعہ ہلابہ کو یہ غلیظ گوشت کھانے میں بہت دقت کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ وہ پہلے سے اس مہمان نوازی کے لیے تیار تھی۔اسے کچھ معلوم نہیں تھا، الجوہری اسے یہ گوشت کیوں کھلا رہا ہے اور اس سے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پھر بھی اس نے طوعاً کرہاً تاریک جنگل کے اس لعنتی کھانے سے پیٹ کی آگ مدھم کی اور مشیت ایزدی پر غور کرتے کرتے سو گئی۔

ہلابہ کو للجال کھلانے اور خون نکالنے کا عمل الجواہری نے کوئی دس روز جاری رکھا۔ پھر ایک تبدیلی یہ آئی کہ اس نے خون نکالنا بند کر دیا۔ اب ہلابہ کو صرف دو وقت للجال کھلایا جاتا تھا۔ وہ صرف اتنا کھاتی تھی جس سے جسم و جان کا رشتہ برقرار رہ سکے، مگر غلاظت جتنی بھی ہو غلاظت ہی ہوتی ہے۔ ہلابہ کو یہ غلاظت حلق سے اتارنے کے لیے مر مر کر جینا پڑتا تھا۔ وہ جی رہی تھی۔اس مقصد کی خاطر جو ادھورا تھا۔اس شخص کی خاطر جو

ابھی زندہ تھااور جسے آخری موت مارنا ہلابہ کا نصب العین تھا۔یعنی پرماتاما۔۔۔تاریک جنگل کالازوال فرمانروا۔

ایک روزالجواہری نے اس کی مسہری کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور بولا۔"پیاری ہلابہ !اب تمہارے بدن میں ایک نیا خون ہے۔اب تم ہر طرح سے میرے قابل ہو۔"

ہلابہ کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔ہاں اسے اندازہ ہورہا تھا۔کہ کوئی اور مصیبت اس کے گلے پڑنے ہے۔الجوہری نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔میرے کہنے کا مطلب ہے اب تمہارے جسم میں صرف اور صرف وہ خون ہے جو للجال کھانے سے بنا ہے۔۔۔اب تمہارا خون صالح اور لذیذ کہلایا جاسکتا ہے۔"

"لذیذ"کے لفظ نے ہلابہ کو بری طرح چونکا دیا۔۔۔۔۔۔تو کیا الجواہری اس کا خون پیئے گا۔یہ خیال نہایت روح فرسا تھا۔یکایک اسے الجوہری ہمیشہ سے زیادہ خوفناک محسوس ہوا۔اس نے مچل کر خود کو آزاد کرانا چاہا۔لیکن حبشی کنیزوں نے آج چرمی پٹیوں کو خوب کس کر باندھا تھا۔ہلابہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکی۔الجواہری اس کے قریب آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ایک نہایت خوبصورت بلوریں جام اسکے ہاتھ میں تھا۔اس نے ہلابہ کے بازو پر نئی جگہ زخم لگایا اور تازہ خون جام میں بھرنے لگا۔جام تین چوتھائی بھر چکا تو اس نے خون بند کر دیا۔اور بڑی اشتہا سے اس کا رنگ دیکھنے لگا۔پھر اس نے ایک بوتل سے دو گھونٹ شراب اس بوتل میں شامل کیے اور ٹیک لگا کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔اب ہلابہ حیران کن نظروں سے دیکھ رہی

تھی۔الجواہری بڑے شوق سے گھونٹ گھونٹ خون پی رہا تھا۔ہر گھونٹ کے ساتھ جیسے اس کی پیاس بڑھتی جا رہی تھی۔اس کی آنکھیں کسی درندے کی مانند روشن تھیں۔ایک جام کے بعد اس نے دوسرا جام نکالا اور پھر تیسرا۔ہلابہ کا رنگ زرد ہوتا جارہا تھا۔اس کے ہونٹوں پر پپڑیاں جم رہی تھیں لیکن الجواہری اسکی حالت سے بے نیاز جام پر جام چڑھا رہا تھا۔ہلابہ کو شبہ ہونے لگا کہ اس کا دماغی توازن کھو چکا ہے۔اور مدہوشی میں اس کے جسم کا آخری قطرہ تک کھینچ لے گا۔شاید وہ ایسا کرتا تو ہلابہ کے لیے موت آسان ہو جاتی لیکن وہ خبیث اپنے شکار کو اتنی جلدی کھونا نہیں چاہتا تھا۔ہلابہ جب بے ہوشی کے قریب پہنچی تو اس نے اسکی نبض ٹٹولی اور "لہونوشی"کا سلسلہ موقوف کر دیا۔۔۔پھر لڑکھڑاتا ہوا ہلابہ کو ہوس ناک نظروں سے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد حبشی کنیز چاندی کا طشت لیے اندر داخل ہوئی۔طشت پر ایک دیدہ زیب خون پوش تھا۔ہلابہ جانتی تھی اس خون پوش کے نیچے کیا ہو گا۔وہی للجال جس میں کئی مکروہ گوشت شامل کیے گئے تھے اور جس کی بو اور بدمزگی اپنی مثال آپ تھی۔۔۔۔اور جوالجواہری کے نزدیک روئے زمین کا مقوی اور لذیذ ترین پکوان تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی پانچ روز بعد ہلابہ کو ایک بار پھر الجوہری کی شکل نظر آئی۔اس وقت وہ آرام کرسی پر نیم دراز اپنے حالات پر غور کر رہی تھی۔وہ جانتی تھی اس کمرے سے فرار کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔الجوہری کے اس دواخانے کے صرف دو دروازے تھے۔ان دروازوں تک پہنچنا تو دور کی بات ہلابہ اس کمرے سے بھی قدم بھی باہر نہیں نکال سکتی تھی۔یہ پہلوان نما کنیزیں شاید آنکھ بھی نہیں جھپکتی تھیں۔ہلابہ سوچوں میں گم تھی

کہ یہی کنیزیں اندر داخل ہوئیں۔ان کے تیور ہمیشہ کی طرح خطرناک تھے۔انہوں نے اشاروں کی زبان میں ہلابہ کو بستر پر لیٹنے کا حکم دیا۔وہ لیٹ گئی تو حسب معمول اس کا جسم پٹیوں میں کس دیا گیا۔ہلابہ سمجھ گئی کہ الجوہری آنے والا ہے۔اس کا اندازہ درست تھا۔تھوڑی دیر بعد وہ مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔اسے دیکھتے ہی ہلابہ کو اپنا جسم خون سے خالی ہوتا محسوس ہونے لگا۔اس کی گھبراہٹ دیکھ کر الجواہری نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں جان من !اب پورے ایک عشرے کے لیے تمہیں کوئی زحمت نہیں دوں گا۔عشرہ پورا ہونے میں ابھی تین چار دن باقی ہیں۔کھاؤ پیو اور صحت بناؤ۔۔۔۔۔۔میں تو تمہیں صرف دیکھنے چلا آیا تھا۔"

الجواہری کی نیت جان کر ہلابہ کو قدرے سکون محسوس ہوا۔وہ اس سے باتوں میں مصروف ہو گئی،اقتیلا جام ،پرماتما کی کشمکش اور دیگر حالات کے بارے میں پوچھنے لگی۔باتوں ہی باتوں میں گفتگو کا رخ الجواہری کی اپنی ذات کی طرف مڑ گیا۔ہلابہ کے پوچھنے پر الجواہری نے دیکھ لیں۔"

الجوہری نے ہلابہ کو ساتھ لیا اور کمرے سے نکل کر تیز قدموں سے ایک راہداری کی طرف بڑھا۔

دواؤں سے بھری ہوئی الماریوں کے درمیان سے گزرتے وہ دواخانے کے دروازے تک پہنچے۔ مسلح آدمیوں نے دائیں بائیں ہٹ کر راستہ دیا۔دروازے کے عین سامنے انہیں کوئی شخص زمین پر پڑا نظر آیا۔اس کے سرہانے الجوہری کے شاگرد بیٹھے کوئی دوا پلانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ہر چہرے پر ہراس نظر آتا تھا۔خدا کی پناہ۔۔۔اس شخص کی شکل دیکھ کر ہلابہ سر تا پیر لرز گئی۔اس کا دل وحشی گھوڑے کی طرح سرپٹ بھاگنے لگا۔پھٹی ہوئی آنکھیں ایک مکروہ چہرے پر جمی تھیں۔۔۔یہ چہرہ اقتیلا جام کا تھا۔اس چہرے کو

پہچاننا بہت مشکل تھا۔ہلابہ بھی بہت کوشش کے بعد پہچان پائی۔یہ چہرہ اتنا سوجا ہوا تھا کہ آنکھوں کی جگہ دو باریک سی چمکیلی درزیں نظر آ رہی تھیں۔سیاہ ہونٹ پھول کر کپا ہو چکے تھے۔پورا بدن اپنی جسامت سے دوگنا پھیل چکا تھا۔جلد کا رنگ گہرا نیلا تھا اور اس پر بے شمار سرخ سرخ نقطے دکھائی دے رہے تھے۔"شہد کی مکھیاں" یکبارگی ہلابہ کے ذہن میں یہ الفاظ گونجے۔اس نے چونک کر دیکھا۔اقتیلا جام کے سر پر منڈلانے والی خونخوار مکھیاں آج کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔آج اقتیلا جام کا دامن ان مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے محروم تھا۔چند ہی لمحوں میں ہلابہ سب کچھ سمجھ گئی۔وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔اقتیلا جام کا اہم ترین ہتھیار اسی کے خلاف استعمال کر دیا تھا۔اس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ وہ موت کے دہانے پر پہنچ چکا تھا۔وہی ہوا جس کا اندیشہ اب تک الجوہری بھی ظاہر کرتا رہا تھا۔پرماتما اور اقتیلا جام کے درمیان ہونے والی طلسمی جنگ کا انجام اقتیلا جام کی شکست پر ہوا تھا۔وہ جان کنی کے عالم میں نہ جانے کہاں سے گرتا پڑتا یہاں پہنچا تھا۔

اقتیلا جام کی حالت دیکھ کر الجوہری کا چہرہ تاریک ہو گیا۔وہ دواخانے کیطرف بھاگا اور تھوڑی دیر بعد کچھ رنگ برنگی شیشیاں اٹھائے واپس آ گیا۔اقتیلا جام نے اس کا ارادہ دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔اس کے زخم زخم منہ سے سرسراتی ہوئی صدا نکلی۔

"نہیں الجوہری،میرا سے (وقت) ختم ہو چکا ہے۔میرے پاس مہلت بہت کم ہے۔۔میں۔۔۔۔میں اس لڑکی سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

اقتیلا جام کا اشارہ ہلابہ کی طرف تھا۔ ہلابہ ذرا سا جھجکی پھر آگے بڑھ کر گھٹنوں کے بل اقتیلا جام کے پاس بیٹھ گئی۔ اقتیلا جام نے اپنی آنکھوں کی باریک درزوں سے ہلابہ کو دیکھا۔ ہلابہ کو محسوس ہوا جیسے وہ اس سے شکوہ کناہ ہے کہہ رہا ہے۔

"نادان لڑکی! دیکھ لیا ناں، تیری ضد نے مجھے موت کے منہ میں پہنچا دیا۔ میں نے تیرے لئے کیا کچھ نہ کیا۔ لیکن تجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ دل رکھنے کے لئے ہی میری ہمدمی کی حامی بھر لیتی۔۔۔۔۔" اقتیلا جام کے ہونٹ حرکت میں تھے۔ ہلابہ اس کی آواز سننے کے لئے اس پر جھک گئی۔ درد و کرب میں ڈوبی ہوئی صدا اقتیلا جام کے ہونٹوں سے نکلی۔

"لڑکی۔۔۔ یہاں سے نکل جاؤ۔۔۔ ورنہ پرماتما تمہارا برا حشر کرے گا۔ وہ دیکھو۔۔۔ وہ کیا ہے۔"

ہلابہ نے اقتیلا جام کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ اقتیلا جام کے پاس وہی حنوط شدہ اژدھا پڑا تھا جو اکثر اس کے گلے میں رہتا تھا۔ یہ ایک نہایت متبرک اژدھا سمجھا جاتا تھا۔ اسے مقامی زبان میں کنڈالی کہتے تھے۔ سب سے بڑی اور متبرک کنڈالی پرماتما کے پاس تھی۔ دوسرے درجے کی کنڈالی اقتیلا جام کے پاس تھی۔ رنگا چماری کے پاس بھی ہلابہ نے ایسی ہی کنڈالی دیکھی تھی۔ اقتیلا جام نے کہا۔

"یہ پاوتر کنڈالی اپنے گلے میں ڈالو۔۔۔ یہاں سے نکلنے میں۔۔۔ یہ تمہاری مدد کرے گی۔۔۔ تم بہادر ہو۔۔۔۔ مجھے امید ہے تم کامیاب رہو گی۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ ایک بے حد خاص بات اور۔"

"میں سن رہی ہوں بُدھی وان!" ہلابہ نے کان اس کے ہونٹوں سے لگائے لگائے کہا۔

اقتیلا جام نے اپنی مٹھی ہلابہ کی طرف بڑھائی۔ ہلابہ نے پہلی بار دیکھا اس کی مٹھی میں ایک چمڑا دبا ہوا تھا۔ چمڑے کو گول لپیٹ کر اس پر دھاگا باندھ دیا گیا تھا۔ اقتیلا جام بولا۔

"اسے اپنے پاس رکھ لو۔ اس جنگل سے۔۔۔۔ نکل کر۔۔۔۔۔۔ اسے دھیان سے پڑھ لینا۔۔۔۔ میں اب جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟" ہلابہ نے بے ساختہ پوچھا۔ پھر اسے اقتیلا جام کی نازک حالت کا اندازہ ہوا۔ اس کی جان لبوں پر تھی۔ اس کا سوجا ہوا بدہیت ہاتھ ہلابہ کیطرف بڑھا۔ ہلابہ نے یہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ الجوہری نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اقتیلا جام کو زمین سے اٹھا کر مسہری پر لٹایا جائے۔ مگر اقتیلا جام نے ایک بار پھر ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔۔۔۔۔ اور منہ میں تیز تیز کچھ بدبدانے لگا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنا اژدھا اٹھا کر ہلابہ کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی جو ہلابہ کے تعاون سے کامیاب ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اقتیلا جام پر تشنج کی کیفیت طاری ہو گئی۔ دفعتاً اس کے ناک اور منہ سے سیاہی مائل خون کے فوارے پھوٹ نکلے۔ اس کے حلق سے ایک ناقابلِ فہم اور خوفناک چیخ نکلی۔ یہ چیخ پہاڑ کے کھوکھلے گنبد میں گونی اور یوں لگا جیسے سینکڑوں روحیں مل کر آہ و پکار کر رہی ہوں۔ اس ہیبت ناک گونج کر سن کر موقعے پر موجود تمام افراد سجدے میں گر گئے اور مناجات کرنے لگے۔ ہلابہ نے دہشت سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جب چیخ کی گونج ختم ہوئی اور اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو۔۔۔۔۔ تاریک جنگل کا سارِا عظم، غلاظت کا پجاری، مہان جادوگر اقتیلا جام اپنی تمام برائیوں اور اچھائیوں کیساتھ ہی عدم ہو چکا تھا۔ اس پراسرار انسان کی موت ایک عظیم واقعہ تھی۔ اس واقعے کی ہیبت فضا کو سہار ہی تھی۔ پرماتما کا خوف ہواؤں میں سنسناتا پھر رہا

تھا۔۔۔۔۔۔۔پرماتما جس کے ہاتھ کسی بھی لمحے ہلابہ کی گردن تک پہنچ سکتے تھے۔وہ تاریک جنگل کے ہر پتے اور زمین کے ہر ذرے میں موجود تھا۔ااور آسمان کیطرح اس خطے پر محیط تھا۔ ہلابہ کو سزا دینے کی خاطر اس نے اپنی ریاست کے سب سے بڑے جادوگر کی جان کی پرواہ بھی نہیں کی تھی۔اب ہلابہ کے ساتھ جو کچھ ہو جاتا کم تھا۔اچانک ہلابہ کو محسوس ہوا کہ اقتیلا جام کی صورت جو آہنی چٹان اس کے جسم کو آڑ فراہم کر رہی تھی، پاش پاش ہو گئی ہے۔اب پرماتما کی غضبنا کی اور ہلابہ کی ذات کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں رہی۔اب اسے جو کچھ کرنا تھا، تنہا کرنا تھا۔اپنے زور پر جینا تھا اور مرنا تھا۔اس کی نگاہیں کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ اس نے دیکھا الجوہری اپنے دوست کی لاش پر جھکا ہوا آنسو بہا رہا ہے۔خدام و کنزیں سجدے میں گرے آہ و زاری کر رہے تھے۔ ہلابہ بہ آہستگی اپنی جگہ سے اٹھی۔اس نے دیوار پر آویزاں ایک تلوار اتار کر ہاتھ میں لے لی اور دبے قدموں نیلے محل سے نکل کر نہر کی طرف چلی آئی۔وہاں زرنگار خیمے والی کشتی موجود تھی۔ ہلابہ نے کشتی کا دروازہ کھولا اور اس میں بیٹھ گئی۔پانی کا بہاؤ مدد کر رہا تھا۔ ہلابہ نے چپوؤں کے ذریعے معمولی کوشش کی اور بجرا نما کشتی دوسرے کنارے جا لگی۔جونہی ہلابہ کنارے پر اتری اور اس نے کھوکھلے پہاڑ کے دروازے تک پہنچنا چاہا پہریدار چوکنے ہو گئے۔چار عدد مسلح افراد تلواریں سونت کر اس کی طرف بڑھے۔ ہلابہ نے اپنی تلوار بے نیاز کی اور بے جگری سے ان کے مقابلے آ گئی۔ تلواریں ٹکرائیں اور شفاف نہر کے کنارے ایک عورت اور چار مردوں میں زبردست لڑائی چھڑ گئی۔ جلد ہی ہلابہ کا سانس پھول گیا اور کمزوری کے سبب اس کے پاؤں اکھڑنے لگے۔اسے محسوس ہوا کہ اس کے مقابل اسے دھکیل کر نہر میں پھینک دیں گے لیکن پھر اچانک اس کے مقابل پیچھے ہٹنے لگے۔ان کے چہروں پر خوف نظر آیا اور ان کے وار بھی اچھے

پڑنے لگے۔پلک جھپکتے ہلابہ سمجھ گئی کہ ایسا کیوں ہے۔اس کے گلے میں جھولتی کنڈالی ان کی نگاہ میں آ گئی تھی۔ ہلابہ نے یہ ماجرا دیکھا تو تلوار روک کر کنڈالی گلے سے اتاری اور اسے ایک خمیدہ لڑکی کی طرح دائیں بائیں گردش دینے لگے۔پہریداروں نے یہ منظر دیکھا تو چیخیں بلند کرتے بھاگے۔انہوں نے جیسے موت کو روبرو دیکھ لیا تھا۔بھاگنے والوں کا انداز ایسا پرخوف تھا کہ خود ہلابہ کو حیرت ہونے لگی۔ حیرت کیساتھ ساتھ اس کے اعتماد میں اضافہ ہو رہا تھا۔وہ نئے جوش سے آگے بڑھنے لگی۔دروازے پر پہنچی تو دو اور پہریدار سامنے آئے نیم تیرگی میں انہوں نے غور سے ہلابہ کے ہتھیار کو دیکھا اور اپنا فرض بھول کر سرپٹ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہلابہ نے چلا کر بوڑھی عورت کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا مگر حکم ماننے کی بجائے وہ بھی نکل بھاگی۔اس وقت ہلابہ کو عقب سے شور سنائی دیا۔اس نے مڑ کر دیکھا۔چند اور پہریدار اسکی طرف بھاگے آ رہے تھے۔ ہلابہ نے دروازہ کھولا اور سرنگ میں آ گئی۔ سرنگ تنگ تھی اور وہ تیزی سے نہیں بھاگ سکتی تھی۔اسے خطرہ پیدا ہوا کہ یہاں اسے گھیر لیا جائے گا، تاہم یہ دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا کہ عقب میں آنے والے دروازے پر پہنچ کر رک گئے ہین اور چلا چلا کر اسے رکنے کا حکم دے رہے تھے۔ان میں الجوہری خود بھی تھا۔ اس کا چمکیلا لبادہ ہلابہ دور سے دیکھ سکتی تھی۔ یکایک ساری بات اسے سمجھ میں آ گئی۔یہ لوگ اس دروازے سے آگے نہیں آ سکتے تھے۔الجوہری نے اسے بتایا تھا کہ اقتیلا جام اس پہاڑی کو اپنے سحر کے زور پر پرماتما کی آنکھوں سے پوشیدہ کر چکا ہے۔اس لئے برسوں سے پرماتما ان کی یہاں موجودگی سے بے خبر ہے۔خواہ کوئی بھی صورت ہو وہ اس پہاڑی سے باہر نہیں نکلتے۔جونہ ہلابہ کو یہ بات یاد آئی اس کا اضطراب ختم ہو گیا اور اطمینان سے سرنگ میں آگے بڑھنے لگی مگر ابھی وہ چند قدم ہی گئی تھی کہ یکایک عقب سے قدموں کی چاپیں

سنائی دیں۔اس نے مڑ کر حیرت سے دیکھا۔الجوہری اس کے سامنے کھڑا تھا۔اس کیساتھ ایک حسین و جمیل کنیز بھی تھی۔ان دونوں کو دیکھتے ہی ہلابہ نے کنڈالی گلے میں ڈال کر تلوار سونت لی۔اس کی نگاہیں الجوہری کی ہر جنبش کا جائزہ لے رہی تھیں۔الجوہری کا چہرہ دھواں دھواں تھا اور وہ ہانپ رہا تھا۔"ہلابہ!"اس نے درخواست والے لہجے میں کہا"اقتیلا جام کے بعد اب میرا یہاں کوئی کام نہیں۔تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔صرف اور صرف تم ہی یہ کام کرسکتی ہو،کیونکہ تمہارے پاس اقتیلا جام کی کنڈالی ہے۔"

الجوہری کی بات اچھی طرح ہلابہ کی سمجھ میں آرہی تھی لیکن اس کے ذہن میں الجوہری کے لئے نفرت تھی۔ اسے اس کی میزبانی مدتوں نہیں بھول سکتی تھی۔ہوشیار الجوہری،ہلابہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اس کی قلبی کیفیت جان گیا اور لجاجت سے بولا۔

"ہلابہ بنت شرجیل میں اپنے ہر فعل پر تم سے دل کھول کر معافی مانگ لوں گا،مگر اس وقت ان باتوں کا موقع نہیں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے لئے بہت مفید ثابت ہوں گا۔میرے پاس ایسے ایسے کیمیائی نسخے ہیں کہ پرماتما کی پراسرار طاقتیں ناچ کر رہ جائیں گی۔۔۔"

ہلابہ نے کہا۔"اس کے باوجود تم اپنے دوست کو پرماتما کے غضب سے نہ بچا سکے۔"

الجوہری نے کھسیانا ہو کر کہا۔"یہی پچھتاوا تو مجھے زندہ رہنے پر مجبور کر رہا ہے۔میں۔۔۔میں انتقام نہیں لے سکتا مگر اقتیلا جام کے دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد ضرور کر سکتا ہوں۔"

ہلابہ الجھی ہوئی نظروں سے الجوہری کو دیکھنے لگی،جیسے اس کے متعلق کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی ہو۔ الجوہری کی ساتھی عورت منمنائی۔"ہم پر رحم کیجئے مالکہ!ساحر اعظم کیساتھ ہی ان کا جادو بھی ختم ہو گیا ہے اور اب یہ پہاڑی زیادہ دیر لازوال پرماتما کی نظروں سے اوجھل نہ رہ سکے گی۔یہاں کی ہر شے پر موت کی پرچھائیاں پڑنے والی ہیں۔"

ہلابہ سب کچھ سمجھ رہی تھی۔پرماتما کے بے پناہ خوف نے الجوہری کو اپنا عشرت کدہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔وہی عشرت کدہ جس کے لئے وہ دس برس سے پوری دنیا چھوڑے ہوئے تھا۔اس نے ارضی جنت کے اس گوشے کو حور و غلمان سمیت موت کے حوالے کر دیا تھا اور اپنی سب سے چہیتی محبوبہ کو لیکر وہاں سے چلا آیا تھا۔ہلابہ اس جیسے عیاش شخص سے ایسی ہی خود غرضی کی توقع کر سکتی تھی۔بہر حال اس موقعے پر وہ کوئی غلط یا مشکوک فیصلہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔کیا معلوم تھا،آگے چل کر الجوہری اس کے لئے مفید ثابت ہو۔اس نے ان دونوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور دیکھی بھالی سرنگ میں تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ تینوں سرنگ سے باہر نکلے تو انہیں پتہ چلا کہ یہ ایک سخت طوفانی سہ پہر ہے۔گہرے تاریک بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا۔نہایت تیز ہوا کیساتھ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔سرنگ سے نکلتے ہی ہلابہ کو کچھ فاصلے پر "بندروں والا جنگل" نظر آیا۔وہ دوبارہ اس طرف جا کر موت کو دعوت نہیں دے سکتی تھی۔اب تو اقتیلا جام کی مکھیاں بھی اس کی مدد کے لئے موجود نہ تھیں۔نہ جانے وہ کہاں گئی تھیں اور کس کے پاس

تھیں۔ ہلابہ نے الجوہری اور اس کی محبوبہ کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور وہ گھنے جنگل کا ایک طویل کلاواکاٹ کر نہر کے کنارے پہنچ گئے ان کے جسم حقیر تنکوں کی طرح طوفانی بارش کے تھپیڑے کھا رہے تھے۔ کبھی کبھی تو ان کے لئے زمین پر پاؤں جمانا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ آخر بڑی احتیاط سے چلتے ہوئے اس پل کے پاس پہنچ گئے جو آبی سانپوں والی نہر پر سے گزرنے کا واحد راستہ تھا۔ درختوں کے ایک گھنے جھنڈ میں وہ تینوں مشورہ کرنے لگے۔ الجوہری کا خیال تھا کہ پل پار کرنے کی کوئی بھی کوشش رات سے پہلے نہیں کرنی چاہیے۔ ہلابہ کا خیال اس سے مختلف تھا۔ وہ اس طوفانی بارش کو تائید ایزدی قرار دے رہی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ایسے موسم میں پلوں پر موجود پہرہ دار زیادہ چوکس نہیں ہوں گے اور یوں بھی دن کی روشنی میں پہریداروں کو ہلابہ کے ہاتھ میں پکڑی کنڈالی دور سے نظر آجائے گی۔

آخر ہلابہ کی رائے پر انہوں نے فوری طور پر پل کیطرف بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ ہلابہ سب سے آگے تھی۔ اس کے پیچھے ہندو کنیز ور آخر میں الجوہری تھیا۔ ہلابہ کے دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں کنڈالی تھی۔ وہ پل پر پہنچے اور پانی کی دبیز چادر میں چلتے آگے بڑھنے لگے۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے خیریت سے پل پار کر لیا۔ اب وہ پل کے آخر میں واقع نگران چوکی کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ صرف چند قدم کا فاصلہ تھا اگر یہ بھی خیریت سے طے ہو جاتا تو وہ نہروں کے درمیانی جنگل میں روپوش ہو سکتے تھے۔ صرف چند قدم۔۔۔ لیکن یہ قدم خیریت سے نہ اٹھ سکے۔ اچانک کسی نے بھاری آواز میں انہیں للکارہ۔

"بھاگو۔" ہلابہ نے چلا کر کہا اور خود بھی بھاگ کھڑی ہوئی مگر تعاقب کرنے والے ان سے زیادہ تیز تھے۔ وہ بمشکل چالیس پچاس گز دور گئے تھے کہ دونوں پہلوؤں پر تلواریں چمکنے لگیں۔ ہلابہ رک گئی۔ اس کیساتھ ہی

ہندو کنیز اور الجوہری بھی رک گئے۔ ہلابہ نے بڑے اطمینان کیساتھ تلوار بازوں کو قریب آنے کا موقع دیا۔ ان سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھی وہ ہلابہ کو پہچان گئے تھے۔ پرماتما کی مفرور ساتویں دلہن کو اپنے سامنے دیکھ کر انہیں اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آرہا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ ہلابہ کو قابو کرنے کے لئے آگے بڑھتے۔ دفعتاً ہلابہ نے اپنا ہاتھ بلند کیا اس میں کنڈالی تھی۔ کنڈالی کو لہرا کر وہ شمشیر زنوں پر جھپٹی۔ کنڈالی دیکھ کر وہ خون سے بت بنے رہ گئے تھے لہٰذا ہلابہ نے دائیں ہاتھ کو حرکت دی اور بڑی آسانی سے ان میں سے دو کو مار گرایا۔ دو لرزہ خیز چیخیں فضا میں گونجیں تو جیسے باقی پہریداروں کو ہوش آئی۔ وہ چلاتے ہوئے اطراف میں بھاگے۔ صرف ایک گھڑ سوار جوان کا سالار تھا سامنے کھڑا رہا۔ شاید وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ بھاگے یا ڈٹا رہے۔ اس کی نگاہیں کنڈالی پر جم کر رہ گئی تھیں۔ الجوہری نے بے دریغ تیر چھوڑا جو اس کے دل میں پیوست ہو گیا۔ کراہ کر وہ اوندھے منہ بارش کے پانی میں گرا۔ اب میدان صاف تھا۔ ہلابہ اور اس کے دونوں ساتھی پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔

وہ اندھیرا پھیلنے تک اسی جنگل میں بھاگتے رہے، چھپتے رہے اور دوسرے پل تک پہنچنے کی راہ تلاش کرتے رہے۔ بارش بار بار زور پکڑ رہی تھی۔ ان کے کپڑے کیچڑ سے لت پت اور جسم تھکاوٹ سے چور تھے۔ وہ یہ بھی جان چکے تھے کہ پرماتما کے مشعل برادر ٹولیوں کی صورت میں انہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ایک موقع پر تو ایک ٹولی ان کے بالکل نزدیک پہنچ گئی تھی لیکن ہلابہ کی کنڈالی کے سبب مخالفوں کو حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے دور ہی چلا چلا کر ہلابہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ کنڈالی کو ہاتھ سے پھینک دے اور غیر مسلح ہو کر خود کو ان کے حوالے کر دے۔ سپاہیوں کے اس رویے نے ہلابہ کے اعتماد میں اضافہ کیا تھا۔

وہ سمجھ گئی تھی کہ کنڈالی اس سے زبردستی نہیں چھینی جاسکتی اور جب تک یہ شے اس کے ہاتھ میں ہے سپاہی اس کے پاس آنے کی جرات نہیں کر سکتے۔اس کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔سپاہی دور دور سے اسے للکار رہے تھے۔ہوا میں تیر چلا رہے تھے اور تلواریں لہرا رہے تھے مگر پاس نہیں پھٹکتے تھے۔جب ہلابہ اور اس کے ساتھیوں نے درختوں میں روپوش ہونا چاہا تو پہریداروں نے اپنے تیروں کا رخ ان کے جسموں کیطرف کر دیا۔ایک تیر ہلابہ کے بازو کو چھوتا ہوا گزرا دوسرا تیر ہندو کنیز کی ٹانگ میں پیوست ہو گیا۔بہر طور وہ تینوں فرار ہونے میں کامیاب رہے۔۔۔اور اب رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ہلابہ کو امید پیدا ہو چکی تھی کہ وہ دوسرے پل کے پاس پہنچ چکے ہیں۔اسے دور درختوں میں کچھ جھلملاتی روشنیاں دکھائی دے رہی تھی اُس کا خیال تھا کہ یہ قندیلیں ہیں جو پلوں کی نگران چوکیوں پر روشن ہیں۔ہلابہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس پل کو پار کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہو گا۔کیونکہ پرماتما کے ہرکارے پوری طرح ہوشیار ہو چکے تھے اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ناکہ بندی کے نقطہ نظر سے کون سی جگہ اہم ترین ہے۔صاف ظاہر تھا کہ وہ جگہ پل ہے لیکن پل پر رخ کرنے سے پہلے ہلابہ ہندو کنیز کو اس کی تکلیف سے نجات دلانا چاہتی تھی۔تیر اس کی بالائی ٹانگ میں پیوست تھا اور اسے چلنے میں سخت تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔قریب ہی ایک ٹیلے میں کھوہ سی نظر آرہی تھی۔ہلابہ نے الجوہری کو اشارہ کیا اور وہ تینوں جھاڑ جھنکار ہٹا کر کھوہ میں داخل ہو گئے۔اندر آتے ہی ان کے جسم بارش کی تیز بوچھاڑوں اور ہوا کے تھپیڑوں سے کچھ دیر کے لئے نجات پا گئے۔

یکایک ہلابہ کا پاؤں تاریکی میں کسی چیز سے ٹکرایا۔اس نے جھک کر ٹٹولا یہ چکنی مٹی کا بنا ہوا کوئی مرتبان تھا۔ اس کیساتھ ہی اسے تیل کی بو آئی۔مرتبان کے قریب ہی کچھ لکڑیاں پڑی ہوئی تھیَ یہ جان کر ہلابہ کو

خوشگوار حیرت ہوئی کہ یہ مشعلیں ہیں۔اس دوران الجوہری مشعل جلانے کا سامان ڈھونڈ چکا تھا۔جونہی انہوں نے مشعلیں روشن کیں کھوہ کا سارا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔یہ ایک بہت بڑی کھو تھی اور سرنگ کی طرح دور تک چلی گئی۔یہ دیکھ کر ہلابہ کو حیرت ہوئی کہ وہاں بہت سے لوگ موجود ہیں کچھ زرد پوش اور سرخ پوش محافظ ہیں۔کچھ لڑکیاں ہیں اور کچھ جانور بندر، گیدڑ اور جنگلی بھینسے وغیرہ لیکن یہ سب جانور بے جان بتوں کی طرح ساکت کھڑے تھے ان کی آنکھیں بے نور اور چہرے بے جان تھے۔ذرا دیر بعد ہلابہ پر یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ یہ سب انسان اور جانور مردہ تھے۔ان کی کھالوں میں بھس بھر کر انہیں وہاں کھڑا کیا گیا تھا۔ہلابہ نے دیکھا الجوہری ایک پتھر پر کندہ تحریر پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور کانپ رہا تھا۔ یہ پتھر کھوہ کے دہانے پر نصب تھا اور اس کی تحریر سنسکرت میں تھی۔تحریر پڑھنے کے بعد الجوہری نے سراسیمہ لہجے میں ہلابہ کو بتایا کہ یہ تمام افراد وہ ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً تاریک جنگل سے فرار ہونے کی کوشش کی اور سامنے والے پل پر پکڑے گئے۔لازوال پرماتما کے حکم پر انہیں اذیتیں دے کر مارا گیا اور پھر ان کے جسموں میں بھس بھر کر اس غار میں رکھ دیا گیا تاکہ دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو۔اس غار کو ایک تماشہ گاہ کی حیثیت حاصل ہے۔پتھر کی تحریر کے مطابق اس غار میں سب سے پہلا حنوط شدہ جسم آج سے کوئی سو سال پہلے لایا گیا تھا اور یہ ایک سیاہ بندر کا تھا جس نے تاریک جنگل کے کئی محافظوں کو زخمی کر کے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔اس کے بعد وقتاً فوقتاً سزا یافتہ انسانوں اور جانوروں کے جسم یہاں سجائے جاتے رہے ہیں۔

ہلاہب اور الجوہری مشعلوں کی روشنی میں غار کا جائزہ لینے لگے۔اس طویل غار میں سینکڑوں اجسام موجود تھے۔کچھ کی شکلیں بگڑ چکی تھیں اور کچھ ابھی تک جیتے جاگتے اور تروتازہ نظر آتے تھے۔تاہم ہر جسم کے پیچھے ظلم وستم اور جدوجہد کی ایک کہانی سرسراتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔اچانک ایک چہرہ دیکھ کر ہلابہ بری طرح چونک گئی۔ایک ہی لمحے میں جیسے کسی نے اس کے جسم کا سارا لہو نچوڑ لیا۔وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی چلی گئی۔اس کے سامنے چندا کھڑی تھی۔وہی ہرنی جیسی سیاہ آنکھیں، بھرے بھرے ہونٹ اور لمبے بال۔خوبصورتی اور دلکشی کی مکمل تصویر۔۔۔لیکن اس وقت یہ تصویر زبان حال سے ظلم وبربریت کی ایک ناقابل فراموش داستان بیان کر رہی تھی۔اس کے جسم میں بھس بھرا ہوا تھا۔اور اس کے لب ورخسار پر درندگی اور ہولناکی کی انمٹ نشانیاں تھیں۔اس کی شفاف جلد پر زخم تھے اور مرنے کے بعد بھی چہرہ درد وکرب کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔نہ جانے اسے پکڑنے کے بعد پرماتما اور اس کے سپاہیوں نے اس کیساتھ کیا سلوک کیا تھا۔اب پوری صورت حال ہلابہ کی سمجھ میں آ رہی تھی۔اسے وہ دن یاد آئے جب چندا اس کا لباس پہن کر پرماتما کے محل سے فرار ہوئی تھی۔صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی ہدایت کے مطابق گنگارام تک پہنچ گئی تھی۔پھر گنگارام اسے لیکر واپسی کے سفر پر روانہ ہوا تھا، لیکن۔۔۔لگتا تھا کہ تاریک جنگل سے نکلنے سے پہلے ہی انہیں شعبدہ بازوں کے گروہ میں پہچان لیا گیا تھا۔دونوں بھاگ کھڑے ہوئے تھے مگر بعد میں پکڑے گئے۔ان کی گرفتاری سے سرپتا کا راز بھی کھل گیا۔نتیجے میں تینوں اذیت ناک موت سے دوچار ہوئے تھے۔
چونکہ اصل اور بڑی مجرم چندا ہی تھی۔لٰہذا اسے تکلیفیں دے کر مارا گیا اور بعد ازاں عبرت نگاہ بنانے کے لئے اس غار میں سجادیا گیا تھا۔ہلابہ کے سینے سے ایک کرب ناک آہ نکلی اسے وہ وقت یاد آیا جب وہ چندا کو اپنا

روپ دے کر محل سے رخصت کر رہی تھی۔چندا کی سہمی ہوئی آنکھوں میں التجائیں تھیں اور اندیشے تھے۔
ہلابہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔"میری بہن حوصلہ رکھو۔تو یہاں سے نکلنے میں ضرور کامیاب ہو گی۔"اور چندا سسک کر اس سے لپٹ گئی تھی۔آہ۔۔۔اس وقت ہلابہ کو کیا معلوم تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اسے موت کے منہ میں دھکیل رہی ہے۔۔۔اور موت بھی کیسی؟ حسرت ناک اور دلدوز۔صاف ظاہر تھا کہ گنگارام اور چندا پل پر یا پل کے قریب پکڑے گئے تھے۔ایک طرف لب بام پہنچ کر ان کی کمند ٹوٹی تھی۔ وہ آزادی کی سرحد کے قریب پہنچ کر موت کی وادی میں کھو گئے۔غمزدہ مانک کا چہرہ ہلابہ کی نگاہوں میں گھوما اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔اس کا جی چاہا کہ وہ بھاگ کر چندا سے لپٹ جائے، لیکن یہ چندا کہاں تھی؟ یہ تو اس کی لاش تھی۔جو صدیوں کے ظلم کی گواہی بن کر اس کے سامنے کھڑی تھی اور نہ جانے کب تک اسے عبرت بن کر اس طرح کھڑے رہنا تھا۔غم وغصے سے بے قابو ہو کر ہلابہ نے اپنی تلوار کو حرکت دی اور لمحوں میں چندا کی لاش کے پرزے کر دیے۔کھال پھٹ گئی۔بھوسہ بکھر گیا۔وہ پتھریلی دیوار سے سر ٹکا کر رونے لگی۔الجوہری اور ہندو کنیز حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔یکایک ان تینوں کو چونک جانا پڑا۔
ہلابہ کے چونکنے میں زیادہ شدت تھی۔انہیں کہیں، قریب سے ایک ہولناک آواز سنائی دی تھی۔یہ آواز۔۔۔ہلابہ کے رونگٹے کھڑے کرنے کے لئے کافی تھی۔"راجاجن وموبا۔"یہ راماجن وموبا کی آواز تھی۔وہی پرہیبت نوحہ جس میں ایک ساتھ دو صدائیں گونجتی تھیں۔ہلابہ نے تلوار مضبوطی سے تھامی اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتی ہوئی سرنگ نما غار میں بھاگی۔منحوس آواز حیرت انگیز رفتار سے قریب آ رہی تھی۔جلد ہی وہ تینوں غار کے دوسرے دہانے سے باہر نکل آئے۔باہر نکلتے ہی تیز ہوا اور بارش نے ان کی

مشعلیں بجھادیں۔ راماجن بدستور ان کے پیچھے تھا۔ یوں لگتا تھا ان کے جسموں کی بو راماجن کو مقناطیس کی طرح ان کیطرف کھینچ رہی ہے۔

"تیز بھاگو!۔" ہلابہ نے چلاتے ہوئے کہا۔

تینوں اندھا دھند بھاگنے لگے لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ زندگی کی بجائے موت کیطرف بھاگ رہے ہیں۔ وہ ہوا کی تیزی سے آواز کی سمت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکے تھے۔۔۔ بالکل اچانک، راماجن وماہا ان کے بائیں جانب سے نمودار ہوا۔ تاریکی اس کا بلند و بالا ہیولا اور بھی دہشتناک نظر آرہا تھا۔ ہلابہ اور الجوہری آگے نکل چکے تھے لیکن زخمی کنیز عقب میں تھی۔ یکایک راماجن نے کسی دیوزاد کی طرح اس لڑکی کو قابو میں کر لیا۔ "بچاؤ۔" لڑکی کی لرزہ خیز چیخ بارش کے شور میں گونجی۔ اس آواز کی کربناکی نے ہلابہ اور الجوہری کے پاؤں پکڑ لیے۔ ہلابہ تلوار سونت کر راماجن کی طرف مڑی۔ اس وقت زور سے بجلی چمکی اور چند ساعتوں کے لئے جنگل کا وہ حصہ روشنی میں نہا گیا۔ اس روشنی میں ہلابہ نے ایک پرہول منظر کی جھلک دیکھی۔ یہ جھلک ایک عام انسان کا سینہ شق کرنے کے لئے کافی تھی۔ راماجن وموہا جس کے دونوں چہرے آگ میں بری طرح جھلس چکے تھے۔ ہندو لڑکی کو چاروں ہاتھوں سے دبوچے کھڑا تھا لیکن یہ مکمل لڑکی نہیں تھی صرف اس کا دھڑ تھا۔ لڑکی کا سر جسم سے علیحدہ ہو کر راماجن کے پاؤں پر پڑا تھا۔ تڑپتے ہوئے دھڑ سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ ایک ساعت کے اندر اندر الجوہری کی محبوبہ موت کے سفر پر روانہ ہو گئی تھی۔ اب کچھ کرنا بے معنی تھا۔ ہلابہ واپس مڑی اور الجوہری کیساتھ بھاگتی چلی گئی۔ "دوڑو۔۔۔۔ تیز دوڑو۔" وہ بار بار الجوہری سے کہہ رہی تھی۔ الجوہری شاید ایسی مشکلات کا عادی نہیں تھا۔ وہ ہلابہ سے چند قدم پیچھے تھا اور بری

طرح ہانپ رہا تھا۔ دوسری طرف راماجن کی آواز پھر ان کے تعاقب میں تھی۔ کبھی یہ آواز چاروں طرف گونجتی محسوس ہوتی تھی اور ان دونوں کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ کس طرف بھاگیں۔ موت کا سرد بے رحم ہاتھ کسی بھی وقت ان پر پڑ سکتا تھا۔ یکایک ہلابہ کے کانوں میں الجوہری کی خوفناک چیخ گونجی۔ رکنے کی کوشش میں وہ پھسل کر گری اور پھر اس کا جی چاہا کہ وہ اندھی اور بہری ہو جائے۔ اس کے کانوں میں الجوہری کی دلدوز چیخیں گونج رہی تھیں اور آنکھیں اس کا انجام دیکھ رہی تھی َراماجن وموہا نے غالباً اپنے لمبے ناخنوں کے ذریعے الجوہری کا پیٹ پھاڑ دیا تھا اور ایک جھٹکے سے اس کی آنتیں نکال کر مٹھی میں لے لی تھیں۔ الجوہری مسلسل چلا رہا تھا اور پرماتما سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ چیخنے چلانے سے اس کی آنتیں واپس چلی جائیں گی اور پھٹا ہوا پیٹ سل جائے گا اور وہ دوبارہ ہنستا مسکراتا صحت مند انسان بن جائے گا جو سرخ شراب پی سکے گا اور خوبصورت عورتوں کو اپنی خواب گاہ کی زینت بنا سکے گا لیکن نہیں۔۔۔۔ وہ اپنے حصے کی زندگی جی چکا تھا اور اب موت کا زبردست ہاتھ اس کی جان کو اپنی اندھیری آغوش میں کھینچ رہا تھا۔ چند ہی لمحوں میں وحشی راماجن نے الجوہری کے پیٹ کو یوں صاف کر دیا جیسے مچھلی کو پکانے سے پہلے کیا جاتا ہے۔ شامی حکیم کو فنا کے گھاٹ اتار کر راماجن نے بے کار شے کی طرح دور پھینک دیا اور پھر نیچے گری ہلابہ کی طرف بڑھا۔۔۔۔ ہلابہ پچھلی دو گھڑیوں میں اتنے وحشت ناک مناظر دیکھ چکی تھی کہ اب زخمی شیرنی بن چکی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر راماجن کی ٹانگ پر وار کیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ وار خالی گیا۔ وار خالی جاتے ہی موت مجسم ہو کر اس کے روبرو آگئی۔ راماجن نے لپک کر ہلابہ کو اپنی آہنی بازوؤں میں دبوچ لیا۔ راماجن کا لمس موت کا لمس تھا۔ اس کا خوفناک نوحہ جو میلوں دور سے انسان کا دل دہلا دیتا تھا آج ہلابہ کے کان میں

گونج رہا تھا۔ یہ آواز تھی یا صورِ اسرافیل۔ شاید قیامت برپا ہونے والی تھی۔ اچانک ایک خیال بجلی کی طرح
ہلابہ کے ذہن میں کوندا۔۔۔ راماجن اسے جان سے نہیں مارے گا۔ وہ اسے زندہ رکھے گا اور اپنے آقا کے
حضور پیش کرے گا۔ ہلابہ نے اپنی جسمانی و ذہنی قوت کو جمع کیا اور راماجن سے زور آزمائی کرنے لگی۔ راماجن
کے چار بازو چار سانپوں کی طرح اس کے گرد لہرا رہے تھے وہ اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اپنے کندھے پر اٹھا
لینا چاہتا تھا جبکہ ہلابہ کو اس شکنجے سے بچانے کی فکر میں تھی۔ اسی کش مکش میں اچانک راماجن و موہا کا ہاتھ
کنڈالی کے کسی حصے سے چھو گیا۔ دفعتاً سفید روشنی کا ایک بے آواز جھماکا ہوا۔ یہ جھماکا اتنا شدید اور خیرہ کن تھا
کہ ہلابہ ششدر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں دائرے ناچنے لگے۔ زیادہ برا حال راماجن کا تھا۔ روشنی براہ
راست اس کی آنکھوں میں پڑی تھی۔ وہ اپنے چاروں ہاتھ چاروں آنکھوں پر رکھے خوفناک انداز میں چیخ رہا
تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ یہ لمحے غنیمت تھے۔ ہلابہ نے مردہ الجوہری کے پاس
سے اپنی گری ہوئی تلوار اٹھائی اور چند قدم بھاگ کر پوری قوت سے راماجن کے پہلو میں گھونپ دی۔ تلوار
اس کے سخت جسم کو زیادہ دور نہیں گئی۔ تاہم وہ زخمی ہوا اور پلک جھپکتے میں چیختا چلاتا جنگل میں روپوش ہو گیا۔
نہایت غضب کے عالم میں ہلابہ نے اس کا پیچھا کیا مگر راماجن کا اب دور دور تک پتا نہیں تھا۔ لگتا تھا وہ لمحوں
میں کہیں سے کہیں نکل گیا۔ بارش کے شور میں اس کی آواز بھی دب کر رہ گئی تھی۔

ہلابہ واپس مڑی اور اس جگہ پہنچ گئی جہاں الجوہری کی کٹی پھٹی لاش پڑی تھی۔ اس نے اپنی خون آلود تلوار
بارش کے پانی میں صاف کی پھر اپنی کنڈالی اٹھائی اور نہر کی طرف بھاگنے لگی۔ اب وہ پل کی طرف جانے کا
ارادہ بدل چکی تھی۔ اس کا رخ نہر کی طرف تھا۔ چندا کے پر حسرت انجام نے اسے ہر خطرے سے بے نیاز

کر کے اس کی رگوں میں آگ بھر دی تھی۔ موسلا دھار بارش میں وہ حتی الامکان تیزی سے بھاگتی نہر کے
کنارے پہنچی۔ وہ بے دریغ تاریک پانی میں کود جانا چاہتی تھی کہ اچانک درختوں سے چند مسلح آدمی کودے اور
انہوں نے اسے تین اطراف سے گھیر لیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو لکڑی کی بڑی بڑی انسانی آنکھوں کے پاس
موجود رہتے تھے۔۔۔ شاید انہیں معلوم نہیں تھا کہ ہلابہ کے ہاتھ میں کنڈالی ہے۔ یا شاید انہیں جان بوجھ کر
اس حقیقت سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ وہ بے خوفی سے ہلابہ پر جھپٹے۔ ہلابہ نے کنڈالی کو چاروں طرف گھمایا
لیکن اس مرتبہ وہ تلواروں کے مقابلے میں بے اثر رہی۔ نہ اس نے کسی کو ہلاک کیا اور نہ ہی اس میں چمک
پیدا ہوئی۔ ہلابہ نے کنڈالی کو گلے میں لٹکایا اور پوری قوت سے تلوار چلانے لگی۔ وہ منزل کے قریب پہنچ چکی
تھی۔ اگر ان سیاہ پوشوں سے جان چھڑانے میں کامیاب ہو جاتی تو نہر پار کر کے دوسرے کنارے پر اتر سکتی
تھی۔ اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اس کے ہر ریشا بدن میں بجلیاں بھر گئیں۔ اس کی آنکھوں میں چندا کی
من موہنی صورت گھومی۔ اس کے کانوں میں سریتا کی آخری چیخیں گونجیں۔ اس کے تصور میں گنگارام کی
مسخ شدہ لاش آئی۔ اس کے ذہن میں پرماتما کی سفاکیوں نے اودھم مچایا۔۔۔ اور وہ شعلہ جوالا بن گئی۔ جیسے
صحرا سے آندھی اٹھتی ہے، جیسے رعد کڑکتی ہے، جیسے سمندر اچھلتا ہے۔۔۔ اور جیسے آتش فشاں پھٹتا ہے۔
اس نے چشم زدن میں اپنے پانچ مدمقابل افراد کو ڈھیر کر دیا اور شیرنی کی طرح بھاگتی ہوئی اور جست کرتی ہوئی
نہر میں کود گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں سیدھے رخ پر پانی کو چیرتی ہوئی وہ دوسرے کنارے سے جا لگی۔ جونہی وہ
پانی سے نکل کر کنارے پر آئی بارش اور شدت اختیار کر گئی۔ یہ صورت حال ہلابہ کے لئے بہت موزوں
تھی۔ وہ پانی کی دبیز چادر میں لپیٹی اندھادھند مخالف سمت میں بھاگنے لگی۔ کچھ آگے جا کر ایک گھڑسوار ملا۔ یہ

کوئی غیر فوجی شخص تھا۔ ہلابہ نے تلوار سیدھی کی اور اسے گھوڑے سے اترنے کا حکم دیا۔ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ گھڑ سوار گھوڑے سے اتر آیا اور یوں کانپنے لگا جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ ہلابہ تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوئی اور اسے اندھادھند بھگانے لگی۔ اس کا رخ جنوب کی طرف تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رائے منوہر چند دوارے کی اس عمارت میں موجود تھا جہاں پرماتما کی آواز چاروں طرف گونجتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ کبھی یوں لگتا تھا کہ آواز اس بلند وبالا طلائی مورتی سے آرہی ہے جو عمارت کے بیچوں بیچ نصب تھی۔ مورتی کے سامنے اس وقت منوہر چند کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ پرماتما کی سحر انگیز آواز ابھر رہی تھی۔

"منوہر چند! اس لڑکی کی گرفتاری بے حد ضروری ہے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

منوہر چند نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا۔ "غلام سب کچھ سمجھ رہا ہے۔ پرماتما، ہمارے گھڑ سوار چاروں طرف پھیل گئے ہیں۔ مجھے وشواس ہے کہ وہ زیادہ دور نہیں جا سکے گی۔"

پرماتما کی پر ہیبت آواز ابھری۔ اس آواز میں عجب طرح کی غراہٹ تھی۔ یوں لگتا تھا کوئی شخص اپنے گلے کی بجائے سینے سے بول رہا ہے۔ پرماتما نے کہا۔

"منوہر چند! تمہارے آدمیوں کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس لڑکی کے پاس اقتیلا جام کی کنڈالی بھی ہے اس کنڈالی کی موجودگی نے اسے تمہارے تصور سے زیادہ خطرناک بنا دیا ہے۔"

منوہر چند کے چہرے پر بے پناہ تحیر نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ پرماتما نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اپنے آدمیوں کو ہدایت دو کہ اس کے نزدیک نہ جائیں۔ صرف دور سے اسے زخمی کرنے کی کوشش کریں۔ تاریک جنگل سے نکلنے سے پہلے وہ کم از کم سات افراد کو ہلاک کر چکی ہے۔"

منوہر چند نے نہایت احترام سے جھکتے ہوئے کہا۔ "غلام آپ کی بات سمجھ رہا ہے۔ بھگوان نے چاہا تو میں مزید کسی جانی نقصان کے بغیر اسے حراست میں لے لوں گا۔"

پرماتما کی آواز آئی۔ "ٹھیک ہے جاؤ۔ میں اسے زیادہ دیر آزاد فضا میں دیکھنا نہیں چاہتا۔"

جس وقت دوارے میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کوسوں دور ایک دلدلی جنگل میں ہلابہ اور منوہر چند کے سپاہیوں میں زبردست آنکھ مچولی جاری تھی۔ منوہر چند کے سپاہی اس کے ہاتھوں میں کنڈالی دیکھ چکے تھے لٰہذا وہ اس پر زوردار حملہ کرتے ہوئے کترا رہے تھے۔ ہلابہ ان کی اس ہچکچاہٹ کا فائدہ اٹھاتی ہوئی نہایت گھنے درختوں میں نکل آئی۔ ان درختوں کی آڑ نے اسے ایک بار پھر جنوب کی طرف نکلنے کا موقع فراہم کیا۔ وہ متعاقب سواروں سے دامن بچاتی ہوئی تیزی سے سفر طے کرنے لگی۔ تیز بارش اور کیچڑ میں اس کا گھوڑا بار بار پھسل رہا تھا لیکن اس نے رکنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ وہ جانتی تھی تاریک جنگل سے اس کا فاصلہ جتنا بڑھ جائے گا وہ اتنی ہی زیادہ دیر زندہ رہ سکے گی۔

سہ پہر کے وقت اس نے خود کو ویران ٹیلوں کے ایک سلسلے میں پایا۔ دور تک کسی متنفس کا نشان نہیں تھا چاروں طرف ویرانی تھی اور طوفانی بارش کا تسلسل تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بادلوں نے اس خطہ زمین کو ڈبونے کا

فیصلہ کرر کھا ہے۔ کل رات سے چند لمحوں کے لئے بھی ابر و باد کا زور نہیں ٹوٹا تھا۔ ہلابہ اب تھک گئی تھی، گھوڑے کا حال اس سے بھی برا تھا۔ لٰہذا جو نہی ہلابہ کو ایک چٹان کا موزوں سایہ نظر آیا اس نے گھوڑے کا رخ ادھر موڑ دیا۔ بارش کی تیز بوچھاڑ سے نجات ملی تو قدرے سکون محسوس ہوا۔ ہلابہ نے اپنے بالوں کو نچوڑ کر باندھا۔ پھر ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ گھوڑا بے تابی سے اپنے سم زمین پر مار کر بھوک کا اظہار کر رہا تھا۔ ہلابہ کے پاس نہ کھانے کو کچھ تھا اور نہ کھلانے کو وہ گھوڑے کو پچکارنے کے سوا اور کیا کر سکتی تھی۔ اس کے پاس خشک گوشت کا صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا اور وہ ابھی اسے ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح بن سقیل موت کی دہلیز پر تھا۔ وہ موت کے قدموں کی چاپ سن سکتا تھا۔ اس کے سرد ہاتھوں کا لمس محسوس کر سکتا تھا۔ کوئی سات روز پہلے اس کی خوراک مکمل طور پر ختم ہو گئی تھی۔ شہید نوجوان کی لاش سے حاصل ہونے والا تھیلا اب بھی اس کے قریب پڑا تھا۔۔۔ مگر اب اس میں خوراک کا ایک ذرہ اور پانی کا ایک قطرہ موجود نہیں تھا۔ پچھلے چند ہفتے اشباح نے کیسے گزارے یہ کچھ اسے ہی معلوم تھا۔ خودکشی کے گناہ عظیم سے بچنے کے لئے اس نے اپنی زندگی پر ہزار عذاب سہے تھے۔ مردانہ وار حالات کا مقابلہ کیا تھا اور اپنی جانب پل پل سرکتی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی معجزے کی راہ دیکھی تھی۔

اس وقت بھی جب ہر معجزے کی امید دم توڑ گئی اور ہر آس نے مایوسی کا تاریک لباس پہن لیا۔ اشباح کی آنکھیں اس چھوٹے سے سوراخ سے لگی تھیں جو چٹان کے زیریں حصے سے نظر آ رہا تھا۔ باہر کی دنیا سے اس کا

واحد رابطہ یہ ننھا سا سوراخ ہی تھا۔ اس سوراخ سے اسے شب و روز کی آمد کا پتہ چلتا اور موسم کی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ کبھی کبھی اس سوراخ کے راستے ٹھنڈی ہوا کی کوئی انگلی اس کے جسم کو گدگدا جاتی۔ موت کا قیدی ہونے کے باوجود وہ مسکرا دیتا اور سوچتا کہ اس غار سے باہر دنیا اب بھی کتنی حسین ہے۔ پھر بے ساختہ اس کے دل سے دعا نکلتی اے خدا، اس دنیا کے حسن کو پرماتما جیسے ظالموں کے شر سے محفوظ رکھنا۔

جب وہ نیم بے ہوشی یا غنودگی کی حالت میں لیٹے لیٹے نماز پڑھتا تو بعد میں دیر تک دعا مانگتا رہتا۔ "اے رب العالمین! میں تیری رضا پر راضی ہوں۔ میری عقل ناقص ہے میرا مشاہدا کمزور ہے۔ مجھے نہیں معلوم میرے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ تو میری حالت پر رحمت فرما۔ اے قادرِ مطلق میں میدانِ جنگ میں جان دینے کا آرزومند تھا۔ میری خواہش تھی کہ جب میں تیرے سامنے حاضر ہوتا میرے لباس پر خونِ شہادت کے دھبے ہوتے لیکن شاید تیری قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔۔۔ میں ہر حالت میں خوش ہوں اے رب! بس ایک التجا ہے میرا جینا اور مرنا تیرے لئے ہو، اور جب آخری سانس لبوں کی دہلیز پر آئے تو اس میں تیرے نام کی خوشبو شامل ہو۔"

اشباح یہ دعا اب تک سینکڑوں بار مانگ چکا تھا۔۔۔۔۔ اور شاید اب وہ آخری لمحے آ گئے تھے جن کا اسے لاشعوری طور پر انتظار تھا۔ اب وہ نقاہت اور کمزوری کے اس درجے پر تھا کہ آنکھوں کی پتلیوں کو گردش دینا بھی دشوار محسوس ہوتا تھا۔ اس لئے اس کی نگاہیں سوراخ پر جم کر رہ گئی تھیں۔ اس کی آنکھیں سوراخ سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ اس کے کان پانی گرنے کا مدھم شور سن رہے تھے اور اس کا دماغ محسوس کر رہا تھا کہ باہر طوفانی بارش کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ گاہے بگاہے تیز ہوا کی مانوس سیٹیاں بھی اس کی دم توڑتی ساعت

میں گونج جاتی تھیں۔وہ صبح سے ہوش اور بے ہوشی کے درمیان معلق تھا۔کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ شاید وہ مر چکا ہے۔اس خیال کی تردید کے لئے وہ جسم کے کسی حصے کو حرکت دینا چاہتا تو ناکامی ہوتی۔اپنی بے بسی پر وہ دل ہی دل میں حیران رہ جاتا۔۔۔۔۔وہ سوراخ سے باہر دیکھتا رہا۔دھیرے دھیرے اس کی نظر دھندلا گئی۔ ایک دفعہ پھر اس پر گہری بے ہوشی طاری ہو رہی تھی اس دفعہ بے ہوشی کی یہ لہر بڑی تیزی سے آ رہی تھی۔ اشباح نے ڈوبتے ذہن کے ساتھ سوچا شاید یہ آخری لہر ہے۔

جس وقت اشباح بے ہوش ہوا اور اس کی پتلیاں ساکت ہوئیں۔دہانے کی طرف سے ایک خوفناک گڑگڑاہٹ سنائی دی اور دیوہیکل چٹان اپنی جگہ سے سرک کر طوفانی بارش میں لڑھکتی ہوئی چلی گئی۔روشنی اور ہوا فراٹے بھرتی ہوئی اندر گھس آئی۔زندگی کا دہانہ کھل چکا تھا مگر جسے زندگی درکار تھی وہ ہر ضرورت سے بے گانہ ہو کر ان دیکھی منزلوں کیطرف سفر کر رہا تھا اس کی تلوار ابھی تک اس کی گود میں تھی اور آنکھیں کسی ان دیکھے نقطے پر مرکوز تھیں۔یہ آنکھیں جیسے کسی کی راہ دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلابہ اس وقت پتھر سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھی جب اچانک اسے ایک زبردست گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بہت بڑی چٹان اپنی جگہ چھوڑ کر نشیب میں لڑھک گئی ہو۔یہ واقعہ کہیں قریب ہی رونما ہوا تھا۔ہلابہ کی نگاہ چند گز اوپر ایک غار کے دہانے پر پڑی۔اسے قطعاً خیال نہیں آیا کہ یہ چٹان اس غار کے دہانے سے سرکی ہے۔ہاں ایک اور خیال اس کے ذہن میں ضرور آیا اس نے سوچا کہ کیوں نہ یہ طوفانی

رات گزارنے کے لئے اس غار میں پناہ لی جائے۔جس چٹان کے نیچے وہ بیٹھی تھی وہ بارش کی بوچھاڑوں سے زیادہ محفوظ نہیں تھی۔یہ سوچتے ہوئے اس نے گھوڑے کی لگام تھامی اور احتیاط سے پاؤں جماتی قدم قدم نیچے اترنے لگی۔تھوڑی ہی دیر بعد وہ کشادہ غار میں داخل ہو رہی تھی۔غار کے دہانے کے پاس ہی اسے ایک انسانی جسم بے سدھ پڑا نظر آیا۔ہلا اور بے نیام کر کے وہ احتیاط سے اس جسم کی طرف بڑھی۔یکایک اس کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔دل کے سمندر میں حیرت اور تجسس کی بلند و بالا لہریں اٹھیں اور اسے اپنے ساتھ بہاتی چلی گئیں۔اسے لگا وہ حسب معمول کوئی خواب دیکھ رہی ہے لیکن اگر یہ خواب تھا تو پھر ساری کائنات خواب تھی۔اگر یہ چہرا جھوٹ تھا تو پھر دنیا میں کہیں سچ نہیں تھا۔"اشباح۔۔۔۔۔۔اشباح" اس نے چیخ کر کہا اور بھاگ کر اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔ایک اندیشہ اس کے دل کی گہرائیوں سے ابھرا اور صدمے کا صحرا بن کر اس کے سینے میں پھیل گیا۔"نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔"کوئی آواز اس کے دل میں اتنے زور سے بلند ہوئی کہ زمین آسمان کانپ گئے۔اس نے بے قرار ہو کر اشباح کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس کا مدقوق چہرا ہلا ہلا کر پکارنے لگی۔"اشباح آنکھیں کھولو۔۔۔۔۔خدا کے لئے آنکھیں کھولو۔تم نہیں مر سکتے۔۔۔۔۔تم نہیں مر سکتے۔اس نے جھک کر کان اس کے کشادہ سینے سے لگایا۔دھڑکن کسی گہرے کنویں کی تہہ میں پانی کے آخری مشکیزے کی طرح ہچکولے لے رہی تھی۔وہ اشباح کا سر گود سے نکال کر بے تابانہ اٹھی اور غار سے باہر نکل آئی۔اس نے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں آسمان کیطرف بلند کیے۔موسلادھار بارش میں اس کی اوک پانی سے بھر گئی۔وہ بھاگتی ہوئی آئی اور یہ پانی اس کے خشک ہونٹوں سے لگا دیا۔۔۔۔

کتنی ہی دیر وہ بھاگ بھاگ کر باہر جاتی رہی اور بارش کا شفاف پانی لا کر اس کے ہونٹوں سے لگاتی رہی۔ کبھی وہ اس کی ہتھیلیوں کی مالش کرنے لگتی کبھی تلووں کو ہاتھ سے رگڑتی۔ اشباح کے جسم میں اب زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ اس کے ہڈیوں بھرے ہاتھ کی انگلیاں دھیرے دھیرے حرکت کر رہی تھیں۔

اچانک ہلابہ کو گوشت کے اس ٹکڑے کا خیال آیا جو اس کے تھیلے میں موجود تھا۔ وہ لپک کر باہر گئی اور ڈھلوان سے دو مناسب پتھر اٹھالائی۔ شیشے کی بوتل میں اس نے تھوڑا سا پانی جمع کیا اور اس پانی کی مدد سے گوشت کو پتھر سے پیسنے لگی، ذرا ہی در میں وہ ایک رقیق لباب سا تیار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے یہ لباب شیشے کی بوتل میں ڈالا پھر اشباح کے سرہانے بیٹھ کر قطرہ قطرہ اس کے منہ میں ٹپکانے لگی۔۔۔۔۔ نہ جانے وہ کب تک اس طرح کی مختلف کوششوں میں مصروف رہی۔ وہ رات کا آخری پہر تھا جب اشباح نے کراہ کر اپنی آنکھیں کھولیں۔ غار میں آگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اشباح کی حیرت زدہ آنکھیں ہلابہ کے حسین چہرے پر جمی رہ گئیں۔ شاید اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ذہنی کشمکش سے بچنے کے لئے اس نے آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔ خوشی سے بے قابو ہو کر ہلابہ نے اس کا سر آغوش میں بھینچ لیا اور سسکنے لیگ۔ وہ اس وقت عورت نہیں تھی ایک نوعمر بچی تھی جس کا ہم جولی اس کیساتھ کھیلتے کھیلتے کسی درخت سے گر گیا تھا۔ وہ اس کی چوٹ سے ڈر گئی تھی، لیکن جب اس نے آنکھیں کھول دی تھیں تو وہ اس کی محبت میں بے چین ہو کر اس سے لپٹ گئی تھی۔

وہ رو رہی تھی۔ اشباح کا سر یوں اس کی گود میں چھپا ہوا تھا جیسے سیپ میں موتی یا بند کلی میں شبنم کا قطرہ۔ وہ اس پر جھکی ہوئی تھی اور اپنی ملائم انگلیاں اس کے الجھے بالوں میں پھیر رہی ھی۔ "اشباح۔۔۔۔ اشباح!" وہ

خوشی سے لرزتی آواز میں دھیرے سے پکار رہی تھی لیکن لگتا تھا اشباح پر پھر گہری غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ ویسے اس کی حالت اب بہتر تھی اور اس کا ثبوت اس کی سانس کی روانی اور نبض کی باقاعدگی سے ملتا تھا۔

اشباح نے جب دوسری مرتبہ آنکھ کھولی تو وہ پہاڑ جیسی تاریک، طوفانی رات گزر چکی تھی۔ نیلا آسمان صاف تھا مشرق سے سورج طلوع ہو کر دھیرے دھیرے ٹیلوں پر اپنی روشنی بکھیر رہا تھا۔ ہر شے نکھری نکھری تھی۔ اشباح یک ٹک ہلابہ کو دیکھتا چلا گیا۔ اسے لگا جیسے وہ ابھی تک خواب میں ہے۔ کہاں یہ ویرانہ اور یہ تاریک غار اور کہاں ہلابہ کا چاند چہرہ اور کرنوں جیسی مسکراہٹ۔ ہلابہ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر قریب آئی اور پھر اشباح کے استخوانی ہاتھوں نے اس کے گداز ہاتھوں کی حرارت اور نرمی محسوس کی۔۔۔۔ پھر اس کی شہد آگیں آواز اشباح کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اللہ کا شکر ہے کہ آپ پوری طرح ہوش میں آگئے۔ میں کل شام سے اسی لمحے کا انتظار کر رہی تھی۔"

اشباح نے ہلابہ کا ہاتھ دبایا، جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ وہ واقعی زندہ ہے۔ پھر اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے مگر ہلابہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ "نہیں اشباح! آپ بے حد کمزور ہیں کچھ مت بولیے۔۔۔۔" پھر اس نے اشباح کا سر اپنے نرم زانو پر رکھا اور شیشے کی بوتل سے گوشت کا لعاب قطرہ قطرہ اسے پلانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح نے خود کو حیرت انگیز تیزی سے سنبھالا۔ گزرنے والے ہر دن کے ساتھ اس کی حالت میں نمایاں تبدیلی آنے لگی۔ ہلابہ کو تو جیسے اپنے تن من کا ہوش نہیں رہا تھا۔ کبھی کبھی تو اشباح کو اس پہ ترس آنے لگتا۔ وہ کہتا۔

"ہلابہ! کیا میری تیمار داری میں خود کو ہلاک کر لو گی؟"

وہ مسکرا کر کہتی۔ "اشباح! مجھے اس حق سے محروم نہ کریں۔ آپ مسلمان سپاہی ہیں اور آپ کی خدمت میرا فرض ہے اور میرا ایمان بھی۔ خدا کی قسم میرے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کوئی بات نہیں۔"

وہ روز صبح سویرے تیر کمان لے کر شکار کے لئے نکل جاتی اور سورج طلوع ہونے تک واپس آجاتی۔ اس غار میں آئے ہوئے اسے پانچ روز ہوئے تھے اور وہ ایک بار بھی خالی ہاتھ واپس نہیں آئی تھی۔ اس علاقے میں شکار زیادہ نہیں تھا پھر بھی یہ اس کے شوق اور لگن کی انتہا تھی کہ وہ کامیاب لوٹتی تھی۔۔۔ اس نے غار کی گہرائی سے ایک صندوق بھی برآمد کر لیا تھا۔ یہ صندوق دراصل اس جنگی سامان کا حصہ تھا جو حریت پسند نوجوان اس جگہ چھپانے آئے تھے۔ بعد ازاں پرماتما کے سرخ پوش سپاہی تمام سامان لے گئے تھے لیکن یہ صندوقکسی تاریک گوشے میں پڑا رہ گیا تھا۔ حسن اتفاق تھا کہ اس صندوق سے ہلابہ کو نہ صرف اشباح کے زخموں کے لئے مرہم پٹی مل گئی تھی بلکہ آگ جلانے کا سامان بھی مہیا ہو گیا تھا۔ اب وہ غار میں آگ روشن کر سکتے تھے اور شکار کا گوشت بہتر طریقے سے استعمال میں لا سکتے تھے۔ غار میں آنے کے بعد اشباح کی ٹانگ اور پشت کے زخم گڑ گئے تھے، مگر خوفناک فاقہ زندگی نے ان زخموں کا زہر خود بخود ختم کر دیا تھا۔ اب اگر احتیاط

اور باقاعدگی کے ساتھ علاج کیا جاتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ چند ہفتوں میں وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو جاتا۔۔۔ اور ہلابہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے اشباح کے زخم صاف کرتی انہیں دھوتی اور پھر مرہم لگاتی۔ اسے کھانا کھلا کر وہ نزدیکی چشمے سے پانی لا کر جب وہ دوسرے کاموں سے فارغ ہو جاتی تو اس کے پاس بیٹھ جاتی اور اپنی نہایت دلچسپ اور چاہت آمیز باتوں سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتی۔

اشباح کی آواز کی نقاہت اور زبان کی لڑکھڑاہٹ بتدریج دور ہو رہی تھی۔ آخر وہ دن آیا جب اشباح اور ہلابہ نے ایک دوسرے کو اپنی آپ بیتی سنائی اور صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوئے۔ اشباح نے بتایا کہ کس طرح ابدال غازی کی شہادت کے بعد وہ اس کے بھتیجے مانک کے ساتھ محفوظ مقام کی طرف بھاگ رہا تھا کہ سرخ پوش نے مانک کو گرفتار کر کے اسے زخمی کر دیا اور پھر کس طرح وہ محمود شہید کے مزار میں پہنچا جہاں اس کے ہاتھوں دو سرخ پوش قتل ہوئے اور وہ اس تاریک غار کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ غار میں حریت پسند نوجوانوں کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بھی اس نے تفصیل سے ہلابہ کو سنایا اور پھر بتایا کے انہی نوجوانوں میں سے ایک شہید نوجوان کی خوراک کا تھیلا اس کے لئے زندگی کی نوید بنا، ورنہ غار میں بند ہونے کے بعد اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔

ہلابہ بڑے انہماک اور توجہ سے اشباح کی روئیداد سنتی رہی۔ اشباح کی تکالیف کا سن کر اس کا دل خون ہو رہا تھا۔ وہ جانتی تھی اشباح اسے بہت کم بتا رہا ہے اس سے کہیں زیادہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی۔

اشباح کی روئیداد ختم ہوئی تو ہلابہ نے اپنے حالات کا تذکرہ کیا۔اس کی کہانی اشباح کی کہانی سے کہیں زیادہ دلچسپ اور سنسنی خیز تھی۔اس کا ہر ہر لفظ تحیر اور اسرار میں ڈوبا ہوا تھا۔وہ اشباح کو اس تاریک جنگل کے بارے میں بتا رہی تھی جہاں سیاہ طلسم کی حکمرانی تھی اور جہاں ہر ہر چپے پر انسانی عقل کو دنگ کرنے والے مظاہر موجود تھے۔۔۔۔۔ہلابہ کہہ رہی تھی اور اشباح سن رہا تھا۔اگر بتانے والی ہلابہ نہ ہوتی تو شائد اشباح ان باتوں پر یقین نہ کرتا یا پھر بتانے والی کی دماغی حالت پر شبہ کرنے لگتا۔مگر وہ ہلابہ تھی اس کے بچپن کی ساتھی۔وہ اس کو اتنا ہی جانتا تھا جتنا خود کو۔ہلابہ روانی سے بول رہی تھی اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اشباح کی آنکھوں کے سامنے ایک نقشہ سا کھینچتے جا رہے تھے۔وہ ان لفظوں کے دھارے میں بہہ کر جیسے تاریک جنگل کے اندر پہنچ گیا تھا۔اس نے اپنے تصور کی آنکھوں سے ہلابہ کو جادوگری کے پنڈال میں جادوگری کے مظاہرے دیکھتے ہوئے دیکھا۔جادوگر اچھل رہے تھے،کود رہے تھے۔اپنے حریفوں کو اذیت ناک شکست اور موت سے دوچار کر رہے تھے۔پھر اس نے ہلابہ کو دیکھا جو دلیرانہ پرماتما کے پراسرار محل میں داخل ہو رہی تھی۔پرماتما کے حجلہ عروسی کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا۔۔۔۔پرماتما کی موت،ہلابہ کا بھاگنا،بدبودار کنوئیں میں اقتیلا جام سے ملنا اور پھر اقتیلا جام کے محل کے تاریک تہہ خانے میں پہنچ جانا، سب کچھ اس نے تصور کی آنکھوں سے دیکھا۔

بانسوں کے جنگل میں بندروں کی یورش،خونخوار مکھیوں اور بندروں کی مہلک جنگ،راما جن و موہا کی خوفناک آمد،روہل کمار کی موت اور پہاڑی پر برپا ہونے والے قیامت کے مناظر،آخر میں الجوہری کا منحوس کردار،ساحر اعظم اقتیلا جام کی موت اور ہلابہ کا فرار۔۔۔۔سب کچھ اشباح کی نگاہوں کے سامنے سے ترتیب

وار گزرتا چلا گیا۔کبھی اس کی آنکھوں سے حیرانی جھانکنے لگتی اور کبھی چہرہ سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتا۔اسے اپنے والد مرحوم کا وصیت نامہ یاد آ رہا تھا۔وصیت نامے کے وہ الفاظ اس کے ذہن میں تازہ ہو رہے تھے جن میں اس خطے کی پراسراریت کا تذکرہ کیا گیا تھا۔اس کے والد نے لکھا تھا،اشباح میں یہاں تجھے جو باتیں بتانے جا رہا ہوں ان میں سے کچھ تو سیدھی سادھی ہیں اور ہر ذی ہوش انسان انھیں سمجھ سکتا ہے مگر کچھ ایسی ہیں جو غیر معمولی ہیں اور جن پر انسانی عقل مشکل سے یقین کرتی ہے۔عام زبان میں ایسی باتوں کو مافوق الفطرت کہا جاتا ہے۔

اسی وصیت نامے میں انھوں نے آگے چل کر ایک جگہ لکھا تھا،ہماری اس ریاست میں جہالت کا یہ عالم ہے کہ راجہ کو بھگوان کا سایہ سمجھا جاتا ہے اور بتوں کے ساتھ ساتھ لوگ اس کی بھی پوجا کرتے ہیں۔ریاست کے انتہائی شمال میں ایک گھنے جنگل کے اندر جہاں دن کو بھی رات کا سماں رہتا ہے۔راجا ایک شاندار محل میں رہتا ہے۔مشہور ہے کہ یہ محل سحر کے زور پر قائم ہے۔

آج بیس سال بعد اس کے والد کی کہی ہوئی بہت سی باتیں سچ ثابت ہو رہی تھیں اور ہلابہ کی زبان ان کی تصدیق کر رہی تھی۔وہ اپنے خیالوں میں کھویا رہا۔اپنی سوچوں میں ڈوبتا ابھرتا رہا۔تاریک جنگل میں ہلابہ کے ساتھیوں اور خیر خواہوں کی کربناک اموات کا سن کر اس کا دل سخت افسردہ ہوا۔جب اہلابہ نے اسے چندا کی موت کا بتایا تو اس کا دکھ انتہا کو پہنچ گیا۔آخر ہلابہ اپنی سنگین اور تحیر انگیز آپ بیتی سنا کر خاموش ہو گئی۔کچھ دیر غار میں ایک گھمبیر خاموشی طاری رہی پھر اشباح نے ایک پتھر کی طرف دیکھا وہاں اقتیلا جام کا حنوط شدہ سانپ رکھا ہوا تھا۔

اشباح نے پوچھا۔ "کیا یہ وہی کنڈالی ہے؟"

ہلابہ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے اٹھ کر کنڈالی اشباح کے ہاتھ میں تھمادی اور اس کی خصوصیات بتانے لگی۔ وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر ہلابہ نے چمڑے کا وہ ٹکڑا بھی اشباح کے سامنے رکھ دیا جو اقتیلا جام نے نزع کے عالم میں اسے دیا تھا۔ اشباح نے چمڑے کو کھولا اور اسے پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر یہ زبان اس کے لئے قطعی ناقابل فہم تھی۔ وہ کوشش کے باوجود ایک لفظ نہ پڑھ سکا۔ ہلابہ کے لئے بھی یہ تحریر اجنبی ثابت ہوئی۔

شام ہو چکی تھی۔ ہلابہ ایک قریبی چشمے سے چرمی تھیلے میں پانی بھر لائی۔ اس نے اشباح کو وضو کرایا پھر خود وضو کیا۔ نماز مغرب کے بعد انھوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور ایک بار پھر اپنے حالات پر غور و فکر کرنے لگے۔

ہلابہ نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے سردار یحییٰ اور اویس سمیت ہمارے تمام ساتھی منوہر چند کی قید میں ہیں۔"

اشباح نے افسردگی سے کہا۔ "یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ چند ہفتے پہلے اس غار میں جو نوجوان آئے تھے ان کی باتوں سے پتا چلا کہ چھاونی کے قید خانے میں ہمارے دستے کے قیدیوں کو اذیتیں دے کر مارا جا رہا ہے۔۔۔۔ اب معلوم نہیں ان میں کتنے شہید ہو گئے اور کتنے زندہ ہیں۔"

اچانک ہلابہ کو مانک کا خیال آیا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ مانک زندہ گرفتار ہوا تھا۔ میرا مطلب ہے کہیں اسے ہلاک تو نہیں کر دیا گیا؟"

اشباح نے کہا۔ "میں اور مانک برساتی نالے کے کنارے لمبی گھاس میں چھپ گئے تھے۔ پرماتما کے سپاہی گھاس میں نیزے چبھوتے ہوئے گزرے۔ ایک نیزہ مانک کی ران کو چھید گیا۔ میں اسے کندھے پر لاد کر بھاگا لیکن جنگلی سوروں نے راستہ روک لیا۔ ان جانوروں سے پیچھا چھڑا کر ہم ایک ٹیلے کی طرف نکل آئے۔ مانک کا کافی خون بہہ چکا تھا مگر میرا خیال تھا کہ میں اسے بچاؤں گا لیکن پھر اچانک سرخ پوشوں نے گھیرا ڈال لیا۔ مانک میرے کندھے سے پھسل کر نشیب میں لڑھک گیا اور گرفتار ہوا۔ اب معلوم نہیں وہ بچا یا نہیں؟"

ہلابہ نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ "شائد وہ مر گیا ہے۔ اس لئے تو چندا بھی زندہ نہیں بچی۔۔۔۔ کاش میں اس معصوم لڑکی کو بچا سکتی۔۔۔۔ اشباح! مجھے اس کی موت کا بہت دکھ ہے۔۔۔۔ بہت دکھ ہے۔" بے ساختہ ہلابہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ پڑے اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"وہ منزل کے قریب پہنچ چکی تھی۔ صد افسوس وہ آخری پل پار کرنے میں کامیاب نہ ہوئی۔"

اشباح نے کہا۔ "ہلابہ ہم کس کس کا ماتم کریں گے۔ بہتر ہے ہم کسی کا ماتم نہ کریں۔ موت کی اس وادی میں صرف اپنی آمد کے مقصد پر نظر رکھیں اور لہو کے چراغ جاتے چلے جائیں۔ صرف یہی ایک راستہ ہے دکھوں کو شکست دینے کا۔"

ہلابہ نے الٹے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھے۔ سوگواری میں وہ ہمیشہ سے زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ اس کی ناک کی چونچ کا تل اتنا دلفریب تھا کہ اشباح کو حیا سے اپنی نگاہ جھکا لینا پڑی۔ کبھی کبھی اسے ہلابہ کے قرب سے خوف سا آنے لگتا تھا۔ اس کی تمام تر چاہت کے باوجود اشباح کا دم گھٹنے لگتا۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ

جلد سے جلد ٹھیک ہو کر اس غار کو چھوڑنے کے قابل ہو جائے۔ ہلابہ روز صبح و شام اسے کندھے کا سہارا دے کر غار میں چند قدم چلاتی تھی۔ اب اس کی زخمی ٹانگ کچھ کچھ بوجھ برداشت کرنے لگی تھی۔ آج خود ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ ہلابہ لپک کر آئی تاکہ اسے کندھے کا سہارا دے سکے مگر اشباح نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔ وہ آج بغیر سہارے کے چلنا چاہتا تھا۔ تین چار قدم صحیح اٹھے۔۔۔۔۔ مگر پھر اچانک اس کا توازن خراب ہوا اور وہ لڑکھڑا کر گرا۔ اس کے زمین چھونے سے پہلے ہی ہلابہ جھپٹ کر آئی اور اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ دونوں اوپر نیچے سنگلاخ زمین پر گرے۔ اشباح کے حصے کی ساری چوٹ ہلابہ کو آئی۔ دونوں ایک ساعت کے لئے بے حرکت پڑے رہے۔ پھر اشباح نے جلدی سے خود کو جدا کیا۔ دونوں کے چہرے فرط شرم سے سرخ ہو رہے تھے۔ اشباح نے بے قراری سے پوچھا۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟"

"نہیں۔۔۔۔۔ آپ کو تو نہیں آئی؟"

"نہیں۔" اشباح نے کہا۔ وہ کچھ دیر بیٹھ کر حوصلہ جمع کرتا رہا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور دوبارہ چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس دفعہ اسے کامیابی ہوئی۔ وہ پہلے دیواروں کے سہارے چلتا رہا پھر بغیر کسی سہارے کے چند قدم اٹھائے۔ اس کی ہمت قابل داد تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ہانپ کر ہلابہ کے پاس آ بیٹھا۔ اس نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم نے دیکھا ہلابہ! اب میں چل سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں مزید رکنے کی ضرورت نہیں۔ کل یا پرسوں تک ہم یہ غار چھوڑ سکتے ہیں۔"

ہلابہ کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے تاہم اس کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے ایک طرح کی اداسی بھی جھانک رہی تھی۔ شائد وہ سوچ رہی تھی کہ وہ جگہ اب چھوڑنا پڑے گی جہاں اس نے اپنی زندگی کے چند یادگار دن گزارے ہیں۔ یہ شامیں اور صبحیں وہ کیسے بھول سکتی تھی، کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس نے اشباح سے کہا۔

"اشباح! میرا خیال ہے آپ کو جلدی نہیں کرنی چاہئیے۔ زخم پھر کھل گئے تو بہت مشکل ہو گی۔"

اشباح کے قریب اس کی تلوار رکھی تھی۔ اس کا ہاتھ بے خیالی میں تلوار کے دستے پر گردش کر رہا تھا۔ اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ "نہیں ہلابہ! اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پرسوں تک آرام میرے لئے بہت کافی ہو گا۔۔۔۔"

ہلابہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "اچھا میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ غار سے باہر نکلی اور خاموشی سے چشمے کی طرف چل دی۔ درختوں کے درمیان سے نکلتا ہوا یہ ایک چھوٹا سا چشمہ تھا۔ ہلابہ نے بہ آہستگی اپنے بازو سے قمیص کی آستین ہٹائی۔ خوبصورت سفید کہنی پر ایک گہرا زخم تھا۔ یہ زخم اشباح کو سنبھالتے ہوئے کسی نوکدار پتھر سے لگا تھا۔ ہلابہ نے زخم کو چشمے کے پانی سے دھو کر اس پر چکنی مٹی لگائی۔ خون بند ہو گیا تو اوڑھنی کا ایک کنارہ پھاڑ کر پٹی باندھی اور آستین برابر کرتی ہوئی غار میں واپس آ

گئی۔ بازو سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں لیکن یہ ٹیسیں اسے بالکل بری محسوس نہیں ہوتی تھیں۔ ہاں یہ جگہ چھوڑنے کے خیال سے دل مین جو ٹیسیں اٹھ رہی تھیں وہ ضرور تکلیف دے رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محمد بن قاسم، اسلامی لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر راوڑ کے مضبوط قلعے کے سامنے پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ پچھلے چند ماہ میں سیستان کے قرب وجوار کا تمام علاقہ اور بڑے قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ اب انھیں دریائے سندھ پار کرکے راجہ داہر پر شدید ترین ضرب لگانا تھی۔ محمد بن قاسم کا خیال تھا کہ یہ ضرب لگانے میں زیادہ تاخیر نہ کی جائے اور جلد از جلد راجہ داہر کو میدان جنگ میں للکارا جائے۔۔۔۔ مگر دریا پار کرنے کے لئے سب سے بڑا مسئلہ کشتیوں کی دستیابی کا تھا۔ ظاہر تھا دشمن ہوشیار ہے اور اگر دریا پار کرتے وقت تاخیر ہوئی تو انھیں زبردست نقصان پہنچ جائے گا۔ لہذا آناً فاناً دریا پار کرنے کے لئے کثیر تعداد میں کشتیوں کی ضرورت تھی۔ ابھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ ایک اور مشکل کھڑی ہو گئی۔ ناموافق موسم کی وجہ سے گھوڑوں کو سپرد خاک کرنا پڑ رہا تھا اور کچھ خبر نہین تھی کہ یہ آفت کیا شکل اختیار کرے گی۔ لشکر میں ایک طرح کی مایوسی اور پژمردگی پھیلتی جا رہی تھی۔ وطن سے دوری اور مہم کی طوالت سپاہ کے مزاج پر ہمیشہ اثرانداز ہوتی ہے، یہاں بھی ہو رہی تھی۔ ان غیر موافق حالات میں لشکر کے جو سپا سالار اور سردار ہمیشہ کی طرح بلند حوصلہ اور چاق وچوبند تھے اور جن کے روشن چہرے ساتھیوں کے لئے امید اور روشنی کا سرچشمہ تھے ان میں پہلا نام سالار اعظم محمد بن قاسم کا تھا۔ یہ جواں سال مجاہد سورج کی

طرح اپنے ستاروں کو روشنی بخش رہا تھا۔ اس کی تابانیاں سپاہیوں میں جذبوں کی حرارت برقرار رکھے ہوئے تھیں۔

منظر محمد بن قاسم کے وسیع خیمے کا تھا۔ وہ کمر پر ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا اور قندیل کی روشنی میں محترر کو خط لکھوا رہا تھا۔ یہ خط والئی بصرہ حجاج بن یوسف کے نام تھا۔ مضمون کچھ اس طرح تھا۔

"محترم چچا! آپ کا خط ملا جس میں آپ نے اپنی دعاؤں سے نوازا ہے اور جلد از جلد دریا پار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ محترم چچا! میرے بس میں ہو تو ایک لمحے کی دیر نہ کروں مگر حالات ساتھ نہیں دے رہے۔ بہر حال میں مایوس نہیں۔ آپ کی دعائیں اور خدا کی مدد شامل حال رہی تو جلد ہی اسلام اور کفر کے درمیان فیصلہ کب معرکے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ میں آپ کی ہدایت کے مطابق دریا کے کناروں کا جائزہ لے رہا ہوں اور اس کوشش میں ہوں کہ پار اترنے کے لئے مناسب ترین جگہ تلاش کی جائے۔ اس کے علاوہ راجہ داہر سے نامہ و پیام بھی جاری ہے۔ میں نے اپنا ایلچی بھیجا تھا اور اس کی زبانی داہر کو کہلوایا تھا کہ دو باتوں میں سے ایک قبول کر لو۔ یا تم دریا عبور کرکے ہمارے پاس آؤ یا ہمارے لئے راستہ چھوڑ دو۔ اگر تم دریا عبور کرنا چاہتے ہو تو ہمارے طرف سے تمہیں صف آرائی کا پورا موقع دیا جائے گا۔ جواب میں راجہ داہر نے بہر سوچ بچار کے بعد پیغام بھجوایا ہے کہ ہم لڑائی کے لئے تیار ہیں۔ تم چاہو تو دریا عبور کر سکتے ہو۔

باقی احوال یہ ہے کہ اسلامی فوج کو کچھ مشکلات درپیش ہیں جن میں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ ایک برص قسم کی بیماری سے ہمارے گھوڑے بڑی تعداد میں مر رہے ہیں اگر ہو سکے تو آپ کچھ گھوڑے بھجوانے کا انتظام

کریں تاکہ یہ نقصان پورا کیا جاسکے۔اس کے علاوہ ناگوار مقام کی بے موسم خوراک نے سپاہیوں کی عام صحت خراب کرر کھی ہے۔میں بہت مشکور ہوں گا اگر آپ اپنے گودام سے یا کسی دوسرے طریقے سے تھوڑا سا سرکہ بھجوادیں۔آپ کی دعاؤں اور بزرگانہ مشوروں کا طالب۔"

محمد بن قاسم

خط لکھوا کر محمد بن قاسم نے ایک دفعہ پڑھا پھر اپنی مہر ثبت کی اور اسے قاصد کے حوالے کر دیا۔اس کے بعد وہ اپنے مصاحبین کے ساتھ قالین پر بیٹھ گیا اور مختلف جنگی معاملات پر گفتگو کرنے لگا۔ابھی اس گفتگو کا آغاز ہی ہوا تھا کہ چوب دار نے آکر اطلاع دی کہ سردار جہم بن زحر سپہ سالار کی خدمت میں حاضری دینا چاہتے ہیں۔جہم بن زحر کا نام سنتے ہی محمد بن قاسم چونک اٹھا۔وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا اور بولا۔"ہاں۔۔۔۔ہاں انھیں فوراً اندر بھیجو۔"

تھوڑی دیر بعد سردار جہم بن زحر اپنے چیدہ چیدہ ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ان سب کے حلیے بتا رہے تھے کہ وہ کسی دور دراز سفر سے لوٹے ہیں۔چہرے گرد آلود،لباس شکن شکن اور آنکھوں میں تھکاوٹ کے آثار،ان سب نے محمد بن قاسم کو تعظیم پیش کی۔محمد بن قاسم نے خود آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بیٹھنے کو جگہ دی۔خدام نے مشروبات سے ان کی تواضع کی۔جب وہ ذرا دم لے چکے تو جہم بن زر نے عرض کی۔

"محترم سالار!مجھے افسوس ہے ہم آپ کے لئے کوئی اچھی خبر نہیں لاسکے۔"

ایک لمحے کے لئے خیمے میں گہرا سکوت طاری رہا۔پھر محمد بن قاسم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔"آپ کا مطلب ہے کہ گمشدہ دستے کا کوئی سراغ نہیں ملا۔"

جہم بن زحر نے کہا۔"جی ہاں سالار۔"

محمد بن قاسم نے حوصلہ بخش لہجے میں کہا۔"کوئی بات نہیں جہم!مجھے یقین ہے آپ نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا ہو گا۔۔۔۔کیا آپ کچھ تفصیل بتانا پسند کریں گے؟"

سردار جہم نے اپنے سفر کی شروعات کے متعلق کچھ باتیں بتائیں پھر کہا۔"سالار محترم!آپ کی ہدایت کے مطابق ہم سب سے پہلے اس مقام پر پہنچے جہاں رومی سردار بوہان اور اشباح بن سقیل کے درمیان آخری معرکہ ہوا تھا اور جہاں ابھی تک سینکڑوں رومیوں اور مقامی سپاہیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں۔یہیں پر ایک شکستہ مندر کا کھنڈر ہے۔اشباح بن سقیل کے ساتھیوں نے بتایا ہے کہ اس مندر پر پہنچ کر اشباح نے انھیں چھوڑ دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ مسلم سپاہیوں کی لاشیں دفنا کر وہ واپس اپنے لشکر میں چلے جائیں اور خود اپنے دستے کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔۔۔۔محترم سالار!وہ ایک لق دق صحرا ہے جو افق تا افق پھیلا ہوا ہے۔نہ جانے اس کی لمبائی چوڑائی کیا ہے۔ہم نے اس صحرا میں دور دور تک گھوڑے دوڑائے ہیں اور ایک ایک سمت میں کئی کئی روز تک سفر جاری رکھا ہے لیکن نہ تو کوئی آدم زاد نظر آیا ہے اور نہ ہی کسی بستی کا سراغ ملا ہے۔یوں لگتا ہے وہ دنیا کا آخری کنارہ ہے جس سے آگے زندگی کا کوئی وجود ہی نہیں۔۔۔۔"

محمد بن قاسم نے پوچھا۔ "کیاارد گرد کے مقامی لوگوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس صحرا میں زندگی کا وجود نہیں۔"

سردار جہم بن زحر نے کہا۔ "سالار معظم! اس بارے میں کہانیاں اور حکایتیں مشہور ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس صحرا میں کہیں بہت اندر جہاں زندہ انسان نہیں پہنچ سکتا ایک جادو نگری آباد ہے اور ایک شاداب وادی میں دودھ اور شراب کی نہریں بہتی ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہاں سرخ لباس والے گھڑ سواروں کے روپ میں شیطان حکومت کرتے ہیں، کسی روز اس ریگستان میں بہت تیز آندھی آئے گی اور وہ شیطان اپنی بستیوں سے نکل کر صحرائے مہران کی بستیوں پر قبضہ کرلیں گے۔۔۔۔ غرض بہت سے قصے مشہور ہیں لیکن اصل حقیقت شائد کسی کو بھی معلوم نہیں۔"

محمد بن قاسم کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں غلطاں تھیں۔ اس کے نوجوان چہرے پر ہزاروں دانشوروں کی دانائی یکجا ہوگئی تھی۔ آخر وہ اپنی سوچ کے بحر سے نکلا اور جہم بن زحر سے بولا۔

"جہم! آپ کی کاوشوں کا بے حد شکریہ۔ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں جائیے آرام کیجئیے میں چند دن بعد آپ کو پھر طلب کروں گا۔۔۔۔ امید ہے اس وقت تک آپ تازہ دم ہوں گے۔"

محمد بن قاسم کی بات سے سردار جہم کو اندازہ ہو گیا کہ شائد اسے پھر کسی سفر پر روانہ کیا جائے گا۔ اس نے کہا۔ "محترم سالار! میں اس وقت بھی ہر مہم کے لئے تیار ہوں۔ اگر آپ آرام ضروری سمجھتے ہیں تو میرے لئے عشاء سے فجر تک کا آرام کافی ہوگا۔"

محمد بن قاسم نے محبت سے اس کی طرف دیکھا پھر کہا، "مجھے معلوم ہے آپ اس وقت بھی چوکس ہیں لیکن آپ اور آپ کے ساتھی چند روز مکمل فراغت کے حقدار ٹھہر چکے ہیں۔"

سردار جہم اور اس کے ساتھی تعظیم پیش کرنے کے بعد واپس چلے گئے تو محمد بن قاسم بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ محفل برخاست ہوگئی۔ مصاحبین باہر نکل گئے تو محمد بن قاسم خیمے کے طول و عرض میں ٹہلنے لگا۔ اس کے چہرے پر زبردست کشمکش پائی جاتی تھی۔ کافی دیر بعد وہ کسی فیصلے پر پہنچا اور اپنے خیمے سے نکل کر ان خیموں کی طرف بڑھا جہاں خواتین کا پڑاؤ تھا۔ یہ پڑاؤ خیمہ گاہ کے عین درمیان واقع تھا۔ محمد بن قاسم تمکنت اور وقار سے چلتا ہوا ایک سرخ خیمے کے سامنے جا کر رکا۔ یہ سہ پہر کا وقت تھا۔ خیمہ گاہ میں خاموشی تھی۔ خیمے کے اندر سے تلاوت کلام پاک کی مدھم نسوانی آواز آرہی تھی۔ محمد بن قاسم کی دستک پر ایک ملازمہ باہر نکلی۔ سپہ سالار کو روبرو دیکھ کر وہ ادب و احترام سے دوہری ہوگئی۔ پھر اچھا حضور کہتی ہوئی جلدی سے اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر خیمے میں پردہ کر لیا گیا تو محمد بن قاسم اجازت لے کر اندر چلا گیا۔ یہ ایک خوبصورت خیمہ تھا۔ درمیان میں نفیس پردہ لٹک رہا تھا۔ پردے کے عقب میں کسی عورت کا ہیولا تھا۔ وہ آسیہ تھی، اشباح کی دلہن۔۔۔۔ چند ماہ پہلے محمد بن قاسم نے خود اس کا نکاح پڑھایا تھا۔ آسیہ نے اٹھ کر محمد بن قاسم کو تعظیم پیش کی۔ رسمی گفتگو کے بعد محمد بن قاسم نے نرم آواز میں کہا۔

"آسیہ بہن! اشباح کی تلاش میں میں نے جو دستہ بھیجا تھا وہ واپس آگیا ہے۔"

آسیہ چونک کر محمد بن قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔ مومی شمعوں کی روشنی میں اس کا حسین چہرہ زرد نظر آرہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں آس امید کے بہت سے دیے جل رہے تھے۔ وہ مجسم سوال بن کر پردے کے پار دیکھ رہی تھی۔

محمد بن قاسم نے کہا۔ "ابھی تلاش جاری ہے۔ آپ پرامید رہیں انشاءاللہ ہم کامیاب رہیں گے۔"

آسیہ نے اپنی حنائی انگلیاں ہونٹوں پر رکھ لیں شائد اس طرح اس نے اپنی سسکی روکنے کی کوشش کی تھی۔ محمد بن قاسم نے کہا۔

"سردار جہم، صحرائے تھر میں بہت دور تک گئے ہیں لیکن انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ آپ کے لئے ایک مایوس کن خبر ہے لیکن اس کے علاوہ میرے پاس آپ کے لئے ایک اچھی خبر بھی ہے۔"

پردے کے پار آسیہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر روشنی نمودار ہوئی۔ محمد بن قاسم نے کہا۔ "دو روز پہلے میرے پاس راجہ داہر کی فوج کا ایک اہم شخص آیا ہے۔ اس کا نام بھیم سنگھ ہے۔۔۔۔ کیا آپ بھیم سنگھ کو جانتی ہیں؟"

آسیہ نے کہا۔ "جی۔۔۔۔۔ یہ وہی سیناپتی ہے جس نے "لس بیلا" کی لڑائی میں آپ کے ہاتھوں شکست کھائی تھی۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "وہ شدید زخمی حالت میں گرفتار ہوا تھا۔ میں نے علاج معالجے کے بعد رہا کر دیا تھا۔ وہ خود کو مسلمانوں کا بہت احسان مند سمجھ رہا ہے۔ سنا ہے راجہ داہر کے پاس جا کر اس نے غلطی سے مسلمانوں کی

تعریف میں چند کلمے کہہ دیے تھے۔ پاداش میں داہر نے اسے قید خانے میں پھنکوا دیا تھا۔ وہاں سے کسی طرح فرار ہو کر وہ پرسوں ہی ہمارے پڑاؤ میں پہنچا ہے۔ میں نے اس سے اپنے گمشدہ دستے کا ذکر کیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ایک ایسے فوجی سالار کو جانتا ہے جو صحرائے تھر کے کچھ راستوں سے واقف ہے۔ یہ راستے خطرناک دلدلی علاقوں سے گزرتے ہیں لیکن جن لوگوں کو ان کا صحیح علم ہے وہ نہایت مختصر مدت میں ایک ایسے علاقے تک پہنچ جاتے ہیں جہاں پرماتما نامی کسی شخص کی حکومت ہے اور جو پراسرار طاقتوں کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ صحرا میں بھٹکے ہوئے جو لوگ اس کی ریاست میں داخل ہوتے ہیں انھیں گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ شائد اشباح بن سقیل اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو ہم لوگ امید کر سکتے ہیں کہ وہ لوگ صحرا میں بھٹک کر پیاس اور گرمی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ کسی بستی میں زندہ سلامت موجود ہیں۔۔۔۔۔"

آسیہ نے کہا۔ "محترم سالار! مجھے بھی یقین ہے کہ اشباح صحرا کی سختی کا شکار نہیں ہوئے ہوں گے۔ وہ میدان جنگ میں شہادت کے طلبگار تھے اور ان کے لبوں پر ہر وقت یہی دعا رہتی تھی۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "بہن! آپ حوصلہ رکھیں، میں اسی ہفتے بھیم سنگھ کو ایک دستے کے ساتھ دوبارہ تلاش کے کام پر بھیج رہا ہوں، انشاءاللہ اس دفعہ ہمیں مایوسی نہیں ہو گی۔"

آسیہ نے کہا۔ "محترم سالار! آپ کے اعلیٰ اخلاق نے ہم سب کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ کاش میں مرد ہوتی اور ادنیٰ سپاہی کی طرح آپ کی قیادت میں لڑ سکتی۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔"بہن! آپ عورتیں میدان جنگ کے معرکوں میں برابر کی حصہ دار ہیں۔آپ تلوار نہیں چلاتیں لیکن اپنے پیارے بھائیوں، بیٹوں اور شوہروں کے جسموں پر ہتھیار سجا کر اور ان کے گھوڑوں کی لگامیں تھام کر ان کا رخ میدان کارزار کی طرف کرتی ہیں اور پھر جدائی کے طویل ماہ و سال ان کے انتظار میں گزارتی ہیں۔ان کے گھروں کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔یہ قربانیاں کچھ کم نہیں۔۔۔۔۔"

محمد بن قاسم مسحور کن لہجے میں بولتا رہا اور آسیہ خاموشی سے سنتی رہی۔۔۔۔۔۔کچھ دیر بعد وہ آسیہ کو تسلی تشفی دے کر اور اشباح کی تلاش میں روانہ کی جانے والی نئی مہم کی تفصیلات بتا کر خیمے سے باہر نکل آیا۔باہر آسیہ کا بوڑھا ملازم سیوک رام دست بستہ کھڑا تھا۔محمد بن قاسم نے لبادے سے اشرفیوں کی ایک تھیلی نکال کر اسے دی اور کہا۔

"سیوک رام! اپنی مالکن کا ہر طرح خیال رکھو۔جس چیز کی ضرورت ہو بیت المال کے نگران سے طلب کرو۔میں نے اسے ہدایت دے رکھی ہے۔یاد رکھو آسیہ تمہاری مالکن ہی نہیں میری بہن بھی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چاند مشرقی ٹیلوں سے کسی پر جلال شہسوار کی طرح طلوع ہو رہا تھا۔اس کی کرنیں غار کے ایک حصے کو نیم روشن کر رہی تھیں۔اشباح اور ہلابہ مصروف گفتگو تھے۔زیر غور مسئلہ یہی تھا کہ اس غار سے نکل کر انھیں کیا کرنا ہے؟ یہ سوال بہت اہم تھا کیونکہ اس کے صحیح جواب پر نہ صرف ان دونوں کی زندگی کا دار و مدار تھا بلکہ اس پوری ریاست کے مستقبل کا انحصار تھا۔ان کے سامنے اب دو راستے تھے۔ایک تو یہ کہ وہ کسی طرح اس

ریاست کی حدود سے نکلنے کی کوشش کریں اور پھر صحرائے تھر میں راستہ تلاش کرتے ہوئے آباد دنیا کی سرحد میں داخل ہو جائیں۔اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہوتے تو پھر ان کے لئے اسلامی لشکر اور سالار اعظم تک پہنچنا بھی مشکل نہیں تھا۔دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ صحرا میں بھٹکنے اور سرخ پوشوں کی نگاہ میں آنے کا خطرہ مول نہ لیں اور اسی ریاست میں رہتے ہوئے اس طوفان کی قیادت سنبھالیں جو سرکش جذبوں کی صورت میں یہاں کے باسیوں کے دلوں میں ہلکورے لے رہا تھا اور قطروں سے سیلاب بننے کے لئے راستہ تلاش کر رہا تھا۔ایسی صورت میں ہاشم اور ابدال غازی جیسے لوگ ان کی بہت مدد کر سکتے تھے۔

دم بدم ابھرتے چاند کی روشنی میں وہ دیر تک اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے رہے۔آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ فی الحال ریاست کے لوگوں کو پرماتما کے خلاف کھڑا کرنا اور انھیں ایک منظّم فوج سے لڑانا آسان نہیں۔بہتر یہی ہے کہ موقعے کا فائدہ اٹھا کر اس اندھیر نگری سے نکلنے کی کوشش کی جائے اور یہاں ہونے والے ظلم و ستم کا احوال اسلامی لشکر کے کانوں تک پہنچایا جائے۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہلابہ اور اشباح نے فیصلہ کیا کہ وہ آج رات پچھلے پہر اس غار کو چھوڑ کر قسمت آزمانے نکل کھڑے ہوں گے۔رخت سفر کے لئے ہلابہ پرندوں کا کچھ خشک گوشت جمع کر چکی تھی۔اس نے یہ گوشت چمڑے کے تھیلے میں رکھا، پھر پانی کی بوتل بھی بھر کر اندر رکھ لی۔تب اس نے اشباح کے زخموں کے لئے مرہم پٹی کا سامان سنبھالنا شروع کیا۔اشباح نے جنگی سامان والے صندوق میں سے اچھی کمانیں، چار ترکش اور دو تلواریں منتخب کر لیں یہ سارا سامان ایک جگہ ڈھیر کر کے اشباح لنگڑاتا ہوا غار سے نکلا۔یہاں ایک کھائی میں ہلابہ کا گھوڑا موجود تھا۔اشباح نے مشعل کی روشنی میں گھوڑے کا اچھی طرح جائزہ لیا۔یہ دیکھ

کر اسے خوشی ہوئی کہ گھوڑا صحت مند ہے اور ان دونوں کا بوجھ آسانی سے اٹھالے گا۔یقیناً یہ ایک بھرپور اور شاندار گھوڑا تھا۔ مطمئن ہو کر وہ غار میں واپس چلا گیا۔رات ابھی باقی تھی۔کچھ دیر آرام کرنے کے لئے وہ دونوں لیٹ گئے۔ان دونوں کے درمیان جنگی بیری کی خشک لکڑی دھیمی دھیمی آگ میں جل رہی تھی۔۔۔۔یہ سفر کی رات تھی۔اس رات کے دامن میں کیا تھا،ان دونوں کو معلوم نہیں تھا۔اس رات کی سحر کسی بھی رنگ میں طلوع ہو سکتی تھی یہ بھی ممکن تھا کہ رات ختم ہوتے ہوتے وہ خود ختم ہو جاتے۔ان کے زخمی جسم پھر سے پرماتما کی قید میں ہوتے یا ان کے بے جان لاشے کسی ویران ریت پر پڑے ہوتے۔

دونوں اپنی اپنی جگہ خیالوں میں گم تھے۔اپنے اپنے انداز میں سوچ رہے تھے۔اچانک ایک لرزتی اور جھجکتی ہوئی آواز تاریکی میں ابھری۔یہ ہلابہ کی آواز تھی۔

"اشباح!ایک بات بتائیں گے؟"

اشباح نے چونک کر کہا۔"ہاں۔۔۔۔ہاں پوچھو۔"

کچھ دیر غار کی تاریکی بے آواز رہی۔پھر سلگتی راکھ کی دوسری جانب سے ہلابہ نے کہا۔

"آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟"اس کی آواز میں نرم کرنوں کی سرسراہٹ تھی۔

"نہیں ہلابہ!"اشباح نے پورے اعتماد سے کہا۔اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہلابہ کی کسی بھی بات سے ناراض نہیں ہو گا۔

ہلابہ نے کہا۔"اشباح!کئی برسوں سے میرے ذہن میں ایک الجھن ہے یہ الجھن۔۔۔۔۔آپ کے بارے میں ہے۔"

"کیسی الجھن؟"اشباح نے پوچھا۔

ایک گہرے سناٹے کے بعد ہلابہ کی آواز آئی۔"یہ سنہری شاہین کون ہے؟"

اشباح کا جسم سنسنا کر رہ گیا۔اس خیال تک نہیں آیا تھا کہ اس ویرانے میں،اس تاریکی میں۔۔۔۔اور اس وقت اس سے یہ سوال کیا جائے گا۔چند لمحوں کے لئے وہ کچھ بھی بول نہ سکا۔اس کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے پھر دھیرے دھیرے جیسے وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا۔اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ مچلتی گئی۔سالار اعظم محمد بن قاسم کے بعد ہلابہ دوسری ہستی تھی جسے اس نے اس راز میں شریک کرنا قبول کیا تھا۔اس نے ایک گہری اسنس بھر کر کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ہلابہ کون ہے سنہری شاہین؟"

ہلابہ نے کہا۔"میں اب تک یقین اور بے یقینی کے درمیان ڈول رہی ہوں۔"

اشباح نے کہا۔"بے یقینی زیادہ ہے یا یقین؟"

ہلابہ نے کہا۔"یقین۔"

اشباح نے پوچھا۔"کس بات کا یقین؟"

ہلابہ نے کہا۔ "یہی کہ سنہری شاہین اس وقت اسی غار میں موجود ہے۔"

اشباح نے کہا۔ "تو پھر بے یقینی کو دل میں راہ کیوں دیتی ہو۔ جو دل کہتا ہے مان لو۔"

ہلابہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غار میں چھائی خاموشی برقرار رہی۔ اشباح نے ہلابہ کو صدا دی۔ ایک بار۔۔۔۔ دو بار، لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ اس نے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر دیکھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر غار کے دہانے کے پاس خاموش بیٹھی تھی، جیسے وہ کسی قدیم عبادت گاہ کے دروازے پر سجی ہوئی حسین وجمیل مورتی ہو۔ جس کا جسم ہیرے کا ہو اور جس کے ہونٹوں اور آنکھوں کی جگہ فلک کے روشن ترین ستارے جڑے ہوں اور جسے خوابوں کا کوئی شہزادہ ہمت کر کے ایک بار بھی چھو لے تو وہ زندہ ہو جائے۔ اس گھڑی کتنی دلکش نظر آ رہی تھی وہ۔ اشباح نے دیکھا اس کی سرخ آنکھوں میں آنسو تھے۔ شائد یہ خوشی کے آنسو تھے۔ ان آنکھوں میں اشباح کے لئے عقیدت اور احترام کا سمندر تھا۔ یہ آنکھیں جیسے کہہ رہی تھیں۔ "تم میرے نہیں ہو تو کیا ہوا، میری سرزمین کے فرزند تو ہو، میرے ساتھ کھیلے تو ہو، میرے ہم جولی تو رہے ہو، تم ایک عظیم مجاہد ہو اور میں تمہاری شناسائی پر فخر کر سکتی ہوں۔"

ٹھیک ایک پہر بعد جب چاند مغرب میں جھک چکا تھا اور سرد ہوا کے جھونکے ہر ذی حس کو خواب کی وادی میں دھکیل رہے تھے اشباح اور ہلابہ نے گھوڑے پر سوار ہو کر غار پر الوداعی نگاہ ڈالی اور جنوب مغرب کی سمت روانہ ہو گئے۔۔۔۔۔ پرماتما کے دو قیدی اس کی بنائی ہوئی سرحدوں کو پھلانگنے جا رہے تھے۔ رات کی خاموشی، چاند کی چاندنی اور تاروں کی ٹمٹماہٹ سب کچھ جیسے سہم کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلابہ اشباح کے عقب میں بیٹھی تھی۔ اس کی اوڑھنی کمر کے گرد پٹکے کی طرح کسی ہوئی تھی۔ ایک کندھے سے تیر کمان اور دوسرے سے تلوار لٹک رہی تھی۔ گلے میں اقتیلا جام کی کندالی تھی۔ ایک رومال سے اس نے اپنے بال مضبوطی سے باندھ رکھے تھے۔ اشباح کا ساتھ اسے ایک عجیب طرح کا اعتماد بخش رہا تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا، وہ سنہری شاہین اس کے ساتھ تھا، مشرق و مغرب میں جس کی شجاعت کے چرچے تھے۔ جو ایک افسانوی کردار بن کر لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ آج وہی افسانوی کردار اس کا ہم رکاب تھا۔ وہ اسے دیکھ سکتی تھی، چھو سکتی تھی۔ وہ دل ہی دل میں فیصلہ کر رہی تھی کہ اگر اس سفر میں کوئی جان لیوا مقام آیا تو وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر اشباح کی نظروں میں سرخرو ہو جائے گی۔ زندگی ہارنے کا بھلا اس سے بہتر موقع اور کون سا ہو سکتا تھا۔ یہی تو اس کی بے ثمر زندگی کی آرزو تھی کہ جب وہ شہادت کی منزل کی طرف روانہ ہو تو اس کا سر اشباح کے زانو پر ہو اور اس کے منہ میں ٹپکنے والے پانی کے آخری قطرے اشباح کے ہاتھ سے گریں۔ ان قطروں میں اگر اشباح کا ایک آدھ آنسو بھی شامل ہو جاتا تو ہلابہ دنیا میں ہی جنت کی راحت پا لیتی۔

صبح کے ملگجے اندھیرے میں سفر کرتے وہ غار سے کوئی چار کوس جنوب کی طرف آ چکے تھے۔ اب تک کسی سے ان کی مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ اب لق ودق صحرا شروع ہونے والا تھا اور ہلابہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ریاست کی حدود سے نکل آئے ہیں یا نکلنے ہی والے ہیں۔ دور دور کسی فوجی چوکی یا نگران اڈے کے آثار نہیں تھے۔ وہ کسی رکاوٹ کے بغیر آگے ہی بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کا نہایت پرصلاحیت گھوڑا ایک طویل سفر کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ دور مشرق سے ہلکا ہلکا سفیدہ نمودار ہو رہا تھا مگر صبح کی روشنی ابھی کافی دور تھی۔ ہر طرف

ایک پُرسکون خاموشی طاری تھی۔ یکا یک ہلابہ کو ایک شدید جھٹکا لگا وہ اشباح کی پشت سے ٹکرائی اور دونوں
اُلٹ کر گھوڑے سے نیچے جا گرے۔ گھوڑے کی کربناک ہنہناہٹ فضا کا سینہ چیرتی چلی گئی۔ دونوں ریت پر
گرتے ہی تڑپ کر اُٹھے۔ قرب وجوار میں کوئی نظر نہیں آیا لیکن گھوڑا ریت پر بری طرح بلبلا رہا تھا۔ پلک
جھپکتے ہی ہلابہ کو یاد آیا کہ گھوڑے کو جھٹکا لگا تو لوہے کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی تھی۔ جیسے دو آہنی ڈنڈے زور
سے ٹکرائے ہوں۔ اس نے نیچے جھک کر ریت میں دیکھا۔ اشباح بھی اسی انداز میں دیکھ رہا تھا۔ پھر ان پر ایک
خوفناک انکشاف ہوا۔ گھوڑے کی دونوں اگلی ٹانگیں ایک خوفناک آہنی شکنجے میں جکڑی ہوئی تھیں۔ غالباً شکنجہ
ریت میں دبا پڑا تھا اور اوپر سے بالکل نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہلابہ اور اشباح کے کانوں میں دور
افتادہ گھنٹیوں کی آواز پڑی۔ صاف ظاہر تھا کہ ان گھنٹیوں یا ناقوسوں کا تعلق آہنی شکنجے سے ہے۔ کیونکہ ریت
کی حرکت کے ساتھ ہی یہ آواز بھی ابھرنے لگی تھی۔ اشباح نے غور کیا تو اسے ریت میں وورتک ایک لکیر
نظر آئی۔ یہ لکیر آہنی شکنجے کی حرکت سے نمودار ہوئی تھی۔ یہ خطرناک شکنجہ کافی دور تک چلا گیا تھا۔ اشباح پر
یہ افسوسناک انکشاف ہوا کہ گھوڑے کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ بدنصیب جانور ریت پر ماہئی
بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ ہلابہ اور اشباح نے مل کر ایک بار پھر اسے اس اذیت سے نجات دلانے کی
کوشش کی مگر یکسر ناکام رہے۔ صحرا میں گونجتی ہوئی، گھنٹیوں کی صدا لمحہ بہ لمحہ بلند ہو رہی تھی یا شاید ان
دونوں کو ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جلد ہی اشباح کو اپنی بائیں جانب ڈیڑھ دو فرلانگ کی دوری پر مشعلیں حرکت
نظر کرتی آئیں۔ ہلابہ بھی یہ منظر دیکھ چکی تھی۔ دونوں نے ایک دوجے کو پر تشویش نظروں سے دیکھا۔ سویا
ہوا صحرا جاگ اٹھا تھا اور اب پر ماتما کے ہرکارے اپنے نیزے بھالے چمکاتے اپنی تمام تر سفاکیوں کے ساتھ ان

کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اشباح نے اپنی تلوار برآمد کی اور ایک جھٹکے سے گھوڑے کے سینے میں دل کے مقام
پر اتار دی۔ زخمی جانور کو زندگی کی قید سے چھٹکارا دلا کر وہ واپس مڑے اور ایک جانب بھاگ کھڑے
ہوئے۔ چند گز پیچھے ایک ریتلا ٹیلہ تھا۔ ٹیلے کی ساخت سے لگتا تھا کوئی بغیر سر کا شیر بیٹھا ہوا ہے۔

اشباح نے کہا۔ "کیا خیال ہے ہلابہ، یہاں چھپا جا سکتا ہے؟"

ہلابہ نے کہا۔ "چلئے دیکھ لیتے ہیں۔"

دونوں ٹیلے کے پاس پہنچے لیکن چھپنے کی کوئی جگہ نظر نہیں آئی۔ اشباح نے کہا۔ "میرا خیال ہے شمال کی طرف
جانا چاہیے۔ کوئی دو کوس پیچھے کسی بستی کے آثار نظر آئے تھے۔"

ہلابہ نے پریشانی سے کہا۔ "لیکن آپ کی ٹانگ؟"

اشباح نے کہا۔ "میری فکر مت کرو۔"

دونوں نے اپنے عقب میں دیکھا مشعلیں اچھلتی ناچتی تیزی سے قریب آرہے تھیں۔ انہیوں کے ایک
دوسرے کا ہاتھ تھاما اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ رات کے اندھیرے میں اب دن کی روشنی کی آمیزش ہونے
لگی تھی۔ صحرا کے نشیب وفراز نظر آرہے تھے۔ اچانک ان کی دائیں جانب سے گھڑ سواروں کی ایک ٹُولی
برآمد ہوئی۔ ان سواروں نے شاید کوئی مختصر راستہ استعمال کیا تھا۔ وہ سرخ پوش تھے۔ ہلابہ اور اشباح نے
بھاگتے بھاگتے اپنی کمانیں کندھوں سے اتاری اور تیر اندازی شروع کر دی۔ ان کے نشانے اچھے تھے اور
کمانیں بھی کڑی تھیں۔ ذرا سی دیر میں دو گھڑ سوار زمین بوس ہو گئے۔ باقی دو گھڑ سواروں نے جوابی تیر

اندازی شروع کی لیکن ان میں سے ایک بھاگتے گھوڑے پر توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے گر کر پچھلے گھوڑے کے سموں تلے کچلا گیا۔ پچھلے گھڑ سوار پر اشباح نے ایک وزنی تیر چھوڑا جو اس کے زرہ بکتر توڑتا ہوا سینے میں گھس گیا۔۔۔۔۔

اس ٹولی سے جان چھوڑا کر وہ ایک بار پھر تیز رفتاری سے بھاگنے لگے۔ اب ان کے بائیں پہلو سے بھی روشنیاں اڈتی چلی آرہی تھیں۔ پر ماتما کے بیسیوں سوار ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ کسی بھی لمحے وہ دونوں ان گنت تلواروں کی زد میں آسکتے تھے۔ لہٰذا وہ جسم و جان کی پوری قوت سے بھاگ رہے تھے۔ آخر انہیں کچھ دور درخت کے آثار نظر آئے۔ یہ ایک نخلستان تھا۔ چند ایک کھیتیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ کھیتوں کے ساتھ کچھ کچے پکے گھروندے بنے ہوئے تھے۔ یہی وہ بستی تھی جس کے آثار انہوں نے کچھ دیر پہلے فاصلے سے دیکھے تھے۔ وہ بھاگتے ہوئے کھجوروں کے درخت میں پہنچے۔ اب انہیں عقب میں بہت سے گھوڑوں کی ٹاپیں اور سواروں کی ہاہاکار سنائی دے رہی تھی۔ غالباً ریت پر ان کے قدموں کے نشان تعاقب کرنے والوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔ وہ جوار کے ایک کھیت میں گھس گئے۔ دفعتاً انہیں ٹھٹک جانا پڑا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت ہاتھ میں درانتی لئے سینہ تانے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں مضبوط اور قد دراز تھا۔

"کون ہو تم؟" اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

اس کی نگاہیں ان کی کمانوں اور تلواروں پر تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں کوئی جواب دیتے عورت چونک کر رہ گئی۔ پھر اپنی لرزاں انگلی ہلابہ کی طرف اٹھا کر بولی۔ "تم۔۔۔۔۔ تم عربی ہو؟" ہلابہ نے سوالیہ نظروں سے اشباح کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی منشاء جان کر اقرار میں جواب دیا۔۔۔۔۔ لیکن عورت نے جیسے ہلابہ کا جواب سنا ہی نہیں۔ وہ اس سے پہلے ہی یقین کر چکی تھی کہ اس کا جواب "ہاں" میں ہوگا۔ اچانک ہی عورت کی آنکھوں میں پریشانی نظر آنے لگی۔ چاروں طرف گونجتی ہوئی گھوڑوں کی ٹاپیں اسے سب کچھ سمجھا رہی تھیں۔ اس نے بے قراری سے اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ پھر تیزی سے بولی۔

"ادھر آؤ میرے ساتھ۔۔۔۔۔ میں تمہیں چھپاتی ہوں۔"

عورت کے لہجے نے ہلابہ اور اشباح کو اس کی نیت کی سچائی کا یقین دلایا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے گئے۔ وہ انھیں بھوسے کے ایک بڑے گٹھے کے پاس لے آئی بے انتہا پھرتی سے اس نے گٹھے کو کھولا اور ان دونوں کو اندر گھسنے کا اشارہ کیا۔ وہ بھوسے کے اندر لیٹ گئے۔ عورت نے دوبارہ گٹھا باندھنا شروع کر دیا۔ اس دوران کئی گھوڑے ہانپتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ ایک کڑک دار آواز اشباح اور ہلابہ کے کانوں میں پڑی۔

"اے بڑھیا! کسی کو دیکھا تو نہیں؟"

بڑھیا کی پُر حیرت آواز آئی۔ "نہیں تو۔ کیا کوئی ڈاکو ہیں؟"

کڑکدار آواز دوبارہ ابھری۔ "ڈاکو نہیں۔۔۔۔۔۔ موت کے فرشتے ہیں۔ ذرا دھیان سے رہنا کہیں تیرا کام ہی تمام نہ کر جائیں۔"

اس کے بعد گھوڑوں کی ٹاپوں سے اندازہ ہوا کہ گھڑ سوار جوار کے کھیت میں گھوڑے پھرا رہے ہیں۔ عورت چیخ چیخ کر انہیں منع کر رہی تھی۔ آخر تلاش کا یہ کام مکمل ہوا اور گھڑ سوار کھیتوں سے آگے نکل گئے۔ کچھ دیر قرب وجوار میں گہری خاموشی طاری رہی۔ صرف کبھی کبھی عورت کے بڑبڑانے کی آواز آتی تھی جو اپنے نقصان پر غصے کا اظہار کر رہی تھی۔ سورج اب کافی اوپر آ گیا تھا۔ ہلابہ اور اشباح کو اس کا احساس حبس اور گرمی سے ہو رہا تھا۔ بھوسے کی نمی بخارات بن کر اڑتی جا رہی تھی۔ دونوں پسینے میں شرابور تھے۔ آخر انہیں بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی۔ اس نے سرگوشی میں ہدایت کی کہ وہ خاموشی سے لیٹے رہیں۔ باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ موقع دیکھ کر خود انہیں نکال لے گی۔

تھوڑی دیر بعد انہیں اندازہ ہوا کہ کچھ آدمی مل کر بھوسے کے گٹھے کو اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر انہیں اچھال کر کسی دوسری چیز پر پھینک دیا گیا۔ گاہے گاہے عورت کی آواز بھی آ رہی تھی۔ وہ کھیت مزدوروں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ اس کی زبان بڑی تیزی اور روانی سے چلتی تھی۔ ہلابہ اور اشباح کو اندازہ ہوا کہ انہیں کسی چھکڑے پر لادا گیا ہے اور چھکڑے کو خچروں کا جوڑا کھینچ رہا ہے۔

کچھ دیر چھکڑے پر ہچکولے کھانے کے بعد وہ کسی نیم تاریک اور نسبتاً ٹھنڈی جگہ پر پہنچ گئے۔ چند لمحوں کی تاخیر سے بوسے کا گٹھا کھولا گیا اور ادھیڑ عمر عورت نے انہیں باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیک وقت بہت خوش اور بہت شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"میں بہت بہت معافی چاہتی ہوں۔ آپ کو گرمی میں بہت کشٹ اٹھانا پڑا، لیکن میں نے یہ سب کچھ آپ کی بھلائی کے لئے کیا ہے۔"

وہ دونوں چھکڑے سے نیچے اترے تو عورت نے آگے بڑھ کر ہلابہ کو گلے سے لگایا۔ اس کے گال چومے، اس کی پیشانی چومی اور اس کے سر کی بلائیں لینے لگی۔ وہ ہلابہ سے بے حد متاثر نظر آتی تھی اس کے علاوہ ہلابہ کے گلے میں آویزاں کنڈالی بھی اسے بے حد مرعوب کر رہی تھی۔ اس نے ہلابہ کا ہاتھ پکڑا اور بے حد احترام سے ان دونوں کو اندر لے گئی۔ یہ ایک عام دیہاتی سا کمرہ تھا۔ ہلابہ سے مخاطب ہو کر اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "تمہارا نام ہلابہ ہے ناں؟"

ہلابہ نے اقرار میں سر ہلایا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔ "مجھے سمجھ نہیں آتی، کہ کس طرح تمہارا شکر ادا کروں۔ بیٹی! تو نے تو مجھے زندہ در گور ہونے سے بچا لیا ہے۔ تو نے وہ کام کیا ہے جو اس خطے میں آج تک کسی نے نہیں کیا ہے اور شاید کوئی بھی نہ کر سکے۔"

ہلابہ نے کہا۔ "میں کچھ سمجھ نہیں سکی۔ آپ کس واقعے کا ذکر کر رہی ہیں؟"

عورت نے آنکھوں میں آنسو بھر کر ایک بار پھر ہلابہ کی پیشانی چومی اور بولی۔

"میں چندا کی ماں ہوں۔"

"چندا کی ماں!" یکا یک ہلابہ کے ذہن میں طوفانی جھکڑ چلنے لگے۔ایک ساتھ بہت سے اندیشوں نے اس کے حواس پہ یلغار کر دی۔عورت کی آواز ہلابہ کے کانوں سے ٹکرائی۔بیٹی!تو نے چندا کو بچا کر مجھے جینے کا بہانہ فراہم کر دیا ہے ورنہ اب تک میں مر کھپ چکی ہوتی۔"

"چندا کو بچا کر؟" ہلابہ کی حیرت دم بدم بڑھتی جا رہی تھی۔اسے اندازہ ہوا کہ بوڑھی عورت کسی بڑے غلط فہمی کا شکار ہے۔اس نے بے بسی سے اشباح کو دیکھا۔اشباح کی آنکھوں میں بھی افسردگی تھی۔اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اماں جان!آپ کس چندا کی بات کر رہی ہیں۔ایک چندا تو وہ تھی جسے پرماتما کے محل میں لے جایا گیا تھا اور۔۔۔۔۔۔"

عورت کراہ کر بولی۔"مت ذکر کرو میرے سامنے ان واقعات کا،میں اس حادثے کو ایک خواب سمجھ کر بھول چکی ہوں۔۔۔۔۔۔میں کچھ یاد کرنا نہیں چاہتی۔"

بوڑھی عورت کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اسی چندا کی بات کر رہی ہے جس کے حنوط شدہ جسم کو ہلابہ اپنے ہاتھ سے ٹکڑے کر کے آئی تھی۔۔۔۔۔۔شاید صدمے کی وجہ سے اس بیچاری عورت کا دماغ چل گیا تھا۔

ہلابہ نے پوچھا۔"بڑی اماں اب کہاں ہے چندا؟"

عورت نے خوشی کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔"بتاتی ہوں۔۔۔۔۔سب کچھ بتاتی ہوں۔۔۔۔۔۔سب سے پہلے میں شکرانے کے دو نفل ادا کر لوں۔میری خواہش تھی کہ قدرت مجھے اس بہادر بیٹی سے ملا دے جس نے اپنی جان پر کھیل کر میری بچی کو درندوں کے چنگل سے بچایا ہے۔تجھے صحیح سلامت دیکھ کر مجھے جو خوشی ہو رہی ہے میں بیان نہیں کر سکتی۔خدا کی قسم میری زبان میری محبت کے اظہار سے عاجز ہے۔"

عورت نفل ادا کرنے کے لئے چلی گئی۔اشباح اور ہلابہ اپنے اپنے خیالوں میں گم بیٹھے رہے۔کچھ دیر بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک طشت تھا۔طشت میں قابیں تھیں اور قابوں میں ایک بھرپور دیہاتی ناشتہ ان کا انتظار کر رہا تھا۔کھانے کے دوران عورت نے پوچھا کہ وہ کہاں سے آ رہے ہیں اور ان کے پیچھے پرماتما کے گھڑ سوار کیسے لگے؟ ہلابہ نے مختصر الفاظ میں عورت کو اپنے گھوڑے کے مرنے کا واقعہ سنایا۔عورت کی آنکھوں میں خوف آمیز حیرت نظر آنے لگی۔

وہ بولی۔"تو تم اس ٹیلے تک پہنچ گئے تھے جس کی شکل شیر کے دھڑ جیسی ہے۔" ہلابہ نے اقرار میں جواب دیا۔عورت نے خدا کا شکر ادا کرنے والے انداز میں ہاتھ جوڑے اور بولی۔"مجھے حیرت ہے تم دونوں اپنی ٹانگوں پر چل کر وہاں سے واپس آ گئے ہو۔تمہاری سلامتی کسی معجزے سے کم نہیں۔وہ تمام علاقہ خوفناک آہنی شکنجوں اور گہری خونی خندقوں کی وجہ سے ناقابل عبور ہے۔تم اس علاقے میں کوئی ایک فرلانگ آگے نکل چکے تھے۔وہاں ہر قدم پر موت گھات لگائے رہتی ہے۔صرف وہی لوگ وہاں سے گزر پاتے ہیں جن کو محفوظ راستے کا علم ہوتا ہے اور محفوظ راستے کا علم صرف گنے چنے سرح پوشوں کو ہوتا ہے۔"

بوڑھی عورت دیر تک ہلابہ اور اشباح کو ریاست کی ناقابل عبور سرحد کے بارے میں بتاتی رہی۔اس کی باتوں میں اگرچہ کچھ مبالغہ بھی تھا لیکن یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ سرحد کو پار کرنا انکے اندازوں سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ہلابہ نے گفتگو کا رخ چندا کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"محترم خاتون! آپ نے ابھی تک ہمیں چندا سے نہیں ملوایا۔"

عورت نے کہا۔"وہ گھر میں موجود نہیں۔میں نے اسے ایک پڑوسن کے ہاں چھپا رکھا ہے، تہہ خانے میں۔"

ایک دفعہ پھر ہلابہ کو شبہہ ہونے لگا کہ شائد عورت کا دماغ صحیح کام نہیں کر رہا۔اس نے پوچھا۔

"چندا آپ کو کب ملی تھی؟"

عورت نے دل ہی دل میں حساب لگایا اور بولی۔"پچھلے چاند کی بیسویں تاریخ کو مہان جادوگر اقتیلا جام اسے خود میرے پاس چھوڑ کر گیا تھا۔اوہ خدایا۔۔۔۔مجھے تو اب تک اس واقعے کا یقین نہیں آرہا۔مہان جادوگر اقتیلا جام کے سر پر ہزاروں خوفناک مکھیاں منڈلا رہی تھیں وہ تاریکی سے یوں برآمد ہوا تھا جیسے زمین سے اُگ آیا ہو۔چندا بے ہوشی کی حالت میں اس کے کندھے پر پڑی تھی۔میں اس وقت جوار کے کھیت میں کام کر رہی تھی۔۔۔۔۔"

اچانک بوڑھی عورت کو خاموش ہونا پڑا۔دروازے پر دستک سنائی دی تھی۔عورت کی آنکھوں میں خوف لہرا گیا۔اس نے جلدی سے ہلابہ اور اشباح کو پچھلے کمرے میں بھیجا۔پھر سرگوشی کے لہجے میں بولی۔

"بیٹی! تیرے گلے کی یہ کنڈالی بڑے کام کی چیز ہے تُو اس کے بارے میں جانتی ہے نا؟"ہلابہ نے اقرار میں سر ہلایا۔عورت بولی۔"بس ٹھیک ہے۔اگر کوئی خطرہ ہوا تو اسے استعمال کرنا نہ بھولنا۔"پھر وہ تیز قدموں سے دروازے کی طرف چلی گئی۔

اشباح اور ہلابہ کے کان باہر سے آنے والی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔غالباً عورت اپنی کسی پڑوسن سے باتیں کر رہی تھی۔کچھ دیر بعد وہ واپس آگئی۔اس نے کہا۔

"یہ وہی عورت ہے جس کے ہاں میں نے چندا کو چھپایا ہوا ہے۔یہ لوگ ہماری ہی طرح درپردہ مسلمان ہیں۔چندا کو تم دونوں کی آمد کا پتہ چل گیا ہے۔وہ تم سے ملنے کے لیے بے قرار ہے۔میں نے پڑوسن سے کہلوایا ہے کہ وہ رات تک انتظار کرے جونہی اندھیرا پھیلا میں تم دونوں کو لے کر آجاؤں گی۔"

چندا سے ملنے کے خیال نے ہلابہ کے دل کو حیران کن مسرت سے بھر دیا۔وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ چندا کو دوبارہ دیکھ سکے گی۔اس طلسم نگری میں نہ جانے کیا کیا اسرار چھپے ہوئے تھے۔اگر یہ چندا تھی تو پھر وہ کون تھی جسے حنوط کیا گیا تھا اور اقتیلا جام چندا کو کہاں سے لے کر یہاں آیا تھا؟ اور کیوں؟ بہت سے سوال سے کے ذہن میں ابھر رہے تھے۔

بوڑھی عورت انہیں کمرے میں مقفل کرنے کے بعد کہیں چلی گئی۔۔۔اس کی واپسی شام سے پہلے نہیں ہوئی۔مغرب کے بعد کھانا کھا کر وہ چندا سے ملنے نکل کھڑے ہوئے۔سنسان گلی تاریک تھی۔چند نیم روشن گھروندوں کے سامنے سے گزر کر وہ ایک اونچی چھت والے پختہ مکان میں داخل ہوئے۔غالباً یہ اس بستی کا

سب سے اچھا مکان تھا مکان میں کوئی متنفس دکھائی نہیں دیا۔ عورت انہیں لے کر ایک تہہ خانے کی سیڑھیوں تک آئی اور پھر چند ہی لمحے بعد وہ تہہ خانے کے اندر چندا کے سامنے کھڑے تھے۔ چندا نے ایک بوریے کا لباس پہن رکھا تھا اور اوڑھنی بھی بوریے کی تھی۔ ہلابہ مجسم حیرت چندا کو دیکھتی چلی گئی۔ چندا کی کیفیت بھی مختلف نہیں تھی۔ پھر دونوں بھاگ کر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ چندا ہچکیوں سے رونے لگی۔ ہلابہ اسے دلاسہ دینے لگی۔ اشباح مبہوت کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں چندا کے حُسنِ معصوم کا جائزہ لے رہی تھیں۔ عجیب پاکیزگی تھی اس کے خدوخال میں۔ اگر علاقے کا خوبروترین نوجوان مانک اسے دل و جان سے چاہتا تھا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تہہ خانے کے اندر دیے کی مدھم روشنی میں چندا ہلابہ کو اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ اشباح بوڑھی عورت کے ساتھ واپس جا چکا تھا۔ دونوں اس وقت تنہا تھیں۔ چندا کہہ رہی تھی۔

"میں جادوگری کے پنڈال تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ وہاں مجھے گنگارام کو پہنچاننے میں زیاد دشواری نہیں ہوئی۔ ہم خاموشی سے بیٹھے تماشہ دیکھتے رہے۔ پھر اگلے دن ساحروں اور شعبدہ بازوں کی جماعت کے ساتھ ہم تاریک جنگل سے واپس روانہ ہوئے۔۔۔۔ بدقسمتی سے دوسرے پُل پر مجھے پہچان لیا گیا۔ میں اور گنگارام جان بچانے کے لیے گھنے درختوں کی جانب بھاگ اٹھے۔۔۔۔۔۔ وہ رات میری زندگی کی ناقابل فراموش ترین رات تھی۔ اس رات کا خوف اور اسرار میرے ذہن پر ہمیشہ کے لیے نقش ہوچکا ہے۔ میں اور گنگارام

تاریک جنگل کے طول و عرض میں بھاگ رہے تھے۔ ہمارے پیچھے آسیب تھے بلائیں تھیں۔ سفاک قہقے اور خونی پنجے ہمارا اتعاقب کر رہے تھے۔ ہم کسی طرح وہاں سے نکلنا چاہتے تھے لیکن رہائی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ چہار سُو موت کا پہرہ تھا۔ ہم بھاگتے رہے اور بھاگتے رہے۔ پھر اچانک خون آشام مکھیوں کے ایک غول نے ہمیں گھیر لیا۔ جیسا کہ بعد میں پتہ چلا یہ مہان جادوگر اقتیلا جام کی مکھیاں ہیں۔ انہوں نے ہمارے سروں پر منڈلا کر ہمارے لیے فرار کا راستہ بند کر دیا۔ ہم دونوں جس طرف جاتے مکھیاں ہمارے سامنے آموجود ہوتیں۔ پھر اچانک درختوں سے اقتیلا جام برآمد ہوا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور ہمارے قدموں سے آگ کے شعلے بلند ہو کر درختوں کو چھونے لگے۔ حیرت اور خوف نے ہمیں پتھر کر دیا۔ درختوں سے اقتیلا جام کے چیلے نکلے اور انہوں نے ہماری گردنوں میں لوہے کے طوق پہنا دیئے۔ پھر ہماری آنکھوں پر سیاہ پٹیاں باندھ کر ہمیں جانوروں کی طرح ایک طرف کھینچا جانے لگا۔ ہمیں گرفتار کر کے اقتیلا جام چند فرلانگ دور اپنے ایک زمین دوز ٹھکانے پر لے آیا۔ یہ ٹھکانہ ایک بہت بڑے جوہڑ کے کنارے واقع ہے۔ کوئی قدیم عمارت ہے جس کا نصف حصہ زمین مین دفن ہوچکا ہے۔۔۔۔"

ہلابہ نے کہا۔ "ہاں۔۔۔۔۔ میں اس عمارت کے بارے میں جانتی ہوں۔ کیونکہ خود اس میں رہ چکی ہوں۔ اب یہ عمارت جل کر خاکستر ہوچکی ہے۔"

چندا نے اس انکشاف پر حیرت کا اظہار کیا۔ پھر اپنی روئیداد کا سلسلہ جوڑتے ہوئے بولی۔ "اقتیلا جام ہم دونوں کو وہاں لے آیا۔ تب اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیتے ہوئے کہا یہ دونوں پرماتما کے مجرم ہیں انہیں فوراً پرماتما کے محل میں حاضر کر دو تاکہ یہ اپنے کیے کی سزا پا سکیں۔"

اس کے حکم پر کارندے ہمیں زنجیروں سے کھینچتے ہوئے باہر لے چلے، مگر پھر اچانک اقتیلا جام کے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے ہمیں واپس بلایا اور پوچھنے لگا کہ ہمارا دوش کیا ہے اور ہم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کیوں کر رہے تھے۔ ہم دونوں نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا۔ ہمارا انکار سُن کر اقتیلا جام آگ بگولا ہو گیا۔ چلا کر گنگارام سے بولا۔

بیوقوف شعبدہ باز! تجھے معلوم نہیں کہ ساحرِ اعظم سے کچھ بھی چھپانا ناممکن ہے۔ تُو تو کیا تیرے پُرکھوں کی آتمائیں بھی یہاں حاضر ہو کر اپنے پوشیدہ رازوں سے پردہ ہٹا سکتی ہیں۔"

پھر وہ مجھے گھسیٹتا ہوا ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس کا دروازہ بند کر کے اس نے اپنی لال آنکھوں سے مجھے گھورا اور بولا۔ "لڑکی! تُو مجھے سمجھدار معلوم ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں کو عذاب دے کر اپنا وقت ضائع کروں، بہتر ہے مجھے سچ سچ بتا دو۔"

میں سمجھ چکی تھی کہ اب ان لوگوں سے کچھ بھی چھپانا ناممکن ہے۔ ظاہر ہے میری گرفتاری کے بعد انہیں پتہ چل جانا تھا کہ ساتویں محل میں میری جگہ کس نے لی ہے۔ اگر میں زبان سے ایک لفظ بھی نہ بولتی یا کسی طرح خود کو ہلاک ہی کر لیتی تو بھی آپ کا اور سریتا کا راز محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔۔۔ کسی معجزے کی توقع میں

میں نے اقتیلا جام کو سب کچھ بتا دیا۔ جب میری روئیداد سے اسے معلوم ہوا کہ میں ساتویں دلہن ہوں اور میری جگہ آپ نے لی ہے اور آپ کا نام ہلابہ ہے اور آپ عرب سے آئی ہیں تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔ اس کے، نتھنے پھڑکنے لگے اور سانس تیزی سے چلنے لگی۔ اس نے بے قابو ہو کر مجھے دونوں شانوں سے دبوچ لیا اور لرزاں لہجے میں بولا۔

"مجھے بتاؤ۔۔۔۔۔ مجھے اس لڑکی کے بارے میں سب کچھ بتاؤ۔ اس کا پورا نام کیا ہے؟ اس کا رنگ کیسا ہے۔ وہ کنواری ہے یا بیاہتا، اس کے بالوں کا رنگ کیسا ہے؟" میں اقتیلا جام کے عجیب و غریب سوالوں پر حیران ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ بہر حال میں نے اسے اپنی معلومات کے مطابق سب کچھ بتا دیا۔ وہ بے حد جذباتی ہو گیا۔ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ "یہی ہے وہ۔۔۔۔۔۔۔ یہی ہے وہ۔۔۔۔۔۔ آخر وہ پہنچ گئی ہے۔۔۔۔۔" پھر وہ اچانک میری طرف مڑا اور بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ۔۔۔۔۔ اس کے چہرے پر کوئی سیاہ تل ہے؟"

میں نے ذہن پر زور دے کر کہا۔ "شاید ایک ہے۔۔۔۔۔؟"

"کہاں؟" اس نے تڑپ کر سوال کیا۔

میں نے کہا۔ "غالباً ناک کی چونچ پر۔"

وہ جیسے پھڑک اٹھا۔ اپنی مٹھیاں بھینچ کر اس نے زمین پر ماریں اور خوشی سے چلا اٹھا۔ "وہ آ گئی ہے۔۔۔۔۔ آخر وہ آ گئی ہے۔" پھر وہ خوشی سے پھنکارتا ہوا اور ہانپتا ہوا باہر نکل گیا۔

میں اسی کمرے میں تنہا بند رہی اور سوچتی رہی۔ شام کے وقت سیاہ لبادوں میں دو چیلیاں آئیں۔ انہوں نے خوب رگڑ رگڑ کر میرا منہ دھویا اور چہرے کا رنگ اتار کر تصدیق کی کہ میں ہی ساتویں دلہن ہوں۔ تب وہ مجھے لے کر ایک کشادہ کمرے میں پہنچیں۔ اس کمرے میں ایک شاندار محفل سجی ہوئی تھی۔ کمرے کے درمیان پانی کا ایک حوض تھا جس میں تین خوبصورت فواروں سے رنگ دار پانی چھوٹ رہا تھا۔ حوض کے ساتھ ساتھ اقتیلا جام کے چیلے نشے میں مدہوش بیٹھے تھے۔ ان کی آغوش میں خوبصورت کنیزیں تھیں۔ ماحول ایسا شرمناک تھا کہ میں زمین میں گڑ گئی۔ مجھے اقتیلا جام کے پاس بٹھا دیا گیا۔ اقتیلا جام نے شراب کا ایک پیالہ بھر کر میری طرف بڑھایا اور مدہوش آواز میں بولا۔

"لو تم بھی پیو۔ تمہارے ہونٹ اس نایاب شراب کے حقدار ہیں۔ ان ہونٹوں سے ہم نے اپنے جیون کی سب سے اچھی خبر سنی ہے۔"

میں نے شراب پینے سے انکار کیا تو اقتیلا جام کے چیلے قہقہے لگانے لگے۔ اقتیلا جام نے یہ شراب میرے سر پر انڈیل دی اور پھر اٹھ کر خوشی سے ناچنے لگا۔ اس کے سب چیلے بھی کنیزوں اور رقاصاؤں کے ساتھ رقص کرنے لگے۔۔۔۔۔ موسیقی کا شور بڑھا اور بڑھتا چلا گیا۔۔۔۔۔۔ پھر وہ سب لوگ شیطان بن گئے۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر ایک دیوار کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔۔۔۔۔۔ میں مسلسل رو رہی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے یہ بیہودہ جشن ختم ہوا اور اقتیلا جام نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے آنکھیں کھولیں۔ وہ نرم لہجے میں بولا۔

"اے لڑکی! لازوال پرماتما کی اس نگری میں تیرا پاپ بہت بڑا ہے۔ شاید ساری دنیا مل کر بھی تیرا پاپ شمانہ کرا سکے مگر میں ایسا کر سکتا ہوں۔۔۔۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بلند آواز میں بولا۔

"اے لڑکی! اس خوشی کے موقعے پر میں نے تجھے جیون کا تحفہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔۔۔۔۔۔ میں تجھے جیون دیتا ہوں۔۔۔۔۔ جیون جو اس سنسار کا سب سے بڑا تحفہ ہے۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ایک چیلے نے گھبرا کر کہا۔ "مہاراج! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

اقتیلا جام نے مخمور لہجے میں کہا۔ "جب ساحرِ اعظم چاہتا ہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

چیلے نے کہا۔ "لیکن لازوال پرماتما کو کیا جواب دیا جائے گا۔"

اقتیلا جام نے ایک بہکا ہوا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "لازوال پرماتما کو مطمئن کرنا ہمارا کام ہے۔"

اس کے بعد اقتیلا جام نے مجھ سے کہا۔ "لڑکی! تجھے وہ شے مل رہی ہے جو اس خطے میں شاذ و نادر ہی کسی کو ملتی ہے۔۔۔۔ تجھے تاریک جنگل سے آزادی مل رہی ہے۔ آ میرے ساتھ تجھے یہاں سے لے جاؤں۔ آزاد فضا میں، آزاد دنیا میں۔"

میں نے کہا۔ "مہاراج! لیکن میرے ساتھی؟ ایک ٹانگ والا آنگا رام۔۔۔۔۔۔ اور میری محسن بہن جس نے ساتویں محل میں میری جگہ لی ہے۔۔۔۔"

اقتیلا جام کا چہرہ دفعتاً غصے سے سیاہ ہو گیا وہ کڑک کر بولا۔ "نادان لڑکی! اپنی حد سے بڑھنے کی کوشش نہ کر۔ ان دونوں کو اب یہیں رہنا ہے۔ ان کا خیال کرے گی تو اپنا آپ کھو دے گی۔"

میں نے اپنی بات پر اصرار کیا تو اقتیلا جام نے جھلا کر میرے منہ پر ایک زناٹے کا تھپڑ مارا۔ میں چکرا کر فرش گر گئی۔ اقتیلا جام نے میری آنکھوں میں دیکھ کر اپنے ہاتھ عجیب انداز میں لہرانے شروع کیے۔ بتدریج مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔۔۔۔۔ دوبارہ ہوش آیا تو میری ماں جوار کے کھیت میں بیٹھی میرے منہ میں پانی ڈال رہی تھی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ میری گود میں یہ بوریے کا لبادہ رکھا تھا۔ میرے چاروں طرف تاریکی تھی نہ وہ درودیوار تھے، نہ روشنیاں اور نہ وہ لوگ۔

اقتیلا جام کی ہدایت کے مطابق میری ماں نے مجھے یہ بوریے کا لبادہ پہنا کر اس تہہ خانے میں چھپا دیا۔ اب مجھے دو چاندوں تک اسی جگہ رہنا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ بوریے کا لبادہ دو برس تک دن رات میرے جسم پر رہے گا۔

ہلابہ نے چندا کی حیرت انگیز کہانی سن کر ایک گہری سانس بھری۔ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ چندا کا حنوط شدہ جسم در حقیقت چندا کا نہیں تھا۔ کس کا تھا؟ یہ ایک الجھا سوال تھا اور یہ کوئی ایک سوال نہیں تھا۔ ایسے ہی سینکڑوں سوال ہلابہ کے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ اب اس نے ایسے سوالوں کے لیے پریشان ہونا چھوڑ دیا تھا اور خود کو ہر قسم کے غیر معمولی حالات کے لیے تیار کر لیا تھا۔ چندا اب خاموشی سے ہلابہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یقیناً اب ہلابہ کی کہانی سننا چاہتی تھی۔ ہلابہ نے اپنی طویل آپ بیتی کے خاص خاص حصے چندا کو سنائے۔ چندا حیرانی اور خوف کے سمندر میں غلطاں سنتی رہی۔ اس آپ بیتی میں اس کے لیے سب سے

حیرا کن اقتیلا جام کی موت تھی۔۔۔۔۔ ان دونوں کی اس گفتگو کا سلسلہ تادیر جاری رہا۔ آخر ہلابہ نے اس سے جانے اجازت طلب کی۔ اس نے کہا کہ کل اسی وقت پھر آئے گی۔ جانے سے پہلے اس نے چندا کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں جھانکا تو اسے وہاں ایک ڈرا ہوا اور شرمایا ہوا سا سوال نظر آیا۔ ہلابہ کے ذہن میں فوراً مانک کا نام گونجا۔ یقیناً ابھی تک چندا کو مانک کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ نہ ہی وہ اپنی ماں سے پوچھ سکتی تھی۔ شاید کسی نے اسے بتانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔ مانک کا خیال آتے ہی ہلابہ کا دل ہولنے لگا۔ معلوم نہیں وہ زندہ بھی تھا یا نہیں۔ دو دن پہلے تک یہ سوال اتنا اہم نہیں تھا لیکن اب چندا زندہ سلامت اس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی، اور اسے کسی کا انتظار تھا۔ وہ کسی کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔

کوئی نادیدہ ہاتھ ہلابہ کے دل کو مٹھی میں مسلنے لگا، تاہم اس نے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجائی اور بولی۔

"بہت دبلی ہو گئی ہو۔۔۔۔۔ کسی کے بارے میں سوچتی رہتی ہو؟"

"نہیں تو۔" چندا نے وحشی ہرنی کی طرح گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

ہلابہ نے کہا۔ "مجھے سب معلوم ہے! گھبراؤ نہیں، مانک بالکل خیریت سے ہے۔ میں کل اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر کے تمہیں بتاؤں گی۔"

اس اچانک جملے پر خوبصورت چندا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ وہ کوشش کے باوجود کچھ بھی نہ بول سکی۔ صرف گردن جھکا کر رہ گئی۔ ہلابہ نے اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھا۔ پھر اسے مزید شرمندگی سے بچانے کے لیے "خدا حافظ" کہہ کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے چند دن ہلابہ اور اشباح کے لیے بہت تہلکہ خیز تھے۔وہ سمجھ چکے تھے کہ اس ریاست کی حدود سے نکلنا ان کے لیے فی الحال ممکن نہیں۔اگر یہ ممکن نہیں تھا تو پھر کیا ممکن تھا؟جواب وہی تھا جو وہ پہلے سوچتے رہے تھے۔۔۔۔اشباح نے اپنے بھروسے کے آدمیوں کے ذریعے قریبی بستی سے سردار ہاشم اور ان کے معزز ساتھیوں کو بلایا اور نہایت رازداری سے صلاح مشورے شروع کیے۔ان مشوروں کے لیے وہی تہہ خانہ مخصوص قرار پایا۔جہاں چندا روپوشی کے دن گزار رہی تھی۔اس چھوٹی سی صحرائی بستی میں اس تہہ خانے سے محفوظ جگہ اور کوئی نہیں تھی۔

سردار ہاشم نے کچھ خفیہ پیغامات بھیجے اور قریبی بستیوں کے کچھ بااثر مسلمان بھی ان مشوروں میں شریک ہونے لگے۔مسئلہ یہی تھا کہ پرماتما کے خلاف کس طرح قوت جمع کی جائے اور لوگوں کو بیدار کرنے کا ایسا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے کہ سب کچھ آناً فاناً ہو جائے اور پرماتما اپنی پُراسرار قوتوں کو حرکت میں لاکر جوابی کاروائی نہ کر سکے۔ایک روز جب بستی کے تہہ خانے میں معزز مسلمان جمع تھے اشباح سنہری شاہین کے روپ میں وارد ہو گیا۔اسے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔کسی کو کچھ بولنے کا چارہ رہا اور نہ سوچنے کا۔سب مہر بہ لب، سانس روکے اسے تکتے چلے گئے۔پھر اچانک ان کے فلک شگاف نعروں نے در و دیوار ہلا دیے۔ان کا جوش و خروش انتہا کو چھونے لگا۔اشباح نے انہیں بمشکل پُرسکون کیا اور نہایت بارعب اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں انہیں سمجھانا شروع کیا۔

"اے معززینِ قبیلہ! میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہوں اور آپ کے جذبات سے پوری طرح آگاہ ہوں۔انشاءاللہ مشکل کی گھڑی میں آپ خود کو تنہا نہیں پائیں گے۔میرے ساتھیو، تاریک جنگل سے جو اطلاعات مل رہی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ظلم کی دیوار میں دراڑیں پڑنے لگی ہیں۔تین صدیوں سے چھائی خاموشی ٹوٹ رہی ہے اور بے باک نعروں کی گونج سے پرماتما کے طلسمی ایوان لرزنے والے ہیں۔آپ جان ہی چکے ہوں گے کہ پرماتما کا دستِ راست مہان جادوگر اقتیلا جام خود اسی کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا ہے۔قدرت نے اس فرعون کو اپنے ہاتھوں اپنا ایک بازو کاٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔اس وقت تاریک جنگل میں جو افراتفری پائی جاتی ہے وہ پچھلی تین صدیوں میں کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔حالات کے اشارے بتاتے ہیں کہ اس دفعہ فتح حق کی ہو گی۔۔۔۔۔۔۔لیکن یہاں میں آپ حضرات کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ جنگیں جیتنے کے لیے بہادری کے بعد سب سے ضروری چیز قوتِ برداشت اور صبر ہوتی ہے اور اس وقت ہمیں ان ہی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔میں اس وقت پرماتما کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے آپ کے سامنے نہیں آیا بلکہ ایک دوسری درخواست لے کر آیا ہوں۔مجھے کچھ ایسی اطلاعات ملی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس بستی کے کچھ لوگ آپ لوگوں کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور اس تہہ خانے کی سرگرمیوں سے رائے منوہر چند کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ان بدخواہوں کی جلی ہوئی لاشیں اس وقت بستی کے باہر کھجوروں کے باغ میں پڑی ہیں۔اب آپ کو اس معاملے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔بہر حال ان حالات میں ہم اپنے منصوبوں کو آگے بھی نہیں بڑھا سکتے۔میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ابھی ہمیں تھوڑا انتظار کرنا ہو گا جیسے ایک لمبی چھلانگ لگانے کے لیے پیچھے ہٹنا پڑتا ہے،اسی طرح پرماتما کی کالی قوتوں پر ایک تباہ کن ضرب لگانے کے

لیے ہمیں صبر کے کچھ اور کڑوے گھونٹ بھرنے ہوں گے۔ تاہم اس صبر کا مطلب بے عملی نہیں۔ آپ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ہوشیار رہیں۔ اپنی اپنی بستیوں میں سرفروشوں کے جذبوں کو زندہ رکھیں۔ انہیں میری طرف سے پیغام دیں کہ میں ان کے درمیان موجود ہوں۔ میرا دل ان کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ پرماتما کی اس ظلم نگری میں اب ہمیں اکٹھے جینا اور مرنا ہے۔۔۔۔۔"

سنہری شاہین کی ولولہ انگیز باتوں نے مسلمان اکابرین کے سینے جوش سے بھر دیئے لیکن انہیں اس بات پر مایوسی بھی ہوئی کہ پرماتما کے خلاف تحریک ایک بار پھر التوا میں ڈال دی گئی ہے۔ وہ اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھے مگر سنہری شاہین یعنی اشباح سمجھتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اسے بروقت پتہ چل گیا۔ ورنہ شاید ایک بار پھر اس کے والد کے زمانے کی کہانی دہرائی جاتی جب پرماتما نے عوام کے جذبہء آزادی کو اپنے لیے خطرہ بننے سے پہلے ہی کچل ڈالا تھا۔ جب پرواز سے پہلے ہی شاہینوں کے پر کاٹ دیے گئے تھے اور طاقت کی آندھی نے حریت کی چنگاریاں سرفروشوں کے سینوں میں بجھادی تھیں لیکن اس دفعہ یہ ہونے والا نہیں تھا۔ اس دفعہ اشباح نے اپنے دشمن کو یہ موقع نہیں دینا تھا۔۔۔۔۔ اسے رات ہی پتہ چل گیا تھا کہ بستی کا ایک ہندو زمیندار مسلمانوں کی سرگرمیوں سے آگاہ ہو گیا ہے اور وہ رائے منوہر چند کو اطلاع دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اشباح نے اپنے طور پر تفتیش کی تھی اور یہ خبر درست نکلی تھی۔ کل نصف شب کے وقت زمیندار اپنے دو گھڑسوار ساتھیوں کے ہمراہ بستی سے نکلا تھا۔ اشباح سائے کی طرح اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ جب زمیندار اپنے ہی کھجوروں کے باغ سے گزر رہا تھا اشباح نے اسے جالیا اور مختصر لڑائی کے بعد اسے دونوں ساتھیوں سمیت جہنم واصل کر دیا۔ اس کے بعد وہ بستی واپس آیا اور اس نے چن چن کر پانچ آدمی اور

قتل کیے اور ان کی لاشیں بھی باغ میں لے جا کر مالی کے خالی جھونپڑے میں ڈال دیں۔ بعد ازاں اس نے جھونپڑے پر شراب کے مٹکے انڈیل کر آگ دکھا دی تھی۔ اب وہ پوری طرح مطمئن تھا کہ فی الوقت رائے منوہر اس بستی کے حالات سے بے خبر رہے گا۔

اسی روز شام کے وقت اشباح، چندا، چندا کی ماں اور سردار ہاشم وغیرہ تہہ خانے میں سر جوڑے بیٹھے تھے۔ شمعدان کی مدھم روشنی میں ان کے سامنے قہوے کی پیالیاں رکھی تھیں لیکن شاید قہوے کی طرف کسی کی توجہ بھی نہیں تھی۔ وہ سب خیالوں میں مگن تھے۔ ایک طرح کی مایوسی ان کے بشروں سے عیاں تھی۔ پرماتما کے خلاف شروع کی جانے والی تحریک آغاز ہی میں مشکلات کا شکار ہو گئی تھی۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کیا جائے۔

سردار ہاشم نے اپنی سفید براق داڑھی میں انگلیاں پھیریں اور نرم لہجے میں کہا۔ "میں نے اپنے ایک خاص آدمی کے ذریعے کل چھاؤنی کے حالات کا پتہ کروایا ہے مجھے بہت افسوس کے ساتھ اطلاع دینا پڑتی ہے کہ آپ کے ساتھیوں میں سے نصف کو شہید کر دیا گیا ہے اور باقی بھی موت و حیات کے درمیان لٹک رہے ہیں۔ شہید ہونے والوں میں آپ کے سردار یحییٰ بھی شامل ہیں۔ سنا ہے انہیں چھاؤنی کے احاطے میں پھانسی دی گئی تھی اور ان کی لاش ابھی تک وہاں ایک ستون سے جھول رہی ہے۔ اشباح اور ہلابہ نے زیرِ لب انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ پھر اشباح نے پوچھا۔

"مانک اور اویس کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟"

سردار ہاشم نے کہا۔ "اویس تو قیدیوں میں موجود ہے لیکن چھوٹے جاگیردار مانک۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

سردار ہاشم فقرہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوئے تو ہلابہ کے سینے سے ٹیسیں اٹھیں۔ اس نے دھندلائی آنکھوں سے چندا کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا اور حواس پر جیسے برق گر گئی تھی۔ ہاشم نے ہمت کر کے فقرہ مکمل کیا۔ "لیکن چھوٹے جاگیردار ان میں موجود نہیں۔ ویسے ہو سکتا ہے وہ بیمارستان میں ہوں کیونکہ میری اطلاع کے مطابق وہ شدید زخمی حالت میں گرفتار ہوئے تھے۔۔۔۔"

قید خانے میں اپنی ساتھیوں کی بیچارگی اور مصیبت کا سن کر اشباح اور ہلابہ کا دل خون ہو رہا تھا۔ وہاں ان کی توقعات سے بڑھ کر مظالم توڑے جا رہے تھے۔ سردار ہاشم نے بتایا کہ اسلامی دستے کے کئی قیدیوں کو "نرگ کے پنجرے" میں زہریلے حشرات الارض کی بھینٹ چڑھایا گیا ہے اور کچھ کو سرِعام پھانسیاں دی گئی ہیں۔ اس نے ایک نوجوان قیدی کا ذکر کیا جس سے سنہری شاہین کا پتہ پوچھنے کے لیے اسے کوئلوں کی دھیمی دھیمی آنچ میں زندہ پکایا گیا اور اس کی پگھلی ہوئی چربی اسے پلائی جاتی رہی۔ اس نے قبیلہ بنی حنان کے ایک بہادر حبشی ابوذر کی ثابت قدمی کا قصہ بھی سنایا جس کے منہ پر غلاظت باندھ کر ہر روز قید خانے کے احاطے میں الٹا لٹکا دیا جاتا تھا اور گزرنے والا ہر شخص اس کے سر پر پاؤں سے ٹھوکر مارتا تھا۔ چند روز میں وہ اندھا ہو گیا اور پھر سسک سسک کر جان دے دی۔

ایسے بہت سے واقعات تھے جنہیں سن سن کر ہلابہ اور اشباح کے سینوں میں آتش فشاں دہکنے لگے۔۔۔۔ لیکن وہ مجبور تھے۔ پرماتما کی بے شمار طاقت کے سامنے ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ نہ وہ یہاں سے

باہر نکل سکتے تھے اور نہ کوئی باہر سے کوئی مدد پہنچ رہی تھی۔ تمام راستے مسدود اور تمام امکانات تاریک تھے۔ اشباح نے اپنے سامنے رکھی ہوئی قہوے کی پیالی اٹھائی۔ وہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے ایک گھونٹ بھر کر پیالی ایک طرف رکھ دی۔ دیوار سے ٹیک لگا کر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ بے خیالی میں اس کی نگاہ سردار ہاشم کے عقب میں گئی۔ یہاں ایک کونے میں چٹائی پر وہی چمڑے کا ٹکڑا پڑا تھا جو ہلابہ تاریک جنگل سے اپنے ساتھ لائی تھی اور جس کے بارے میں اس نے بتایا تھا کہ یہ اسے مرتے وقت اقتیلا جام نے دیا تھا۔ اس بستی میں پہنچ کر اشباح نے چمڑے کی تحریر پڑھوانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی اور جب وہ اس تحریر کو سمجھ ہی نہیں سکے تھے تو پھر اسے سنبھالنے سے کیا فائدہ تھا۔ لہٰذا اب یہ ٹکڑا کبھی یہاں اور کبھی وہاں پڑا نظر آتا تھا۔۔۔۔۔ اشباح کی نگاہ ٹکڑے پر پڑی تو نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی۔ اس نے اٹھ کر اسے اٹھایا اور سردار ہاشم کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

"سردار! معلوم نہیں یہ کون سی تحریر ہے؟"

سردار ہاشم نے سرسری نظر سے تحریر دیکھی اور ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ کہنے لگے۔

"یہ ساحروں کی خاص زبان معلوم ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے اسے کوئی ساحر ہی پڑھ سکتا ہے۔"

اشباح نے کہا۔ "کیا آپ کی نگاہ میں کوئی ایسا شخص ہے؟"

سردار ہاشم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں یہ تحریر اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ پرسوں واپس لیتا آؤں گا لیکن یہ آپ کو ملی کہاں سے تھی؟"

اشباح نے سردار ہاشم سے کچھ چھپانا ضروری نہیں سمجھا اور انہیں بتادیا کہ "یہ پرماتما کے مہان جادوگر اقتیلا جام کی تحریر ہے۔"

سردار ہاشم چونک گئے۔۔انہوں نے کہا۔"میرا قیاس ہے اس میں ضرور کوئی اہم بات ہو گی۔"

سردار ہاشم اس وقت رخصت ہو گئے۔انہوں نے پرسوں آنا تھا لیکن وہ اسی رات نہایت ہنگامی طور پر واپس آ گئے۔اشباح اس وقت تہجد کی نماز کے لیے وضو کر رہا تھا۔ہلابہ چندا کے ساتھ پڑوس کے تہہ خانے میں سوئی ہوئی تھی۔چندا کی ماں چھت پر چارپائی ڈالے لیٹی تھی۔اچانک دروازے پر تیز دستک سنائی دی۔اشباح کا ماتھا ٹھنکا۔اس نے تلوار کندھے سے لٹکائی اور سردار ہاشم کی آواز پہچان کر دروازہ کھول دیا۔سردار ہاشم ہوا کے تند بگولے کی طرح اندر داخل ہوئے۔ان کے ساتھ سیاہ لباس اور درمیانے قد والا ایک نوجوان تھا۔سردار ہاشم نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔"ہلابہ بیٹی کدھر ہے؟"اشباح نے بتایا کہ وہ تہہ خانے میں سو رہی ہے۔سردار ہاشم نے نہایت جذباتی اور پُرجوش لہجے میں کہا۔"اسے جگاؤ۔۔۔۔۔کیونکہ اس کے جاگنے سے ہی ان بستیوں کی تقدیر جاگے گی۔۔۔۔۔"

اشباح نے حیران ہو کر پوچھا۔"محترم سردار بات کیا ہے؟"

سردار ہاشم نے چڑے کی تحریر اشباح کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔"اشباح!ہم نے اسے پڑھ لیا۔۔۔ہمیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔۔۔۔۔اس سے ملو اس نوجوان کا نام اشوکا ہے۔یہ اقتیلا جام کے

لائق ترین شاگردوں میں سے ہے۔اقتیلا جام کی ناگہانی موت کے بعد پرماتما کے ہرکاروں سے چھپتا پھرتا ہے۔اتفاق سے میری اس سے ملاقات ہو گئی۔یہ تحریر اسی نے پڑھی ہے۔۔۔۔۔"

اشوکا نامی نوجوان نے اشباح سے مخاطب ہو کر کہا۔"محترم سالار!یہاں سے پانچ چھ کوس جنوب کے طرف اونچے ٹیلوں کا ایک سلسلہ ہے۔۔۔۔ان ٹیلوں کے عقب میں گھنے درختوں کے درمیان ایک ویران کنواں ہے۔جو کوئی تنہا اس کنویں کی طرف جاتا ہے زندہ واپس نہیں آتا۔ایک مدت سے اس بات پر وشواس کیا جاتا ہے کہ وہ کنواں بدروحوں اور آسیبوں کا مسکن ہے۔اس کنویں کو مقامی زبان میں "آبوق جا" کہا جاتا ہے۔جس کا مطلب ہے "ہانپتا ہوا کنواں" ہمارے مہاراج نے لکھا ہے کہ دنیا میں صرف ایک ہستی ہے جو اس آسیبی کنویں میں اتر کر زندہ سلامت واپس آسکتی ہے اور وہ ہے آپ کی ساتھی، جن کا نام ہلابہ بنت شرجیل ہے اور جن کے ناک پر ایک سیاہ تل ہے۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔"

اشباح نے اشوکا کی بات کاٹ کر کہا۔"لیکن ہمیں اس کنویں میں اترنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اشوکا کے چہرے پر ایک زہر خند مسکراہٹ پھیل گئی۔اس مسکراہٹ میں انتقام کی بجلیاں کوندرہی تھیں۔اس نے کہا۔"محترم سالار!اس کنویں کی تہہ میں ایک ایسی چیز پوشیدہ ہے جو انسانی ہاتھوں میں آگئی تو پرماتما کا جیون حرام ہو جائے گا۔اس کی شان و شوکت اور حکومت دھری رہ جائے گی۔اس تحریر کے ذریعے ہمارے مہاراج نے مرتے مرتے پرماتما سے وہ انتقام لیا ہے جو اس دھرتی کے باسی مدتوں یاد رکھیں گے۔۔۔۔۔۔۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح نے حیرت سے کہا۔ "میں سمجھا نہیں۔ آپ لوگ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

اس دوران چندا کی ماں بھی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی اور تعجب سے گفتگو سننے لگی۔ سردار ہاشم جوش کے عالم میں اشباح کو کھینچتے ہوئے شمعدان کے پاس لے گئے۔ انہوں نے چمڑے کا ٹکڑا شمعدان کے نیچے پھیلا دیا اور بولے۔

"اشباح! اقتیلا جام نے اپنی اس تحریر کے ذریعے ایک نہایت اہم راز سے پردہ ہٹایا ہے ہم اس شے کے بارے میں جان گئے جو پچھلے تین سو برس سے گم تھی اور جس کی تلاش میں کئی نسلوں نے اپنی نیندیں حرام کی ہیں۔ اب ہم بتا سکتے ہیں کہ وہ نیلمان کہاں ہے جو قریباً تین صدیاں پہلے پرماتما کے محل سے غائب ہوا تھا۔"

اشباح نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔ "یہ نیلمان کیا چیز ہے؟"

اقتیلا جام کے شاگرد اشوکا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "محترم سالار! میرا خیال ہے کہ بُدھی وان ہاشم آپ کو ٹھیک طرح سمجھا نہیں پا رہے۔ میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں۔۔۔۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی نظریں چمڑے کی تحریر پر مرکوز کیں اور بولا۔ "محترم سالار! جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے اس خطے کا سب سے بڑا دیوتا مگس دیوتا کہلاتا ہے۔ مگس دیوتا کی مورتیاں شہد کی نر مکھی کی شکل میں آپ نے ہماری عمارتوں میں جابجا دیکھی ہوں گی۔ آج سے کوئی دو ہزار برس قبل ہماری ریاست کے مرکز یعنی "درواے" میں مگس دیوتا کی ایک بہت بڑی مورتی تھی۔ اس مورتی کے پروں کے نیچے بیسیوں آدمی بارش

اور دھوپ سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ یہ مورتی موسمی حالات کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی اور آخر منہدم ہو گئی۔ اس مورتی کی یادگار مگس دیوتا کی ایک نیلگوں آنکھ کئی صدیوں سے ہمارے پاس محفوظ چلی آ رہی تھی۔ یہ آنکھ در حقیقت ایک ایک نیلے رنگ کا پتھر تھا جس سے پُراسرار روشنی نکلتی تھی۔ اس پتھر کا حجم ایک پانچ سالہ بچے کے سر جتنا تھا۔ یہی قیمتی اور نایاب پتھر "نیلمان" کہلاتا تھا۔ اب سے کوئی پونے تین سو برس پہلے یہ پتھر پرماتما کے سفید محل سے اچانک غائب ہو گیا تھا۔ اس کی تلاش میں بے شمار انسانوں نے صحراؤں اور ویرانوں کی خاک چھانی، جنگلوں اور بیابانوں میں جستجو کی لیکن اسے نہ ملنا تھا نہ ملا۔۔۔۔۔۔۔ اوہ بھگوان! کوئی۔۔۔۔۔۔ کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ پوتر نیلمان ہمارے اس قدر قریب موجود ہے۔ یہ مہاراج اقتیلا جام کی شکتی تھی جو نیلمان تک پہنچی اور اس کا کھوج لگا یا۔ ہمارے مہاراج عظیم تھے ان کی بُدھی کا مقابلہ نہ کوئی کر سکا ہے اور نہ کوئی کر سکے گا۔ کاش جیون ان سے وفا کرتا اور وہ نیلمان حاصل کر کے اپنے ارادوں کی تکمیل کر سکتے۔۔۔۔۔۔۔ معزز مہمان! چمڑے کی اس تحریر سے انکشاف ہوا ہے کہ ہمارے مہاراج ایک قدیم کتاب سے یہ راز حاصل کر چکے تھے کہ نیلمان "آبوق جا" یعنی ہانپتے ہوئے کنویں میں موجود ہے۔ اس راز سے پردہ ہٹانے والا ایک بھکشو تھا اور یہی وہ بھکشو تھا جس نے نیلمان پرماتما کے محل کے سامنے ایک ڈیوڑھی سے چرایا تھا۔ اس بھکشو کا لکھا ہوا ایک نایاب روزنامچہ مہاراج اقتیلا جام کو صدیوں پرانی کتاب سے مل گیا تھا۔ یہ دیکھیے۔۔۔۔۔۔۔ مہاراج نے اس روزنامچے کے کچھ الفاظ یہاں چمڑے میں منتقل کیے ہیں۔ یہ دیکھئے۔۔۔۔۔۔ وہ بھکشو لکھتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ آخر میں نے اپنی منزل پالی۔ میں نے ہندو دھرم کو نیچا دکھانے کا جو خواب دیکھا تھا سچ کر دکھایا۔ میرا اسا کی مٹی مجھ سے راضی ہوا۔ میں نے نیلمان

چرالیااور سفید محل سے نکل آیا۔اب میں پچھلے تین سورجوں سے جنگل میں بھاگ رہاہوں۔میرے پیچھے پرماتماکے سرخ پوش سوار ہیں۔وہ خونخوار درندوں کی طرح میری تلاش میں ہیں لیکن میرے پاس انہیں کچھ ملنے والانہیں۔ابھی کچھ دیر پہلے میں نے بھاگتے بھاگتے نیلمان ایک گہرے ویران نشیب میں پھینک دیا ہے۔یہ نشیب دوارے سے تین فرسخ شمال کی جانب مفیلاں کے جنگل میں واقع ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اشباح نے اس تفصیل سے قدرے بیزار ہوتے ہوئے کہا۔"ہمیں ان باتوں سے کیالیناہے۔آخر ہم وہ پتھر کیوں حاصل کریں؟"

سردار ہاشم نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ان کی نگاہ اشباح سے درخواست کررہی تھی کہ وہ اشوکا کی بات دھیان سے سنے۔اشوکا نے کہا۔

"معزز مہمان!اسے پتھر مت کہیے وہ ایک مقدس طاقت ہے اور وہ طاقت جس کے پاس ہو اس کی خوش بختیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔مہاراج نے اس قدیم کتاب کے حوالے سے لکھاہے کہ دنیامیں صرف ایک انسان ہے جو نیلمان حاصل کرنے کے لیے آبوق جامیں اتر سکتاہے اور اس کے زندہ واپس آنے کی امید کی جاسکتی ہے اور وہ ایک عربی دوشیزہ ہے۔اس عربی دوشیزہ کاقد کاٹھ،ناک نقشہ اور اس کے طور اطوار سب کچھ اس قدیم کتاب میں درج ہے۔اس کتاب میں لکھاہے،وہ دوشیزہ ایک تنومند شخص سے شادی کرے،پھر ان کا ایک خوبصورت بچہ پیداہو۔یہ بچہ پورے سات چاندوں تک ماں باپ کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔تب اس بچے کو بھینٹ چڑھایاجائے اور اس کے سر کو چالیس روز تک ڈھلتے سورج کی دھوپ میں سکھاکر اور سن کی

رسی میں پروکر اس کاباپ اپنے گلے میں ڈال لے۔پھر جب پورے چاند کی رات ہو اور وہ گھڑی آئے جب انسانی سایہ انسانی قد کے برابر ہو جاتاہے تو بچے کاباپ اس طرح آبوق جاکے کنارے کھڑاہو جائے کہ اس کا سایہ کنویں کے اندر پڑتاہو اور وہ نیلمان لینے کے لیے اس کی تہہ میں اُتر جائے۔۔۔۔۔۔صرف یہی ایک صورت ہے اس آسیبی کنویں سے نیلمان کو نکالنے کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اشباح کچھ دیر گہری نظروں سے اشوکا کاسانولا چہرہ دیکھتارہا۔شمعدان کی روشنی میں اس کی آنکھوں میں جیسے بھوت ناچ رہے تھے۔اشباح نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اب تم کیاچاہتے ہو؟"

جواب میں اشوکا گڑبڑاکر رہ گیا۔اس نے امداد طلب نظروں سے سردار ہاشم کی طرف دیکھا۔سردار ہاشم بھی خاموش تھے۔ان کا چہراالجھنوں کی آماجگاہ بناہواتھا۔اشباح نے کہا۔"میں سمجھ گیاہوں اشوکا،تم چاہتے ہو کہ قدیم کتاب کی شرائط پوری کرنے کے لیے اس عرب دوشیزہ سے ایک بچہ حاصل کیاجائے۔پھر اُسے اور اس کے بچے کو مختلف عذابوں سے گزاراجائے تاکہ ہم وہ پتھر حاصل کرسکیں۔یہی چاہتے ہو ناتم؟"اشوکا یکسر خاموش رہا۔اشباح نے سردار ہاشم کی طرف دیکھا۔

"سردار ہاشم آپ ہی کچھ بولیئے۔میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

سردار ہاشم نے ایک طویل آہ بھری۔اس آہ میں اَن گنت الجھنیں تھیں اور گہرے اندھیروں کی سیاہی تھی۔انہوں نے بڑے دھیمے لیکن ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔"اشباح بیٹا!ہم اس جادونگری کے

باسی ہیں۔ تم باہر کی دنیا سے آئے ہو۔ تمہارا دماغ روشن ہے اور تمہاری سوچ ہماری سوچ سے بہت وسیع ہے۔ تم ہم سے بہتر جان سکتے ہو۔ تاہم میں اتنا ضرور کہوں گا، قدیم کتابوں میں لکھی ہوئی باتوں کو جھٹلانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ جس نے بھی انہیں جھٹلایا ہے نقصان پایا ہے۔ ہم اپنے بزرگوں سے اور ہمارے بزرگ اپنے بزرگوں سے یہی سنتے آئے ہیں۔ معصوم بچے کی قربانی اس کی کھوپڑی کو گلے میں آویزاں کرنا اور اس کی ماں کو اندھے کنویں میں اتارنا یہ سب باتیں بہت عجیب اور ناروا لگتی ہیں لیکن ہو سکتا ہے قدرت کا کوئی امتحان مقصود ہو۔ قربانی کے بغیر تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تو پھر نیلمان ہے۔ جس کی چاہ میں نسلیں نابود اور زندگیاں برباد ہوئی ہیں۔"

سردار ہاشم کی سوچ اشباح کے لیے کسی طور قابلِ قبول نہیں تھی لیکن وہ یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ ایسی سوچ رکھنے میں سردار ہاشم کا کوئی قصور نہیں۔ وہ دل و جان سے مسلمان تھے اور اپنے علم کے مطابق دینی احکام پر عمل کی کوشش بھی کرتے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ بیس برس سے ان کی رہبری کے لیے کوئی یہاں نہیں پہنچا تھا۔ انہیں اسلام کی اصل روح سے ہرگز شناسائی نہیں تھی۔ ایسے میں اگران پر توہمات غالب آرہے تھے تو ان کا کیا قصور تھا۔ نمک کی کان میں سب کچھ نمک ہو جاتا ہے۔ اس جادو نگری میں رہ کر طلسم اور سحر سے اثر قبول نہ کرنا ناممکن ہے۔

اشباح کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ اور چہرے پر روشنی سی پھیل گئی۔ اس چمک اور روشنی سے اس کے پختہ عقیدے کی عکاسی ہو رہی تھی۔ اس نے ایک عزم سے کہا۔ "سردار ہاشم! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ نیلمان نامی پتھر واقعی اس کنویں میں موجود ہے؟"

سردار ہاشم نے کہا۔ "مجھے اشوکا پر پورا یقین ہے۔ یہ مجھ سے فریب نہیں کر سکتا۔ یہ وہی کچھ پڑھ رہا ہے جو اس چمڑے پر تحریر ہے اور چمڑے کی تحریر کے مطابق "نیلمان" اس کنویں کی تہہ میں ہے۔"

اشباح کچھ دیر گہری سوچ میں گم رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "سردار ہاشم! اگر آپ اس پتھر کو حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو میں اتروں گا اس کنویں میں۔"

اشوکا، ہاشم اور چندا کی ماں کے چہرے پر ایک ساتھ خوف کے سائے پھیل گئے۔ چندا کی ماں ڈرے لہجے میں بولی۔ "نہیں بیٹا! ۔۔۔۔۔۔ نہیں تم کیوں اترو گے اس قبر میں؟ بالکل نہیں۔ اگر اس میں اترنا اتنا آسان ہوتا تو مہاراج اقتیلا جام اب تک انتظار نہ کرتے۔ اگران جیسا شخص اس میں نہیں اتر سکا تو تم کیسے اترو گے؟"

اشباح اپنے خیر خواہوں کا خوف دیکھ کر مسکرایا۔ اس کے موتی جیسے دانت مومی شمعوں کی روشنی میں چمکنے لگے۔ وہ بولا۔ "آپ کا خوف بے معنی ہے، مسلمان کا ایمان ہونا چاہیئے کہ خدا کی ذات کے سوا کوئی اسے نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر خدا کی مدد شاملِ حال ہو تو ہر جادو بے اثر اور ہر وار رائیگاں جاتا ہے اور ان شاءاللہ میں یہ ثابت کر کے دکھاؤں گا۔"

اشوکا نے کراہتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ ناممکن ہے۔ معزز مہمان! یہ ناممکن ہے آپ سراسر خودکشی کریں گے۔ آپ ایسی سوچ بھی دماغ میں نا لائیں۔"

اشباح نے مسکرا کر کہا۔"اب بات سوچ سے آگے بڑھ چکی ہے۔آپ کا خوف وہراس دیکھ کر میرا ارادہ اور مضبوط ہو رہا ہے۔میرے خیال میں یہ بہتر موقع ہے کہ طلسمی قوتوں کے سامنے اپنے ایمان کی قوت کو آزمایا جائے اور شیطان پر انسان کی برتری ثابت کی جائے۔"

سردار ہاشم عجب نگاہوں سے اشباح کو دیکھ رہے تھے۔ان نگاہوں میں محبت کا سمندر تھا لیکن ساتھ ایک خوف بھی تھا۔جیسے ڈر رہے ہوں کہ اس باہمت نوجوان کو ان کی نظر نہ لگ جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عشاء کی نماز ادا کر کے اشباح نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو تپائی پر دودھ کا پیالہ رکھا تھا۔وہ مسکرا دیا۔یہ پیالہ ہلابہ اس کے منع کرنے کے باوجود رکھ گئی تھی۔خوان پوش ہٹا کر اس نے دودھ پیا اور اپنی زخمی ٹانگ کو کچھ دیر حرکت دینے کے لئے کمرے کے اندر ہی ٹہلنے لگا۔کھڑکی سے اس کی نگاہ برآمدے میں گئی۔ہلابہ اور چندا کی ماں سرسوتی چارپائی پر بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔ان کا اندازِ گفتگو اشباح کو بتا رہا تھا کہ موضوعِ گفتگو وہ خود ہی ہے۔پچھلے تین یوم سے ہلابہ اشباح کو مسلسل سمجھا رہی تھی کہ وہ "آبوق جا" میں اترنے کا ارادہ ترک کر دے۔اس کا کہنا تھا کہ وہ تاریک جنگل میں ایسے ایسے مناظر دیکھ چکی ہے کہ اب اسے ہر ان دیکھی چیز سے خوف محسوس ہونے لگا ہے۔اس کا اصرار تھا کہ اگر کنویں میں اترنا ضروری ہے تو وہ خود اترے گی۔کیونکہ اقتیلا جام نے بھی اس کے اترنے کو محفوظ قرار دیا ہے۔اشباح بھلا اس کی بات کیسے مان سکتا تھا۔وہ مسلمان تھا اور غیرت مند مرد بھی۔اس کے ہوتے ہلابہ خود کو مشکلوں سے دوچار کیوں کرتی؟اس کے لئے تو یہ صدمہ

بھی بہت تھا کہ وہ اکیلی تاریک جنگل میں چلی گئی تھی اور دشواریوں کا سامنا کرتی رہی تھی۔وہ ہر اندیشے کو بالائے طاق رکھ کر اور اشوکا کی ہر نصیحت کو رد کر کے آبوق جا میں اترنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔

وہ کھڑکی سے ہٹ کر بستر پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔اتنے میں دروازے پر آہٹ ہوئی اور نسوانی قدموں کی آواز آئی۔اشباح نے آنکھیں کھول کر دیکھا سرسوتی اس کے سامنے کھڑی تھی۔وہ ان چند دنوں میں اشباح اور ہلابہ سے بے حد محبت کرنے لگی تھی۔اس کا نام ہندوؤں والا ضرور تھا لیکن بستی کے بہت سے لوگوں کی طرح وہ بھی درپردہ مسلمان تھی۔ہلابہ کو وہ بیٹی کہنے لگی تھی اور چندا ہی کی طرح اس کا خیال رکھتی تھی۔وہ اشباح کے پاس بیٹھ گئی اور مامتا کے جذبے سے سرشار ہو کر بے ساختہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"بیٹا!مان لو ہم سب کی بات۔آبوق جا کا خیال دل سے نکال دو۔ہر کسی نے اس پر ناخوشی کا اظہار کیا ہے۔"

اشباح اٹھ کر بیٹھ گیا اور اور مسکرا کر کہنے لگا۔"لیکن مادرِ محترم اب تو سب کچھ طے ہو چکا ہے۔آپ سب کے کہنے پر ہی میں نے پورے چاند کی رات تک انتظار کرنے کی حامی بھری تھی۔جبکہ میرے خیال میں یہ بھی کوئی ضروری نہیں تھا۔بہر حال اب پرسوں بدرِ کامل ہے اور میں تمام انتظام مکمل کر چکا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔بخدا آپ گھبرائیں نہیں۔میرے لیے یہ مہم نہایت آسان ثابت ہو گی بلکہ میرے خیال میں اسے مہم کہنا بھی مناسب نہیں"

اچانک سر سوتی کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔وہ چند لمحے خاموش نگاہوں سے اشباح کی بلائیں لیتی رہی پھر کہنے لگی۔"نہ جانے کیوں آج مجھے ایک شخص یاد آرہا ہے۔وہ بھی تیری ہی طرح جوان اور ارادے کا پکا تھا۔اس نے بھی کسی کی بات نہیں مانی تھی اور اپنی مرضی کر کے رہا تھا۔ساری التجاؤں کو ٹھکرا کر اور سارے رشتوں سے منہ پھیر کر اس نے اپنے گھوڑے کی لگام تھامی تھی اور ان دیکھے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔کوئی بیس سال گزرے ان گنت نگاہیں اس کی منتظر ہیں مگر وہ لوٹ کر نہیں آیا اور شاید کبھی نہ آئے۔"

اشباح نے سر سوتی کے الفاظ پر غور کیا اور کہنے لگا۔"کہیں آپ عثمان ثقیل کا ذکر تو نہیں کر رہی ہیں جس نے ایک عرب لڑکی سے شادی کی تھی اور پھر پرماتما کے سرخ پوشوں سے بچ کر بحرِ ہند کی طرف نکل گیا تھا۔"

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔اسی کا ذکر کر رہی ہوں۔"سر سوتی نے کہا۔اس کے لہجے میں دنیا جہاں کی یاسیت بھری ہوئی تھی۔

اشباح نے ٹٹولنے والی نظروں سے سر سوتی کو دیکھا۔"اے مادرِ عزیز! لگتا ہے عثمان ثقیل سے آپ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی قریبی رشتہ تھا۔"

سر سوتی کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔"ہاں، بہت قریبی تھا اور بہت دور کا بھی۔"

یکایک اشباح کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔سر سوتی کا نام پوری شدت سے اس کے حافظے میں چمکا۔اسے یاد آیا کہ اس نے یہ نام اپنے مرحوم باپ کے وصیت نامے میں پڑھا تھا۔کہاں؟اور پھر پلک جھپکتے میں اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ہر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔دیر تک وہ بغیر پلک جھپکائے سر سوتی کا چہرہ دیکھتا چلا گیا۔۔۔۔وہ

اس کے باپ کی منگیتر تھی۔وہ عورت جس کے ساتھ بچپن میں اس کے باپ کا بیاہ ہونے لگا تھا اور وہ گھر سے بھاگ گیا تھا۔پھر وہ سر سوتی ہی تھی جس نے رقابت کی آگ میں جلنا سیکھا تھا اور اس کی ماں کے راستے میں قدم قدم پر کانٹے بچھائے تھے اور جب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جب اشباح اپنے ماں باپ کے ساتھ اس ریاست سے فرار ہوا تھا تو یہی سر سوتی اس کی ماں سے لپٹ گئی تھی اور گھوڑے سے گرانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔اس کشمکش میں پرماتما کے سرخ پوش ان کے پیچھے لگ گئے تھے اور صحرا میں اس جان لیوا تعاقب کی شروعات ہوئی تھی جس کا انجام اس کی ننھی بہن اور والد کی شہادت پر ہوا تھا۔۔۔۔اب وہ سر سوتی گزرے زمانے کی یاد بن کر اس کے سامنے بیٹھی تھی۔اس کی عمر پینتالیس برس سے اوپر ہو چکی تھی۔مگر چہرہ بتاتا تھا کہ کسی وقت بلا کی حسین تھی۔اس کی آنکھ کا ایک تل اب بھی آنسوؤں کے عقب میں جھلملاتا خوبصورت نظر آتا تھا۔ایکا یکی اشباح کا دل چاہا کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کرے اور اس خوبصورت بلا کا گلا گھونٹ کر اسی جگہ جان سے مار ڈالے۔ان تمام مظالم کا حساب چکا دے جو اس کے والدین پر روا رکھے گئے تھے۔۔۔۔مگر پھر اس نے کمال ہمت سے اپنے حیوانی جذبات پر قابو پایا اور اپنے چہرے کو بے تاثر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔وہ ابھی سر سوتی پر کچھ ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ابھی اس خطے میں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ عثمان ثقیل کا بیٹا ہے۔

اس نے بڑے بردبار لہجے میں کہا۔"کہیں آپ۔۔۔۔عثمان ثقیل کی منگیتر تو نہیں؟"

سر سوتی نے ندامت سے نگاہیں جھکا لیں۔"ہاں۔۔۔۔۔۔۔میں ہی وہ بد نصیب ہوں۔میں ہی وہ کنواری بیوہ ہوں، جس کے مقدر میں ازل سے رونا لکھ دیا گیا ہے۔"

سرسوتی کی بات پر اشباح حیران رہ گیا۔اس نے پوچھا۔"تو کیا آپ نے۔۔۔۔۔۔۔۔میرا مطلب ہے آپ کی تو شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔"

سرسوتی نے کہا۔"شادیاں تو دل کے مندر میں ہوتی ہیں اور دل کے مندر میں میری شادی ایک بار ہو چکی ہے۔"

اشباح نے کہا۔"میں کچھ سمجھ نہیں پارہا۔اگر آپ کی شادی نہیں ہوئی تو چندا؟"

سرسوتی نے کہا۔"چندا میری سگی بیٹی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے اسے ماں بن کر پالا ہے۔"

اشباح کو اپنے سامنے اس روتی، آہیں بھرتی عورت کی کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ابھی کچھ دیر پہلے اسے اس پر بے انتہا غصہ آیا تھا اور اب۔۔۔۔۔۔۔نہ جانے کیوں اسے اس پر ترس آنے لگا تھا۔وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس سے محبت کرے یا نفرت۔وہ کیا تھی؟عورت تھی یا کوئی پہیلی۔اگر وہ سچ کہہ رہی تھی تو اس کا مطلب تھا اس نے اپنی حسین و جمیل جوانی ایک ایسے شخص کے نام برباد کر دی ہے، جو اس کا کچھ نہیں لگتا تھا اور جسے کبھی لوٹ کر واپس نہیں آنا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ابھی سرسوتی اور اشباح باتوں میں مصروف تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ہلابہ برآمدے سے اٹھ کر فوراً اندر آگئی۔اس نے اپنی کنڈالی گلے میں لٹکالی۔سرسوتی جلدی سے آنسو پونچھ کر سوالیہ نظروں سے اشباح کو دیکھنے لگی۔رات کے اندھیرے میں دستک کسی خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔اشباح ہلابہ کو لے کر گھر کے عقبی میں چلا گیا۔پھر اس نے سرسوتی کو دروازہ کھولنے کی ہدایت کی۔سرسوتی نے صحن میں جاکر دروازہ کھولا تو ان کے تمام خدشات غلط نکلے۔دستک دینے والا اشوکا

تھا۔وہ سردار ہاشم کا ایک پیغام لے کر آیا تھا۔یہ پیغام اشباح، ہلابہ اور سرسوتی کے لیے خوشخبری سے کم ثابت نہیں ہوا۔اشوکا نے بتایا کہ سردار ہاشم نے چھوٹے جاگیردار مانک کا کھوج لگالیا ہے۔وہ بیمارستان میں زیرِ علاج ہیں اور اب ان کی حالت بہت بہتر ہے۔چند روز میں انہیں بیمارستان سے فارغ کر کے قید خانے بھیج دیا جائے گا۔اشباح نے زیرِلب خدا کا شکر ادا کیا۔مانک کی خیریت کے بارے میں پچھلے چند روز سے وہ بے حد پریشان تھے۔ہلابہ کے چہرے پر بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔اس نے گلے سے کنڈالی اتار کر دیوار سے لٹکائی اور بھاگتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی۔اشباح سمجھ گیا کہ وہ تہہ خانے میں چندا کو خوشخبری سنانے گئی ہے۔وہ جس بے ساختہ انداز میں چوکڑی بھر کر کمرے سے نکلی تھی اس نے اشباح کو زیرِلب مسکرانے پر مجبور کر دیا۔عجیب الہڑپن اور دوشیزگی تھی اس کے انداز میں۔اشباح کی نگاہوں میں جیسے بچپن کا کوئی بھولا بسرا منظر تازہ ہو گیا تھا۔سرسوتی بھی ہلابہ کے پیچھے پیچھے ہی باہر نکل گئی۔اشوکا اور اشباح اب کمرے میں تنہا تھے۔اچانک اشباح نے محسوس کیا کہ اشوکا کی تیز چمکیلی پُراسرار آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی ہیں۔اس نے ان آنکھوں میں جھانکا۔ان آنکھوں میں وہی التجا تھی جو پچھلے چند روز سے اسے اپنے ہر خیر خواہ کی آنکھوں میں نظر آرہی تھی۔اشباح اس التجا کو سنتے ہوئے بھی نہیں سن رہا تھا۔سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔آخر اشوکا کو کہنا پڑا۔

"معزز مہمان!مجھے معلوم ہے آپ ناراض ہوں گے لیکن میں چپ نہیں رہ سکتا۔میں آخری بار آپ سے بنتی کرتا ہوں، آپ آبوق جا کا خیال دل سے نکال دیں۔آپ اس اندھیارے میں قدم نہ رکھیں جس کے بارے

میں آپ کچھ نہیں جانتے۔آپ جادو اور سحر کی کالی قوتوں سے ٹکرانے کا ارادہ ترک کر دیں۔اسی میں آپ کی بھلائی ہے اور ان سب کی بھلائی ہے جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔"

ناراض ہونے کی بجائے اشباح ہلکے سے مسکرایا اور بولا۔"اشوکا! تمہارا علم کچھ اور کہتا ہے اور میرا علم کچھ اور، تم اپنی جگہ سچے ہو اور میں بھی جھوٹا نہیں۔وقت کا انتظار کرو۔وقت ہر شے کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دے گا۔"

اشوکا نے نہایت مایوس نظروں سے اشباح کو دیکھا اور سر جھکا کر واپس لوٹ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک چاندنی رات تھی لیکن تاریک راتوں سے زیادہ پُراسرار اور خاموش۔چھ انسانی ہیولے گھوڑوں پر سوار درمیانی رفتار سے جھاڑیوں میں محوِ سفر تھے۔ان کی چاروں طرف اونچے نیچے ٹیلے تھے۔دور دور تک کسی انسانی بستی کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ایک جگہ پہنچ کر گھوڑے رک گئے۔

اقتیلا جام کے شاگرد اشوکا کی آواز فضا میں ابھری۔"بس سردار ہاشم! ہمارا اس سے آگے جانا خطرناک ہے۔ہم یہیں بیٹھ کر معزز مہمان کی واپسی کے لیے پرارتھنا کریں گے۔"

جواب میں اشباح کی آواز سنائی دی۔"ٹھیک ہے اشوکا! میں خود ہی تمہاری رائے پوچھنے والا تھا۔" پھر اس نے سردار ہاشم کو مخاطب کیا۔"سردار! میری درخواست ہے کہ آپ بھی اب واپس لوٹ جائیں میں یہاں سے آگے اکیلا جانا چاہتا ہوں۔"

سردار ہاشم تذبذب میں نظر آتے تھے۔ہلابہ نے کہا۔"اشباح ٹھیک کہہ رہے ہیں۔سردار آپ واپس جائیں۔اشباح کی مدد کے لیے میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔"

سردار ہاشم نے کہا۔"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔میری بیٹی اور بیٹا خطرے کی طرف بڑھیں اور میں اطمینان سے یہاں بیٹھا رہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

کہنے کو تو سردار ہاشم یہ سب کچھ کہہ رہے تھے مگر ان کی آواز کی لرزش صاف محسوس ہو رہی تھی اور اس میں ان کا بھی کیا قصور تھا۔وہ ایک ایسے مقام پر کھڑے تھے جہاں نے آگے جانے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔کم از کم اس علاقے کا کوئی باسی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وہ شب کی تاریکی میں آبوق جا کی طرف جائے گا۔اس اندھے کنوئیں کی طرف تو کوئی دن میں بھی نہیں جاتا تھا۔صرف پرماتما کے مسلح سرخ پوش سپاہی، جادوگروں اور عاملوں کی حفاظت میں ہفتے میں ایک بار اس کنویں پر پہنچتے تھے اور کھانے پینے کی بہت سی اشیاء دور ہی سے اس میں پھینک دی جاتی تھیں۔اس عمل کو مقامی زبان میں کوئی پیچیدہ سا نام دیا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ ایسا کرنے سے آبوق جا اندر رہنے والی پُراسرار مخلوق کو خوراک مل جاتی ہے اور وہ کنویں سے نکل کر باہر کی دنیا میں تباہی مچانے کا ارادہ ترک کر دیتی ہے۔کنویں میں خوراک پھینکنے والے لوگ بتاتے تھے کہ بعض اوقات اندر سے ایسی ہولناک آوازیں آتی ہیں کہ سننے والے پر بے ہوشی طاری ہونے لگتی ہے اور وہ حواس کھو بیٹھتا ہے۔۔۔۔۔اور اب اسی کنویں میں اشباح کو سَن کی رسی کی مدد سے اترنا تھا۔اس کا ساتھ دینے کی ہمت ہلابہ کے سوا اور کس میں ہو سکتی تھی۔مگر سردار ہاشم بھی اس آزمائش میں سُرخرو ہونا چاہتے تھے۔وہ اس کوشش میں تھے کہ اپنے اندر اشباح اور ہلابہ کے ساتھ جانے کی ہمت پیدا کر سکیں۔اشباح ان کی ضعیفی دیکھتے

ہوئے انہیں ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا۔۔۔۔۔آخر وہ سردار ہاشم کو سمجھانے بجھانے میں کامیاب
ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔وہ سب لوگ وہیں رک گئے اور اشباح، ہلابہ کے ہمراہ آبوق جا کی طرف بڑھنے لگا۔ان
کے ارد گرد ہر طرف اونچی خشک گھاس تھی اور مغیلاں کی جھاڑیاں پتھریلی پرچھائیوں کی طرح خاموش
کھڑی تھیں۔اشباح کی کمر سے ایک کافوری مشعل بندھی ہوئی تھی۔اس کے علاوہ ایک تلوار اور خنجر بھی اس
کے پاس تھا۔ مشعل روشن کرنے کا سامان اس کے کمربند میں لپٹا ہوا تھا۔وہ بالکل بند تھا اور اسے زہریلے
حشرات الارض سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔۔۔۔۔وہ قدم قدم آبوق جا کی طرف بڑھتے رہے۔ہر لحظہ دل کی
دھڑکن تیز ہو رہی تھی اور خطرے کی بُو فضاؤں میں پھیلتی محسوس ہوتی تھی۔یوں لگتا تھا کہ ان کے گھوڑے
بھی کسی نادیدہ خطرے سے سہمے ہوئے ہیں۔آخر وہ پُر ہیبت آواز اُن کے کانوں سے ٹکرانے لگی جسے ہانپنے کی
آواز کہا جاتا تھا۔یہ آواز اکثر بیشتر اس کنویں سے برآمد ہوتی تھی۔یوں لگتا تھا جیسا کوئی درندہ یا جانور گہرے
گہرے سانس لے رہا ہے۔یہ آواز سن کر اشباح اور ہلابہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور خود کو ہر
حادثے کے لیے تیار کرنے لگے۔دونوں کا ایک ایک ہاتھ تلوار کے دستے پر تھا اور نگاہیں چاروں طرف
گردش کر رہی تھیں۔ہانپنے کی آواز ان کی رہنمائی کر رہی تھی اور آبوق جا سے ان کا فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا
تھا۔آخر وہ تین ٹیلوں کے درمیان گھنی کانٹے دار جھاڑیوں میں پہنچ کر رک گئے۔آبوق جا اب ان سے چند
قدم کے فاصلے پر تھا۔صرف ایک اندازہ سا تھا کہ کنواں اس طرف ہوگا۔ہانپتی ہوئی آواز اب براہِ راست ان
کے کانوں سے ٹکرا کر سینے میں لرزہ پیدا کر رہی تھی۔اشباح نے نہایت اعتماد سے اپنی کافوری مشعل روشن
کی۔پھر اس مشعل سے ہلابہ نے بھی اپنی مشعل جلالی۔ارد گرد کی جھاڑیاں روشن ہو گئیں۔اشباح کو اپنے

قدموں کے پاس پتھر کی چند مورتیاں نظر آئیں۔زمین سے ایک ہاتھ اونچی یہ شکستہ مورتیاں تھوڑے
تھوڑے فاصلے پر نصب تھیں اور یوں لگتا تھا انہوں نے کنویں کو حصار میں لے رکھا ہے۔ان مورتیوں میں
دیوی دیوتاؤں کا برہنہ ملاپ دکھایا گیا تھا اور ان میں سے کچھ تو ایسی شرمناک تھیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ جل
اٹھتی تھی۔اشباح نے جلدی سے مشعل کا رخ تبدیل کر دیا۔ہلابہ کی پلکیں بھی حیا کے بوجھ سے جھکی ہوئی
تھیں۔مورتیوں سے نگاہ بچاتے ہوئے وہ دونوں چند قدم آگے بڑھے۔انہیں اپنے پاؤں کے پاس سفید
کپڑے کی چند چھوٹی چھوٹی گٹھڑیاں نظر آئیں۔اشباح نے ایک گٹھڑی کھول کر دیکھی اس میں کچھ اُبلے
ہوئے رنگدار چاول تھے۔چاول باسی ہو چکے تھے۔شاید یہ وہ گٹھڑیاں تھیں جو پرماتما کے سرخ پوش ہر
ہفتے کنویں میں پھینکتے تھے۔وہ یہ کام فاصلے سے انجام دیتے تھے۔اس لیے کچھ گٹھڑیاں اِدھر اُدھر گر جاتی
ہوں گی۔وہ آگے بڑھ کر انہیں اٹھانے کی ہمت نہیں کرتے تھے اور یہ خوراک وہیں پڑے پڑے ضائع ہو جاتی
تھی۔اشباح نے مشعل کی روشنی میں ہلابہ کا چہرہ دیکھا۔اس کے حسین چہرے پر اطمینان اور اعتماد کی جھلک
دیکھ کر اشباح کا حوصلہ چوگنا ہو گیا۔رسی باندھنے کے لیے ہلابہ ایک مضبوط درخت کا انتخاب کر چکی تھی۔اس
نے گھوڑے پر لدی ہوئی رسی نیچے گرائی اور اس کا ایک سرا کھینچ کر درخت کے تنے سے باندھ دیا۔باقی کی
رسی اشباح اور ہلابہ گھسیٹتے ہوئے آبوق جا کی طرف بڑھے۔ایک دوسرے کے "ساتھ" اور اپنے عقیدے
کی پختگی نے انہیں ہر خطرے سے بے نیاز کر دیا تھا۔کنویں کے کنارے پہنچ کر انہوں نے رسی کے چکروں کو
اندر گرا دیا۔ایک گونج پیدا ہوئی اور رسی کنویں کی عمیق گہرائی میں کھلتی چلی گئی۔حیرت انگیز طور پر اب ہانپنے
کی صدا تھم چکی تھی۔اشباح نے ہلابہ سے کہا۔"میرا خیال ہے اب تم واپس چلی جاؤ۔"

ہلابہ نے کہا۔"اور میرا دل چاہتا ہے میں آپ کے ساتھ کنویں میں اتر جاؤں۔"

اس گھڑی اشباح کو محسوس ہوا ہلابہ کے ذہن میں ایک ذرہ برابر خوف بھی موجود نہیں۔ وہ جیسے اس سنسان جنگل میں نہیں دمشق یا بغداد کے کسی بارونق باغ میں کھڑی تھی۔ اس احساس نے اشباح کو اس کی طرف سے بالکل بے فکر کر دیا۔ اس نے محبت سے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تم رکنا چاہتی ہو تو رکو لیکن گھوڑے پر سوار رہنا اور ارد گرد سے باخبر بھی۔"

ہلابہ نے کہا۔"مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں اول تو اس طرف کوئی آدم زاد آئے گا نہیں اور اگر آئے گا تو مجھے آبوق جا کی بھوتنی سمجھ کر خود ہی بے ہوش ہو جائے گا۔"

ان سنگین ترین لمحات میں ہلابہ کی یہ خوش گفتاری اشباح کو بے حد بھلی لگی۔ اس نے تعریفی نظروں سے ہلابہ کو دیکھا اور کہا۔"فی امان اللہ۔"

"فی امان اللہ!" ہلابہ نے نہایت خلوص سے جواب دیا۔

اشباح نے سَن کی رسی کو ہلا کر دیکھا وہ دور تک ہوا میں جھول رہی تھی۔ اس نے مشعل بجھا کر دوبارہ کمر میں اڑسی اور اللہ کا نام لے کر کنویں میں اترنے لگا۔

وہ ایک طویل جدوجہد تھی۔ طویل اور نہایت جاں گسل۔ اشباح کے ہر مسام سے پسینے کی دھاریں پھوٹ رہی تھیں اس کے بازو شل ہو چکے تھے اور ہتھیلیوں پر جیسے آگ سی لگی ہوئی تھی۔ وہ سَن کی رسی کے سہارے مسلسل کنویں میں اتر رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کنویں کا پیندا تحت الثریٰ سے جا ملتا ہے یا اس کی گہرائی زمین کی سات تہوں سے گزرتی ہے۔ یہ پُر حبس اور بدبُودار سفر ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ کبھی کبھی جب اشباح تھک جاتا تو رسی کی موٹی گرہوں پر پاؤں ٹکا کر بازوؤں کو کچھ آرام دیتا اور چند گہری سانسیں لے کر ایک بار پھر ہاتھ ہاتھ نیچے اترنے لگتا۔ کنویں کی تہہ سے ایک خاص قسم کی سڑانڈ اٹھ رہی تھی اور اس سڑانڈ میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔ اشباح کو اب خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ سَن کی طویل رسی ختم ہونے والی ہے۔ اگر رسی ختم ہو گئی تو کیا ہو گا؟ اس نے فکر مندی سے سوچا۔ کیا اسے نامعلوم بلندی سے کنویں میں چھلانگ لگانا ہو گی۔۔۔۔۔۔۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اور بالکل غیر متوقع طور پر اس کے پاؤں کنویں کی تہہ سے جا لگے۔ پلک جھپکتے میں ایک عجیب سی سنسنی اشباح کے رگ وپے میں دوڑ گئی۔ وہ اس خطرناک جگہ کے خطرناک ترین مقام پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے جلدی سے رسی چھوڑی اور کمر سے مشعل کھول کر اسے جلانے لگا۔ یہاں بدبُو ناقابل برداشت تھی اور دم گھٹتا ہو محسوس ہوتا تھا۔ مگر وہ پُر ہول آواز جو آبوق جا کے دہانے سے نکل کر سننے والوں کا دل دہلاتی تھی کہیں سنائی نہیں دے رہی تھی۔ دھڑکتے دل سے اشباح نے کافوری مشعل روشن کی۔ اس کی روشنی میں ایک عجیب منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا۔ وہ ایک کشادہ جگہ پر کھڑا تھا۔ کنواں دہانے سے تنگ نظر آتا تھا لیکن اندر سے بہت کھلا تھا۔ اس کی کچی دیواروں پر گھاس پھوس اگا ہوا تھا اور خوفناک دراڑیں نظر آ رہی تھیں۔ کنویں کی تہہ ریتلی تھی۔ اس ریت پر بہت سا کوڑا

کر کٹ پڑا تھا۔ادھ کھائے پھل، روٹیاں اور چاول، کئی چیزوں میں کیڑے چل رہے تھے۔ان اشیاء کو دیکھ کر اشباح کے بد ترین خدشات ایک بار پھر جاگ اٹھے۔اس سے پہلے وہ یہ سوچ رہا تھا کہ شاید کنویں میں سرے سے کوئی جاندار موجود ہی نہیں اور ہانپنے کی جو صدا سنائی دیتی ہے وہ تیز ہوا کی کارستانی ہے۔اونچے نیچے ٹیلوں اور پہاڑی دروں میں بعض اوقات ہوا کا شور عجیب آوازوں کا روپ دھار لیتا ہے۔۔۔۔۔ مگر اب ان آدھ کھائی چیزوں کو دیکھ کر اسے ایک بار پھر یہاں کسی وجود کی موجودگی کا یقین کرنا پڑ رہا تھا لیکن اگر کوئی تھا تو کہاں تھا؟اس نے مشعل سر سے اونچی کی اور نہایت احتیاط سے چاروں طرف نگاہ گھمائی۔کنویں کے ایک حصے میں پانی کا ایک چھوٹا سا گڑھا نظر آرہا تھا۔یہ کسی پُرانی بارش کا پانی تھا اور اس پر کائی جمی ہوئی تھی۔اس گڑھے کے قریب ہی دیوار میں ایک دراڑ کافی کھلی سی نظر آرہی تھی۔اس میں سے ایک تنومند آدمی باآسانی گزر سکتا تھا۔دراڑ کی حالت ظاہر کرتی تھی کہ اسے کشادہ کرنے اور ایک دروازے یا در کی شکل دینے میں کسی کی کوشش کا دخل رہا ہے۔اشباح نے تلوار برآمد کر لی اور نہایت احتیاط سے اس راستے کی طرف بڑھا۔دراڑ کے اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک بار اوپر نظر دوڑائی۔گہری تاریکی میں بلندی پر بہت بلندی پر ایک جگنو سا چمک رہا تھا۔یہ امید دوستی اور محبت کا جگنو تھا یہ وہ مشعل تھی جو ہلابہ ہاتھ میں لیے کنویں کے دہانے پر کھڑی تھی اور اس کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔۔۔ کبھی کبھی وہ مشعل کو حرکت دیتی تھی تو جگنو ٹمٹمانے لگتا تھا جیسے دور افتادہ مقام پر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہو۔۔۔۔۔۔اشباح ایک پُر عزم سانس لے کر دراڑ میں داخل ہو گیا۔چند قدم آگے جا کر اس دراڑ نے مزید کشادگی اختیار کی،اور پھر ایک کھوہ کی سی شکل اختیار کر لی۔اس کھوہ میں بھی کھانے پینے کی اشیاء بکھری ہوئی تھیں اور کسی جاندار کا فضلہ بھی نظر آرہا تھا۔ناقابلِ

برداشت بُو سے اشباح کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ایسی بُو سے زندگی بھر اشباح کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔نہ ہی وہ تصور کر سکتا تھا کہ ایسی قابلِ نفرت بُو انسانی دماغ تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔اشباح کے حواس معطل ہو رہے تھے اور سانس سینے میں رکتی محسوس ہوتی تھی۔بدبُو کی شدت نے اس کے جوفِ شکم میں ہلچل سی مچا رکھی تھی۔وہ پوری قوتِ ارادی کو بروئے کار لا کر اپنی ابکائیاں روکتا ہوا کھوہ میں گھسا۔۔۔۔۔دفعتاً اسے اپنے بائیں رخ پر نیلگوں سی روشنی دکھائی دی۔اس نے چونک کر دیکھا۔کھوہ کے اندر سے ایک اور تنگ دراڑ پھوٹتی تھی۔اس نے مشعل کی روشنی اس دراڑ میں ڈالی۔خدا کی پناہ۔۔۔۔۔۔اس کے پورے بدن میں جھری جھری سی پھیل گئی۔دراڑ میں عجیب وضع کے لاتعداد سرخ کیڑے رینگ رہے تھے۔یہی کیڑے اس نے کچھ دیر پہلے کھانے پینے کی اشیاء میں چمٹے بھی دیکھے تھے۔دراڑ میں ان کیڑوں کی تعداد ہزاروں لاکھوں تھی۔کیڑوں کے اس ڈھیر میں نیلگوں پتھر پڑا تھا جسے نیلمان کہا جاتا تھا اور افتیلا جام کے بقول تین صدیوں پہلے ایک بھکشو نے اسے کنویں میں پھینک دیا تھا۔اشباح نے حیرت سے دیکھا اب شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔یہی وہ پتھر تھا سالہا سال سے جس کی تلاش جاری تھی اور جس کو پانے کے لیے افتیلا جام پچھلے بیس برس سے غلیظ پانیوں میں دم روک کر جاپ کیا کرتا تھا اور چلے کاٹتا تھا۔لیکن وہ خود کبھی اس کنویں میں اترنے کی ہمت نہ کر سکا۔وہ ایک مہان جادوگر تھا لیکن آبوق جا کے طلسم نے اور اس طلسم کے خوف نے اسے اپنی منزل سے کوسوں دور رکھا۔وہ قدیم کتاب کی ہدایت کے مطابق اس عربی دوشیزہ کا انتظار کرتا رہا جو کنویں میں اترنے کی شرائط پوری کرے اور اس کے لیے قیمتی پتھر نکال کر سطحِ زمین پر لائے۔۔۔۔۔۔ مگر آج وہی پتھر اشباح سے ایک

ہاتھ کی دوری پر پڑا تھا۔ وہ بغیر کوئی شرط پوری کیے اور بغیر کسی طلسمی سہارے کے اس تک پہنچ گیا تھا اور اب اسے یہ بھی یقین تھا کہ وہ اسے باآسانی یہاں سے نکل لے جائے گا۔

اس نے اللہ کا یاد کیا اور نہایت بے خوفی سے اپنی کا فوری مشعل دراڑ میں داخل کر دی۔ عجیب ساخت کے سرخ کیڑے آگ کی لپیٹ سے جلنے لگے اور بھاگنے لگے۔ ان کے جلتے گوشت کی سرانڈ حبس زدہ فضا کو کچھ اور حبس زدہ بنانے لگی۔ کیڑوں کے جلنے سے ایک کریہہ سا شور بلند ہو رہا تھا۔ جیسے وہ سب اپنی اپنی منحوس آوازوں میں چیخ رہے ہوں اور پکار رہے ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔ تھوڑی ہی دیر میں دراڑ حشرات سے خالی ہو گئی اور نیلگوں پتھر صاف و شفاف ہو کر پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔ اشباح نے ہاتھ بڑھا کر پتھر اٹھا لیا۔ اس کا وزن حیرت انگیز طور پر کم تھا۔ اشباح نے اسے اپنے کمر بند میں لپیٹ لیا اور الٹے قدموں واپس ہوا۔ اچانک اس کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کوئی نہایت سخت اور بھاری بھرکم چیز اس سے ٹکرائی اور اسے اپنے ساتھ لیتی ہوئی کنویں کی ریتلی سطح پر گری۔ حملہ اتنا اچانک تھا کہ تلوار اشباح کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کا منہ ریت میں دھنس گیا۔ اگر ریت کی جگہ ٹھوس زمین ہوتی تو یقیناً وہ بری طرح زخمی ہو جاتا۔ گرتے ساتھ ہی اشباح کو سب سے پہلا احساس بُو کا ہوا۔ تعفن کے بھبھکے نوکیلے خنجروں کی طرح اس کے دماغ کو مجروح کر رہے تھے۔ اس نے اندازہ کیا کہ ایک بالوں بھرے گرانڈیل جسم نے اسے عقب سے بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ یہ ایک آہنی گرفت تھی۔ اشباح کا گھٹا ہوا سانس اور بھی گھٹا جا رہا تھا۔ یکایک اس کے کانوں میں ایک ہولناک آواز آئی۔ اس آواز نے کنویں کی خاموش فضا میں تہلکہ مچا دیا۔ نہایت دلدوز صدا تھی یہ۔ کسی درندے کی دھاڑ سے مشابہہ۔ یوں لگتا تھا زمین سے آسمان تک یہی صدا گونج رہی ہے۔ اشباح نے اپنے حواس کو مجتمع کیا اور

پوری قوت سے تڑپ کر نامعلوم گرفت سے نکل گیا۔ مشعل ابھی تک اس کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کی روشنی میں اس نے اپنے سامنے دیکھا اور دیکھتا چلا گیا۔ اس سے ڈیڑھ گنا قد و قامت کی ایک عجیب و غریب مخلوق اس کے سامنے تھی۔۔۔۔ ہاں اسے مخلوق کہنا ہی مناسب تھا۔ اس کے خد و خال انسانوں جیسے ضرور تھے لیکن پورے جسم پر گھنے غلیظ بال تھے۔ ہاتھ پاؤں کے ناخن جانوروں کی طرح مڑے ہوئے تھے۔ سر اور چہرے کا ایک حصہ پچکا ہوا تھا جس سے صورت اور بھی خوفناک ہو گئی تھی۔ وہ اپنی سرخ حیوانی آنکھوں سے اشباح کو دیکھ رہا تھا اور غرا رہا تھا۔ اس کے بالوں بھرے ہاتھ میں جو ہتھیار تھا وہ بھی اس کی طرح عجیب و غریب تھا۔ لکڑی کے ایک موٹے ڈنڈے کے سرے سے ایک نوکیلے پتھر کو رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس طرح ایک وزنی اور خطرناک کلہاڑے کی شکل بن گئی تھی۔ یہ انسان نما درندہ کون ہے اور یہاں کس طرح موجود ہے؟ سب سے پہلا سوال اشباح کے ذہن میں یہی آیا۔ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے جو مہلت درکار تھی وہ اشباح کے پاس ہرگز نہیں تھی، مگر وہ پھر بھی سوچ رہا تھا۔ یہ بات تو اس کی سمجھ میں آچکی تھی کہ کنویں کے دہانے سے جو ہانپنے کی صدائیں سنائی دیتی ہیں وہ درحقیقت اس درندے کی دھاڑیں ہیں۔ بہت بلندی تک پہنچتے پہنچتے یہ دھاڑیں ایک گونج میں تبدیل ہو جاتی تھیں اور یوں محسوس ہوتا تھا کوئی تیز تیز سانس لے رہا ہے۔ یہ سب فاصلے اور بازگشت کا کرشمہ تھا۔۔۔۔۔۔۔ اور وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ اس کے سامنے کوئی غیر مرئی مخلوق نہیں اور نہ ہی کوئی طلسمی قوت ہے بلکہ گوشت پوست کا ایک جیتا جاگتا جسم ہے جو بہت زیادہ طاقتور اور خطرناک تو ہو سکتا ہے لیکن ناقابلِ تسخیر نہیں ہے۔ اشباح پوری طرح چوکس تھا اور اس کی نگاہیں انسان نما درندے کے قدموں پر تھیں۔ لہٰذا جوں ہی اس نے ایک پاؤں سے دباؤ دوسرے پر

منتقل کیا اشباح جان گیا کہ وہ اس پر حملہ کر رہا ہے۔ ساعت کے دسویں حصے میں اشباح نیچے جھکا اور اس کی یہی حرکت اس کی زندگی کی ضمانت بن گئی۔ مدِ مقابل کا سنگی کلہاڑا سنسنایا اور اور اس کے عمامے کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ پہلا وار خالی جاتے ہی مدِ مقابل نے ہاتھ کی الٹی حرکت سے دوسرا وار کیا۔ اس دفعہ وزنی کلہاڑا اشباح کی ٹھوڑی کو چھیلتا ہوا نکل گیا۔ اگر اس نے پیچھے ہٹنے میں ذرا بھی سستی کی ہوتی تو چہرہ پاش پاش ہو گیا ہوتا۔ بے پناہ طاقت اور حیران کن پھرتی خال خال ہی ہی اکٹھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ سب سے پہلے یہ وصف اشباح کو بوہان میں نظر آیا تھا اور آج اس پُراسرار کنویں کی تہہ میں یہ پُراسرار مدِ مقابل اس وصف کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اشباح جانتا تھا اگر اسے اس موذی سے اپنی زندگی بچانی ہے تو جسم اور دماغ کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہو گا۔ ایک معمولی غلطی اسے ہمیشہ کے لیے آبوق جا کی گہرائیوں میں دفن کر سکتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ اس نے وحشی حملہ آور کے اگلے چند وار نہایت پھرتی سے خالی دیے اور کنویں کی دیوار کے ساتھ پانی کے گڑھے کی طرف بڑھنے لگا۔ ابھی تک اس نے مدِ مقابل پر کوئی وار نہیں کیا تھا۔ وہ ٹھیک وقت اور ٹھیک نشانے پر وار کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ہاتھ خنجر کے دستے پر پہنچ چکا تھا جب عجیب الخلقت شخص نے چنگھاڑ کر اس پر جست کی۔ اشباح نے تیزی سے پہلو بچایا۔ مدِ مقابل غڑاپ سے پانی کے گڑھے میں گرا۔ بجلی سی چمکی۔ اشباح نے خنجر نکال کر بے دریغ مدِ مقابل پر چھلانگ لگائی۔ وہ پوری قوت سے خنجر کا پھل موذی انسان کے پہلو میں اتار دینا چاہتا تھا مگر یہ حسرت اس کے دل ہی میں رہ گئی۔ اس نے گرتے گرتے اپنا کلہاڑا پوری طاقت سے گھمایا۔ اشباح کے خنجر والے ہاتھ پر زوردار ضرب لگی اور خنجر کا دستہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کلائی تک پورا ہاتھ جیسے سن ہو چکا تھا۔ کلہاڑے کی دوسری ضرب اشباح کے سر کو ٹکڑوں میں تقسیم کر

سکتی تھی۔ لہٰذا وہ دست بدست لڑائی کے تمام کتابی اصول پسِ پشت ڈال کر اپنے حریف سے لپٹ گیا پانی کے بدبُودار گڑھے میں زندگی اور موت کی خوفناک جنگ اپنے عروج کو پہنچ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رائے منوہر چند اپنے محل کے بالاخانے میں بیٹھا شغلِ مے نوشی میں مصروف تھا۔ ایک حسین رقاصہ سازوں کی جھنکار میں محوِ رقص تھی۔ اس نوخیز رقاصہ کے جسمانی خطوط منوہر چند کے ذہن میں آگ سی بھر رہے تھے۔ اس کی نگاہ رقاصہ کی پسینے سے بھیگی ہوئی گردن سے ایسی پھسلی تھی کہ اب پھسلتی جا رہی تھی۔ لہٰذا جونہی رقص ختم ہوا اس نے اٹھ کر بڑی لگاوٹ سے رقاصہ کو بغل میں لیا اور اپنی خوابگاہ کی طرف بڑھا۔۔۔۔۔۔۔ مگر ایک آواز نے اس کے قدم روک دیے۔ یہ اس کے خاص دستے کا سالار جواہر لال گوپی تھا۔ گوپی اس وقت فوجی لباس میں تھا اور بے حد جوش میں نظر آتا تھا۔ اس نے تعظیمات پیش کرنے کے بعد کہا۔

"سرکار! ایک خوشخبری لایا ہوں۔ ساتویں دلہن اور اس کے ساتھیوں کا سراغ مل گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔"

رقاصہ کے کندھے سے منوہر چند کا ہاتھ اٹھ گیا اور شرابِ سرخ کا پیالہ اس کے ہاتھ میں لرزنے لگا۔ وہ تیزی سے بولا۔ "کیا کہہ رہے ہو گوپی؟"

گوپی نے جھک کر کہا۔ "بندہ! سب کچھ اپنی نگرانی میں انجام دے کر آیا ہے۔ ساتویں دلہن اپنے ایک مفرور ساتھی اشباح بن ثقیل کے ساتھ مضافاتی بستی "رکھوار" میں چھپی ہوئی تھی۔ میرے آدمی مسلسل اس کی ٹوہ

میں تھے۔مہاراج اقتیلا جام کا چیلا اشوکا اور سردار ہاشم بھی اس بستی میں آتے جاتے تھے۔ان ہی کی وجہ سے
ہم مجرمہ تک پہنچ چکے ہیں۔آج رات کوئی ایک پہر قبل سردار ہاشم اور اشوکا چند گھڑ سواروں کے ہمراہ بستی
سے نکلے اور مفیلاں کے ٹیلوں کی طرف بڑھنے لگے۔ان ہی گھڑ سواروں میں وہ ساتویں دلہن بھی
تھی۔۔۔۔اس وقت وہ سب لوگ آبوق جا کے قریب گھنی جھاڑیوں میں موجود ہیں۔سردار ہاشم،اشوکا
اور اس کے دو ساتھیوں کو تو ہم نے گرفتار کر لیا لیکن۔۔۔۔۔"کچھ کہتے کہتے گوپی رک گیا۔

منوہر چند غرا کر بولا۔"پوری بات بتاؤ۔"

گوپی نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔"سرکار!ایک بات سمجھ میں نہیں آئی یا تو ساتویں دلہن اور اس کا عربی
ساتھی پاگل ہیں یا آتما ہتھیا کا ارادہ رکھتے ہیں۔وہ تین گھوڑوں پر سوار آبوق جا کی طرف نکل گئے ہیں۔اس
وقت آبوق جا کے بالکل پاس ایک مشعل روشن نظر آ رہی ہے۔نہ جانے وہ دونوں وہاں کیا کر رہے ہیں۔"

منوہر چند کے چہرے پر زبردست الجھن نظر آنے لگی۔اس نے کہا۔"اگر سردار ہاشم اور اشوکا وغیرہ ان کے
ساتھ تھے تو انہوں نے ان دونوں کو آبوق جا کی طرف کیوں جانے دیا۔کہیں ایسا تو نہیں کہ
تمہیں۔۔۔۔دھوکا ہو رہا ہے۔"

گوپی نے بصد احترام کہا۔"نہیں مالک!دھوکے کا کوئی امکان نہیں۔ہم نے آبوق جا کو چاروں طرف سے گھیر
لیا ہے۔اس علاقے میں کوئی داخل ہو سکتا ہے اور نہ باہر نکل سکتا ہے۔"

منوہر چند نے پوچھا۔"کنویں سے تمہارے سپاہیوں کا فاصلہ کتنا ہے؟"

گوپی نے کہا۔"جناب!کئی مقامات پر ہم آبوق جا سے صرف پچاس ساٹھ گز کی دوری پر ہیں۔اگر ہمیں
ساتویں دلہن کے گلے میں موجود کنڈالی کا ڈر نہ ہوتا تو ہم یہ فاصلہ مزید کم کر سکتے تھے۔"

منوہر چند نے بے قراری سے ٹہلتے ہوئے کہا۔"ٹھیک ہے۔تم موقعے پر موجود اپنے ساتھیوں کی تعداد میں
دوگنا اضافہ کر دو۔ایسا مکمل محاصرہ ہو کہ گلہری کا بچہ بھی رینگ کے باہر نہ جا سکے۔نہایت خاموشی اور چوکسی
سے حالات پر نظر رکھو۔ایک دستہ فوری طور پر "رکھوار" بستی میں بھیج دو۔وہاں کے تمام رہائشیوں کو گرفتار
کر لو۔۔۔۔میں مشورے کے لیے پرماتما کی طرف جا رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میرے آنے تک تم
حالات کو مکمل طور پر اپنے قابو میں رکھو گے۔"

"بھگوان نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔"گوپی نے جوش سے تمتمائے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا اور تعظیم پیش کر
کے جلدی سے باہر نکل گیا۔اس کے جاتے ہی منوہر چند نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔پھر بھاگم بھاگ
اصطبل میں پہنچ کر اپنا بہترین گھوڑا لیا اور محافظوں کے مختصر دست کے ساتھ اس عمارت کی طرف روانہ ہوا
جہاں لازوال پرماتما کی عظیم الجثہ طلائی مورتی نصب تھی اور جہاں دیواروں اور چھتوں سے اس کی آواز پھوٹتی
ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح کا لباس تار تار تھا۔اس کے جسم پر زخم تھے اور مساموں سے پسینے کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔اسے لگ رہا
تھا وہ صدیوں سے لڑ رہا ہے،زمانے گزر گئے ہیں اور زندگی کے لیے اس کی جنگ جاری ہے۔یہ اس کی زندگی

کی ہولناک ترین جنگ تھی۔اس کا واسطہ ایک وحشی سے پڑا تھا جس کے آہنی جسم میں کئی انسانوں کی طاقت تھی اور جو پھرتی اور عیاری میں درندوں کو مات دیتا تھا۔کوئی اور ہوتا تو اب تک اس موذی کے ہاتھوں اس کا جسم سینکڑوں ٹکڑوں میں تبدیل ہو چکا ہوتا لیکن وہ بھی اشباح تھا۔صحرائے عرب کا سنہری شاہین جس نے اسیر ڈالنا سیکھا ہی نہیں تھا اور جس کی قوت برداشت اور بے جگری کا لوہا ایک زمانہ مانتا تھا۔اس نے اس بدمست وحشی کو ایسی یادگار مزاحمت پیش کی تھی کہ اگر وہ جنگ جیت بھی جاتا تو مہینوں اس کنویں کی تاریکی میں بیٹھ کر اپنے زخم چاٹتا۔دونوں کے بازو شل ہو چکے تھے اور سانسیں ٹوٹ چکی تھیں۔یہ ایسا مرحلہ تھا کہ اگر کوئی بھی کار گروار کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کی امکانات روشن ہو جاتے۔آخر اشباح کے مدِ مقابل کو یہ موقع مل ہی گیا۔ایک تیز مکے سے بچنے کے لیے جونہی اشباح نیچے جھکا وحشی کی ٹانگ کام کر گئی۔پتھریلے پاؤں کی ایک زوردار ٹھوکر اشباح کے منہ پر پڑی اور وہ کٹے ہوئے شہتیر طرح الٹ کر پانی کے گڑھے میں جا گرا۔وحشی نے کوئی موقع دیے بغیر اسے چھاپ لیا اور پانی کے اندر ہی اس کا گلا دبانے لگا۔موت جو دیر سے اشباح سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھی اب عین اس کی نگاہوں کے سامنے ناچنے لگی۔اس کی گردن جیسے کسی آہنی شکنجے میں جکڑی جا چکی تھی اور مستقبل قریب میں کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ فرشتہء اجل کی اس گرفت سے نجات پاسکے۔یکایک اشباح کا ہاتھ کسی گول لکڑی سے ٹکرایا۔ڈوبتے ذہن کو سنبھال کر اس نے اس شے پہچاننے کی کوشش کی اور یہ جان کر اس کی دم توڑتی مزاحمت میں پھر زندگی دوڑ گئی کہ یہ لکڑی دراصل اس کے وحشی مدِ مقابل کا دستہ ہے۔یہ کلہاڑا کچھ دیر پہلے وحشی کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اشباح کی تلوار کی طرح ڈھونڈنے سے نہیں ملا تھا۔اشباح نے جسم کی رہی سہی قوت جمع کر کے اپنے دونوں اوپر اٹھائے اور پانی کے

اندر لکڑی کے دست پر گرفت مضبوط کر لی۔تب ایک جانکاہ کوشش کے اشباح نے اپنے جسم کو پانی میں موڑا۔اپنی کہنیوں کو خم دیا اور وزنی کلہاڑا پوری قوت سے وحشی کے سر پر دے مارا۔ایک کراہ کے ساتھ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔یہ ایک لمحے کی ڈھیل اشباح کے لیے حیاتِ نو کی نوید تھی۔وہ تڑپ کر وحشی گرفت سے آزاد ہوا اور پینترا بدل کر دوسرا وار کیا۔یہ وار مدِ مقابل کی گدی پر پڑا اور وہ کرب سے چلا اٹھا۔اس کے بعد اشباح نے اسے ایک ساعت کے لیے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔سنگی کلہاڑے کی پے در پے ضربوں سے اس نے عفریت کر چکنا چور کر ڈالا۔ مشعل بجھ چکی تھی اور تاریکی میں اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ کلہاڑے کی ضرب کہاں لگ رہی ہے۔وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ اسے اس بلا کو زمین بوس کرنا ہے اور اس کی غراہٹوں کو ہمیشہ کے لیے خاموشی کا لباس پہنا دینا ہے۔

بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔کنویں کی تاریک فضا درندہ نما انسان کی لرزہ خیز غراہٹوں سے خالی ہو گئی۔اس کا بدبُودار جسم ریت کے فرش پر گر کر بے سُدھ ہو گیا۔اشباح نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنی سانسیں درست کیں اور خود کو یہ باور کرانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آیا ہے۔دوبارہ رنگ و بو کی دنیا میں آ گیا ہے۔خدا کا شکر کرنے کے انداز میں اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔دور بہت دور امید کا جگنو چمک رہا تھا۔جیسے آسمان پر کوئی ستارہ مسافر کو نشان، منزل دے رہا ہو۔ہلابہ کے ہاتھ میں پکڑی مشعل کنویں کے دور افتادہ دہانے پر روشن نقطے کی طرح چمک رہی تھی۔یہی مشعل اس کے لیے ستارا بھی تھی، جگنو بھی اور نشانِ منزل بھی۔اس نے اپنی مشعل ڈھونڈ کر جلائی۔اپنے نیم مردہ مدِ مقابل کا تنقیدی جائزہ لیا پھر کچھ سوچ کر سَن کی رسی (جو کنویں کی گہرائی سے صرف آٹھ دس گز زیادہ نکلی تھی) اس کے جسم

سے باندھنے لگا۔ رسی کو وحشی کی بغلوں کے نیچے سے نکال کر اس کے سینے پر اشباح نے ایک مخصوص گرہ باھندی۔ تب اس نے اپنے ہتھیار ڈھونڈے اور اپنے زخموں کا خون روکنے کی کوشش کی۔ سرخ رنگ کے منحوس کیڑے اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے جا رہے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ اسے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ ضروری تیاری سے فارغ ہو کر اس نے مشعل گل کی اور رسی تھام کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنا شروع کیا۔

ایک طویل، جاں سوز اور اَن تھک جدوجہد کے بعد بلآخر اشباح اندھے کنویں سے نکلنے میں کامیاب ہوا۔ ہلابہ نے مشعل کی روشنی میں اس کی حالتِ زار دیکھی اور سسک اٹھی۔ اشباح کا جسم جگہ جگہ سے زخمی تھا۔ اشباح نے اسے تسلی دی اور کامیابی کی خوشخبری سنائی۔ اس نے اپنا کمر بند کھول کر ہلابہ کو نیلمان کی جھلک دکھائی تو وہ اس کی آب وتاب دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ تاہم اشباح نے محسوس کیا کہ وہ اس کامیابی پر اتنا خوش نہیں ہوئی جتنا اسے ہونا چاہیئے تھا۔ شاید وہ کچھ فکر مند تھی۔ اشباح محسوس کر رہا تھا کہ اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں ایک وحشت سی ہے اور وہ بار بار چونک جاتی۔ اشباح نے اسے بتایا کہ کنویں کی گہرائی میں وہ ایک عجیب الخلقت انسان کو بندھا ہوا چھوڑ آیا ہے اور یہی وہ درندہ نما انسان ہے جس سے معرکے میں اس کا جسم زخموں سے چُور ہوا ہے۔ اشباح نے ہلابہ کو بتایا کہ وہ موذی تہہ میں بے ہوش پڑا ہے اور دونوں کو کسی طرح اسے اوپر کھینچنا ہے۔

ہلابہ نے کہا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ کام کل رات پر چھوڑ دیا جائے یا پھر صبح کسی وقت کوشش کی جائے۔"

اشباح نے کہا۔ "کیا بات ہے ہلابہ؟ تم کچھ پریشان ہو۔"

ہلابہ کچھ دیر تذبذب میں رہی پھر ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اشباح! میرا خیال ہے کہ ہمارے ارد گرد کچھ گڑبڑ ہے۔ میں نے دور جھاڑیوں میں کچھ سائے دیکھے ہیں۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں بھی آئی ہیں۔ وہ دیکھیں.......... اس ٹیلے کے پیچھے.......... اس کے پیچھے کوئی مشعل حرکت کر رہی ہے۔"

ایکا ایکی اشباح کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی عود کر آئی۔ اس نے پہلی بار غور سے ارد گرد دیکھا۔ کچھ نظر نہیں آیا لیکن اس کی چھٹی حس نے ہلابہ کے بیانات کی تصدیق کی۔ تھوڑی دیر دونوں سوچ میں غرق رہے۔ پھر اشباح نے کمر بند مضبوطی کے ساتھ باندھا اور تلوار برہنہ کر کے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ ہلابہ نے بھی اس کی تقلید کی۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں اس طرف سے نکلنا چاہیئے۔ ممکن ہے سردار ہاشم وغیرہ گرفتار ہو چکے ہوں۔" اشباح نے کہا۔ ہلابہ نے اس کے خیال کی تائید کی۔ دونوں گھوڑوں کا رخ موڑ کر جنوب کی طرف بڑھے۔ اشباح کی طرح اب ہلابہ نے بھی تلوار نکال لی تھی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اشباح کے پہلو بہ پہلو ہر آفت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے۔ تیسرا خالی گھوڑا خود بخود ان کے پیچھے آ رہا تھا۔ جونہی وہ جنوبی ٹیلے کی ڈھلوان طے کر کے بلندی پر آئے یکایک نیم تاریکی میں سینکڑوں مشعلیں جل اٹھی تھیں۔ وہ حیرت سے بت بنے رہ گئے۔ ان کے روبرو سینکڑوں پیادہ سرخ پوش مسلح حالت میں چوکس کھڑے تھے۔ چاندنی میں ان کے لباس اور ہتھیار دور تک چمک رہے تھے۔ نہایت خاموشی اور ہوشیاری کے ساتھ انہیں چاروں طرف سے گھیرا جا چکا تھا۔ پھر انہیں رائے منوہر چند نظر آیا۔ وہ مشکی گھوڑے پر سوار کوئی تیس گز دور کھڑا

تھا۔اشباح اور ہلابہ کو دیکھتے اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور دو تیر انداز اس کے دونوں پہلوؤں پر کھڑے ہوئے۔انہوں نے زرہ کھینچے اور ہلابہ اور اشباح کا نشانہ لے لیا۔اشباح اور ہلابہ نے یہی سمجھا کہ دونوں تیر انداز انہیں دھمکانے کے لیے بلائے گئے ہیں لیکن وہ اصل معاملے سے بے خبر تھے۔تیر اندازوں کے شست باندھنے کا مقصد کچھ اور تھا۔یکایک دو تیر سنسنائے۔۔۔۔۔۔۔ایک ہلابہ کے کندھے کے اوپر سے گزر گیا لیکن دوسرا ہلابہ کی گردن کے قریب کنڈالی میں لگا اور اسے صاف گردن سے نکال لے گیا۔تیر میں پروئی ہوئی کنڈالی کوئی بیس قدم دور جا گری۔ماہر نشانہ باز کی کامیابی پر سپاہیوں نے نعرہِ تحسین بلند کیا۔۔۔۔۔پھر اس سے پہلے کہ ہلابہ یا اشباح کچھ کرتے بیسیوں پُرجوش سپاہی ان پے جھپٹے، ہلابہ اور اشباح نے تلوار چلائی مگر پلک جھپکتے میں ان کے جسموں سے لاتعداد نیزوں کی انیاں آلگیں۔اب حرکت کا مطلب موت کے سوا کچھ نہیں تھا۔انہیں گرفتار کر لیا گیا۔سپاہی انہیں نیزوں سے دھکیلتے ہوئے اور ہانکتے ہوئے رائے منوہر چند کے سامنے لے آئے۔وہ بڑی شان سے اپنے گھوڑے پر بیٹھا تمسخر انگیز نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔اقتیلا جام کی نایاب کنڈالی اب اس کے ہاتھ میں پہنچ چکی تھی اور یہ دوہری کامیابی اسے خوشی گلنار کر رہی تھی۔وہ رعونت سے بولا۔

"بہت خوب ساتویں دلہن۔ہم تمہاری بہادری کی داد دیتے ہیں۔تم دل ودماغ کی اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک ہو لیکن۔۔۔۔۔۔کاش تمہارا مقدر بھی اچھا ہوتا۔تم نے لازوال پرماتما کی کرپا اور پریم کو ٹھکرا کر اپنی زندگی کو روئے زمین کی اذیت ناک موت کی امانت بنا دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔یہ زمین و آسمان تم پر ترس کھانے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔"پھر اس نے اپنے آدمیوں سے گرج کر کہا۔"لے چلو ان سب کو۔"

اس وقت اشباح کی نگاہ سردار ہاشم اور اشوکا وغیرہ پر پڑی۔ان کے لباس تار تار اور جسم خونچکاں تھے۔ننگے سر اور ننگے پاؤں انہیں گردن میں رسیاں ڈال کر گھوڑوں کے پیچھے باندھا گیا تھا۔اب شاید اشباح اور ہلابہ کے ساتھ بھی یہی سلوک ہونے والا تھا۔کم از کم اشباح کے ساتھ تو یہی کچھ ہونے والا تھا۔دو تنومند سپاہی اشباح اور ہلابہ کی تلاشی لینے کے لیے ان کی طرف بڑھے۔ایک سپاہی نے جھپٹ کر اشباح کا کمربند کھولا۔نیلمان کی نیلگوں روشنی چمڑے کے اندر سے پھوٹی۔اسی وقت اشوکا چلایا۔"رک جاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔رک جاؤ۔"

سب اپنی اپنی جگہ ٹھٹک گئے۔رائے منوہر چند اور گوپی گھوم کر اشوکا کی طرف دیکھنے لگے۔اشوکا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نظر آرہی تھی۔اس کے پھولے ہوئے نتھنے مشعلوں کی روشنی میں ہلکے ہلکے پھڑک رہے تھے۔وہ تیزی سے بولا۔"رائے صاحب! آپ یا آپ کا کوئی سپاہی اب محترم اشباح کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"اس کی آواز میں غیر معمولی گرج اور بے پناہ خود اعتمادی تھی۔

"کیوں ہاتھ نہیں لگا سکتا!"رائے منوہر چند نے تلملا کر پوچھا اسے یہ بے وقت کی دخل اندازی بالکل نہیں بھائی تھی۔

اشوکا نے لرزاں آواز میں کہا۔"اس لیے رائے صاحب! کہ محترم اشباح کے پاس اس وقت نیلمان ہے۔۔۔۔۔۔وہی نیلمان جو مگس دیوتا کے شریر کا حصہ ہے اور برسوں سے جس کی تلاش جاری ہے۔ابھی آپ نے جو روشنی دیکھی وہ اس نیلمان کی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

رائے منوہر چند اور اس کے تمام ساتھیوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ فضا میں ایک سنسنی خیز سناٹے کی حکمرانی ہو گئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے موقع پر موجود ہر ذی حس، اشوکا کی بات کا یقین کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ ایکا ایکی رائے منوہر چند نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور تیر کی طرح اشباح کی طرف گیا۔ اس کے ہاتھ سیدھے اشباح کے کمربند پر آئے۔ وہ اپنے جسم کی پوری قوت اور دماغ کی تمام صلاحیت صرف کر کے چمکدار پتھر اس کے کمربند سے نکال لینا چاہتا تھا۔ اشوکا حلق کی پوری قوت سے چلایا۔ "محترم اشباح، نیلمان نہ دینا۔۔۔۔ نیلمان نہ دینا۔ اسے اپنے ہاتھ میں لے لو۔" اشباح اور رائے منوہر کے درمیان کشمکش شروع ہو چکی تھی۔ یکایک اشباح نے منوہر چند کو دھکا دیا اور نیلا پتھر کمربند سے نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ نیلگوں کرنیں مشعل کی روشنی کی طرح چاروں طرف پھیل گئی۔ یہ منظر دیکھ کر رائے منوہر چند تڑپ کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ تمام پیادے اور سوار بھی خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگے۔ پھر اشباح اور ہلابہ نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ رائے منوہر چند اور گوپی سمیت تمام سپاہی گڑگڑاتے ہوئے زمین بوس ہو گئے اور زمین پر اوندھے لیٹ کر آہ و پکار کرنے لگے۔ ان کے لبوں پر فریادیں اور التجائیں تھیں۔ وہ اشباح سے رحم کی درخواست کر رہے تھے۔ اشباح اور ہلابہ نے ایک دوسرے کو دیکھا وہ دونوں صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اشباح نے تحکمانہ لہجے میں گوپی کو حکم دیا۔

"سردار ہاشم، اشوکا اور ان کے ساتھیوں کی بندشیں کھول دو۔"

گوپی حکم کے غلام کی طرح زمین سے اٹھا اور کانپتے لرزتے ہاتھوں سے ان کی رسیاں کھولنے لگا۔ چند ہی لمحوں میں وہ چاروں آزاد ہو کر اشباح اور ہلابہ کے پاس آن کھڑے ہوئے۔ اشوکا اوندھے منہ اشباح کے قدموں میں لیٹ گیا۔ اور اس کے پاؤں کو پے در پے بوسے دیتا ہوا بولا۔

"مہاراج! بھگوان نے آپ کے سر پر عظمتوں کا تاج رکھ دیا ہے۔ آپ اس علاقے کے ایک معزز ترین فرد بن گئے ہیں۔ اس رُوئے زمین پر لازوال پرماتما کے بعد آپ کا رتبہ سب سے زیادہ ہے۔ اب وہی ہو گا جو آپ چاہیں گے۔ اب آپ حکم دیجئیے اور دیکھئیے دنیا کیسے آپ کے اشاروں پر ناچتی ہے۔"

اشباح کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں کیا حکم دوں؟"

سردار ہاشم کا چہرہ بھی جذبات سے تمتما رہا تھا۔ انہوں نے کہا۔ "رائے منوہر چند کو حکم دو کہ وہ اپنی فوج کو لے کر واپس چلا جائے اور بستی سے اس نے جن لوگوں کو گرفتار کیا ہے، فوراً رہا کر دے۔ اس کے بعد محل میں رک کر تمہارے اگلے حکم کا انتظار کرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اشباح نے کچھ دیر سوچنے کے بعد یہی باتیں منوہر چند سے کہہ دیں۔ رائے منوہر چند نے اٹھ کر کپڑے جھاڑے پھر جھک کر بار بار تعظیم پیش کی اور اشباح کے احکامات کے بارے میں اطاعت گزاری کا اظہار کرتا ہوا الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ اچانک اشوکا گرج کر بولا۔ "رک جاؤ" رائے منوہر ٹھٹک کر رک گیا۔ اشوکا آگے بڑھا اور بڑی حقارت سے ہلابہ کی کنڈالی اس کے گلے سے اتار لی۔ "اب جاؤ"۔ اس نے اشباح کی ترجمانی

کرتے ہوئے حکم دیا۔رائے منوہر نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور ایک بار پھر تعظیم پیش کرنے کے بعد پیچھے ہٹنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں قرب وجوار کے ٹیلے سرخ پوشوں کے وجود سے خالی ہو چکے تھے۔ماہتاب عین سر پر چمک رہا تھا اور اشباح اور ہلابہ اپنے چاروں ساتھیوں کے ساتھ ٹیلوں میں تنہا کھڑے تھے۔نیم گول نیلگوں پتھر ابھی تک اشباح کے ہاتھ میں تھا اور اس کی مدھم روشنی فضا میں ایک چھوٹا سا ہالہ بنا رہی تھی۔اشباح نے سردار ہاشم اور اشوکا سے مشورہ کیا اور پھر وہ سب آبوق جا کی طرف بڑھے۔آبوق جا جس کی گہرائی میں اشباح کا مافوق الفطرت مدِمقابل بے ہوش پڑا تھا اور جسے انہوں نے سطح زمین پر کھینچنا تھا۔اب سے کچھ دیر پہلے آبوق جا کے بارے میں جو خوف اشوکا اور سردار ہاشم کے ذہنوں پر مسلط تھا اب کافی حد تک دور ہو گیا تھا اور اسے دور ہونا ہی تھا۔اشباح نے وہ کام کیا تھا جس کا کسی نے کبھی اس خطہ ءزمین پر تصور بھی نہیں کیا تھا۔اس نے اپنے یقین کی حدت سے خوف کی صدیوں پرانی برف کو پگھلا کر پانی کر دیا تھا۔اس نے توہم پرستی اور جہالت کے اندھیرے پر پہلی ضرب لگا دی تھی اور اب اس ضرب کی گونج چہار سُو پھیل رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح ہو چکی تھی۔منظر "رکھ وار"بستی کا تھا۔سرسوتی کے نیم پختہ مکان میں اشباح،ہلابہ،سردار ہاشم،اشوکا اور ان کے دیگر ساتھی جمع تھے۔وہ آبوق جا کے نیم بے ہوش وحشی کو لے کر علی الصبح یہاں پہنچ گئے تھے۔وہ وحشی اس وقت قریبی مکان کے تہہ خانے میں رسیوں سے بندھا پڑا تھا۔اشوکا اور سردار ہاشم نے مل کر اس

کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو لکڑیوں کی مدد سے سیدھا رکھ کر باندھ دیا گیا تھا۔یہ سب کچھ اسی تہہ خانے میں ہوا تھا جہاں اب تک چندا روپوشی کے دن گزار رہی تھی۔اشوکا کا خیال تھا کہ اب چندا کو روپوش رہنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی بوریے کا لباس اس کے لیے ضروری تھا۔لہٰذا اس وقت وہ بھی عام لباس میں ہلابہ کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی۔وہ سب اپنا آئندہ لائحہ عمل سوچ رہے تھے۔بستی کے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح سرسوتی کو بھی گرفتار کر کے لے جایا جا چکا تھا اور ابھی تک سرسوتی واپس آئی تھی اور نہ بستی کا کوئی دوسرا قیدی۔بستی کے چند بچے کچے بوڑھوں نے اشباح اور سردار ہاشم کو بتایا کہ رات دوسرے پہر اچانک بیسیوں سرخ پوشوں نے آبادی کو گھیر لیا اور اندھادھند گرفتاریاں شروع کر دیں۔کئی لوگوں کو برہنہ کر دیا گیا اور بُری طرح مارا پیٹا گیا۔پھر وہ سب قیدیوں کو جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے "دوارے"کی جانب لے گئے۔اشباح سوچ رہا تھا کہ گرفتاریوں کی کاروائی کو تین پہر گزر چکے ہیں وعدے کے باوجود رائے منوہر چند نے ابھی کسی فرد کو رہا نہیں کیا،یقیناً وہ اپنے طور پر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔اس نے پرماتما سے مشورہ کیا ہو گا۔ہو سکتا ہے پرماتما نے اجازت نہ دی ہو۔یا پھر پرماتما سے اس کا رابطہ ہی نہ ہو سکا ہو اور بھی کئی وجوہات ہو سکتی تھیں۔عین ممکن تھا کہ اس پتھر کی وہ قدر و قیمت ہی نہ ہو جو اشوکا اور سردار ہاشم سمجھ رہے تھے۔اس پتھر کی موجودگی میں بھی پرماتما بہر حال برتر قوت کا مالک تھا اور اس کے ہاتھ بہت دراز تھے۔

اسی کشمکش اور تذبذب میں کچھ دیر اور گزری۔۔۔۔۔۔۔اور پھر بستی کے مضافات گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اٹھے۔ایک شخص نے اطلاع دی کہ رائے منوہر چند بہت سے مسلح سپاہیوں کے ساتھ اس طرف آ رہا

ہے۔اشباح اور اس کے ساتھی ہر قسم کے حالات کے لیے تیار ہو گئے۔اشباح نے چند تیر اندازوں کو مکان کی چھت پر چڑھا دیا۔خود بھی ان سب نے ہتھیار سنبھال لیے۔چند لمحے مزید گزرے اور پھر رائے منوہر چند، جواہر لال گوپی اور کچھ بڑے سردار مکان کے دروازے پر نمودار ہوئے۔اشباح اور سردار ہاشم برآمدے میں کھڑے تھے اور ان کی نیت بھانپنے کی کوشش کر رہے تھے۔رائے منوہر چند آگے آیا اور اشباح کے سامنے اوندھا لیٹ گیا۔دوسرے سرداروں نے بھی اس کی تقلید کی۔اشوکا نے پوچھا۔

"رائے صاحب! مہاراج اشباح نے آپ کو ہدایت کی تھی کہ قیدیوں کو رہا کر دیا جائے لیکن چار پہر گزر جانے کے باوجود ابھی کوئی شخص رہا نہیں ہوا۔اس رویے کو کیا سمجھا جائے؟"

روئے منوہر چند نے ایک نگاہ غلط انداز اشوکا پر ڈالی اور اشباح سے مخاطب ہو کر بولا۔"مہاراج! گستاخی کے لیے شما چاہتا ہوں۔بندہ تاخیر کا سوچ بھی نہیں سکتا۔وجہ صرف اتنی سی ہے کہ لازوال پرماتما آپ سے خود ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔اس وقت میں یہی پیغام لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔"

اشباح نے پوچھا۔"یہ ملاقات کہاں ہو گی؟"

رائے منوہر نے کہا۔"دوارے میں۔مجھے بصد احترام آپ کو دوارے لانے کی ہدایت کی گئی ہے۔"

اشباح نے سوالیہ نظروں سے سردار ہاشم اور اشوکا کی طرف دیکھا۔پھر رائے منوہر چند سے مخاطب ہو کر کہا۔"میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔"

رائے منوہر نے تعظیم سے سر جھکا دیا۔اشباح، سردار ہاشم، اشوکا اور ہلابہ کو ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔انہوں نے کچھ دیر اس بارے میں غور و فکر کیا۔آخر فیصلہ ہوا کہ پرماتما کی پیشکش قبول کر لینی چاہیئے۔تاہم اشباح تنہا نہیں جائے گا۔سردار ہاشم اور اشوکا بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔اس کے علاوہ اشوکا نے نیلمان کے بارے میں اشباح کو کچھ ضروری ہدایات بھی دیں اور اس سے کہا کہ وہ اپنا ہاتھ ہر وقت نیلمان سے چھو کر رکھے اور اس کی طرف سے ایک لمحے کے لیے غافل نہ ہو۔

ضروری تیاری کے بعد اشباح، سردار ہاشم اور اشوکا سرخ پوشوں کے ساتھ دوارے کی طرف روانہ ہو گئے۔جونہی وہ دوارے کی بارونق آبادی میں داخل ہوئے انہیں سڑک کی دونوں اطراف لوگوں کے ہجوم نظر آئے۔وہ بڑی پُر اشتیاق نگاہوں سے اشباح کی طرف دیکھ رہے تھے۔بعض جگہوں پر ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ سرخ پوش سپاہی لوگوں کو لاٹھیوں سے پیٹتے ہوئے دیکھے گئے۔نہ جانے اتنی خلقت اشباح کو دیکھنے کے لیے کہاں سے امڈ آئی تھی۔ان میں عورتیں مرد بچے سب شامل تھے۔اشوکا نے اشباح کے کان میں بتایا کہ نیلمان کی برآمدگی کی خبر دور و نزدیک پھیل گئی ہے اور لوگ اس کی جھلک دیکھنے کے لیے بے قرار ہو رہے ہیں۔اس کے علاوہ اشباح کے تن تنہا آبوق جا میں اترنے کو بھی ایک بہت بڑا چمتکار سمجھا جا رہا تھا۔

مختلف راستوں سے ہو کر یہ قافلہ تاریک جنگل کے بیرونی حصار کے قریب واقع اس عظیم الشان عمارت کے سامنے پہنچا۔لوگ دور دور کے علاقوں سے گروہ در گروہ پوجا پاٹ کے لیے آئے تھے۔اشباح اپنے دونوں ساتھیوں یعنی سردار ہاشم اور اشوکا کے ساتھ اندر داخل ہوا۔آخر وہ اس خاص کمرے کے سامنے پہنچے جہاں پرماتما کی مورتی نصب تھی اور خاص خاص لوگ اس سے ہمکلامی کا "شرف" حاصل کرتے تھے۔اس کمرے

میں اشباح کو تنہا جانا تھا لہٰذا اشوکا اور سردار ہاشم باہر ہی رک گئے۔ اشباح نے اندر داخل ہو کر صاف و شفاف در و دیوار کو دیکھا۔ قیمتی فانوس، طلائی دروازے اور لاتعداد محرابیں اور منقش ستون۔ اس جگہ کو نادر روزگار بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی تھی۔ کمرے کے بیچوں بیچ ایک بلند کرسی پر پرماتما کی نقاب پوش مورتی کسی دیو ہیکل انسان کی طرح بڑی رعونت سے بیٹھی تھی اور یوں لگتا تھا ابھی بول اٹھے گی۔۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر وہ سچ مچ بول اٹھی۔ اس کی آواز چاروں طرف گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"اے ملک عرب کے بہادر نوجوان مبارک ہو۔ ہم خود کو تیری تعریف پر مجبور پاتے ہیں۔ تُو نے ہمت کی اور اپنی کوشش سے ایک ایسا انعام حاصل کر لیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔"

اشباح نے محسوس کیا کہ پرماتما کے لہجے میں مٹھاس اور نرمی ہے حالانکہ اس کی گردن پر پرماتما کے کئی کارندوں کا خون تھا اور ایک روز پہلے تک پرماتما کے ہرکارے شکاری کتوں کی طرح اس کی تلاش میں تھے۔ اس نے محتاط لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے میں پرماتما سے بات کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ تاہم میں اس تعریف کے لائق نہیں۔ میری کامیابی میرے اللہ کی مہربانی کا نتیجہ ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ پتا بھی اس کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔"

دوسری طرف چند لمحوں کے لیے ایک گھمبیر خاموشی طاری رہی۔ جیسے پرماتما اشباح کے بے باک اندازِ گفتگو کو نظرانداز کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس کی ٹھہری ہوئی آواز آئی۔ "اشباح، ہمارا علم کہتا ہے کہ تمہارے

نیلمان تک پہنچنے میں کچھ ہاتھ ساحرِ اعظم اقتیلا جام کا بھی ہے۔ ساحرِ اعظم اپنے آخری دنوں میں ہمارا دشمن ہو گیا تھا اور اپنی دشمنی میں اس حد تک چلا گیا تھا کہ ہماری طاقتوں سے بھی ٹکرا گیا۔ وہ یہ بھول گیا کہ ہزاروں کہکشائیں بھی مل جائیں تو ایک سورج کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اپنی بڑائی کے زعم نے اسے اس کے قیمتی جیون سے محروم کر دیا۔ بہرحال کچھ بھی ہے اقتیلا جام کے معاملات اب اس کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ وہ اب تاریک جنگل کی کتاب سے پھاڑا جا چکا ہے۔ تم ایک بہادر اور باصلاحیت نوجوان ہو اور ہم امید کرتے ہیں کہ تم اپنی کامیابیوں کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرو گے۔"

اشباح نے کہا۔ "میں اقتیلا جام سے ایک مختلف شخص ہوں اور آپ کو میرے کسی عمل میں اس کا رنگ نظر نہیں آئے گا۔"

پرماتما نے کہا۔ "ہم تمہارے اندازِ گفتگو سے خوش ہوئے۔ کچھ مانگنا چاہتے ہو تو مانگو۔"

اشباح نے کہا۔ "میں اپنے اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔ کوئی کسی کو کچھ دے بھی نہیں سکتا۔ ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔ میں آپ اور ہم سب ایک دوسرے کے لیے اللہ کی عطا کا وسیلہ ضرور بن سکتے ہیں۔"

ایک بار پھر پرماتما کی جانب گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ "اللہ" کا لفظ جیسے سیدھا اس کے سینے پر جا کر لگتا تھا۔ چند لمحے بعد اس نے زخمی زخمی لہجے میں کہا۔ "وسیلہ سمجھ کر ہی مانگو۔ بولو کیا چاہتے ہو۔"

اشباح نے کہا۔ "اے پرماتما! میرے ساتھی کئی ماہ سے آپ کی قید میں ہیں۔ ان میں سے کچھ تو شہید کیے جا چکے ہیں اور کچھ زندہ ہیں۔ میں ان کی رہائی چاہتا ہوں اس کے علاوہ وہ سارا سامان بھی ہمیں درکار ہے جو صحرا میں ہم سے لوٹ لیا گیا تھا۔

پرماتما نے فیاضانہ لہجے میں کہا۔ "تم نے یہ سب کچھ حاصل کیا۔۔۔۔۔۔۔۔اور کچھ۔"

اشباح نے کہا۔ "کل بستی سے جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے انہیں رہا کر دیا جائے ان کا جرم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ انہوں نے ہمیں پناہ دی۔"

پرماتما نے کہا۔ "ان کی رہائی کا حکم ہم صادر کر چکے ہیں۔ کچھ دیر میں وہ لوگ اپنے گھروں میں پہنچ جائیں گے۔"

اشباح بولا۔ "میں اپنی ساتھی ہلابہ بنت شرجیل کے لیے مکمل تحفظ کی یقین دہانی چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اسے تمام الزامات سے بری کر دیا جائے۔"

چند لمحے بعد پرماتما کی آواز ابھری۔ لہجے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے غضب پر جبر کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ "ٹھیک ہے اشباح! ہم تمہاری عظیم کامیابی کے طفیل اس سنگین مجرمہ کو بھی شما کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔"

"میرا ایک مطالبہ اور ہے۔" اشباح نے جمے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ نے خود ہی کہا ہے کہ اقتیلا جام کی کہانی اس کے ساتھ ہی ختم ہو چکی ہے لہٰذا مناسب ہے کہ اس کے پیروکاروں کو معاف کر دیا جائے۔ اگر انہوں نے کوئی غلطی کی بھی تھی تو اس کی سزا وہ بھگت چکے ہیں۔ تاریک جنگل میں اس پہاڑی پر ان پر جو کچھ بیتی تھی سب

کو معلوم ہے ان میں سے سینکڑوں نے دیوانگی کے عالم میں بلندی سے چھلانگ لگا کر ختم کر لیا تھا۔ اب جو تھوڑے بہت باقی رہ گئے ہیں وہ آپ کی مہربانی کے مستحق ہیں۔"

پرماتما نے گھمبیر آواز میں کہا۔ "تمہارا یہ مطالبہ ہمارے لیے فوری طور پر قابل قبول نہیں، کیونکہ اس ریاست میں بغاوت کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ بہر حال اس معاملے پر ہمدردی سے غور کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔"

"شکریہ۔" اشباح نے کہا۔ "اب میں جانے کی اجازت چاہوں گا۔"

پرماتما کی آواز ابھری۔ "تم اب اس بستی میں واپس نہیں جاؤ گے۔ تم ایک عظیم رتبہ حاصل کر چکے ہو اور وہ جگہ تمہارے شایانِ شان نہیں۔ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے رائے منوہر چند کا محل خالی کروایا جا چکا ہے۔ وہاں تم لوگوں کی ضروریات کا تمام سامان بھی مہیا کر دیا گیا ہے۔ خدام اور کنیزیں حاضر ہیں۔ تاریک جنگل کے خاص خدمتگار بھی وہاں مامور کر دیئے گئے ہیں ہمیں امید ہے تم وہاں ہر طرح کا آرام پاؤ گے۔"

اشباح نے تیزی کے ساتھ سوچا۔ اس الگ تھلگ بستی میں رہنے کی بجائے "دوارے" میں رہنا اس کے لیے اور اس کے مقاصد کے لیے کہیں زیادہ موزوں تھا۔

اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے پرماتما! اگر آپ میرا یہاں رہنا مناسب سمجھتے ہی تو میں بستی چھوڑ دیتا ہوں۔"

پرماتما نے کہا۔"یہ مناسب ہی نہیں ضروری بھی ہے۔ہم تمہیں تمہارے منصب کے مطابق ایک اہم عہدہ دینے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔یہ عہدہ تمہیں اس ریاست کا اہم ترین شخص بنادے گا۔"

اشباح نے کہا۔"میں خود کو کسی لائق نہیں سمجھتا۔یہ سب میرے اللہ کی مہربانی ہے جو آپ کے دل میں میرے لیے مہرومحبت کی گنجائش پیدا کررہا ہے۔"

"۔۔۔۔۔۔۔ٹھیک ہے اشباح،اب تم جاسکتے ہو۔چندروز بعد ہم تمہیں تاریک جنگل میں بلوائیں گے تاکہ مقدس نیلمان کی زیارت کرسکیں۔"

چند رسمی کلمات کے بعد اشباح طلائی مورتی والے کمرے سے نکل آیا۔ملحقہ کمرے میں سردار ہاشم اور اشوکا بے قراری سے اس کا انتظار کررہے تھے۔اشباح کو دیکھ کر ان کے چہروں پر اطمینان پھیل گیا۔وہ تینوں طلائی مورتی والی عمارت سے باہر نکلے تو ایک نہایت سجی سنوری بگھی ان کا انتظار کررہی تھی۔رائے منوہر چند بگھی کی پچھلی نشست پر موجود تھا۔اس کے محافظ دستے کے چاق وچوبند سوار دورویہ قطاریں بنائیں کھڑے تھے۔اشباح اور اس کے ساتھی بگھی میں بیٹھ گئے۔اس کا جلوس بڑی شان سے محل کی طرف روانہ ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح،رائے منوہر کے شاندار محل میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہلابہ،چندا اور سرسوتی وہاں پہلے سے موجود ہیں۔وہ بڑی شان سے زرنگار کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔کنیزوں کی ایک ٹولی ان کی خدمت گزاری کے لیے دست بستہ کھڑی تھی۔وہ تینوں نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے تھیں۔خاص طور پر چندا اس نئے لباس میں

خوب جچ رہی تھی۔شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سے پیشتر اشباح نے اسے بوریے کے لباس ہی میں دیکھا تھا۔نہانے دھونے سے اس کا حُسن کچھ اور نکھر آیا تھا۔اس پر مخملی لباس اور زرتار اوڑھنی نے قیامت ہی ڈھا دی تھی۔اس کے حُسن میں کچھ ایسی معصومیت اور پاکیزگی تھی کہ دیکھنے والی آنکھ میں اجالا سا ہوجاتا تھا۔اس کے پہلو میں ہلابہ بھی کچھ کم حسین نظر نہیں آرہی تھی۔اس کا صحرائی حُسن اپنے پورے بانکپن سے ابھر آیا تھا۔چندا اور ہلابہ کی جوڑی دو درخشاں ستاروں کی جوڑی نظر آتی تھی۔

ہلابہ نے اشباح کو بتایا کہ انہیں کچھ ہی دیر پہلے یہاں پہنچایا گیا ہے۔خالہ جان(سرسوتی) یہاں پہلے سے موجود تھیں۔ان تینوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی اور یہاں انہیں بہت احترام دیا جارہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ایک باوردی خادم اندر داخل ہوا۔اس نے تعظیم پیش کرنے کے بعد اشباح سے کہا۔

"محترم سالار!چھاؤنی کے قید خانے سے آپ کے ساتھی یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

یہ خبر اشباح کے لیے جاں فزا تھی۔اس کے پورے جسم میں مسرت اور انبساط کی لہر دوڑ گئی۔وہ بولا،کہاں ہیں وہ۔انہیں اندر لاؤ۔"

خادم الٹے قدموں چلنے کے بعد گھوما اور تیزی سے باہر نکل گیا۔اشباح نے عورتوں سے کہا۔"آپ ذرا زنان خانے میں تشریف لے جائیں۔"وہ تینوں اٹھ کر زنان خانے کی طرف بڑھیں۔ایسے میں اشباح کی نگاہ چندا کی طرف اٹھ گئی۔اس کا حسین چہرہ گلنار ہورہا تھا اور وہ اپنی اوڑھنی میں سمٹ سی گئی تھی۔اشباح کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔اسے یاد آیا کہ قید خانے سے پہنچنے والے قیدیوں میں جاگیردار مانک بھی شامل

ہے۔ چندا کے گلنار ہونے کی وجہ مانک ہی تھا۔ عورتیں زنان خانے کی طرف چلی گئیں تو اشباح بیرونی دروازے کی طرف بڑھا سب سے پہلے اس کی نگاہ اپنے جگری دوست اویس پر پڑی۔ وہ بھاگتا ہوا اور لپکتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا۔ اس کا لمبا چغہ ڈیوڑھی کے فرش پر گھسٹ رہا تھا اور اس کی بغل میں اس کی جان سے پیاری بیاض بھی موجود تھی۔ اسے دیکھ کر اشباح نے اپنے بازو پھیلا دیے۔ اویس نے بھی بازو پھیلانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی۔ وہ لپک کر اشباح سے بغلگیر ہو گیا۔ وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا اور اشباح کے رخساروں کو مسلسل بوسے دے رہا تھا۔ اشباح اس کی پیٹھ تھپک رہا تھا۔ بغلگیر ہوتے وقت اویس کی کئی سیر وزنی بیاض اس کی بغل سے نکل گئی تھی۔ اب اس کے ورق پورے کمرے میں پھیل رہے تھے۔ غزلیں، نظمیں، قطعے اور مرثیے۔ نہ جانے کیا کچھ تھا۔ اس کی بغل کیا کھلی تھی، علم و فضل کا دفتر کھل گیا تھا۔ غالباً اس دفتر میں وہ علم و فضل بھی شامل تھا جو اویس قید خانے میں بند کرتا رہا تھا۔ لہٰذا ہر طرف کاغذ ہی کاغذ نظر آرہے تھے۔ کوئی دو درجن خادم جھک جھک کر یہ اوراق سمیٹ رہے تھے اور قالین کو آنے والے مہمانوں کے لیے خالی کر رہے تھے۔ اشباح اور اویس کا طویل معانقہ ختم ہوا تو مانک اشباح کے سینے سے آن لگا۔ وہ پہلے سے کافی کمزور ہو گیا تھا۔ تاہم اس کی خداداد وجاہت برقرار تھی اور حوصلہ بھی بلند نظر آرہا تھا۔ مانک سے معانقے بعد اشباح کو اپنے سامنے بچھڑے ساتھیوں کی جماعت نظر آئی۔ لاغر جسم، مدقوق چہرے، خشک ہونٹ اور جسموں پر زخموں کے نشان۔ رائے منوہر چند کے فراہم کئے ہوئے نئے نویلے لباس بھی ان کی خستہ حالی اور درماندگی کا پردہ نہیں بن سکے تھے۔ اس کی خاموش زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔ پچھلے چند ماہ میں انہیں جسمانی اور ذہنی اذیت کے ان گنت خار زاروں سے گزارا گیا ہے۔ انہیں پل پل مارا اور پل پل زندہ کیا ہے۔ انہیں دنیا

میں جنم سے آشنا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کے جسم کارواں رواں گزرے دنوں کے جبر کا شاہد تھا۔ مگر ان کی آنکھوں کی یہ چمک بتا رہی تھی کہ وہ جھکے نہیں، وہ پریشان نہیں ہوئے، وہ اپنے راستے سے ہٹے نہیں۔ وہ کافرزادوں کے چنگل سے اپنا ایمان سلامت لے کر نکلے ہیں۔ انہوں نے لہو کے سمندر میں ڈوب کر سرخروئی پائی ہے۔۔۔۔۔۔۔ اویس اور مانک سے ملتے ہوئے اشباح کی آنکھیں نہیں بھیگی تھیں لیکن جب اس نے اپنے مظلوم ساتھیوں میں سے پہلے شخص کو سینے سے لگایا تو اس کے صبر کا بند ٹوٹ گیا۔ اشک اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔ پھر وہ روتا رہا اور بغلگیر ہوتا رہا۔ اس نے ایک ایک ساتھی کو سینے سے لگایا، اس کے رخسار چھومے اور اسے تشفی دی۔ یہ جذباتی منظر تادیر دیکھنے میں آئے۔ آخر خدام نے انہیں اطلاع دی کہ بعام گاہ میں دوپہر کا کھانا چن دیا گیا ہے۔ وہ سب بعام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ اگلے روز صبح کا ذکر ہے۔ ہلابہ محل کے آراستہ زنان خانے سے نکلی اور روش بروش چلتی ہوئی بائیں باغ میں آگئی۔ باغ خوبصورتی میں اپنی مثال تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ پھر تاریک جنگل کے کسی سرسبز گوشے میں پہنچ گئی ہے۔ دن کا اجالا ابھی پوری طرح نہیں پھیلا تھا، ہلابہ گھاس پر ٹہلتی ہوئی سوچوں میں گم ہو گئی۔ حالات اتنی تیزی سے بدل رہے تھے کہ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ اگلی گھڑی کیا ہو جائے۔ اشباح کو آناً فاناً اس جادونگری میں ایک اہم مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔ کل کے دشمن آج دوست نظر آرہے تھے مگر دلوں کے حال اللہ ہی بہتر جانتا تھا۔ سوچتے سوچتے ہلابہ ایک فوارے کے سنگی چبوترے پر جا بیٹھی۔ بیٹھتے ہوئے اس کی کہنی فوارے کے پتھر سے رگڑ کھا گئی اور اس کے زخم پر سے کھرنڈ اتر گیا۔ یہ وہی ننھا سا زخم تھا جو اشباح کو

غار میں سنبھالتے ہوئے ہلابہ کو لگا تھا۔ یہ زخم ہلابہ کو بڑا اچھا لگتا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کا دل چاہتا تھا کہ یہ زخم کبھی اچھا نہ ہو۔۔۔۔۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ دوسرے تیسرے دن یہ زخم کسی نہ کسی وجہ سے پھر تازہ ہو جاتا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ ہلابہ کے دل کی مراد آپوں آپ پوری ہو رہی تھی۔ وہ زخم کی ہلکی ہلکی ٹیس محسوس کر کے دل ہی دل میں کسی کو یاد کرنے لگی۔ یکایک اس کی نگاہ کسی انسانی ہیولے پر پڑی۔ صبح کے ملگجے اندھیرے میں یہ ہیولا مردان خانے کی طرف باغ میں ٹہل رہا تھا۔ بڑی اداسی اور محویت تھی اس کے انداز میں۔ وہ کھویا کھویا سا ہلابہ کے نزدیک سے گزرا تو وہ اسے پہچان گئی۔ وہ مانک تھا۔ پہلے سے خاصا کمزور ہو گیا تھا، مگر وہ اسے پہچان سکتی تھی۔ اتنے میں مانک نے بھی ہلابہ کو دیکھ لیا۔ وہ کچھ دیر ٹھٹک کر سوچتا رہا۔ پھر تیز قدموں سے اس کی طرف آیا۔ زنانے اور مردانے کے درمیان پھولوں کی باڑ تھی وہ باڑ کے اس طرف آ ٹھہرا۔

"آ۔۔۔۔۔۔ آپ ہلابہ ہیں ناں۔" وہ اس کی طرف انگلی اٹھا کر بولا

ہلابہ نے اوڑھنی درست کی اور مسکرا کر "اسلام علیکم" کہا۔ مانک نے گرمجوشی سے جواب دیا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑے باتیں کرتے رہے۔ پھر ہلابہ کے کہنے پر مانک زنان خانے کی طرف آ گیا۔ ہلابہ نے کہا۔

"آپ کچھ پریشان ہیں۔ شاید رات بھر سوئے بھی نہیں۔"

مانک نے کہا۔ "مجھے اشباح بھائی سے ایک ضرور بات پوچھنا تھی لیکن وہ رات سے کہیں گئے ہوئے ہیں ۔۔۔۔۔ شاید۔۔۔۔۔۔ شاید آپ اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکیں۔"

"کہئے۔ میں حاضر ہوں۔"

"دراصل حویلی میں میرا کچھ ذاتی سامان تھا۔ جب ہم وہاں سے نکلے تو حویلی میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اب معلوم نہیں کیا بچا اور کیا جل گیا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ بچا کھچا سامان اب کس کی تحویل میں ہے۔"

مانک کی بات سن کر ہلابہ کی خوبصورت آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھری۔ اس نے کہا۔ "آپ کو اپنے سامان کی بہت فکر ہے۔"

"ہاں۔۔۔۔۔۔ دراصل۔۔۔۔۔۔"

"ویسے میں سمجھ گئی ہوں، آپ کو کیا چاہیئے۔ آپکو اس مورتی کی تلاش ہے جو حویلی کے تہہ خانے مین مسہری پر پڑی رہتی ہے اور جسے آپ روزانہ کئی بار دیکھتے تھے۔"

ہلابہ نے جیسے مانک کے دل کا چور پکڑ لیا تھا۔ اس کے چہرے پر رنگ سا آ کر گزر گیا۔ پھر اس نے خود پر قابو پایا اور ایک گہری سانس بھری۔ اس سانس میں تھوڑی سی خجالت تھی اور تھوڑی سی افسردگی بھی۔ اس نے اعتراف کرنے والے لہجے میں کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ہلابہ، مجھے اسی مورتی کی تلاش ہے۔ میں۔۔۔۔۔ میں۔"

ہلابہ نے کہا۔ "مانک بھائی آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ وہ مورتی بچالی گئی ہے اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس وقت اسی محل میں موجود ہے۔ کہئے۔۔۔۔۔ دیکھیئے گا۔"

اچانک مانک کی آنکھوں میں آس امید کے بے شمار دیئے جل اٹھے۔وہ لرزاں آواز میں بولا۔"آپ سچ کہہ رہی ہیں۔"

ہلابہ نے کہا۔"آپ خود تصدیق کر لیجئے آیئے میرے ساتھ۔"

دونوں آگے پیچھے چلتے زنان خانے کے رہائشی حصے کی طرف بڑھے۔ایک غلام گردش سے گزر کر ہلابہ نے مانک کو رکنے کا اشارہ کیا۔خود وہ اندر چلی گئی۔اس کی واپسی کچھ دیر بعد ہوئی۔اس کے چہرے پر مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔اس نے کہا۔"آیئے مانک بھائی اپنی مورتی دیکھ لیجئے۔"اسے ساتھ لے کر وہ ایک دروازے کے سامنے پہنچی۔۔۔۔۔یہ آہستگی دروازہ کھول کر اس نے مانک کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔سامنے مسہری پر چندا گہری نیند سو رہی تھی۔ریشمی توشک اس کے سینے تک کھینچا ہوا تھا اور سانس کے زیر و بم سے حرکت کر رہا تھا۔مانک نے اس مورتی کو دیکھا اور دیکھتا چلا گیا۔اس کے چہرے پر دنیا جہاں کی حیرتیں سمٹ آئی تھیں۔اس کا تڑپتا پھڑکتا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ مورتی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔یہ مورتی نہیں ہے۔

مانک حیرت سے گنگ دیکھتا چلا جا رہا تھا۔خوابگاہ کے ملگجے اندھیرے میں اس کے سامنے وہ چہرہ تھا جو کئی برسوں سے اس کے دل کا داغ تھا۔جسے روز و شب کی کسی گھڑی میں وہ بھول نہیں پایا تھا۔اس نے سوچا کہ شاید اس کی نگاہ ٹھیک طرح کام نہیں کر رہی ہے۔چندا کی مورتی میں جان کیسے پیدا ہو سکتی تھی؟ناممکن تھا۔۔۔۔۔۔اور چندا خود تو پرماتما کے محل میں پہنچ چکی تھی۔اس کی سینکڑوں دلہنوں میں سے ایک دلہن بن کر اس کے حرم میں داخل ہو چکی تھی۔اب اسے کبھی واپس نہیں آنا تھا کبھی اپنا چہرہ نہیں دکھانا تھا۔

وہ یقین اور بے یقینی کے گرداب میں غوطے کھا رہا تھا۔پھر جیسے خواب میں چلتا ہوا دھیرے دھیرے چندا کی طرف بڑھا۔کسی معمول کی طرح وہ گھٹنوں کے بل اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور اپنا لرزاں ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے سے زلفیں ہٹانے لگا۔اس کا پورا وجود طوفان کی زد میں تھا۔۔۔۔۔۔۔اور پھر چندا نے اچانک آنکھیں کھول دیں۔چند لمحے وہ حیرت سے مانک کو دیکھتی رہی۔پھر اس کے چہرے پر شرم کی سرخی پھیلی۔پلکیں جھک گئیں اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔چند لمحوں کے اندر اندر اس کا حسین و جمیل چہرہ کئی خوبصورت رنگ بدل گیا۔تب اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔مانک پر شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی۔اس کے ہونٹوں سے ایک خوبناک سرگوشی نکلی۔

"چندا!یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔میری آنکھوں کا یہ کیسا مقدر کھلا ہے۔کچھ بولو۔۔۔۔۔۔۔۔کچھ کہو۔میں خوشی سے کہیں مر نہ جاؤں۔کہیں ہوش نہ کھو بیٹھوں،شوق سے کہیں میرا سینہ نہ پھٹ جائے۔"

اس نے بے تاب ہو کر چندا کا گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔"چھوڑیے"چندا نے کسمسا کر کہا۔

اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور ایک نگاہ جس میں آنسو مسکرا رہے تھے اور شوخیاں اشک بار تھیں،مانک پر ڈال کر دوسرے کمرے کی طرف لپک گئی۔مانک پھر کی طرح ساکت کھڑا تھا وہ پلک جھپکے بغیر اس دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے اس کی زندگی اور زندگی کی تمام رعنائی چندا کے پیکر میں ڈھلی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔اسے سچ مچ محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا سینہ پھٹنے والا ہے۔حیرت آمیز مسرت نے اس طرح اس کے دل و

دماغ پر یلغار کی تھی کہ وہ اپنے قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ یکا یک اسے چونکنا پڑا۔ محل کے مردان خانے کی طرف سے ایک ہولناک صدا سنائی دی تھی۔ یہ ایک طویل اور کریہہ چینخ تھی۔ مانک پہچان گیا یہ اسی وحشیانہ انسان کی چیخ تھی جسے اشباح نے آبوق جا سے نکالا تھا جسے کل رات بستی کے تہہ خانے سے محل میں پہنچایا گیا تھا۔ ایسا اشباح کی ہدایت پر کیا گیا تھا۔ اشباح کی ہدایت پر اس وحشی انسان کو ایک مظبوط مسہری پر ڈال کر آہنی زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا اور مسہری محل کے بالا خانے میں رکھوا دی گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔ مگر اس وقت مانک کو جو آواز آئی تھی وہ بالا خانے کے بجائے زیریں منزل سے آئی تھی۔ اس آواز سے دو باتیں سامنے آتی تھیں۔ پہلی یہ کہ وہ پراسرار انسان اپنی طویل بے ہوشی سے بیدار ہو چکا ہے اور دوسری یہ کہ وہ اس وقت زیریں منزل پر ہے۔ پھر مانک کو دوسری چنگھاڑ سنائی دی اور اسے احساس ہوا کہ کوئی تشویشناک واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ وہ سب کچھ بھول بھال کر چندا کی خوابگاہ سے نکلا۔ برآمدے میں اسے ہلابہ دکھائی دی۔ وہ قریباً بھاگتی ہوئی مردان خانے کی طرف جا رہی تھی۔ اس کا انداز دیکھ کر مانک نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور خود بھی دوڑتا ہو صحن میں آیا۔

مردان خانے میں پہنچ کر اس کی نگاہ سب سے پہلے ایک نوجوان کنیز پر پڑی۔ یہ کنیز خون میں لت پت سنگ مرمر کے فرش پر پڑی تھی۔ اس کنیز کے ذرا آگے دو خادم شدید زخمی حالت میں تڑپ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کی آنتیں پیٹ سے باہر آچکی تھی اور وہ قریب المرگ تھا۔ غالباً اس نے بھی اس خونی جدوجہد میں حصہ لیا تھا۔ محل کے پہلو سے "بھاگو دوڑو" کی آوازیں آرہی تھیں۔ مانک کو اندازہ ہوا کہ افراتفری کا اصل مرکز وہی جگہ ہے۔ وہ بھاگتا ہوا وہاں پہنچا۔ ایک خوفناک منظر نے اس کے پاؤں جکڑ لیے۔ آبوق جا یعنی ہانپتے

ہوئے کنویں سے برآمد ہونے والا دیو ہیکل انسان اپنی زنجیریں توڑ کر آزاد ہو چکا تھا اور اب کسی خونخوار درندے کی طرح محل کے مکینوں پر جھپٹ رہا تھا۔ اس کی ٹوٹی ہوئی زنجیریں اس کی کلائیوں اور پنڈلیوں سے جھول کر ایک دہشتناک جھنکار پیدا کر رہی تھیں۔ وہ غیض وغضب سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ مانک کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک نو عمر محافظ کو دبوچ لیا اور اپنے تیز دانتوں سے اس کا نرخرہ ادھیڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ محافظ کو بچانے کے لیے ہلابہ دلیری سے آگے بڑھی اور تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ تاہم وحشی انسان بے پناہ پھرتی سے ایک جانب ہٹا اور اس نے وار بچا کر محافظ کو پوری طاقت سے ہلابہ پر دے مارا۔ یہ ایک زوردار ٹکر تھی۔ کوشش کے باوجود ہلابہ خود کو اور محافظ کو نہ بچا سکی۔ اسکے ہاتھ کی تلوار ایک جھٹکے سے محافظ کی ناف میں گھس گیا اور دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا کر دور تک ملائم فرش پر لڑھک گئے۔ وحشی انسان نے ایک لرزہ خیز چنگھاڑ بلند کی اور فرش پر گری ہوئی ایک وزنی کٹار اٹھا لی۔ مانک تلوار سونت کر اس کے مقابلے میں آیا۔ لوہے سے لوہا ٹکرایا اور دونوں میں زوردار لڑائی ہونے لگی۔ مانک کے مدمقابل اندھی طاقت کا مالک تھا اور کٹار بھی اندھوں کی طرح چلا رہا تھا۔ چند ہی لمحوں میں مانک کو اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک خوفناک دشمن کے مقابلے میں آگیا ہے اور یہاں سے اپنی زندگی بچا لے جانا آسان نہیں۔ پسپائی بھی اس کے شایان شان نہیں تھی۔

اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے۔ اچانک اس کی نگاہ اشباح پر پڑی۔ وہ شاید ابھی ابھی محل واپس پہنچا تھا اور اب ستونوں کی آڑ لیتا ہوا تیزی سے اس مقام کی طرف آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور انداز سے دلیری کا احساس ہوتا تھا۔ اسے دیکھ کر مانک کے اندر تازہ حوصلہ جاگا۔ وہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہوا ہوشیاری

سے مدمقابل کے وار سے بچنے لگا۔ایک جھلک دکھا کر اشباح پھر اوجھل ہو چکا تھا۔شاید زینوں کی طرف چلا گیا تھا۔مانک پر ہر ساعت بھاری گزر رہی تھی۔یکایک اسے کسی لاش یا زخمی سے ٹھوکر لگی اور وہ پشت کے بل خون آلود فرش پر گرا یہ بے بسی کا لمحہ تھا۔درندہ نما انسان قاتلانہ تیوروں سے اس کی طرف بڑھا۔مانک کے کانوں میں کہیں نزدیک سے ہلابہ اور چندا کی چیخیں گونجیں۔اس وقت مانک نے دھندلائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا ایک بانچ ہاتھ اونچی بالکونی سے اشباح نے چھلانگ لگائی اور اڑتا ہوا وحشی کی گردن پر آیا۔یہ ایک کارگر حملہ تھا۔وحشی لڑھک کر اوندھے منہ فرش پر گرا اور اس کی چیخ سے در و دیوار لرزا گئے۔اشباح نے عقب سے اس کی گردن دبوچ رکھی تھی اور اس کی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں الجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔مانک تڑپ کر اٹھا اور اس کی مدد کو پہنچ گیا۔دیکھا دیکھی کونے کھدروں میں چھپے ہوئے ملازم اور خدام بھی موقع کی طرف لپکے۔پلک جھپکتے میں وحشی کو ہر طرف سے دبوچ کر بے بس کر دیا گیا۔

اس واقعے کے کچھ دیر بعد اشباح بالاخانے میں عجیب الخلقت انسان کے روبرو بیٹھا تھا۔اسے اب مزید موٹی زنجیروں سے جکڑا گیا تھا اور یہ زنجیریں مسہری کے علاوہ دیواروں سے بھی منسلک تھیں۔یہ ایک محفوظ کمرہ تھا اور خاص طور پر ایسے ہی مقاصد کے لیے بنایا گیا تھا۔"وحشی" اس وقت پوری طرح ہوش میں تھا اور یک ٹک اشباح کو دیکھ رہا تھا۔اشباح نے اس کی ٹوٹی ہڈیوں کو دوبارہ اپنے ہاتھ سے باندھا تھا اور اس کے تازہ زخموں پر بھی بڑی احتیاط سے مرہم پٹی کی تھی۔فرش پر اوندھے منہ گرنے سے "وحشی" کے ماتھے پہ سخت چوٹ آئی تھی اور سفید پٹی کے اندر سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔۔۔۔۔۔اشباح اس شخص سے بات چیت کرنا چاہتا تھا۔اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے اور آبوق جا کا صدیوں پرانا اسرار کیا ہے۔پہلے تو اشباح کا خیال تھا کہ

یہ "وحشی" سرے سے بول ہی نہیں سکتا لیکن کچھ دیر پہلے جب محل کے محافظ اسے زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کر رہے تھے اس کے منہ سے چند بے تکے الفاظ نکلے تھے یہ الفاظ ہندی کے تھے اور ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بول سکتا ہے۔مکمل طور پر نہیں تو کسی حد تک اپنا مطلب بیان کر سکتا ہے۔۔۔۔۔۔اور اب اشباح اس کمرے کی تنہائی میں اسے گفتگو پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اشباح کی یہ کوشش بہت طویل اور جاں گسل ثابت ہوئی وہ قریباً تین پہر مسلسل اس شخص کے پاس بیٹھا رہا۔اس دوران وہ صرف دو نمازوں کے لیے اپنی جگہ سے ہلا۔وہ کسی طرح بھی اور کسی بھی حیلے سے اس عجیب و غریب شخص کی زبان کھلوانا چاہتا تھا۔اس کی زبان کے ساتھ ہی بہت سے سربستہ راز بھی کھل سکتے تھے اور ان گنت توہمات کا قلع قمع ہو سکتا تھا۔یہ ایک اسرار تھا کہ اس اندھے کنویں میں یہ "وحشی" کیسے پہنچا اور کیسے زندہ رہا۔اس اسرار کو بنیاد بنا کر یہاں کے لوگ ان گنت کہانیاں گھڑ سکتے تھے اور بہت سے لایعنی عقیدے پروان چڑھ سکتے تھے۔اشباح نہیں چاہتا تھا کہ ان بھٹکے ہوئے لوگوں کو مزید بھٹکنے کا موقع ملے۔

یہی وجہ تھی کہ وہ آبوق جا کے پراسرار انسان کو آمادہ گفتگو کرنے کے لیے سخت جدوجہد کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔تین پہر بعد اس کی کوششیں تھوڑی رنگ لانے لگیں اور وہ "ہوں ہاں میں اشباح کی باتوں کا جواب دینے لگا۔کبھی کبھی وہ کوئی بے ڈھنگا لفظ یا فقرہ بھی کہہ دیتا تھا۔اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ باہر کی دنیا کے بارے میں اسے بہت کم معلومات حاصل ہیں اور اس کی ذہنی نشوونما عمر کے کسی ابتدائی حصے میں رک چکی ہے۔اشباح کی مسلسل تگ و دو کے بعد گرانڈیل شخص کی زبان سے پہلے مکمل فقرہ ادا ہوا وہ یہ تھا۔

"میرا بابا۔۔۔۔۔۔۔۔ میرا۔۔۔۔۔۔۔ بابا۔۔۔۔۔۔۔ کدھر ہے؟"

اس دوران ہلابہ، مانک اور سردار ہاشم بھی اشباح کی مدد کو آ گئے۔ ان چاروں نے رات گئے تک اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ آخر وہ پراسرار انسان سے ٹوٹی پھوٹی گفتگو کا آغاز کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بے حد عرق ریزی اور سر کھپائی کے بعد انہیں اس شخص سے جو معلومات حاصل ہوئیں۔ ان کا خلاصہ کچھ یوں تھا۔

"اس شخص کا نام سازنگا یا سازگا تھا۔ وہ ایک چرواہے کا بیٹا تھا۔ بہت عرصہ پہلے شاید تیس پینتیس سال قبل جب سازگا چھ سات برس کا ہوگا، ایک روز وہ مفیلاں کے جنگل میں اپنی بھیڑیں چرا رہا تھا۔ صحرائی تھر کی طرف سے ایک خوفناک ریتیلی آندھی اٹھی۔ سازگا کی بھیڑیں بکھر گئیں۔ وہ دو گمشدہ بھیڑوں کو ڈھونڈتا ہوا آبوق جاکی طرف آنکلا۔ طوفان کی شدت اور تاریکی میں اسے پتہ ہی نہ چلا کہ وہ اس ہولناک اندھے کنویں کی حدود میں آ گیا ہے جہاں صدیوں سے موت کا پہرہ ہے۔ بھیڑوں کی تلاش میں بھاگتے بھاگتے اچانک اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ کتنی ہی دیر ہوا میں معلق رہنے کے بعد وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔ اسے کچھ معلوم نہیں وہ کہاں گرا تھا۔ کتنی بلندی سے گرا تھا۔ اسے کتنے زخم آئے تھے۔ وہ کب تک بے ہوش رہا تھا اور اس نے موت کو کیسے شکست دی تھی۔ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ جھاڑ جھنکاڑ اور برساتی پانی سے بھری ہوئی ایک تاریک سطح پر پایا گیا تھا اس کے شب و روز جیسے خواب کی حالت میں گزرے تھے۔ اس کے چہرے کی ایک جانب شدید زخمی تھی ان زخموں سے کیڑے چپکے رہتے تھے اور خون رستا رہتا تھا۔ وہ درد اور تنہائی سے بے قرار ہو کر چلانے لگتا۔ ماں باپ کو آوازیں دینے لگتا۔ رونے لگتا اور دھاڑنے لگتا۔ نہ جانے کتنے شب و روز انہیں عذابوں میں گزر گئے۔ پھر ایک دن نامعلوم بلندی سے کوئی چیز اس کے سر آ لگی۔ یہ سفید

کپڑے کی ایک گٹھڑی تھی۔ اس نے کھول کر دیکھا۔ اس میں خوراک تھی، چنے تھے گڑ تھا اور مکئی تھی۔ ان گنت دنوں بعد اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ یہ آبوق جاکی پراسرار تاریکیوں میں اس کی نئی زندگی کا آغاز تھا۔ وہ عجیب و غریب زندگی جو قریباً پینتیس ہولناک سالوں میں پھیلی ہوئی تھی۔

"وحشی" سازگا سے گفتگو کر کے اشباح رات گئے آرام کرنے کے لیے اپنی خوابگاہ میں پہنچا۔ وہ اس خواب گاہ میں پہلی دفعہ قدم رکھ رہا تھا۔ خوابگاہ کی وسعت اور آرائش نے اسے ششدر کر دیا۔ بلند و بالا چھت، حریری پردے، دبیز قالین اور بے حد شاندار مسہری۔ نہایت حسین و جمیل عورتوں کا ایک پرا خوابگاہ میں اس کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ ہر ایک نے خود کو بنانے سنوارنے اور اپنی جسمانی خوبیاں اجاگر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ وہ ہندی لباس میں تھیں اور ان کے جوڑوں میں رات کی رانی اور موتیے کے پھول مہک رہے تھے۔ ایک لڑکی جو ان میں سب سے حسین تھی اور سب کی سردار معلوم ہوتی تھی ہاتھوں میں شب خوابی کا لباس لیے نزاکت سے آگے بڑھی اور نہایت احترام سے بولی۔

"مہاراج! جل تیار ہے۔ کیا اشنان کیجئے گا؟"

اشنان اور رات کے اس پہر؟ اشباح نے حیرانی سے سوچا۔ ان عورتوں کی موجودگی اس کی طبیعت کو سخت مکدر کر رہی تھی۔ وہ نگاہیں جھکائے حمام کی طرف بڑھا۔ یہ حمام خوابگاہ ہی کے ایک حصے میں بنایا گیا تھا۔ دبیز پردہ ہٹا کر اس نے اندر جھانکا اور دل میں لاحول پڑھے بنا نہ رہ سکا۔ دو نیم عریاں ہندی دوشیزائیں یہاں بھی موجود تھیں۔ ان کے نوخیز جسم خاموشی کی زبان میں چیخ چیخ کر دعوتِ گناہ دے رہے تھے۔ وہ غصے سے کانپنے

لگا۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔" وہ دھاڑا۔ لڑکیوں کی سردار گھبرا کر آگے آئی۔ اشباح کے سامنے دوزانو ہو کر عاجزی سے کہا۔

"ہم سے کوئی غلطی ہوئی سردار؟"

اس بیچاری کا رنگ بدل کر ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور خوف سے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ یکایک اشباح کو اپنے غضبناک لہجے پر افسوس ہوا۔ اس میں ان عورتوں کا بھلا کیا قصور تھا۔ یہ سب کچھ تو یہاں کے رسم و رواج میں شامل تھا۔ وہ بیچاریاں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ کوئی سردار ان لوازمات کے بغیر شب گزار سکتا ہے اور سردار بھی ایسا جسے نئی نئی سرداری ملی ہے۔ جس کے لیے محلات کی دلفریب رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کا پہلا موقع ہے۔ وہ تو اس کوشش میں ہوں گی کہ آج شب سردار کو آرام اور سکون پہنچا کر اور اسے راضی کر کے انعام و اکرام کی مستحق ٹھریں گی۔ شومئی قسمت سے ان کا واسطہ صحرا کے باسی سے پڑ گیا تھا۔ اشباح نے خود پر ضبط کرتے ہوئے نرم لہجے میں لڑکی کو اٹھنے کا حکم دیا۔ وہ ابھی تک یہی سمجھ رہی تھی کہ نادانی میں اس نے سردار کے مزاج کے خلاف کوئی بات کہہ دی ہے۔ وہ لرزتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ اشباح نے کہا۔

"آنچل کندھوں پر ڈالنے کے لیے نہیں سروں کو چھپانے کے لیے ہوتا ہے۔ اب سر ڈھانپ لو۔"

لڑکیوں کے ہاتھ میکانکی انداز میں متحرک ہوئے، ان کی چوڑیاں کھنکیں اور انہوں نے آنچل سروں پر ڈال لیے۔

اشباح نے کہا۔ "تم سب زنان خانے جاؤ اور اپنی جگہ ایک مرد خادم کو بھیج دو۔"

لڑکیوں کے سر ایک بار پھر میکانکی انداز میں ہلے اور تعظیم پیش کرتی ہوئی خوابگاہ سے جانے لگیں۔

"ٹھہرو؛" اچانک اشباح نے کہا۔ وہ سب رک گئیں۔ اشباح نے ان کی سردار کو آگے بلایا اور نگاہ اٹھئے بغیر پوچھا۔ "تمہارا نام!"

"جی لاجونتی!"

اشباح نے چاندی کے ایک خوبصورت برتن میں ہاتھ ڈال کر کچھ طلائی سکے اور قیمتی پتھر نکالے اور لاجونتی کو دیتا ہوا بولا۔ "یہ تم آپس میں تقسیم کر لو اور سنو۔ زنان خانے میں تمہاری مالکن ہلابہ ہیں۔ ان کے پاس جاؤ اور جو باتیں وہ تمہیں بتائیں انہیں سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ تمہارے فائدے کی باتیں ہوں گی۔"

لاجونتی نے "جی اچھا" کہا اور باہر چلی گئی۔ اشباح جانتا تھا ہلابہ انہیں اسلام کے بارے میں ابتدائی معلومات فراہم کرنا اپنا فرض سمجھے گی۔ یہی مقصد لے کر وہ یہاں پہنچے تھے۔ اب خدا نے ان کے لیے سازگار حالات پیدا کیے تھے تو وہ کیوں نہ اس کا فائدہ اٹھائے۔

لڑکیاں چلی گئیں تو اشباح بے قراری سے خوابگاہ کے طول و عرض میں ٹہلنے لگا۔ نیلمان ابھی تک اس کیے کمر بند میں تھا اور اس کا معمولی سا وزن بھی اشباح کو احد کا بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے اس پتھر سے نفرت سی ہو گئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اسے کسی گہرے سمندر میں پھینک دے یا ویران صحرا میں دفن کر آئے۔ اسے ہر گز قبول نہیں تھا کہ وہ اپنے ایمان کی طاقت کی بجائے اس پتھر کا سہارا حاصل کرے اور اس

کے بل بوتے پر اسے کوئی برتری حاصل ہو۔ اگر اس جادو نگری کے باسی اس پتھر سے خوف کھاتے تھے تو اس کی وجہ ان کا غلط عقیدہ تھا اور اشباح کو ان غلط عقیدوں کے بت توڑنے تھے تراشنے نہیں تھے۔ اسے خوف لاحق ہو رہا تھا کہ وہ ایک گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ جب وہ اپنے افکار و کردار سے توہم پرستی کی نفی کر رہا تھا تو پھر ایک وہم کو اپنی طاقت کا سرچشمہ کیوں بنا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ سوچتا رہا اور ٹہلتا رہا۔ اس کے دل و دماغ میں انگارے سے دہکتے رہے۔ آخر سکون قلب کی خاطر وہ جائے نماز پر کھڑا ہوا اور نفل پڑھنے لگا۔ چند نوافل کے بعد وہ وہیں مصلے پر لیٹ گیا۔ وہ راتوں کا جاگا ہوا تھا جلد ہی گہری نیند سو گیا۔ حالتِ نیند میں اس نے ایک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا وہ حضر موت میں ہے۔ اپنی صحرائی بستی میں اپنے گھر میں کھڑا ہے۔ اس کی والدہ بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں۔

"اشباح! میرے بچے میں جانتی ہوں تو کیوں پریشان ہے۔ میں تیرے ذہن کی کشمکش سے آگاہ ہوں۔ ٹھہر میں تیرے نانا کو لاتی ہوں۔ وہی تجھے کچھ مشورہ دیں گے۔" وہ اندرونی کمرے کی طرف چلی جاتی ہیں اور تھوڑی دیر بعد اسکے نانا ان کے ہمراہ واپس آتی ہیں۔ نانا کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور حسب معمول ان کے لب مسلسل حرکت میں ہیں۔ گھنی سفید بھنوؤں کے نیچے سے اشباح کو دیکھتے ہیں اور ان کے نورانی چہرے پر محبت کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ پھر اشباح یہ سن کر حیران رہ جاتا ہے کہ وہ بول رہے ہیں۔ اس نے اپنے ہوش میں انہیں کبھی بولتے نہیں سنا لیکن آج ان کی کٹی ہوئی زبان کو گویائی حاصل ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"اشباح! تیری پریشانی بجا ہے۔ تو اس بے جان پتھر کے حوالے سے کوئی فائدہ حاصل کرنا نہیں چاہتا مگر ایک حقیقت سے تو انکار نہیں کر سکتا۔ تو خود کسی اور کو اس پتھر سے دھمکانے کی کوشش نہیں کر رہا۔ یہ ان لوگوں

کا ذاتی فعل ہے۔ تو ان کی غلط فہمی دور کر سکتا ہے اور تجھے کرنی بھی چاہیئے لیکن اس وقت جب وہ تیری بات کو کوئی اہمیت دینے کے قابل ہوں۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ اس نے تیرے ساتھیوں کے لیے ایک آسانی پیدا فرمائی ہے۔ تو اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اپنا راستہ سیدھا کر لے۔ اپنی بات میں اتنا وزن پیدا کر لے کہ تیری بات سنی جائے۔ اس میں تیری بھلائی ہے اور ان ہزاروں لاکھوں انسانوں کی بھی جو ایک نجات دہندہ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔اور یہی راستہ ہے اپنے رب کو راضی کرنے کا۔۔۔۔۔۔"

ایکا ایکی اشباح کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا سارا بدن پسینے سے شرابور تھا۔ کانوں میں ابھی تک نانا داؤد کی اجنبی اجنبی سی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا کمربند ٹٹولا۔ نیلمان موجود تھا۔ وہ اٹھ کر دریچوں کے پاس پہنچا۔ نفیس پردے ہولے ہولے بادِ صبا کے جھونکوں سے لہرا رہے تھے۔ اس نے پردے ہٹا کر باہر جھانکا۔ صبح صادق ہونے والی تھی۔ ٹمٹماتے ستاروں کے نیچے "دوارے" کی گنجان آبادی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے خادم کو بلا کر وضو کیا۔ نماز پڑھی اور سر جھکائے دیر تک دعا مانگتا رہا۔۔۔۔۔۔۔طلوع آفتاب کے وقت ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ نشست گاہ میں چلا آیا۔ یہ ایک وسیع و عریض نشست گاہ تھی۔ محرابی دروازے اور بلند و بالا دیواریں۔ فرش پر دبیز قالین تھے۔ ایک دیوار پر مگس دیوتا کی کوئی بہت بڑی مورتی نصب تھی۔ تاہم اس وقت صرف مورتی کا چبوترہ ہی نظر آ رہا تھا۔ رائے منوہر نے محل، خالی کرتے وقت یہ مورتی اور اس جیسی دوسری تمام مورتیں ہٹوا دی تھیں۔ نشست گاہ میں بیک وقت سینکڑوں افراد بیٹھ سکتے تھے۔ اشباح نشست گاہ میں داخل ہوا کم و بیش تین سو افراد وہاں موجود تھے۔ یہ سب اقتیلا جام کے شاگرد اور پیروکار تھے۔ ان میں زیادہ تر کے سر منڈھے ہوئے تھے اور انہوں نے سیاہ لبادے پہن رکھے

تھے۔اشباح کے اندر داخل ہوتے ہی وہ سب کے سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ان میں اشوکا بھی شامل تھا۔
اشوکا کے علاوہ سرخ تمتماتے چہرے والا ایک اور نوجوان بھی پیش پیش نظر آرہا تھا۔اس نے سب سے پہلے
آگے بڑھ کر اشباح کے ہاتھ چومے اور بولا۔

"مہاراج! میرا نام ارون لال ہے۔میں اشوکا کا چھوٹا بھائی ہوں۔"

اسی دوران اشوکا بھی ان کے قریب پہنچ گیا۔اشباح نے اس سے پوچھا۔

"اشوکا؛ کیا بات ہے یہ اجتماع کیسا ہے۔مجھے ابھی تھوڑی دیر پہلے تم لوگوں کی آمد کا پتہ چلا ہے۔"

اشوکا کے بولنے سے پہلے ہی ارون لال بولا۔مہاراج؛ ہم ایک نہایت اہم مقصد لے کر آپ کے پاس آئے ہیں
۔دو روز سے ہم صلاح مشوروں میں مصروف تھے اور آخر ایک متفقہ فیصلے پر پہنچ گئے ہیں۔۔۔۔۔" پھر اس
نے بڑے بھائی اشوکا کی طرف دیکھا۔جیسے کہہ رہا ہو کہ اب آگے تم کہو۔اشوکا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں
ذمے داری دوبارہ چھوٹے بھائی پر ڈال دی۔ارون لال نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور پرجوش لہجے میں بولا۔

"مہاراج! ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جو شخص اندھے کنویں سے نیلمان نکال کر لا سکتا ہے اس کی شکتی سب
سے بڑی ہے۔وہ ساحرِ اعظم اقتیلا جام سے بھی زیادہ جانتا ہے۔لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ اس کے
سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کریں اور وہی کریں جو وہ کہتا ہے۔ہم سب آپ کی غیر مشروط اطاعت کا اعلان کرتے
ہیں اور آپ کو ہر طرح اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں۔" اشباح نے ایک نظر ان سب کے چہروں پر ڈالی۔وہ تمام
بڑے بڑے ساحر اور شعبدے باز تھے۔ان میں جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ایک خلقت کو انہوں نے

اپنے علوم کی طاقت سے مسخر کر رکھا تھا مگر آج وہ سب اپنی تمام شکتیوں سمیت اس کی طاقت اور عظمت
کے اسیر ہو گئے تھے۔انہوں نے اشباح کے حوالے سے قوتِ ایمانی کا جو شاندار مظاہرہ دیکھا تھا۔اس نے ان
کی عقلوں کو دنگ کر کے انہیں ایک مختلف راستے پر لا کھڑا کیا تھا۔

اشباح کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکریہ ادا کیا۔پھر نشست گاہ میں موجود تمام
افراد کے سامنے اسلام کی بنیادی تعلیمات رکھیں۔جب ان کے ذہن بن گئے تو اس نے انہیں کلمہ طیبہ پڑھایا
اور وہ سب بہ رضا و رغبت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ان کی مسرت دیدنی تھی اور یوں لگتا تھا کہ وہ اشباح
کے ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہو جائیں گے۔وہ بڑے اشتیاق سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے
میں سوال پوچھ رہے تھے۔اشباح بڑی وضاحت سے جواب دے رہا تھا۔ایک شخص نے پوچھا۔

"محترم سالار! میرے ذہن میں ایک الجھن ہے جب اس قدیم کتاب میں یہ سب کچھ درج تھا۔آبوق جا میں
اترنے والی لڑکی کا ناک نقشہ تک بیان کر دیا گیا تھا اور وہ یہاں پہنچ بھی گئی تھی۔۔۔۔تو پھر آپ کیوں کر
آبوق جا میں اترنے اور نیلمان نکالنے میں کامیاب ہوئے؟"

اشباح نے کہا۔"میں خدانخواستہ اقتیلا جام کے بیان کو جھٹلاتا نہیں۔انہوں نے ضرور قدیم کتاب میں یہ سب
کچھ پڑھا ہو گا۔یہ ایک زبردست اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ کتاب میں بیان کردہ حلیہ ہمارے دستے کی ایک
خاتون سے مل گیا اور اقتیلا جام سمجھے کہ یہ ان کی مطلوبہ خاتون ہے۔۔۔۔۔۔۔۔بہر حال آپ دیکھ ہی چکے
ہیں کہ انسان میں قوتِ ارادی ہو اور اپنے مالک پر بھروسہ رکھتا ہو تو بڑی سے بڑی مشکل سر کر سکتا ہے۔جہاں

تک آبوق جا کے اسرار کا تعلق ہے وہ کچھ تو اسی شب کھل گیا تھا، جو رہ گیا تھا وہ آج کھل گیا ہے۔ آج رات دوسرے پہر آبوق جا سے برآمد ہونے والے عجیب الخلقت شخص نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

اس کے بعد اشباح نے حاضرین کو وہ سب کچھ بتایا جو اسے سارگا سے حاصل ہوا تھا۔ حاضرین سنتے رہے اور حیران ہوتے رہے۔ یہ پر حیرت گفتگو دوپہر کے کھانے تک جاری رہی۔۔۔۔۔۔ دوپہر کے کھانے پر ارون لال اشباح کی داہنی جانب بیٹھا تھا۔ اس نے بڑے احترام سے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"محترم اشباح! یقیناً آپ سب کچھ سمجھ رہے ہوں گے۔ پرماتما کے بدلے ہوئے رویے کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے نیلمان۔ ورنہ وہ کسی طرح ہمارا اور آپ کا دوست نہیں ہو سکتا۔ اس کی یہ تمام مہربانی اور صلح جوئی اسی سے تک ہے جب تک نیلمان آپ کے پاس ہے اور مجھے پورا وشواس ہے، وہ چند روز کے اندر اندر کسی نہ کسی طرح نیلمان کو آپ سے جدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ آپ کو بے حد ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

اشباح نے کہا۔ "ارون لال مخلصانہ مشورے کا بہت بہت شکریہ۔"

ارون لال بولا۔ "محترم سالار! اب ہم گلی گلی اور کوچہ کوچہ پھیل جائیں گے۔ ہمارا ایک ہی مقصد ہو گا۔ جنتا کو نئے آدرشوں سے آگاہ کرنے اور ان تک آپ کے خیالات پہنچانا۔ خدا نے چاہا تو بہت جلد اس دھرتی کی کایا پلٹ جائے گی۔"

اشباح نے بائیں طرف بیٹھے اشوکا سے کہا۔ "تم کچھ بجھے بجھے ہو کیا بات ہے تم بھی کچھ کہو۔"

اشوکا بولا۔ "نہیں سالار! ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمارے کچھ ساتھی اور بھی ہیں۔ میں جلد ہی انہیں آپ کے پاس لاؤں گا تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو سکیں۔"

کھانے کے بعد وہ سب لوگ محل سے رخصت ہو گئے۔ مہمانوں سے فراغت پاتے ہی اشباح محل کے گودام خانے کی طرف بڑھا۔ اسے وہاں ایک ضروری کام تھا۔ سیڑھیوں پر سے اسے اویس نے روک لیا۔ وہ شاہی لباس میں کچھ زیادہ ہی سرخ و سپید نظر آ رہا تھا۔ گول مٹول چہرے پر شگفتگی کی چمک تھی۔ بولا۔

"کدھر جا رہے ہو اشباح۔ مہمان خانے میں کچھ اور لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

دو روز سے اشباح مسلسل ملاقاتیں کر رہا تھا۔ اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں اس وقت ایک ضروری کام ہے۔ اب مغرب کے بعد ملوں گا۔"

اویس اصرار کرنے لگا کہ انہیں ابھی مل لو۔ اشباح نے اسے بمشکل ٹالا ویسے وہ سمجھ گیا تھا کہ اب مغرب تک اویس مہمانوں کو محل میں ہی رکھے گا۔ اس کے پاس شاعری کا اتنا ذخیرہ تھا کہ وہ چند پہر تو کیا کئی ہفتے بھی مہمانوں کو مشغول رکھ سکتا تھا۔ شاعری عربی میں تھی تو کیا ہوا۔ ترنم کی کوئی زبان نہیں ہوتی اور اویس کا ترنم تو واقعی سننے کے قابل تھا۔ اس کے ترنم میں صرف ایک چیز کھٹکتی تھی اور وہ تھی اس کی شاعری۔

اویس سے دامن بچا کر اشباح تیز قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس کا رخ گودام کی طرف تھا۔ گودام میں اس کا تمام سامان پہنچ چکا تھا، اس میں وہ تھیلا بھی شامل تھا جس میں اس کے باپ کی وصیت، راستے کے نقشے اور دیگر اشیاء موجود تھیں۔۔۔۔۔۔۔ اور لکڑی کا وہ چوکور ڈبہ بھی جس کے بارے میں اس کے والد کی

ہدایت تھی کہ اسے ایک خاص وقت اور خاص مقام پر کھولا جائے۔ وہ وقت اور مقام اب آچکا تھا۔۔۔۔۔۔ اشباح دعا کرنے لگا کہ چھاؤنی میں اس کے سامان سے چھیڑ چھاڑ نہ کی گئی ہو اور سب کچھ اپنی اصل حالت میں موجود ہو۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ محل کی وسیع تہہ خانے میں پہنچا۔ اسے تہہ خانے کے ایک حصہ گودام میں اشباح کو اپنا سامان سلیقے سے رکھا نظر آیا۔ یہ سامان دو خرجینوں پر مشتمل تھا۔ اشباح کے وہ جنگی ہتھیار بھی جو سرخ پوشوں نے چھین لیے تھے، یہاں موجود تھے۔ اشباح نے سب سے پہلے اس تلوار کو دیکھا جو اسے اپنے باپ کی طرف سے ملنے والا پہلا اور آخری تحفہ تھی۔ بڑی عقیدت سے تلوار کو چھو کر اس نے ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس نے خرجین کھولی۔ بادی النظر میں یہی نظر آتا تھا کہ سامان کو چھیڑا نہیں گیا۔ خشک خوراک کے نیچے چمڑے کا وہ انمول نقشہ موجود تھا جس نے انہیں اس جادو نگری تک پہنچا دیا تھا۔ چمڑے کے علاوہ اس کے والد کی ادھوری کتاب اور دیگر اشیاء بھی موجود تھیں۔ لکڑی کا وہ چوکور ڈبہ بھی رکھا تھا۔ جواب تک اشباح کے لیے ایک معمہ بنا ہوا تھا۔ اس نے اس چھوٹے سے ڈبے کو نکال کر شمع دان کے پاس رکھ لیا۔ ڈبے پر معمولی نقش و نگار تھے اور آہنی کیلوں نے اسے جوڑ رکھا تھا۔ لکڑی پر یہ تحریر موجود تھی۔ اس ڈبے کو کھولنے سے پہلے نیلے لفافے کو کھولا جائے۔ نیلا لفافہ اشباح حضر موت میں ہی کھول چکا تھا اور اس میں یہ ہدایت درج تھی۔ "اشباح بیٹے! میری یہ خواہش ہے کہ جب تم اس ڈبے کو کھولو تو تمہارے قدم اس سرزمین پر پڑ چکے ہوں جو میرا وطن ہے اور پرماتما کی عملداری میں شامل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم نے اس ڈبے کو پہلے کھول لیا تو تمہارے سفر کا مقصد فوت ہو جائے گا اور میں نہیں چاہتا کہ تم کٹھن اور

دشوار فاصلے طے کرنے کے باجود کچھ بھی حاصل نہ کر سکو۔ میں نے چرمی نقشے کی پشت پر ان حدود کا تعین کر دیا ہے جن میں داخل ہونے کے بعد تم یہ ڈبہ کھول سکتے ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب اشباح اساندھیر نگری میں قدم رکھ چکا تھا اور چوبی ڈبہ بھی اسکے سامنے تھا۔ اب وہ اس کے اندر کا حال جان سکتا تھا۔ اس نے لوہے کی ایک خم دار سلاخ اٹھائی۔ اس کا اگلا سرا چپٹا تھا۔ وہ اس سرے کی مدد سے چمڑے کا بالائی تختہ اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ کامیاب ہوا۔ میخیں اکھڑیں اور ڈبہ کھل گیا۔ اشباح نے اندر جھانکا اور دیکھ کر حیران رہ گیا۔۔۔۔۔۔۔ ڈبا بالکل خالی تھا۔ اس نے روشنی کی طرف کر کے غور سے دیکھا۔ ڈبے کے اندر کچھ نہیں تھا۔ وہ چکرا گیا۔ وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ بیس برس پہلے اس کے والد نے ڈبے میں کچھ رکھے بغیر اسے بند کر دیا ہوگا۔ انہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر جو کچھ ڈبے کے اندر تھا وہ کہاں گیا؟ بیس برس سے یہ اشیاء اس کی والدہ کے پاس امانت کے صندوق میں محفوظ تھیں۔ اس کے بعد اشباح نے انہیں جان سے لگا کر رکھا۔ ایک بار پھر اس نے دھیان سے ڈبے کا معائنہ کیا۔ اس کے اندر کوئی ٹوٹی سوئی تک نہیں تھی۔ اب اشباح یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ چھاؤنی میں اس کے سامان کی تلاشی لی گئی ہے اور وہیں ڈبے کو کھولنے کے بعد دوبارہ بند کیا گیا ہے۔ اس نے بیرونی سطح پر غور کیا تو لکڑی پر مشکوک نشانات نظر آئے۔ یقینی بات تھی کہ اس کے ساتھ زور آزمائی کی گئی ہے۔ دفعتاً اشباح کو اصل خطرات کا احساس ہوا۔ اگر اس کا سامان دیکھا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اب کوئی راز راز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رائے منوہر چند اسی کمرے میں موجود تھا جہاں پرماتما کی آواز اپنے خاص مصاحبین سے ہمکلام ہوتی تھی۔

رائے منوہر چند ایک نہایت بارعب شخصیت کا مالک تھا لیکن اس وقت تھر تھر کانپ رہا تھا۔اس نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔"اے لازوال پرماتما! غلام شرمندہ ہے کہ اس کے ذہن میں پہلے یہ بات کیوں نہیں آئی۔جب قیدیوں کا سامان چھاؤنی سے محل میں منتقل کرنے کے لیے چھکڑوں پر لادا جارہا تھا تو اچانک ایک تلوار دیکھ کر مجھے شبہ ہوا کہ یہ مقامی طور پر بنی ہوئی ہے۔عربی قیدیوں کے سامان میں اس کی موجودگی حیران کن تھی۔میں نے سپاہیوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اشباح کا سامان ہے اس کے سامان میں دو خرجنیں بھی تھیں جن میں خوراک وغیرہ رکھی تھی۔میں نے ایک خرجین کے اوپر سے خوراک کی تھیلیاں ہٹوائیں تو نیچے سے چند پراسرار چیزیں برآمد ہوئیں۔ان میں ایک نقشہ ایک کتاب اور ایک چوکور ڈبہ بھی تھا۔میں نے ان چیزوں کا تفصیلی معائنہ کیا اور مجھ پر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ۔۔۔۔۔۔۔اشباح نامی یہ نوجوان عربی نہیں،ہندوستانی ہے۔"

پرماتما کی پرغصب آواز درودیوار سے ابھری اور فضا کو سہا گئی۔

"منوہر چند ہمیں پہلیاں پسند نہیں اور نہ ہی یہ غیر ضروری تمہید۔مختصراً بتاؤ کہ اشباح کا سامان دیکھ کر تم نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟"

رائے منوہر چند نے تھوک نگلا۔"اے لازوال پرماتما اشباح اس دھرم ورودھی رام داس کا بیٹا ہے جس نے آج سے پچیس برس پہلے مسلمان ہو کر اپنا نام عثمان رکھ لیا تھا اور ایک عربی عورت سے شادی کرنے کے بعد آپ کے خلاف علم بغاوت شروع کیا تھا۔بعد میں جب آپ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے نکلے تو وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ کاٹھیاواڑ کی طرف بھاگ گیا۔یقیناً آپ باخبر ہوں گے کہ ہماری پرجا میں کچھ غدار ایسے ہیں جو اس مورکھ کی واپسی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ واپس آکر ان کی ڈھارس بندھائے گا اور ان کے منہ میں خاک آپ کے خلاف جنگ کرے گا۔ان کی کامنائیں اور امیدیں تو پوری نہیں ہوئیں لیکن شاید دیوتاؤں کو ہماری آزمائش منظور ہے،جو اس راکھشس کا بیٹا اپنے باپ کی تلوار لے کر یہاں آوارد ہوا ہے کاش۔۔۔کاش اس کے پاس مقدس نیلمان نہ ہوتا۔دیوتاؤں کی سوگند میں ان سب کو آہنی سیخوں میں پرو کر آپ کے سامنے حاضر کر دیتا۔۔۔۔۔۔۔"

پرماتما کی جانب دیر تک ایک گہری خاموشی طاری رہی۔یہ خاموشی منوہر چند کا پتا پانی کر رہی تھی۔اس کے بدن کا ہر مسام پسینہ اگل رہا تھا۔وہ اپنی کوتاہی سے آگاہ تھا۔یہ کوتاہی نہیں فاش غلطی تھی۔اشباح کے ساتھیوں کی زبان کھلوانے کے لیے ان پر مہینوں سختیاں کی گئی تھیں اور انہیں پر اذیت موت مارنے کے نت نئے طریقے سوچے گئے تھے لیکن اگر یہ سب کچھ کرنے کی بجائے منوہر چند احتیاط سے قیدیوں کے سامان کی تلاشی کروالیتا تو آج سے بہت پہلے اشباح کی اصلیت سامنے آجاتی اور اگر معاملے کی اصل سنگینی کا احساس ہو جاتا تو عین ممکن تھا کہ اشباح کی تلاش میں زیادہ سرگرمی دکھائی جاتی اور نیلمان تک پہنچنے سے پہلے پہلے وہ گرفتار ہو جاتا۔اب پانسہ پلٹ چکا تھا۔رائے منوہر چند کے ہاتھ سے بہت کچھ نکل چکا تھا۔نیلمان کی موجودگی

میں اشباح کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔اس کا مطلب تھا کہ وہ شخص اپنے فیصلوں اور منصوبوں میں آزاد ہے جو بیس برس بعد اپنے باپ کی ادھوری آرزوؤں کی تکمیل کے لیے یہاں پہنچا ہے اور جس کے ارادے نہایت خطرناک ہیں۔

طویل خاموشی کے بعد پرماتما کی آواز کمرے میں گونجی تو ذرہ ذرہ ہل گیا۔اس کے لہجے میں شعلوں کی پھنکار، زلزلوں کی گڑگڑاہٹ اور بپھرے سمندر کی گونج تھی۔"منوہر چند! تم خود کو بدترین سزا کا مستحق ٹھہرا چکے ہو۔چھ ماہ وہ قیدی تمہاری تحویل میں رہے اور تم ان کی اصلیت نہ جان سکے۔یہ نہ جان سکے کہ تمہاری سرحدوں کو پامال کرنے والے یہ آفت زادے کون ہیں۔۔۔۔۔۔۔تمہاری یہ غلطی قطعاً ناقابل معافی ہے۔"

رائے منوہر چند تڑپ کر اوندھے منہ طلائی مورتی کے قدموں میں گر گیا۔اس کی بیش قیمت پگڑی اچھل کر دور جا گری۔وہ مورتی کے پاؤں پر اپنی ناک رگڑنے لگا اور گھگھیانے لگا۔

"بھگوان کے لیے مجھے شما کر دیں۔۔۔۔۔۔۔بھگوان کے لیے مجھے بخش دیں۔آپ کے سوا مجھے سنسار میں کہاں پناہ ملے گی۔میں دوشی ہوں۔میں شرمسار ہوں۔مجھ سے بڑا اندھیر ہوا ہے۔"

منوہر چند تادیر گریہ زاری کرتا رہا آخر پرماتما کی بارعب آواز گونجی۔"کھڑے ہو جاؤ منوہر چند۔یہ پچھلے دس برسوں میں تمہاری پہلی غلطی ہے اس لیے شما کی جاتی ہے۔اٹھ جاؤ اور یہ بتاؤ کہ تم سے یہ کوتاہی کیونکر ہوئی؟"

منوہر چند تشکر کے آنسو بہاتا کھڑا ہو گیا۔اس نے پگڑی اٹھا کر سر پر رکھی اور بولا۔"اے لازوال پرماتما ایسی بات نہیں کہ قیدیوں کے سامان کی تلاشی نہ لی گئی ہو۔میں نے تلاشی کا حکم دیا تھا اور تلاشی لی بھی مگر افسوس کہ خرجینوں کو صحیح طرح نہ جانچا جا سکا۔مجھے چاہیئے تھا کہ تلاشی کے وقت میں خود موقع پر موجود ہوتا اور خاص طور پر سرکردہ قیدیوں کی تلاشی اپنی نگرانی میں کرواتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

پُراسرار روشنیوں والے کمرے میں ایک بار پھر گہرے سکوت کا راج ہو گیا۔اس سکوت میں منوہر چند تنہا کھڑا عجیب سا لگتا تھا کوئی دیکھتا تو سمجھتا کہ شاید وہ بھی پتھر کی مورتی ہے۔اس کے ہاتھ سینے پر بندھے تھے اور نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ایک طویل وقفے کے بعد پرماتما کی آواز ابھری۔

"اشباح کے سامان میں سے تمہیں جو کچھ ملا ہے اس کی تفصیل بتاؤ۔"

منوہر چند تفصیل بتانے لگا۔اس نے تمام اشیاء کا فرداً فرداً ذکر کیا اور ان کے بارے میں ضروری معلومات بہم پہنچائیں۔آخر میں وہ بولا۔"مقدس پرماتما! مجھے اس کے سامان میں سے ایک چوبی ڈبہ بھی ملا تھا اسے چاروں طرف سے میخیں ٹھوک کر بند کیا گیا تھا۔میرا خیال تھا کہ اس کے اندر کوئی نہایت اہم یا قیمتی چیز ہو گی۔مگر جب میں نے اسے کھولا تو اندر کاغذ کے ایک پرزے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔اس کاغذ پر کچھ تحریر تھا لیکن سیاہی اڑنے کی وجہ سے یہ تحریر ضائع ہو چکی تھی۔سات آٹھ سطروں میں سے صرف چار یا پانچ لفظ سمجھ میں آتے تھے۔میں نے بہت کوشش کی کہ مضمون سمجھ سکوں مگر ناکام رہا۔مجبوراً وہ کاغذ ڈبے سے نکال لینا پڑا۔اب وہ

کاغذ شاہی کیمیا گر کے پاس ہے۔اس نے آس دلائی ہے کہ وہ کسی طریقے سے مٹی ہوئی تحریر اجاگر کرنے کی کوشش کرے گا۔"

رائے منوہر چند کی تفصیلات ختم ہوئیں تو پرماتما کی طرف ایک بار پھر گہری خاموشی طاری ہو چکی تھی۔یہ خاموشی ہمکلام ہونے والے کو سراسیمہ اور حواس باختہ کر دیتی تھی۔اسے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ پرماتما اس کی باتیں سن رہا ہے کہ نہیں اور آیا اب وہ وہاں ہے یا جا چکا ہے۔وہ کوئی سوال بھی نہیں کر سکتا تھا لہٰذا دست بدستہ خاموش کھڑا رہتا تھا۔اس کے اعصاب چٹخنے لگتے تھے۔ایک بوجھل اور طویل سناٹے کے بعد پرماتما کی آواز پھر در و دیوار سے ابھری۔

"منوہر چند! ہمیں نیلمان واپس لینا ہے۔ہر صورت میں اور ہر قیمت پر،ورنہ اس ریاست کی بنیادیں ہل جائیں گی اور سب کچھ اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔۔۔۔۔۔۔تم اسی وقت اشوکا کے پاس چلے جاؤ۔وہ اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہے اسے اشباح بن سقیل کا وشواس حاصل ہے اور جہاں تک تم اپنی طاقت کے باوجود رسائی حاصل نہیں کر سکے وہ وہاں باآسانی جا سکتا ہے۔"

منوہر چند نے نہایت احترام سے کہا۔"لیکن۔۔۔۔۔۔مقدس پرماتما۔اشوکا ساحر اعظم کا شاگرد خاص تھا اور وہ استاد کی موت سے نراش ہو کر اشباح کے ساتھ مل چکا ہے۔"

"پرماتما کی آواز ابھری۔"یہ بہت پرانی بات ہے تازہ حالات یہ ہیں کہ اشوکا مسلمانوں کے اس گروہ سے بدظن ہو چکا ہے۔اس کا خیال ہے کہ اشباح بن سقیل نے ضروری شرائط پوری کیے بغیر آبوق جا میں اتر کر اس

کے استاد کی توہین کی ہے اور اب اس کے پیروکاروں کو مسلمان کر کے وہ بہت بڑا پاپ کر رہا ہے۔وہ اپنے بھائی ارون لال سے بھی بے حد خفا ہے کہ اس نے دھرم چھوڑنے میں اتنی جلدی کی ہے۔اگر تم ان اختلافات کو ہوا دے کر اشوکا کو ہمنوا بنا سکو تو یہ تمہاری بہت بڑی کامیابی ہو گی۔ہمیں نیلمان تک پہنچنے کے لیے نہایت محفوظ راستہ مہیا ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔لیکن ایک بات کا خیال رہے۔تمہیں یہ سارا کام بڑی احتیاط سے کرنا ہو گا۔جب تک نیلمان اشباح اور اس کے ساتھیوں کے پاس ہے تم اپنی تمام تر طاقت کے باوجود ان کے لیے حقیر چیونٹی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔دبیز پردوں والی کھڑکیوں کے باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔منظر رائے منوہر چند کی نئی رہائش گاہ کا تھا۔اس رہائش گاہ میں پہلے محل جیسی شان و شوکت تو نہیں تھی مگر پھر بھی اسے "دوارے" کی عالیشان ترین عمارتوں میں شمار کیا جا سکتا تھا۔۔شمعوں کی مدھم روشنی میں قالین پر منوہر چند اور اشوکا گاؤں تکیا لگائے بیٹھے تھے۔فانوس بجھے ہوئے تھے اور فضا میں اگربتیوں کی خوشبو تھی۔قریب ہی ایک منقش طلائی حقہ پڑا تھا اور اس کی طویل ناڑ منوہر چند کے ہاتھ میں تھی۔ایک حسین دوشیزہ برائے نام لباس پہنے اندر داخل ہوئی۔اس کے گلے میں موتیوں کی بڑی بڑی مالائیں تھیں اور ہاتھ میں خوبصورت کڑے۔منوہر چند نے اسے اشارہ کیا وہ بڑی لگاوٹ سے اشوکا کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔اشوکا یکلخت پیچھے ہٹا۔اس کے انداز سے بےزاری کا اظہار ہو رہا تھا۔منوہر چند اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔پھر اس نے لڑکی کی

طرف اشارہ کیا اور وہ پلکیں جھپکا کر قیامت کی چال چلتی باہر چلی گئی۔ منوہر چند نے شراب کے دو جام بھرے اور ایک اشوکا کی طرف بڑھا دیا۔ اشوکا نے پھر گریز ظاہر کیا۔ منوہر چند بولا۔

"یہ بھی نہیں۔۔۔۔۔وہ بھی نہیں۔۔۔۔۔۔بھئی کچھ نہ کچھ تو لینا ہوگا۔"

بے حد اسرار کے ساتھ اس نے اشوکا کو شراب پلا دی۔ پھر کہنے لگا۔ "اشوکا میں جانتا ہوں تمہارا من زخموں سے چور ہے۔ تمہیں ساحر اعظم کی موت کا دکھ ہے اور ساحر اعظم کی موت کا دکھ کسے نہیں ہے۔ کاش وہ سب کچھ نہ ہوتا جو ہوا۔ معمولی غلط فہمیوں نے ایسے سنگین جھگڑے کی صورت اختیار کر لی اور آخر ہمیں اپنے بدھی وان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ دیکھا جائے تو اس در گھٹنا کی اصل جڑ یہی اشباح اور اس کے ساتھی ہیں۔ نہ یہ لوگ اس ریاست میں آتے اور نہ ہی یہاں کا سکون برباد ہوتا۔ اب یہ لوگ رہی سہی کسر بھی پوری کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کھلے عام ہمارے آدرشوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور لوگوں کو دھرم کے خلاف اکسانے کا آغاز ہو چکا ہے۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ اس بدبخت نے دعویٰ کیا ہے کہ اس پر کوئی جادو اثر نہیں کر سکتا اور جسے اپنی جادوگری پر زیادہ گھمنڈ ہے وہ اس پر اپنے حربے آزما کر دیکھ لے۔ اے ہے بھگوان! یہ کیسا اندھیر ہے۔ ہماری جھولی میں بیٹھ کر ہمارے منہ پر تھوکا جا رہا ہے۔ ہمارے ساحروں اور بدھی دانوں کو جھٹلایا جا رہا ہے اور یہ سب اس نیلمان کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ ورنہ تم جانتے ہو لازوال پرماتما کی ابرو کا اشارہ ان مورکھوں کو خاستر کر سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"

اشوکا خاموشی سے منوہر چند کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شراب کی سرخی تیرنے لگی تھی اور اس کے تاثرات سے انداہ ہوتا تھا کہ اسے منوہر چند کی ساری باتوں سے نہیں تو اکثر سے اتفاق ضرور ہے۔ منوہر چند نے اپنے جام سے ایک طویل گھونٹ بھرا اور بولا۔ "خیر یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔ تم بتاؤ کوئی عملی قدم اٹھایا ہے تم نے یا نہیں۔"

"ہاں جناب! اشوکا نے گہری سانس لی۔ "میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ناں اکہ اس کا ایک ساتھی اویس جو بڑا پریم پجاری دکھائی دیتا ہے لالہ نامی لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس لڑکی کو استعمال کیا جائے۔ وہ لڑکی صورت میں بڑی بھولی بھالی ہے اور وہ شخص اس پر فدا بھی ہے۔ مجھے پورا وشواس ہے کہ وہ اس کے چکر میں آ جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ بات تو طے شدہ ہے کہ مقدس نیلمان کے ہوتے ہوئے اشباح یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو کانٹا چبھنے کی تکلیف بھی نہیں دے سکتے۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے بڑی ہوشیاری سے اور بدھی سے کرنا ہے۔۔۔۔۔۔اور ایسے کاموں میں سندر ناری سے بڑھ کر ہتھیار اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ دیوتاؤں کی کرپا ہے کہ ان خشک مزاج مسلمانوں میں کم از کم ایک ایسا شخص موجود ہے جو ہمارے جال میں آ سکتا ہے۔ میں نے لالہ کو یہاں بلایا ہے میرے خیال میں وہ تھوڑی ہی دیر میں یہاں آتی ہو گی۔ آج اس سے کھل کر بات کر لیتے ہیں۔ میرے ذہن میں جو منصوبہ ہے اگر وہ کامیاب ہو گیا تو کسی بڑی دشواری کے بغیر نیلمان ہماری دسترس میں آ جائے گا۔۔۔۔۔۔۔"

منوہر چند کی آنکھوں میں چمک نظر آنے لگی۔ اس نے حقہ گڑگڑایا اور پگڑی اتار کر گھٹنے پر رکھ لی۔ نیم گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اب وہ بڑی دلجمعی سے اشوکا کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ کھڑکیوں کے باہر بوندا باندی

جاری تھی اور کافوری شمعیں بے صدا جل رہی تھیں۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور پھر ایک خادم تعظیم پیش کر کے اندر آ گیا۔ یہ ایک کالا بھجنگ لیکن نہایت طاقتور شخص تھا۔ اس کا چہرہ اتنا بھدا اور بدصورت تھا کہ دیکھ کر کراہیت آتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے چہرے کا زیادہ تر حصہ ایک نقاب میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

"مالک محل سے مہمان آ گئے ہیں۔ ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ عورت نے اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا ہے۔"

منوہر چند نے کہا۔ "وہ لالہ ہے محل میں کنیز تھی۔ تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔ چہرہ کھلوا کر دیکھ لو اور اندر لے آؤ۔"

بدصورت شخص اطاعت مندی سے سر جھکا کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر شخص ایک نہایت حسین لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ چادر میں لڑکی کا چہرہ چاند کا ٹکڑا نظر آ رہا تھا۔ اس نے کھنکتے ہوئی آواز میں تعظیم پیش کی اور مؤدب کھڑی ہو گئی۔ منوہر چند نے ان دونوں کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ اشوکا نے مرد سے پوچھا کہ اسے لڑکی کو لانے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی۔ اس نے نفی میں جواب دیا۔ لڑکی کچھ گھبرائی ہوئی اور پریشان تھی اس کی صورت سے معصومیت ٹپکتی پڑتی تھی مگر آنکھوں کی حرکات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اتنی معصوم بھی نہیں جتنی دکھائی دیتی ہے۔ منوہر چند نے کہا۔ "گھبرانے کی بات نہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ان برہمچاریوں میں سے کوئی ایک تو تم پریوں کی تیز نظر کا شکار ہوا۔ ہم تم سے ایک ضروری کام لینا چاہتے

ہیں۔ میں لمبی چوڑی بات کرنے کا عادی نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم اویس نامی اس شخص کو اپنے حسن کے شیشے میں اتارو اور اس حال تک لے آؤ کہ وہ تمہاری کسی فرمائش کو رد نہ کر سکے۔ دیوتاؤں نے تمہارے چہرے کو معصومیت دی ہے۔ اس معصومیت کی طاقت سے تم وہ کام کر سکتی ہو جو ہماری ساری فوج مل کر بھی نہیں کر سکتی اور نہ ہی ہم ایسا سوچ سکتے ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق اویس ایک ایسا شخص ہے جو اشباح بن سقیل گہرا دوست بھی ہے اور اس سے بے تکلف بھی۔ خاص لگاؤ کی وجہ سے اس کی کوئی بات رد نہیں کر سکتا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم آہستہ آہستہ اویس کے ذہن میں یہ بات ڈال دو کہ تمہارے دل میں نیلمان کو قریب سے دیکھنے کی شدید خواہش ہے۔ پھر کسی روز تمہیں اس سے ضد کرنا ہو گی کہ وہ تمہیں نیلمان کی جھلک دکھائے۔ اگر تمہاری خواہش پوری کرنے کے لیے اویس نیلمان لے آئے تو سمجھو تم نے ایک ایسا کارنامہ انجام دے دیا جو اس ریاست کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔"

لالہ کی آنکھوں میں بلی کی سی چمک پیدا ہوئی۔ یہ چمک اس کے معصوم چہرے سے ہرگز لگا نہیں کھاتی تھی۔ وہ ہوشیاری اور بے باکی سے بولی۔ "مالک! لگتا ہے کہ دیوتا ہم پر مہربان ہیں اور ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوں گے۔ وہ شخص بالکل سیدھا سادا ہے۔ میری ہر بات مان رہا ہے اور مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ اگر توڑی سی کوشش کی جائے تو وہ مجھے دکھانے کے لیے سردار سے نیلمان مانگ کر لا سکتا ہے۔"

منوہر چند نے کہا۔ "ویسے بھی لگتا ہے کہ وہ لوگ نیلمان کی صحیح قدر اور قیمت سے آگاہ نہیں اور یہ بات سراسر ہمارے حق میں جاتی ہے۔"

اشوکا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن منوہر چند کے تاثرات دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ منوہر چند کی نگاہیں کھڑکی پر تھیں۔ شاید اسے کچھ دکھائی دیا تھا۔ منوہر چند نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں کھڑکی کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے آہستگی سے کھٹکا ہٹایا اور بے انتہا پھرتی سے پٹ کھول کر کسی عورت کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔ عورت کی سسکاری کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

"باگڑ سنگھ!" منوہر چند نے اپنے کالے بھجنگ ذاتی محافظ کو پکارا۔ اس نے دھماکے سے دروازہ کھولا اور لپکتا ہوا اندر آیا۔ "پکڑو اس بدذات کو دیکھو یہ کون ہے۔" منوہر چند نے پھنکار کر کہا۔ عورت کے بال بدستور اس کی مٹھی میں تھے۔ وہ ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ باگڑ سنگھ نے کھڑکی میں جھک کر عورت کو تھاما اور ایک ہی جھٹکے میں کمرے کے اندر لا پھینکا۔ ایک سریلی چیخ فضا میں گونج کر رہ گئی۔ یہ ایک لڑکی تھی جس کا سیاہ چست لباس کافی حد تک بھیگ چکا تھا۔ اس نے رخ پھیرا تو اس کے حسن کی چکاچوند سے جیسے شمعوں کی روشنی ماند پڑ گئی۔

"لاجونتی تو؟" منوہر چند نے حیرت سے کہا۔ باقی افراد کی آنکھوں میں بھی شناسائی کی چمک تھی۔ لڑکی اب گھٹنوں میں سر دے کر رو رہی تھی۔ لالہ کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریں نظر آئیں اور وہ اعتماد سے بولی

"آقا میں سمجھ گئی ہوں یہ محل سے میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچی ہے۔ بہت بدذات ہے یہ۔ سائے کی طرح میرے پیچھے لگی رہتی ہے۔ میں اس کی بہت عزت کیا کرتی تھی لیکن اس کے لچھن عزت کروانے والے نہیں۔ مجھے کہتے ہوئے شرم آرہی ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ۔۔۔۔۔۔یہ۔"

لالہ ہچکچا کر خاموش ہو گئی تو منوہر چند نے اسے دلاسہ دیا اور پوری بات بتانے کو کہا۔ لالہ نے چہرہ گلابی کر کے کہا، "یہ عشق کرنے لگی ہے نئے سردار سے۔ ہر وقت اس کے لیے آہیں بھرتی ہے۔ بھگوان جانے اسے کیا ہوا ہے کہتی ہے کہ اس جیسا نیک اور رحم دل شخص میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بات اتنی سی ہے کہ جب نیا سردار محل میں پہلی شب گزارنے کے لیے خوابگاہ میں آیا تو یہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ اس کی سیوا کے لیے موجود تھی۔ اس نے کہا مجھے کسی عورت کی ضرورت نہیں اور سب لڑکیوں کو باہر نکال دیا۔ بس اس کی یہی ادا اس مورکھ کو بھا گئی۔ اب خیالوں گم رہتی ہے اور سوتے میں سردار، سردار پکارتی ہے۔ اسے میری طرف سے بھی نہ جانے کیا کیا شک تھے ہر وقت اس فکر میں رہتی ہے کہ محل میں نئے سردار کے خلاف کوئی سازش پروان نہ چڑھ جائے۔ یقین سی بات ہے کہ اس نے مجھے محل سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ وہیں سے ہمارے پیچھے لگ گئی۔"

"اور اب کھڑکی میں کھڑی حقِ نمک ادا کر رہی تھی۔" منوہر چند نے زہرخند سے لالہ کی بات پوری کی۔

اشوکا نے کہا۔ "غالباً یہ سب کچھ سن چکی ہے۔ اب اس کا زندہ رہنا خطرناک ہے،"

منوہر چند نے لاجونتی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا خیال ہے؟ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے؟ تم ایک ایسی ناری ہو جو دشمن سردار سے پریم کرتی ہے اور دشمنوں سے پریم کرنے والی ناریاں ملکوں اور لشکروں کو لے ڈوبتی ہیں۔"

لالہ نے کہا۔" حضور! چھوٹا منہ اور بڑی بات میرا خیال ہے کہ اسے کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیئے۔اس نے ہم سب کی ناک کاٹ دی ہے۔اسے زندہ رہنے کا اب کوئی ادھیکار نہیں۔"

منوہر چند نے ایک بار پھر گرج کر لاجونتی سے پوچھا۔"بتاؤ کیا سلوک کیا جائے تمہارے ساتھ؟"

لاجونتی نے گھٹنوں سے اپنا اشک بار چہرہ اٹھایا۔ایک نگاہ غلط لالہ پر ڈال کر بولی۔"مہاراج! آپ مالک ہیں میرا جیون آپ کے ایک اشارے پر ختم ہو سکتا ہے اور مجھے اپنے دوش سے انکار بھی نہیں مگر۔۔۔۔۔۔۔۔اتنا ضرور کہوں گی۔مجھ نصیب جلی کو سزا دے کر کہیں آپ اپنے لیے کوئی مصیبت کھڑی نہ کر لیں۔مقدس نیلمان اس وقت اشباح کے پاس ہے اور اس کا سایہ ان تمام لوگوں پر ہے جو سردار کے ساتھی ہیں یا۔۔۔۔۔۔سردار سے ہمدردی رکھتے ہیں۔۔۔۔۔"

منوہر چند نے قہرناک نظروں سے لاجونتی کو گھورا۔مورکھ لڑکی! میں تیرا مطلب سمجھ رہا ہوں تو ہمیں یاد کرا رہی ہے کہ تو اشباح کی ساتھی ہے اور تجھ سے ہونے والی زیادتی دیوتاؤں کو ناراض کر دے گی ۔۔۔۔۔۔۔میں تیری بات کو درست نہیں سمجھتا۔۔۔۔۔پھر بھی میرے پاس بہت سے راستے ہیں۔ مقدس نیلمان اب زیادہ دیر ان پلیدوں کے پاس رہنے والا نہیں۔میں تجھے قید رکھوں گا تا کہ وقت آنے پر تجھے قرار واقعی سزا دی جا سکے۔"کمرے میں گہری خاموشی طاری تھی۔منوہر چند نے باگڑ سنگھ کو آواز دی۔وہ دندناتا ہوا اندر آیا۔منوہر چند نے کہا۔"لے جاؤ اس بدبخت کو اور بندی خانے میں ڈال دو۔اس کا حساب کتاب ہم بعد میں کریں گے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ریاست کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو چکا تھا۔جو تحریک قریباً بیس برس پہلے اشباح کے والد نے شروع کی تھی جو بعد میں پرماتما کے جبر کے سامنے دم توڑ گئی تھی۔ایک بار پھر انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی تھی۔ریاست کے مظلوم اور کچلے ہوئے عوام میں جذبوں کی تازہ لہر دوڑنے لگی تھی۔ذات پات کے بندھن ٹوٹ رہے تھے،لب آزاد ہو رہے تھے اور زنجیریں ٹوٹ رہی تھیں۔اشباح اور اس کے ساتھی کھل کر سامنے آ گئے تھے ۔انہوں نے اب کوئی بات چھپا نہیں رکھی تھی۔وہ کھلے عام اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ارون لال،مانک، سردار ہاشم اور دوسرے مقامی ساتھی اشباح کا پیغام ریاست کے دور دراز حصوں تک پہنچا رہے تھے۔مختلف بستیوں میں لوگ درپردہ اور ظاہراً مسلمان ہو رہے تھے۔کہیں کہیں جنگ کی تیاریاں بھی ہونے لگی تھیں ۔اشباح نے دن رات کام کر کے اپنے مرحوم والد کی ادھوری کتاب اپنے ہاتھ سے مکمل کی تھی اور اب اس کتاب کی سینکڑوں نقلیں تیار ہو کر دوارے کے طول و عرض میں پھیل چکی تھیں۔اشباح کی یہ سرگرمیاں پرماتما سے ڈھکی چھپی نہیں تھیں وہ اپنی جگہ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔اشاروں کنایوں میں اور علی الاعلان وہ اشباح کو بار بار تنبیہ کر رہا تھا۔اسے سمجھا رہا تھا کہ وہ اپنی حدود میں رہے لیکن جو لوگ سر ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے تھے انہیں حادثوں سے کون ڈرا سکتا تھا۔جنہوں نے کشتیاں جلا کر ساحلوں پر قدم رکھا تھا انہیں آگے بڑھنے سے کون روک سکتا تھا۔یہ سچائی کی پیش قدمی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔یہ نور کی یلغار تھی۔اس یلغار کے سامنے کس کو ٹھہرنا تھا اس لشکر کی مزاحمت کس نے کرنا تھی۔

اس روز کچھ وفود سے ملاقات کر کے اشباح محل میں پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔ فانوس روشن ہو رہے تھے اور شمع دانوں کو آگ دکھائی جا رہی تھی۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد اشباح نے بالاضانے میں جا کر سارگا کی خیر خیریت دریافت کی۔ وہ خود کو بتدریج بدل رہا تھا۔ مسلسل غراہٹوں میں کمی آگئی تھی اور اب وہ زنجیروں سے روز آزمائی بھی نہیں کرتا تھا۔ اس کے سر اور مونچھوں کے خودرو بال تراشے جا چکے تھے۔ اس کے زخموں کی حالت بھی پہلے سے بہتر تھی۔ سارگا سے مل کر اشباح زنان خانے کی طرف چل دیا۔ ہلابہ اور چندا سے ملاقات کئے تین چار دن گزر چکے تھے اور وہ ان کی خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا۔ تاہم زنان خانے میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ دنوں اس وقت نشست گاہ میں ہیں۔ وہاں قریب وجوار کی بہت سی عورتیں آئی ہوئی ہیں ۔ان عورتوں کی خواہش تھی کہ انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ یہ خواتین خاص طور پر ہلابہ کو سننا چاہتی تھیں۔ ہلابہ نے پچھلے دنوں مقامی خواتین میں خاص مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ یہ سب باتیں اشباح کو سرسوتی سے معلوم ہوئیں۔ وہ ایک سفید ساڑھی میں ملبوس اشباح کو دیوان خانے میں بیٹھی ملی تھی۔ وہ ہمیشہ اسی سفید لباس میں رہتی تھی۔ اس کا حلیہ دیکھ کر اشباح کو ہر بار آشا یاد آ جاتی تھی۔ آشا جو اب آسیہ کے نام سے اس کی بیوی تھی اور کہیں دور سیستان میں بیٹھی اس کی راہ تک رہی تھی۔ آسیہ کو بھی اس نے پہلے پہل ایسے ہی سفید لباس میں دیکھا تھا۔ یہ لباس یہاں بیواؤں کی نشانی سمجھا جاتا تھا اور اسے پہننے والی عورت کے چہرے پر عجیب ماتمی کیفیت چھائی رہتی تھی۔۔ آسیہ تو خیر بیوہ تھی لیکن سرسوتی تو کبھی ازدواجی رشتے میں بندھی ہی نہیں تھی۔ پھر بھی اس نے خود کو عمر قید کی سزا دے رکھی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔اور یہ سب کچھ اس نے ایک ایسے شخص کی خاطر کیا تھا جو اشباح کے لیے بھی بے حد محترم اور عزیز ترین تھا۔ یعنی اس کا

والد۔۔۔۔۔۔۔۔۔اشباح سوچنے لگا، کاش وہ اس عورت کے لیے کچھ کر سکے۔ اس کی بے لوث وفاؤں کا صلہ تو شاید کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا مگر کسی طرح اس کی اشک شوئی تو کی جا سکتی تھی۔ کسی نہ لوٹنے والے کی خاطر اپنی خوبصورت جوانی کو خیرباد کہنے والی اور بڑھاپے کو سینے سے لگانے والی یہ دہقان عورت کبھی کبھی اشباح کو بہت اچھی لگتی تھی۔ اس نے نیچے بیٹھ کر سرسوتی کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ سرسوتی نے اس کے سر کو چھو کر دعا دی اور محبت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اشباح نے کہا۔

"مادرِ محترم کل دورے کی شمالی حد پر "آبوق جا" کے عین سامنے ہم ایک عظیم الشان جلسہ کر رہے ہیں۔ اس جلسے میں ریاست کے مختلف حصے سے لوگ جوق در جوق شریک ہوں گے۔ یہ اجتماع تاریک جنگل کے حکمرانوں کو بتا دے گا کہ ہماری طاقت کیا ہے۔ اس اجتماع کے خوف سے پرماتما کے حواریوں میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ وہ اسے کھلی بغاوت قرار دے رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ اگر یہ اجتماع ہو گیا تو ریاست کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ مسلمانوں کا خوف ان کے ذہنوں پر آسیب کی طرح سوار ہو رہا ہے اور ہماری بہت بڑی کامیابی ہے۔"

سرسوتی نے ایک بار پھر اشباح کے بال چومے اور اسے ڈھیر ساری دعائیں دے کر رخصت کیا۔۔۔۔۔۔

زنان خانے سے اشباح واپس مردانے میں آیا۔ ایک راہداری سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹک گیا۔ اسے اویس کی گنگناہٹ سنائی دی۔ غالباً وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اشباح کو کچھ یاد آیا اور وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف مڑ گیا۔ کل اس نے اویس کو ہدایات کی تھی کہ وہ "آبوق جا" پر ہونے والے عظیم الشان جلسے کے لیے ایک زبردست انقلابی نظم لکھے اور اویس نے وعدہ کیا تھا کہ ضرور لکھے گا۔ اشباح کمرے میں پہنچا تو اویس مسہری پر نیم دراز

ہاتھ میں کاغذ تھامے گنگنا رہا تھا۔اشباح کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔اشباح نے بے تکلفی سے کہا۔"ہاں بھئی۔ نظم ہو گئی۔"

اویس نے مسکرا کر کہا۔"تمہاری والی تو نہیں ہوئی لیکن ایک دوسری ہو گئی ہے سنو گے تو پھڑک اٹھو گے۔"

اشباح نے برا سا منہ بنایا۔"لیکن میں نے تو تم سے کہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اویس نے کہا۔"وہ بھی ہو گی اور ایسی ہو گی کہ آگ لگ جائی گی سینوں میں۔ صبح اٹھ کر نہار منہ وہی لکوں گا پہلے یہ سن لو جواب ہوئی ہے۔"

اویس کے آخری فقرے میں التجا تھی۔اشباح نے ایک گہری سانس لی اور نشست پر ڈھیر ہو گیا۔چہرے سے ظاہر تھا کہ اویس کی رومانی شاعری سننے کو قید بامشقت کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتا۔اویس نے تمتمائے چہرے کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔

اے بحر ہند کی ہواؤ

آج سورج کس جانب سے نکلا تھا بتاؤ

اس جانِ زندگی نے مجھ سے کہا ہے

جب شب کا سیاہ ریشم زمین پر اڑ جائے گا

میں تیرے پاس آوں گی

تجھ سے ایک فرمائش کروں گی

آہ میں دیوانہ۔ہوش وحواس سے بیگانہ

اس گھڑی سوچ رہا ہوں

یہ کھوج رہا ہوں

اس گل ناز کی رضا کیا ہو گی

جو اس کے ہونٹوں سے نکلے گی، فرمائش کیا ہو گی

مجھے فلک سے کہکشاں لانی ہو گی

یا اپنی جان گنوانی ہو گی

یا اس ارض کو

اپنی آہوں سے خاک سیاہ کر کے دکھانا ہو گا

یا حشر سے پہلے حشر اٹھانا ہو گا

۔۔۔۔۔۔۔۔میں اس گھڑی سوچ رہا ہوں

نظم ختم ہوئی تو اویس تعریف طلب نظروں سے اشباح کو دیکھنے لگا۔اشباح نے کہا۔

"میں تمہارے مطلب کی شاعری بہت سن چکا ہوں کل میرے مطلب کی شاعری کر کے سناؤ تو تعریف بھی کروں گا اور مشکور بھی ہوں گا۔۔۔۔۔۔۔۔خدا حافظ۔۔۔۔۔۔۔۔وشب بخیر۔" وہ تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

"بات تو سنو۔" اویس نے اس کے پیچھے ہانک لگائی لیکن وہ جا چکا تھا۔ اویس کھسیانا سا ہو کر پھر نیم دراز ہو گیا اور نظم گنگنانے لگا۔۔۔۔۔۔۔۔قریباً یہی وقت تھا جب محل سے دو فرسخ دور منوہر چند کی رہائش گاہ میں ایک عجیب و غریب مکالمہ ہو رہا تھا۔ یہ مکالمہ ایک قیدی عورت اور ایک پہریدار کے ساتھ تھا۔ عورت لاجونتی تھی اور پہریدار خوفناک صورت باگڑ سنگھ۔ ان دونوں کے درمیان لوہے کی سلاخیں حائل تھیں۔ باگڑ سنگھ اپنی بھاری بھدی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"لاجو تو مان نہ مان لیکن آج فیصلے کی رات ہے۔ آج وہ بے وقف شاعر لالہ کے جال میں پھنس کر نئے سردار کو زبردست نقصان پہنچانا چاہئے گا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے لالہ یہاں پہنچی تھی اس نے سردار منوہر چند اور اشوکا سے باتیں کرتے ہوئے بتایا کہ لوہا گرم ہے اور اب آخری ضرب کی ضرورت ہے۔ آج رات وہ اپنے اس بے وقوف عاشق سے نیلمان دیکھنے کی فرمائش کرے گی اور سے سو فیصد یقین ہے کہ وہ یہ فرمائش ٹال نہیں سکے گا۔ وہ اس پر اندھا اعتماد کرنے لگا ہے۔ اس کی جان لالہ کے آنکھوں کے اشاروں میں اٹکی رہتی ہے۔"

لاجونتی روہانسی ہو رہی تھی اس کا حسین چہرہ زرد تھا۔ وہ بولی۔ اب۔۔۔۔۔۔۔۔اب تم کیا چاہتے ہو؟'

باگڑ سنگھ نقاب کی اوٹ سے بولا۔ "میں کچھ نہیں چاہتا لاجو۔ میں کچھ چاہ ہی نہیں سکتا۔ میں تو برسوں سے تمہارا پرستار ہوں۔ میں تو وہ کروں گا جو تم چاہو گی۔"

لاجونتی کے چہرے پر بیزاری چھا گئی۔ وہ باگڑ سنگھ کی بات کا مطلب سمجھ رہی تھی۔ ایک آزردہ سانس لے کر اس نے کہا۔ باگڑ، مجھے یہاں سے آزاد کر دو۔ میں رات بھیگنے سے پہلے پہلے محل پہنچ کر کسی طرح نئے سردار کو اس خطرے سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔ بھوان کے لیے باگڑ، میری مدد کو۔"

باگڑ نے عجیب نظروں سے لاجونتی کو دیکھا۔ پھر کچھ دور بندھے ہوئے خوفناک کتوں کے غول کو دیکھنے لگا۔ کھوئی ہوئی آواز میں بولا۔ "لاجو تو سب کچھ جانتی ہے اور میں بھی جانتا ہوں۔ تجھے آزاد کرنے کے بعد میں زندہ نہیں رہوں گا۔ غداری کی سزا میں مالک مجھے اس سامنے والے درخت کے ساتھ الٹا لٹکا دے گا اور مجھ پر یہ خونی جانور چھوڑ دیئے جائیں گے۔ تو بھی جانتی ہے کہ اس سزا سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں اور یہ اتنا ہی یقینی ہے جتنا یہ کہ کل سورج مشرقی ٹیلوں سے برآمد ہو گا۔۔۔۔۔۔۔۔"

لاجونتی نے کہا۔ "تو کیا چاہتا ہے تو؟"

"اپنی زندگی کی قیمت!" باگڑ سنگھ نے عجیب سی آواز میں کہا۔ "اور۔۔۔۔۔۔۔۔میرے خیال میں یہ سودا تیرے لیے مہنگا ہے اور نہ میرے لیے۔ تو یہاں سے آزاد ہو کر اپنے محبوب کو اور اس کے ساتھیوں کو ایک سنگین خطرے سے بچا لے گی اور میں مرنے سے پہلے تیرے حسن سے اپنے صحرا جسم کو سیراب کر لوں گا۔"

لاجونتی نے خاردار جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی ہرنی کی طرح بے قراری سے دائیں بائیں دیکھا۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔اس کے اندر سے کوئی آواز پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔"لاجونتی تیری جیسی ہزاروں کنواریاں اس فرشتے پر اپنی جانیں نچھاور کرسکتی ہیں۔ہزاروں تنومند وان اس کے لیے اپنے سر کٹوا سکتے ہیں۔وہ ایک عظیم قوم کا فرد ہے۔تو اس کی خاطر اپنا آپ قربان کرکے امر ہو جائے گی۔تیری دوشیزگی اور زندگی چلی جائے گی لیکن تیر نام اس روشن انقلاب کی تاریخ میں سنہری حروف میں چمکتا رہے گا۔۔۔۔۔۔"لاجونتی کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔پھر یکدم جیسے اس کے دل کو قرار سا آگیا۔اس نے جلدی سے گھوم کر ایک خاص انداز سے دیکھ کر نگاہیں جھکالیں۔باگڑ سنگھ کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے۔اس نے جلدی سے گھوم کر ایک آہنی دروازہ بند کیا۔پھر جیب سے چابیاں نکال کر بندی خانے کا آہنی قفل کھولنے لگا۔چند ہی لمحوں میں وہ اندر تھا۔اس کی آنکھوں میں عجیب سی سرخی چھا رہی تھی۔لاجونتی سے ایک بالشت کے فاصلے پر کھڑا وہ اسے بغور دیکھتا رہا۔پھر اس نے لاجونتی کی ٹھوڑی میں ہاتھ دے کر اس کا چہرہ اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے اپنا نقاب نوچ پھینک دیا۔ان دونوں کے چہرے خوش شکلی اور بھیانک پن کا عجیب تضاد پیش کررہے تھے۔لاجونتی نے اپنی آنکھیں بند کیں اور خود کو بدصورت کی بانہوں میں گرادیا۔بندی خانے کے باہر کالے کتے بھونک بھونک کر خاموشی کا دامن پارہ پارہ کررہے تھے۔

وہ منوہر چند کی رہائش گاہ سے نکلی تو رات کا دوسرا پہر آدھا گزر چکا تھا۔اس کے بال منتشر تھے اور چہرہ تمتما رہا تھا اس نے اصطبل سے ایک برق رفتار گھوڑا حاصل کیا۔اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر طوفانی رفتار سے محل کی طرف روانہ ہوگئی۔جونہی وہ ایک چوراہے سے گزری دو سرخ پوش گھڑسوار اس کے پیچھے لگ گئے لیکن

اسے اب کسی کی پرواہ نہیں تھی۔اس کی بس ایک ہی خواہش تھی وہ کسی طرح محل کے بڑے دروازے تک پہنچ جائے۔آخر اسے محل کا بڑا دروازہ نظر آنے لگا۔۔کئی بڑی بڑی مشعلیں سامنے کے حصے کو روشن کررہی تھیں۔۔۔۔۔۔اچانک اسے اندازہ ہوا کہ محل کے ندر اور باہر عجیب طرح کی افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔

وہ ٹھٹک کر رک گئی۔محل کے باہر نظر آنے والی بھاگ دوڑ نے اس کے ذہن میں یکلخت خطرے کی سینکڑوں گھنٹیاں بجاڈالیں۔ایک ہی لمحے میں اس کے دماغ میں انگنت سوال گونجے۔تو کیا سازشی کامیاب ہوگئے؟ سردار اشباح کو نیلمان سے محروم کردیا گیا؟اس کی تمام بھاگ دوڑ بے کار گئی۔وہ اپنی آبرو کھو کر بھی، باگڑ سنگھ کی زندگی لے کر بھی،اپنے مقصد میں ناکام رہی؟اس کی قربانی بے فائدہ رہی؟

وہ ان سوالوں کے جواب ڈھونڈ رہی تھی کہ دور سے اسے چند گھڑسوار اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔اس کے دل نے پکار کر کہا کہ یہی لوگ اس افراتفری کے ذمے دار ہیں۔ان کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ محل سے فرار ہونے کی کوشش کررہے ہیں۔چاند کے چہرے پر کسی سیاہ ابر کا نقاب پڑ چکا تھا اور نشیب وفراز گہری تاریکی میں کھو گئے تھے۔لاجونتی ان گھڑسواروں کی صورتیں تو نہیں دیکھ سکی مگر انکے لباس چغلی کھا رہے تھے کہ وہ مسلمان نہیں اور غالباً انہیں منوہر چند کی رہائش گاہ سے بھیجا گیا ہے۔اس نے کچھ سوچا اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان گھڑسواروں کے سامنے آگئی۔اس کے پاس کوئی ہتھار نہیں تھا۔ہتھیار کے نام پر ایک چھری تک نہیں تھی، مگر اس کے پاس اندرنی جذبوں کی بے پناہ قوت تھی۔یہ منہ زور سرکش اور پرجوش جذبے اس کی رہنمائی کررہے تھے۔یہی جذبے تھے جنہوں نے اسے اتنی توانائی بخشی تھی کہ اس نے اپنی زندگی کا سب سے خوفناک فیصلہ کرلیا تھا۔اپنا آپ قربان کرکے اس نے موہر چند کی قید سے رہائی حاصل کرلی تھی اور اب اشباح

کے دشمنوں کے راستے کی دیوار بن گئی تھی۔گھڑسواروں کے راسے میں آنے سے اس کا صرف ایک مقصد تھا ،اور وہ یہ کہ چند لمحوں کے لیے ہی سہی وہ انہیں روکنے میں کامیاب رہے۔اس کا گھوڑا اگلے گھڑسوار کے گھوڑے سے ٹکرایا۔تصادم شدید تھا۔دونوں گھوڑے لڑکھڑائے اور ہنہناتے ہوئے زمین بوس ہو گئے۔ان کے گرنے سے ایک اور گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور دونوں گھوڑوں کے اوپر سے ہوتا ہوا سوار سمیت ایک درخت سے جا ٹکرایا۔۔لاجونتی نے زمین سے اٹھتے ہی نیچے گرے ہوئے سوار کو دبوچنا چاہا مگر اس نے لیٹے لیٹے ایک زوردار ٹانگ لاجونتی کے پیٹ میں ماردی۔وہ تیورا کر پانی کے ایک چھوٹے سے گھڑے میں جا گری۔ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور اس کے کندھے میں پیوست ہو گیا۔اپنی طرف سے اس کا کام تمام کرنے کے بعد گھڑسواروں نے دوبارہ گھوڑے سنبھالے اور آناً فاناً اپنے ساتھیوں کے پیچھے لپک گئے۔لاجونتی پانی کے گھڑے سے نکلی اور اپنے گھوڑے کی طرف بڑھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کا دوسرا پہر شروع ہوا تو اویس کمخواب کا بڑا شاندار چغہ پہنے بے قراری سے محل کی بالکونی میں ٹہل رہا تھا اس کے جسم پر عطر گلاب کے چھینٹے تھے اور بال بڑے نفاست سے سنورے ہوئے تھے۔وہ دھیرے دھیرے گنگنا رہا تھا۔یہ وہی نظم تھی جو اس نے آج صبح لکھی تھی۔

اس جان زندگی نے مجھ سے کہا ہے

جب شب کا سیاہ ریشم زمین پر اتر آئے گا

میں تیرے پاس آؤں گی

تجھ سے ایک فرمائش کروں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔دسویں گیارہویں رات کا چاند بلند و بالا درختوں کے اوپر مغرب کی طرف جھکا ہوا تھا۔لالہ نے آج اویس سے ملنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔گزرنے والی ہر گھڑی کے ساتھ اویس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔آخر اسے راہداری کی طرف سے پائل کی مدھم کھنک سنائی دی اس کا دل بے پناہ شدت سے دھڑکنے لگا۔پھر دروازہ کھلا اور اسے کمرے میں لالہ کی جھلک نظر آئی۔چوڑی دار پاجامے اور کام دار سنہری قمیض میں وہ بلا کی حسین نظر آتی تھی۔آج اس نے لمبے بالوں کو شانے پر کھلا چھوڑ رکھا تھا اور چہرے پر ہمیشہ سے زیادہ معصومیت تھی۔لالہ کی یہی معصومیت تھی جس نے اویس کو چند ہی روز میں بے حال کر کے رکھ دیا تھا۔اسے اشباح کی تمام نصیحتیں اور تمام وعظ بھول چکے تھے۔بس وہ عشق کر رہا تھا اور اس عشق میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

لالہ نے اس کے قریب پہنچ کر بڑی ادا سے نمستے کیا۔اویس نے آگے بڑھ کر بڑی بے قراری سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور لے کر مسہری پر آ بیٹھا۔

"اتنی دیر کیوں لگا دی لالہ۔۔۔۔۔۔۔کیا میری جان لینے کا ارادہ تھا۔"وہ عاجزی سے بولا۔

لالہ نے پلکیں جھپکائیں اور بڑے محبوبانہ انداز میں بولی"ہمیں ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں ہماری دوستی کو نظر نہ لگ جائے۔۔کہیں یہ رشتہ ٹوٹ نہ جائے۔"

"ایسا کیونکر ہو سکتا ہے لالہ!" اویس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ کیونکر ممکن ہے۔"

"یہ ممکن ہے اویس۔ اگر ہم آپ سے کوئی فرمائش کریں اور آپ وہ پوری نہ کر سکیں تو یہ کتنا بڑا المیہ ہو گا۔۔۔۔۔۔۔ لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم آپ سے کچھ نہیں مانگیں گے۔"

اویس نے تڑپ کر لالہ کا ہاتھ اپنے سینے سے لگا لیا۔ "ایسا مت کہیں لالہ۔ میرا دل خون ہو جائے گا۔ آپ کہیں ۔کیا کروں میں آپ کے لیے۔ اگر جان کی ضرورت ہو تو یہ لیجئے خنجر اور اتار دیجئے میرے سینے میں۔" اویس نے خاندانی عاشقوں کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنا گریبان کھول دیا۔

لالہ نے مصنوعی گھبراہٹ سے کہا۔ "یہ کیا کر رہے ہیں آپ، بھگوان کے لیے مجھے گناہگار نہ کریں۔"

اویس نے کہا۔ "تو پھر مجھے بتائیں آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

لالہ نے ٹالتے ہوئے کہا۔ "نہیں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ بس اب آپ چھوڑ دیں اس ذکر کو۔"

اویس اور زیادہ اصرار کرنے لگا۔ لالہ بڑی چالاکی سے اسے ٹال ٹال کر بے چین کرتی رہی۔۔۔۔ آخر جب اویس روہانسا ہو گیا تو بڑی ادا سے بولی۔

"اف بھگوان! آپ تو جان کو آ گئے ہیں۔ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ میرا دل نیلمان دیکھنے کو چاہتا تھا۔۔۔۔ خیر چھوڑیئے۔۔۔۔۔۔ جب کبھی اس کی عام نمائش ہو گی تو میں بھی دیکھ لوں گی۔۔۔۔۔ اب آپ کو میری قسم اس ذکر کو رہنے دیں۔"

اویس کی غیرتِ مردانگی ہوش میں آئی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "بس اتنی سی بات تھی لالہ۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ جانے کون سا پہاڑ توڑنا ہو گا مجھ کو۔ آپ۔۔۔۔۔۔ آپ جانتی نہیں ہیں لالہ میری محبت میں کتنی گہرائی ہے۔ کتنی سچائی اور پاکیزگی ہے۔ میں نے اب تک جتنی محبتیں کیں وہ سب رائیگاں تھیں۔ سب سراب تھا۔ محبت تو مجھے اب ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔" اس کی آنکھوں میں باقاعدہ آنسو آ گئے۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں ابھی لے کر آتا ہوں نیلمان۔"

لالہ نے اس کا دامن پکڑ لیا۔ "اویس بھگوان کے لیے رہنے دیں۔ سردار اشباح اسے بڑا سنبھال کر رکھتے ہیں ۔اگر انہوں نے انکار کر دیا تو پھر؟"

اویس نے اکڑ کر کہا۔ "اشباح ساری دنیا کو انکار کر سکتا ہے لیکن مجھے نہیں وہ دوست ہے میرا۔"

وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہ سیدھا اشباح کی خوابگاہ میں پہنچا۔ دربان نے اس کا راستہ روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ دستک دے کر اندر چلا گیا۔ اشباح قرآن مجید کی تلاوت کے بعد سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اویس نے اس سے نیلمان دیکھنے کی خواہش بیان کی۔ اشباح نے اپنے کمر بند میں سے نیلمان کھول کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ کچھ دیر بغور دیکھتا رہا، پھر بولا۔

"میں اسے ایک رات اپنے پاس رکھ سکتا ہوں؟"

اشباح نے پوچھا کیا کرو گے؟

اویس بولا۔" بالکونی میں بیٹھ کر اسے چاندنی میں دیکھوں گا۔ میرا خیال ہے کہ چاندنی میں یہ دیومالائی پتھر بڑا حسین نظر آئے گا۔ جی چاہتا ہے آج اس پتھر پر ایک یادگار نظم لکھ دوں۔"

اشباح نے کہا۔" اور وہ انقلابی نظم جو کل تم نے جلسے میں پڑھنی ہے؟"

"وہ صبح نہار منہ لکھوں گا۔ عرب کے تمام شاعر یہی بات کہہ گئے ہیں کہ پر جوش اور انقلابی شاعری کے لیے پیٹ کا خالی ہونا ضروری ہے۔ مثلاً مشہور کوفی شاعر۔۔۔۔۔۔۔"

"بس بس" اشباح نے مسکرا کر اس کی بات کاٹی۔" پتھر لے جانا چاہتے ہو تو لے جاؤ۔ مگر ذرا احتیاط سے بہت سے لوگ اسے حاصل کرنے کی تگ ودو میں ہیں۔ ہمارے لیے یہ غیر اہم ہو سکتا ہے مگر ہمارے دشمنوں کے لیے بے حد اہم ہے۔"

اویس نے کہا۔" تم بے فکر رہو۔ تمہاری طرح میں بھی اسے کمربند میں باندھ لوں گا۔"

وہ مسکراتا ہوا خوابگاہ سے نکل آیا اور سیدھا اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ لالہ اس کے ہاتھ میں نیلمان دیکھتے ہی کھل اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں اویس کے لیے محبت کا سمندر موجیں مارنے لگا۔ اویس نے آگے بڑھ کر کہا۔

"یہ لیجئے۔۔۔۔۔۔ بس اتنی بات تھی؟"

لالہ نے نیمان اویس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس کی نیلگوں شعاعیں کمرے کی راشنی میں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ جونہی اویس نے فانوس بجھایا پورا کمرا نیلگوں روشنی سے بھر سا گیا۔ اس وقت اویس کی نگاہ لالہ کے چہرے پر

پڑی۔ وہ دم بخود رہ گیا۔ اچانک ہی لالہ کا چہرہ اجنبی نظر آنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں معصومیت کی جگہ عجیب بے گانگی اور وحشت نظر آ رہی تھی۔

"کیا بات ہے لالہ؟" اویس نے گھبرا کر پوچھا۔

"خبردار میرے پاس نہ آنا" وہ غرائی۔" جلا کر بھسم کر دوں گی۔"

اویس پر جیسے بجلی سی گر پڑی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا ہوا ہے۔ یکایک لالہ نے دروزے کی طرف دوڑ لگائی۔ وہ نصف راہداری طے کر چکی تھی جب اویس کو ہوش آیا۔ اس کے ذہن نے پکار کر کہا۔" کوئی دھوکا ہو گیا ہے۔" وہ بھاگ کر دروازے پر آیا اور چیخا۔" پکڑو پکڑو۔۔۔۔۔۔۔۔"

خدام کے بھاگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں آئیں۔ اویس خود بھاگتا ہوا بالکونی میں پہنچا۔ اس نے نیچے صحن میں جھانکا چمکدار اوڑھنی والی لالہ محل کے بیرونی دروازے سے باہر نکلی تھی۔ جونہی وہ باہر نکلی اس نے بلند آواز میں کسی کو پکارا۔ دائیں جانب کی تاریکی سے گھڑ سواروں کی ٹولی گھوڑے بھگاتی نمودار ہوئی۔ ایک گھڑ سوار نے بھاگتے گھوڑے سے جھک کر لالہ کو اٹھایا اور اپنے آگے سوار کر لیا۔ ذرا ہی دیر میں گھوڑے رات کی روش میں روپوش ہو گئے۔

اویس کو کچھ اور تو نہیں سوجھا اس نے گھبراہٹ میں بالکونی سے چھلانگ لگا دی۔ بالکونی زیادہ اونچی نہیں تھی ۔ وہ پاؤں کے بل فرش پر آیا اور پوری رفتار سے بیرونی دروازے کی طرف بھاگا۔ محل کے محافظ پریشان نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اویس چلاتا ہوا محل سے باہر نکلا

اور ایک مسلمان محافظ سے گھوڑے کی لگام چھین کر سوار ہو گیا۔اس نے ایڑ لگائی اور گھڑ سواروں کے پیچھے لپکا۔کوئی ایک فرلانگ طے کرنے کے بعد اسے ایک ہیولا نظر آیا۔یہ ایک لڑکی تھی۔یہی وقت تھا جب ہوا کے کسی جھونکے نے چاند کے چہرے سے بادل کا نقاب نوچ پھینکا۔قریب وجوار پھر روشن ہو گئے۔اویس نے لڑکی کو پہچان لیا۔اس کا نام لاجونتی تھا۔وہ محل کی خادمہ تھی اور چند روز پہلے پراسرار طور پر غائب ہو گئی تھی۔لاجونتی نے اویس کو پہچان کر دائیں جانب گلی کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔

"مالک۔۔۔۔۔۔۔وہ لوگ اس گلی کی طرف گئے ہیں۔"

اس کے لہجے سے اویس کو خیر خواہی کی بو آرہی تھی۔اس نے اپنے گھوڑے کا رخ اس تنگ گلی کی طرف موڑ دیا۔اس دوران لاجونتی بھی اپنا گھوڑا سنبھال چکی تھی۔دونوں آگے پیچھے اس تنگ گلی میں داخل ہوئے اور سرپٹ گھوڑے بھگاتے چلے گئے۔آخر وہ ایک سہ راہے پر پہنچے۔یہاں پہنچ کر انہیں کچھ سمجھ نہیں آئی کہ کس راستہ پر جائیں۔اتنے میں دس پندرہ اور گھڑ سوار بھی ان کے ساتھ آن ملے۔ان میں اشباح بھی شامل تھا۔اس نے اویس سے پوچھا۔

"کیا ہوا اویس؟"

اویس کی آواز اس کے گلے میں پھنسی جا رہی تھی۔اس نے بدوقت تمام اتنا کہا۔"اشباح۔۔۔۔۔۔نیلمان۔"

چند لمحے اس سہ راہے پر گھمبیر خاموشی طاری رہی۔اس خاموشی میں ان گنت اندیشے چنگھاڑ رہے تھے۔پھر اشباح نے تمام سواروں کو تین ٹولیوں میں تقسیم کیا اور تین مختلف راستوں پر دوڑا دیا۔۔۔۔۔۔۔کافی دیر

تک وہ ان گلیوں میں پراسرار گھوڑوں کو تلاش کرتے رہے مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔آخر سارے سوار اسی سہ راہے پر جمع ہوئے۔ہر سوار کے چہرے پر لکھا تھا کہ ہم نیلمان کھو چکے ہیں اور آنے والی گھڑیاں اس ریاست کے طول و عرض میں حالات کو ایک نئے رخ پر ڈالنے والی ہیں۔یہ واقعہ ان گنت ہنگاموں کا پیش خیمہ بننے والا تھا لیکن سوچنے کی بات یہ تھی کہ نیلمان چرانے والے کون لوگ ہیں۔

اشباح نے ارد گرد نگاہ دوڑائی اویس کہیں نظر نہیں آیا۔کیچڑ میں لت پت وہ لڑکی بھی دکھائی نہیں دی جو اویس کے ساتھ نظر آئی تھی۔ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اشباح سے کہا۔

"سردار محترم؛میں آپ کو ایک پیغام دینا چاہتا ہوں۔"

اشباح اس سپاہی کے ساتھ ایک تاریک کونے میں چلا گیا۔سپاہی نے کہا۔"جناب ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک لڑکی یہاں نظر آئی تھی اس کا نام لاجونتی ہے۔اس نے کہا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔نیلمان اس وقت منوہر چند اور اشوکا کے پاس پہنچ چکا ہے اور ان قریب پر ماتما کے ہاتھوں میں ہو گا۔اب ہم سب کے لیے بہتر یہی ہے کہ کسی طرح اس ریاست سے نکل جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔دوسری صورت میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہو جائے۔"

اشباح نے پوچا۔"وہ لڑکی ہے کدھر؟"

سپاہی نے کہا۔"وہ واپس چلی گئی ہے۔میں پوچھتا رہا لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا کہ کہاں جا رہی ہے۔"

جب اس سہ راہے پر اشباح اور سپاہی میں یہ باتیں ہو رہی تھیں لاجونتی گھوڑے پر سوار واپس منوہر چند کی رہائش گاہ میں پہنچ چکی تھی۔اس کے کندھے پر لگنے والا تیر ترچھا ہو کر اس کے سینے میں داخل ہو چکا تھا۔اس کا پورا لباس خون میں تر بتر تھا اور ہر سانس کے ساتھ جیسے کوئی تیز نوکیلی شے اس کے پھیپھڑے میں چبھ جاتی تھی۔وہ جانتی تھی اس کا آخری وقت آچکا ہے لیکن مرنے سے پہلے وہ باگڑ سنگھ کی جان بچانے کی ایک کوشش کرنا چاہتی تھی۔اگر اس کا دم بندی خانے کے اندر نکلتا تو شاید باگڑ سنگھ غداری کے الزام سے بچ جاتا۔رہائش گاہ کے سامنے پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتری اور خود کو دیواروں کے سائے گھسیٹتی ہوئی عمارت کے وسیع صحن میں داخل ہو گئی۔اسے کتوں کی ہلکی ہلکی غراہٹیں اور بھونکنے کی صدا سنائی دی۔ایک جگہ دو پہریدار دیوار سے ٹیک لگائے اونگھ رہے تھے۔وہ دبے پاؤں ان کے پاس سے گزر کر بندی خانے کی طرف نکلی۔اسے مشعلوں کی روشنی میں ایک منظر نظر آیا وہ سر تا پا لرز گئی۔اس کے سینے میں کوئی شے دھماکے سے چکنا چور ہو گئی تھی ۔وہ سینہ تھام کر لڑکھڑائی اور ایک درخت کے تنے سے رگڑ کھاتی ہوئی شبنم آلود گھاس پر گری۔اس سے کوئی دس قدم کی دوری پر باگڑ سنگھ نیم کے ایک درخت سے الٹا لٹکا ہوا تھا۔کتے۔۔۔۔۔۔خونخوار کالے کتے اس کے چہرے اور سینے کی کھال ادھیڑ ادھیڑ کر کھا چکے تھے اور اب اس کی گردن کی بوٹیاں نوچنے میں مصروف تھے۔ایک قد آور کتا اپنے دونوں پنجے باگڑ سنگھ کے سینے پر رکھے اس کے پیٹ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کی غراہٹیں نہایت لرزہ خیز تھیں۔کتوں کے دور کھوالے ارد گرد ٹہل رہے تھے۔۔۔۔۔۔باگڑ سنگھ کا کہا سچ ثابت ہوا تھا۔لاجونتی کو آزاد کرنے کے جرم میں منوہر چند نے اسے کتوں کے حوالے کر دیا تھا۔لاجونتی کی آنکھوں میں اب اندھیرا چھانے لگا تھا۔نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی کی وہ اس کلمے کو یاد

کرنے کی کوشش کرنے لگی جو محل کے زنان خانے میں ہلابہ نے اسے پڑھایا تھا۔کوشش کے باوجود اسے وہ عربی کلمہ تو یاد نہیں آیا اس نے اپنی زبان میں زیر لب کہا۔

"اے بھگوان! میں سردار اشباح کے بھگوان پر ایمان لاتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔میں مسلمان ہوتی ہوں۔"

یہ آخری الفاظ تھے جو لاجونتی کی ہونٹوں سے ادا ہوئے۔پھر یہ ہونٹ۔۔۔۔یہ جوان اور خوبصورت ہونٹ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح محل چھوڑ چکا تھا اور اب اپنے خاص ساتھیوں کے ساتھ قریبی ٹیلوں میں موجود تھا۔ان ساتھیوں میں سردار ہاشم،مانک،یاسر،ارون لال اور دیگر لوگ موجود تھے۔ان کے علاوہ محل کی تمام خواتین بھی ان کے ساتھ ہی چلی آئی تھیں۔ہر چہرہ فکر اور سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔دفعتاً اویس دو مسلمان سپاہیوں کے ساتھ گردن جھکا کر چلتا اندر داخل ہوا۔اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ایک سپاہی نے ادب سے کہا۔

"محترم سردار! انہوں نے تاریک جنگل کے بیرونی نہر میں کود کر خودکشی کرنے کی کوشش کی ہے۔بڑی مشکل سے انہیں بچایا جا سکا ہے۔"

اشباح حیرت سے آنکھیں پھاڑے اویس کی طرف دیکھتا چلا گیا۔اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اویس جیسا ہنس مکھ اور بے فکر شخص کبھی خودکشی کی کوشش کرے گا۔ٹھیک ہے اس سے ایک بہت بڑا نقصان ہوا تھا، لیکن اشباح نے نزدیک اس نقصان کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔بلکہ حقیقت یہ تھی کہ نیلمان کے چلے

جانے سے اسے ایک طرح کا سکون ملا تھا۔ نیلمان اس کے ذہن پر بوجھ کی طرح تھا۔ آج اویس کے وسیلے سے یہ بوجھ اتر گیا تھا۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں اویس!" اشباح نے سخت لہجے میں پوچھا۔

اویس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ "میں زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوں اشباح۔ نہ ہی میں اس قابل ہوں کہ تمہارے جیسے شخص کی دوستی کا دم بھر سکوں۔ میں تمہاری پیشانی پر ایک بدنام داغ کے سوا کچھ نہیں۔ میں نے تمہیں بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ بہت بڑا نقصان۔"

اشباح نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم نے میرا یا کسی کا کوئی نقصان نہیں کیا۔ ہاں اب اب تم جو حرام موت مرنے کی کوشش کر رہے ہو یہ واقعی تمہیں قابل نفرت بناتی ہے۔ کیا تم اپنی زندگی کو اتنا ہی ارزاں سمجھ رہے ہو؟" اویس پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اشباح نے مزید کہا۔ "کان کھول کر سن لو۔۔۔۔۔۔ اور میرے دوسرے تمام ساتھی بھی سن لیں۔ وہ پتھر کھونے کا مجھے ذرہ برابر بھی قلق نہیں، اور نہ کسی دوسرے کو ہونی چاہیئے۔ اب ہماری یہ تحریک کسی نیلمان، کسی کنڈالی اور کسی طلسم کی مرہون منت نہیں۔ اب یہ تحریک ایک زندہ جذبہ ہے جو دھڑکن بن کر ہزاروں دلوں میں دھڑک رہا ہے۔ ہم اپنا مقصد حاصل کر چکے ہیں۔ ریاست کے حریت پسندوں میں وہ شعور جاگ چکا ہے جو آہنی ہاتھ بن کر عنقریب پر ماتما کو تخت سے نیچے کھینچ پھینکے گا۔۔۔۔۔ اب ضرورت صرف ایک بات کی ہے، ہمیں ہزارہا انسانوں کے اس تند و تیز ریلے کی رہنمائی کرنی ہے۔ اس ریلے کو اس کے ہدف تک پہنچانا ہے لیکن ایک بات یاد رہے یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اس کے

لیے ہمیں جانوں کی قربانیاں دینا ہوں گی اور ہر گام پر لہو کے چراغ جلا کر منزل کا آسان بنانا ہوگا۔۔۔۔ کیا تم سب اس جدوجہد کے لیے تیار ہو؟"

ایک ساتھ سب نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ "ہم تیرے ترکش کے تیر ہیں تو جس دشمن کے خلاف چاہیے ہمیں استعمال کر لے۔"

"ہاں ہم سب تیار ہیں۔" بہت سی آوازوں نے بیک وقت کہا۔

اشباح بولا۔ "تو پھر میرا یہ فیصلہ ہے کہ آج آبوق جا پر ہونے والا جلسہ ضرور ہوگا۔ ہم کسی رکاوٹ اور بندش کو خاطر میں نہیں لائیں گے اور آبوق جا پر ایسا زبردست اجتماع کریں گے کہ تاریک جنگل کے حکمران دہل کر رہ جائیں گے۔ آج ان غاضبوں کو پتہ چل جائے گا کہ خلقِ خدا کی رائے کیا ہوتی ہے اور اس میں کتنی قوت ہوتی ہے۔"

حاضرین نے جوش میں آکر اسلام، محمد بن قاسم اور اشباح کے حق میں زوردار نعرے لگائے۔

بوڑھے سردار ہاشم نے اٹھ کر سفید رنگ کا ایک بڑا سوتی کپڑا اپنے سر پر لپیٹا اور بولا۔ "میرے بیٹو اور بھائیو! سب سے پہلے میں اپنے سر پر کفن باندھتا ہوں اور عزم کرتا ہوں کہ آج آبوق جا پر ہمارا جلسہ ہوگا اور ہو کر رہے گا۔"

"ہاں جلسہ ہو کر رہے گا۔" بہت سے زبانوں نے بیک زبان عہد کیا۔

اسوقت قریب ہی کہیں گھوڑوں کی ٹاپیں گونجیں۔دو مقامی نوجوان تیزی سے قدم اٹھتے اشباح کے سامنے پہنچے۔ایک نوجوان نے کہا۔

"سردار! ہم آبوق جا کی طرف سے آئے ہیں۔آبوق جا کو جانے والے راستوں پر لوگوں کی ٹولیاں جارہی ہیں۔یہ سلسلہ صبح منہ اندھیرے سے جاری ہے۔اب تک آبوق جا کے گردنواح میں سینکڑوں افراد جمع ہو چکے ہیں لیکن پرماتما کے سرخ پوشوں نے آبوق جا کی سمت جانے والے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔ہر طرف ننگی تلواروں کا پہرہ ہے اور درختوں پر ماہر تیر انداز بیٹھے ہیں۔لوگ حیران ہیں کہ راتوں رات سرخ پوشوں کا رویہ کیوں بدل گیا ہے۔۔۔۔۔"

ابھی نوجوان کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ مسلح نوجوان جی ایک مختصر ٹولی موقع پر پہنچ گئی۔یہ لوگ تیز رفتار گھوڑوں پر آئے تھے۔ان کے سالار نے تعظیم پیش کرنے کے بعد کہا۔

"سردار! رکھوار کی طرف سے ایک بہت بڑا جلوس نعرہ زنی کرتا ہوا آبوق جا پر پہنچا ہے۔اس جلوس کی آمد پر لوگوں نے سرخ پوشوں کا گھیراؤ توڑ کر جلسہ گاہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔۔۔۔۔۔اس پر تصادم ہو گیا۔سرخ پوشوں نے کمین گاہوں سے بے دریغ تیر اندازی شروع کر دی۔اس تیر اندازی اور بھگدڑ مچنے سے کم از کم آٹھ افراد ہلاک اور پچاس کے قریب زخمی ہو گئے ہیں۔لوگوں میں بے پناہ غم و غصہ پایا جاتا ہے۔وہ جگہ جگہ سرخ پوشوں پر پتھراؤ کر رہے ہیں اور زبردست نعرہ بازی ہو رہی ہے۔آبوق جا کی شمالی جانب ایک برہمن مجمعے کے سامنے تقریر کر رہا تھا اور انہیں ڈرا رہا تھا کہ پرماتما کا عتاب ان سب کو جلا کر راکھ کر دے گا۔کچھ

مشتعل نوجوانوں نے اس برہمن کو پکڑ لیا اور چھرا مار کر ہلاک کر دیا۔اس واقعے کے بعد سرخ پوشوں نے ہلہ بول کر کئی افراد کو گرفتار کر لیا ہے۔ان گرفتاریوں سے بھی کافی کشیدگی پھیلی ہے لوگ نہتے ہیں لیکن حالات جوں کے توں رہے تو تھوڑی ہی دیر میں نوبت مسلح تصادم تک پہنچ جائے گی۔"

ایک دوسرے شخص نے اشباح سے مخاطب ہو کر کہا۔سردار محترم! لوگ آپ کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔ان میں سے اکثر کا یہ خیال ہے کہ آج آپ اس اجتماع میں کوئی نہایت اہم اعلان کریں گے۔"

اشباح نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔"دوستو! اب ہمیں مزید تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ہم جلسہ گاہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔رائے منوہر چند سے ہمارا وعدہ تھا کہ جلسے کے شرکاء کے پاس ہتھیار نہیں ہوں گے۔ہم اس وعدے کی پابندی کریں گے۔اور غیر مسلح حالت میں وہاں پہنچیں گے۔"

اشباح کے ساتھ ہی تمام حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے۔اشباح نے ہلابہ اور چندا کو ایک طرف بلایا۔انہیں خواتین کے بارے میں ضروری ہدایت دیں۔پھر ایک مختصر دستہ ان کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر وہ آبوق جا کی طرف روانہ ہو گئے۔

گھوڑے بھگاتے ہوئے وہ آبوق جا پہنچے تو وہاں صورتِ حال بہت کشیدہ ہو چکی تھی۔اشباح نے اپنے سامنے ہزروں انسانوں کا بیکراں ہجوم دیکھا۔وہ ریاست کے کونے کونے سے یہاں پہنچے تھے۔ان میں سے ہر ایک کے تمتماتے ہوئے چہرے پر ایک ہی بات لکھی تھی۔"ہم آزادی چاہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ہم جھوٹ فریب اور جبر کی حکمرانی سے رہائی چاہتے ہیں، ہم اپنے کانوں سے سننا چاہتے ہیں اور اپنے ہونٹوں سے بولنا

چاہتے ہیں۔ہم سوچنا چاہتے ہیں،ان ذہنوں سے جو قدرت نے ہمیں بخشے ہیں اور جو سوچ سکتے ہیں ۔"۔۔۔۔۔۔۔قریباً دو ہزار افراد کا ایک پر جوش ریلہ آبوق جا کی طرف بڑھ رہا تھا اور سر تا پا آہن میں ڈوبے ہوئے سینکڑوں سرخ پوش ان کے سامنے نیزے جمائے کھڑے تھے۔ان کی بڑی بڑی ڈھالیں تانبے اور لوہے کی تھیں ان کے سروں پر آہنی خود تھے اور ان کے نیزے چڑھتے سورج کی روشنی میں دمک رہے تھے۔ان کے عقب میں گھوڑے تھے۔یہ گھوڑے اور ان گھوڑوں کے سوار زرہ بکتروں میں محفوظ تھے۔ان کے ہاتھوں میں تیل سے چیڑے ہوئے لمبے لمبے چرمی کوڑے تھے۔ان کوڑوں کے گرد آہنی تاروں کے بل دے کر انہیں مزید کڑا کیا گیا تھا۔اشباح جانتا تھا اپنے سالار کے ایک اشارے پر یہ وحشی کوڑا زن ہجوم پر ٹوٹ پڑیں گے۔۔۔۔۔مگر اس وقت یہ کوڑا زن ہانپے ہوئے تھے۔انہیں دیکھ کر اشباح کو اندازہ ہوا کہ ان کے پہنچنے سے پہلے یہاں ایک معرکہ ہو چکا ہے۔غالباً کوڑا برداروں نے ہجوم کو منتشر کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہے تھے۔اب وہ عقب میں چلے گئے تھے اور ان کی جگہ مسلح سرخ پوشوں نے سنبھال لی تھی ۔مسلح سپاہیوں کے تیور بے حد خطرناک تھے،لگتا تھا وہ مظاہرین کو روکنے کے لیے ہر انتہا تک جانے کو تیار ہیں۔۔۔۔۔۔اور مظاہرین بڑھ رہے تھے۔موت کو اپنے سامنے مجسم دیکھ کر بھی بڑھ رہے تھے۔ان کے بازو ایک ساتھ حرکت میں آرہے تھے۔قدم ایک آہنگ کے ساتھ اٹھ رہے تھے اور شاید دلوں کی دھڑکنوں میں بھی ہی ربط پایا جاتا تھا۔یوں لگتا تھا یہ دو ڈھائی ہزار انسان نہیں،صرف ایک فرد ہے،جس کے ہزاروں سر اور ہزاروں بازو ہیں۔وہ کہنہ زمانے کے مظالم کا حساب لینے کے لیے نہایت جوش سے اپنے قاتلوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔

"رک جاؤ۔"منوہر چند نیزا بازوں سے آگے نکال کر چنگھاڑا۔"لازوال پرماتما کے غضب کو آواز مت دو ۔ورنہ سب خاک وخون میں لوٹ جاؤ گے،کوئی ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

اس کی للکار میں غضب کا تحکم تھا۔یوں لگا کوئی درندہ اپنی کچھار سے نکل کر دھاڑا ہے۔لوگ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے۔منوہر چند دو قدم اور آگے بڑھا۔"نادانو! تمہیں بہکایا جا رہا ہے۔تمہیں موت کی سازش میں الجھایا جا رہا ہے۔اپنا برا بھلا پہچانو۔۔۔۔۔۔اگر تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ مقدس نیلمان ابھی تک اشباح کے پاس موجود ہے تو یہ غلط فہمی دور کر لو۔مقدس نیلمان پرماتما کے پاس واپس پہنچ چکا ہے۔اب یہ بدبخت عربی چوہے شام سے پہلے پہلے پابہ زنجیر ہونے والے ہیں۔ان کے عبرتناک انجام میں شریک ہونا چاہتے ہو تو ضرور آگے بڑھو۔ورنہ خاموشی سے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

اشباح جست لگا کر گھوڑے سے اترا اور تیزی سے قدم بڑھا کر ہجوم کے سامنے آ کھڑا ہوا۔اس کا رخ منوہر چند کی طرف تھا۔للکار کر اس نے کہا۔

"منوہر چند! گھر جانے کا وقت ان لوگوں کا نہیں تمہارا ہے۔ان لوگوں کا وقت آگے بڑھنے کا ہے۔ان کے راستے سے ہٹ جاؤ،یاد رکھو ان کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔یہ لوگ آزادی کی روح ہیں،یہ لوگ نور کی یلغار ہیں۔نمرود سے لے کر فرعون تک اور شداد سے لے کر ابوجہل تک،جو بھی ان کے راستے میں آیا ہے ملیا میٹ ہوا ہے۔ہٹ جاؤ ان کے راستے سے۔۔۔۔۔۔"

اشباح کی آواز میں غضب کا رعب اور دبدبہ تھا۔ ابھی اس کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کی لوگ غیض و غضب سے بے قابو ہو گئے۔ سمندر کے شوریدہ سر، تند و تیز لہروں کی طرح وہ آگے بڑھے، یہاں تک کہ وہ اشباح کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ درختوں پر براجمان نے اپنے کمانیں سیدھی کیں، آہن پوش سپاہیوں نے نیزے تولے ۔اشباح اور اس کے ساتھیوں نے مظاہرین کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ وہ اپنی تحریک کے اس مرحلے میں مسلح تصادم ہر گز نہیں چاہتے تھے مگر اقتدار کے نشے میں سرشار پرماتما کے ہرکارے ان نہتے لوگوں کو اتنا مشتعل کر چکے تھے کہ تصادم ہو کر رہا۔ لوگ بھوکے عقابوں کی طرح سرخ پوشوں پر جھپٹے۔ وہ بھی غافل نہیں تھے۔ انہوں نے نیزوں کو حرکت دی اور تیروں کی جو دوسری باڑ آئی اس نے مظاہرین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مظاہرین کی صف میں شگاف دیکھا تو نیزا بردار گھڑ سوار لپک کر آگے آئے اور لوگوں کو بے دریغ نیزوں میں پرونے لگے۔ یہ مناظر اشباح اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں انگارے بھر رہے تھے۔

اشباح نے جھپٹ کر ایک گھڑ سوار کے نیزے کو گرفت میں لیا اور ایک ہی جھٹکے میں سوار کو زمین پر لا پھینکا۔ پھر وہ پیدل ہی نیزہ برداروں کی صفوں میں گھس گیا۔ غضب نے اس شاہین صفت کو سراپا موت بنا دیا۔ اس کے ہلاکت خیز نیزے نے پانچ سرخ پوشوں کی آہنی زرہیں توڑیں اور انہیں جان لیوا زخم دیے۔ مظاہرین منتشر ہو کر چاروں طرف پھیلے۔ ہر طرف زخمیوں کی آہ و پکار گونج رہی تھی۔ اشباح کو ایک خالی گھوڑا نظر آیا۔ وہ تیزی سے بھاگتا ہوا اس کے قریب سے گزر رہا تھا۔ اشباح جست کر کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔ جن بھاگتے ہوئے مظاہرین نے اشباح کو دیکھا وہ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ ہجوم بڑھنے لگا۔ دور دور ٹیلوں اور جھاڑیوں

میں بکھرے ہوئے لوگ یہ اجتماع دیکھ کر مقناطیس کی طرح کھچے کھچے آنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں ایک جمِ غفیر اس ٹیلے کے گرد جمع ہو چکا تھا۔ لوگ مشتعل تھے اور بے باکانہ پرماتما اور منوہر چند کے خلاف نعرہ زنی کر رہے تھے۔ تصادم میں ہلاک ہونے والوں کی لاشیں ہر شخص کو شعلہ جوالا بنا رہی تھیں۔ جہاں تک نظر جاتی انسانوں کے سر تھے اور ان کے مشتعل بازو تھے۔ کوئی دو فرلانگ کی دوری پر سرخ پوش آبوق جا کے اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ اب ان کی مدد کے لئے تاریک جنگل کے محافظ بھی پہنچ گئے تھے۔ ان کے ساتھ چند جنگی ہاتھی بھی تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ دیوہیکل ہاتھی مظاہرین کو خوفزدہ کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔

اشباح تقریر کرنے کے ارادے سے ایک پتھر پر چڑھا تو ہجوم کے اندر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اس کی آواز پہنچانے کے لئے رضاکار کھڑے ہو گئے۔ اس انتظام کے سبب اشباح کی آواز ہجوم کے آخری سرے تک پہنچنے لگی اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔

"اے قابل صد احترام بزرگو اور دوستو! آپ کے کندھوں پر مجھے شہیدوں کے کچھ جسم نظر آ رہے ہیں۔ یہ جسم آزادی کی راہ کے سنگِ میل ہیں اس راستے کے جو ہمیں آزادی کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔۔۔ خدا کی قسم، میری آنکھیں ابھی سے منزل کا دیدار کر رہی ہیں۔ اس ہجوم کا ہر چہرہ اس فتح کی نوید سنا رہا ہے۔ درست ہے کہ پرماتما کے ہرکاروں نے بہت سے لوگوں کو آبوق جا تک نہیں پہنچنے دیا لیکن ان کی اٹھائی ہوئی یہ دیواریں تا دیر ہمارے سامنے ٹھہرنے والی نہیں۔ آج جو لوگ آبوق جا کو بچانے کی فکر میں ہیں کل وہ تاریک جنگل میں سفید محل کو بچانے کی ناکام کوشش میں نظر آئیں گے ایسا ہو گا اور ضرور ہو گا۔

آپ کو اپنا آئندہ لائحہ عمل بتانے سے پہلے میں ایک ضروری اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اعلان اس لئے ضروری ہے کہ پرماتما کے سنگھاسن پر ہماری اگلی ضرب فیصلہ کن ہو گی اور یہ ضرب لگانے سے پہلے میں آپ کو پوری طرح سے باخبر کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس اہم موڑ پہ آپ کے لئے کوئی راز، راز رہے۔

میں جانتا ہوں آپ کے ذہنوں میں سینکڑوں جواب طلب سوال ہیں۔ان میں سے ایک سوال یہ ہے کہ بیس برس پہلے جس شخص کی زبان سے آپ نے پہلی بار اسلام کا نام سنا تھا اور جس نے پہلی دفعہ آپ کو پرماتما کی ناانصافی کے خلاف اکٹھا کیا تھا۔۔اور جو ایک روز آپ سے پھر ملنے کا عہد کر کے کہیں چلا گیا تھا۔۔اب کہاں ہے؟ اس نے اپنے عہد کو پورا کیوں نہیں کیا اور پرماتما کے خلاف صف آراء ہونے لئے واپس کیوں نہیں آیا؟ میرا مطلب عثمان بن سقیل سے ہے۔"

ہزاروں کے ہجوم پر یکلخت گہرا سناٹا چھا گیا۔اتنی بے پناہ خاموشی تھی کہ سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔عثمان بن سقیل وہ شخص تھا جس کا راستہ قریباً ایک چوتھائی صدی تک اس ریاست میں ہزاروں بے خواب آنکھوں نے دیکھا تھا،لاتعداد لوگ اسے دوبارہ دیکھنے کی حسرت دل میں لئے خاک میں پنہاں ہو گئے تھے۔آج اسی شخص کے بارے میں اشباح انہیں بتانے جا رہا تھا،وہ ہمہ تن متوجہ کیوں نہیں آتے؟ اشباح نے کہا۔

"میرے بزرگ دوستو! عثمان سقیل آپ سے جدا ہونے کے چند روز بعد ہی پرماتما کے سپاہیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے۔ان کی قبر اس وقر بحر ہند کے ساحل پر بھڑوچ کے نزدیک درختوں کے ایک جھنڈ

میں موجود ہے۔"مجمعے میں اضطراب کی سی لہر دوڑ گئی۔ہر چہرہ مایوسی اور کشمکش میں ڈوب گیا۔عثمان سقیل کے لوٹنے کی امید تو پہلے بھی انہیں زیادہ نہیں تھی مگر اب ہر آس ٹوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اشباح کے قریب سے ایک معمر شخص نے اٹھ کر پوچھا"اے سردار! آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

اشباح نے کہا۔"میرے پاس محترم عثمان سقیل کا خط موجود ہے جو لوگ ان کی تحریر پہچانتے ہیں وہ یہ میرے پاس آ کر یہ خط دیکھ سکتے ہیں۔"اشباح نے وصیت نامے کے چند اوراق ہاتھ میں پکڑ کر لہرائے۔تاہم کوئی شخص ان کا معائنہ کرنے کے لئے نہیں اٹھا۔غالباً انہیں اشباح کی بات پر اعتبار آنا شروع ہو گیا تھا۔ایک شخص نے اٹھ کر دست بستہ عرض کی۔

"سردار! محترم عثمان سقیل کا یہ خط کس کے لئے تھا"!

"ان کے بیٹے کے لئے۔"اشباح نے کہا۔

"کیا ان کا بیٹا حیات ہے؟"اس شخص نے لرزاں آواز میں پوچھا۔اس کے ساتھ ہی مجمعے میں کھسر پھسر ہونے لگی۔

"ہاں!"اشباح نے کہا۔لوگوں کے چہرے تمتما سے گئے۔"اور وہ اپنے باپ کا وعدہ ایفا کرتے ہوئے آپ کے شانہ بشانہ لڑنے لئے یہاں پہنچ گیا ہے۔۔۔"

"کہاں ہے وہ؟" کئی آوازیں ابھریں۔ ہزاروں کا ہجوم ایک دم اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ جو پہلے سے کھڑے تھے وہ پنجوں کے بل ابھر آئے۔

اشباح نے کہا۔ "وہ آپ کے سامنے ہے۔ میں اشباح بن سقیل ہوں، اور اپنے والد کی ہدایت پر آپ کی طرف آیا ہوں۔۔۔ مجھے امد ہے ہم سب مل کر اس ادھوری کہانی کو مکمل کریں گے اور بہت جلد یہ سرزمین ، پرماتما اور اس کے حواریوں کے وجود سے پاک ہو جائے گی۔" لوگ سناٹے میں رہ گئے۔ وہ پھٹی نگاہوں سے اشباح کی طرف دیکھتے چلے جا رہے تھے۔۔۔ اشباح نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "ہاں میں اشباح۔۔۔ عثمان بن سقیل کا بیٹا ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ حق اور باطل کی اس جنگ میں میرا جینا مرنا آپ کے ساتھ ہو گا۔ ہم حق کا علم اٹھا کر آگے بڑھیں گے اور انشاءاللہ فتح ہماری ہو گی۔"

یکایک مجمعے میں صفیں ٹوٹ گئیں۔ سب لوگ سمٹ سمٹ کر اشباح کے گرد جمع ہونے لگے۔ ہزاروں بے تاب نگاہیں اس کا طواف کرنے لگیں۔ حیرت اور مسرت کے سمندر میں غرقاب لوگ اس کے قریب تر پہنچنے کی کوشش کرنے لگے کہ جیسے وہ شمع تھی اور وہ پروانے تھے۔ جو اس کی دید کے دیوانے ہو رہے تھے۔۔۔ کتنی ہی دیر تک ہجوم قابو سے باہر رہا۔ تجسس، حیرت، خوشی، یقین، چند ہی لمحوں میں ان کے چہرے ان گنت کیفیتوں سے گزر گئے۔ یہ شور و ہنگامہ کچھ کم ہوا تو اشباح کی آوار ضاکاروں کی وساطت سے دور دور تک گونجی۔

"میرے بزرگو اور دوستو! میں آپ کے جوش و جذبے کی بے پناہ قدر کرتا ہوں۔۔۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ میری بات ذرا تحمل سے سنیں۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، اور ہمیں اس تھوڑی سی مہلت میں بہت بڑا کام کرنا ہے۔ میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ پرماتما اور اس کے حواری مکمل شکست سے بچنے کے لئے آپ پر اپنا ہر حربہ آزمائیں گے۔ آپ کو پرماتما کی کالی قوتوں سے ڈرانے کی کوشش کی جائے گی۔ تاریک جنگل کے ساحر آپ کو اپنی سحر کاریوں سے دھمکائیں گے۔ مختلف حریت پسندوں کے انجام کا ذکر کے آپ کو خوفزدہ کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں سے کہا جائے کہ جب اقتیلا جام جیسا ساحرِ اعظم، پرماتما کے عتاب سے نہیں بچ سکا تو تم سب کیا شے ہو۔ تمہیں حشرات الارض کے عذاب سے ڈرایا جائے گا۔ خونخوار مکھیوں اور آگ کے شعلوں سے ہلاک کرنے کے دعوے کیے جائیں گے۔ تمہیں کہا جائے گا کہ اگر تم اپنے ارادوں سے باز نہ آئے تو جانوروں کی شکل اختیار کر جاؤ گے یا اقتیلا جام کے شاگردوں کی طرح پاگل ہو کر موت کے منہ میں چلے جاؤ گے۔ تمہیں ہر طریقے سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔۔۔ ان تمام حربوں کے سامنے ثابت قدم رہنے ہی میں ہماری کامیابی ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کے آپ کے یقین کی قوت ہر جادو کو بے اثر اور ہر شعبدے کو ناکام کر دے گی۔ یقین کی قوت کا ایک معمولی کرشمہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ آبوق جا کا صدیوں پرانا طلسم ہمیشہ کے لئے ٹوٹ چکا ہے، وہ جگہ جہاں کوئی قدم رکھنے کا سوچ نہیں سکتا تھا۔ وہاں لوگ اجتماع کرنے کے لئے بے چین نظر آ رہے ہیں۔۔۔ اسی طرح ہر طلسم ٹوٹے گا، ہر اسرار کا پردہ چاک ہو جائے گا۔۔۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ آج سے ٹھیک پانچ روز بعد ہم سب پھر اکٹھے ہوں گے۔ اس روز ہماری مزل آبوق جا نہیں سفید محل ہو گی۔ وہ دن تاریک جنگل کے حکمرانوں کا یومِ حساب ہو

گا۔اس روز چریاست کے کونے کونے سے حریت پسندوں کے سربکف قافلے دوارے پہنچیں گے اور انسانوں کا ایک ایسا سیلاب سفید محل کی طرف پیش قدمی کرے گا جس کے سامنے ہر رکاوٹ تنکے کی طرح بہہ جائے گی۔۔۔"جلسہ گاہ فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔لوگوں کا جوش و خروش انتہا کو پہنچ گیا۔

رائے منوہر چند، پرماتما کی طلائی مورتی کے سامنے بے حس و حرکت کھڑا تھا۔اس کی آواز جذبات کی شدت سے کپکپا رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔وہ کہہ رہا تھا۔

"لازوال پرماتما! شاہی کیمیا گرنے اس کاغذ کی تحریر پڑھ لی ہے۔اس تحریر سے ایک بہت بڑا انکشاف ہوا ہے۔"

پرماتما کی ٹھہری ہوئی رعب دار آواز سنائی دی۔"منوہر چند! بات مختصر کرو۔"

منوہر چند نے کہا۔"پرماتما! عثمان بن سقل نے یہ تحریر اپنے بیٹے اشباح کے لئے لکھی تھی۔آپ کی آگیا سے میں پڑھ کر سناتا ہوں۔۔۔عثمان سقیل نے لکھا تھا۔۔۔"

"بیٹے اشباح! اگر تم نے یہ چوبی ڈبہ میری ہدایت کے مطابق کھولا ہے تو تم اس وقت ریاست کی حدود میں داخل ہو چکے ہو۔بیٹے! جیسا کہ میں وصیت نامے میں لکھا ہے، ہم نے پرماتما کے سرخ پوشوں سے بھاگ کر ایک رات ایک پرانے مندر میں پناہ لی تھی۔کچھ دیر بعد اس مندر پر سرخ پوشوں نے حملہ کر دیا۔اس حملے میں میں زخمی ہوا اور تمہاری ننھی بہن کو ایک سرخ پوش کے نیزے نے چھید دیا۔ننھی زلفہ تمہاری والدہ کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔اس کے بعد ہمیں جان بچانے کے لئے مندر سے بھاگنا پڑا۔اس وقت ہم سب کو یقین تھا

کہ زلفہ جانبر نہیں ہوئی ہو گی۔۔۔مگر نہ جانے کیوں راستے میں مجھے وہم ہونے لگا کہ زلفہ ہم سے جدا نہیں ہوئی، وہ ابھی زندہ ہے اس وہم کی وجہ وہ نیزہ تھا جو میں سرخ پوش سے چھین لیا تھا۔اس نیزے نے تمہاری بہن کے جسم پر زخم لگایا تھا۔دن کے وقت روشنی میں میں نے اس نیزے کو دیکھا تو یہ جان کر حیران رہ گیا کہ اس کا پھل لوہے کی بجائے پتھر کا ہے۔یہ پھل زلفہ کے جسم میں زیادہ دور تک بھی نہیں اترا تھا۔میں نے اپنے وہم کا ذکر تمہاری والدہ سے نہیں کیا۔وہ بیٹی کو رو دھو کر چپ ہو چکی ہیں اور میں انہیں ایک نئے عذاب میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ہم اس وقت مندر سے اتنی دور آ چکے ہیں اور ہماری واپسی میں اتنے خطرات پوشیدہ ہیں کہ ہم واپس جانے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔۔۔ہاں، کل ساری رات میں خواب میں تمہاری معصوم بہن کی چیخیں سنتا رہا ہوں۔وہ انجانے ہاتھوں میں ہمیں پکار رہی ہے۔ہمیں بلا رہی ہے۔۔۔ہو سکتا ہے یہ سب میرا وہم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں کچھ حقیقت ہو۔۔۔مجھے اس موقع پر بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ میری چھٹی حس نے مجھے بہت کم دھوکا دیا ہے۔

"میں چاہتا تھا کہ اس عجیب و غریب واقعے کا ذکر اپنی وصیت میں کروں۔میرا خیال ہے تم میرا مقصد سمجھ رہے ہو۔یہ سب کچھ پڑھ کر تمہارے دل میں فطری طور پہ یہ خواہش پیدا ہو سکتی تھی کہ اپنی بہن کی تلاش میں ہندوستان کا سفر کو لیکن اس صورت میں تمہیں وہ اجر و ثواب کبھی نہ ملتا جو انشاءاللہ اب ملے گا۔تم صرف اسلام کی سربلندی کے لئے گھر سے نکلے ہو اور تمہاری آمد میں تمہاری کسی ذاتی خواہش کو عمل دخل نہیں۔ہاں یہاں پہنچنے کے بعد اگر تم اپنی بہن کو تلاش کرتے ہو تو یہ دوسری بات ہے۔بہر حال میں اس کے لئے بھی تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔تم اپنے حالات کو مدِ نظر رکھ کر فیصلہ کر سکتے ہو۔۔۔میں اسلسلے میں

تمہاری زیادہ مدد بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے معلوم نہیں اگر وہ زندہ ہے تو کن ہاتھوں میں ہو گی اور اس کی آئندہ زندگی نے کیا رخ اختیار کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے کسی غلام گھرانے کے سپرد کر دیا جائے۔ یا پھر کسی نے اس کی معصومیت پہ ترس کھا کر اسے اپنے پاس رکھ لیا ہو۔ اگر تم مجھ سے اس کی کوئی نشانی چاہو تو میں اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ وہ بہت پیاری اور بڑی ہی معصوم ہے۔ جیسے کوئی فرشتہ آسمان سے راستہ بھٹک کر اتر آیا ہو۔۔۔ آہ اور کیا لکھوں۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔۔۔ میں تو یہ فیصلہ بھی نہیں کر پا رہا کہ اس کی زندگی کی دعا مانگوں یا اس کی موت کی۔۔۔"

منوہر چند نے کاغذ کی تحریر ختم کی تو پرماتما کی آواز کمرے میں گونجی۔ "ہمیں یہ تحریر سنا کر تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہو؟"

رائے منوہر چند نے ادب سے جھک کر کہا۔ "لازوال پرماتما! میں ایک نہایت نتیجے پر پہنچ چکا ہوں۔۔۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں بائیس برس پہلے جو لوگ عثمان سقیل کے تعاقب میں روانہ ہوئے تھے ان میں اس کی سابقہ منگیتر سرسوتی بھی تھی۔"

پرماتما کی آواز آئی۔ "ہاں! ہم جانتے ہیں۔"

وہ بولا۔ "سرسوتی اور اس کے خاندان کے چند دوسرے افراد اس مندر تک بھی پہنچے تھے جہاں عثمان سقیل اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے سرخ پوش محافظوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔۔۔ یہ لوگ اس جھڑپ کے بعد اس مندر میں پہنچے تھے۔۔۔"

پرماتما کی پُر حیرت صدا وسیع کمرے میں گونجی۔ "تمہارا خیال ہے کہ سرسوتی۔۔۔؟"

"بالکل میرے آقا۔" منوہر چند نے بڑی بے تابی سے کہا۔ "مجھے پورا وشواس ہے کہ وہ لڑکی اس وقت سرسوتی کے پاس ہے۔"

دوسری طرف چند لمحے گھمبیر خاموشی طاری رہی۔ تب گرجدار آواز نے در و دیوار کے لرزایا۔ "منوہر چند۔۔۔ کہیں یہ لڑکی وہ چندا تو نہیں جو چند ماہ پہلے دلہن منتخب ہو کر ہمارے محل میں داخل ہوئی تھی۔"

"پرماتما درست نتیجے پر پہنچے ہیں۔" منوہر چند نے جذبات سے لرزتی آواز میں کہا۔ "وہ لڑکی چندا ہی ہے۔۔۔ سرسوتی اس کی سگی ماں نہیں۔ اس نے اسے گود لے رکھا ہے۔۔۔ بہت سے لوگوں کی طرح آپ کے اس حقیر غلام کو بھی الجھن ہوئی کہ وہ سرسوتی کے پاس کہاں سے آئی۔ سرسوتی کا کہنا تھا کہ یہ لڑکی اسے صحرا میں بھٹکتے ہوئے ایک اونٹ کے کجاوے سے ملی وہ اسے بہت پیار کرتی تھی اور بہت چھپا کر رکھتی تھی۔ آج اتنے برسوں کے بعد جب یہ تحریر میری نظروں سے گزری تو روز روشن کی طرح سب عیاں ہو گیا۔ وہ لڑکی چندا نہیں بلکہ عثمان سقیل کی پتری زلفہ ہے۔ اس بڑھیا نے اسے اپنے منگیتر کی نشانی سمجھ کر اپنے کلیجے سے لگا رکھا ہے۔"

محل میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ ایک سنسنی سی در و دیوار میں دوڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ آخر پرماتما کے پُر غضب لہجے نے خاموشی کے اس بت کو چکنا چور کر دیا۔

"کہاں ہے وہ بدبخت بڑھیا اور۔۔۔ اس کی بیٹی۔"

منوہر چند نے کہا۔"پرماتما! وہ دونوں عورتیں اس وقت اشباح بن سقیل کی تحویل میں ہیں۔"

"کیا اشباح ان کی اصلیت جانتا ہے؟"

"میرا قیاس ہے کہ نہیں۔"

"کیا وہ لڑکی کسی طرح دوبارہ ہمارے محل میں پہنچ سکتی ہے؟"

منوہر چند نے اپنی اندرونی مسرت چھپاتے ہوئے کہا۔"کیوں نہیں پرماتما۔۔۔وہ مورکھ اب پوری طرح میرے قابو میں ہے۔اقتیلا جام کے شاگرد اشوکا نے ہمیں بہت فائدہ پہنچایا ہے۔اسے ابھی تک اشباح کا وشواس حاصل ہے اور وہ ہمیں گراں قدر معلومات پہنچا رہا ہے۔اس کی اطلاع کے مطابق اس وقت اشباح اور اس کے قریبی ساتھی اس وقت آبوق جا سے کوئی پانچ میل جنوب کی طرف ٹیلوں میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ ان کی حفاظت پر صرف چار پانچ سو رضاکار ہیں۔۔۔میں تو صرف آپ کی آگیا کا انتظار کر رہا ہوں۔آپ کے حکم کی دیر ہے کہ میں انہیں گھیر کر تہہ تیغ کر دوں گا۔وہ مورکھ لڑکی تو کیا اشباح سمیت اس کے تمام ساتھی آپ کے اشارے پر سفید محل میں حاضر ہو سکتے ہیں۔۔۔"

پرماتما کی پُرسوچ آواز سنائی دی۔"نہیں۔۔۔ہمیں اشباح اور اس کے ساتھیوں کو کچھ نہیں کہنا۔صرف وہ لڑکی درکار ہے اور وہ بھی نہایت خاموشی سے۔ہم اس وقت کوئی ہنگامہ نہیں چاہتے۔"

منوہر چند نے عاجزی سے دوہرا ہو کر کہا۔"وہی ہو گا جو میرے آقا کا حکم ہے۔"

پرماتما نے کہا۔"منوہر! تم خود بھی سمجھدار ہو۔اس معاملے کو آسان مت سمجھو۔درست ہے کہ اشباح کو نیلمان سے محروم کر کے تمہارا پلڑا بھاری ہو گیا ہے، مگر یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ ریاست کے لوگوں میں سرکشی کی جو لہر اس وقت پائی جاتی ہے پہلے کبھی محسوس کرنے میں نہیں آئی۔تمہیں ہر قدم پھونک کر رکھنا ہو گا۔ورنہ دھماکہ خیز حالات تمہیں بھک سے اڑا دیں گے۔۔۔"

منوہر چند نے کہا۔"بندہ آپ کے ہر حکم کا تابع ہے۔"

پرماتما کی پُرسوچ آواز ابھری۔"ہمارا خیال ہے کہ تم۔۔۔اشباح کو چھیڑنے کی کوشش نہ کرو۔ہم اس معاملے کو خود دیکھ لیں گے۔تم اپنی پوری توجہ مشکوک افراد کی چھان بین پر لگا دو۔تمہاری کوشش ہونی چاہیے کہ چار روز کے اندر اندر ہر وہ شخص ہو جائے جو خود کو اپنی بستی، اپنے علاقے یا اپنے گروہ کا رہنما تصور کرتا ہے اور اس کی ہمدردیاں باغی گروہ کے ساتھ ہیں۔مختلف علاقوں میں شب و روز منادی ہونی چاہیے کہ چار روز بعد ہونے والا اجتماع ریاست کے خلاف کھلی بغاوت ہے اور اس کی عبرتناک سزا موت ہے۔۔۔"

رائے منوہر چند مختلف ہدایات لینے کے بعد طلائی مورتی والے کمرے سے باہر آ گیا۔اس کی پیشانی عرق آلود تھی۔کھلی ہوا میں گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے پسینہ پونچھا اور سوچنے لگا۔لازوال پرماتما اپنی طلسمی طاقتوں کو حرکت میں کیوں نہیں لا رہا۔آخر اسے کس بات کا انتظار ہے۔ریاست کے طول و عرض میں جو کچھ ہو رہا تھا اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔اگر حالات کا رخ یہی رہتا تو شاید چند روز میں سب کچھ ختم ہو جاتا۔اس

تصور سے وہ کانپ کر رہ گیا۔ باہر چوراہے میں آکر وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے ذاتی محافظوں کے سوا ہر شخص کی آنکھ میں اس کے لئے دشمنی ہے۔

اشباح اور اس کے ساتھیوں نے انہی ٹیلوں میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا جہاں کچھ ہفتے پہلے اشباح ایک غار میں مقید ہو گیا تھا۔ پھر ایک طوفانی رات میں ہلابہ نے اس کی زندگی بچالی تھی۔ وہ مصیبت اور مایوسی کا دور تھا لیکن آج حالات بدل چکے تھے۔ ہلابہ اور اشباح تنہا نہیں تھے۔ ان کے ساتھ حوصلوں اور ولولوں کا ایک سیلاب تھا۔ ایک لشکر تھا جو ہر فصیل کو مسمار کر دینے کا عزم رکھتا تھا۔ وہ ویران غار جہاں اشباح نے کئی ہفتوں تک بھوک پیاس اور موت کے ساتھ جنگ لڑی تھی اور جس کی تنہائی اپنی مثال آپ تھی، آج آوازوں اور بے قرار قدموں کی چاپ سے گونج رہا تھا۔ دستے کی تمام خواتین کو غار کے اندر جگہ دی گئی تھی جبکہ مرد کھلی فضا میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ مسلح رضاکاروں نے اس جگہ کو چاروں جانب سے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ شام کا وقت پتھریلی زمین پر نمازِ مغرب باجماعت ادا کرنے کے بعد اشباح نے غار کا رخ کیا۔ غار کے دروازے پر ہی اس کی ملاقات سرسوتی سے ہو گئی۔ اشباح کو دیکھ کر وہ تڑپ کر اس کے پاس پہنچی اور اسے سینے سے لگا کر بے تحاشہ چومنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔

ہلابہ اشباح سے مخاطب ہو کر بولی۔ "یہ صبح سے اسی طرح کھڑی آپ کا انتظار کر رہی تھیں۔ ایک پل کے لئے بھی یہاں سے ہلی نہیں۔"

دراصل جلسہ عام میں اپنی ولدیت اور شناخت کا اعلان کرنے کے بعد اشباح پہلی بار سرسوتی سے مل رہا تھا۔ سرسوتی یہ جان کر کہ اشباح درحقیقت عثمان سقیل کا بیٹا ہے، بے حد جذباتی ہو رہی تھی اور اس کی یہ کیفیت سمجھ میں آتی تھی۔ وہ اپنے محبوب کے جواں سال بیٹے کو اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اشباح کے روپ میں اسے اپنی گمشدہ یادوں کا خزانہ مل گیا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی، چوم رہی تھی اور چپکے چپکے روتی بھی جا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اس گھڑی اشباح کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ اس کا دل چاہا اس بڑھیا کو یونہی سینے سے لگائے رہے اور اس کے گرم آنسو اپنے سینے میں جذب کرتا رہے۔

"تم عثمان کے بیٹے ہو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ سسک کر بولی۔

"ماں جی کوئی سوال نہ کریں۔ کیا یہ کافی نہیں کہ میں آپ کو ماں کہتا تھا اور آپ مجھے بیٹا سمجھتی تھیں۔"

اس وقت چندا بھی ان کے پاس آن کھڑی ہوئی۔ موٹی اوڑھنی کے نیچے اس کے کھلے کھلے بال بڑے خوبصورت لگ رہے تھے۔ چہرے پر ہمیشہ کی طرح ایک پاکیزہ معصومیت پھوار کی طرح برس رہی تھی۔ سرسوتی نے جذباتی انداز میں چندا کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"جانتا ہے یہ کون ہے۔ جانتا ہے تُو؟" اشباح نے نفی میں سر ہلا دیا۔ سرسوتی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ "اچھا۔۔۔ تجھے پھر بتاؤں گی، یہ بہت بڑی خبر ہے۔ اس طرح سنانے والی نہیں چل آ اندر مشعل کی روشنی میں۔۔۔ میں تجھے اچھی طرح دیکھنا چاہتی ہوں۔"

سر سوتی، اشباح اور ہلابہ کو لیکر اندر چلی گئی تو چندا نے اوڑھنی کی اوٹ سے دائیں جانب دیکھا۔ دور مانک ایک پتھر پر بیٹھا بڑی بے قراری سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کئی دنوں سے وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتا تھا لیکن چندا کترا کر نکل جاتی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے برویے سے مانک کا دل خون ہو رہا ہے لیکن کیا کرتی وہ اپنی فطرت سے مجبور تھی۔ وہ اپنی شرم وحیا سے نگاہیں چرا کر کبھی مانک سے نگاہیں نہیں ملا سکتی تھی اور شاید آئندہ بھی نہیں ملا سکتی تھی۔ پرماتما کے محل میں جانے سے پہلے اس کی سسکیاں کہا کرتی تھیں کہ وہ بڑی بیوقوف ہے۔ ریاست کا سب سے خوشحال نوجوان اس کے قدموں میں جان نچھاور کرتا ہے اور وہ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتی۔ ایک روز اسے اپنی قدر ناشناسی پر پچھتانا پڑے گا۔ وہ کسی اور کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو جائے گا اور وہ دیکھتی رہ جائے گی۔۔۔ چندا کو ان باتوں کی کچھ پرواہ نہیں تھی۔ وہ سوچتی تھی اگر کل ایسا ہونا ہے تو آج ہو جائے لیکن کچھ نہیں ہوا تھا۔ چندا کی مسلسل اور طویل بے رخی کے باوجود جاگیر دار مانک کی محبت اور وارفتگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔۔۔ اور پھر ایک ایسا وقت آیا تھا جب چندا کے دل میں بھی ایک چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی تھی۔ اس کھڑکی سے اسے کبھی کبھی ایسی مدھم ہوا آتی تھی جو اس کی سوچوں کو تصور کے پر لگا کر کہیں سے کہیں لے جاتی تھی۔ وہ کسی صحرا کا منظر دیکھتی۔ اونٹوں کی طویل قطاریں، جرس کی صدا، گھنٹیوں کی کھنک، نخلستانوں کے نشان اور سرخ بادلوں کے ٹکڑوں والی ٹھنڈی شامیں۔ ان مناظر میں کوئی اس کے ساتھ ہوتا ایک ہیولا سا، ایک چمکیلا سایہ سا۔

وہیں غار کے دہانے پر کھڑی کھڑی وہ سوچتی رہی۔ اچانک ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ "چندا! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" سامنے مانک تھا۔

اس نے جلدی سے سر جھکا لیا۔ ایک لمحے کے لئے یوں لگا جیسے وہ رخ موڑ کر اندر چلی جائے گی مگر پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔

"نہیں تو۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "بے وجہ ناراض ہونا تو بہت عجیب سی بات ہے۔"

"مجھے لگ رہا تھا، آپ کچھ خاموش ہیں۔"

"جب کہنے کو کچھ نہ ہو تو خاموش رہنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔"

"میرے پاس کہنے کو بہت کچھ ہے، میری بھی کچھ سن لی ہوتی۔"

"فرمایئے۔"

"چندا! کیا میں اب بھی آپ کو جاگیر دار لگتا ہوں، جو اس تکلف سے بات کر رہی ہیں۔ ذرا دیکھیے میری طرف، مجھ میں اور اس ریاست کے غریب ترین باشندے میں کچھ زیادہ فرق نہیں رہا۔ ذرا دیکھیے تو۔"

چندا نے پلکیں اٹھا کر ایک ترچھی نظر اس کے لباس پر ڈالی اور اسکے ہونٹوں پر آپوں آپ نرم مسکراہٹ کھیل گئی۔ مانک کے چہرے پر سپاہیانہ گرد و غبار تھا اور قمیص میں کئی پیوند لگے تھے۔ اس نے تلوار کو نیام کی بجائے ٹاٹ کے ٹکڑوں میں لپیٹ کر کمر سے لٹکا رکھا تھا۔ وہ جیسے خاموشی کی زبان سے کہہ رہا تھا۔ "دیکھو چندا! تمہاری چاہت نے مجھ کیا سے کیا کر دیا۔ جاگیر، مال و دولت، عیش و آرام، سب کو رخصت کر دیا میں نے اور اپنی رضا سے مفلسی کو گلے لگایا ہے جس میں تمہاری قربت کی راہ نکلتی ہے۔ اور میں اس سے

بھی آگے جانے کو تیار ہوں۔ آپ کی حسین آنکھوں میں اپنے دکھ کا ایک اشک دیکھنے کے لئے میں آگ اور خون کے سمندر میں کود سکتا ہوں۔" چندا نے کہا۔

"آپ۔۔۔ آپ اپنا نام بدل دیں۔ مجھے یہ نام اچھا نہیں لگتا۔"

مانک نے کہا۔ "میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اب یہ نام میرے لئے اجنبی ہے۔ میں اسے بدلنا چاہتا ہوں۔ آپ کہیے آپ کو کون سا نام اچھا لگے گا۔" چندا نے معصوم بے ساختگی سے دانتوں میں انگلی دبائی جیسے کوئی موزوں نام سوچ رہی ہو، دفعتاً ایک جانب پتھر پر کھڑا ایک شخص چلایا وہ دیکھو۔ بہت سی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ اندھیرا ابھی زیادہ گہرا نہیں ہوا تھا۔ دور مغرب میں غروب ہونے والے سورج کا روشن عکس ابھی آسمان پر باقی تھا۔ چمکیلے اسمان کے پیش منظر میں ایک سیاہ بادل تیزی سے قریب آتا محسوس ہو رہا تھا۔ یکا یک دائیں جانب سے ایک رضاکار نے چیخ کر کہا۔ "مکھیاں۔۔۔ مکھیاں آ رہی ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی مشعل پھینکی اور دیوانوں کی طرح ایک طرف بھاگ نکلا۔ اگلے ہی لمحے بہت سی ڈری ہوئیں آوازیں ایک ساتھ فضا میں گونجیں۔ مانک نے نہایت پھرتی سے چندا کی موٹی اوڑھنی اس کے بالائی جسم پر لپیٹی اور اسے ریت پر گرا دیا۔ خود وہ ایک خیمے کی طرف بھاگتا چلا گیا۔

اشباح مکھیوں کی خوفناک بھبھناہٹ اور رجاکاروں کی چیخیں سن کر غار کے دھانے کی طرف بھاگا تھا۔ جونہی وہ باہر نکلا اسے ایک قیامت خیز منظر نظر آیا۔ خونخوار مکھیاں ان کے دستے پر حملہ آور ہو چکی تھیں۔ مرد و زن سہمے ہوئے ہر طرف بھاگ رہے تھے۔ اس نے اویس کو دیکھا جو بالائی دھڑ ریت میں چھپانے کی کوشش

کر رہا تھا۔ ایک شخص نے زہریلے ڈنکوں سے خود کو بچانے کے لئے اشباح کے سامنے ایک اونچے ٹیلے سے چھلانگ لگائی اور زخمی ہو کر تڑپنے لگا۔ اسے دیو ہیکل سارگا نظر آیا جو اپنی زنجیروں میں جکڑا ہوا ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں۔ کئی مکھیاں اشباح پر حملہ آور ہوئیں اور اس کے بدن پر انگارے دہکنے لگے۔ وہ بھاگ کر مشعلوں کے پاس پہنچا، اس نے ایک مشعل اکھاڑی اور لپک کر ایک خیمے کو آگ دکھا دی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ایسا کرنے سے کیا فائدہ ہو گا، بس ایک خیال سا تھا کہ شاید بچاؤ کی صورت نکل آئے۔ اشباح نے جس خیمے کو آگ دکھائی تھی اس میں روغن نفت موجود تھا۔ یکا یک شعلے درختوں سے اوپر جانے لگے۔ قریب قریب دو خیمے اور تھے۔ اس الاؤ کی حدت مکھیوں کو قریب نہیں آنے دے رہی تھی۔ مکھیوں کی زد میں آنے والے بھاگ بھاگ کر اس الاؤ کے دامن میں پناہ لینے لگے۔ دستے کے جو افراد حملے سے پہلے ہی دور دور نکل گئے تھے، وہ اس آفت سے محفوظ تھے۔ کتنی ہی دیر تک یہ دہشتناک صورتحال برقرار رہی۔ تاریکی میں زخمیوں کی چیخیں گونجتی رہیں اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ اعصاب کو جھنجھوڑتی رہی۔ پھر ایکا ایکی مکھیاں ایک بادل کی شکل میں جمع ہوئیں اور نگاہوں سے اوجھل ہو کر تاریکی کا حصہ بن گئیں۔ یہ سارے کا سارا واقعہ آناً فاناً رونما ہو گیا۔۔۔ اب ہر طرف آگ کی سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی اور زخمی سسک رہے تھے۔ بہت سے گھوڑے اپنی رسیاں تڑوا کر بھاگ گئے تھے اور اب ان کے سوار انہیں ٹیلوں میں ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ دو تین افراد شدید زخمی ہوئے تھے اور انہیں فوری طبّی امداد کی ضرورت تھی۔ اشباح نے ارون لال کو ہدایت کی کہ وہ قریبی بستی سے کوئی حکیم وغیرہ لے کر آئے۔ مکھیوں کے پُراسرار حملے کے بعد ہر چہرے اندیشوں کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ اشباح اور اس کے ساتھی مقامی

رضاکاروں کا خوف دور کی کوشش کرنے لگے۔۔۔اشباح کے تمام قریبی ساتھی اب ایک جگہ جمع ہو چکے تھے۔اشباح ایک زخمی کو دیکھ رہا تھا جب غار کے دھانے پر کھڑی ہلابہ نے اسے اشارے سے پاس بلایا۔وہ اس کے پاس پہنچا تو وہ سراسیمگی سے بولی۔

"چندا! کا کچھ پتہ نہیں چل رہا میں ہر جگہ دیکھ چکی ہوں۔"

اشباح کے لئے یہ خبر بے حد حیران کن تھی۔

چندا دوبارہ پرماتما کے محل میں پہنچ چکی تھی۔وہی محل جو تاریک جنگل کے بیچوں بیچ واقع تھا اور جہاں طلسمات کی ایک دنیا آباد تھی۔یہ محل اس دنیا کا حصہ نہیں لگتا تھا۔محسوس ہوتا تھا کہ کسی دیوانے کا خواب مجسم ہو کر اس جنگل میں اتر آیا ہے۔الفاظ اس محل کی شان و شوکت کا احاطہ کرنے سے قاصر تھے۔نگاہوں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اس کے حُسن کو اپنے اندر سمو سکیں اور ذہن میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ اس عظیم الشان حقیقت کو قبول کر سکے۔سنگ تراشی کا فن، مصور کی مصوری اور شاعر کی شاعری سب کچھ یہاں آ کر ہیچ ہو جاتا تھا۔اگر دنیا کوئی بہشت تھی تو یہی تھی۔اگر کائنات تھی تو یہی تھی۔اگر کائنات میں کوئی اسرار تھا تو یہی تھا۔۔۔اور چندا اسی محل میں پہنچ گئی تھی۔اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ وہ یہاں کیسے پہنچی ہے۔اسے اتنا ہی پتہ تھا کہ وہ مکھیوں کی یورش سے گھبرا کر اوندھے منہ پڑی تھی۔ہر طرف سے چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔بھاگتے ہوئے قدم اسے کچل کچل کر آگے بڑھ رہے تھے۔کچلے جانے کے خوف سے وہ اٹھ کر غار کی طرف بھاگی تھی۔یکایک اس کی نگاہوں کے سامنے ایک مشعل لہرائی اور پھر ایک مضبوط بازو نے اسے اٹھا کر

گھوڑے پر رکھ لیا۔وہ پوری قوت سے چیخنے لگی لیکن اس کی چیخ سینکڑوں دوسری چیخوں میں دب کر رہ گئی۔ اسی دوران کوئی نم کپڑا اس کے منہ پر آیا۔ایک تیز بو اس کے نتھوں میں گھستی چلی گئی۔پھر اسے کچھ یاد نہ رہا وہ کس حال میں اور کہاں ہے۔۔۔اس کی آنکھ اس عمارت کے ایک حصے میں کھلی تھی۔یہ عمارت ایک کھلے احا طے اور چند کمروں پر مشتمل تھی۔اس کی بناوٹ سے اندازہ تھا ہوتا تھا کہ یہ پرماتما کے محل ہی کا کوئی حصہ ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد اپنے شبہے کی تصدیق کے لئے چندا نے ایک پتھریلے چبوترے پر چڑھ کر چار دیواری سے باہر جھانکنے کی کوشش کی تھی۔اسے ان بارہ محلات کے گنبد نظر آئے۔جن میں سے ایک محل کئی ماہ تک اس کا مسکن رہا تھا۔وہ اس منحوس محل کو کیسے بھول سکتی تھی۔وہ ان بارہ محلات کے گنبدوں کو دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ وہ دوبارہ تاریک جنگل کی شیطانی حدود میں پہنچ گئی ہے۔اس کے ذہن میں ان گنت خدشات جاگ اٹھے تھے۔

اس قید خانہ نما عمارت میں چندا کے علاوہ کم از کم تیس عورتیں اور تھیں۔ان میں نوجوان، ادھیڑ عمر اور عمر رسیدہ سب ہی شامل تھیں۔وہ ساری خستہ حالت میں تھیں۔کئی ایک کے چہروں پر خراشیں تھیں اور لباس پھٹے ہوئے تھے۔ان میں سے ایک نوجوان لڑکی ایسی تھی جس کی ناک جڑ سے کٹی ہوئی تھی اور چہرا خوفناک صورت اختیار کر گیا تھا۔چندا کو معلوم تھا یہ تمام عورتیں قیدی ہیں اور کل رات ہی انہیں چھاؤنی کے قید خانے سے یہاں پہنچایا گیا تھا۔چندا کے حواس کچھ بحال ہوئے تو وہ ناک کٹی لڑکی کے پاس بیٹھ گئی۔لڑکی کا زخم زیادہ پرانا نہیں تھا اور اب بھی کسی وقت خون کا ایک آدھ قطرہ اس کے ہونٹوں پر پھسل آتا تھا۔چندا کو اس کی حالت دیکھ کر دکھ ہوا۔وہ ایک پُرکشش اور شائستہ لڑکی تھی۔چندا اس سے باتیں کرنے لگی۔لڑکی نے اپنا نام پونم

بتایا۔اس نے بتایا کہ پرسوں رات اسے،اس کے والدہ اور بھائی کو گھر سے گرفتار کیا گیا۔وہ بولی۔"پرماتما کے سرخ پوشوں نے ہمیں بستروں سے کھینچا اور مارتے پیٹتے ایک گھوڑا گاڑی میں لا بٹھایا۔اس گاڑی میں ہماری بستی کے اور بھی کئی لوگ سوار تھے۔سب کو مارا پیٹا گیا تھا اور وہ سہمے ہوئے تھے۔پورے محلے میں کہرام مچا ہوا تھا۔ہمیں ہمارا دوش تک نہیں بتایا گیا اور چھاؤنی کے قید خانے میں لے جا کر کہرام مچا ہوا تھا۔مجھے میرے والد اور بھائی سے جدا کر کے عورتوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔آہنی سلاخوں والے چھوٹے چھوٹے پنجرے تھے جن میں دس دس عورتیں بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھنسی ہوئی تھیں۔ان سب کو ہماری ہی طرح اچانک دبوچ کر یہاں پہنچایا گیا تھا۔۔۔رات کو تیسرے پہر پرماتما کے شرابی پہریدار جھومتے ہوئے عورتوں میں گھس آئے۔انہوں نے چن چن کر جوان لڑکیوں کو کوٹھڑی سے نکالنا شروع کر دیا۔مجبور عورتیں چیخی تھیں تو وہ کہتے تھے "اور نعرے لگاؤ اور بغاوت کرو" میں نے یہ منظر دیکھا تو سمجھ گئی کہ یہ شیطان مجھے بھی نہیں چھوڑیں گے۔میرے پاس چھوٹا سا چاقو تھا۔جو گھوڑا گاڑی میں میرے بھائی نے چپکے سے میرے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔میں نے اس چاقو کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔اس سے پہلے کہ مدہوش پہریدار ہماری کوٹھڑی تک پہنچتے میں نے اس چاقو سے اپنی ناک کاٹ لی۔تکلیف کی شدت سے میں نیم بے ہوش ہو کر گر پڑی۔دوبارہ ہوش آیا تو ہماری کوٹھڑی سے دو لڑکیاں غائب تھیں۔۔۔یہ بدنصیب لڑکیاں اور عورتیں صبح کے وقت لٹی پٹی واپس آئیں۔ان کے چہرے چیخ چیخ کر ظلم و ستم کی گواہی دے رہے تھے۔سرخ پوشوں کی سفاکی نے قیدی عورتوں کو خوفزدہ کرنے کی بجائے مشتعل کر دیا اور وہ سارا دن بے خوفی سے پرماتما اور منوہر چند کے خلاف نعرہ زنی کرتی رہیں۔شام تک اور بہت سے قیدی پہنچ گئے۔اب قید خانے میں

جگہ کم پڑ رہی تھی۔اس لئے پہریداروں نے زخمی کمزار عورتوں کو باہر کھلے احاطے میں جمع کر دیا۔کوئی تین پہر سردی میں کھلے آسمان تلے پڑی رہیں۔۔۔پھر ہمیں گھوڑا گاڑیوں میں بھر کر یہاں پہنچا دیا گیا۔"

لڑکی کی روئیداد سن کر چندا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔اس نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔اپنے گھناؤنے زخم کے باوجود یہ لڑکی بے حد خوبصورت لگی۔اس کی خوبصورتی اس کے چہرے میں نہیں اس کے عزم اور اس کے عقیدے میں تھی۔اس حوصلے میں تھی جس کا مظاہرہ اس نے ہوس پرستوں کے درمیان گھر کر کیا تھا۔یہ ناک کٹی لڑکی عورت کی شان اور اس کے وقار کی علامت تھی۔چندا نے ایک اور لڑکی دیکھی سرخ پوشوں نے مار مار کر اس کا بازو توڑ دیا تھا۔وہاں دو ادھیڑ عمر عورتیں بھی تھیں جن کی زبانیں کاٹ کر ان کی پیشانیوں پر "اپرادھی" کی مہر لگا دی گئی تھی۔یہ ساری زخمی اور بدحال عورتیں عزم و ہمت کی زندہ تصویریں تھیں۔وہ ہر مصیبت ہنس کر جھیل جانے کا فیصلہ کر چکی تھیں اور اس فیصلے نے انہیں بے حد پُر سکون کر دیا تھا۔ان کا جذبہ اور اطمینان دیکھ کر چندا کو اپنے اندر بھی ایک نیا حوصلہ کروٹیں لیتا محسوس ہوا۔ ابھی چندا ساتھی عورتوں سے باتیں کر رہی تھی کہ تین چار موٹی بھدی خواتین اندر آ گئیں۔ان کے چہرے سخت گیر تھے اور چال ڈھال سے مردانہ پن کا اظہار ہوتا تھا۔

"تم میں سے چندا کون ہے؟" ایک عورت نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔پھر اس کی نگاہ خود ہی چندا پر اٹک گئی۔"تم ہو چندا؟" چندا نے اثبات میں سر ہلایا۔"چلو ہمارے ساتھ۔" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔ چندا چپ چاپ اٹھ کر ان کے ساتھ چل دی۔وہ اسے ایک کمرے میں لے آئیں۔ایک طنزیہ لہجے میں بولی۔

"توتم ہو ساتویں دلہن۔ بڑے نخرے ہیں تمہارے۔" چنداخاموش رہی۔ ایک دوسری نے سنجیدہ آواز میں پوچھا۔ "تیرے جسم کوئی زخم ہے بچپن کا کسی بھالے، خنجر یا نیزے وغیرہ کا زخم؟"

چنداسوچ میں پڑ گئی۔ پہلے والی خواص غرا کر بولی۔ "ہمیں دست درازی پر مجبور نہ کر۔ خود ہی بتادے۔"

چندانے کہا۔ "ہاں۔۔۔۔ایک زخم ہے، میرے شکم پر۔ ماں کہتی ہے بچپن میں مجھے لگا تھا۔" ایک خواص نے آگے بڑھ کر یہ زخم دیکھا پھر مطمئن انداز میں سر ہلا کر چندا کو کمرے سے باہر لے آئی۔ اس نے اسے دوسری عورتوں سے علیحدہ ایک کمرے میں بند کر دیا۔ دوروز کی بھوکی پیاسی مزید ایک پہر تک اس کمرے میں بند رہی۔ سہ پہر کے وقت جب وہ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی۔ کئی زرد پوش مرد پہریدار ننگی تلواریں چمکاتے اندر آ گئے۔ ان کے سالار نے آگے بڑھ کر چندا کو تعظیم پیش کی اور بولا۔ "ساتویں دلہن تیار ہو جائیے۔ آپ کو اپنے محل میں چلنا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چندا کی اچانک گمشدگی نے سب کو پریشان کر دیا تھا۔ پرماتما کی کالی قوتوں کا خوف ایک بار پھر سب کے ذہنوں پر سوار ہونے لگا تھا۔ اشباح نے ارد گرد کے ٹیلوں میں دور دور تک اسے تلاش کرایا تھا لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ سب سے زیادہ تکلیف اور پریشانی سرسوتی کے حصے میں آئی تھی۔ اس کی لاڈلی بیٹی موت کے منہ سے واپس آ کر ایک بار پھر بے یقینی کے اندھیروں میں کھو گئی تھی۔ وہ تو ابھی اس کی واپسی پر شکرانے کے نفل بھی پورے نہیں کر سکی تھی کہ وہ پھر جدا ہو گئی تھی۔ سرسوتی کے دکھ کو اس احساس نے اور بھی گہرا کر دیا تھا کہ

اس کی بدنصیب بیٹی اپنے ماں جائے بھائی کو ملے بغیر ہی حادثات کے دھارے میں بہہ گئی ہے۔ اگر یہ سب کچھ ہونا ہی تھا تو کیا تھا اگر چند گھڑیاں تاخیر سے ہو جاتا۔ اور کچھ نہیں تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ تو لیتے۔ اب پتہ نہیں وہ زندہ تھی یا نہیں اگر زندہ تھی تو کس حال میں!

سرسوتی سوچ رہی تھی کہ اب وہ اشباح کو کس منہ سے بتا سکتی ہے کہ چندا اس کی سگی بہن تھی، وہ بہن جسے اس نے برسوں پہلے ایک مندر کے کھنڈر سے اٹھایا ہوا تھا اور اس حالت میں رو رو کہ اس کی آنکھیں خشک ہو چکی تھیں اور وہ اپنے ہی لہو میں بھیگا ہوا انگوٹھا چوس رہی تھی۔ اپنی ننھی منی آنکھوں سے کسی ہمدرد کو تلاش کر رہی تھی۔۔۔۔ سرسوتی سوچتی رہی اور اس کے آنسو اندر ہی اندر اس کے گلے میں گرتے رہے۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ چندا کی گمشدگی بے معنی نہیں ہے۔ ضرور کوئی انہونی ہونے والی ہے۔ پُراسرار قوتوں کو جھٹلانا ابھی تک کسی کے لئے بھی ضرور کوئی انہونی ہونے والی ہے۔ پُراسرار قوتوں کو جھٹلانا ابھی تک کسی کے لئے بھی ممکن نہیں تھا۔ سرسوتی نے سوچا، ہو سکتا ہے تاریک جنگل کے اس شیطان کو کسی طرح پتہ چل گیا ہو کہ چندا اشباح بن سقیل کی بہن ہے۔ اگر یہ سچ تھا تو پھر کیا نہیں ہو سکتا تھا۔۔۔ سرسوتی بہت دیر تک وہم اور حقیقت کے درمیان بھٹکتی رہی۔ پھر غار سے نکل کر تاروں بھرے آسمان کے نیچے آ بیٹھی۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ ٹیلوں پر دور دور تک انسانی سر نظر آ رہے تھے۔ جابجا بھڑکتی ہوئی مشعلوں نے بھی زمین پر بھی آسمان کا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ ابھی فیصلہ کن پیش قدمی میں دو راتوں اور ایک دن کا عرصہ باقی تھا مگر لوگوں کا جوش و خروش ابھی سے دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قافلوں اور گولیوں کی صورت میں مسلسل ان ٹیلوں میں جمع ہو رہے تھے۔ ریاست کے طول و عرض میں ہونے والی گرفتاریوں اور مار دھاڑ نے ان کے جذبات کو

مزید بھڑکا دیا تھا اور غیض و غضب نے انہیں ہر خوف سے بے نیاز کر دیا تھا۔ آبوق جا کا طلسم ٹوٹنے سے بے خوفی کی جو لہر عوام الناس میں پیدا ہوئی تھی وہ اب بپھر کر طوفان بن چکی تھی۔ سرسوتی کے دل کی گہرائیوں سے صدا نکلی۔ "اے خدا! ہمارا یہ جذبہ سلامت رکھنا۔" دفعتاً وہ ٹھٹک کر رک گئی اسے اشباح کے خیمے تک پہنچی۔ مرد و زن دلچسپی سے اندر جھانک رہے تھے۔ سرسوتی نے ایک رضاکار سے احوال پوچھا۔ اس نے بتایا کہ تاریک جنگل سے دو قاصد آئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پرسوں دوارے میں ہونے والا مظاہرہ ملتوی کر دیا جائے اور سردار اشباح اپنے مصاحبوں کے ساتھ پرماتما سے بالمشافہ بات چیت کریں تاکہ کشت و خون سے بچا جا سکے۔

سرسوتی نے بے قرار ہو کر پوچھا۔ "سردار نے کیا جواب دیا ہے؟"

رضاکار بولا۔ "وہی جو انہیں دینا چاہیئے۔ انہوں نے انکار کر دیا ہے۔"

سرسوتی نے کچھ عورتوں کے درمیان سے راستہ بنا کر خیمے میں جھانکا۔ شمعدانوں کی روشنی میں اشباح اور اس کے ساتھی ہندو قاصدوں کے ساتھ سرعام گفتگو کر رہے تھے۔ قاصدوں کے چہروں پر برہمی پائی جاتی تھی۔ ایک قاصد نے کہا۔

"محترم اشباح بن سقیل! میں آپ سے تنہائی میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ سب کے سامنے کہہ سکتے ہیں۔"

"نہیں۔۔۔۔ میں آپ کے فائدے کی بات کر رہا ہوں۔" قاصد نے کہا۔

نہ جانے کیوں سرسوتی کے دماغ میں ان گنت خدشے اودھم مچانے لگے۔

اشباح اٹھا اور ایک قاصد کے ساتھ دوسرے خیمے میں چلا گیا۔ یہ چھوٹا سا خیمہ بڑے خیمے کے ساتھ ہی واقع تھا۔ شمعدان کی روشنی میں دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تھے تو جیم شحیم قاصد نے اپنے چغے کے اندر سے ایک کاغذ نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ بڑے جمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اشباح بن سقیل! آپ اپنے پتا مرحوم کی تحریر تو پہچانتے ہی ہوں گے۔ وہ آپ کے لئے ایک وصیت نامہ چھوڑ گئے تھے جو یقیناً آپ پڑھ چکے ہیں۔"

یہ الفاظ اشباح کے سر پر ایک زوردار دھماکہ ثابت ہوئے۔ اس نے حیرت سے قاصد کی طرف دیکھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کے بہت سے راز افشاء ہو چکے ہیں اور اب جو بھی انکشاف ہو جائے کم ہے۔ اس نے قاصد سے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

قاصد نے وہ کاغذ اشباح کے ہاتھ میں دے دیا جو چوبی ڈبے کے اندر محفوظ ملا تھا اور جس میں اشباح کے لئے ایک اہم پیغام تھا۔ اشباح نے کاغذ کے الفاظ پر نگاہ دوڑائی اور ایک لمحے جان گیا کہ یہ اس کے والد ہی کی تحریر ہے۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔

"بیٹے اشباح! اگر تم نے یہ چوبی ڈبہ میری ہدایت کے مطابق کھولا ہے تو تم اس وقت ریاست کی حدود میں داخل ہو چکے ہو۔ بیٹے! جیسا کہ میں نے وصیت نامے میں لکھا ہے ہم نے پرماتما کے سرخ پوشوں سے بھاگ

کر رات پرانے مندر میں پناہ لی تھی۔کچھ دیر بعد اس مندر پر سرخ پوشوں نے حملہ کر دیا۔اس حملے میں زخمی ہوا اور تمہاری بہن ننھی بہن زلفہ کو ایک۔۔۔۔"

پورا خط پڑھتے پڑھتے اشباح کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔اس کے سینے میں دل بے پناہ شدت سے دھڑک رہا تھا۔اس تحریر سے یہ مطلب نکلتا تھا کہ اس کی بہن زندہ ہے۔۔۔۔وہ ننھی منی بہن جس کی ایک دھندلی سی تصویر ابھی تک اشباح کے پردہ ذہن پر موجود تھی۔معصوم چمکتی آنکھوں والی،اپنے باریک سرخ ہونٹوں میں اپنا انگوٹھا دبا کر چوسنے والی لڑکی،جو اس کی ماں کی گود میں ہمکا کرتی تھی۔۔۔۔۔اور وہ جھک کر اسے چوم لیا کرتا تھا۔اس کے نرم گالوں کا لمس اشباح کے ہونٹوں کو اب تک یاد تھا۔پھر ایک روز وہ ننھا سا ستارہ ٹوٹ کر اشباح کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ کتنے ہی دن،کتنے ہی مہینے اس ستارے کو ڈھونڈتا رہا،اپنی ماں سے پوچھتا رہا،ماں میری بہن کدھر ہے۔وہ میری گود میں کیوں نہیں آتی۔میرے ساتھ آکر کھیلتی کیوں نہیں؟ماں کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔میرے ساتھ آکر کھیلتی کیوں نہیں؟فقط اس کی آنکھوں میں آنسو چمک جاتے تھے اور اشباح اپنی ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔اس لئے دھیرے دھیرے اس نے ماں سے یہ سوال پوچھنا چھوڑ دیا تھا۔

اب اشباح کو یہ سمجھ بھی آرہی تھی کہ چوبی ڈبہ اسے خالی کیوں ملا تھا۔صاف ظاہر تھا کہ چھاونی میں اس کے سامان کی تلاشی کے دوران منوہر چند کے آدمیوں نے ڈبے سے یہ تحریر اڑالی تھی۔۔۔۔یکا یک اس کی سوچوں پر بے پناہ اندیشوں نے یلغار کر دی۔اس نے قہرناک نظروں سے قاصد کو گھورا اور بولا۔

"مجھے یہ سب کچھ بتانے سے تمہارا مطلب؟"

قاصد نے ایک گہری سانس لی اور مصنوعی ادب واحترام سے کہنے لگا۔"عالی جناب!لازوال پرماتما کی طرف سے آپ کی بہن اس وقت ان کی مہمان ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان سے بالمشافہ بات چیت کریں اور دوسرے مسائل کے علاوہ بھی خوش اسلوبی سے حل ہو سکے۔"

اشباح کی آنکھوں میں خیمے کا منظر گھومنے لگا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا لیکن دماغ کہہ رہا تھا کہ جس کی بازگشت اس نے سنی وہ حقیقت کا روپ دھار چکی ہے۔وہ سب کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے جس کا اظہار اس کالی زبان والے قاصد نے کیا ہے۔بیس برس پہلے جدا ہونے والی اس کی بہن نہ صرف زندہ ہے بلکہ پرماتما کی قید میں ہے۔وہ کتنی دیر گم صم رہا اور اپنے خیالوں سے جنگ لڑتا رہا۔قاصد بڑے اعتماد سے بیٹھا اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔آخر اشباح نے کہا۔

"میں کیسے یقین کر لوں کہ تم جو کہہ رہے ہو درست ہے،میری بہن زندہ ہے اور تمہارے پرماتما کے قبضے میں ہے۔"

قاصد نے کہا۔ "محترم اشباح بن سقیل! مجھے اس بات کی "آگیا" نہیں کہ آپ سے تفصیلی گفتگو کروں۔ بہر حال جو آپ نے پوچھا ہے اس کا جواب دے دیتا ہوں۔ آپ اس لڑکی کو اچھی طرح جانتے ہیں جو آپ کی بہن ہے اور اس ریاست میں آنے کے بعد کئی دفعہ اس سے مل چکے ہیں۔ صرف دو روز پہلے تک وہ آپ کے ساتھیوں میں شامل تھی اور اس پڑاؤ میں تھی۔۔۔۔ میرا مطلب چندا سے ہے۔۔۔۔۔"

قاصد کے آخری الفاظ نے اشباح کی سماعت میں زلزلہ برپا کر دیا۔ وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن قاسد کی طرف دیکھتا چلا گیا۔۔۔ چندا۔۔۔ چندا اس کی بہن تھی، کیا واقعی چندا اس کی بہن تھی۔ چندا کی معصوم حسین شکل اشباح کے تصور میں گھومی۔ اس کے دل نے پکار کر گواہی دی۔ یہ لڑکی اس کی بہن ہو سکتی ہے۔ یہ اس ننھی منی گڑیا کا دوسرا روپ ہو سکتا ہے جو برسوں پہلے اس سے روٹھ گئی تھی۔ اس نے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"قاصد! مجھے تیری کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی۔ کیا ثبوت ہے کہ وہ لڑکی میری کچھ لگتی ہے۔"

"حضور! ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ آپ اس عورت سے سب کچھ پوچھ سکتے ہیں اس عورت نے ابھی تک آپ کو کچھ نہیں بتایا۔"

اشباح نے قاصد کو وہیں رکنے کی ہدایت کی اور خیمے سے نکل تیز قدموں سے غار میں پہنچ گیا۔ سرسوتی اس وقت تک واپس غار پہنچ چکی تھی۔ اشباح نے کہا۔

"مادر محترم! آپ نے بتایا تھا کہ چندا آپ کی سگی بیٹی نہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں وہ کون ہے اور آپ کو کہاں سے ملی؟"

سرسوتی نے اشباح کا سوال سن کر ایک آہ سی بھری۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں کی یورش سے بوجھل ہو گئیں۔ وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"تو میرا اندازہ درست نکلا۔ پرماتما سب کچھ جان چکا ہے۔"

"کیا جان چکا ہے؟"

"یہی کہ چندا تمہاری بہن ہے۔"

اشباح کا چہرہ طوفان کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ "یہ میں کیا سن رہا ہوں مادر محترم؟"

"تم ٹھیک سن رہے ہو میرے بچے۔۔۔۔۔۔ بیس برس پہلے میں نے چندا کو ایک پرانے مندر کے کھنڈر سے اٹھایا تھا۔ وہ وہاں شدید زخمی حالت میں پڑی تھی۔۔۔۔ یہ بہت طویل کہانی ہے جان مادر۔۔۔ تم کہاں تک سنو گے اور میں کہاں تک سناؤں گی۔۔۔۔۔"

اشباح کی آنکھوں میں شعلوں کی سرخی اترتی آرہی تھی۔ اس نے کہا۔ "آپ کچھ نہ سنائیں مادرِ عزیز، میں سب کچھ جان چکا ہوں۔ مجھے صرف ایک بات پر حیرت ہے۔۔۔۔۔۔۔ آپ نے اب تک مجھ سے یہ حقیت کیوں چھپائی؟"

سرسوتی نے کہا۔"بیٹا! جیسا کے تم جانتے ہو۔مجھے صرف تین روز پہلے علم ہوا تھا کہ تم عثمان بن سقیل کے فرزند ہو۔اس کے فوراًبعد وہ بدنصیب اغواء ہو گئی۔میں اب تک سوچ رہی تھی کہ کون سامنہ لے کر تمہارے پاس جاؤں گیا ور بتاؤں کے وہ تمہاری بہن تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"سرسوتی نے اتنا کہا اور ہچکیوں سے رونے لگی۔

"آہ۔۔۔۔۔۔۔کتنی بدبخت ہوں میں جسے چاہتی ہوں اسے برباد کر دیتی ہوں۔"

اشباح اسے تسلی کیا دیتا اس کا اپنا سینہ فرطِ غم سے پھٹا جا رہا تھا۔وہ بے قرار سا اپنی جگہ سے اٹھا اور بگولے کی طرح غار سے باہر نکل آیا۔اس کا رخ خیمے کی طرف تھا جہاں قاصد بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔اس نے قاصد سے کہا۔

"مجھے مختصر الفاظ میں بتاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پرماتما کیا چاہتا ہے؟"

قاصد کے چہرے پر روشنی پھیل گئی۔اس کا تیر نشانے پر لگا۔وہ اطمینان سے کہنے لگا۔

"بہتر ہوتا کے آپ لازوال پرماتما سے خود بات کر لیتے۔بہر حال اگر آپ چاہتے ہیں تو میں بھی ان کی نمائندگی کر سکتا ہوں۔"ایک لمحہ رک کر اس نے موزوں الفاظ ڈھونڈے اور بولا۔"لازوال پرماتما کی خواہش ہے کہ پرسوں ہونے والا مظاہرہ ملتوی کر دیا جائے اور آپ مظاہرین کو ہدایت کریں کے وہ اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جائیں۔واپس پہنچ کر وہ ان لوگوں کو بھی آپ کا پیغام پہنچا دیں جو یہاں آنے کی تیاری

کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔بعد ازاں مناسب موقع دیکھ کر لازوال پرماتما کی جانب سے آپ کو ایک تاریک جنگل میں باقاعدہ دعوت دی جائے گی اور آپ سے تمام معاملات پر نتیجہ خیز گفتگو ہو گی۔"

اشباح نے کہا۔"میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا آقا تباہ کن انجام سے بچنے کے لئے تاخیری حربے استعمال کر رہا ہے۔اس کا مقصد ہماری پیش قدمی کا زور توڑنے کے سوا اور کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔تاہم میں کوئی بھی فیصلہ تنہا نہیں کر سکتا۔اپنے لوگوں سے مشورہ کرنا ہو گا۔۔۔۔۔اس مشورے کے لئے مجھے وقت درکار ہے۔"

قاصد نے ادب سے دوہرا ہو کر کہا۔"آپ جب تک چاہیں مشورہ کر سکتے ہیں۔ہم آپ کے حکم کے منتظر رہیں گے۔"

نشت برخاست ہو گئی۔اشباح خیمے سے نکلا اور تیز قدموں سے چلتا بڑے خیمے میں آ گیا۔وہ سرکردہ افراد کو بلا کر کچھ مشورہ کرنا چاہتا تھا۔مگر خیمے سے چند گز دور ہی مشرق کی جانب سے کچھ عجیب سا شور سنائی دیا۔دوسرے لوگوں کی طرح وہ ٹھٹک کر اس شور پر غور کرنے لگا۔دشمن کے شبخون کا خیال برق کی طرح اس کے ذہن میں کوندا۔وہ بھاگ کر ایک ٹیلے کی چوٹی پر چلا گیا۔یہاں سے نشیب دور تک نظر آ رہا تھا۔چاندنی میں اسے گھڑسواروں کی طویل قطاریں دکھائی دیں جو بڑی تیزی سے پڑاؤ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ گھڑسواروں میں سے کچھ کے سفید لباس چمک رہے تھے اس چمک سے اشباح کو اندازہ ہو گیا کہ یہ سرخ پوش نہیں۔ویسے بھی اس جانب سے حملہ کرنا سرخ پوشوں کے لئے ہرگز سودمند نہیں تھا۔اشباح کے حکم سے

پہلے ہی ماہر تیر انداز مختلف جگہوں پر مورچے سنبھال چکے تھے۔رضاکار بھی اپنے اپنے ہتھیاروں تک پہنچ گئے تھے۔تاہم لڑائی کی نوبت نہیں پہنچی۔گھڑ سوار قطاروں کے آگے آگے پانچ سوار اشباح کے سامنے آکر رکے۔ان میں سے دو افراد کو دیکھ کر اشباح کر آنکھوں میں شناسائی تیز چمک ابھری۔اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے تیر اندازوں کو کسی بھی کاروائی سے روک دیا۔اس کے چہرے پر دباد باجوش نظر آرہا تھا۔کتنی ہی دیر وہ یک ٹک ان دونوں سواروں کو دیکھتا رہا۔سوار بھی اشباح پر نگاہ جمائے ہوئے تھے۔ان کے چہروں پر طویل راستوں کی گرد تھی اور آنکھوں میں بے نام جوش کی ندیاں موجیں مار رہی تھیں۔یکایک اشباح نے اپنی جگہ چھوڑی اور لپکتا ہوا سواروں کی طرف گیا۔اس کے دونوں بازو کھلے ہوئے تھے۔"سردار جہم!"اس نے پکار کر کہا۔ایک شخص نے گھوڑے سے جست لگائی اور دوڑ کر اشباح سے لپٹ گیا۔پڑاؤ میں موجود اسلامی لشکر کے سپاہیوں نے فلک شگاف آوازہ بلند کیا۔

"نعرہ تکبیر۔۔۔۔۔۔اللہ اکبر۔"اور پھر وہ بھاگ بھاگ کر گھڑ سواروں کے قدم لینے لگا۔

گھڑ سواروں کی قطاریں بتدریج گھاٹی کے اندر جمع ہو رہی تھیں۔ان کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔اشباح اور جہم نے لگاتار ایک دوسرے کے رخسار چومے۔پھر اشباح گرمجوشی کے ساتھ دوسرے سواروں سے بغلگیر ہونے لگا۔یہ مناظر نہایت جذباتی تھے۔۔۔۔۔۔۔۔آخر ان کے ہاتھ بٹانے والے پہنچ گئے تھے۔آنکھیں کئی ماہ سے جن کی راہ دیکھ رہی تھیں وہ آگئے تھے اور ایسے وقت آئے تھے جب ان کی شاید ضرورت بھی تھی۔ظلم کی فصیل پر انصاف کی پہلی کمند پڑنے والی تھی۔تاریکیوں کے زندان پر روشنیوں کا لشکر فیصلہ کن دھاوا بولنے والا تھا۔پڑاؤ میں جوش و خروش کی ایک تازہ لہر دوڑ گئی۔سردار جہم بن زحر نے اشباح سے کہا۔

"اشباح!آپ ابھی اپنے تیر اندازوں کو یہاں سے ہٹائیں نہیں۔مقامی فوج کے کچھ دستے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔"

اشباح نے کہا۔"سردار آپ تردد نہ کریں۔وہ لوگ ادھر پر نہیں ماریں گے۔یہاں ہر شخص نے سر سے کفن باندھ رکھا ہے۔"

سردار جہم بن حر نے سر گھما کر دیکھا۔واقعی یہاں موجود بیشتر افراد اپنے سروں پر سفید رنگ کے بڑے بڑے کپڑے لپیٹے ہوئے تھے۔یہ ان لوگوں کے کفن تھے۔سردار جہم،بھیم سنگھ اور دیگر سالار مشعلوں کی روشنی میں آگے پیچھے چلتے ہوئے اشباح کے خیمے میں آگئے۔بھیم سنگھ کا چہرہ اشباح کو کچھ جانا پہچانا محسوس ہو رہا تھا۔اشباح کی الجھن دیکھ کر سردار جہم نے بھیم سنگھ کا تعارف کرایا اور بتایا کہ لس بیلہ کی لڑائی میں انہوں کے ہندی فوج کی قیادت کی تھی۔اب انہی کی کوشش سے اسلامی فوج کا یہ دستہ اس مقام تک پہنچ سکا تھا۔اشباح نے بھیم سنگھ کے ساتھ گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔اشباح کی ہدایت پر مہمانوں کے لئے فوراً کھانے کا انتظار کیا گیا۔اسلامی لشکر کے آگے والے دستے میں کوئی ڈیڑھ ہزار دوار تھے۔صحرائی سفر میں دستے کے ارکان پر شدید بخار نے حملہ کر دیا تھا۔کوئی دو سو سپاہی جاں بحق ہو گئے تھے۔تاہم جو یہاں پہنچے تھے وہ سب کے سب صحت منداور چاق و چوبند تھے۔کھانے کے بعد اشباح اور مہمانوں کے درمیاں اہم گفتگو شروع ہوئی۔خیمے کا اکلوتا دروازہ بند کر دیا گیا۔اشباح نے سردار جہم سے اسلامی لشکر کے حال احوال پوچھا۔جہم نے بتایا کہ اسلامی فوج راجہ داہر سے فیصلہ کن معرکے کے لئے دریائے سندھ کے پار اترنے والی ہے۔کشتیوں کا مسلہ جو حل ہو گیا ہے اور عراق سے مزید سامان رسد بھی پہنچ گیا ہے۔سردار جہم نے تفصیل سے تمام حالات

اشباح اور اس کے ساتھیوں کے گوش گزار کیے۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے بعد اشباح نے انہیں اس ریاست میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کیا۔اپنی گرفتاری سے لے کر ویران غار میں پھنس جانے تک اور اقتیلا جام کی موت سے لے کر نیلمان کے حصول تک اس نے سردار جہم اور اس کے ساتھیوں کو بتایا۔یہ حیران کن واقعات نہ قابل یقین تھے۔اگر بیان کرنے والا اشباح نہ ہوتا تو شاید سننے والے کبھی بھروسہ نہیں کر سکتے۔یہ طویل داستان ختم ہوئی تو موجودہ حالات کے بارے میں بات چیت شروع ہوئی اشباح نے پوچھا۔

"محترم سردار! میں حیران ہوں کہ آپ یہاں تک پہنچے کیسے؟"

اس سوال کا جواب سردار جہم کے بجائے بھیم سنگھ نے دیا۔اس نے اشباح سے ایک فوجی سالار کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔"ان کا نام احمد شہاب ہے۔کچھ عرصہ قبل یہ راجہ داہر کی فوج میں کام کرتا تھے۔اس سے پہلے یہ داہر کے پیش رو راجہ چچ کی سپاہ میں اعلیٰ عہدیدار تھے۔اپنی اس ملازمت کے دوران یہ ایک سے زیادہ دفعہ اس ریاست میں آ چکے تھے۔چند برس پہلے مسلمان ہو چکے ہیں اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔درحقیقت ان ہی کے تعاون سے ہم یہاں تک پہنچ سکے ہیں۔یہی آپ کو بتائیں گے کہ ہم کیسے یہاں تک پہنچے۔"

احمد شہاب نامی اس ادھیڑ عمر باریش شخص نے اشباح سے مخاطب ہو کر کہا۔"عزیز دوستوں! میرا خیال ہے کہ آپ لوگوں نے ایک روایت سنی ہوگی۔یہ روایت یہاں کے لوگوں میں خاصی مشہور ہے۔اس میں بتایا جاتا ہے کہ جب کبھی بھی پرماتما کے خلاف بغاوت ہوتی ہے یا ریاست کے لوگ سرکشی پر آمادہ ہوتے

ہیں۔ایک پراسرار لشکر ان پر حملہ آور ہوتا ہے۔یہاں کے باشندوں کا عقیدہ ہے کہ اس لشکر کے سپاہی درحقیقت تاریک جنگل کے درخت اور پودے ہوتے ہیں جو پرماتما کے حکم پر انسانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ان طلسمی لشکروں کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔"

احمد شہاب کی بات سن کر اشباح کی آنکھوں کے سامنے اپنے والد کی وصیت نامے کے الفاظ گھومنے لگے۔انہوں نے ایک جگہ لکھا تھا کہ انہوں نے ایک گڈریے سے یہی سوال پوچھا تو اس نے جواب دیا۔"طلسم کی حقیقت سے انکار نہیں، مگر جہاں تک پرماتما کے پراسرار مددگاروں کا تعلق ہے یہ جادو کے نہیں بلکہ گوشت پوست کے انسان ہیں۔میں نے سنا ہے کہ شمال مغرب میں جہاں میلوں تک ایک خوفناک صحرا پھیلا ہوا ہے صحرا کے اس پار ایک ملک آباد ہے جسے لوگ سندھ کہتے ہیں وہاں کا رہنے والا چچ نامی ایک شخص پرماتما کا والی اور پشت پناہ ہے۔جب پرماتما پر کوئی آفت آتی ہے تو دیوتاؤں کی مدد سے چچ کو خود بخود اس کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اس کی مدد کو پہنچ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔"اور آج یہی بات جو اشباح نے وصیت نامے میں پڑھی تھی ایک دوسرا شخص بیان کر رہا تھا یعنی سندھ پر کوئی چچ نامی شخص حکومت کرتا تھا اور اس کے افسر اور اہلکار یہاں آتے رہتے تھے۔۔۔۔۔۔۔اشباح کو سوچ میں گم دیکھ کر احمد شہاب نے کہا۔

"میرا خیال ہے نوجوان دوست! تم اس روایت کے بارے میں جانتے ہو۔"

اشباح نے اقرار میں جواب دیا۔"ہاں میں نے ایک پرانے وصیت نامے میں یہ سب کچھ پڑھا ہے۔ویسے بھی یہاں کے لوگ اس کہانی پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔"

احمد شہاب نے کہا۔ "دوست ! یہ روایت ایک بہت بڑا فریب ہے جو پرماتما اور اس کے حواری صدیوں سے اپنی رعایا کو دے رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پرماتما کا رابطہ ہر وقت سندھ کے راجہ سے رہتا ہے۔ جب کبھی اس پر کوئی مشکل آتی ہے وہ سندھی راجہ کی طرف اپنے گھوڑے دوڑا دیتا تھا۔ اس ریاست تک پہنچنے اور یہاں داخل ہونے کا ایک نہایت مختصر اور خطرناک راستہ موجود ہے یہ راستہ دلدلوں اور خطرناک گھاٹیوں سے اٹا ہوا ہے۔ یہاں زہریلے حشرات الارض اور مچھروں کی بہتات ہوتی ہے۔ مسافر یا تو سفر کے آغاز میں ہی بھٹک جاتے ہیں یا بیمار ہو کر راہی عدم ہو جاتے ہیں۔ صرف وہی لوگ راستہ اختیار کرتے ہیں جنہیں سالہاسال کا تجربہ ہو اور محفوظ ترین پگڈنڈیوں کے بارے میں جانتے ہوں۔ پرماتما کی پکار پر سندھی راجہ کے لشکری یہی راستہ اختیار کرتے تھے اور آنا فانا ریاست میں داخل ہو جاتے تھے۔ آنا فاناً سے میری مراد چار پانچ روز ہے۔ ریاست کے لوگ چونکہ بیرونی دنیا سے بالکل کٹے ہوئے ہیں لہٰذا وہ ان لشکریوں کی آمد پر حیرت زدہ رہ جاتے تھے اور ظلم و ستم کے خلاف ان کے تمام جذبات پر اوس پڑ جاتی تھی۔"

احمد شہاب جو کچھ بتا رہے تھے یہی کچھ اشباح نے وصیت نامے میں پڑھا تھا اور عقل بھی ان دلائل کو تسلیم کرتی تھی۔ احمد شہاب نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ "ہم نے اس وقت وہی راستہ استعمال کیا ہے۔ ایک دو جگہ ہم سے غلطیاں بھی ہوئیں بہرحال ہم یہاں تک پہنچ گئے۔ ریاست کی سرحد پر سرخ پوش پہریداروں سے ہماری مڈھ بھیڑ ہوئی مگر ہم انہیں تہہ تیغ کرتے آگے بڑھتے آئے۔"

سردار ہاشم، ارون لال اور مانک وغیرہ بھی حیرت سے یہ گفتگو سن رہے تھے۔ سردار ہاشم نے کہا۔

"محترم ! احمد شہاب ! کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دفعہ بھی سندھی راجہ پرماتما کے تخت کو بچانے کے لئے کمک روانہ کر دے گا۔" سردار ہاشم کے لہجے میں ہلکا سا خوف شامل تھا۔

احمد شہاب نے کہا۔ "اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس دفعہ سندھی راجہ جس کا نام داہر ہے بہت بری طرح الجھا ہوا ہے۔ پچھلے چند مہینوں میں اسلامی لشکر نے اسے شکست دی ہے اور اب وہ دریائے سندھ پار کر کے اپنے دار لخلافہ راوڑ تک پسپا ہو چکا ہے۔ کسی بھی وقت اسلامی لشکر کے ساتھ اس کی فیصلہ کن جنگ ہو سکتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا ان حالات میں اس کے لئے اپنے اتحادی پرماتما کے لئے کمک بھیجنا آسان ہو گا۔ اگر آپ لوگ پرماتما کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے یہ موزوں ترین وقت ہے۔ اس سنہری موقعہ کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہیے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس وقت پڑاؤ کے اس خیمے میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اور خیمے سے باہر سینکڑوں پُرجوش افراد نعرہ زن تھے۔ چند کوس دور منوہر رائے کی رہائش گاہ میں اشوکا اور منوہر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ فکر مند چہروں والے چند سرخ پوش سالار اور بھی تھے۔ منوہر ایک سرخ پوش سالار پر برس رہا تھا۔ "لیکن یہ سب کچھ ہوا کیسے۔ کیا تم لوگوں نے نشہ کر رکھا تھا۔ تم جانتے ہو یہ غلطی آگے چل کر کتنی سنگین ثابت ہو سکتی ہے۔"

اشوکا نے ہاتھ اٹھا کر منوہر چند کو پُر سکون کرنے کی کوشش کی۔ "محترم سردار جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب ہمیں حقیقت کو تسلیم کر کے آئندہ پر وچار کرنا ہو گا۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اسلامی لشکر کا جتھا جس کے سپاہی چودہ پندرہ سو کے قریب ہیں۔ اشباح بن سقیل سے آن ملا ہے۔ حالات پہلے بھی کم سنگین نہیں تھے۔ اب ان کی سنگینی میں کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔ تاہم اس دستے کی آمد سے ہمیں یا باغیوں کو کوئی بہت زیادہ فرق نہیں پڑنے والا۔ میں دیکھ رہا ہوں باغیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ پیش قدمی کی تو کوئی رکاوٹ ان کے سامنے رکاوٹ نہیں رہے گی۔۔۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ لازوال پرماتما کی جانب سے ابھی تک طلسمی شکتی کا استعمال کیوں نہیں ہوا۔"

منوہر چند نے ایک طویل سانس لے کر سر کی پشت دیوار سے ٹکا دی۔ اس کی چہرے پر تفکرات کی پرچھائیاں تھیں۔ آج نہ اسے شراب مزہ دے رہی تھی اور نہ حسین دوشیزاؤں کے جسم میں چھپی نگینیاں اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور مے کے دو تلخ جام حلق سے نیچے اتار کر بولا۔

"اس بساط کا ایک بڑا مہرہ لازوال پرماتما کے ہاتھ میں ہے۔ اشباح بن سقیل اپنی بہن کی عزت اور زندگی داؤ پر لگا کر ہی پیش قدمی کا حکم دے سکتا ہے۔"

اشوکا نے کہا۔ "آپ کی سوچ درست ہے لیکن اس مرحلے میں کسی بھی امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔"

منوہر چند نے کہا۔ "اشوکا! میں تو ایک سپاہی ہوں اور میرے حوصلے کی پرکھ میدانِ جنگ میں ہو گی لیکن تم ایک ساحر ہو اور اقتیلا جام جیسے مہان جادوگر کے جانشین بھی۔ کیا تم بھی خود کو بے بس محسوس کر رہے ہو۔"

اشوکا نے کہا۔ "بے بس تو نہیں، لیکن کمزور ضرور محسوس کر رہا ہوں۔ یوں لگتا ہے میری شکتی میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ شاید یہ اس لئے ہو رہا ہے کہ میں مہاراج اقتیلا جام کی بتائی ہوئی ڈگر سے ہٹ کر چل رہا ہوں اور ان لوگوں کا ساتھ دے رہا ہوں جو مہاراج کے قاتل بھی ہیں۔"

منوہر چند نے برہم ہو کر کہا۔ "بہت نراشا کی بات ہے۔ کیا تم سے کسی نے ایسا کرنے کے لئے کہا تھا۔ تم نے خود ان لوگوں کو چھوڑا ہے جو مہاراج اقتیلا جام کے وچاروں کا مذاق اڑا رہے تھے بلکہ دیوی دیوتاؤں کی حقیقت سے ہی انکار کر رہے تھے اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک خلقت کو گمراہ کر کے اپنے پیچھے لگا لیا ہے اور کھلم کھلا ایک دوسرے دھرم کا پرچار کر رہے ہیں۔"

اشوکا نے کہا۔ "میرا یہ مطلب نہیں کہ میں واپس ان لوگوں میں جانے کا سوچ رہا ہوں۔ اب تو میں سپنے میں بھی ایسا نہیں دیکھ سکتا۔ صرف اپنی کمزوریوں کی وجہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

نشست گاہ میں چند لمحے گھمبیر کاموشی طاری رہی، پھر ایک سالار نے اشوکا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"لازوال پرماتما مہاراج اقتیلا جام کو اپنا دایاں بازو سمجھتے تھے۔ اب مہاراج کے بعد آپ مہان جادوگر ہیں۔ آپ کو موجودہ حالات میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔"

اشوکا کی آنکھوں میں کچھ دیر سوچوں کی آسیبی پرچھائیاں حرکت کرتی رہیں۔ آخر اس نے اپنے ایک سر منڈے چیلے کو اندر بلایا اور حکم دیا کہ اس کی پوجا کا انتظام کیا جائے۔ چیلا سر جھکا کر چلا گیا۔ اشوکا نے منوہر چند سے کہا۔

"سردار ایک لڑکی کی ضرورت ہے جو نوبیاہتا ہو۔ اس کے بال ترشے ہوئے ہوں اور جسم پر مردانہ لباس ہو۔"

منوہر چند نے پوچھا۔ "کیا کرنا چاہتے ہو؟"

اشوکا بولا۔ "سردار یہ بات آپ بھی اچھی طرح سمجھ رہے ہیں کہ اشباح بن سقیل یا اس کے سرداروں کو ہلاک کر دینا اس وقت مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس کے بغیر بھی پرسوں مظاہرہ ہوگا اور ہو سکتا ہے زیادہ شدید اور خوفناک ہو۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی طرح اس تحریک کا زور توڑا جائے جو بیتنے والے ہر پل کے ساتھ طاقت پکڑ رہی ہے۔۔۔ اگر لوگ آپ اپنے نیتا یار ہنما سے بدظن ہو جائیں تو ان کے حوصلوں پر اوس پڑ جاتی ہے۔ میں ایک ایسا طریقہ کار اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ جو اس تحریک کے رہنما کو بدکردار اور راکھشش ثابت کر دے۔ اگر یہ کام ہو گیا تو وشواس رکھیں بڑی خاموشی سے ایک ایسی تبدیلی آئے گی کہ ہر سازش کا تانا بانا بکھر کر رہ جائے گا۔"

منوہر چند نے پوچھا۔ "کیا اشباح کی طرف کوئی عورت بھیجو گے؟"

اشوکا نے کہا۔ "میں اتنا بیوقوف نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس مورکھ پر یہ ہتھیار کارگر نہیں۔ میں اس کی طرف عورت ضرور بھیجوں گا لیکن یہ وہ عورت ہوگی جو اس کی دھرم پتنی ہوگی اور جس سے وہ ہم آغوش ہونے میں ذرا نہیں ہچکچائے گا۔"

"کہاں سے لاؤ گے وہ دھرم پتنی اور اگر وہ سچ میں اس کی دھرم پتنی ہوگی تو اس سے اشباح کی بدنامی کو کونسا پہلو نکلے گا۔"

اشوکا کی آنکھوں میں پُراسرار چمک نظر آرہی تھی۔ "وہ دھرم پتنی لائی نہیں جائے گی۔ میرے پاس مہاراج کا بخشا ہوا ایک ایسا عمل ہے کہ میں اس کے زور پر اشباح بن سقیل کو وہی کچھ دکھا سکتا ہوں جو چاہوں۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ عورت کوئی بھی ہو اور اس کا چہرہ کیسا بھی ہو اس بدبخت کو اپنی دھرم پتنی ہی نظر آئے گی۔ شاید آپ اس عمل کے بارے میں پہلے سے نہیں جانتے۔ مہاراج اقتیلا جام کئی دفعہ اس حربے کو اپنے ورودھیوں کے خلاف کامیابی سے استعمال کر چکے ہیں۔"

اشوکا کی بات اب کچھ کچھ حاضرین کو سمجھ میں آنے لگی تھی۔ ان کے چہروں پر دلچسپی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ اشوکا نے انہیں بتایا کہ اشباح کی دھرم پتنی کسی سیتان نامی شہر میں رہتی ہے اور اس کا نام آشا ہے۔ اشباح نے اسے دھرم بدلنے پر مجبور کیا ہے اور اس کا نام اب آسیہ ہے۔۔۔ وہ آسیہ کے بارے میں بنیادی معلومات سے آگاہ تھا۔

ٹھیک نصف شب کے وقت اشوکا اپنی پوجا پاٹ والے کمرے میں چلا گیا۔ یہ عارضی طور پر منوہر چند کی رہائشگاہ کے عقبی حصے میں بنایا گیا تھا۔ دیواروں اور چھت ہر سیاہ رنگ کا روغن تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ سیاہ پتھر کے ایک بد شکل دیوتا کا مجسمہ پڑا تھا۔ اس کی لمبی سرخ زبان پیٹ پر لٹک رہی تھی اور دونوں کندھوں پر شہد کی دو مکھیاں بیٹھی تھی۔ کمرے کے ایک حصے میں چھوٹا سا حوض تھا۔ اس حوض سے بے پناہ بو اٹھ رہی تھی۔ ایسی کریہہ بو تھی کہ حسِ زامہ سن ہوتی محسوس ہوتی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ حوض میں دنیا جہاں کی مکروہات پڑی تھیں جانوروں کی ہڈیاں، گوشت، فضلہ اور پیشاب ٹوٹی ہوئی انسانی کھوپڑیاں اور مردہ حشرات الارض۔ اس حوض کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا، لیکن غلاظت کا پجاری اشوکا بالکل مطمئن نظر آتا تھا اس نے اپنے تمام کپڑے اتار دیے۔ پھر سفید روغن کا ایک چھوٹا سا ڈبہ ہاتھ میں لیا اور اس میں انگلی ڈبو کر سیاہ دیوار پر ایک تصویر بنانے لگا۔ اسے مصوری پر بھی کچھ دسترس حاصل تھی۔ تھوڑی دیر بعد دیوار پر جو تصویر بنی وہ مکمل تو نہ تھی مگر کسی حد تک اشباح سے ضرور ملتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اشوکا نے تصویر کے اوپر اور نیچے کچھ نا قابلِ فہم الفاظ لکھے اور حوض میں آ بیٹھا۔ وہ ناف سے اوپر تک غلاظت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے تالی بجائی اور ایک لڑکی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ وہ خوبصورت تھی۔ اس کے جسم پر مختصر لباس تھا اور اشوکا کی ہدایت کے مطابق اس کے بال تراشے ہوئے تھے۔ ہونٹوں کے اوپر مونچھوں کی جگہ پر بھی ہلکی سی سیاہی نظر آ رہی تھی۔ لڑکی کے ہاتھ میں شرابِ سرخ سے لبالب بھرا ہوا پیالہ تھا۔ وہ ایک بھرپور لڑکی تھی اور اسے دیکھ کر کوئی بھی مرد جوش و خرد کھو سکتا تھا۔ اشوکا غلیظ حوض میں کھڑا ایک ٹک اس حسن مجسم کو دیکھتا رہا۔ وہ جیسے اس دوشیزہ کے بدن کا ہر ہر حصہ اپنی نگاہوں میں قید کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے

ہونٹ بھی مسلسل حرکت کر رہے تھے۔ دوشیزہ بے حرکت کھڑی تھی۔ آخر اشوکا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر جانے کی ہدایت کی۔ وہ شرمائی شرمائی قیامت کی چال چلتی باہر نکل گئی۔ دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا۔ اب اشوکا اس سیاہ کمرے میں تنہا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں اشباح کے شبیہہ پر مرکوز کر دیں اور زیر لب کچھ پڑھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں کی حرکت اور آنکھوں کی چمک میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک عجب سی سنسناہٹ کمرے کی فضا میں پھیلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات گزر رہی تھی۔ اس رات کے ہر پل میں سینکڑوں ہنگامے پوشیدہ تھے پل پل صبح کی طرف سرکتی ہوئی رات اپنے جلو میں ان گنت اسرار لے کر چل رہی تھی۔ تیسرا پہر نصف گزر چکا تھا۔ چاند مغرب کے رخ پر جھکا ہوا تھا۔ اشباح خیمے سے نکل کر ٹہلتا ہوا مفیاں کے تاریک جھنڈ میں چلا آیا تھا اور ایک جھاڑی سے ٹیک لگا کر گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کے سینے میں ایک الاؤ دہک رہا تھا اور اس الاؤ کی حدت سے اس کے دل و دماغ پگھل رہے تھے۔ وہ فیصلے کے "سوراہے" پر کھڑا تھا اور ان گنت ہاتھ اسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ ایک طرف اس کی بہن تھی جو برسوں سے جدا تھی اور جسے اس نے دوبارہ دیکھا بھی نہیں تھا۔ ایک طرف اس کی ماں تھی جو چیخ چیخ کر اس سے پوچھ رہی تھی، اشباح! تو اتنا سنگدل کیوں ہے۔ اگر وہ بدنصیب "ماں جائی" ملی بھی تھی تو تو نے اسے میری آغوش میں ڈالنے سے پہلے پھر کیوں کھو دیا۔ کیوں اسے پھر عذابوں کے حوالے کر دیا۔ ایک طرف اپنے والد مرحوم کے آخری الفاظ اس کی نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔ "کل ساری رات خواب میں تمہاری بہن کی چیخیں سنتا رہا ہوں وہ انجانے ہاتھوں میں ہمیں پکار رہی

ہے۔ ہمیں بلا رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہو سکتا ہے یہ سب میرا وہم ہو اور یہی بھی ہو سکتا ہے اس میں کچھ حقیقت ہو۔"

"میں کیا کروں؟" اس نے اپنی عرق آلود پیشانی انگلیوں میں تھام کر سوچا۔ ان گنت پر جوش چہرے اور لہراتے ہوئے بازو اس کے تصور میں چمکنے لگے۔ ایک نعرہ جس میں ہزاروں انسانی آوازیں شامل تھیں اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔ "آزادی۔۔۔۔۔۔آزادی۔" اس کے اندر سے کسی نے پکار کر کہا۔ "اشباح! اب نہیں تو کبھی نہیں۔ اگر اب پرماتما کے نیچے سے تخت نہ نکل سکا تو یہ ہمیشہ مظلوم انسانوں کی لاشوں پر بچھا رہے گا۔ یہ فیصلے کی گھڑی ہی اسے اپنے ذاتی خوف کے سبب ہاتھ سے نہ کھو دینا۔ تمہارا فیصلہ ان تمہارا فیصلہ نہیں ہے اس سے ہزاروں انسانوں کی تقدیر وابستہ ہے۔"

ایک دوسری آواز نے اسے جھنجھوڑا۔ "اشباح! اس وقت سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تمہاری زبان سے نکلے ہوئے چند لفظ ان ہزاروں انسانوں کے جوش کو ہوا کر سکتے ہیں۔ تمہارا ایک اشارہ انہیں منتشر کر کے ان کے گھروں میں واپس بھیج سکتا ہے تمہاری معمولی سی کوشش۔۔۔۔۔۔۔۔۔جس کے سبب تم پر کوئی الزام بھی نہیں آئے گا، تماری عزت بچاسکتی ہے اور تمہاری بہن کو حسرتناک عذابوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔۔۔۔۔۔۔"

اشباح اپنے خیالوں میں گم تھا جب کسی کا ہاتھ شانے پر محسوس کر کے چونک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ اندھیرے اجالے میں ہلابہ اس کے پیچھے کھڑی تھی اس کے کان کا چھوٹا سا آویزا اوڑھنی کے نیچے اجلے رخسار پر چمک رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں نے جنبش کی۔

"آپ خفا نہ ہو جائیں۔۔۔۔۔۔۔میں آپ کو شام سے سخت پریشان دیکھ رہی ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے آپ کو تنہا اس طرف آتے دیکھا تو تجسس سے مجبور ہو کر چلی آئی۔"

اشباح نے کہا۔ "نہیں۔ ایسی تو بات تو نہیں۔ میں نے سوچا تھا تہجد کی نماز کھلی فضا میں ادا کروں۔"

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں اسلامی لشکر سے کمک پہنچنے کے باوجود آپ کے چہرے پر خوشی نہیں۔"

اشباح خاموش ہو گیا۔ وہ ہلابہ کو نوعمری سے جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا اس سے کچھ چھپانا ممکن نہیں۔ اس کی ذہین آنکھیں جیسے انسان کے اندر تک دیکھ لیتی تھیں۔ ہلابہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"اشباح! اگر میری جان کسی کام آسکتی ہے تو بطور سردار مجھے حکم دیجئے۔ خدا گواہ ہے میں تو میل میں ایک لمحے کی دیر نہیں کروں گی۔"

اشباح بے دلی سے مسکرایا۔ "جب تک میں زندہ ہوں۔ تمہیں اس طرح سوچنے کا کوئی حق نہیں۔"

"پھر کیا بات ہے۔ فتح سے پہلے ان پر امید لمحوں میں آپ اتنے اداس کیوں ہیں؟ خدانخوستہ سیستان سے تو کوئی ایسی خبر نہیں آئی۔۔۔۔۔؟"

اشباح نے نفی میں سر ہلادیا۔ ہلابہ نے استفسار کیا۔ "کیا چندا کی طرف سے پریشانی ہے؟" اشباح چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بے خبری میں اس نے کتنی درست بات کہہ دی تھی۔ وہ ابھی تک اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ چندا کے ساتھ اشباح کا کوئی قریبی رشتہ ہے۔ اشباح نے کہا۔

"ہاں چندا کی طرف سے ہی پریشانی ہے۔ تم جانتی ہو وہ کون ہے؟"

ہلابہ نے حیرت سے کہا۔ "وہ سرسوتی کی منہ بولی بیٹی ہے اور ہمارے سرگرم ساتھیوں میں شامل ہے۔"

"ہلابہ! وہ اس کے علاوہ بھی کچھ ہے۔" ہلابہ کی آنکھوں میں ایک ساتھ کئی سوال ابھرے۔ اشباح نے کہا۔ "تمہیں یاد ہے بچپن میں۔۔۔۔۔۔۔"

اچانک اشباح کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ ہلابہ کی نگاہیں بھی سامنے کی طرف اٹھیں اور اٹھی رہ گئیں۔ ان کی تمام تر توجہ ایک نقطے پر مرکوز ہو گئی۔ "یہ کیا ہے؟" ہلابہ کے ہونٹوں سے لرزتی آواز نکلی اس سوال کا جواب اشباح کے پاس بھی نہ تھا۔ وہ بھی اپنے سامنے کوئی پچاس گز دور دیکھ رہا تھا۔ صحرا کی ریت میں ایک خوفناک بگولہ چکراتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بگولے کی بلندی غیر معمولی تھی اور حجم بھی عام بگولوں سے زیادہ تھا۔ ایسے بگولے ویران علاقوں میں عموماً دوپہر کی گرمی میں پیدا ہوتے ہیں۔ رات کی اس چٹکی چاندنی

میں یہ بگولہ عجیب وغریب لگ رہا تھا۔ چند ہی لمحوں میں بگولے نے انہیں آلیا۔ ان کے کانوں میں ہوا کی تند و تیز سیٹیاں گونجیں اور یوں لگا جیسے قدم زمین سے اکھڑ رہے ہیں۔ ہلابہ کی اوڑھنی اور اشباح کا عمامہ ایک ساتھ بگولے کی زد میں آئے اور ان کے جسموں سے جدا ہو کر بلندیوں کی طرف پرواز کر گئے۔ "اشباح!" ہلابہ نے چیخ ماری اور بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔ اشباح نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں جکڑ لیا اور ڈگمگاتے قدموں کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ بگولے کی شدت کا اندازہ کرنا محال تھا۔ اشباح کو معلوم ہوا جیسے وہ ابھی ہلابہ سمیت ہوا میں اڑ جائے گا اور اڑتا ہوا کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا۔ نہ جانے یہ اس کا وہم تھا یا حقیقت تھی۔ اسے ہوا میں مدہم چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ پھر اس نے ہلابہ سمیت خود کو زمین پر گرادیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ چند لمحے برسوں پر بھاری تھے۔ ایکاایکی بگولے نے اسے چھوڑ دیا اور چکراتا ہوا اور پھنکارتا ہوا مفیاں کی جھاڑیوں میں گم ہو گیا۔

چند لمحے بعد حواس بحال ہوئے تو اشباح نے خود کو ہلابہ کے ساتھ پیوست پایا۔ اس کے توانا بازو ہلابہ کے جسم کے گرد تھے اور اس نے اپنا چہرہ اشباح کے سینے میں چھپا رکھا تھا۔ دونوں کے جسموں میں جھاڑیوں کے کئی خار اتر چکے تھے۔ اتنی دوریاں۔۔۔۔۔ اور اتنی قربت۔ اشباح نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا ہو گا۔ اس سے پہلے ایک دفعہ جب وہ سرخ پوشوں سے بھاگ رہے تھے تو سرسوتی نے انہیں چارے کے ایک گٹھے میں ایک ساتھ باندھ دیا تھا تاکہ وہ تعاقب کرنے والوں سے محفوظ رہ سکیں۔ اس وقت انتہائی سنگین لمحات کے باوجود دونوں نے اپنا جسمانی فاصلہ برقرار رکھا تھا، لیکن اس جھکڑ نے تو ہر بُعد مٹا دیا تھا۔ وہ دو انسان ہونے کے باوجود ایک جسم کی طرح اس خار دار زمین پر پڑے تھے۔ ایک ساعت کے اندر یہ سب کچھ اشباح

کے ذہن سے گزر گیا دوسرے ہی لمحے وہ دونوں تڑپ کر اٹھ بیٹھے اور ڈگمگاتے قدموں سے کھڑے ہو گئے۔ ہلابہ کے ایک کان کا بندہ اشباح کی قمیص کے ایک بٹن میں اٹک گیا تھا۔اسے بڑی آہستگی سے جدا کیا گیا۔"بڑا خوفناک جھکڑ تھا۔"اشباح نے درختوں پر ہلابہ کی اوڑھنی تلاش کرتے ہوئے کہا۔

ہلابہ ابھی تک ہواس باختہ تھی۔شاید اس سے پہلے وہ کبھی ایسے بگولے کی زد میں نہیں آئی تھی۔ اچانک اسے اپنی اوڑھنی نظر آگئی۔وہ کوئی آٹھ گز کی بلندی پر ایک درخت کی شاخ سے کسی اژدہے کی طرح لپٹی ہوئی تھی۔اشباح کا عمامہ قریب ہی پڑا تھا۔اشباح نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا اور اوڑھنی طرح ہلابہ کے سر پر ڈال دیا۔ہلابہ کی ڈھارس بندھانے کے لئے اس نے کہا

"شام سے بہت حبس تھا۔حبس میں ایسے جھکڑ چلنے لگتے ہیں۔"

ہلابہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔اپنی اپنی جگہ دونوں محسوس کر رہے تھے کہ اس بگولے میں کوئی غیر معمولی بات تھی۔ہلابہ کی اوڑھنی جس طرح شاخ سے لپٹ گئی تھی وہ ایک عجیب منظر تھا۔یوں لگتا تھا کسی انسانی ہاتھ نے اسے مہارت سے بل دیے ہیں۔ہلابی کھوئی کھوئی نظروں سے اوڑھنی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

اشباح! کبھی کبھی تو خوف سا آنے لگتا ہے کیا آپ بھی۔۔۔۔۔۔میرا مطلب ہے آپ کو یقین ہے کہ پرماتما اور اس کے ساتھی پُراسرار قوتوں کے مالک ہیں۔کیا آپ دل سے، جادو اور طلسم کی حقیقت کو مانتے ہیں؟"

اشباح نے کہا۔"بے شک۔ہمارا علم بہت تھوڑا اور کائنات میں بہت سے راز ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ذہن ایک جادو نگری ہے ہلابہ۔۔۔۔۔۔اور انسانی خیال میں بہت قوت ہوتی ہے۔خیال کی اس قوت کو مرکوز کر کے عام انسان بھی محیر العقول کام سرانجام دے سکتا ہے۔"

"یہ جھکڑ کتنا اچانک تھا۔"ہلابہ نے اپنے دل کی بات کہی۔"میں نے ایک دفعہ اپنی دادی جان سے سنا تھا۔۔۔۔۔"وہ چپ ہو گئی۔

"کیا سنا تھا؟"اشباح نے پوچھا۔

وہ بتاتی تھیں کہ کالے علوم کے ماہر اپنے دشمن کا تصور کر کے سفلی عمل کرتے ہیں اور اس عمل سے ان کے دشمن تند بگولوں اور جھکڑوں میں گھر جاتے ہیں۔ان بگولوں میں جنات ہوتے ہیں جو انسان کو اٹھا کر کہیں سے کہیں پھینک دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!"

کوئی اور موقع ہوتا تو اشباح، ہلابہ کی اس بات کا ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیتا، مگر اس وقت اس کے چہرے پر تفکرات تھے۔اس نے کہا۔

"چلو اٹھو ہلابہ چلتے ہیں۔"

دونوں کھڑے ہو گئے۔ہلابہ نے اپنے بازو اور پاؤں سے تین چھوٹے چھوٹے کانٹے کھینچ کر نکال لیے۔اشباح کی پنڈلی میں ابھی ایک بڑا سا کانٹا باقی تھا۔وہ ذرا پاؤں دبا کر چل رہا تھا۔ایک جگہ بیٹھ کر وہ اپنا کانٹا تلاش کرنے لگا۔ابھی بمشکل اس نے کانٹا نکالا ہی تھا کہ ایک آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔خاص طور پر ہلابہ بری

طرح ٹھٹک گئی۔ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی یہ مدھم صدا کہیں دور جھاڑیوں سے آئی تھی۔ہلابہ اس پُرسوز آواز کو اچھی طرح سے پہچانتی تھی۔

اپنوں کی جدائی نے مجھے خاک کر دیا

میں دیوانی ہوا کے ساتھ صحرا صحرا اڑتا رہا

میں کہ شہنشاہ کے تاج کا موتی تھا

گلی گلی لوگوں کے قدموں میں رُلتا رہا

میرے چاہنے والے مجھے جگا کر سو گئے

جانے کن محفلوں کی جان ہو گئے

ہلابہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بے ساختہ اس آواز کی طرف کھنچتی چلی گئی۔اشباح نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ہلابہ نے سر سراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اشباح!آپ جانتے ہیں یہ کس کی آواز ہے؟"اشباح نے نفی میں جواب دیا۔ہلابہ بولی۔"اس شخص کا نام مہندر کمار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اس کا کہنا ہے کہ وہ آپ کا دوست ہے۔"

"مہندر کمار؟"اشباح نے ذہن پر زور دیا اور پھر یکا یک اس کے تصور میں شعلہ سا لپکا۔اسے آسیہ کا خوبرو نوجوان بھائی یاد آیا جو دیبل میں اس کی طرف سپہ سالار محمد بن قاسم کے لئے پیغام لے کر قلعے کی

طرف گیا تھا اور پھر واپس نہیں آیا تھا۔اس جانباز کی یاد ابھی تک اشباح کے سینے میں چنگاری کی طرح دبی ہوئی تھی۔ہلابہ کی بات نے اس چنگاری کو ہوا دے کر شعلہ جوالا بنا دیا۔اس نے ہوا کے دوش پر ڈوبتی ابھرتی صدا کو غور سے سنا اور اس کے دل نے پکار کر گواہی دی یہ اسی نوجوان رعنا مہندر کی آواز ہے۔ہلابہ اور اشباح بے قراری سے اس آواز کا منبع تلاش کرنے لگے۔ہوا کا رخ انہیں دھوکا دے رہا تھا۔اونچی نیچی گھاٹیوں اور کانٹے دار جھاڑیوں میں کچھ دیر بھٹکنے کے بعد وہ اس آواز تک پہنچ گئے۔انہوں نے دیکھا دو ٹیلوں کے درمیان ایک تنگ سی کھائی ہیں ایک شخص کمبل لپیٹ درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے۔اس کے سامنے تھوڑی سی آگ جل رہی ہے۔قریب ہی ایک چھٹی پرانی جھونپڑی کے سامنے ایک کتا غرا رہا ہے۔"مہندر!"ہلابہ نے اسے دیکھتے ہی پکارا اور بھاگ کر اس کے پاس پہنچ گئی۔مہندر بھی اب اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔آگ کی روشنی میں اس کی آنکھوں کی جگہ دو گہرے گھاؤ نظر آ رہے تھے۔اشباح سکتے کے عالم میں مہندر کی طرف دیکھتا چلا گیا۔

"کون ہے۔۔۔۔۔۔کون ہے؟"مہندر نے پوچھا۔

"یہ میں ہلابہ ہوں۔"ہلابہ نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"ہلابہ۔۔۔تم یہاں۔۔۔مجھے یقین۔۔۔نہیں آ رہا۔"مہندر نے لرزتی آواز میں کہا۔

"جانتے ہو میرے ساتھ کون ہے؟"ہلابہ کے لہجے میں دبا دبا جوش تھا۔"یہ دیکھو۔۔۔۔۔انہیں چھو کر دیکھو۔"اس نے اشباح کا ایک ہاتھ پکڑ کر مہندر کے ہاتھ میں دے دیا۔مہندر اس کے بازو اور چہرہ ٹٹولنے لگا۔اشباح نے اس کا زیادہ امتحان لینا مناسب نہیں سمجھا اور کہا۔"مہندر۔۔۔۔۔میں اشباح

ہوں۔ تمہارا دوست۔۔۔۔۔۔ تمہارا بھائی۔" مہندر کتنی ہی دیر گم صم کھڑا رہا۔ اس کے ہونٹ پھڑک رہے
تھے۔ یکایک دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔ ہلابہ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے اور جھونپڑی کے
سامنے لگاتار بھونکتا ہوا کتا بھی جیسے خاموش ہو کر حیرت سے یہ منظر دیکھنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منظر پڑاؤ کا تھا۔ مہندر اپنا لباس تبدیل کر چکا تھا اور اشباح کی خیمے میں اس کے سامنے بیٹھا اپنی روئیداد
سنا رہا تھا۔ دیبل کی لڑائی میں حصہ لینے اور راجہ داہر پر ناکام قاتلانہ حملے کے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ کس
طرح داہر کی قید سے فرار ہوا اور سرخ پوش سواروں کے ہتھے چڑھ کر آنکھوں سے محروم ہوا۔ اس نے اقتیلا
جام کے زمین دوز ٹھکانے پر ہلابہ سے ملاقات اور بعد ازاں اقتیلا جام کے حواریوں پر پرماتما کے طلسمی حملے کا
ذکر بھی تفصیل سے کیا۔ اس نے بتایا کہ کس طرح اقتیلا جام کے چیلوں نے پاگل ہو کر ٹیلوں سے چھلانگیں
لگائیں اور موت سے ہمکنار ہوئے۔ اس نے کہا۔ "میری اپنی حالت بھی غیر ہو چکی تھی۔ میرے سینے میں
آگ سی بھڑک رہی تھی۔ جوش سے بے قابو ہو کر میں ایک کھائی میں کود گیا۔ شومئی قسمت میں ایک تناور
درخت پر گرا اور اس کی شاخوں سے الجھتا ہوا زمین پر چلا آیا۔ چوٹوں کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا۔ دوبارہ
ہوش میں آیا تو میں دو لاشوں کے درمیان بے سدھ پڑا تھا۔ نیم تاریکی میں سرخ پوش گھڑ سوار چاروں طرف
چکراتے پھر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ انہیں اقتیلا جام اور ہلابہ کی تلاش ہے اور اس تلاش میں
ناکامی کے بعد وہ سخت برافروختہ ہیں۔ میں رات گئے تک اسی جگہ پڑا رہا اور پھر تاریکی میں چھپتا چھپاتا گھنے جنگل
کی طرف نکل گیا۔ کئی روز تک میں اس جنگل میں بھٹکتا رہا۔ نہ کوئی آس تھی اور نہ کوئی سہارا۔ کچھ سمجھ نہیں

آتی تھی کہ کیا کروں۔ ایک وقت ایسا آیا کہ مجھے محسوس ہونے لگا شاید میرا سارا جیون اس دشت میں آبلہ پائی
کرتے گزر جائے گا۔ یہ وہی دن تھا جب تاریک جنگل کے تاریک کونوں میں اقتیلا جام اور پرماتما کے درمیان
پُراسرار قوتوں کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک روز تاریک جنگل کے ایک حصے میں اچانک اتنا زوردار طوفان آیا کہ
درخت جڑوں سے اکھڑ گئے اور آسمانی بجلی گرنے سے جا بجا آگ لگ گئی۔ دھوئیں اور تپش سے میرا دم گھٹنے
لگا۔ میں موت کے قریب تھا جب کچھ نرم و نازک جسم والی لڑکیوں نے مجھے گھیر لیا۔ انہوں نے باری باری
میرے حلق میں پھونکیں ماریں اور میرے تنفس کو بحال کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ مہاراج اقتیلا جام کی
اپسرائیں ہیں اور مہاراج نے مجھے حکم دیا ہے کہ وہ مجھے اس جنگ زدہ علاقے سے نکال کر باہر کی دنیا میں چھوڑ
آئیں۔ ان عورتوں کے جسموں سے عجیب و غریب خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں اور لہجے مٹھاس سے لبریز تھے۔
انہوں نے مجھے کچھ پلایا اور میں گہری نیند سو گیا۔۔۔۔۔۔ دوبارہ ہوش آیا تو میں ان ویران ٹیلوں میں پڑا تھا۔
میں نے سمجھ لیا کہ یہ ٹیلے ہی میرے لئے محفوظ پناہ گاہ ہیں ورنہ مجھے یہاں چھوڑنے والے کسی بستی میں بھی
چھوڑ سکتے تھے۔ انہی ٹیلوں میں بھٹکتے ہوئے مجھے ایک جھونپڑی مل گئی۔ اس جھونپڑی کے باہر ایک افاقہ زدہ
قریب المرگ کتا بندھا ہوا تھا۔ جھونپڑی کے اندر ایک بوڑھے جنگلی کی سڑی ہوئی لاش تھی۔ میں نے اس
لاش کو اٹھا کر دفن کر دیا اور جھونپڑی کو امدادِ غیبی سمجھ کر استعمال میں لے آیا۔۔۔۔۔"

مہندر کمار کی پوری کہانی سننے کے بعد اشباح نے اسے مختصراً اپنے حالات سے آگاہ کیا۔۔ آخر میں اس
نے مہندر کو بتایا کہ وہ اس کی بیوہ بہن آسیہ سے شادی کر چکا ہے اور وہ اس وقت سیستان میں ہے۔ دیپک اور
اس کی ماتا پتا کی موت کا ذکر اس نے قصداً نہیں کیا۔۔۔۔۔ اس وقت تک دوپہر ہو چکی تھی۔ ٹیلوں پر جہاں

تک نگاہ جاتی، انسان ہی انسان دکھائی دیتے تھے۔ قافلوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ تاریک جنگل کی طرف پیش قدمی شروع ہونے میں اب صرف چھ پہر کا وقت باقی تھا۔ لوگوں کے جوش و خروش میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔ خیمے سے باہر اشباح کو مسلسل نعرے سنائی دے رہے تھے۔ غالباً بہت سے نئے آنے والے مظاہرین اشباح کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے خیمے سے باہر جمع ہو چکے تھے۔ ارون لال کی درخواست پر اشباح خیمے سے باہر نکلا۔ سردار جمہ اور بھیم سنگھ بھی اس کے ساتھ تھے۔ اپنے قائدین کو دیکھ کر ہجوم کا جوش و خروش نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔ لوگ آگے بڑھ بڑھ کر اشباح کے ہاتھ کو بوسے دینے لگے اور بعض ضعیف العقیدہ اس کے پاؤں چھونے لگے۔ وہ اس کے جسم کو ہاتھ لگا لینا بھی اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھ رہے تھے۔ اب ہر ایک کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ سنہری شاہین دراصل اشباح ہے۔ کتنی شہرتیں اور نیک نامیاں اس کی ایک ذات میں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ سنہری شاہین سے منسوب ہر واقعہ لوگوں کے ذہنوں میں تازہ ہو گیا تھا۔ وہ اسے اپنا نجات دہندہ سمجھ رہے تھے۔ سردار ہاشم ہجوم سے نکل کر آگے آیا اشباح سے درخواست کی کہ وہ لوگوں سے مختصر خطاب کرے۔ حاضرین کے مجبور کرنے پر اشباح نے تھوڑی سی بات کی۔ آخر میں اس نے اعلان کیا کہ کل طلوع آفتاب کے وقت ہماری پیش قدمی کا آغاز اس مسجد سے ہو گا جہاں آج سے بیس برس پہلے کچھ لوگوں نے تلاوتِ کلام پاک کی تھی اور اس کے نتیجے میں پرماتما کے ہرکاروں نے پانچ افراد کی زبانیں کاٹ کر ان کی پیشانیوں پر تپتے ہوئے لوہے سے مہریں لگا دیں تھیں۔ چھٹا سرفروش اپنی جان سے گزر گیا تھا اور مسجد کے دامن میں اس کا مزار آج بھی اس سانحے کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

لوگوں نے اس اعلان کی تائید میں زبردست نعرے لگائے اور بے شمار تلواریں نیاموں سے باہر نکل کر ہوا میں لہرانے لگیں۔ اشباح نے مجمعے کو منتشر ہونے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ وہ اپنی اپنی جگہ تیاری مکمل کر لیں۔ کل طلوع آفتاب کے وقت ہر شخص روانگی کے لئے تیار ہو۔ خیمے کے سامنے جمع ہو جانے والے لوگ ٹیلوں میں بکھر گئے تو اشباح اور دیگر قائدین نمازِ ظہر کی تیاری کرنے لگے۔ وضو کے لئے چشمے کی جانب جاتے ہوئے اشباح کی نگاہ "سارگاہ" پر پڑی وہ ایک درخت کے ساتھ زنجیروں سے بندھا ہوا تھا۔ اشباح کو دیکھتے ہی وہ حلق سے غوں غاں کی آوازیں نکالنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں اشباح کے لئے بے پناہ محبت تھی۔ اشباح نے بھی اس کی دیکھ بھال میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ وہ ہر گھڑی اس کا خیال رکھتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے مرہم پٹی کرتا تھا اور بعض اوقات اسے کھانا بھی خود ہی کھلاتا تھا۔ یہ اشباح کا حسنِ سلوک ہی تھا کہ وہ خوفناک شخص جس نے آبوق جا کی تاریک گہرائی میں اس سے زندگی اور موت کی جنگ لڑی تھی اب اس سے محبت کرتا تھا اور ایک دن بھی اس سے دور رہ کر بے قرار ہو جاتا تھا۔ اس کی آواز سن کر اشباح اسکے قریب گیا۔ وہ تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ کل رات سے اس کی طبیعت کچھ بوجھل تھی۔ سر میں ایک مستقل بھاری پن سا اتر گیا تھا اور ایسا اس وقت ہوا تھا جب ہلابہ اور وہ تند و تیز بگولے کی زد میں آئے تھے۔ پہلے پہل تو اشباح اسے وہم سمجھتا رہا تھا لیکن اب یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ واقعی اس کا سر رات سے چکرا رہا ہے۔ اسے یاد تھا بگولے کے اندر سے اسے عجیب آوازیں سنائی دیں تھیں اور ایک کریہہ سی بو آئی تھی۔ جیسے کسی بند جگہ میں جانوروں کا فضلہ، ہڈیاں اور سڑا ہوا گوشت ذخیرہ کیا گیا ہو۔ اشباح اس بو کو کوئی نام نہیں دے سکا تھا بلکہ اب تک اس کا یہی خیال تھا کہ شاید یہ سب اس کا وہم ہو مگر وہ اپنے سر کے اس بوجھ کو کیا نام دیتا۔۔۔۔۔۔ اس

نے چٹائی پر لیٹ کر ایک گاؤ تکیے سے ٹیک لگائی اور سوچوں میں گم ہو گیا۔ چندا کا چہرہ پوری آب و تاب سے اس کے تصور میں چمکنے لگا۔ وہ حسرت سے سوچنے لگا یہ چاند چہرہ اس کی بہن کا تھا اور اب یہ چاند تاریک بادلوں کی اوٹ لے چکا ہے۔ ایک بار پھر اس کے دل و دماغ میں فیصلے کی جنگ چھڑ گئی۔ کبھی وہ سب کچھ بھول کر صرف زلفہ کا بھائی بن جاتا اور کبھی زلفہ پس منظر میں چلی جاتی اور اس کی نگاہوں کے سامنے سینکڑوں ہزاروں پُر جوش باز و لہرانے لگتے۔ اس کی پیشانی عرق میں ڈوب ڈوب گئی۔ آخر وہ اپنے زندگی کے اس کٹھن ترین فیصلے پر پہنچ گیا کہ اسے ایک انسان پر ہزاروں انسانوں کی بھلائی کو فوقیت دینی ہو گی۔ اس نے آنکھیں موند کر تے تصور میں اپنی بہن کو مخاطب کیا۔ "میری ان دیکھی بہن! میں تجھے اپنے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ موت کو زندگی اور زندگی کو موت سے بدل سکتا ہے۔ اگر اس جہان میں ملاقات نہ ہو سکی تو ہم اگلے جہان میں ملیں گے۔ وقت اور فاصلے محبت کو کم نہیں کر سکتے۔ تیرا بھائی تجھ سے محبت کرتا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔" اس نے اپنی انکھوں کے بھیگے گوشے صاف کیے اور چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔ جلد ہی نینداس پر مہربان ہوئی اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا چلا گیا۔ حالتِ خواب میں وہ ایک بار پھر سرزمینِ عرب کے اس صحرائی گاؤں میں پہنچ گیا جہاں اس کا بچپن گزرا تھا اور جوانی کی کئی بہاروں نے اس کے ناز اٹھائے تھے۔ وہی گاؤں جہاں ایک گلی میں دنیا کا خوبصورت ترین گھر تھا۔ معمولی سا گھر لیکن دنیا کا حسین ترین گھر اس نے دیکھا اس گھر کے آنگن میں دوپہر کا وقت ہے۔ سایہ دار پیڑ تلے اس کی ماں اور نانا کھڑے ہیں۔ نانا کے لب ملتے ہیں۔

"پریشان ہو بیٹا؟"

"ہاں نانا۔۔۔ اس دور دراز خطے میں میرا واسطہ عجیب دشمن سے پڑا ہے وہ تلوار سے ہی نہیں پُراسرار ہتھیاروں سے بھی لڑتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ان دیکھی طاقتیں پوشیدہ ہیں اور اس کی درازدستی کے چرچے دور نزدیک ہیں۔

نانا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، یقین میرے بیٹے یقین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یقین وہ ہتھیار ہے جو ہر جادو اور ہر فتنے کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اپنے خدا پر بھروسہ رکھو اور اپنے ایمان کو متزلزل نہ ہونے دے۔۔۔۔۔ تو فاتح ہے۔۔۔۔ تیرا راستہ کوئی طاقت نہیں روک سکتی.

ساری دنیا کے پراسرار ہتھیار بھی یکجا ہو جائیں تو ایک تنہا انسان کے یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔۔

اشباح بڑی دیر تک نانا کی پر اثر باتیں سنتا رہا پھر یکا یک اس کی آنکھ کھل گئی ۔ وہ خود کو پہلے سے زیادہ ہلکا محسوس کر رہا تھا. مانک اس کے سرہانے کھڑا تھا، اس نے بتایا کہ عصر کی نماز کا وقت جا رہا ہے. اشباح جلدی اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔۔۔۔ اس روز مطلع ابر آلود تھا اور ٹیلوں پر دور دور تک پھوار پڑ رہی تھی.. کبھی ہوا تھم جاتی تو یہ پھوار شدت اختیار کر کے بارش کا روپ دھار لیتی تھی۔۔۔۔۔۔

اس ناموافق موسم کے باوجود ٹیلوں پر جہاں تک نگاہ جاتی خیمے اور سائبان نظر آ رہے تھی۔۔۔۔۔۔ ہزاروں لوگ کھلے آسماں تلے تھے لیکن کسی کے دل میں یہاں سے جانے کا خیال تک نہیں تھا۔ وہ سب صبح کا انتظار

کررہے تھے؛وہ صبح جوان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کرنے والی تھی. دراصل یہ لوگ خود ہی سورج تھے جورات کے اختتام پر طلوع ہو کرتاریک جنگل کے شب بیدار پرندوں کو اندھا کرنے والے تھے..

اشباح اپنے خیمے میں نیم غنودگی کی کیفیت میں لیٹا ہوا تھا۔ شمع دان میں صرف ایک مشعل روشن تھی اوراس کی روشنی میں اشیاء کے طویل سائے پراسرار لگ رہے تھے..دفعتاً پہرے پر موجود ایک رضاکار اندر آیا..اس نے بتایا کہ ایک نوجوان آپ سے ملنا چاہتا ہے۔۔۔۔اشباح کو اس پر حیرانی ہوئی کہ رات کے اس پہر کون اس سے ملنے کا خواہش مند ہے۔

پھراس نے سوچا شائد آنے والے کو کوئی مسئلہ درپیش ہو۔اس نے پہرے دار کو کہا کہ اس نوجوان کو اندر لے آئے..کچھ دیر بعد پردہ ہلا اور ایک شخص اندر آیا..اکلوتی شمع کی روشنی میں اس کا چہرہ خوابناک لگ رہا تھا..وہ ایک نوعمر خوب صورت لڑکا تھا....اشباح کی نگاہ اس پر جمی کی جمی رہ گئی تھی..اسے لگا جیسے وہ اس صورت کو اچھی طرح پہچانتا ہے..یکا یک اس کا ذہن چکاچوند روشنی سے بھر گیا

...اس کے اندر سے کسی نے پکار کر کہا...یہ آسیہ ہے....اس کی نئی نویلی دلہن...جسے مہینوں پہلے وہ سیستان چھوڑ آیا تھا..وہ خواب ناک حالت میں کھڑا ہو گیا..

کون ہو تم؟..

آسیہ...آپ کی بھولی بسری کنیز

اشباح سرتاپہ لرز گیا..جلدی سے آگے بڑھ کر اس نے آسیہ کے دونوں ہاتھ تھام لئے...آسیہ....آسیہ آپ یہاں...میں خواب تو نہیں دیکھ رہا..

نہیں میرے سرتاج

آسیہ نے آگے بڑھ کر اپنا سر اشباح کے کندھے پر ٹکادیا۔اشباح نے اس کا نیم گرم چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا اور عجب بے قراری سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔تب اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر خیمے کے پردے کو اندر سے گرہ لگادی۔ شمعدان کی روشنی میں دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ باہر رہ رہ کر بجلی چمک رہی تھی اور بارش کی بوندیں خیمے کے اوپر گر کر ایک دلگداز موسیقی پیدا کررہیں تھیں۔آسیہ نے اپنا سر اشباح کی گود میں چھپالیا اور سسکیوں سے رونے لگی۔

سرتاج...آپ مجھے کیوں چھوڑ آئے تھے...مجھے بہت تڑپایا ہے آپ نے..کیوں بھول گئے تھے مجھے....بہت رلایا ہے آپ نے مجھے...

اشباح دیر تک اس کے ترشے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔آسیہ کے آنسو بہہ چکے....تو وہ اشباح کو اپنی روئیداد سنانے لگی۔اس نے بتایا.

میرے آقا..آپ کی جدائی نے مجھے بہت پریشان کررکھا تھا۔مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ کو کہاں تلاش کروں۔آخرکار سالارِاعظم محمد بن قاسم نے آپ کی تلاش میں مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا۔میری خواہش تھی کہ میں بھی دستے کے ساتھ جاتی لیکن میں جانتی تھی کہ محمد بن قاسم کبھی مجھے اس کی اجازت نہیں دیں گے۔اس

لئے میں نے دستے کے سالار کو اپنا ہمراز بنایا اور ایک سپاہی کے روپ میں دستے کے ساتھ شامل ہو گئی۔ ہم جن مشکلات سے گزر کر آپ کے پاس پہنچے ان کے بارے میں تو آپ جان ہی چکے ہیں۔ میں کل سے آپ کو دیکھ رہی تھی اور بے تاب تھی کہ آپ کو اپنے بارے میں بتاؤں۔ آخر کار اس ابر آلود موسم نے مجھے یہ موقع فراہم کر دیا اور میں آپ تک پہنچ گئی۔ اشباح نے ایک بار پھر اپنی نگاہیں آسیہ کے حسین چہرے پر جما دیں۔ اس کے پردہ ء ذہن پر انگنت تصویریں بن گئیں۔ آسیہ اپنی بھرپور نسوانی آواز میں اور بڑے ملائم لہجے میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ سیستان کی باتیں، وہاں کے شب و روز کی باتیں، اپنے دکھوں اور امیدوں کے تذکرے، اسلامی لشکر اور جنگ کی حکائتیں۔ اس کے نرم و گداز ہاتھ، ریشم جیسے ملائم اور دھوپ جیسے گرم ہاتھ اشباح کے ہاتھوں میں الجھے ہوئے تھے۔ ان ہاتھوں میں جو بن تھا، جوانی تھی۔ جوانی کے اسرار اور رنگینیاں تھیں اور ابر آلود موسم کا طلسم تھا۔ نہ جانے کیوں اشباح کے ہونٹ خشک ہونے لگے... پانی پیئیں گے؟.. آسیہ نے پوچھا اور پھر اشباح کا جواب سننے سے پیشتر ہی صراحی کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے صراحی میں سے ایک پیالہ بھرا اور اشباح کی طرف لے آئی۔ یہی وہ وقت تھا جب پہریدار کی آواز آئی

سردار... آپ سے کوئی ملنے چاہتا ہے

آسیہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ابھرے۔ اشباح نے اٹھ کر دروازے کی ڈوری کھولی۔ سامنے ہلابہ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرم و حیا کی لکیریں تھیں۔ وہ پلکیں جھکا کر بولی۔ اشباح!.. آپ سے ایک مختصر بات کرنا چاہتی ہوں.. کیا آپ اس سامنے والے درخت تک چلیں گے؟

اشباح اپنا رخ پھیر کر اندر چلا گیا۔۔۔۔۔ اس نے کہا معاف کرنا آسیہ۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں

آسیہ سے اجازت لے کر وہ ہلابہ کے ساتھ چل دیا۔ بارش کی پھوار میں وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہ سایہ دار درخت کے نیچے پہنچے۔ یہاں ایک چھوٹے سے خیمے میں داخل ہو کر ہلابہ نے غور سے اشباح کا چہرا دیکھا۔

اشباح ۔۔۔۔ میں آپ پر ایک گہرا انکشاف کرنا چاہتی ہوں۔۔۔۔ اس کی آواز جذبات کے بوجھ سے لرز رہی تھی۔

کیسا انکشاف؟؟۔۔۔۔۔

ہمیں ایک خطرناک سازش کا شکار کیا جا رہا ہے اور اس سازش کا تعلق اس عورت سے ہے جو اس وقت آپ کے خیمے میں موجود ہے؟۔۔۔۔۔

کھل کر بات کرو ہلابہ میں سب کچھ سن رہا ہوں۔

ہلابہ نے کہا۔۔۔۔۔ آپ کو شائد میری بات پر یقین نہ آئے لیکن میں خود ایسے حالات سے گزر چکی ہوں اور اس کیفیت سے آگاہ ہوں جو اس وقت آپ پر طاری ہے۔۔۔۔۔۔۔ وہ عورت جو آپ کے ساتھ ہے ۔۔۔۔۔ آسیہ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ پرماتما اس کے کسی ساحر کی بھیجی ہوئی کوئی اجنبی عورت ہے۔

اشباح دم سادھے، یک ٹک ہلابہ کی طرف دیکھتا رہا۔ ہلابہ نے کہا۔۔۔ میں نے کچھ دیر پہلے ایک

مشکوک سائے کو آپ کے خیمے میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ میں آپ سے معافی چاہتی ہوں کہ میں نے آپ کی سراغ رسی کی کوشش کی اور آپ کے خیمے میں جھانکنے کی گناہگار ہوئی۔ بہر حال میرا یہ گناہ رائیگاں نہیں کیا۔ میں نے کوئی بڑا المیہ رونما ہونے سے پہلے ہی آپ کو خبر دار کر دیا ہے۔۔۔اشباح اب بھی چپ تھا..

وہ بولی... شائد آپ یہ سن کر مزید حیران ہوں کہ وہ اجنبی عورت آپ کو جو پانی پیش کر رہی تھی۔۔۔وہ بھی پانی نہیں تھا اس نے اپنے لبادے کے اندر سے شراب نکال کر پیالے میں انڈیلی تھی۔ کسی نامعلوم عمل کے زیر اثر آپ یہ شراب بھی پانی سمجھ کر اپنے حلق میں اتارنے والے تھے۔۔۔۔آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا۔۔۔۔

اشباح نے مسکرا کر کہا۔۔ہاں۔۔۔۔میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں۔ ہلابہ کا خیال تھا کہ یہ سب انکشافات اشباح کو اچھلنے پر مجبور کر دیں گے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ اشباح کے اطمینان وسکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کے خوب صورت ہونٹوں نے ایک دل نشین مسکراہٹ اوڑھ کر کہا

ہلابہ۔۔۔اس خیر خواہی کے لئے بے حد شکریہ۔۔۔تاہم آپ کی اطلاع میرے لئے انکشاف کی حیثیت نہیں رکھتی.... میں جانتا ہوں کہ وہ لڑکی آسیہ نہیں ہے اور وہ جو پانی مجھے پیش کر رہی تھی وہ بھی پانی نہیں تھا۔

اب ہلابہ کے حیران ہونے کی باری تھی۔۔۔وہ غیر یقینی نظروں سے اشباح کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔۔

اشباح نے کہا۔۔ایسے مت دیکھو۔۔۔میں پوری طرح حواس میں ہوں۔۔۔اس عورت کی آمد کے وقت مجھ پر غنودگی کی کیفیت ضرور طاری تھی اور میری نگاہیں بھی فریب کھا رہی تھیں مگر بہت جلد میں اس

غنودگی کو جھٹکنے میں کامیاب ہو گیا اور اب میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اگر پر ماتما نے واقعی مجھ پر سحر کیا تو میں اس سحر کو توڑنے میں کامیاب رہا ہوں۔

ہلابہ سے گفتگو کرنے کے بعد اشباح سیدھا سردار جہم بن زحر کے خیمے میں پہنچا۔ مانک، بھیم سنگھ اور کچھ دوسرے سرداروں کو بھی وہیں بلا لیا گیا۔ اشباح نے انہیں مختصر الفاظ میں ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ یہ ساری باتیں ناقابل یقین تھیں لیکن اس جادو نگری میں پہنچنے والے کو ہر بات پر یقین کرنا پڑا۔ تمام سردار اشباح کے خیمے میں پہنچے تو وہ خوبصورت عورت مردانہ لباس میں موجود تھی۔ اشباح کی بجائے اتنے سارے مردوں کو دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو گئی۔ اس کا جرم اس کے چہرے پر درج تھا۔ بھیم سنگھ نے کئی زناٹے کے تھپڑ اس خوبصورت بلا کے منہ پر مارے

اور پھر خنجر کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔ بھیم سنگھ کے پر غضب انداز نے اس فاحشہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے اعتراف کر لیا کہ وہ اشوکا اور منوہر چند کی بھیجی ہوئی سردار اشباح کے خیمے میں آئی تھی۔ اس نے کہا وہ شادی شدہ ہے اور۔ اس سازش کی خاطر اپنی عزت لٹانے کی قیمت پر منوہر چند نے اس کے شوہر کو دس گھوڑوں، پانچ غلاموں اور پانچ کنیزوں کے انعام کا وعدہ کیا تھا۔

اسی دوران لوگوں کا ایک گروہ دو ہٹے کٹے افراد کو پکڑ کر اشباح کے خیمے کے سامنے لے آیا۔ شور وغل سن کر اشباح اور دوسرے سردار باہر نکل آئے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ دونوں اشخاص پر ماتما کے جاسوس ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو سردار اشباح کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ اشخاص

دوسرے سرداروں کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ سردار اشباح کے خیمے میں ایک خوبصورت ہندو عورت موجود ہے اور ہمارے منہ میں خاک سردار اشباح اس عورت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔ان دونوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو اسی وقت ان کی گردنیں سردار اشباح کے خیمے کے سامنے مار دی جائیں۔یہ لوگوں کو ساتھ لے کر سرادر اشباح کے خیمے کی طرف آ رہے تھے کہ اطلاع ملی کہ سرادر اشباح کے خلاف ایک گھناؤنی سازش پکڑی گئی ہے اور ایک عورت نے اعتراف کیا ہے کہ وہ منوہر چند کی آلہء کار ہے

بھیم سنگھ خیمے کے اندر سے اس عورت کو بازوؤں سے گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔شعلوں کی روشنی میں عورت کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔لوگوں نے غضبناک نعرے لگائے اور مطالبہ کیا کہ عورت کا سر قلم کیا جائے۔وہ رو رو کر سب کے پاؤں پڑنے لگی اور جان بخشی کی التجائیں کرنے لگی۔بھیم سنگھ نے وزنی تلوار نکال لی اور اجازت طلب نظروں سے اشباح کی طرف دیکھنے لگا۔اشباح کی نگاہیں عورت کی طرف تھیں جو اپنی تمام تر دلکشی کے ساتھ زمین پر پڑی کانپ رہی تھی اور سرتاپا فریاد بنی ہوئی تھی ۔۔۔اشباح کے ہاتھ کا ایک اشارہ اس کے کندھوں کو اس کے سر کے بوجھ سے نجات دلا سکتا تھا'''اشباح نے مشورہ طلب نظروں سے سردار جہم کی طرف دیکھا اور پھر بھیم سنگھ کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلا دیا۔۔۔۔اس کا مطلب عورت کی جان بخشی تھا۔بھیم سنگھ نے ٹھوکر مار کر عورت کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ اٹھی اور لپکتی ہوئی ایک جانب چلی گئی۔۔۔خواب بیدہ لوگوں کا ہجوم ایک جم غفیر کی صورت اختیار کر چکا تھا۔۔۔عورت کے بعد ان کی شعلہ ء بار نگاہیں اب ان دو افراد پر لگی تھیں جنہوں نے ان کے محبوب سرادر اشباح کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی- یہ دونوں افراد موت کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے-

انہوں نے چلا چلا کر رحم کی درخواستیں شروع کیں مگر ان کے لئے کسی کے دل میں رحم کی رمق نہیں تھی-

طاقتور بھیم سنگھ نے ان میں سے ایک کو جانور کی طرح پچھاڑ کر نیچے گرایا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کی گردن پر خنجر چلا دیا۔۔۔۔۔۔۔شہ رگ کٹ گئی اور خون کے فوارے پھوٹ نکلے-دوسرے شخص نے یہ منظر دیکھا تو حواس باختہ ہو کر بھاگنے کی کوشش کی مگر لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور لمحوں بعد اس کی خونچکاں لاش انگنت قدموں تلے روندی جا رہی تھی

اشباح اور دیگر سردار مرکزی خیمے میں واپس چلے گئے-باقی کی رات جاگ کر گزارنے کا فیصلہ کیا گیا ویسے بھی اب صبح صادق زیادہ دور نہیں تھی-خیمے میں پہنچ کر اشباح نے سردار جہم سے پھر وہی درخواست کی جو اس سے پہلے بھی متعدد بار کر چکا تھا-اس نے سردار جہم سے کہا کہ وہ اس مظاہرے کی قیادت سنبھال لیں کیونکہ وہ محمد بن قاسم کے قریبی ساتھی ہیں اور ان کا رتبہ ہر لحاظ سے زیادہ ہے-سرادر جہم نے بھی وہی جواب دیا جو اس سے پہلے دے چکے تھے-انہوں نے کہا کہ وہ یہاں کے لوگوں کے لئے محبوب رہنما ہیں اور ان کی قیادت کرنا ہر لحاظ سے ان کا حق اور فرض بنتا ہے-انہوں نے حتمی فیصلہ کیا کہ مظاہرے کی کمان اشباح کے ہاتھ میں ہی ہو گی

نمازِ تہجد کی مشترکہ ادائیگی کے بعد اشباح اپنے خیمے میں واپس آ گیا- گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ اس کے چہرے پر عجیب طرح کا جلال نمودار ہو رہا تھا-خیمے کے ایک گوشے میں اس کا سامان پڑا تھا-اس سامان میں وہ تلوار بھی تھی جو اس کے والد نے اسے تحفے میں دی تھی-یہ اشباح کی زندگی کا سب سے خوبصورت تحفہ تھا-

آج اسے اس تحفے کا حق ادا کرنا تھا-اس نے تلوار نکال کر ہاتھ میں لی- سر جھکا کر اسے بوسہ دیا اور نیام میں ڈال کر اسے گود میں رکھ لیا-اس کی سماعت میں اپنی والدہ کے الفاظ گونجنے لگے """ تیرے باپ کی خواہش تھی بیٹا ایک روز تو یہ تلوار لے کر نکلے اور دشمنوں کی صف میں آگے ہی آگے بڑھتا جائے- پھر تو فاتح بن کر لوٹے یا اپنے ہی خون میں ڈوب کر سرخرو ہو جائے------"'

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کی آمد کا نقارہ بج چکا تھا-ہر رکاوٹ دور ہو گئی،ہر سازش بکھر چکی تھی اور ہر حیلہ ناکام ہو ہو گیا تھا-جو اجالا پھیلنا تھا پھیل کر رہا تھا-جو سورج چڑھنا تھا چڑھ کر رہا تھا-اشباح کے پیچھے پر جوش انسانوں کا لا متناہی سمندر تھا اور اشباح اپنے ہاتھوں سے

اس چھوٹی سی کہنہ مسجد کا دروازہ کھول رہا تھا جو بیس سال سے بے آباد پڑی تھی-اس مسجد کے در و دیوار پر جیسے آج بھی سرخ پوش سالار کڑکدار آواز گونج رہی تھی--اب اور کون اس حرکت کی جرات کریگا""" اب اور کون نام لے گا اپنے خدا کا؟؟-----یہ سوال بیس برسوں سے اپنا جواب ڈھونڈ رہا تھا-----اور آج جواب دینے والے پہنچ گئے تھے-اشباح نے دروازہ کھولا اور جوتے اتارے اور مستحکم قدموں سے چلتا ہوا مسجد کے صحن میں ٹوٹے پھوٹے چبوترے پر چڑھ گیا-اس کے اندر ایک الاؤ دہک رہا تھا-ایک طوفان مچل رہا تھا،نادیدہ آوازا بھی تک اس کی سماعت کو کچوکے لگا رہی تھی،،،،اب اور کون جرات کرے گا---اور کون کرے

گا؟؟؟اشباح نے قبلہ رو ہو کر آنکھیں بند کیں-اس کے دونوں ہاتھ اٹھ کر کانوں میں آئے---اس نے کشادہ سینے میں سانس بھرا اور اس کے ہونٹوں سے ایک بے باک صدا بلند ہوئی

اللہ اکبر------------اللہ اکبر

اشہد اللہ الا اللہ-------------

برسوں سے بے آباد خانہ ءخدا کے خس و خاشاک جھوم اٹھے-ان گنت انسانوں کے ہجوم پر سکوت طاری ہو گیا-اللہ کی توحید کا برملا اعلان کرنے اور لوگوں کو فلاح کی طرف بلانے کے بعد اشباح چبوترے سے نیچے اترا-اس عظیم الشان جلوس کے قائدین نے صفیں ترتیب دیں-سب سے آگے اسلامی دستے کے شاہسوار تھے وہ فوجی لباسوں میں گھوڑوں پر سوار تھے-ڈھالیں نیزے،بھالے سب کچھ ان کے پاس موجود تھا-ان کے پیچھے پیدل و سوار مقامی لوگ موجود تھے-یہ کوئی چوبیس صفیں تھیں-ہر صف کی لمبائی چوتھائی فرسخ کے قریب تھی-ان صفوں کی خصوصیت یہ تھی کہ سب لوگ مسلح تھے-اس کے پیچھے انسانوں کا ایک سمندر تھا-یہ لوگ نہتے تھے مگر ان کے جذبوں نے انہیں سر تا پا جنگجو بنا رکھا تھا-ان کا یقین انکی ڈھال اور ان کا جوش ان کا ہتھیار تھا-وہ تعداد میں بے شمار اور ہمت میں بے کراں تھے-اشباح نے اپنی بائیں طرف دیکھا ،اس کے کندھے سے کندھا ملائے جو شخص کھڑا تھا وہ مانک تھا--ریاست کا سب سے خوبرو نوجوان---رو رو کر اس کی آنکھیں سرخ ہو چکیں تھیں-اس کی آنکھوں میں ایک آگ سی بھڑک رہی تھی-یہ آگ چند ا کے لئے تھی-جو اس سے مل کر ایک بار پھر بچھڑ گئی تھی---------اس کا چہرہ گواہی دے رہا تھا کہ یہ آج

وہ اپنے ساتھیوں کے شانہ بشانہ پرماتما کی اندھی قوت سے لڑتا ہوا مر جائے گا یا پھر اس سفید محل کو چکنا چور کر دے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جس میں چندا قید تھی اور چندا جیسے ان گنت مظلوموں کی چیخیں گونج رہیں تھیں۔

پیش قدمی شروع ہوئی۔ آگے آگے گھوڑوں کی قطاریں اور گھوڑوں پر چاق وچوبند سوار اور سواروں کے ہاتھوں میں پرچم اور نیزے اوران کے سروں پہ چمکتے خود اور گردنوں میں آہنی جھالریں۔ان کے عقب میں پیدل سوار دستے تھے۔ان دستوں کے لباس مختلف تھے اور ہتھیار بھی کئی طرح کے تھے۔ مگر ایک ہی جذبہ ہر آنکھ میں الاؤ بن کر دہک رہا تھا۔ان کے قدموں سے اڑنے والی دھول چڑھتے سورج کی روشنی میں سرخ بادلوں کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ زمین کا سینہ اس عظیم لشکر کی آمد سے کانپ رہا تھا۔

"دوارے "تک کسی بھی جگہ اس لشکر کی مزاحمت نہیں کی گئی۔ کہیں کوئی سرخ پوش نظر آیا نہ کوئی رکاوٹ دکھائی دی۔یوں لگ رہا تھا انسانوں کا یہ جم غفیر اسی طرح دندناتا ہوا اور نعرے زنی کرتا سفید محل تک جا پہنچے گا لیکن ہر شخص جانتا تھا ایسا حقیقت میں نہیں ہو گا۔ عنقریب ان کا راستہ روک لیا جائے گا۔ پھر ایسے ہی ہوا۔ جو نہی لشکر کے ہر دواول دستے "دوارے "کے مرکز میں پہنچے اور انہوں نے پہلی نہر کے پل کی طرف بڑھنا چاہا نہر کے ساتھ ساتھ دور دور تک سرخ پوشوں کی قطاریں نظر آئیں۔وہ سر تا پا آہن میں ڈوبے اپنے جنگی گھوڑوں پر سوار، ہتھیاروں سے لیس کھڑے تھے۔ بے حس وحرکت، پتھروں کی طرح ساکت و جامد۔ان کے آگے مست ہاتھیوں کی ایک قطار کھڑی تھی۔ یہ کم وبیش چالیس ہاتھی تھے، ہاتھیوں کے

جسموں پر زرہیں تھیں اوران کے ہودے چاروں طرف سے بند تھے۔ سرخ فوج کو دیکھ کر عوام کا جوش و خروش انتہا پر پہنچ گیا۔رضاکاروں کے سوار اور پیدل دستے فلک شگاف نعرے لگانے لگے۔ایک لمحے کے لئے یوں محسوس ہوا جیسے بغیر کسی وجہ کے اس سیلاب کے بند ٹوٹ جائیں گے اور ہر طرف موت کا دریا بہہ جائے گا۔اشباح اور دیگر سالار سرخ پوشوں سے کوئی پچاس گز دوری پر رک گئے۔وہ حالات کا جائزہ لینا چاہتے تھے۔ سرخ پوشوں کی طرف دو گھڑ سوار گھوڑا بھگاتے ہوئی آئے۔ان کے ہاتھ میں سفید پرچم تھے۔۔۔۔ان میں سے ایک نے اشباح کے ہاتھ میں ایک لکھا ہوا پیغام تھما دیا، یہ پیغام ایک مختصر سے کاغذ پہ لکھا تھا۔۔اشباح فوراً پہچان گیا کہ یہ تحریر منوہر چند کی تھی۔ منوہر چند نے لکھا تھا۔

"اشباح بن سقیل لازوال پرماتما کی طرف سے تمہیں آخری بار متنبہ کیا جاتا ہے۔ تمہاری بہن اس وقت ہمارے قبضے میں ہے آگے بڑھنے سے پہلے ایک بار پھو سوچ لو

جہاں تم کھڑے ہو یہاں سے ایک قدم بھی آگے بڑھے تو وہ لڑکی اس دنیا میں نہیں رہے گی۔ "اشباح نے تحریر پڑھنے کے بعد کاغذ کے ٹکرے کر دیئے اور سرخ پوش گھڑ سواروں سے بولا اپنے سرداروں سے کہہ دو ہم میں سے ہر ایک کی جان اس کی ہتھیلی میں ہے۔ ہمیں موت سے ڈرانے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں

گھڑ سوار یہ جواب لے کر واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک تحریری پیغام لائے۔ یہ پیغام پرماتما کی طرف سے منوہر چند کی تحریر میں تھا۔اس میں اشباح اور اس کے ساتھیوں کو بتایا گیا تھا کہ وہ بغاوت کے

مرتکب ہورہے ہیں اور پرماتما کے نزدیک بغاوت کی سزا عبرت ناک موت ہے۔انہیں ایک بار سوچنے کا موقع دیا جاتا ہے۔لازوال پرماتما کی خواہش ہے کہ اس سے پہلے کہ موت باغیوں پر مینہ کی صورت برسنے لگے وہ پیچھے ہٹ جائیں۔پرماتما کی طاقتیں نا قابل تسخیر ہیں اور باغیوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اب نیلمان بھی پرماتما کے پاس ہے۔اور نیلمان کیا ہے یہ سب کو معلوم ہے اور سب جانتے ہیں

اشباح نے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور اس پیغام کا دوٹوک الفاظ میں جواب دیا۔

اس نے لکھوایا

"منوہر چند! تمہارا پرماتما جسے بغاوت کہہ رہا ہے وہ "آزادی " کا نا قابل شکست جذبہ ہے۔وہ ذرا اپنی پناہ گاہ سے سر نکال کر انسانوں کے اس عظیم سمندر کو دیکھے اور بتائے کہ باغی یا قانون شکن وہ ہے یا یہ ہزاروں لاکھوں انسان؟ اگر پرماتما اپنی اور اپنے ساتھیوں کی عبرت ناک موت سے بچنا چاہتا ہے تو خود کو رعایا کے حوالے کردے"

اشباح اور پرماتما کے درمیان یہ بالواسطہ خط و کتابت دوسرے پہر کے آغاز تک جاری رہی۔اس کے بعد ایک زبردست تبدیلی آئی۔پرماتما اور اس کے ساتھی جنگ کی باتیں چھوڑ کر بات چیت پر آمادہ ہوگئے۔منوہر چند نے واضح الفاظ میں یہ پیغام بھجوایا

میں منوہر چند لازوال پرماتما کی طرف سے اشباح بن سقیل کی طرف مفاہمت اور دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔لازوال پرماتما بہر حال کشت و خون سے بچنا چاہتے ہیں۔ان کے نزدیک رعایا کی مرضی ہر چیز پر مقدم ہے۔اگر عوام ریاست کا نظام

اگر عوام ریاست کا نظام چلانے کے لئے کسی اور کا چناؤ کرنا چاہتے ہیں تو پرماتما حکمرانی کے فرض سے سبکدوش ہونے کے لئے تیار ہے۔اس سلسلے میں طریقہ کار طے کرنے کے لئے میں لازوال پرماتما کی طرف سے سردار اشباح اور دیگر آٹھ سرداروں کو بات چیت کی دعوت دیتا ہوں۔اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ یہ بات چیت مکمل دوستانہ ماحول میں ہوگی۔

اشباح نے اس پیغام کے سلسلے میں اپنے قریبی ساتھیوں کسے مشورہ کیا اور آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ پرماتما کی دعوت قبول کرلی جائے۔یہ بات چیت اسی عمارت میں ہونا طے پائی جہاں طلائی مورتی میں پرماتما کی آواز پھوٹتی تھی۔اشباح نے اپنے لشکر کے ہراول دستے کے سامنے ایک مختصر سی تقریر کی۔اس کے بعد وہ اپنے قریبی ساتھیوں، سردار ہاشم، مانک ارون لعل، سردار جہم اور بھیم سنگھ وغیرہ کے ساتھ مورتی والی عمارت کی طرف روانہ ہوا۔ناگاہ ایک طرف سے شور بلند ہوا۔اشباح کے پوچھنے پر اسے بتایا گیا کہ سارگا اس کے پاس آنے کے لئے پھر زور مار رہا ہے آبوق جا سے برآمد ہونے والا گرانڈیل سارگا زنجیروں میں بندھا ہوا لشکر کے ساتھ چل رہا تھا۔وہ اشباح کے ساتھ بے حد مانوس ہو چکا تھا۔اس کی خواہش رہتی تھی کہ ہر وقت اشباح کے ساتھ رہے کئی دفعہ وہ اپنے رکھوالوں کو زنجیروں سمیت کھینچتا ہوا اشباح کے پاس چلا آتا تھا۔

اشباح اپنے ساتھیوں سمیت عمارت کے اندر پہنچا۔ایک وسیع کمرے میں دبیز قالین پر بیش قیمت نشستوں کا انتظام تھا۔ سردار نشستوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد پراسرار گھنٹیوں کی آواز بلند ہوئی۔ایک بلند و بالا پردے کے پیچھے سے منوہر چند بڑے کروفر کے ساتھ برآمد ہوا۔

اس کے ساتھ چیدہ چیدہ سردار تھے۔ منوہر چند نے اعلان کیا کہ لازوال پرماتما چند ساعتوں کے اندر تشریف لا رہے ہیں۔ پھر پردے کے عقب سے ایک تیز سرخ روشنی پھوٹتی محسوس ہوئی اور پرماتما کا ہیولہ نمودار ہوا۔

اشباح اور دیگر سردار اخلاقاً اٹھ کھڑے ہوئے پرماتما نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ بایک سنہری نقاب کے اندر سے اس کی آنکھیں دو ہیروں کی طرح چمک رہیں تھیں۔

پرماتما کے بیٹھتے ہی نیلے لباس والے تمام خدام اور افسران منوہر چند سمیت الٹے پاؤں چلتے ہوئے باہر نکل گئے۔اب پرماتما اپنی کرسی پر تنہا تھا۔اس کے سامنے اشباح اور اس کے آٹھ سردار بیٹھے تھے۔ چند لمحے گھمبیر خاموشی طاری رہی یہ خاموشی اعصاب کو بری طرح متاثر کرتی تھی

پرماتما کی آواز کمرے میں گونجی

"خوش آمدید دوستو! تم سب سے مل کر ہم بہت خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ تمہارے چہروں پہ تمہارے دل کا حال لکھا ہے اور تمہارے حال دیوتاؤں کی دشمنی سے بھرے پڑے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ دشمنی کی یہ ڈگر کیوں اختیار کی تم نے"

پرماتما نے اپنے دائیں ہاتھ کو حرکت دی اور نقاب تک پہنچا کر اسے الٹ دیا۔

یہی وہ لمحہ تھا جب کمرے میں موجود سب نے پرماتما کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔اور یہی لمحہ قیامت کا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس لمحے نے نگاہوں کو اسیر کر لیا اور ذہنوں کو اپنے بے نام اسرار میں جکڑ لیا۔پرماتما کی آنکھوں میں روئے زمین کا مہلک ترین جادو تھا۔اس جادو کی لہروں نے اشباح اور اس کے ساتھیوں کو مسحور کر دیا اور وہ دم سادھے منہ کھولے اپنی جگہ پر بیٹھے رہ گئے۔پرماتما کی سنگ پاش نگاہیں ان کی آنکھوں کے راستے ان کے دماغوں میں گھس گئیں اور ان کی سوچوں کو اپنا تابع کر لیا۔اشباح کو پرماتما کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔۔

سو جاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔سارے سو جاؤ۔۔۔۔۔۔۔آہستہ آہستہ آنکھیں بند کر لو۔۔ مگس دیوتا کی خاطر سب کچھ بھول جاؤ۔۔۔۔۔۔عنقریب میں تمہیں جگاؤں گا اور تمہیں وہی کرنا ہو گا جو میں تمہیں کہوں گا۔۔۔۔۔۔سو جاؤ۔۔۔۔۔۔قدیم کتاب کا وارث، مگس دیوتا کا ادنی غلام تمہیں حکم دے رہا ہے کہ سو جاؤ۔۔۔۔۔۔

اشباح کو لگا کہ ایک دھند سی اس کے دماغ میں بھر رہی ہے اور کوئی اسے ان گنت ہاتھوں سے نیند کی وادی کی طرف کھینچ رہا ہے۔اس کے کانوں میں دنیا کی رسیلی ترین لوریاں گونج رہیں تھیں "نہیں نہیں مجھے نہیں سونا" اس کے اندر سے کوئی چیخ کر بولا۔""ہوشیار اشباح بن سقیل ہوشیار""یہی لمحے فیصلے کے ہیں۔ہار جیت یہیں پر ہونی ہے۔تو سحر کی زد میں ہے اور تجھے اس سحر کو بے کار کرنا ہے۔کیسے ؟۔۔۔اپنے یقین سے "اپنے یقین سے "وہ خود کو نیند کی حالت سے نکالنے لگا۔اس کی نگاہیں پرماتما کی نگاہوں میں پیوست تھیں لیکن وہ آنکھوں کے گوشے سے دائیں بائیں دیکھ سکتا تھا۔وہ باخبر تھا کہ اس کے تمام سردار اور مصاحب ایک ایک کر کے اپنی اپنی نشستوں پر پھسل چکے ہیں یا یا نیچے لڑھک گئے ہیں۔ان میں سردار ہاشم، سردار جہم، بھیم سنگھ

سب شامل تھے۔ وہ سب گہری نیند میں کھو گئے تھے۔ اشباح نے کوشش کی کہ کسی طرح وہ اپنی نگاہ کو پرماتما کی آنکھوں کے جال سے نکال لے لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کی آنکھیں اس کا حکم ماننے سے انکار کر رہی تھیں

وہ جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا۔ دیکھنا نہیں چاہتا تھا پھر بھی دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اشباح اور پرماتما کی آنکھوں کے درمیان وہ کشمکش طویل اور صبر آزما تھی۔ ان چند لمحوں میں اشباح اپنی زندگی کے سخت ترین امتحانوں سے گزر گیا۔ اس کے لب مسلسل آیاتِ قرآنی کا ورد کر رہے تھے۔ اور دل پکار پکار کر کہہ رہا تھا اگر۔ ان لمحوں میں وہ ہار گیا تو تو اس کے ساتھ ہزار ہا انسان بھی ہار جائیں گے۔ ایکا ایکی اشباح نے اپنے سر کو زوردار جھٹکا دیا اور نگاہوں کو پرماتما کی جادو اثر نگاہوں سے جدا کرنے میں کامیاب رہا اور یہ کوئی معمولی کامیابی نہیں تھی۔ اس کامیابی کو حاصل کرنے کے لئے اشباح کے جسم کا ایک ایک رواں سینکڑوں عذابوں سے گزر گیا تھا۔ وہ تکلیف جو اس نے جھیلی تھی لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں تھی۔ جونہی اشباح کی نگاہ پرماتما کی نگاہ سے جدا ہوئی وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے پرماتما کو للکارا اور پھر تمام خدشوں، وسوسوں اور اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر اس پر جھپٹ پڑا۔ پرماتما اور اشباح کا درمیانی فاصلہ پانچ قدموں کا تھا۔ یہ فاصلہ اشباح نے ہوا کی مانند طے کیا اور بھوکے عقاب کی طرح پرماتما پر حملہ آور ہوا، لیکن ابھی اس کا دایاں ہاتھ اپنی تلوار کو پوری طرح بے نیام نہیں کر پایا تھا اور بایاں ہاتھ پرماتما کی گردن سے چھوا نہیں تھا کہ ایکا ایکی اس کی آنکھوں کے سامنے ایک برق سی لہرائی۔ کوئی عجیب ساخت کا جسم دائیں جانب سے اچھلا اور پرماتما اور اس کے درمیان آ گیا -اشباح اپنے زور میں اس سے ٹکرایا اور لڑکھڑا کر رہ گیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور ششدر رہ گیا۔ اس کے سامنے دو سروں والا ایک خوفناک انسان کھڑا تھا۔ اگر ہلابہ اسے پہلے اس کے بارے میں نہ بتا چکی ہوتی تو

شائد وہ اپنی آنکھوں پہ بھروسہ ہی نہ کرتا۔ وہ شخص حقیقی معنوں میں دیوہیکل تھا۔ اس کا ایک پہلو اور ایک چہرا جلا ہوا تھا۔ دونوں سروں کے بال کانٹوں کی طرح کھڑے تھے اور اس کے حلق سے عجیب قسم کی غراہٹ آمیز صدا نکل رہی تھی۔ اس صدا کو سن کر لگتا تھا جیسے دو افراد مل کر نوحہ کر رہے ہوں۔ ایک ساعت سے بھی کم عرصے میں اشباح نے یہ سب دیکھا اور محسوس کیا۔ پھر اس نے اپنی تلوار نیام سے کھینچی اور پوری شدت سے راماجن دموہا کے دائیں سر پر حملہ آور ہوا۔ یہ وار راماجن کے دائیں کندھے پر پڑا۔ بڑا بھرپور وار تھا۔ راماجن کے کندھے سے خون کا فوارا پھوٹ نکلا۔ اس نے لرزہ خیز چنگھاڑ بلند کی اور اپنے چاروں ہاتھوں کو حرکت میں لا کر اشباح سے لپٹ گیا۔ اشباح کو محسوس ہوا جیسے اس کا جسم کسی آہنی شکنجے میں کسا گیا ہے۔ اس نے راماجن کے جلے ہوئے چہرے کو اپنے نوکیلے زرد دانتوں کے ساتھ اپنی گردن کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اگر اس نے ایک لمحے کی غفلت برتی ہوتی تو یہ دانت اس کا نرخرہ ادھیڑ دیتے۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے راما جن کے بال پکڑ لئے اور پوری قوت صرف کر کے سر کو پیچھے ہٹا دیا۔ تب اس کی نگاہ اپنے حریف کے عقب میں گئی۔ پرماتما کی نشست خالی تھی اس نے دیکھا سردار جہم اور بھیم سنگھ ہوش میں آنے کے بعد اپنی تلواریں سونت کر راماجن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جونہی بھیم سنگھ نے راماجن کی پشت پر وار کیا اس نے اپنے ایک ہاتھ کو حرکت دی۔ ایک طوفانی تھپڑ بھیم سنگھ کے منہ پر پڑا اور وہ جیسے ہوا میں اڑتا ہوا کئی گز دور جا گرا۔ سردار جہم نے یہ منظر دیکھا تو کئی قدم پیچھے ہٹ کر کمان پر تیر چڑھانے لگا۔ راماجن داموہا نے اشاح کو گھما کر اپنے سامنے کر لیا۔ اشباح محسوس کر رہا تھا ابھی ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئے گی اور اس کی تمام پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گی۔ وہ اجنتا تھا کہ اس خبیث انسان کی گرفت جان لیوا ہے۔ الجوہری کے لرزہ خیز انجام

کاجونقشہ ہالابہ نے کھینچا تھاوہ اشباح کے ذہن میں تازہ ہو رہا تھا۔اس نے بڑی حسرت کے ساتھ سوچا تو کیا اس کے ساتھ بھی وہی ہونے والا ہے۔

دفعتاً ایک داہنی جانب جھروکے کے رنگین شیشے چھناکے سے ٹوٹے اور اشباح نے دھندلائی ہوئی نظروں سے سارگا کو اپنے سامنے دیکھا۔وزنی زنجیر اس کے پاؤں میں گھسٹ رہی تھی۔غالباً وہ اپنے رکھوالوں سے چھوٹ کر آگیا تھا۔اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا اور آنکھیں شعلہ فشاں تھیں۔عجب خوفناک انداز میں وہ راماجن پر جھپٹا راماجن نے اسے بھی بھیم سنگھ کی طرح تھپڑ مارا لیکن دیو ہیکل ساگار اس وار کو سہہ گیا۔ذرا سا لڑکھڑا کر وہ سنبھلا اور پوری درندگی کے ساتھ راماجن سے لپٹ گیا۔اس نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کی زنجیر عقب سے راماجن کی ایک گردن میں ڈال دی اور اب بے پناہ قوت کے ساتھ اسے کھینچ رہا تھا۔راماجن کی چیخیں فلک شگاف ہو گئیں۔اس کے آہنی ہاتھوں نے اشباح کو چھوڑا اور سانپوں کی طرح لہراتے ہوئے ساگار کی طرف بڑھے۔اگلے ہی لمحے ان دو خوفناک انسانوں کے درمیان ایک خونریز لڑائی شروع ہو چکی تھی۔دونوں قوت اور وحشت میں یکساں تھے۔ایک ماں کے پیٹ سے عجب صورت لے کر نکلا تھا اور شیطان کا ہرکارہ بن گیا تھا،دوسرا ایک گڈریا تھا جو برسوں تک تاریک کنوئیں کی گہرائی میں پڑا رہا تھا اور اب ایک زورآور انسان کے روپ میں ظاہر ہوا تھا۔وہ دو چٹانوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے اور در و دیوار میں زلزلہ برپا کرنے لگے۔

اشباح کے تقریباً تمام ساتھی اب ہوش میں آچکے تھے انھوں نے تلواریں نکالیں اور عمارت کے طول و عرض میں پرماتما کو تلاش کرنے لگے۔عمارت یکسر خالی تھی۔پرماتما اور اس کے حواریوں میں سے کوئی نظر نہیں آیا۔

اس دوران عمارت سے باہر موجود ہزاروں لوگ آگاہ ہو چکے تھے کہ اندر کیا ہوا ہے۔وہ سیلاب کی تند لہروں کی طرح بے قابو ہو کر اس عمارت پر چڑھ دوڑے۔وہ پوتر جگہ جہاں شودر کا سایہ بھی نہ پڑ سکتا تھا آج خلق خدا کی زد میں تھی۔بے پناہ جوش کے عالم میں لوگ پرماتما کی دیو قامت طلائی مورتی پر چڑھ دوڑے۔ہر طرف نعروں کی گونج سنائی دی اور چند ہی لمحوں بعد مورتی کا سر لوگوں کے قدموں میں تھا۔آرائشی سامان تباہ کر دیا گیا اور در و دیوار کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔اس اکھاڑ پچھاڑ کے دوران معلوم ہوا کہ طلائی مورتی والے کمرے کی دیواروں میں خفیہ مقامات پر سوراخ ہیں یہ سوراخ تانبے کی نالیوں کے ذریعے کسی نامعلوم مقام سے ملے ہوئے ہیں۔ان نالیوں سے ابھی تک پرماتما کی گونج دار آواز آ رہی تھی۔

"اے لوگو! سنبھل جاؤ۔چند مورکھوں کی باتوں میں آکر دیوتاؤں کے غضب کو آواز مت دو۔تم جو کچھ کر چکے ہو بہت زیادہ ہے، مگر اب بھی معافی کی گنجائش ہے۔اگر یہ موقع گنوا دو گے تو عبرت ناک موت مرو گے۔ایسی موت۔۔۔۔۔۔۔ جسے دیکھ کر تمہیں افسوس ہو گا کہ تم نے جنم ہی کیوں لیا تھا۔"

پرماتما کی آواز پوری عمارت میں گونج رہی تھی۔اشباح کے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ تانبے کی ان پراسرار نالیوں کا رابطہ تاریک جنگل کے سفید محل سے ہے اور پرماتما اس سفید محل میں بیٹھ کر بول رہا ہے۔بولتی ہوئی طلائی مورتی کا اسرار کھل چکا تھا۔اشباح ایک دھاتی نالے کے پاس ہی کھڑا تھا۔اس نے چلا کر کہا۔

"پرماتما! تیار ہو جاؤ۔ہم آ رہے ہیں۔آج تیرے لئے روئے زمین پر کوئی پناہ گاہ نہیں۔ہم آ رہے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی تلوار بلند کی اور ساتھیوں کو لے کر عمارت سے باہر آگیا۔ عمارت سے باہر ہجوم عاشقاں عصل شہادت کی لذت سے ہمکنار ہونے کے لئے بے قرار تھا۔ اشباح جھپٹ کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے علم ہاتھوں میں بلند کیا۔ اس کے اشارے پر طبل جنگ بجا اور اس کی صدر دور دور تک پھیل گئی۔ یہ عظیم لشکر ایک موج بلاخیز کی صورت بلند ہوا۔ نہر کے ساتھ ساتھ ایستادہ سینکڑوں سرخ پوش اپنا لوہا سنبھال کر ہوشیار ہو گئے۔ دونوں فوجوں کے ہراول سپاہیوں نے ایک دوسرے کو نظروں نظروں سے جانچا۔ حوصوں کو مہمیز کیا اور آنکھوں کو غضب کے پہناوے پہنادیے پھر اسلامی لشکر کے سپاہیوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ان کے عقب میں ہزاروں مسلح رضاکاروں نے اس نعرے میں آواز ملائی اور وہ سب آتش فشان سے اچھلنے والے دہکتے سیال کی مانند سرخ پوشوں کی طرف بڑھے۔ سرخ پوش فیل بانوں اور گھڑ سواروں نے بھی حرکت کی۔ کوئی تیس عدد جنگی ہاتھی جھومے اور دوڑتے ہوئے ہراول اسلامی دستے کی جانب بڑھے۔ ان ہاتھیوں پر پرماتما کے چنے ہوئے جنگی سوار تھے۔ ان سواروں کے ہاتھوں میں نیزے، ڈھالیں، بلم اور گرز چمک رہے تھے۔ ہودوں میں کھڑے ماہر تیر انداز اپنی کمانوں کے ذرہ کھینچے ایک خون ریز لمحے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے عقب میں سبک رفتار گھڑ سوار تھے۔ وہ گھوڑوں سمیت لوہے میں غرق اور طاقت کے نشے میں چور تھے۔ ان کی عریاں تلواریں خون کی پیاس میں ہانپ رہی تھیں۔ زندگی اور موت کا فاصلہ کم ہوتا چلا گیا پھر فلک شگاف نعروں کی گونج میں دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ یہ جذبے اور طاقت کا ٹکراؤ تھا۔ ایک طرف ساز وسامان تھا دوسری طرف سرفروشی اور جانبازی تھی۔ ایک طرف حکمران تھے اور دوسری طرف محکوم۔ ایک طرف ظلم تھا اور دوسری طرف ظلم سہنے والے اور اس تپتے سورج کے نیچے یہ روز حساب

تھا۔۔۔۔۔۔ پہلے ہی ہلے میں مست ہاتھی سینکڑوں سپاہیوں اور رضاکاروں کو روندتے ہوئے نکل گئے۔ آہن پوش سرخ سواروں نے بیسوں مجاہدوں کے سینے نیزوں سے چھلنی کر دئے۔ تاہم اپنی اس جارحانہ کوشش کے نتیجے میں سوخ پوش فوج کا ایک حصہ رضاکار فوج کے اندر کافی دور تک چلا گیا۔ یکایک ایک جانب سے سردار جہم نے پرجوش نعرہ بلند کیا اور اپنے جانبازوں کے ساتھ فیل سواروں پر پل پڑا۔ سردار جہم اسلامی لشکر کا ایک نہایت تجربہ کار سالا تھا اور ہاتھیوں کے ساتھ لڑائی میں اسے ایک خاص تجربہ حاصل تھا۔ اس کے جانباز اپنے گھوڑوں سے کود کر نیچے اترے اور بے خطر ہاتھیوں کی سونڈوں اور آنکھوں پر حملہ آور ہوئے۔۔۔۔۔ فیل بانوں نے ان پر زرہ توڑ تیروں اور نیزوں کی بارش کر دی۔ میدان جنگ کے اس حصے میں ایک خوفناک معرکہ ہوا۔ لمحوں میں کشتیوں کے پشتے لگ گئے۔ ہاتھیوں کی خوفناک چھنگاڑوں، گھوڑوں کی ہنہناہٹوں اور زخمیوں کی آہ وبکا نے شور قیامت برپا کر دیا۔ مسلح رضاکاروں کے عقب سے ہزار ہانہتے عوام نے جب زور مارا تو میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ نہر اور پل کی حفاظت کرنے والی سرخ فوج پکے ہوئے بیروں کی طرح نہر میں گرنے لگی۔ ان کے طوفانی دستے جو رضاکار فوج کے اندر زیادہ دور تک چلے گئے، چاروں طرف سے دباؤ میں آ گئے۔ اس موقع پر ایک جانب سے اشباح نے اپنے کفن پوش جانثاروں کے ساتھ طوفانی حملہ کر دیا۔ یہ کفن پوش دستہ کوہی ندی کے ناقابل مزاحمت دھارے کی طرح اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو تہس نہس کرتا نہر کے پل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب باقی لشکر نے اپنے کچھ ساتھیوں کو نہر کے پل پر دیکھا تو ان کے حوصلے سوا ہو گئے۔ فلک شگاف نعروں کے ساتھ انھوں نے یک ناں ہو کر ہلّا بولا۔۔۔۔۔ اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد چشم فلک نے دیکھا کہ لازوال پرماتما کی ناقابل شکست سرخ فوج پسپا

ہو رہی ہے۔۔۔۔۔وہ ہزاروں کی تعداد میں نہر میں کود چکے تھے اور دیوانہ وار تیرتے ہوئے دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشوکا جو اقتیلا جام کے بعد، اس وقت تاریک جنگل کی تمام کالی قوتوں کا سردار تھا، آلتی پالتی مارے سفید محل کے بڑے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا۔ دروازے کے عین اوپر ایک بڑی برجی میں "جیون اگنی" روشن تھی۔ آشوکا کے دونوں جانب ساحروں، جادوگروں اور شعبدہ بازوں کی ایک فوج ظفر موج تھی۔ یہ سب آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ ہر ایک کے سامنے مگس دیوتا کی ایک چھوٹی سی سیاہ مورتی تھی اور مومی شمعیں روشن تھیں۔ ان ساحروں نے پورے محل کو حصار میں لے رکھا تھا۔ وہ زور زور سے اشلوک پڑھ رہے تھے۔ بھجن گا رہے تھے اور منتروں کے جاپ میں مصروف تھے۔

محل کے سامنے ایک بڑے سیاہ پتھر کے پاس ریاست کے دو حسین ترین لڑکوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ان کو ابھی تھوڑی دیر پہلے دیوتا کے نام پر قربان کیا تھا۔۔۔۔سفید محل کی حسین و جمیل وسعتوں میں بھی زلزلے کا سماں تھا۔

ہر چہرہ ہراس کے سائے تلے تھا اور ہر آنکھ میں خوف کا پرندہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ پرماتما اپنی عالیشان نشست گاہ میں موجود تھا۔ اس کے گرد رنگین دھوئیں کے مرغولے اور سرخ چمک تھی۔ رائے منوہر چند اس کے سامنے سجدے میں پڑا کانپ رہا تھا۔ وہ سجدے کی حالت میں ہی بولا۔

"لازوال پرماتما! مجھے گمان ہو رہا ہے کہ دیوتا ہم سے نراش ہیں۔ باغیوں نے بیرونی نہر پار کر لی ہے اور اب اندر والی ندی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جنگل میں ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے اور دشمن قتل عام ہو رہا ہے۔"

پرماتما غضب سے چنگھاڑا۔ "کیا ان لوگوں نے نیلمان کی پرواہ بھی نہیں کی۔ نیلمان کہاں ہے؟"

منوہر چند نے خوف سے لرزتے ہوئے کہا۔ "اے پرماتما! آپ کے حکم کے مطابق نیلمان صندل کے طشت میں سجا کر پل کے سامنے رکھ دیا گیا تھا مگر نیلمان بھی باغیوں کو نہ روک سکا۔ اس کی شعاعیں حملہ آوروں پر بے اثر رہیں۔ میری آنکھوں پر دیوتاؤں کا قہر نازل ہو میں نے۔۔۔۔۔۔اپنی آنکھوں سے نیلمان کو معمولی پتھر کی طرح باغیوں کے قدموں میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے دیکھا ہے، دیوتاؤں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ انھوں نے نیلمان سے شکتی نکال کر اسے معمولی پتھر بنا دیا ہے۔ اے میرے آقا! مجھے کہنے دیجئیے کہ۔۔۔۔۔دیوتا۔۔۔۔۔۔ہم سے نراش ہو چکے ہیں۔ اب آپ کے غلاموں کے لئے کہیں مکتی نہیں۔"

پرماتما لے لہجے کی تمام نرمی اور شائستگی ہوا ہو چکی تھی۔ "بکواس بند کرو۔" وہ دھاڑا۔ "جاؤ دوسی ندی کے تینوں پل توڑ دو۔ جلدی جاؤ۔"

منوہر چند لرز کر اٹھا اور ہاتھ جوڑ کر الٹے پاؤں بھاگتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ "ٹھہرو۔" دھند کے اندر سے پرماتما کی آواز ابھری۔ منوہر چند باہر نکلتے نکلتے رک گیا اور دوزانو ہو گیا۔ پرماتما نے کہا "کسی کو نیلمان کی ناکامی کا علم نہیں ہونا چاہئیے۔ ہم نہیں چاہتے سپاہ میں بددلی پھیلے اور دیوتاؤں پر ان کا وشواس کم ہو۔"

منوہر چند نے کہا۔ "جو میرے آقا کا حکم۔"

پرماتمانے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کی اجازت دی۔ وہ سر جھکا کر الٹے قدموں باہر نکل گیا۔ نقاب کے عقب میں پرماتما کی آنکھوں کے انگارے دہل رہے تھے۔ وہ اٹھا اور بے قراری سے نشست گاہ میں چکرانے لگا۔ کچھ دیر چکرانے کے بعد وہ ایک شیشہ نگار راہداری سے گزرا اور محل کے اس حصے میں آگیا جہاں نیلے لباسوں والے گونگے بہرے خادم رہتے تھے اور کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ یہ محل کا حسین ترین حصہ تھا۔ کچھ فاصلہ طے کر کے وہ اپنی عظیم الشان خواب گاہ میں آگیا۔ یہ وہی خواب گاہ تھی جس کے سامنے دنیا بھر کے عجائبات ہیچ معلوم ہوتے تھے اور جس کی رنگینیاں عقل انسانی کو محو حیرت کرتی تھیں۔ دھند کے خوشبودار مرغولوں میں پرماتما کی آنکھیں جنگل میں چھپے درندے کی طرح روشن تھیں۔ اس نے ہوا میں معلق بیش قیمت مسہری کے گرد ایک چکر لگایا اور خواب گاہ کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں آسمان سے پانی برستا محسوس ہوتا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ یک ٹک اس منظر کو دیکھتا رہا۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے دروازے کے پاس پہنچ کر تین مرتبہ تالی بجائی۔ نیلگوں لباس والے دو خادم ایک دروازے سے نکل کر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور وہ پتھروں کی طرح ساکت تھے۔ معلوم نہیں ان کے دل بھی دھڑک رہے تھے یا نہیں۔

سرخ روشنوں کے اندر سے پرماتما کی پراسرار آواز ابھری۔ "ساتویں دلہن کو حاضر کیا جائے۔"

خدام ہونٹوں کی حرکت سے اپنی مالک کی بات سنتے تھے۔ وہ مڑے اور بے آواز قدموں سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد دروازی کھلا اور چندا کی صورت نظر آئی۔ وہ ریشمی رسیوں میں جکڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سفید محل سے صرف ایک کوس دور قیامت برپا تھی۔ روز محشر نصف نہار پر تھا۔ اشباح اور اس کے جواں مرد سردار دشمن کو مارتے، کاٹتے، دھکیلتے اور پچھاڑتے اندرونی محل کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ان کے حوصلے آسمانوں کو چھو رہے تھے اور ان کی تلواریں دشمن کے لئے موت بنی ہوئی تھیں۔ وہ تاریک جنگل جہاں جبر کے پہرے تھے اور جہاں آکر ہوائیں بھی قید ہو جاتی تھیں آج غازیوں کے گھوڑوں تلے روندا جا رہا تھا۔ جب اشباح ہراول دستے کے ساتھ اندرونی نہر کے پل تک پہنچا تو لکڑی کا عظیم الشان پل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پانی میں ڈوب چکا تھا۔ اس کے جلے ہوئے ٹکڑے پانی میں تیر رہے تھے اور ہر طرف دھواں تھا۔ ہراول دستے کے سرفروشوں نے بے قرار ہو کر اپنے گھوڑے پانی میں ڈالنا چاہے لیکن اشباح نے چلا چلا کر انہیں روک لیا۔ ہلابہ کی زبانی اسے معلوم ہو چکا تھا کہ دوسری نہر میں ہزارہا آبی سانپ تیرا کرتے ہیں۔ پانی میں اترنے کا مطلب رائیگاں جان دینے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اشباح نے لشکر کا رخ موڑا اور نہر کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے سوار بھی پوری رفتار سے اس کا ساتھ دینے لگے۔ جلد ہی ہراول دستہ دوسرے پل تک پہنچ گیا۔ یہ پل بھی آگ پر تھا۔ پل کا وہ حصہ جو دشمن کی جانب تھا شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ تاہم آگ ابھی زیادہ نہیں پھیلی تھی، کوشش کی جاتی تو اس پل کو بچایا جا سکتا تھا۔ اشباح نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ کچھ ساتھیوں کا خیال تھا کہ ابھی پیچھے آنے والی فوج کا انتظار کرنا چاہئیے۔ کچھ چاہتے تھے کہ فوراً حملہ کیا جائے۔ ابھی اشباح کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا کہ اسے ایک سوار نظر آیا۔ وہ اس کے ساتھیوں میں سے ہی نکلا تھا۔ اشباحذ نے چمکدار تیر اس کے اوپر نیچے

سے گزرتے دیکھے۔ موت وحیات سے لاپرواہ وہ شعلوں میں گھسا اور دوسری طرف نکل گیا۔ پھر اشباح اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ وہ شخص دشمن پر دیوانہ وار ٹوٹ پڑا ہے۔ اس خطرے میں دیکھ کر اشباح فیصلے کی کشمکش سے نکل گیا۔ اس نے تلوار بلند کر کے نعرہ لگایا اور ساتھیوں کے ساتھ بلا کی تیزی سے شعلوں کی طرف بڑھا۔ ایک تیر سنسناتا ہوا اشباح کے کندھے میں پیوست ہو گیا۔ دوسرا تیر اس کے خود سے ٹکرا کر گزر گیا۔ دو تیر عقب میں آنے والے گھوڑوں کو لگے اور وہ اپنے سواروں سمیت نہر میں جا گرے۔ پلک جھپکتے میں یہ پر خطر فاصلہ طے ہوا اور اشباح شعلوں سے گزر کر دوسری طرف نکل گیا۔ اس کے کفن پوش جان نثار بھی عقب میں اڑے آرہے تھے۔ اس مقام پر ایک خون ریز جھڑپ ہوئی۔ اشباح اور اس کے ساتھیوں نے نہ صرف پل جلنے سے محفوظ کر لیا بلکہ اس کے ساتھ ایک مضبوط مورچہ بنا لیا۔ جلد ہی پورا لشکر اس مقام تک پہنچ گیا۔۔۔۔۔۔ پیدل اور گھڑ سوار اور رضاکاروں کی ہزاروں گز لمبی قطاریں پل پر سے گزرنے لگیں اور نہر کے اندرونی کنارے پر رجاکار فوج کی قوت میں اضافہ ہونے لگا۔ رضاکار فوج کی یہ بہت بڑی کامیابی تھی، سردار اس کامیابی پر تبصرے کر رہے تھے اور اشباح کی تعریف وتوصیف میں مصروف جبکہ اشباح اس شخص کو تلاش کر رہا تھا جس نے بروقت فیصلہ کر کے اور اپنی جان کو نذرانے کی طرح ہتھیلی پر رکھ کر گھوڑا پل پر چڑھایا تھا۔ وہ زخمیوں اور لاشوں کے درمیان اسی جوانمرد کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ آخر وہ اسے دکھائی دے گیا۔ تین زرہ پوش سورماؤں کے درمیان وہ اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کی ڈھال کہیں گر چکی تھی مگر تلوار ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ زخموں سے چور مگر زندہ تھا۔ اشباح اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کندھا پکڑ کر اسے سیدھا کیا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ وہ لرزتے لہجے میں بولا۔

"مجھے تم پر رشک آرہا ہے اویس۔ میں نہیں جانتا تھا اس شاعر کے اندر ایسا بے جگر سپاہی چھپا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔ مگر تم نے بہت جلدی کی دوست۔ مجھے تو ساتھ لے لیا ہوتا۔"

اویس کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ ابھری۔ وہ اٹک اٹک کر بولا۔ "میں تیری دوستی کے قابل نہ تھا اور تیری دوستی کے بغیر میرا زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے میں نے یہ درمیانی راستہ اختیار کیا۔ اب تو مجھ سے ناراض نہیں میرے دوست!"

اشباح جلدی جلدی نفی میں سر ہلانے لگا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اویس مر رہا ہے۔ اویس نے کہا۔ "تو نے مجھ سے انقلابی نظم لکھنے کو کہا تھا میں نے سوچا سیاہی سے تو لکھتا رہا ہوں ایک دو شعر اپنے خون سے بھی لکھنے چاہئیں۔ تیر آنسو کہہ رہے ہیں کہ تجھے یہ شعر پسند نہیں آئے۔" اویس کا اشارہ اپنے زخموں کی طرف تھا۔

اشباح نے گلوگیر جذباتی لہجے میں کہا۔ "پگلے! یہ اشعار تو ہزار ہا کتابوں پر بھاری ہیں۔" اس نے اویس کو گلے سے لگا لیا۔ اویس کا دم سینے میں الجھ رہا تھا۔ اس دوران لشکر کے ہراول دستے پیش قدمی کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ اویس کو بولنے میں دقت پیش آرہی تھی۔ اس نے ہاتھ اور آنکھوں کے اشارے سے اشباح کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کی فکر نہ کرے اور لشکر کو لے کر آگے روانہ ہو۔ غم زدہ دل کے ساتھ اشباح نے اویس کو دو نگرانوں کے سپرد کیا اور لشکر کی قیادت کے لئے گھوڑے پر آ بیٹھا۔ کندھے سے تیر نکال کر اس نے وہاں پٹی باندھ لی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک بار پھر اسلامی پرچم نظر آرہا تھا۔ رجاکار فوج کے پیش خیمہ نے خبر دی کہ پرماتما کی فوج اندرونی نہر سے پیچھے ہٹنے کے بعد سفید محل کے ادر گرد جمع ہو رہی ہے اور وہاں کم وبیش پندرہ

ہزار لشکری لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ان لشکروں کی قیادت پرماتما خود کر رہا ہے۔اشباح اور سردار جہم نے لشکر کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔اس تقریر نے جان بازوں کے جوش و خروش کو انتہا تک پہنچا دیا۔اللہ اکبر کی مسلسل گونج میں رجاکار فوج اشباح کی قیادت میں سفید محل کی طرف بڑھی۔یہ بھرپور حملہ تھا اس میں ہر شخص حصہ لے رہا تھا۔چند فرلانگ کی پیش قدمی کے بعد اشباح کو پرماتما کی سپاہ نظر آگئی۔یہاں سوخ پوشوں کے علاوہ زرد پوش سپاہی بھی موجود تھے۔اوران سب نے ٹڈی دل کی طرح سفید محل کو گھیر رکھا تھا۔وہ جنگی سازوسامان سے لیس تھے اور انھیں کئی درجن ہاتھیوں کی اعانت بھی حاصل تھی۔درحقیقت سفید محل کو بچانے کے لئے حکمران ٹولے نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔پرماتما ایک بہت بڑے مست ہاتھی پر سوار تھا۔یہ ہاتھی سونے کے جڑاؤ زیورات سے لدا ہوا تھا۔ہاتھی کا ہودا چاندنی کا تھا۔تیر چلانے کے لئے اس ہودے میں رخنے تھے اوراوپر باریک پردوں کا سائبان تھا۔اشباح کو اپنے والد مرحوم کا وصیت نامہ یاد آگیا۔

اس وصیت نامے کی تحریر کے عین مطابق ہودے میں ایک خوبصورت دیوداسی بھی پرماتما کی خدمت کے لئے موجود تھی۔ہاتھی کے چاروں طرف پرماتما کے جان باز اور ماہر ترین جنگجو تھے۔انھوں نے ہاتھوں میں مگس دیوتاؤں کی شبیہوں والے بڑے بڑے پرچم اٹھا رکھے تھے۔ان کے عقب میں پجاری تھے اور پوجا پاٹ کر رہے تھے۔عقب میں سینکڑوں گھڑ سوار تھے۔ان کی تلواریں، نیزے ڈھالیں، بلم، کٹارے اور گرز سورج کی روشنی میں چمک رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اللہ اکبر کے جواب میں دوسری طرف سے مگس دیوتا کی جے کے نعرے بلند ہوئے۔ایک طرف قرآنی آیات کی تلاوت نے زور پکڑا،دوسری طرف پوجا پاٹ کا شور سماعت شکن ہو گیا۔ایک طرف خدا کے نام لیواؤں نے اپنے خدا کو یاد کیا،دوسری طرف مگس دیوتاؤں کے پجاریوں نے کالی طاقتوں کو مدد کے لئے پکارا۔دونون طرف سے گھوڑے آگے بڑھے، نیزے سیدھے ہوئے، تلواریں ہوا میں اٹھیں اور دونون فوجیں ایک دوسرے پر جاپڑیں، بہادروں کے للکاروں اور زخمیوں کی چیخ و پکار نے زمین آسمان کو ہلا دیا۔یہی وہ وقت تھا جب ایک طرف سے سیاہ بادل نمودار ہوا اور اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑا۔یہ پرماتما کی خون خوار مکھیاں تھیں۔چند لمحوں کے لئے انھوں نے لشکر کے ایک حصے میں ہلچل مچا دی۔مگر کہاں تک۔یہ مکھیاں آج ایک جم غفیر کے خلاف استعمال کی گئیں تھیں۔وہ کس کس پر حملہ آور ہوتیں، کس کس پر ڈنگ آزماتیں یہ کوئی تین چار سو آدمی نہیں تھے، نہ ہی پانچ چھ ہزار تھے۔یہ تو انسانوں کا لامتناہی سمندر تھا۔پاؤں تلے روندی گئیں اور زمین پر لوٹ لگانے والوں کے جسموں تلے کچل کر ہلاک ہو گئیں۔انسانوں کے سمندر میں ان سنگریزوں کا کچھ پتہ نہیں چلا۔اس کے بعد پرماتما کے عقب سے جادوگر اور شعبدہ باز حملہ آور ہوئے۔ان کی قیادت اشوکا کر رہا تھا۔ان کے ساتھیوں نے انگلیوں سے شعلے نکالے اوہ ہر طرف نیلگوں آگ کے الاؤ بھڑکا دئے۔پراسرار باوردی دھماکوں سے زمین دہلنے لگی۔اشباح کے اشروں پر ارون لال اور مانک جانبازون کی ایک فوج کے ساتھ ان شعبدہ بازوں کی طرف لپکے۔آگ اور دھوئیں کی دیوار میں سے گزر کر وہ جادوگروں اور شعبدہ بازوں کی جماعت میں جاپڑے۔اشوکا اور اس کے ساتھیون نے اپنی کنڈالیاں نکالیں۔ان کنڈالیوں سے نارنجی چنگاریاں پھوٹیں، زہریلے مادے کی باریک دھارے نکلیں اور ہر طرف تباہی مچ گئی۔کم و بیش دس

درجن رضاکار لقمہ اجل بن گئے اور باقی پیچھے ہٹے۔ آشوکا اور اس کے ساتھیون نے سمجھا کہ ان کی کنڈالیاں میدان مار رہی ہیں۔ وہ حوصلہ کر کے کچھ آگے بڑھے مگر وہ ایک بات بھول رہے تھے۔ ایسی ہی ایک مہلک کندالی ان کے حریفوں کے پاس بھی تھی۔ یہ کندالی دوسری کنڈالیوں سے کہیں زیادہ طاقتور تھی۔ وہی کنڈالی جو اقتیلا جام نے ہلابہ کو دی تھی۔ اب وہ کنڈالی ارون لال کے پاس تھی۔ ارون لال چکمہ دے کر تیزی سے شعبدہ بازوں کے پہلو میں جا پہنچا اور کوئی خفیہ کھٹکا دبا کر کندالی کو استعمال کیا۔ اس میں سے برق سی کوندی اور شعبدہ باز چیختے چلاتے نظر آئے۔ ان کے جسموں سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ اس منظر نے رضاکار دستے کے حوصلے بڑھائے وہ ہتھیار تول کر شعبدہ بازوں اور ساحروں پر جا پڑے۔۔۔۔۔ رضاکار سواروں کی یہ جھپٹ قابلِ دید تھی۔ پلک جھپکتے میں حریفوں کو تہس نہس کر دیا۔ اشوکا اپنے سگے بھائی ارون لال کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ ارون لال نے اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لیا اور پکار پکار کر دشمن کو اس کی طرف متوجہ کرنے لگا۔

اپنے ساحرِ اعظم کا سر نیزے پر کٹا دیکھ یاسیت کی ایک لہر دشمن کی صف میں ڈور گئی۔ وہ آہ پکار کرنے لگے اور زور و شور سے مکس دیوتا کو مدد کے لیے پکارنے لگے۔ ان میں سے بے شمار زمین پر لیٹ گئے اور رو رو کر مناجات کرنے لگے۔ ان کی عورتیں بال کھولے ہاتھ اُٹھائے آہ بکا کر رہی تھیں۔

اشباح نے ان کا یہ حال دیکھا تو مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے اپنے والد کی بخشی ہوئی تلوار کو سر سے بلند کیا اور گرجدار آواز میں عام حملے کا حکم دیا۔ اس کی آواز نقیبوں نے چند لمحوں کے اندر طول و عرض میں پھیلا دی۔ رضاکار فوج نے صفوں کو درست کیا۔ اس کے بعد جانبازوں نے ہتھیار تولے، پاؤں جمائے اور پوری قوت سے دشمن پر حملہ آور ہو گئے۔ تاریک جنگل کے ان تاریک کونوں میں ایک خوفناک

جنگ ہوئی۔ سر کندھوں سے اچھل گئے، خون کے فوارے چھوٹے اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں خشک پتوں کی طرح ہوا میں ادھر ادھر اُڑتے نظر آئے۔

کچھ عرصے کے لیے لوہے کی جھنکار، جانوروں کی آوازیں اور زخمیوں کی چیخ و پکار کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دیا۔ سفید محل کو بچانے کے لئے پرماتما کی فوج نے سر دھڑ کی بازی لگا دی لیکن شکست ان کا مقدر بن چکی تھی ۔ وہ دو حصوں میں بٹ گئے۔ سردار جہم بن زحران کے درمیان راستہ بناتا ہوا محل کے بیرونی دروازے تک پہنچا۔ اس نے کمند پھینکی اور برجی پر چڑھ کر ''جیون اگنی ''بجھا دی۔ جیون اگنی کا بجھنا تھا کہ سرخ اور زرد پوشوں کا حوصلہ بلکل ٹوٹ گیا۔ اشباح کے چند دھاووں کے بعد یکایک وہ سینکڑوں لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ رضاکار فوج کے گھوڑے دندناتے ہوئے سفید محل کے دالانوں میں گھس گئے۔ محل کے طول و عرض میں ہر طرف کہرام مچ گیا۔ محل کے اندورنی حصوں کو محفوظ رکھنے کے لئے سینکڑوں زرد پوش محافظوں نے اپنی جانیں دے دی مگر ان کی پیش نہیں گئی۔ اسلامی دستے کے سالار قدم قدم پر لاشیں بچھاتے ہوئے محل نے اندر پہنچ گئے۔

ان کے پیچھے پیچھے رضاکاروں کا سیلاب اندر گھس آیا۔ اس سیلاب کے پیچھے ہزاروں بپھرے ہوئے لوگ تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے محل پر ہلا بول دیا۔

وہ خوابوں کا محل جو حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھا۔ جس کی ایک ایک بالشت پر دولت پانی کی طرح بہائی گئی تھی۔اس وقت بکھرے ہوئے مفلوک الحال لوگوں کے قدموں تلے تھا۔۔وہ اس محل کی خوبصورتی سے اپنی برباد زندگیوں کا حساب لے رہے تھے،اس کی اینٹ سے اینٹ بجا رہے تھے۔

اشباح کا گھوڑا محل کی بلند و بالا غلام گردشوں اور اور راہداریوں میں دندناتا پھر رہا تھا۔خون آلود تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور ''تلاش کے چراغ''اس کی آنکھوں میں فروزاں تھے۔وہ اپنی بہن کو ڈھونڈ رہا تھا اپنی معصوم زلفہ کو جسے دیکھے ہوئے اسے بیس برس ہو چکے تھے۔

وہ جیسے دیوانہ ہو رہا تھا۔

''زلفہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔زلفہ۔۔۔۔۔۔چندا"

اس کی آواز محل کی وسعتوں میں گونج رہی تھی۔ محل کی عظیم الشان نشست گاہ کے باہر اس کی نظر ایک جسم پر پڑی۔اس کا دل زور سے دھڑک اُٹھا۔

یہ کسی عورت کا جسم تھا۔وہ ٹوٹے ہوئے فرشی گلدان کے پاس پہلو کے بل پڑی تھی۔اشباح نے چھلانگ لگائی اور بھاگ کر اس جسم کے پاس آیا۔عورت کا چہرہ دیکھا تو اس کی آنکھوں کے گرد زمین و آسمان گھوم گئے۔وہ چندا تھی۔۔۔۔۔اس کے خوبصورت چہرے پر نیل پڑے تھے اور وہ مر چکی تھی اشباح کے جسم سے ایک خاموش چیخ بلند ہوئی اور صور اسرافیل بن کر اس کے پورے جسم میں پھیل گئی۔

نازک انگلیاں،ریشمی جسم اور خوبصورت آنکھوں والی چندا اذیتیں جھیل جھیل کر مر چکی تھی۔اس کا کومل جسم بربریت کی منہ بولتی تصویر تھا۔

یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اشباح کی آنکھوں سے ایک آنسو نہیں ٹپکا۔نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا وہ بڑے حوصلے سے اپنی مری ہوئی بہن کو دیکھتا رہا،اور اس کی ادھ کھلی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔۔۔۔اور جھانکتا رہا۔وہ اپنی آنکھوں کی پتلیوں میں انگارے محسوس کر رہا تھا۔اور ان انگاروں کی جلن بے پناہ تھی۔

مگر یہ جلن بھی اسے اذیت نہیں دے رہی تھی۔اس نے تلوار فرش پر رکھ کر لرزاں ہاتھوں سے بہن کے سر پر پیار دیا،پہلا اور آخری پیار۔اور پھر جلدی جلدی اس کے جسم کو اپنے سر پر بندھے کفن میں لپیٹا اور اسے کندھے پر اُٹھانے کے لیے نیچے جھک گیا۔یہی وہ وقت تھا جب اسے اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی ۔اس نے مڑ کر دیکھا۔وہ سرسوتی تھی اور اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔میدان جنگ میں اس نے سرگرم کردار ادا کیا اور زخمیوں کی دیکھ بھال میں پیش پیش رہی۔اس وقت اشباح کی طرح وہ بھی کسی کو تلاش کر رہی تھی ''کچھ پتہ چلا؟''اس نے ہراساں لہجے میں پوچھا۔''ہاں''اشباح نے جواب دیا اور فرش پر پڑی لاش کی طرف اشارہ کر دیا۔''کون ہے یہ؟''

اس نے ڈرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''آپ کی بیٹی اور میری بہن''۔اشباح کی آواز جذبات سے عاری تھی۔

سرسوتی کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے بہہ نکلے۔اشباح نے کہا۔

”مادر محترم“! میں اپنی بہن کی لاش آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ کسی کو اس کا کفن مت کھولنے دیجئے گا نہ ہی کسی کو بتائیے گا کہ یہ کون ہے بس عزت سے اسے دفن کر دیجئے گا۔

آخری الفاظ ادا کرتے کرتے اس نے جست لگائی اور گھوڑے پر سوار گیا۔ لگام موڑ کر وہ تند بھگولے کی طرح کمرے سے نکلا اور محل کے طول و عرض میں چکرانے لگا۔

اس طرح سینکڑوں دوسرے سوار بھی گھوڑے بھگا رہے تھے۔۔سب کو ایک ہی شخص کی تلاش تھی۔ پرماتما۔۔۔۔۔۔۔جوان کی آخری منزل تھی۔

جس کی لاش پر تھوکنے کے عوض کوئی بھی اپنی زندگی کی ساری خوشیاں قربان کر سکتا تھا۔ مگر وہ شخص کہیں نہیں مل رہا تھا نہ لاشوں میں نہ زخمیوں میں۔

سخت کوشش کے بعد محل کے باہر صرف منوہر چند کی لاش ملی۔ اس کے سینے میں دو تیر پیوست تھے۔ اور وہ کسی ہاتھی کے پاؤں تلے آکر کچلا گیا تھا۔ مشتعل لوگوں نے اس کی لاش کے چھوٹے چھوٹے ٹکرے کیے اور ہار بنا کر گلے میں ڈال لیے۔

پرماتما کی تلاش میں اشباح اور دیگر سردار محل کے اہم ترین حصے میں پہنچ گئے۔ قیدی پہرے دار نے بتایا کہ اس حصے میں کوئی بھی شخص کبھی داخل نہیں ہوا۔ اور یہاں پرماتما کے اہلِ خانہ قیام رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے چوبی دروازے کھول کر مسلمان پہرے دار اندر داخل ہو گئے۔ اس حصے کی آرائش و زیبائش دیدنی تھی۔ یہاں کی خوبصورتی کے سامنے باقی محل کا حسن ماند پڑ رہا تھا۔ پہرے داروں نے بتایا کہ اس حصے کے

خدام بھی خاص ہوتے ہیں۔ یہ گونگے بہرے ملازم نیا لباس پہنتے ہیں اور زندگی میں کبھی ان دیواروں سے باہر نہیں نکلتے۔ وہ نسل در نسل اسی چھت کے نیچے رہتے ہیں۔ محل نے اس جنت نظیر حصے میں اشباح کو جلے ہوئے گوشت کی کریہہ بو آنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی کچھ دبی دبی کراہیں سنائی دیں۔ وہ سب بھاگتے ہوئے ان کراہوں کے سراغ میں آگے بڑھے۔ ہیرے جڑی عمارت کے کئی فردوس نشان بام و در سے گذر کر وہ ایک عظیم الشان ایوان میں پہنچے۔ اس ایوان کے بیچ و بیچ انہیں آگ کے دو بڑے بڑے الاؤ دہکتے نظر آئے۔ ایوان کی دیواروں پر شعلوں کی سرخی رقصاں تھی۔ اور سوختہ گوشت کی بو بھی ناقابل برداشت ہو رہی تھی ۔ چہروں کو عماموں سے ڈھانپ کر اشباح، سردار جہم اور بھیم سنگھ اندر پہنچے۔ انہوں نے دیکھا ایک الاؤ صندل کی لکڑی کا ہے دوسرا عام شیشم کا۔ ان دونوں میں بے شمار انسانی ڈھانچے پڑے جل رہے ہیں۔ شیشم کی لکڑی والے الاؤ کے پاس انہیں دو نیم جاں پہرے دار نظر آئے۔ ان کے جسموں پر ادھ جلے نیلے لباس تھے۔ غالبًا وہ جلنے سے بچ گئے تھے۔ اشباح نے سپاہیوں کی مدد سے انہیں اٹھایا اور طبّی امداد کے لئے باہر لے گئے۔ آگ کے اندر انسانی کھوپڑیا اور لاشوں کے پیٹ دھماکوں سے پھٹنے لگے۔ اس بدبودار جگہ مزید رکنا ممکن نہیں تھا۔ اشباح اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر آ گیا۔

دو نیم جاں پہرے داروں میں سے ایک نوجوان تھا اور دوسرا ادھیڑ عمر۔۔۔۔ نوجوان پہرے داروں نے مرتے مرتے اشارے کنایوں میں جو بیان دیا اس سے پتہ چلا کہ مرنے والے پرماتما کے اہلِ خانہ تھے۔ (یہ وہی لوگ تھے جو پرماتما کی طرح پراسرار زندگی گذارتے تھے اور اگر کبھی کبھار کسی تقریب میں عمائدین کے

سامنے آتے بھی تو ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہوتا) پرماتما نے بتایا کہ صندل کا الاؤ پرماتما کے گھر والوں کے لیے اور دوسرا پہرے داروں کے لئے تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ پرماتما مرنے والوں میں شامل نہیں۔

اشباح اور دیگر سرداروں کا اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہیں تھا کہ پرماتما میدان جنگ سے فرار ہو گیا ہے۔ شواہد بتا رہے تھے کہ فرار کے لیے اس نے شمالی راستہ چنا ہے۔ وہ کسی طرح دونوں آبی حصاروں کو پار کر کے تاریک جنگل سے نکل گیا ہے اور پُرخطر دلدلی راستے سے راہ فرار اختیار کی ہے۔ یہ وہی راستہ تھا جہاں اشباح کو چند دن پہلے اسلامی دستے کی کمک پہنچی تھی۔ سردار جہم کے مشورے سے اشباح نے فوراً ایک دستہ ترتیب دیا اور پرماتما کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ دلدلی راستے پر رہنمائی کے لیے بھیم سنگھ اور شہاب کو بھی دستے میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ سرخ پوشوں میں سے بھی دو قیدی غیر مشروط طور پر مسلمان دستے کی مدد کے لیے تیار ہو گئے۔ انہیں پابہ زنجیر کر کے گھوڑوں پر بٹھالیا گیا۔ اشباح تیزی سے سفر کرتا ہوا دوسری نہر کے پل تک پہنچا۔ ادھ جلے پل پر اب مشعلیں جل رہی تھی اور فتح کی خوشی میں سرشار سپاہی اپنے اپنے انداز میں خدا کا شکر بجالا رہے تھے۔ ایک جگہ شہدا کی لاشیں ایک طویل قطار میں گھاس پر پڑی تھیں۔ ایکا ایکی اشباح کو اویس کا خیال آیا۔ وہ گھوڑا گھما کر لاشوں کے پاس سے گذرنے لگا۔ ابھی دس بیس گز ہی چلا تھا کہ اس کے اندیشے حقیقت کا روپ دھار گئے۔ اویس اس قطار میں موجود تھا۔ اشباح لپک کر گھوڑے سے نیچے آیا۔ دوسرے شہدا کی طرح اویس کے بھی جنگی ہتھیار اس کے پاس پڑے تھے اور چہرے سے ایک سکون ہویدا تھا۔ اشباح نے اویس کو گلے لگا کر اس کی پیشانی چومی اور چپ چاپ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کی نگاہ دو عجیب وغریب لاشوں پر پڑی۔ یہ قد آور لاشیں ایک دوسرے سے پیوست تھی اور قطار سے ہٹا کر رکھی گئی تھیں۔ اشباح

آگے گیا اور دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ سارگا اور راماجن دموہا ہیں۔ موقع پر موجود نگرانوں نے اشباح کو بتایا کہ یہ لاشیں بیرونی نہر سے نکالی گئی ہیں۔ دونوں عجیب الخلقت انسان لڑتے بھڑتے نہر میں جا گرے تھے اور وہاں پر لڑتے رہے، یہاں تک کہ ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ اشباح مشعل کی روشنی میں حیرت سے ان عجیب وغریب لاشوں کو دیکھنے لگا۔ دونوں کے جسم زخموں سے چور تھے۔ سارگا کے ہاتھ راماجن کی گردن پر جم کر رہ گئے ۔ اور راماجن کے ادھ جلے چہرے نے نوکیلے دانتوں سے سارگا کے نرخرے کو دبوچ رکھا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے ایسے پیوست تھے کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اشباح نے نیچے اتر کر کھوئے کھوئے انداز میں سارگا کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا جیسے اسے شاباش دے رہا ہو پھر رُخ پھیر کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ساتھیوں کے ہمراہ تیزی سے نہر کے پُل کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی آنکھوں کی جلن ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

بڑھتی جا رہی تھی۔ اور پھیلتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ماہ جون کا وسط تھا۔ برسات کا موسم زوروں پر تھا۔ دریائے مہران (سندھ) ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ راجہ داہر اور اس کے سردار سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ محمد بن قاسم اس موسم میں دریا پار کرے گا۔ اس لیے وہ بے فکری سے دوسرے کنارے پر خیمہ زن تھے۔ ہر رات ناؤنوش کی محفلیں جمتی تھیں۔ اور رقص وموسیقی کے بعد خلوت گاہوں میں دادِ عیش دی جاتی تھی۔ ان خوش فعلیوں سے راجہ داہر اسلامی فوج پر یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ان کی یلغار سے قطعی خوفزدہ نہیں۔ اور نہ ہی اس کے تخت وتاج کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔

دوسری طرف دریا کے مغربی کنارے پر محمد بن قاسم بہت سے زمینداروں اور ٹھاکروں کو کشتیوں کی فراہمی پر آمادہ کر چکا تھا۔ یہ لوگ سمجھ چکے تھے کہ محمد بن قاسم کوئی اور نہیں ہندوستان کا نجات دہندہ ہے۔ اس کا ستارہ عروج پر ہے اور اس کی پیش قدمی کو کوئی نہیں روک سکے گا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی اعانت کو تیار ہو گئے تھے۔ بہت سے ملاح بھی رضاکارانہ طور پر اپنی کشتیاں لے کر پہنچ گئے۔ جب کافی کشتیاں اکٹھی ہو گئی تو محمد بن قاسم نے پل کی تیاری کا حکم دیا۔ کشتیوں کو آپس میں جوڑ کر ان پر لکڑی کے تختے بچھائے گئے اور میخوں سے ہر طرح سے مضبوط کر دیا گیا۔ یہ سارا کام نہایت تیزی اور رازداری سے ہوا۔ پل تیار ہو گیا تو اس کے دوسرے سرے کو کھینچ کر مشرقی کنارے سے لگا دیا اور رسوں کے ذریعے مضبوطی سے باندھ دیا گیا ۔ در حقیقت پل کو دریا کے ساتھ ساتھ چوڑائی کے رُخ پر بنایا گیا تھا۔ بعد میں اسے تیزی سے کھینچ کر دریا کے دوسرے کنارے لگا دیا گیا۔ اس موقع پر بصائح نامی راجہ کے بیٹے راسل نے جو موقع پر موجود تھا، مسلمانوں کی مزاحمت کی اور تیروں کی بارش کر دی۔ مسلمانوں نے اس کی مزاحمت کو ناکام بنا دیا اور راسل راجہ داہر کو خبر کرنے کے لئے بھاگ کھڑا ہوا۔ پل تیار ہوتے ہی مسلمان اور اس پر سوار تیزی سے دریا عبور کرنے لگے ۔۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کہ دشمن کی طرف سے مزید مزاحمت ہوتی پوری کی پوری فوج دریا پار کر چکی تھی۔

اس موقع پر محمد بن قاسم نے اپنے چچا حجاج بن یوسف کو چٹھی لکھی۔ اور اس میں خوشخبری دی کہ مسلمان دستے نے نہ صرف دریا عبور کر لیا ہے بلکہ مزاحمت کرنے والے دستے کو بھی مار بھگایا ہے۔ اس چٹھی کے جواب میں حجاج بن یوسف نے جواب میں لکھا ''میرے پیارے بیٹے عمادالدین محمد بن قاسم! مجھے آپ کی چٹھی ملی آپ نے جو کچھ کیا ہے بلکل درست ہے اور خدا کے احکامات کے عین مطابق ہے۔ تم احتیاط کے ساتھ

پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو اور ہر وقت خدا کی حمد بیان کرو اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو۔ ان شاءاللہ فتح تمہارے قدم چومے گی۔''

اس خط کے ملنے کے بعد محمد بن قاسم نے ایک مختصر تقریر لکھی جس میں اپنے ڈھنڈورچیوں کو حکم دیا کہ وہ لشکر میں جگہ جگہ اس پڑھ کر سنائیں۔ یہ تقریر کچھ اسطرح تھی۔

''میرے بہادر ساتھیو! آخر وہ وقت آن پہنچا ہے جس کا انتظار ہم کئی ماہ سے کر رہے تھے۔ مجھے آپ کے حوصلوں پر پورا بھروسہ ہے۔ پھر بھی اس فیصلہ کن مرحلے میں پہلے میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ تم میں سے اگر کچھ لوگ خود کو لڑائی کے لیے تیار نہیں پاتے، کسی مجبوری یا بیماری کے تحت ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہیں تو ابھی فوج سے علیحدہ ہو جائیں۔ اگر لڑائی شروع ہونے کے بعد وہ منہ پھریں گے تو اس سے سب کے حوصلوں پر برا اثر پڑے گا۔ اور میں بھی لڑائی میں پیٹھ دکھانے والوں کو معاف نہیں کروں گا۔۔۔۔۔'' ڈھنڈورچی دوپہر یہ اعلان کرتے رہے۔ لیکن پوری فوج میں کسی ایک شخص نے پیچھے ہٹنے کا عندیہ ظاہر نہیں کیا۔

اسی دوران راجہ داہر نے اپنے بیٹے جے سیہ کو مسلمانوں کے ایک باغی محمد علافی کے ہمراہ ایک فوج دے کر لڑائی کے لئے بھیج دیا۔ صبح کا وقت تھا۔ آسمان پر کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ رہ رہ کر بوندا باندی بھی ہونے لگتی تھی۔ اچانک کچھ فاصلے سے اسلامی فوج کے جاسوس، گھوڑوں پر سوار تلواریں لہراتے پڑاؤ کی طرف آتے دکھائی دیے۔ وہ سرپٹ گھوڑے دوڑا رہے تھے ان کی تلواروں کی مخصوص حرکت ایک خاص پیغام دے

رہی تھی۔ یہ پیغام سمجھتے ہی اسلامی فوج کے سپاہیوں نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور گھوڑوں کی طرف بھاگے ۔ محمد بن قاسم اپنے خیمے سے نکلا اور چلا کر عبداللہ نامی سالار کو حکم دیا کہ وہ دشمن سے مقابلے کے لیے بڑھے۔ صحرا کا شیر عبداللہ ابن علی ثقفی اپنے جانبازوں کے ساتھ نکلا اور سینکڑوں پرچم اڑاتا ہوا دشمن کی طرف بڑھا۔ چند فرلانگ کی دوری پر دشمن سے اس کی مدبھیڑ ہوگئی۔ نعرے گونجے، لوہے سے لوہا ٹکرایا اور دریائے مہران کے کنارے ایک خونریز جنگ شروع ہوگئ۔ شاید یہ لڑائی طول پکڑتی تو راجہ داہر بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہو جاتا، مگر مسلمانوں نے ہندؤں کو زیادہ دیر جمنے کا موقع نہیں دیا۔ عبداللہ ثقفی نے ایک بھرپور حملہ کیا اور دشمنوں کو مارتا کاٹتا قلب میں پہنچ گیا۔ ایک لمحہ ایسا آیا جب محسوس ہوا کہ داہر کا بیٹا اس جنگ میں کام آجائے گا، وہ چاروں طرف سے گھِر گیا اس کے ذاتی محافظوں نے اس کو بچانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی۔ اس کشمکش میں جے سیہ گھوڑے سے نیچے گر گیا اور ایک زخم کھا کر بھاگ نکلا۔ جے سیہ کی فوج نے بھرپور مزاحمت کر کے مسلمانوں کے دستے کو پیچھے ہٹادیا۔

جے سیہ کا گھوڑا جو زخم کھا بھاگا تھا پوری فوج میں بھاگتا رہا۔ زیادہ تر لشکری اپنے سپہ سالار کے گھوڑے کو پہنچاتے تھے۔ وہ یہی سمجھے کہ سپہ سالار کام آگیا۔ ان کی پرانی فطرت کے مطابق ان میں بددلی پھیل گئ۔ اس موقعے پر عبداللہ ثقفی نے بکھرے ہوئے دستوں کو جمع کر کے دوا کی طرف سے بھرپور حملہ کیا اور دشمن کو مار بھگایا۔

اس خونریز حملے کے بعد صورتِ حال کچھ کچھ واضح ہونا شروع ہوگئی۔ جہاں مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے وہاں دشمنوں کی صف میں فکرمندی کچھ اور بڑھ گئی۔ داہر کے لشکر میں سے کئی افراد چپکے چپکے اسلامی پڑاؤ میں

پہنچے۔ اور اطاعت قبول کرلی۔ گو ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی لیکن اس سے اس بے چینی کا پتہ چلتا تھا جو غنیم کے دل میں پائی جاتی تھی۔ داہر کا کیمپ چھوڑنے والوں میں اس کا پرانا حلیف راسل بھی تھا۔ اس کا مسئلہ عجیب تھا وہ خونریز لڑائی سے پہلے پہلے مسلمانوں سے آملنا چاہتا تھا۔ لیکن اپنے لوگوں میں اپنی بدنامی بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس الجھن کا حل اس نے اپنے وزیر سے مشورے سے یہ نکالا کہ محمد بن قاسم کے پاس اپنا ایک ایلچی بھیجا۔ اس ایلچی نے کہا کہ سردار راسل کل شام اپنے دستے کے ساتھ فلاں جگہ سے گذرے گا۔ اسلامی دستہ اس پر حملہ آور ہو اور معمولی لڑائی کے بعد سردار راسل کو ساتھیوں سمیت گرفتار کرلیا جائے۔ محمد بن قاسم اس پیغام کی نوعیت سمجھ گیا اور یہ بھی سمجھ گیا کہ پیغام بھیجنے والے کی مجبوری کیا ہے۔۔۔۔۔۔ اس نے ایسے ہی کیا اور اگلے روز راسل گرفتار ہو کر اسلامی دستے میں پہنچ گیا۔ راسل کی اطاعت اس موقع پر بڑی مددگار ثابت ہوئی۔ محمد بن قاسم کو داہر کی جنگی تیاریوں اور میدان جنگ کے نقشے کے بارے میں گراں قدر معلومات حاصل ہوئی۔ راسل کی زبانی ہی محمد بن قاسم کو یہ پتہ چلا۔ راسل کی زبانی ہی محمد بن قاسم کو یہ پتہ چلا کہ صحرائے تھر کے کسی دور دراز حصے سے داہر کا ایک خلیف اسے بار بار کمک بھیجنے کی درخواست کر رہا ہے ۔ داہر اس کی پشت پناہی پر آمادہ ہوگیا مگر اسلامی فوج کی پیش قدمی کے باعث وہ ایسا نہیں کرسکا۔ محمد بن قاسم سمجھ گیا کہ یہ ذکر پرماتما اور اس کے حواریوں کا ہو رہا ہے۔ اور وہ یہ بھی جان گیا کہ سردار جہم اور اشباح، راجہ داہر کے اس خطرناک خلیف کو آڑے ہاتھوں لے چکے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خوفناک ویران رستے پر وہ ایک طویل تعاقب تھا۔اشباح اور اس کے ساتھیوں کو یقین ہو چکا تھا کہ پرماتما اپنے حواریوں کے ساتھ اسی راستے سے گذرا ہے۔سموں کے نشانات جانوروں کا فضلہ ،اور دیگر نشانیاں ظاہر کرتی تھیں کہ پرماتما اور اس کے ساتھیوں کی تعداد تقریباً دس ہے اور وہ نہایت تندرفتار گھوڑوں پر تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

احمد شہاب نے اندازہ لگایا کہ ان سے پرماتما اور ان کے ساتھیوں کا فاصلہ تقریباً آٹھ گز ہے۔اس انتہائی دشوار رستے پر اس فاصلے کو کم کرنا آسان نہیں تھا۔یہ راستہ اپنی نوعیت کا عجیب و غریب تھا۔کوسوں تک کسی انسان کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔لگتا تھا جب سے دنیا بنی ہے یہاں کسی کے قدم پڑے ہی نہیں۔ہر طرف جان لیوا دلدلیں منہ کھولے کھڑی تھیں۔ان دلدلوں کی سطح اوپر سے نہایت فریب کن تھی۔سورج کی تیز حرارت کے سبب ان دلدلوں سے خاکستری بخارات اڑتے تھے۔یہ بخارات نہایت زہریلے تصور کیے جاتے تھے۔کئی جگہ جھاڑ جھنکار اتنا زیادہ تھا کہ راستہ مسدود ہو کر رہ گیا تھا۔اور یوں لگتا تھا کہ وہ مکمل طور پر بھٹک گئے ہیں۔ایک وسیع و عمیق خشک نالہ بار بار ان کے راستے کو قطع کر رہا تھا۔اور ہر بار جب یہ نالہ ان کے راستے میں آتا تو انہیں لگتا کہ یہ پھر سے اسی جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔اگر احمد شہاب ان کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ چند کوس آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔اس راستے میں کئی ایسے چرند پرند نظر آئے جو پہلے انہوں نے نہیں دیکھے تھے۔اس کے علاوہ کئی اشجار بھی مختلف قسم کے دکھائی دیے۔رات پڑی تو مچھروں کے لشکر کے لشکر ان پر حملہ آور ہو گئے۔وہ ساری رات مشعلوں کی روشنی میں جاگتے رہے۔اور حشرات الارض سے نبرد آزما رہے۔اجالے کی پہلی کرن کے ساتھ ہی انہوں نے سفر دوبارہ شروع کیا۔سفید محل کے اندرونی حصے سے نیلے لباس کے دو

خادم زندہ گرفتار ہوئے تھے۔ان میں ایک تھوڑی دیر بعد ہی ہلاک ہو گیا۔مگر جوادھیڑ عمر تھا،زندہ تھا اور اس وقت اشباح وغیرہ کے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا۔اس کے جسم کا زیادہ تر حصہ جلنے سے محفوظ رہا صرف بازوؤں اور پشت پر معمولی زخم آئے تھے۔یہ شخص اپنا ماضی الضمیر لکھ کر بیان کر سکتا تھا۔اسے چالیس برس تک پرماتما اور اس کے اہل خانہ کی خدمتگاری کا شرف حاصل تھا۔وہ اس پراسرار خانوادے کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا اور بتا سکتا تھا دوران سفر اشباح نے کسی نہ کسی طرح اسے یہ معلومات دینے پر راضی کر لیا۔جب اس شخص کو معلوم ہوا کہ پرماتما اور اس کی سپاہ کو مکمل طور پر شکست ہو گئی ہے اور پرماتما کے بڑے بڑے سردار مارے گئے ہیں،اور وہ خود یا مارا گیا ہے یا روپوش ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو اس شخص نے مزید رازداری ضروری نہیں سمجھی۔اور ایک کاغذ منگوا کر اس پر تحریر لکھنی شروع کر دی۔

تیسرے روز جب اشباح اس منحوس ترین راستے کو طے کر چکا تھا اور کہیں کہیں بیرونی دنیا کے آثار چرواہوں کی صورت نظر آنے لگے تھے،اس ادھیڑ عمر خادم نے اپنی تحریر مکمل کر کے اشباح کے حوالے کر دی۔اس وقت شام ہو چکی تھی۔بھیم سنگھ اور احمد شہاب سے مشورے کے بعد اشباح نے فوج کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔پڑاؤ میں تاخیر کا اب ویسے بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔پرماتما اپنے بھگوڑے ساتھیوں کے ساتھ دور نکل چکا تھا وہ دریائے مہران کی طرف نکلا تھا۔لہٰذا امید تھی کہ اس سے اب داہر کے لشکر میں ہی ملاقات ہو گی۔

خیمے لگ چکے تو اشباح کے ساتھیوں نے نمازِ مغرب ادا کی۔پھر خیمے میں آکر مشعل کی روشنی میں پہریدار کی تحریر پڑھنے لگا۔تحریر سنسکرت میں تھی اور بہت خوش خط تھی۔اس طویل تحریر سے اشباح کو گراں قدر معلومات حاصل ہوئیں۔اور تاریک جنگل کے ایک بہت بڑے راز پر سے پردہ اُٹھ گیا۔پہریدار نے اپنا اور

اپنے باپ کانام بتانے کے بعد لکھا ''میرا باپ سنسکرت زبان کا بہت بڑا ماہر تھا، اسے ریاست میں شاہی اتالیق کا درجہ حاصل تھا۔ مجھے بھی اس نے بڑی محنت سے پڑھایا لکھایا وہ مجھے ایک قابل شخص بنانا چاہتا تھا مگر اس کی امید بر نہ آئی، میں ابھی دس سال کا تھا کہ ایک روز پرماتما کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ میں چونکہ پیدائشی گونگا بہرا تھا اس لیے پرماتمانے مجھے اپنے خاص ملازمین میں شامل کرنے کے لئے چن لیا۔ مجھے میرے ماں باپ سے جدا کر کے مجھے سفید محل پہنچا دیا گیا۔ اور سی چھت کے تلے میں نے زندگی کے قیمتی تیس سال گذار دیے۔'' اپنا مختصر تعارف لکھنے کے بعد پہریدار نے سفید محل کے اندرونی حالات لکھے تھے اور پھر۔۔۔۔۔۔ پرماتما کی طویل زندگی کا راز کھولا تھا۔ یہ راز کھولتے ہوئے اس نے لکھا تھا۔

''دوستوں! پرماتما ایک شخص کا نام نہیں ایک برائی کا نام ہے جو نسل در نسل اس محل میں پرورش پا رہی تھی۔ ''پرماتما'' دراصل وہ پراسرار خانوادہ ہے جس کا ہر بچہ اپنی آنکھوں میں ایک طلسماتی قوت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ انسان کے روپ میں یہ بچہ ایک شیطان ہوتا ہے۔ ایسے ہی چھوٹے بڑے شیطانوں سے مل کر سفید محل کا ''شیطانی خاندان'' بن گیا تھا۔ اس خاندان کا جو فرد تخت نشین ہوتا وہ پرماتما کہلاتا تھا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت ایک نقاب رہتا تھا۔ وہ اپنی اصل آواز چھپاتا تھا اسلیے پرماتما ہی کہلاتا تھا۔ پرماتما مرتے ضرور تھے لیکن ان کی موت کو عوام وخواص سے چھپایا جاتا تھا۔ اور ایک پرماتما کے بعد دوسرا عوام کے سر پر مسلط ہو جاتا تھا۔ میری موجودگی میں دو پرماتما مر چکے تھے۔ ایک بیس برس پہلے دماغ کے خناس میں مبتلا ہو کر مرا تھا، چند ماہ پیشتر ایک اپنی دلہن کے ہاتھوں مرا تھا۔ اس کی موت نے شیطانی خانوادے میں صفِ ماتم بچھا دی تھی۔ ایک ماہ تک وہ لوگ بدروحوں کی طرح روتے رہے تھے۔ انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ زمین پر سوتے تھے اور

الٹے پاؤں چلتے تھے۔ جو شخص اب پرماتما بنا ہے وہ پہلے مرنے والے کا چھوٹا بھائی ہے، شیطانیت اور درندگی میں یہ اپنی مثال آپ ہے۔ جس خادمہ نے اسے اس کے بڑے بھائی کے مرنے کی خبر لا کر دی تھی۔ اسے اس نے زمین پر گرا کر اس کی گردن پر گھٹنا رکھ دیا تھا۔۔۔۔۔۔ اور آتش دان سے دہکتے انگارے لے کر اس کے منہ میں ٹھونس دیے تھے۔۔۔۔۔۔ یہ تو ایک چھوٹی سی مثال ہے ورنہ اس شخص کی درندگیوں کی کوئی انتہا نہیں۔۔۔۔۔۔۔''

اپنی تحریر کے آخر میں پہریدار نے لکھا۔ ''جب پرماتما کو اس کی موت کا یقین ہو گیا تو اس نے آگ کے دو بڑے الاؤ دہکانے کا حکم دیا۔ ایک الاؤ اس کے اہلِ خانہ کے لئے تھا اور دوسرا ملازمین کے لیے ۔۔۔۔۔۔۔ سب اس میں کود گئے اور جل کر خاکستر ہوئے۔۔۔۔۔۔''

اس تحریر میں اور بہت سے انکشافات تھے جس سے پتہ چلتا تھا کہ اس پراسرار خاندان کا اندرونی نظام کسطرح چلتا تھا اور ان کے شب و روز کسطرح گذرتے تھے۔

"اور ان کے شب و روز کسطرح گذرتے تھے۔ اشباح نے یہ حیران کن تحریر بھیم سنگھ اور شہاب احمد کو بھی دکھائی۔ وہ بھی ان معلومات سے بہت متاثر ہوئے اور دیر تک تبادلہ خیال کرتے رہے۔ اگلے روز پرماتما کا تعاقب کرنے والا اسلامی دستہ اشباح کی قیادت میں سیستان پہنچ گیا۔ آباد دنیا کے بام و در دیکھ کر اشباح کی دلی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس جادو نگری سے نکلنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ وہ آزاد فضا میں سانس لے رہا تھا، آزاد لوگ اس کے سامنے تھے۔ یہ زندگی کی جیتی جاگتی حقیقتوں کی دنیا تھی

۔دیکھے بھالے مناظر اشباح کی آنکھوں کی جلن کم کرنے لگے۔مگر جو آگ اس کے سینے میں جل رہی تھی وہ کسی طور کم نہیں ہوئی۔زلفہ کی بربادی کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جم کر رہ گیا تھا۔وہ اس منظر کے سوا کچھ اور دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔اس کے سینے پر ایک بھاری بوجھ تھا۔اس کا دل چاہا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلے،اتنے آنسو کہ اس میں ہر شے ڈوب جائے،مگر آنسوؤں کے نام پر ایک نمی تک اس کی آنکھ میں نہیں تھی۔بس ایک جلن تھی اور ایک خشک صحرا تھا۔۔۔۔۔۔سیستان سے ہوتے ہوئے وہ دریائے مہران کے کنارے پہنچے،اور دریا کے ساتھ چلتے چلتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں مسلمانوں نے کشتیوں کا پُل بنا کر دوسرے کنارے تک رسائی حاصل کی تھی۔پُل پار کرکے وہ اسلامی لشکر کے پڑاؤ میں پہنچ گئے۔یہ پڑاؤ کئی میل کے علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔جہاں تک نگاہ جاتی تھی خیمے،سپاہی اور پرچم نظر آرہے تھے۔پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی کچھ سپاہیوں نے اشباح کو پہچان لیا۔وہ اس کے استقبال کے لیے اس کی طرف بھاگے ان کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ سالارِ اعظم محمد بن قاسم کے خیمے میں پہنچا تو محمد بن قاسم اپنے خیمے میں موجود نہیں تھا۔پتہ چلا کہ خیموں کے درمیان واقع کھلے میدان میں کچھ مجرموں کو سزائے موت دی جارہی ہے۔اور سپہ سالار وہاں موجود ہیں۔اشباح فوراً اس میدان کی طرف روانہ ہوگیا۔اپنی بیوی آسیہ کو دیکھنے سے پہلے وہ سالارِ اعظم کی خدمت میں حاضری دینا چاہتا تھا اور یہی آداب کے مطابق تھا۔وہ میدان میں پہنچا تو

محمد بن قاسم کی اس کی آمد کی خبر ہو چکی تھی۔اس نے آگے بڑھ کر اشباح سے معانقہ کیا اور دیر تک اسے سینے سے لگائے رکھا۔

''''کیا اطلاع ہے؟''اس نے اشباح کو خود سے جدا کرکے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم کامیاب ہوئے ہیں،جناب تاریک جنگل کے فرمانروا کو شکست ہوئی ہے آپ کو مبارک ہو۔''

''الحمدللہ!''محمد بن قاسم نے کہا۔اشباح محسوس کر رہا تھا کہ محمد بن قاسم سمیت یہاں موجود تمام افراد کچھ خاموش سے ہیں۔ماحول میں کچھ بھاری پن تھا۔اشباح نے دیکھا میدان کے درمیان کوئی سات عدد ہٹے کٹے ہندو موجود تھے۔ان کے ماتھوں پر قشقے تھے۔دو تین کی بودیاں بھی تھیں۔وہ سب کے سب لنگوٹ پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ عقب میں بندھے ہوئے تھے۔ایک حبشی جلاد ہاتھ میں وزنی کٹار لیے ان کے پاس کھڑا تھا۔قریب ہی لکڑی کا وہ مخصوص شکنجہ بھی نظر آرہا تھا۔جس پر رکھ کر گردنیں کاٹی جاتی ہیں۔اشباح کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ جن مجرموں کو سزا دی جانی ہے وہ یہی ہندو ہیں۔

ان سب کے چہرے ستے ہوئے تھے اور نگاہیں جھکائے کھڑے تھے۔

محمد بن قاسم نے کہا کہ ''اشباح!آپ عین موقع پر آئے ہیں۔بہتر ہے آپ بھی ان مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچتا دیکھ لیں۔''

''کیا کیا ہے ان لوگوں نے؟اشباح نے حیرانی سے پوچھا۔

محمد بن قاسم نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا ابھی آپ کو سب بتادیا جائے گا۔" پھر اس نے جلاد کو اشارہ کیا۔ جلاد پہلے سے تیار تھا۔ غالباً اشباح کی آمد کا سن کر کاروائی روکی گئی تھی۔ جلاد کی کٹار اور زمین پر خون کے آثار بتا رہے تھے کہ ان میں سے ایک مجرم کو سزا دی جا چکی ہے۔ اشباح کی موجودگی میں باقی مجرموں کو بھی سزا کے عمل سے گذارا گیا۔ یکے بعد دیگرے ان کی گردنوں کو چوبی شکنجے میں گھسایا گیا اور کٹار کے وار سے سر جدا کر دیے گئے۔ ایک دو کے سوا سب مجرموں نے خاموشی سے سزا پائی۔ یکے بعد دیگرے سات چیخیں گونجی اور سات دھڑ جسموں سے علیحدہ ہو کر پھڑکنے لگے۔ کاروائی مکمل ہوئی تو اشباح نے محمد بن قاسم سے پوچھا

"سالارِ اعظم کون تھے یہ لوگ؟ اور کیسے ہمارے پڑاؤ میں پہنچے۔""؟

محمد بن قاسم نے ایک گہری سانس لے کر کہا "ان کا تعلق ہندوؤں کے ایک جنوبی ٹولے سے ہے۔ آٹھ دس روز پہلے انہوں نے آپ کے خیمے پر حملہ کیا تھا اور گرفتار ہوئے تھے۔

"میرے خیمے پر؟ اشباح نے حیرت سے کہا۔۔ آپ کا مطلب ہے کہ آسیہ کے خیمے پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یعنی میری بیوی۔۔۔۔۔۔۔۔"

محمد بن قاسم نے اقرار میں سر ہلایا۔ اشباح کے چہرے پر اندیشوں کے گہرے سائے لہرانے لگے۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ "آ۔۔۔ آسیہ ٹھیک تو ہے ناں اس نے کمزور آواز میں پوچھا۔ محمد بن قاسم خاموش رہا۔ اس وقت آسیہ کا بوڑھا خادم سیوک رام ایک جانب سے آیا۔ اور دھاڑیں مار مار کر روتے ہوتے کہا۔ "آسیہ زندہ میرے

بیٹے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آسیہ زندہ ہے وہ مری نہیں" یہ دیکھ میں تجھے آسیہ دکھاتا ہوں۔ وہ بھاگا ہوا ایک طرف گیا اور ایک کمسن بچے کا وجود لے کر آ گیا۔ نہایت جذباتی لہجے میں بولا "یہ دیکھ میرے بیٹے! آسیہ اس کی ننھی منھی آنکھوں میں زندہ ہے۔

اس کی سانسوں کے ساتھ وہ بھی سانس لے رہی ہے۔ یہ دیکھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ تیرا بچہ ہے تیرا بیٹا ہے"۔

اشباح کی جلتی آنکھوں کی جلن کچھ اور بڑھ گئی۔ اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے چند ہفتے کے معصوم بچے کو دیکھا۔ وہ ہونٹوں میں انگوٹھا دیے لاتعلقی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سالارِ اعظم محمد بن قاسم کی آواز اشباح کے کانوں میں گونجی۔

"سیوک رام ٹھیک کہتا ہے۔ آسیہ زندہ ہے، اور زندہ رہے گی۔ اس نے تمہارے ساتھ مل کر فرسودہ رسموں کے بُت پر پہلی کاری ضرب لگائی تھی۔ اس ضرب کی گونج اس خطے کی عورت پر صدیوں تک گونجے گی۔ اور اس گونج کے ساتھ آسیہ بھی زندہ رہے گی۔۔۔۔۔۔"

اشباح سب کچھ سن رہا تھا مگر اس کا ذہن کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔ اس کے تصور میں وہ منظر گھوم رہا تھا جب وہ آخری بار آسیہ سے ملا تھا۔ کیسی نامہربان گھڑی تھی وہ۔ وہ صبح منہ اندھیرے ہی گھر سے نکل گیا۔ اشباح کے منع کرنے کے باوجود آسیہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ اس کے عمامے کا پلو درست کرتے ہوئے اس نے کیا تھا "خدا حافظ"۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا۔

یہ آخری بات ہے، یہ آخری دعا ہے پھر کبھی ملنا نہیں ہوگا۔ دہلیز پر انتظار کرنے والی پھر کبھی بامراد نہیں لوٹے گی۔ اشباح کو لگا کہ وہ زاروقطار رو رہا ہے مگر اس نے آنکھوں کو ہاتھ لگایا تو بالکل خشک تھیں۔ خشک اور بنجر ۔اس کے کانوں میں بھیم سنگھ کی آواز آئی۔ اس نے اسے کندھے سے تھاما ہوا تھا۔ اور دلاسہ دے رہا تھا۔ محمد بن قاسم دل گرفتہ اپنے خیمے کی طرف جا چکا تھا۔ کتنی ہی دیر اشباح گم صم رہا پھر اس نے سیوک رام سے پوچھا۔

"سیوک رام یہ سب کیسے ہوا؟ کس نے قتل کیا آسیہ کو؟"

"سیوک نے روتے ہوئے کہا مالک یہ وہی درندے تھے جنہوں نے پچھلے برس نیرون میں ہم پر قیامت توڑی تھی۔ بڑے مالک سمیت سب ہی تو جل مرے تھے۔ ایک یہی بدنصیب بچی تھی اسے بھی نہ چھوڑا ظالموں نے، ہائے رام اس کے بدلے میں کیوں نہ مر گیا۔ میرے ٹکڑے کیوں نہ ہو گئے۔ کوئی عمر تھی اس نوبیاہتا کے مرنے کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اب ساری بات اشباح کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ آسیہ ان ہی درندوں کا شکار ہوئی تھی جنہوں نے اس سے پہلے نیرون میں حملہ کر کے آسیہ کے چھوٹے بھائی دیپک سمیت اس کے ماتا پتا کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ اور گھر کو آگ لگا دی تھی۔ ان لوگوں کو اشباح سے آسیہ کی شادی کا شدید صدمہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ایک بیوہ برہمن زادی نے ایک مسلمان دشمن سے بیاہ رچا کر دھرم کے ہر قانون قاعدے کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ اور اسے سخت سے سخت سزا ملنی چاہیے۔ آسیہ نے ایک دو بار اشباح سے کہا بھی تھا کہ اس کی ذات کے لوگ اس کے دشمن ہو

چکے ہیں۔ اور وہ اسے نقصان پہنچانے کو کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔۔۔۔۔۔۔ آخر وہ کامیاب ہو گئے تھے۔ اپنی تنگ نظری اور عداوت سے مجبور ہو کر وہ اپنی جانوں کی پرواہ کیے بغیر اسلامی لشکر میں پہنچے تھے اور آسیہ کو شہید کر دیا تھا۔ سیوک نے رو رو کر اس واقعے کی تمام تفصیلات اشباح کو بتائی۔ یہ تفصیلات اندوہناک تھیں۔

سیوک رام نے اشباح سے کہا۔ "مالک! میں اکثر آسیہ بیٹی سے کہا کرتا تھا۔ کہ وہ اپنی اور اپنے بچے کی جان کی حفاظت کے لیے چوکس رہے۔ سپہ سالار محمد بن قاسم بھی انہیں ایسی ہی ہدایات کر چکے تھے مگر وہ کبھی کبھی لاپرواہ ہو جاتی تھیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ وہ شام سے ذرا پہلے اپنے خیمے سے نکل کر پڑاؤ کے مضافاتی حصے میں چلی جاتی اور جنوبی رُخ پر نگاہیں جمائے آپکا راستہ دیکھتی رہتیں۔ پچھلے منگل وار کو بھی ایسا ہی ہوا۔ شام ڈھلے انہوں نے بچے کو اُٹھا رکھا تھا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر وہ ایک پتھر پر گم صم بیٹھ گئیں۔ میں بچے کو لے کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اتنے میں میں نے آسیہ بیٹی کی چیخ سنی۔ مڑ کر دیکھا ایک ہٹا کٹا ہندو آسیہ بیٹی پر چھرے سے وار کر رہا ہے۔ اس کا چھرا آسیہ بیٹی کی کمر میں لگا اور اندر گھس گیا۔ وہ اٹھ کر بھاگی لیکن دس پندرہ گز جا کر گر گئی۔ قاتل نے پھر انہیں جا لیا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ چار پانچ آدمی بھاگتے ہوئے آ رہے ہیں۔ میں نے ان کی شکلیں نہیں دیکھیں۔ میں سمجھا کہ وہ آسیہ بیٹی کو بچانے کے لئے بھاگے ہیں مگر وہ اس قاتل کے ساتھی نکلے۔ وہ سب کے سب آسیہ بیٹی پر جھپٹ پڑے۔"

یہاں تک کے سیوک رام نے اپنی بوڑھی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور سسکنے لگا۔ روتے ہوئے بولا "آقا میں نے آسیہ بیٹی کو خاک و خون میں لوٹتے دیکھا۔ اتنے میں ایک قاتل کی نگاہ مجھ پر پڑی، وہ چلایا، بچہ وہ ہے۔"

"خونی قاتل چھرے اور تلواریں لہراتے میری طرف لپکے۔میں بچے کو لے کر بھاگ اُٹھا۔اس دوران مسلمان سپاہی باخبر ہو چکے تھے۔وہ تلواریں کھینچ کر جھپٹتے ہوئے آئے اور قاتلوں سے لڑنے لگے۔ایک قاتل مارا گیا باقی گرفتار ہوئے۔آسیہ بیٹی کو شفاخانے پہنچانے کی کوشش کی گئی مگر وہ موقع پر ہی جان دے چکی تھیں۔"

سیوک رام کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔اشباح نے حسرت سے ان آنسوؤں کو دیکھا کہ کاش وہ بھی رو سکے۔مگر آنسو اس کے مقدر میں کہاں تھے۔اس دوران اشباح کی آمد کی خبر پورے لشکر میں پھیل گئی۔سپاہی اور سالار اس شخص کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے جس نے بوہان رومی جیسے شہ زور کو زیر کیا تھا۔اور پھر کئی ماہ ایک پراسرار جادو نگری میں گزار کر اور وہاں اسلامی پرچم لہرا کر واپس آیا تھا۔کئی سالاروں نے آگے بڑھ کر اس سے معانقہ کیا۔ان کی آنکھیں محبت کے جذبات سے بھیگی ہوئی تھیں۔ایک طرف انہیں اشباح کی واپسی کی خوشی تھی اور دوسری طرف وہ اس کے غم میں بھی شریک تھے۔اشباح نے ہجوم کے سامنے ایک مختصر سی تقریر بھی کی اور چیدہ چیدہ واقعات بھی سنائے۔

اس کام سے فارغ ہو کر سیوک رام اور لال کمار کو ساتھ لیا اور آسیہ کی قبر کی طرف روانہ ہو گیا۔دریائے مہران کے چمکتے پانیوں سے کچھ ہٹ کر املی کے دو پودوں تلے ایک تنہا قبر اس کا انتظار کر رہی تھی۔قبر دیکھ کر اشباح کی آنکھوں کی جلن کچھ اور بڑھ گئی۔وہ کتنی ہی دیر گم صم کھڑا رہا۔پھر اس نے سیوک رام اور لال کمار کو کہا کہ وہ واپس چلے جائیں۔وہ دونوں آبدیدہ آنسو پونچھتے وہاں سے واپس چلے گئے۔اشباح دو زانو ہو کر قبر کے پاس بیٹھ گیا۔بیٹھا رہا اور قرآنی سورتیں پڑھتا رہا۔اس نے عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی وہیں

پڑھیں۔تب رات ہو گئی اور ہر سو گھپ اندھیرا چھا گیا۔اشباح اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔سیوک رام، لال کمار باری باری آئے اور اشباح کو نہ پا کر واپس چلے گئے۔رات کے آخری پہر اسے اپنے عقب میں کئی قدموں کی آہٹ سنائی دی۔اس نے مڑ کر دیکھا عقب میں مہندر کمار کھڑا تھا۔آسیہ کا بھائی اور اشباح کا دوست اس کے ساتھ ہلابہ بھی تھی۔ان کے ساتھ بھیم سنگھ، احمد شہاب وغیرہ تھے۔وہ شاید ابھی ابھی یہاں پہنچے تھے سب کی آنکھوں میں آنسو تھے مہندر کمار بھاگ کر اشباح سے لپٹ گیا۔ایک بہن کے سوا مہندر کمار کا اس دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔اب وہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئی وہ جتنا بھی روتا کم تھا۔بہت دیر مہندر کمار اشباح کے گلے لگا رہا۔پھر سردار جہم نے اشباح کو کندھوں سے تھاما اور واپس چلنے پر آمادہ کر لیا۔ہلابہ ان سب سے پیچھے آ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں نمی تھی اور چہرے پر عجیب تاثرات۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منظر محمد بن قاسم کے وسیع و عریض خیمے کا تھا۔تمام بڑے بڑے سردار اور سالار جمع تھے۔یہ ایک نہایت اہم مجلس تھی۔اس مجلس میں راجہ داہر کی فوج پر بھرپور حملے کا فیصلہ ہونا تھا۔اور جنگ کی حکمتِ عملی طے کی جانی تھی۔اس مجلس میں سب سے پہلے اشباح نے کھڑے ہو کر تاریک جنگل کے حالات سب کو بتائے اس کے بعد جہم بن زحر نے بتایا کہ اشباح کے آنے کے بعد وہاں کیا کیا انتظامات کیے گئے ہیں۔ہیں۔اس نے بتایا کہ تاریک جنگل کے راستے رعایا کے لئے کھول دئے گئے ہیں۔شعبدہ بازوں اور جادوگروں کو گرفتار کر کے قید خانوں میں ڈال دیا گیا ہے۔سردار ہاشم کو رعایا کا نظم و نسق دے کر چند اصحاب الرائے مسلمانوں پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنا دی گئی ہے۔پرماتما کے بارے میں اس نے بتایا کہ کوشش کے باوجود اس کا کوئی سراغ

نہیں ملا اور یہی قیاس زیادہ معتبر ہے کہ وہ تاریک جنگل سے بھاگ کر راجا داہر کے پاس پہنچ چکا ہے۔ محمد بن قاسم نے اسی وقت حکم دیا کہ داہر کی فوج میں جاسوس بھیج کر پرماتما کے بارے میں پتہ چلایا جائے۔ اس کام کے لئے چند ہوشیار نوجوان اسی وقت منتخب کر لئے گئے تھے۔ اب جنگ کی حکمت عملی پر غور ہوا۔ محمد بن قاسم نے ایک ماہر جرنیل کی طرح تمام تفصیلات تیار کر رکھی تھیں۔ اس نے ساتھی سالاروں سے مشورہ کیا اور وہ سب شب گئے تک تبادلہ خیال میں مصروف رہے۔ یہ مجلس برخاست ہوئی تو رات کا تیسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔۔۔۔۔ اس رات کی صبح ایک خونریز ہنگامے کو جنم دینے والی تھی۔ سب سالار اٹھ کر جانے لگے تو محمد بن قاسم نے اشباح کو روک لیا۔ خیمہ خالی ہو گیا تو محمد بن قاسم نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ خادم نے ایک ٹھنڈا مشروب ان دونوں کو پیش کیا۔ محمد بن قاسم نے کہا۔

"صبح آپ کو جنگ میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہندوؤں کا ایک جنونی گروہ آپ کو ہر صورت ختم کرنا چاہتا ہے۔ کل بھی جب آپ قبر پر گئے تھے کچھ مخداش اطلاعات ملی تھیں، اس لئے میں نے ایک دستہ آپ کی حفاظت پر مامور کر دیا تھا۔ آپ جتنی دیر وہاں رہے دستے کے سپاہی آپ کے ارد گرد موجود رہے۔

اشباح کو اس اطلاع پر حیرانی ہوئی اور کچھ خوشی بھی کہ امیر عساکر کے لئے اس کی جان اتنی اہم ہے۔ محمد بن قاسم نے مزید کہا۔

"اشباح میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے بچے کو کسی محفوظ مقام تک پہنچا دیں۔ بہتر ہے کہ اسے کسی آیا کے ساتھ سیستان روانہ کر دیں۔ اس جنونی ٹولے کا اصل نشانہ وہ بچہ ہی ہے۔ وہ بچہ ان کی جھوٹی آن اور ان کے خود ساختہ وقار کے لئے ایک تازیانہ ہے۔ وہ اسے اپنے منہ پر ایک طمانچہ تصور کرتے ہیں۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟"

اشباح نے اقرار میں سر ہلایا۔ محمد بن قاسم نے کہا۔

"کل جنگ میں آپ کو بہت ہوشیار رہنا چاہئیے۔ آپ کے دشمن آپ کو خاص طور پر نشانہ بنائیں گے۔ ابھی ہمارے سامنے بہت سے معرکے ہیں۔ اسلامی لشکر کو آپ جیسے مجاہدوں کی اشد ضرورت ہے۔"

اشباح نے مستحکم لہجے میں کہا "سالار محترم! میری جان آپ پر قربان، میں وعدہ کرتا ہوں کہ میری زندگی اور موت اسلام کی سربلندی کے لئے ہوگی۔"

کچھ مزید بات چیت کے بعد محمد بن قاسم نے اشباح کو جانے اور آرام کرنے کی اجازت دے دی۔ سپہ سالار کے حکم کے مطابق اشباح نے جاتے ہی اپنے بچے کو بلایا۔ وہ ایک آیا کی تحویل میں تھا۔ اشباح نے بچے کو سینے سے لگایا کچھ دیر چومتا رہا اور اس کے سرخ انار گالوں کو سہلاتا رہا۔

"اس کا نام کیا ہے؟" اس نے سیوک رام سے پوچھا۔

سیوک ارم نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ "سرکار! اس کا کوئی نام نہیں۔ آسیہ بٹی کا خیال تھا کہ اس کا نام آپ تجویز کریں گے۔"

اشباح کچھ دیر بچے کی معصوم آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اس کا نام مسلم ہے۔" اس نے سیوک رام سے مخاطب ہو کر کہا۔ "سیوک! مسلم کو اس کی آیا کے ساتھ سیستان لے جاؤ۔ یاد رکھنا بہت سے لوگ اس کی جان کے دشمن ہیں۔ اس کی حفاظت کرنا۔"

سیوک رام نے جھکتے ہوئے کہا۔ "مالک! طآسیہ بٹی اور اس کے بچے کے لئے سیوک رام کو ہزار بار بھی مرنا پڑے تو مر سکتا ہے۔"

اس نے مسلم کو اشباح کے ہاتھوں سے لے کر بار بار چوما اور لے کر باہر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محمد بن قاسم کے بھیجے ہوئے جاسوس اگلے روز صبح سویرے واپس آ گئے۔ انھوں نے بڑی جانفشانی سے اپنا فرض نبھانے کی کوشش کی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ دو روز پہلے کوئی اہم شخصیت راجہ داہر کے پڑاؤ میں پہنچی ہے۔ اسے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ راجا داہر کے محل میں لے جایا گیا تھا۔ راجہ داہر نے اس کا استقبال اپنی جگہ سے اٹھ کر کیا اور اسے اپنی مسند پر بٹھانے کے بعد خود کھڑا ہو گیا۔ بعد ازاں اس محترم شخصیت کو بڑی عزت کے ساتھ کسی نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا۔ لشکر کے حلقوں میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شخص کوئی مہا پنڈت قسم کی چیز تھی اور اسے راجا کی روحانی پیشوائی کا اعزاز حاصل ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شخص راجپوتانہ سے آیا ہے اور اس کا تعلق سرخ پوشوں کی ریاست سے ہے۔

محمد بن قاسم کے بھیجے ہوئے جاسوسوں کی باتیں اشباح وغیرہ کو سمجھانے کے لئے کافی تھیں کہ "تاریک جنگل کا فرمانروا" دشمن فوج میں پہنچ چکا ہے۔ محمد بن قاسم نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا جو نہی صبح کا اجالا پھیلا اسلامی لشکر حرکت میں آ گیا۔ سورج طلوع ہونے تک اسلامی فوج جتور کے قصبے میں پہنچ چکی تھی۔۔۔۔۔۔ دوسری طرف جب راجہ داہر کے وزیر سیاکر نے یہ بات سنی تو اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "جتور تو جائے فتح ہے۔ اگر حملہ آور جتور پہنچ گئے تو ہماری خیر نہیں۔"

راجہ داہر اس وقت راوڑ کے قلعے میں فروکش تھا۔ وہ اپنی شاہانہ مسند پر بیٹھا مختلف احکامات جاری کر رہا تھا۔ دونوں طرف مور چھل ہل رہے تھے۔ بیش قیمت لباس پہنے غلام اور کنیزیں عقب میں صف بستہ تھیں۔ یہ قلعے کی دوسری منزل تھی۔ ایک جھوکے سے دور تک کے مناظر دکھائی دیتے تھے۔ راجہ داہر کی نظر ایک گھڑ سوار پر پڑی وہ سرپٹ بھاگا چلا آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد قلعے میں پہنچ کر داہر کے سامنے حاضر ہو گیا۔۔۔۔۔۔ اس نے بتایا کے حملہ آور فوج نے اپنی جگہ سے حرکت کر کے جتور تک پیش قدمی کر لی ہے اور وزیر سیاکر نے کہا ہے کہ جتور جائے فتح ہے اور اب دشمن کی فتح یقینی ہو گئی ہے۔ راجہ داہر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے دو ہی گھونٹوں میں جام خالی کیا اور تلوار کھینچ کر بولا۔

"وہ جتور نہیں، ہب بری کے مقام پر اترے ہیں اور یہ وہ جگہ ہے جہاں ان سب کی ہڈیاں زمین کو بوسہ دیں گی۔" (جتور کو ہب بری بھی کہا جاتا ہے اور ہب بری کا لفظی مطلب قبرستان کے معنوں کے قریب تر ہے) اس کے بعد راجہ داہر نے راوڑ کے قلعے میں اپنے مال اسباب اور خزانے پر نگران مقرر کئے اور ننگی تلوار لہراتا ہوا قلعے سے نکل آیا۔ اس کے اہم سالاروں کے علاوہ اس کی درجنوں بیویاں، کنیزیں اور خادمائیں بھی اس کے

ساتھ تھیں۔ فوج کو تیاری کا حکم پہلے ہی دیا جا چکا تھا اب کوچ کا حکم ہوا اور داہر اپنے لاتعداد گھوڑوں، ہاتھیوں اور لشکریوں کے ساتھ پیش قدمی کر کے اسلامی لشکر سے تین میل کی دوری پر آگیا۔ راجہ داہر ایک بہت بڑے ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھی کا ہودا سونے کے پتھروں سے مزین تھا اور مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا۔

اس مقام پر پہنچ کر راجہ داہر نے شاپہ منجم کو طلب کیا اور اس سے کہا "میں آج مسلمانوں سے لڑائی کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ تم ستاروں کی چال ملاحظہ کرو اور اپنی کتابیں دیکھ کر بتاؤ کہ فتح کے امکانات کیا ہیں۔" منجم نے راجہ کے احکامات پر عمل کیا۔ کچھ دیر بعد وہ چہرے پر تشویش لئے لوٹ آیا۔ اس نے کہا۔

"بادشاہ سلامت! علم ہندسہ کے حساب سے اسلام کی فوج کے لئے فتح ہے، کیونکہ سیاہ مریخ ان کی پشت پر ہے اور ہمارے سامنے ہے۔"

راجہ داہر یہ سن کر سخت مایوس ہوا۔ منجم نے اسے بے حوصلہ دیکھا تو بولا "بادشاہ کو نراش ہونے کی ضرورت نہیں میری رائے ہے کہ فوری طور پر سونے سے مریخ کی شکل ڈھلوائی جائے اور اسے لشکر کے پیچھے رکھا جائے۔"

اپنے وزیر سیاکر اور دوسرے عمائدین کے مشورے کے بعد راجہ داہر نے اس تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مریخ کی طلائی شکل بنوائی گئی اور اسے داہر کے ہاتھی کے عقب میں ایک چوبی ڈنڈے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ یوں مریخ داہر کی پشت پر آگیا اور وہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ جلد ہی دونوں لشکروں کے

درمیان چند فرلانگ کا فاصلہ رہ گیا اور انھوں نے ہتھیار تول لئے۔۔۔۔اس دن اسلامی اور سندھی فوج کے ہراول دستوں میں چند جھڑپیں ہوئیں اور شام کو دونوں فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ میں چلی گئیں۔

اگلے دن کا سورج طلوع ہوا تو دونوں طرف سے جنگجو اور شہ زور پنجہ آزمائی کے لئے بے قرار تھے۔ علم لہرا رہے تھے، ہتھیار چمک رہے تھے اور ایک ہلاکت خیز سنسنی فضاؤں میں پھیلی ہوئی تھی۔ راجہ داہر نے اپنے ایک جنگجو ٹھاکر کو حکم دیا کہ وہ اپنے دستوں کے ساتھ اسلامی فوج کے دائیں بازو پر حملہ آور ہو۔ "کور" نومی ہی ٹھاکر آگے بڑھا۔ اسلامی فوج کے شہسوار بھی قطار اندر قطار ہاتھوں میں ڈھالیں سجائے مقابلے کے لئے نکل آئے۔ نعروں کی گونج میں جنگجو ایک دوسرے سے ٹکرائے۔۔۔۔۔۔یہ لڑائی سارا دن وقفے وقفے سے جاری رہی۔ لڑنے والے چند گروہوں پر مشتمل تھے مگر کبھی کبھی ان کی تعداد سینکڑوں تک بھی پہنچ جاتی تھی۔ شام کے وقت دست بدست لڑائی کی نوبت آگئی۔ خنجر اور پیش قبض چلنے لگے۔ تاہم اندھیرا پھیلتے ہی میدان جنگ میں سکون ہو گیا اور فوجیں اپنے اپنے خیموں میں واپس آگئیں۔

تیسرے روز لڑائی شروع ہوئی تو آغاز ہی میں داہر کی فوج کا ایک اہم سالار کام آگیا۔ یہ جے پور کا ٹھاکر تھا اور اس کی بہادری دور و نزدیک مشہور تھی۔ اس کے قتل ہونے سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور دوپہر تک میدان کے مختلف حصوں میں داہر کے سپاہی گاجر مولی کی طرح کٹتے رہے، تیسرے روز کی لڑائی میں اشباح اور جہم بن زحر نے بھی کھل کر اپنی تلواروں کے جوہر دکھائے۔ وہ اپنے تند دستوں کے ساتھ دشمن کی صفوں میں آگے تک گھس گئے۔ ان کی نگاہیں داہر کی تلاش میں تھیں مگر داہر اپنے آہن پوش رکھوالوں میں گھرا ہوا ان کی پہنچ سے بہت دور تھا۔ دوپہر کو راجہ داہر کا دانا وزیر سیاکر اس کے خیمے میں پہنچا۔ راجہ داہر اس

وقت بھوجن کرکے فارغ ہوا ہی تھا۔ خادمائیں اس کے دستر خوان سے خالی برتن اٹھا رہی تھیں۔ ان میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین اور ان کے جسمانی خطوط دیکھنے والے کو عیش پرستی پر ابھارتے تھے۔ ان کی موجودگی پر سیاکر نے ناک بھوں چڑھائی مگر دل کی بات زبان پر لانے کی حماقت نہیں کی۔ اس نے کورنشات بجالانے کے بعد کہا۔

"اے مہاراج! چھوٹے منہ سے بڑی بات کرنے جارہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہماری جنگ کا یہ طریقہ غلط ہے اور ہمیں آج کے جانی نقصان سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ درست ہے کہ وہی کچھ ہونا ہے جو بھگوان چاہے گا۔ مگر بطور سپہ سالار ان ہمیں اپنی سی ہر کوشش کرنی چاہیے۔ ہمیں اب تسلیم کرلینا چاہیے کہ مسلمانوں کو دریائے مہران پار کرنے کا موقع دے کر ہم نے غلطی کی ہے۔ بہر حال اب جب کہ آمنا سامنا ہو ہی چکا ہے اور مسلمان اپنے قدم جما چکے ہیں تو ہمیں محدود پیمانے کی جنگ کرکے اپنے بہادروں کو موت کے منہ میں نہیں دھکیلنا چاہیے۔ آپ بھی دیکھ چکے ہیں کہ جو ٹھاکر ان کے مقابلے میں مارا جاتا ہے۔ ہمارے حوصلے پست ہورہے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ وردوھیوں پر بھرپور حملے کا حکم دیں۔ پوری فوج سے پوری شکتی کے ساتھ ہلہ بولا جائے۔ یا ہم فتح یاب ہوں، یا وہ۔"

راجہ داہر نے کہا۔ "سیاکر! میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ آج شام تک میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گا۔"

قریباً یہی وہ وقت تھا جب محمد بن قاسم راجہ داہر سے بھرپور جنگ کا فیصلہ کرچکا تھا۔ اس نے اپنے منجنیق زنوں کو بلایا اور کہا کہ کل داہر کی فوج پر شدید حملہ ہوگا۔ لہذا وہ اپنے ہتھیاروں اور دوسرا ساز و سامان تیار رکھیں۔ ان منجنیق زنوں کی تعداد نو سو کے لگ بھگ تھی۔ محمد بن قاسم نے انہیں تین تین سو کی جماعتوں میں تقسیم کردیا اور داروغہ اسلحہ جات کو حکم دیا کہ انہیں وافر مقدار میں پتھر اور آتش گیر مادہ فراہم کیا جائے۔

اگلے دن کا سورج اپنے دامن میں ان گنت حشر سامانیاں سمیٹے طلوع ہوا۔ یہ اس داستان کا نقطہ عروج تھا جو چند ماہ پہلے اس وقت شروع ہوئی تھی جب دیبل کی بندرگاہ پر ایک مسلمان دوشیزہ نے "یا حجاج اغثنی" پکارا تھا اور دیکھا جاتا تو یہ داستان اس سے بھی پہلے شروع ہوچکی تھی۔ شاید اس وقت جب پہلے مسلمان نے سرزمین ہند پر قدم رکھا تھا۔

یہ 93 ہجری جمعرات کا دن اور رمضان المبارک کی دس تاریخ ہے۔ انگریزی حساب سے 711 عیسوی اور جون کی 12 تاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔ میدان جنگ کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ دور دور تک انسانی سر نظر آرہے ہیں۔ ان کے مشرق میں دریائے مہران کا چمکتا پانی ہے اور اوپر سورج کا آتشیں گولا دھیرے دھیرے طلوع ہورہا ہے۔ اسلامی لشکر کے ہراول دستے گھڑ سواروں پر مشتمل ہیں۔ یہ گھڑ سوار زرہ بند ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں، ڈھالیں نیزے اور بھالے ہیں۔ ان کے درمیان کہیں کہیں اسلامی پرچم بھی لہرا رہے ہیں۔ وہ اپنے مشکی اور سفید عربی گھوڑوں پر چوکس بیٹھے اپنے سپہ سالار کے حکم کے منتظر ہیں۔ ان کے چہروں سے عیاں ہے کہ ایک اشارے پر وہ اپنی جانوں کی بازی لگادیں گے۔ میمنہ کی فوج پر خنعلہ کلابی مامور ہیں۔ میسرہ کا علم مشہور ترین سپہ سالار محمد بن قاسم عزم و حوصلے کی چٹان بنا کھڑا ہے۔ گھڑ سواروں کے عقب میں

پیادہ دستے ہیں۔ہر سینہ چٹان اور ہر بازو فولاد ہے۔ قطار اندر قطار قبیلہ در قبیلہ صفیں باندھے وہ غنیم پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لئے تیار ہیں۔ محمد بن قاسم اپنے گھوڑے کا رخ موڑتا ہے اور اپنے جانبازوں کے سامنے آتا ہے۔اس کی دلنشین آواز لشکریوں کے سینوں میں طوفان اٹھاتی چلی جاتی ہے۔

"میرے بہادرو! یہ کافروں کے گروہ ہمارے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو کر آئے ہیں، لیکن ان کی اور ہماری لڑائی میں بہت فرق ہے۔ یہ اپنی دولت، جائیداد اور کنبوں کی خاطر لڑیں گے۔ جبکہ ہماری تلواریں رضائے الٰہی کے لئے میانوں سے نکلی ہیں۔ان کا مطمع نظر دنیا ہے۔ ہمارا مقصد آخرت ہے۔اپنے ہتھیار مضبوطی سے تھامو اور قرآنی آیات پڑھتے ہوئے دشمن پر یلغار کرو۔انشاءاللہ فتح ہماری ہو گی۔ یہ فیصلے کا دن ہے اور ہمیں اس دن کو یادگار بنا دینا ہے۔"

اس کے بعد محمد بن قاسم اپنے سپاہیوں کو نظم و نسق کے بارے میں ضروری ہدایات دیتا ہے۔انہیں کہتا ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہوں پر استقامت سے جمے رہیں۔ صفوں کو برقرار رکھیں اور ایک دوسرے کی مدد کے لئے دائیں بائیں نہ ہٹیں پھر وہ سقوں کو حکم دیتا ہے کہ مشکیں بھر لیں اور صفوں کے اندر لوگوں کو پانی دیں تاکہ وہ پانی کی تلاش میں باہر نہ نکلیں۔اس کے بعد وہ رخ پھر کر اپنا چہرہ دشمن کی طرف کرتا ہے اور تلوار سر سے بلند کر کے حملے کا حکم دیتا ہے۔۔۔۔۔۔یہ روز قیامت ہے، یہ محشر کی گھڑی ہے۔زمین دہل رہی ہے اور مجاہدان اسلام کے گھوڑوں کی اڑائی ہوئی گرد زمین و آسمان کے قلابے میں بھر رہی ہے۔دونوں فوجیں مقابل پہنچتی ہیں۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑیں، گھوڑوں کی ہنہناہٹیں۔لوہے کی جھنکار، زخمیوں کی پکار سب کچھ گڈمڈ ہو جاتا ہے۔اس شور قیامت سے ایک نعرہ مستانہ بلند ہوتا ہے۔"اللہ اکبر" یہ شیر بصرہ محمد بن قاسم کی آواز ہے وہ پرچم اڑاتا

غنیم کی صفوں میں گھستا چلا جاتا ہے۔اس کے دائیں اور بائیں شاہینوں کے پرے ہیں۔ان کی تلواریں چمک رہی ہیں اور اعلان کر رہی ہیں۔"آج کون ہمارے سامنے آئے گا۔آج کس کو اپنے شانوں پر سر کی ضرورت نہیں۔آج کس کو اپنی جوانمردی کا غرور ہے؟ جو ہے، وہ آئے اور ہمارے مقابل ہو۔ہم عرب کے بیٹے 'ہم صحرا کے باسی' ہم حق کے علم بردار ہم شہادت کے متلاشی، آؤ ہمارا سامنا کرو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب بھرپور حملے کا آغاز ہوا، ہلابہ لشکر کی عقبی صفوں میں تھی۔آج وہ مردانہ لباس میں تھی۔اس نے آہنی خود کے علاوہ زرہ بھی پہن رکھی تھی۔وہ کچھ دیر ان سے دور افتادہ نعروں کو سنتی رہی جو لشکر کے ہراول کی طرف سے ابھر رہے تھے۔آثار سے پتہ چلتا تھا کہ گھمسان کا رن پڑ چکا ہے۔ہلابہ کی مٹھی میں شیشے کی ایک چھوٹی سی بوتل ہلابہ نے تاریک جنگل میں پرماتما کے محل میں حاصل کی تھی۔اس نے عجیب نظروں سے بوتل کو دیکھا اور اپنے لباس میں چھپا لیا۔اس کے بعد اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی۔ سپہ سالار کا حکم تھا کہ کوئی شخص اپنی صف نہیں چھوڑے گا' مگر ہلابہ اس حکم نہ ماننے پر مجبور تھی۔وہ اس حکم پر عمل کر کے سرگرم جنگ میں شرکت سے محروم رہنا نہیں چاہتی تھی۔آج اس کے اندر سوئے ہوئے جذبے کسی اور ہی ادا سے جاگے تھے۔آج وہ اپنی ہر حسرت پوری کر لینا چاہتی تھی۔وہ آج کا دن اس طرح گزارنا چاہتی تھی کہ پھر زندگی کی خواہش ہی باقی نہ رہے۔ہاں۔۔۔۔آج اسے کوئی حکم نہیں ماننا تھا۔وہ باربرداری کے اونٹوں کے درمیاں سے راستہ بناتی ہراول صفوں کی طرف بڑھتی رہی۔جوں جوں وہ آگے پہنچی اس پر جنگ کی شدت آشکار ہوتی گئی۔۔۔۔پھر میدان کارزار اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔اس نے

لوہے کی لپک میں انسانی گوشت کی دھجیاں اڑتے دیکھیں۔لاشوں کے فرش پر معرکہ حق و باطل عروج پر تھا۔اس کی نگاہیں اشباح کو تلاش کر رہی تھیں وہ جانتی تھی کہ اشباح کی زندگی آج شدید خطرے میں ہے۔کچھ جاسوسوں کی زبانی اسے پتہ چلا تھا کہ دیبل

کہ کچھ ہندو غنڈوں نے اپنے خون سے اپنے چہروں کو رنگا ہوا ہے اور قسم کھا رکھی ہے کہ وہ آشا کہ بچے اور اس کے مسلماں شوہر کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔یہ لوگ اس میدان جنگ میں موجود تھے اور ان کی تلواریں کسی بھی وقت اشباح تک پہنچ سکتی تھیں۔ہلابہ میدان جنگ میں دیوانہ وار اشباح کو ڈھونڈتی رہی،آخر کچھ عرصے بعد اس نے سیاہ اور سفید رنگ میں اشباح کا پرچم پہچان لیا۔قبیلہ بنو عمار کا یہ پرچم وقت اشباح کے پاس تھا۔وہ گھوڑا دوڑاتی گاہے گاہے اپنی تلواریں چلاتی اور گاہے گاہے دشمن سواروں سے کنی کتراتی اشباح کے قریب تر پہنچ گئی۔اس نے بیس تیس گز کی دوری سے اشباح کو دیکھا تھا۔وہ غالباً تھوڑی ہی دیر پہلے دشمن پر کوئی زوردور ہلہ بولنے کے بعد واپس آیا تھا۔اس کی گردن پسینے میں بھیگی ہوئی تھی اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔خون آلود شمشیر ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔وہ تیز تیز لمحے میں اپنے ساتھیوں کو لے کر ہنگامہ کارزار کی طرف برھا۔ہلابہ نے بھی بے خودی کے عالم میں اس کا ساتھ دیا۔جلد ہی اس نے خود کو گھمسان کا رن میں پایا۔وہ بھی پوری جرات سے تلوار چلانے لگی۔ایک عجیب طرح کی وارفتگی اس پر طاری تھی اور موت اسے ایک بے معنی چیز محسوس ہونے لگی۔اس کی صرف ایک ہی خواہش تھی۔وہ اشباح کے لئے اپنی جان قربان کر دے۔اس اشباح کے لیے جو اسلام کا سپاہی تھا۔جس کی زندگی ان گنت بت پرستوں کی موت تھی اور جس کی شمشیر لشکر اسلام کا سرمایا تھی۔۔۔وہ لڑ رہی تھی اور اس کی نگاہیں اشباح پر جمی تھیں۔وہ اس کا سایہ بنی

ہوئی تھی۔اس کے دل کی گہرائیوں سے دعا نکل رہی تھی،کاش اشباح کی طرف جانے والا کوئی تیر اس کے سینے میں پیوست ہو جائے۔کاش اس پر اٹھنے والی کوئی تلوار وہ اپنے جسم پر روک سکے۔۔۔ابھرتے سورج کے ساتھ ساتھ لڑائی کے ہنگامے شدت اختیار کرتے گئے۔

دوپہر سے ذرا قبل اسلامی فوج کے مقدمتہ الجیش سے چند سو مجاہدوں نے ایک زوردار ہلہ بولا اور دشمن کو مارتے کاٹتے اس ہاتھی کے قریب پہنچ گئے جس پر داہر سوار تھا۔یہ ہاتھی چاروں جانب سے دشمن کے منتخب بہادروں میں گھرا ہوا تھا۔ہلابہ نے اشباح کو دیکھا۔اس کی تلوار بجلی کی طرح کوند رہی تھی۔اس کے پہلو میں شجاع حبشی تھا۔شجاع حبشی،سیاہ گھوڑے پر سوار تھا۔اس نے دور سے داہر کو للکارا اور جان ہتھیلی پر رکھ کر اس کی طرف بڑھا۔اس دوران داہر کے محافظوں نے اسے بتایا کہ وہ کالا شخص آپ سے لڑائی کے لئے آرہا ہے۔راجہ داہر کے حکم پر ہاتھی کے مہاوت نے اسے شجاع حبشی کی طرف موڑا۔شجاع حبشی نے اپنے گھوڑوں کی آنکھوں کو کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا تا کہ وہ ہاتھی سے خوفزدہ نہ ہو۔اس نے بڑی دلیری سے آگے بڑھ کر ہاتھی کی سونڈ پر حملہ کیا۔داہر نے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر جو قینچی کی شکل میں تھا اپنی کمان پر چڑھایا اور پوری طاقت و ہنر مندی کے ساتھ شجاع پر چلایا۔نشانہ درست لگا اور شجاع کا سر اس کی گردن سے جدا ہو گیا۔داہر نے جوش میں چلا کر کہا۔"میں نے مار ڈالا،میں نے قتل کر دیا۔"اس کے محافظوں نے راجہ داہر کی جے اور بجر نگ بلی کے نعرے لگائے۔مسلمانوں پر ایک زوردار حملہ ہوا اور وہ دباؤ میں آکر پیچھے گھٹنے لگے۔داہر کے لشکر نے اس کھلبلی سے پورا فائدہ اٹھایا اور کئی اطراف سے بھرپور حملہ کر دیا۔اسلامی صفیں اکھڑ گئیں اور ہر طرف ابتری نظر آنے لگی۔چند لمحے کے لئے یوں محسوس ہوا جیسے مسلمانوں کو شکست ہو رہی

ہے۔یہ بڑی نازک گھڑیاں تھیں ہلابہ کی نظریں محمد بن قاسم پر پڑیں۔ محمد بن قاسم کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور چمکدار رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔اس نے بھاگتے ہوئے سقے کو روک کر اس سے چند گھونٹ پانی پیا اور تلوار لہرا لہرا کر اپنے جانثاروں کو پکارنے لگا۔

"میں تمہارا سپہ سالار محمد بن قاسم یہاں موجود ہوں۔تم پیچھے کیوں ہٹ رہے ہو۔ڈھالیں اٹھالو اور حملہ کرو تاکہ کافر میں مارے جائیں اور فتح ہماری ہو۔۔۔"

محمد بن قاسم کی جادو اثر آواز نے قرب وجوار کے جانبازوں کو جیسے زمین میں گاڑ دیا۔وہ آگے بڑھتے ہوئے کفار کے سامنے لوہے اور پتھر کی طرح جم گئے اس وقت ہلابہ کو اشباح کو نعرے کی گونج سنائی دی۔پھر دیکھتے ہی دیکھتے میدان جنگ کا یہ حصہ خونریز لڑائی کی زد میں آگیا۔ جنگجو اتنی شدت سے لڑے کہ تلواریں ٹوٹ گئیں اور ہاتھوں کے چمڑے پھٹ گئے۔۔۔۔ تھوڑی ہی دیر مسلمان ایک بار پھر صورت حال کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گئے۔

شدید لڑائی کے دوران کچھ دیر کے لئے اشباح ہلابہ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔اس نے جب اسے دوبارہ دیکھا تو وہ لشکر میسرہ کے قریب لڑ رہا تھا۔اس کے چہرے پر خون کے چھینٹے تھے اور آہنی خود ایک جانب سے پچکی ہوئی تھی ہلابہ نے محسوس کیا کہ اشباح بتدریج بائیں جانب ہٹتا جا رہا ہے۔ معلوم نہیں وہ ایسا کیوں کر رہا تھا۔یہ تو ہلابہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ وہ لڑائی سے بچنا چاہتا ہے۔پھر کیا بات تھی؟ کیا وہ زخمی ہو گیا تھا۔ہلابہ بھی اس کے ساتھ ساتھ پیچھے ہٹنے لگی۔اشباح گھوڑا بھگاتا ہوا دریا کی طرف نکل گیا۔ایکا ایکی ہلابہ کی نظر دو

سواروں پر پڑی۔وہ بھی تیزی سے گھوڑا بھگاتے ہوئے اشباح کے پیچھے گئے۔اشباح اب اونچے اونچے ٹیلوں کے پیچھے اوجھل ہو چکا تھا۔ہلابہ نی دو گھڑ سواروں کا تعاقب کیا۔ایک مسلمان پیادے کو تہہ تیغ کرنے کے بعد وہ بھی ٹیلوں کے پیچھے اوجھل ہو گئے۔ہلابہ جب ٹیلوں میں پہنچی،اس نے ایک سنسنی خیز منظر دیکھا۔ہلابہ کے پہنچتے پہنچتے اشباح نے اسے بھی بے بس کر دیا۔ہلابہ قریب پہنچی تو اشباح نے اسے پہچان لیا۔در حقیقت وہ لڑائی کے دوران ہی اسے پہچان چکا تھا اور نگاہوں نگاہوں میں کئی بار اسے گھمسان کا رن سے نکلنے کے لئے کہہ چکا تھا۔"ہلابہ! کوئی رسی ہے؟"اشباح نے تیزی سے پوچھا۔

ہلابہ نے اپنی تلوار سے دشمن کے ایک گھوڑے کی لگام کاٹی اور اشباح کو تھما دی۔اشباح نے بڑی تیزی کے ساتھ اس شخص کی مشکیں کسیں اور اپنے سامنے گھوڑے پر اوندھا لٹا دیا۔۔۔پھر وہ دونوں گھوڑے بھگاتے ہوئے ٹیلوں میں آگے بڑھنے لگے۔

دریائے مہران کے کنارے کھجوروں کے ایک جھنڈ میں اشباح نے گھوڑا روکا۔قیدی کو دھکیل کر نیچے ریت پر پھینکا اور خون آشام تلوار اس کی شہ رگ پر رکھ دی۔ہلابہ نے پہلی بات مرتبہ غور سے دیکھا یہ ایک چالیس پینتالیس سالہ سیاہ زرو کھشتری تھا۔ان جاتی کی خوش حالی اس کی گردن پر چربی بن کر چڑھی ہوئی تھی۔اس نے اپنے چہرے پر لہو مل کر رکھا تھا۔ہلابہ سمجھ گئی کہ یہ اشباح کے خاص دشمنوں میں سے ہے۔غالباً اشباح نے اسے اپنے پیچھے لگانے کے لئے میدان جنگ سے پسپائی اختیار کی تھی۔اشباح کی تلوار کی نوک اس کی گردن میں دھنسنے لگی تو چہرے پر موت کے خوف نے ڈیرہ ڈال لیا۔اشباح نے سنگین لہجے میں کہا۔

"وہ رذیل انسان کہاں ہے جو خود کو پرماتما کہتا ہے؟"

کھشتری نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "کون پرماتما؟ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"انجان مت بنو۔۔۔" اشباح غرایا۔ "تمہارا لباس بتاتا ہے کہ تم داہر کی فوج میں آہن سردار ہو، تم جانتے ہو کہ وہ شیطان کہاں ہے؟"

اشباح کی غراہٹ میں کچھ ایسی بات تھی کہ دشمن تو دشمن ہلابہ بھی لرز کر رہ گئی۔ کھشتری خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"کہیں تمہارا مطلب اس نقاب پوش سوامی۔۔۔"

"ہاں، ہاں وہی۔" اشباح نے غرا کر کہا۔

"مجھے ٹھیک سے پتہ نہیں اور اگر۔۔۔۔ اگر ہوتا بھی تو میں ہرگز نہ بتاتا۔"

"بہتر ہے۔۔۔ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" اشباح نے تلوار اوپر اٹھائی۔

اس شخص نے آنکھیں بند کر کے بجرنگ بلی کا نعرہ لگایا۔ اشباح نے تلوار پورے زور سے اس کے کے سینے میں گھونپ دی۔

چند ہی لمحے میں وہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اشباح نے اس کے ہاتھ پاؤں کھولے اس کے مکردہ جسم کو اٹھایا اور درختوں میں لے گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کھشتری کا خون آلود لباس پہنے واپس آ گیا۔ سر پر آہنی خود سجا کر اور

چہرے پر خون ملنے کے بعد اسے بطور مسلمان سپاہی پہچاننا بہت مشکل ہو گیا۔ وہ تھوڑی دیر سر جھکائے سوچتا رہا پھر ہلابہ سے بولا۔

"ہلابہ! میں قلعے کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ میرا ساتھ دو گی؟"

ہلابہ کی آنکھیں اور اس کا پورا جسم جواب بن گیا اور جواب تھا "ہاں۔" "آج تو وہ اشباح کے ساتھ ننگے پاؤں تلوار کی دھار کے پر بھی چل سکتی تھی۔ اشباح نے اسے ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار آندھی کی طرح راوڑ کے قلعے کی جانب بڑھا۔ کئی کوس کا چکر کاٹ کر وہ اس مظبوط ترین قلعے کے سامنے پہنچ گئے۔ "ہلابہ میری مدد کرو گی؟" اشباح نے پوچھا۔

"آپ کو یہ پوچھنے کی ضرورت ہے؟" ہلابہ نے جوابی سوال کیا۔

اشباح نے کہا۔ "میں ڈرتا ہوں۔ تمہیں برا نہ لگ جائے۔"

"آپ کی کوئی بات مجھے بری نہیں لگ سکتی۔" ہلابہ نے عجیب سے لہجے میں کچھ سمجھانے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ ہلابہ کو لے کر اس طرح قلعے کی طرف یوں بڑھ رہا تھا کہ وپ گھوڑے پر اس کے آگے بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ اشباح نے ایک بازو سے اس کی گردن جکڑ رکھی تھی۔ اور دوسرے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ قلعے کے عظیم الشان دروازے پر پہنچ کر وہ جست لگا کر گھوڑے سے اترا ایک بے رحمانہ جھٹکے سے ہلابہ کو کندھے پر لادا اور قریباً بھاگتا ہوا پہریداروں کی طرف آیا تھا۔ یہ دو پہریدار تھے۔ اشباح کی توقع کے برخلاف انہوں نے بغیر کچھ پوچھ گچھ کے چھوٹا دروازہ کھولا اور

اسے اندر آنے دیا مگر چند قدم چلنے کے بعد اسے ایک دروازے کے سامنے روک لیا گیا۔ مسلح پہریدار نے اس کی شناخت پوچھی۔ ہلابہ جو مسلسل جدوجہد کر رہی تھی۔ زور زور سے چیخنے لگی۔ اس کی چیخوں کے درمیاں ہی اشباح نے پہریداروں کو مبہم سا جواب دیا اور جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔ اب وہ محفوظ ترین قلعے کی اصل عمارت میں داخل ہو چکا تھا۔ ہر چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ میدان جنگ میں رسد پہنچانے کے لئے درجنوں چھکڑوں پر پانی کے بھرے مشکیزے اور خوراک سے بھرے برتن لادے جا رہے تھے۔ چند چھکڑے نیزوں اور تیروں تلواروں سے بھرے ہوئے تھے۔ کچھ چھکڑے مخالف سمت میں کھڑے تھے۔ ان میں میدان جنگ سے زخمیوں اور لاشوں کو لایا گیا تھا۔ اس قطار میں بہت سی گھوڑا گاڑیاں بھی شامل تھیں۔ گھوڑا گاڑیوں کے فرش خون سے تربتر تھے۔ ایک گھوڑا گاڑی میں شراب کے بہت سے خالی برتن اوندھے پڑے تھے۔ ظاہر ہے یہ برتن میدان جنگ سے آئے تھے۔ اشباح ان گھوڑا گاڑیوں کے پاس سے گزرتا ہوا سیڑھیوں تک پہنچا اور ہلابہ کو دوسری پر منزل پر لے آیا۔ وہ اس کے کندھے پر بدستور جدوجہد کر رہی تھی۔ یہاں پہنچ کر اشباح نے اسے کندھے سے اتار دیا۔ یہ ایک طویل غلام گردش تھی۔ جس پر جگہ جگہ جھروکے بنے ہوئے تھے۔ اشباح نے ارد گرد دیکھا کوئی موجود نہیں تھا۔ درحقیقت اس راہداری میں دور تک سندھی سالاروں کے رہائشی حجرے تھے۔ سالار چونکہ میدان جنگ میں تھے۔ لہذا راہداری سنسان پڑی تھی۔ اشباح نے جلدی جلدی ہلابہ کی بندش کھولیں اور ایک پیش قبض اس کے حوالے کر دی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" ہلابہ نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے جنوبی حصے کی طرف جانا چاہئے۔"

اچانک وہ دونوں بری طرح چونک گئے۔ ان کے بالکل پاس ایک اندھیرے کونے سے کسی کے قدموں کی چاپ ابھری۔ انہوں نے ایک ساتھ مڑ کر دیکھا۔ ایک شاہی خادمہ ان کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر ریشمی نقاب تھا اور آنکھیں حیرت سے ابلی پڑ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی سریلی آواز میں چلاتی۔ اشباح نے بے پناہ پھرتی سے لپک کر اسے دبوچ لیا۔ نوجوان خادمہ کی چیخ اشباح کی ہتھیلی میں دب کر رہ گئی۔ اشباح اسے گھسیٹتا ہوا ایک تاریک حجرے میں لے آیا۔ ہلابہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ خادمہ بری طرح مچل رہی تھی۔ اس کے لمبے ریشمی بال کھل کر فرش تک پھیل گئے تھے۔ اشباح نے اسے زمین پر گرا کر تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔

"خبردار آواز نکالی تو۔" اس نے خونی لہجے میں کہا۔ جونہی اشباح نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا۔ وہ ہکلائی۔

"کن۔۔۔ کون ہو تم؟"

اس کے سوالات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اندھیرے میں کھڑی اشباح اور ہلابہ کی تمام حرکات دیکھ چکی تھی اور اسے سو فیصد یقین ہو گیا تھا کہ اشباح دوست کے روپ میں دشمن ہے۔ اشباح نے سرد لہجے میں کہا۔

"دیکھ لڑکی، تیری زندگی اور موت میں صرف میرے ہاتھ کی جنبش کا فرق ہے۔

اگر زندگی سے کوئی لگاؤ ہے تو تو میرے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے۔"

اشباح کو محسوس ہوا اچانک خادمہ کے تاثرات بدل گئے ہیں۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں تحیر تھا۔ "کہیں تم سردار اشباح کے ساتھ تو نہیں۔" اس نے انگلی اٹھا کر سوال کیا۔

"تم سردار اشباح کو کیسے جانتی ہو۔" اشباح نے پوچھا۔

"میں بھی اسلامی فوج کے ساتھ چند روز پہلے "تاریک جنگل" سے آئی ہوں۔"

اشباح محسوس کر رہا تھا کہ خادمہ کا ریشمی نقاب جس نے اس کا نصف چہرہ چھپا رکھا ہے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ نقاب کے نیچے ناک کا جو ابھار سا نظر آتا ہے وہ بہت تھوڑا تھا۔ اس نے نقاب کھینچا اور دنگ رہ گیا۔ وہ خوبصورت چہرہ ناک سے محروم تھا یوں لگتا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے ناک کو تیز دھار والے آلے کاٹ دیا گیا ہے۔ اشباح اور ہلابہ کو تاسف سے کا احساس ہوا۔ خادمہ نے کہا۔

"میرا نام پونم ہے، لیکن اب میں مسلمان ہوں۔ پرماتما نے فوج داروں نے میرا سب کچھ لوٹ لیا ہے۔ گھر بار، والدین، بہن بھائی۔ اس لوٹ مار میں صرف آبرو بچا سکی ہوں وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔۔۔۔"

خادمہ کے لہجے میں اشباح کو سچائی کی جھلک صاف محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "لگتا ہے کہ تم دردناک حالات سے گزری ہو۔۔۔۔۔ شاید تم سردار اشباح کو شکل سے نہیں جانتی ہو۔۔۔ میں اشباح ہوں۔۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم یہاں کیسے پہنچیں؟"

خادمہ کچھ دیر بغور اشباح کا خون میں لتھڑا ہوا چہرہ دیکھتی رہی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اشباح اور ہلابہ۔۔۔۔۔۔ اسے بمشکل یقین دلانے میں کامیاب ہو سکے۔

پونم نے روتے ہوئے اپنے بارے میں سب کچھ بتایا اس سے پتہ چلا کہ تاریک جنگل میں پرماتما کی شکست کے بعد وہ سینکڑوں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آزاد ہو گئی تھی۔ اس کے سینے میں پرماتما اور اس کے سفاک

حواریوں کے لئے انتقام ہی انتقام تھا۔ چند روز پہلے وہ خادماؤں کے ایک گروہ میں چھپ کر قلعے کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

اشباح اور ہلابہ اس کی زبانی یہ سن کر مسرت انگیز حیرت میں ڈوب گئے کہ پرماتما اسی قلعے میں موجود ہے اور وہ کے خفیہ ٹھکانے کا سراغ بھی لگا چکی ہے۔ ہلابہ نے اب حجرے کا آہنی دروازہ بند کر کے شمعدان روشن کر دیا تھا اور وہ تینوں آرام سے گفتگو کر سکتے تھے۔۔۔ پونم نے بتایا کہ راجہ داہر کے حکم پر پرماتما کی سخت حفاظت کی جا رہی ہے۔ وہ قلعے کی تیسری منزل پر بارھویں برجی کے سامنے ایک محفوظ عمارت میں قیام پذیر ہے۔ پونم نے بتایا اس عمارت تک جانے کے لئے دو طویل زینے ہیں۔ ان زینوں میں کم از کم دس مقامات ایسے ہیں جہاں سخت پہرہ ہے، لیکن وہ کئی دن کی کوشش کے بعد ایک ایسا زینہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئی جو آج سے پندرہ بیس سال قبل استعمال کیا جاتا تھا مگر اب ترک کیا جا چکا ہے۔ یہ تنگ زینہ دیوان عام کے پہلو میں واقع ہے اور ایک آہنی دروازے نے اسے بند کر رکھا ہے۔ پونم نے بتایا کہ دروازے پر بہت بڑا زنگ آلود قفل ہے لیکن اگر یہ قفل توڑا جا سکے تو قلعے کی تیسری منزل تک رسائی ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ ہی دیر بعد پونم کی رہنمائی میں ہلابہ اور اشباح چھپتے چھپاتے اس چھوٹے سے زنگ آلود دروازے کے سامنے پہنچ چکے تھے، جو بظاہر کسی شکستہ کوٹھڑی کا دروازہ تھا اور جسے چاروں طرف سے اونچی جنگلی گھاس نے ڈھانپ رکھا تھا یہ گھاس ہلابہ اور اشباح کے لئے بہت کارآمد رہی۔ وہ اس میں چھپ گئے سے گئے۔ اشباح نے

قفل کا بغور معائنہ کیا۔ تھوڑی دیر اس نے چھیڑ چھاڑ بھی کی لیکن جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اسے توڑنا یا کھولنا آسان نہیں ہو گا۔ زیادہ مناسب یہ تھا کہ کنڈی ہی اکھاڑ لی جاتی جس نے دوروازے کے دونوں پٹ کو جوڑ رکھا تھا۔۔ ایک صبر آزما کوشش کے بعد اشباح ایسا کرنے میں کامیاب رہا۔۔ دروازہ کھول کر وہ زینوں میں داخل ہو گئے اور پونم خاموشی سے واپس چلی گئی زینے تاریک اور بدبودار تھے۔ جھاڑ جھنکار کثرت سے اگا ہوا تھا اور مچھروں کے جھنڈ منڈلا رہے تھے۔ اشباح کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں شمع تھی۔ ہلابہ نے اس کا دامن تھام رکھا تھا اور وہ دونوں سنبھال سنبھال کر پاؤں رکھ رہے تھے۔ اچانک اشباح کو احساس ہوا کہ آگے زینے ٹوٹے ہوئے ہیں اور صرف اینٹوں کا ایک ڈھیر سا ہے۔ یہ بہت کٹھن مرحلہ تھا۔ اشباح اور ہلابہ کو گھسٹ گھسٹ کر اوپر چڑھنا پڑا۔ انکی شمع بھی گر گئی اور گہری تاریکی میں ان کے ہاتھ پاؤں چھل گئے۔۔۔ ایک دو موقعے تو ایسے آئے جب انہوں نے سمجھا کہ وہ یہ سفر جاری نہ رکھ سکیں گے۔ بالآخر ایک طویل کٹھن اور صبر آزما کوشش کے بعد وہ ایک اور آہنی دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ اس دروازے کو اندر سے آہنی کنڈی لگی ہوئی تھی۔ معمولی کوشش سے اشباح نے کنڈی کھول لی۔

دروازہ کھلا تو انہوں نے خود کو قلعہ راوڑ کی بلند ترین جگہ پر پایا۔ یہ تیسری منزل کے دو مختصر چھتوں میں سے ایک تھی۔ دائیں جانب ایک بہت بڑا سندھی پرچم لہرا رہا تھا۔ دور کہیں شمال مشرق کیطرف گردوغبار کے بادل دکھائی دے رہے تھے۔ یوں لگتا تھا خوفناک آندھی اٹھ رہی ہے۔ یہ گردوغبار میدان جنگ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ وہ میدان جنگ جہاں تلواروں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں اور خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ سورج اب نصف نہار پر چمک رہا تھا۔ یوں لگتا تھا زمین کے حیرت انگیز مناظر دیکھنے کے لئے وہ بھی

دریائے مہران کے عین اوپر آ کر کچھ دیر کے لئے رک گیا ہے۔ قلعے سے میدان جنگ تک گھوڑا گاڑیوں اور چھکڑوں کی آمد ورفت جاری تھی۔ اشباح نے ارگرد نگاہ دوڑائی چھت کا ایک حصہ بہت بڑے گنبد کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس گنبد پر کچھ جنگلی کبوتر اور راج گدھ بیٹھے تھے۔ اشباح اور ہلابہ ایک دوسرے زینے کیطرف بڑھے۔ یہ صاف ستھرا اور کشادہ زینہ انہیں چھت سے نیچے تیسری منزل پر لے آیا۔ ایک تنومند پہریدار اشباح کے سامنے آیا۔ اشباح کی رگ رگ میں بجلیوں کے آشیانے تھے اس نے لپک کر پہریدار کو دبوچا اور ایک جھٹکے سے اس کی گردن توڑ دی۔ لاش کو ایک تاریک گوشے میں ڈال کر وہ محتاط قدموں سے دیوار کیساتھ ساتھ آگے بڑھے۔ ایک جگہ اشباح ٹھٹک کر رک گیا۔ ہلابہ نے بھی وہ آواز سنی جو ایک دروازے کے عقب سے آ رہی تھی۔ یہ گھنٹیوں کی آواز تھی۔ یہ وہی آواز تھی جو سفید محل کی بلوری راہداریوں میں گونجا کرتی تھی۔ اشباح واپس پلٹا اور اس دروازے کی جھریوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک باری درز سے اسے کمرے کا کچھ حصہ دکھائی دینے لگا۔ اس نے دیکھا کمرے میں رنگین دھوئیں کے مرغولے ہیں۔ چھپر کٹ والی مسہری پر ایک شخص اس کی پشت کیے بیٹھا تھا اور ایک نہایت وجیہہ عورت اپنے لمبے ریشمی بالوں کو پانی میں بھگو بھگو کر اس شخص کے پاؤں دھو رہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک کونے میں دو خادم بھی بے حرکت کھڑے تھے۔ اشباح کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ نشست پر براجمان شخص پرماتما ہے۔ ایکا ایکی اسے اپنے جسم کا لہو سر پر چڑھتا محسوس ہوا۔ اسے لگا کہ اس کی رگیں تڑخ گئی ہیں اور پورا جسم ایک دہکتا ہوا انگارہ بن گیا ہے۔ اس کی نگاہوں میں اپنی اجڑی پجڑی بدنصیب بہن کا ہیولا ابھر آیا۔ اس کا زخمی چہرہ، اس کا نیل نیل جسم، اس کی فریادی آنکھیں۔ اسے لگا کہ اس کی بدنصیب بہن مرتے مرتے اپنا سارا درد اس کے

جسم میں منتقل کر گئی ہے۔اس درد نے اسے ہلکان کر دیا۔وہ جو شاہین تھا جس کا سینہ کشادہ اور حوصلہ بے بہا تھا۔ بالکل بے قابو ہو گیا۔اس نے اٹھ کر چند قدم پیچھے ہٹائے۔ پھر بھاگ کر ایک زوردار دھکا دروازے کو دیا اور اس کے اندرونی کھٹکے توڑتا ہوا اندر گھس ایا۔اس کا ہدف وہ نجس اور ناپاک ہیولا تھا جسے لوگ پرماتما کہتے تھے۔وہ کوہستانی عقاب کی مانند پرماتما پر جھپٹا۔ ہو جو بڑی شان اور تمکنت کیساتھ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔اوندھے منہ قالین پر گرا۔اشباح نے اس کی سرف ایک جھلک دیکھی اور اس کے بعد اسے گردوپیش کا ہوش نہ رہا۔اسے لگا جیسے وہ دنیا میں تنہا ہے صرف وہ ہے اور پرماتما کا ناپاک جسم۔اسے اس جسم کو صفحہ ہستی سے مٹانا ہے چاہے آسمان اس پر ٹوٹ پڑے یا زمین اس کے پاؤں تلے سے نکل جائے۔چاہے بدی اور ظلم کے تمام لشکر اسے اپنی تلواروں پر رکھ لیں۔چاہے اسے نیزوں اور تیروں سے چھلنی کر دیا جائے، چاہے اس کے بدن سے اس کے سر کا رشتہ ختم کر دیا جائے۔۔۔۔ لیکن آج اس ملعون کو جیتا نہیں چھوڑنا۔اس نے اپنے والد کی بخشی ہوئی تلوار ایک بڑے خنجر کی طرح اٹھائی اور پورے زور سے پرماتما کی کمر میں گھونپ دی۔پرماتما کے حلق سے دلدوز چیخ نکل کر دیوان کے گنبد میں گونج گئی۔وہ اشباح سے دامن چھڑا کر باہر کی طرف بھاگا مگر دروازے تک پہنچنے سے پہلے اشباح نے اسے پھر پکڑ لیا۔اس دفعہ ایک بھرپور وار اس کی پشت پر لگا۔پرماتما مچھلی کیطرح تڑپا۔اس کے بعد اشباح کی تلوار دستِ عزرائیل بن گئی۔وہ بے پناہ جوش سے پرماتما پر وار کرنے لگا۔پرماتما اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگتا تھا۔ لیکن اشباح ہر بار اسے عقب سے کھینچ لیتا تھا۔دوسری طرف ہلابہ کی تلوار ایک خادم کو جہنم واصل کر چکی تھی۔اس نے عقب سے اشباح پر ایک دھاتی گلدان سے حملہ کرنا چاہا تھا۔باقی دونوں نہتے خادموں کو ہلابہ نے تلوار سے دھکیل کر ایک بغلی کمرے میں بند کر دیا تھا۔

پرماتما کے خوفناک قتل کا منظر دیکھ کر خادمہ لڑکی پر سکتہ طاری ہو چکا تھا اور وہ اپنے بھیگے بال ہاتھ میں لیے ایوان کے وسط میں پتھر کی طرح ساکت کھڑی تھی۔نہ چیخ رہی تھی نہ بھاگ رہی تھی۔

اشباح کی تلوار ہر طرف خون کے چھینٹے اڑا رہی تھی۔یکایک ہلابہ کو راہداری کی طرف سے بھاگتے قدموں کی آوازیں آئیں۔داہر کے پہریدار پرماتما کی مدد کے لئے آ رہے تھے۔ہلابہ نے دوڑ کر وہ دروازہ بند کر دیا جس کے اندرونی کھٹکے کو توڑ کر اشباح اندر داخل ہوا تھا۔دروازے کے دو کھٹکے اور بھی تھے۔یہ زیادہ مضبوط تھے۔ ہلابہ نے انہیں چڑھا دیا اور وزنی مسہری کو چند بالشت گھسیٹ کر دروازے کے سامنے کر دیا۔۔۔۔۔۔۔
جب اس نے مڑ کر دیکھا۔پرماتما کا کام تمام ہو چکا تھا۔اس کے جسم پر اتنے زخم تھے کہ پورا جسم زخم دکھائی دے رہا تھا۔دیواروں پر اس کے ناپاک لہو کے چند چھینٹے اور قالین پر قیمتی لباس کی دھجیاں تھیں۔وہ اشباح کے قدموں میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔کون کہہ سکتا تھا۔کہ چند لمحے پہلے یہ شخص پوری رعونت سے زندہ تھا۔۔۔۔اس کے چہرے سے ریشمی نقاب کھسک چکا تھا اور سامنے دانت ٹوٹے نظر آ رہے تھے اس کا چہرہ مسخ ہو رہا تھا۔اشباح کا چہرہ آگ کی مانند سرخ تھا اور آنکھیں پرماتما پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

دفعتاً اس گنبد نما ایوان کے چاروں آہنی دروازے زور زور سے پیٹے جانے لگے۔گنبد کے اندر ایک تلاطم برپا ہو گیا۔چیخ و پکار سن کر داہر کے پہریدار چاروں طرف سے اکٹھے ہو کر آ گئے تھے اور آہنی دروازوں کو پیٹ رہے تھے۔کبھی یہ شور تھم جاتا اور کبھی پھر تیز ہو جاتا تھا۔اشباح نے سوالیہ نظروں سے ہلابہ کو دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو۔

"کیا مرنے کے لئے تیار ہو؟"

ہلابہ نے آنکھوں آنکھوں میں جواب دیا۔ یہ جواب ہاں میں تھا۔ وہ خادمہ جو سکتے میں کھڑی تھی اچانک ہی قالین پر ڈھیر ہو گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ ہلابہ کی نگاہیں پرماتما کی لاش پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ مایوسی سے بولی۔

"سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ میں پرماتما کو زیادہ اذیت ناک موت مارنا چاہتی تھی۔"

"کیا مطلب؟" اشباح نے پوچھا۔

ہلابہ نے اپنے لباس سے شیشے کی وہ چھوٹی سی بوتل نکالی اور اسے گھورتی ہوئی بولی۔ "میں پرماتما کو اس عذاب سے دوچار کرنا چاہتی تھی؟"

بوتل میں ایک پانی جیسا چمکیلا محلول ہلکورے لے رہا تھا۔ اشباح نے پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

ہلابہ بولی۔ "وہی خوفناک پانی ہے جو سریتا پر چھڑکا گیا تھا اور وہ دنیا کی سخت ترین موت کا شکار ہو کر مری تھی۔ میں آج یہی پانی اس درندے پر بھی چھڑکنا چاہتی ہوں۔"

ہلابہ نے اشباح کو بتا رکھا تھا کہ سفید محل میں پرماتما اپنے قیدیوں کو کیسے کیسے عذابوں سے دوچار کر کے مارتا ہے۔ لٰہذا وہ ہلابہ کی بات اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ ہلابہ نے دیکھا اس کی کشادہ پیشانی پر سوچ کی گہری لکیریں

ہیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کوئی ایسی بات جو ابھی تک ہلابہ کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔ گنبد سے باہر موت کے ہرکاروں کی دستکیں طوفانی رنگ اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ اشباح نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"تم اپنی آرزو اب بھی پوری کر سکتی ہو۔"

"کیا مطلب؟" ہلابہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہی کہ تم پرماتما سے اس کی فرنا کیوں کا حساب لے سکتی ہو؟"

"مگر یہ تو مر چکا ہے۔"

"نہیں یہ زندہ ہے۔"

ہلابہ نے حیرت سے پرماتما کے پارہ پارہ جسم کو دیکھا۔ اس کی شہ رگ کٹی ہوئی تھی اور آنکھیں بہت دیر سے پتھرا رہی تھیں۔ وہ یقیناً مر چکا تھا۔

"یہ پرماتما نہیں ہے۔" اشباح کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ہلابہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ وہ غور سے پرماتما کے سرخ و سفید خون آلود چہرے کو دیکھنے لگی۔

"پھر کون ہے؟" اس نے لرزاں آواز میں پوچھا۔

اشباح کی نگاہیں اس بند دروازے پر لگی تھیں جس کے پیچھے ہلابہ نے دونوں خادموں کو بند کر دیا تھا۔ وہ سرسراتی آواز میں بولا۔ "پرماتما! ان دونوں میں سے کوئی ایک ہے۔"

"آپ کو کیسے اندازہ ہوا؟"

"میں اس شیطان کو ایک دفعہ بے نقاب کر چکا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ چہرہ پرماتما کا نہیں اور نہ ہی یہ آنکھیں اس کی ہیں اور۔۔۔۔"

"اور کیا؟"

"اور اسے مار کر میرے دل کو وہ سکون بھی حاصل نہیں ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔" اشباح کی آنکھوں میں ابھی تک انگارے دہک رہے تھے۔

"ہلابہ بولی۔" آپ کا خیال ہے پرماتما نے بھیس بدل رکھا ہے؟"

"ہاں۔ مجھے اس پگڑی والے خادم پر شبہ ہے۔" اشباح نے سرگوشی کی۔

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے بھی ان میں سے ایک کا چہرہ پراسرار لگا ہے۔"

اشباح نے کہا۔ "دیکھو۔ میں دروازہ کھولتا ہوں۔ تم ہوشیار ہو جاؤ۔ کچھ بھی ہو جائے پگڑی والے کی طرف دیکھنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس کی آنکھوں میں ہماری موت ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا۔"

اشباح نے اپنی خون آلود تلوار مضبوطی سے تھامی اور محتاط قدموں سے کوٹھڑی کے دروازے کیطرف بڑھا، لیکن ابھی دروازے سے دو قدم دور ہی تھا کہ اچانک نہ جانے کیا ہوا، بند دروازہ دھماکے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور کوئی شخص بلائے ناگہانی کی طرح اس سے ٹکرایا۔ یہ وہی پگڑی والا خادم تھا۔ اس کے جسم میں نہ

جانے کیسی بجلیاں کوندر ہی تھیں کہ اشباح اس کے دھکے سے دور جا گرا۔ وہ پرماتما تھا۔۔۔۔ سو فیصد پرماتما تھا۔ اگر ہلابہ سے ایک ساعت کی تاخیر ہوئی ہوتی تو ان دونوں پر قیامت گزر جاتی۔ پرماتما کے شعبدہ باز ہاتھوں سے نیلی آگ کے شعلے لپک رہے تھے۔ یہ شعلے کسی بھی چیز کو خاکستر کر سکتے تھے۔ ہلابہ نے شیشے کی نازک بوتل پوری قوت سے پرماتما کے سر پر دے ماری۔ یکایک پرماتما اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا ہو گیا۔ اسکے ہاتھوں سے نیلگوں شعلے بجھ گئے۔ اس کی آنکھوں کے چمکیلے جال ٹوٹ گئے۔ ان لمحوں میں وہ ایک عام آدمی نظر آیا۔ زرد، ڈرا ہوا اور ششدر۔ وہ جیسے پتھر ہو چکا تھا۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھیں ہلابہ اور اشباح کو دیکھتی چلی جا رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں بیچارگی اور ناتوائی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ یکایک اس نے چیخ ماری اور فرش سے کئی بالشت اوپر اچھلا اور گر کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ وہ ایک ایسا منظر تھا جسے دیکھنے کے لئے پتھر کا دل اور لوہے کا جگر چاہیے تھا۔ وہ ایک ایسی موت تھی جو نہ دیکھنے والے کے تصور میں آسکتی تھی نہ کوئی الفاظ میں اس کا احاطہ کر سکتا تھا۔۔۔۔ اور روزئے زمین کی یہ عبرتناک موت پرماتماؤں کی اپنی ہی ایجاد کردہ تھی۔ انہوں نے اپنی سفاکی کو بے بسی کا لہو پلانے کے لئے خود ہی اس نادر روزگار عذاب کو تخلیق کیا تھا۔ اب تک نہ جانے کتنے مرد و زن یہ قیامت جھیل چکے تھے۔ ان سب بدنصیبوں کی آہوں کے طفیل آج پرماتماؤں کی نسل کا آخری شیطان خود اس قیامت کی زد میں آگیا تھا۔ وہ جس کے قدموں تلے ریشمی زلفیں بچھائی جاتی تھیں، جس کے احترام میں عصمتیں لٹائی جاتی تھیں اور نوخیز بچے ذبح کیے جاتے تھے، وہی پرشکوہ اور باجبر شخص فرش خاک پر ایک بچے کی طرح بلک رہا تھا۔ اس کی تیز چیخیں گونج کر شور محشر برپا کر رہی تھیں۔ اس کے آبلہ آبلہ جسم کی وحشی تڑپ کو کسی عمل سے تشبیہہ دینا ممکن ہی نہیں تھا۔ وہ ذلت اور دیوانگی کا وہ رقص تھا

جو نہ آنکھ میں سماتا تھا اور نہ ذہن میں۔ ہلابہ کے سنسناتے ہوئے ذہن میں سریتا کی موت کا تمام ناقابل فراموش مناظر تازہ ہو رہے تھے۔ ایکا ایکی پرماتما کا منحوس بدن پھولنا شروع ہوا۔ پھولتا گیا۔ پھولتا گیا اور پھر دھماکے سے پھٹ گیا۔ ناپاک گوشت کے خون آلود چیتھڑے دروازوں اور دیواروں سے جا چمٹے۔ اس منظر کی تاب نہ لا کر ہلابہ نے بے ساختہ اپنا چہرہ اشباح کے سینے میں چھپا لیا۔ وہ اسی طرح کھڑی رہی اور روتی رہی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کبھی اپنی آنکھیں دوبارہ نہ کھولے۔ گنبد کے آہنی دروازے سے باہر سینکڑوں فوجی جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے اس گنبد کو پرماتما کے لئے محفوظ ترین پناہ گاہ سمجھا تھا، اب یہی محفوظ پناہ گاہ انہیں اشباح اور ہلابہ سے دور رکھ رہی تھی مگر کب تک۔ تھوری دیر میں ان دروازوں کو ٹوٹ جانا تھا۔ ان کے خون کے پیاسے لشکریوں کو ہتھیار چمکاتے اندر گھس آنا تھا۔ وہ دونوں کہاں تک ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

اشباح نے ایک بار پھر پھولا۔ "ہلابہ مرنے کے تیار ہو؟"

ہلابہ نے اس کے سینے سے لگے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کتنی بے فکری تھی اس کے انداز میں۔ دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں مضبوطی سے دبی ہوئی تھیں اور وہ چاروں میں سے کوئی ایک دروازہ ٹوٹنے کا انتظار کر رہے تھے۔

یکایک یہ شورِ قیامت تھم گیا۔ دروازوں پر کلہاڑوں اور ہتھوڑوں کی ضربیں معدوم ہو گئیں۔ کچھ اور ہی طرح کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔ یوں لگا کچھ لوگ دروازے پیٹنے والوں کو پکار پکار کر بلا رہے ہیں۔ ہر طرف

بھاگ دوڑ کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ اشباح اور ہلابہ اپنی جگہ خاموش کھڑے رہے وہ اسے تائید غیبی کے سوا اور کیا کہہ سکتے تھے۔ موت انہیں چھو کر گزر گئی تھی۔ معلوم نہیں ان دروازوں سے باہر کیا ماجرا ہوا تھا۔

جب کافی دیر گزر گئی اور انہیں یوں محسوس ہونے لگا کہ پورا قلعہ خالی ہو گیا ہے تو انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ اشباح کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کمرے میں رنگین دھوئیں کے مرغولے کہاں سے امڈے چلے آ رہے ہیں۔ یہ ہفت رنگ دھواں اب اتنا گہرا ہو چکا تھا کہ دروازوں کا پتہ چلانا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد ہلابہ اور اشباح دھوئیں کے ماخذ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔ کمرے کے دو مختلف کونوں میں چھلنی کی طرح باریک باریک سوراخ تھے۔ ان سوراخوں کے دوسری جانب کوئی کیمیائی مادہ سلگ رہا تھا۔ جس سے دھواں کمرے کیطرف آ رہا تھا۔ اشباح نے کپڑے سے ان سوراخوں کو ڈھانپ دیا۔ جلد ہی کمرے میں موجود دھواں دودکش کے ذریعے باہر نکل گیا۔ جونہی کمرے کی فضا صاف ہوئی۔ اشباح کو کمرے میں ایک تیسرا خادم نظر آیا۔ وہ خوف سے سہا پھٹی پھٹی نظروں سے اشباح اور ہلابہ کو دیکھ رہا تھا۔ اشباح پر خون سوار ہو رہا تھا۔ اس نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر وہ ہلابہ کو لیکر دروازے کی جانب بڑھا۔ احتیاط سے دروازہ کھول کر وہ دونوں باہر نکلے۔ راہداری سنسان تھی۔ صرف ایک دیوار کیساتھ ٹوٹی گردن والا تنومند پہریدار بے سدھ پڑا تھا۔ اشباح نے ہلابہ کا ہاتھ تھاما اور بھاگتا ہوا کشادہ زینوں کی طرف بڑھا۔ تیسرے چوتھے زینے پر ہی اسے پونم نظر آ گئی۔ اس کا چہرہ اندرونی جوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے اشباح اور ہلابہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ایک منزل نیچے اتر کر وہ ان دونوں کو لیکر ایک دوسرے

زینے پر آئی اور پھر ایک چور راستے سے گزر کر سیدھی اصطبل میں پہنچ گئی۔ قلعے کے وسیع و عریض اصطبل میں اب چند ایک کمزور اور زخمی گھوڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ پونم نے سرگوشی میں کہا۔

"سردار اشباح، مسلمانوں کی فوج جیت رہی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میدان سے داہر کا بیٹا جے سیہ پہنچا ہے۔ وہ سخت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے قلعے میں موجود ہر سپاہی کو لڑائی میں شامل ہونے کا حکم دیا ہے۔ یہاں موجود سب لوگ چلے گئے ہیں۔ بس آٹھ دس سپاہی رہ گئے ہوں گے یا زخمی خادم وغیرہ۔۔۔۔ آپ بتائیے آپ کی مہم کا کیا بنا؟"

اشباح نے کہا۔ "الحمدللہ ہم کامیاب رہے ہیں۔"

پونم نے لرزتی آواز میں پوچھا۔ "تو کیا پرماتما۔۔۔۔"

"ہاں!۔" ہلابہ نے جواب دیا۔ "اس کی لاش تیسری منزل کے گنبد میں پڑی ہے۔"

پونم نے ناقابل یقین نظروں سے ہلابہ اور اشباح کو دیکھا۔ اشباح نے جلدی سے آگے بڑھ کر تین نسبتاً بہتر گھوڑے منتخب کیے اور پونم سے پوچھا۔ "بتاؤ اب کس طرف نکلنا ہے۔؟"

پونم جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو گئی اور ان دونوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اصطبل کے عقبی دروازے سے نکل کر وہ فصیل کیساتھ ساتھ گھوڑے دوڑاتے قلعے کے بڑے دروازے تک پہنچے۔ لکڑی اور لوہے کا بلند و بالا دروازہ کھلا ہوا تھا اور قلعے سے نکلنے والوں کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ پونم نے ایک سندھی جھنڈا کھول کر ہاتھ میں تھام لیا اور وہ تینوں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے قلعے سے نکل آئے۔۔۔۔۔ قلعہ راؤڑ سے دو فرلانگ

کے فاصلے پر اشباح نے اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر قلعے کیطرف دیکھا اس کی نگاہیں قلعے کی تیسری منزل پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کہنہ سال گنبد خاموش کھڑا تھا جس کے پیٹ میں پرماتما کی مسخ شدہ لاش پڑی تھی۔ ظلم اور درندگی کی صدیوں پرانی کہانی ختم ہو چکی تھی۔ اس "آخری موت" کیساتھ وہ خانوادہ ناپید ہو چکا تھا جس کا ہر فرد آنکھوں میں سفاک طاقت لے کر دنیا میں آتا تھا۔

اشباح نے اپنا رخ موڑا۔ دور کہیں شمال مشرق کیطرف میدان جنگ سے اٹھنے والی گرد انہیں اپنی طرف بلا رہی تھی۔ پکار رہی تھی کھینچ رہی تھی۔ سورج اب ان کی پشت پر پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور حتی الامکان رفتار سے دریائے مہران کیطرف بڑھنے لگے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

10 رمضان المبارک کا سورج اپنا تین چوتھائی سفر طے کر کے مغرب کیطرف جھکا ہوا ہے۔ دریائے مہران کے مشرقی کنارے پر حق و باطل کا معرکہ عروج پر ہے۔ ہر طرف ہتھیاروں کی جھنکار ہے۔ خون کے فوارے ہیں اور نعروں کی گونج۔ دونوں طرف سے پورے پورے لشکر لڑائی میں شامل ہو چکے ہیں۔ لگتا ہے آج فیصلہ ہو کر رہے گا۔ یا اجالوں کو تاریکیاں نگل لیں گی یا ایک کبھی نہ ڈھلنے والا سورج طلوع ہو جائے گا۔ لڑائی میں اتنی شدت ہے کہ بیشتر لشکریوں کی تلواریں ٹوٹ چکی ہیں۔ وہ اب خنجروں اور پیش قبضوں سے لڑ رہے ہیں۔ گروہوں کے گروہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہیں اور میدان جنگ ایک طلاطم بے اماں کی زد میں ہے۔۔۔۔۔ اشباح، ہلابہ اور پونی ایک جانب سے بھاگتے ہوئے آتے ہیں اور اس پر آشوب سمندر میں

تین قطروں کی طرح گم ہو جاتے ہیں۔اسلامی فوج کے خاص، صف شکن مجاہد محمد بن قاسم کی قیادت میں ایک زوردار ہلہ بولتے ہیں اور لاشوں پر لاشیں گراتے دشمن فوج کے قلب میں گھس جاتے ہیں۔یہی وہ وقت ہے جب اسلامی فوج کے عقب سے منجنیق زن ایک زوردار حملہ کرتے ہیں۔ان کے پھینکے ہوئے پتھر میدان جنگ کے اوپر سے گزرتے ہوئے سندھی فوج کے عقب میں گرنے لگتے ہیں۔یہ ایک کاری ضرب ہے۔اس ناگہانی آفت سے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے۔لشکر کے عقب سے ایسی چیخ و پکار بلند ہوتی ہے کہ لگتا ہے سینکڑوں کافر اپنی پیاری جان سے گزر گئے ہیں۔مسلمانوں کے جوش میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ کچھ اور پیش قدمی کرکے داہر کے ہاتھی کے سامنے آجاتے ہیں۔محمد بن قاسم کی صدا بلند ہوتی ہے۔

"شہادت یا داہر کا سر۔"اس کی آواز گونج بن کر قرب وجوار میں پھیل جاتی ہے۔توحید کے پروانے شوقِ شہادت میں ڈوب کر اور لبوں پر کلمہ طیبہ سجا کر آگے بڑھتے ہیں۔مد مقابل دستوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔وہ فصل کیطرح کٹتے ہیں اور کائی کیطرح پھٹتے ہین۔ان کے پاؤں جمنے سے انکار کر رہے ہیں اور ان کے بازو مزاحمت سے معذور ہو رہے ہیں۔یہ یومِ حساب ہے، یہ قرنوں کے ظلم کا جاواب ہے، یہ عملِ مکافات ہے۔اشباح کے پہلو سے ایک ہوشیار تیر انداز داہر کے ہاتھی پر آتش گیر تیر چلاتا ہے۔یہ تیر ہاتھی کے ہودج میں آگ لگا دیتا ہے۔یہ ہودج میں خوبصورت کنزیں چلاتی ہیں۔ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ہاتھی کا مہاوت کو جنوبی سمت لے جانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، مگر نصف فرلانگ بھی طے نہیں کر پاتا کہ اس کے اپنے لشکر سے ہی "محمد بن قاسم کی جے" کے نعرے بلند ہونے ہیں اور سندھی لشکر اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔یہ وہ دستے ہیں جنہیں دوپہر ہی سے داہر کی شکست کا یقین ہو چکا ہے اور انہوں نے رازداری

سے اسلامی لشکر کی اعانت کا فیصلہ کر رکھا ہے۔اپنے ہی ہموطنوں کو اپنے مقابل دیکھ کر منتشر ہندو لشکر کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔اب کوئی لمحہ جاتا ہے کہ وہ بھاگنے والے ہیں۔

داہر کے ہاتھی رخ پھیر کر شمال کیطرف جاتا ہے۔مہاوت اسے جلد از جلد میدان جنگ سے نکال لینا چاہتا ہے مگر موت کا فرشتہ داہر پر مقرر ہو چکا ہے۔ہاتھی ہودج کی آگ سے گھبرا کر دریا کا رخ کرتا ہے اور پانی میں جا کر پچھلے پاؤں پر بیٹھ جاتا ہے۔مسلمان شہسوار اس کے تعاقب میں ہین۔ان میں سب سے آگے اشباح بن سقیل ہے۔وہ برقِ آسمانی کی مانند ہاتھی پر جھپٹتا ہے۔داہر ہووج سے چھلانگ لگانے کی فکر میں ہے مگر اس سے پہلے ہی اشباح کی تلوار اجل بن کر اس کے سر پر چمکتی ہے اور اس کا سر تن سے جدا ہو جاتا ہے۔مہران کا پانی ظالم وقت کے خون سے سرخ ہونے لگتا ہے۔ڈوبتے سورج کیساتھ ہی اس کی زندگی کا سورج بھی ڈوب چکا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب ہر طرف نعرہ تکبیر سنائی دینے لگتا ہے۔کافر پسپا ہو رہے ہیں۔داہر سمیت تیس ہزار کافروں کی لاشیں میدان میں بچھی ہیں اور باقی اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگ رہے ہیں۔"اللہ اکبر۔۔۔۔۔۔اللہ اکبر۔"ہر طرف یہی گونج ہے۔اشباح داہر کی کیچڑ آلود لاش دیکھتا ہے، پھر میدان جنگ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتا ہے اور تلوار کی نوک زمین پر ٹیک کر دستے پر اپنی پیشانی رکھ دی۔آج کئی روز کے بعد وہ اچانک ہی نڈھال ہو گیا ہے، ایکدم ہی تھک کر چور ہو گیا۔اس کا شب و روز سنسناتا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اس کے رخساروں پر اور ہاتھوں کی پشت پر آنسوؤں کی نمی ہے۔ ہاں۔۔۔۔۔۔وہ رو رہا ہے اس کی بنجر ویران آنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے بہہ نکلے ہیں۔ان میں سے ہر آنسو ایک موتی ہے۔کسی موتی میں اویس کے غم کی چمک ہے کسی میں آسیہ کی جدائی کا رنگ ہے اور کسی

میں اپنی معصوم بہن زلفہ کے زخموں کا عکس۔ وہ دریائے مہران کے کنارے داہر کی لاش پر یہ موتی لٹا رہا ہے اور میدان کارزار فتح و کامرانی کے نعروں سے گونج رہا ہے۔۔۔۔۔۔ "مجھے معاف کر دینا میری بہن۔ مجھے معاف کر دینا۔" نہ جانے کیوں یہ فقرہ بار بار اس کے ہونٹوں پر تھرانے لگتا ہے۔ مسلمان سپاہی داہر کی کیچڑ آلود لاش دیکھتے اور جوش سے نعرے لگاتے۔ ایک عربی شہسوار پکار کر کہتا ہے۔

الخیل لشھد یوم داھر والقنا

و محمد بن القاسم بن محمد محمد

گھوڑے گواہ ہیں، نیزہ گواہ ہے اور خود محمد بن قاسم ابن محمد کہ ہم داہر کے ساتھ کیا کیا۔

دشمن کی صفیں چیرتے دِرّاتے ہم ان کے سردار تک پہنچے اور شمشیر براں اس کے سر پر علم کی اور اس حال میں چھوڑا کہ اس کے رخسار خاک و خون میں آلود تھے اور اسکی لاش بے تکیہ و بستر تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

راؤڑ کی عظیم الشان فتح اور راجہ داہر کی موت کے بعد اسلامی لشکر طوفانی پیش قدمی کر کے برہمن آباد پہنچا۔ راجہ داہر کا بیٹے جے سنگھ بھاگ کر برہمن آباد پہنچ چکا تھا۔ کئی ماہ پہلے دیبل کی بندرگاہ سے گرفتار کیے جانے والے وہ مسلمان بھی برہمن آباد میں تھے جن کی پکار پر اس حملے کا آغاز ہوا تھا۔ مسلمانوں کے لئے برہمن آباد کا رخ کرنا بے حد ضروری تھا۔ جے سیہ اپنے باپ کی موت کے بارے میں جان چکا تھا۔ پھر بھی اس نے ملک کے طول عرص میں یہ خبر پھیلا دی کہ راجہ داہر زندہ ہے اور جنوبی ہندوستی کیطرف گیا ہے تاکہ وہاں کے

راجوں اور مہاراجوں سے حملہ آور فوج کے خلاف مدد حاصل کر سکے۔ عنقریب وہ ایک زبردست لشکر کے ساتھ برہمن آباد پہنچنے والا ہے۔ مہران کے کنارے سے مایوس و بددل لوٹنے والے سرداروں اور راجوں نے یہ خبر سنی تو وہ گھروں کو جانے کا ارادہ ترک کر کے برہمن آباد میں جمع ہونے لگے۔ جلد ہی جے سیہ کے جھنڈے تلے کم و بیش پچاس ہزار سپاہی جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک بڑا حصہ گھر سواروں کا تھا۔ محمد بن قاسم اپنی بلند حوصلہ سپاہ کیساتھ بے پناہ تیزی سے اس کے مقابل آیا۔ جے سیہ کیساتھ کچھ نئے مددگار بھی شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے بے پناہ جوش و خروش کا مظاہر کیا مگر غازیان اسلام کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ جے سیہ جوراوڑ کی شکست کا داغ دھونا چاہتا تھا چہرے پر ایک اور داغ لیکر سہ پہر کے وقت میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے اس کے اٹھارہ ہزار ساتھیوں کی لاشیں بچھی ہوئی تھیں۔

برہمن آباد کے محل میں داہر کی سب سے چھوٹی اور خوبصورت رانی بھی موجود تھی۔ اس کا نام لاڈھی تھا۔ وہ ایک نہایت سمجھدار عورت تھی جنگ سے بہت پہلے اسے احساس ہو چکا تھا کہ داہر اور اس کے عیاش ساتھیوں کا یوم حساب آنے والا ہے۔ وہ مسلمانوں کی خوش خلقی اور اعلیٰ ظرفی کے بارے میں بہت سن چکی تھی۔ خاص طور پر سپہ سالار محمد بن قاسم کی غیر معمولی شخصیت نے اسے غائبانہ متاثر کر رکھا تھا۔ اس نے برہمن آباد کے محل میں محمد بن قاسم کا استقبال ایک فاتح کے طور پر کیا اور تسلیم کیا کہ مسلمانوں کی شاندار فتوحات میں ان کی بہادری کے علاوہ اعلیٰ اخلاق کا عمل دخل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے محمد بن قاسم سے درخواس کی کہ وہ یہاں سے آگے جانے کا ارادہ ترک کر دے اور دیبل سے گرفتار ہونے والے قیدیوں کو لیکر

واپس چلا جائے۔ درحقیقت وہ نہیں چاہتی تھی کہ مسلمان آگے بڑھ کر "ارور" پر حملہ کریں۔ وہاں لاڈھی کا بیٹا راجکمار عفی محافظ شہر تھا اور لاڈھی مسلمانوں سے اس کی جان بچانا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔

"اے سالار! ہمیں مسلمانوں سے بدسلوکی کی کافی زیادہ سزا مل چکی ہے۔ اب ہمیں معاف کر دیا جائے۔"

محمد بن قاسم نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے حکم ہے کہ میں ظلم و جبر کے آخری قلعے تک آپ کے ہم وطنوں کا پیچھا کروں، ہاں۔۔۔۔ جو ہتھیار ڈال دے یا مقابلے پر نہ آئے اس کے لئے امان ہے۔"

رانی لاڈھی مایوس ہوئی لیکن کیا کر سکتی تھی۔ وہ محمد بن قاسم کو لیکر وسیع و عریض محل کے تہہ خانے میں پہنچی، سردار اشباح، سردار جہم، بھیم سنگھ اور دیگر سردار بھی ہمراہ تھے۔ لاڈھی نے دیبل کی بندرگاہ سے گرفتار ہونے والے تمام قیدی، فاتح سالار کے حوالے کر دیے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر محمد بن قاسم کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ اس نے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ مردوں سے بغلگیر ہوا اور عورتوں کو دلاسا دیا۔ وہ اپنے نجات دہندہ کو دیکھ کر سسکیوں سے رونے لگے۔ لاڈھی نے کہا۔

"اے سالا، آپ ان لوگوں سے پوچھ سکتے ہیں یہ جب سے قید ہوئے ہیں میری نگہبانی میں ہیں۔ میں نے انہیں کسی طرح تکلیف نہیں ہونے دی اور میں نے یہ سب کچھ کسی غرض سے نہیں کیا، بلکہ میرا وشواس تھا کہ ان لوگوں سے زیادتی ہوئی ہے۔"

محمد بن قاسم نے لاڈھی کی بات پر اعتماد کیا اور اسے بتایا کہ اس کی اس کی حیثیت قیدی کی نہیں وہ اپنی مرضی سے جہاں جانا چاہے جا سکتی ہے۔

برہمن آباد کی شاندار فتح کے بعد محمد بن قاسم نے "ارور" کا رخ کیا۔ محمد بن قاسم کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی رانی لاڈھی "ارور" پہنچ چکی تھی۔ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو سمجھایا بجھایا کہ مسلمانوں کا ستارہ عروج پر ہے اور ان سے ٹکر لینا مفت میں اپنی جان گنوانا ہے۔ راجکمار عفی نے ماں کی بات ماننے سے انکار کیا اور شبے کا اظہار کیا کہ وہ مسلمانوں سے مل چکی ہے۔ رانی نے چلا کر کہا۔

"بے وقوف، تجھے اپنی ماں کے بارے ایسی بات کرتے شرم آنی چاہیے۔ یاد رکھ جو دشمن لاکھوں سپاہیوں کو شکست فاش دے چکا ہے۔ اس کے سامنے تیرہ پندرہ بیس ہزار لشکری کیا کارنامہ انجام دے لے گے۔"

راجکمار نفی نے اپنی ماتا کی بات نہیں مانی، لیکن کچھ روز بعد جب محمد بن قاسم نے اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ پیش قدمی کی تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو گیا۔ قفی پر جان قربان کرنے کے دعویدار کئی سالار اور سردار راتوں رات شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ قفی سخت بددل ہوا اور اس نے رہی سہی فوج کیساتھ راہ فرار اختیار کی۔ محمد بن قاسم نے ارور پر قبضہ کر کے ایک نو مسلم سندھی کو ناظم مقرر کیا اور ملتان کی جانب پیش قدمی شروع کی (ارور موجود روہڑی کے قریب واقع ہے) ملتان کی جانب مسلمانوں کی پیش قدمی نے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچا رکھی تھی۔ ذہنی طور پر وہ لڑنے سے پہلے ہی ہار چکے تھے۔ اسلامی لشکر نے حتی الامکان تیزی سے دریائے ستلج عبور کر کے ملتان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کم و بیش سترہ روز جاری رہا۔ اس دوران چھوٹی بڑی جھڑپیں بھی

ہوتی رہیں۔آخر مسلمانوں کے مصمم ارادے کے سامنے اہل ملتان کی قوت مدافعت جواب دے گئی اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

جس روز ملتان کے قلعے پر اسلامی پرچم لہرایا اشباح فصیل پر کھڑا دور مغرب کیطرف دیکھ رہا تھا۔ مغرب جہاں اویس، زلفہ اور آسیہ کی قبریں تھیں اور جہاں ایک صحرائے بسیط میں وہ جادو نگری آباد تھی۔ تلخ و شیریں یادیں قطار اندر قطار اشباح کی آنکھوں میں اتر رہی تھیں۔ پچھلے چند ماہ میں اس کی زندگی نے کتنی تیز رفتاری سے سفر طے کیا تھا۔ کیسے کیسے لوگ ملے تھے اور بچھڑ گئے تھے۔ شہر ملتان کی اس فصیل پر کھڑے ہو کر رنگا چماری، اقتیلا جام اور اشوکا وغیرہ کے بارے میں سوچنا کتنا عجیب لگتا تھا اور کتنے انہونے لگتے تھے وہ واقعات۔ اور آسیہ۔۔۔۔۔ آسیہ تو شاید اسے خواب میں ملی تھی۔ ملی بھی تھی اور بچھڑ بھی گئی تھی۔ کیوں جلدی مر گئی تھی وہ؟ جی بھر کر اپنے بچے کو پیار بھی نہیں کر سکی تھی وہ تو۔ اچانک اشباح کو اپنے خیالوں سے چونکنا پڑا۔ چٹھی رساں اس کے ہاتھوں میں ایک چٹھی تھما رہا تھا۔

"حضر موت سے آئی ہے۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

اشباح نے اشتیاق سے لفافہ کھولا۔ تحریر اس کی والدہ کی تھی۔ انہوں نے تفصیلی خط لکھا تھا۔ جس میں اشباح کے سابق خطوط کے جواب بھی تھے اور نئی کامرانیوں کی مبارکباد بھی۔ آخر میں انہوں نے لکھا تھا۔ "بیٹے! میں ہر گز نہیں چاہتی کہ تمہیں گھریلو معاملات کے بارے میں بتا کر پریشان کروں لیکن چونکہ تمہارے نانا کا اصرار اب بہت بڑھ چکا ہے اور یوں بھی اسلامی فوج اب اپنی کامیابیوں کو مستحکم کر چکی ہے، میں چاہتی ہوں

کہ تمہیں یہاں کے حالات سے آگاہ کر دوں اا س کے بعد اگر تمہیں تمہارے حالات اجازت دیں تو تم واپس آجاؤ۔ بیٹے بات یہ ہے کہ پچھلے پانچ ماہ سے تمہارے نانا سخت علیل ہیں۔ ان کی ایک ہی خواہش ہے کہ وہ تمہاری زبان سے اسلامی فتوحات کا آنکھوں دیکھا حال سن سکیں۔ وہ رات دن تمہیں یاد کرتے ہیں اور کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے وہ موت سے ایک اذیت ناک جنگ لڑ رہے ہیں۔۔۔"

والدہ کا پورا خط پڑھنے کے بعد اشباح کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے۔ اسے اپنے نانا سے بے پناہ محبت تھی اور والدہ کا خط اشارہ دے رہا تھا کہ نانا سے اس کی عارضی جدائی کبھی نہ ختم ہونے والی جدائی میں تبدیل ہونے والی ہے۔ وہ بے قرار ہو گیا۔

چند روز بعد جب اسلامی فوج فتح ملتان کے بعد واپس روانہ ہونے کی تیاری کر رہی تھی، اشباح نے سپہ سالار محمد بن قاسم سے اپنے گھریلو حالات کا ذکر کیا۔ محمد بن قاسم نے کہا کہ اسے ہر صورت اپنے نانا کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے اور واپسی کا سفر اختیار کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس نے کہا۔

"کاش میں میرے بس میں ہوتا اور میں آپ کو ہوا کے گھوڑے پر سوار کرا دیتا تا کہ اس محترم بزرگ کی آخری خواہش کا احترام ہو سکتا جس نے برسوں پہلے اس تاریک سرزمین پر توحید کی پہلی شمع روشن کی تھی۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اشباح اسلامی فوج کیساتھ ارور پہنچا۔ وہاں اس نے اپنے ساتھیوں کو خدا حافظ کہا۔ امیر عساکر محمد بن قاسم سے اجازت طلب کیا اور سیستان کے راستے دیبل کی طرف روانہ ہوا۔ ہلابہ کے علاوہ پونم بھی اس کے ساتھ تھی۔

سیستان میں پونم کا ایک ماموں رہتا تھا۔اس کا شمار سندھ کے گنے چنے ویدوں میں ہوتا تھا۔پونم کا خیال تھا کہ زندگی کے باقی دن گزارنے کے لئے اسے وہاں پناہ مل جائے گی۔

سیستان کی سڑکوں سے گزرتے ہوئے اشباح کی نگاہ اس خوبصورت محل پر پڑی جہاں آسیہ سے اس کی شادی ہوئی تھی اور جس کے درودیوار میں آسیہ نے اپنی زندگی کے چند کوش و خرم دن گزارے تھے۔اشباح کا دل کٹ کر رہ گیا۔اس محل سے نگاہیں چراتا ہوا وہ پونم کیساتھ ایک کہنہ سال حویلی کے دروازے پر پہنچا۔یہ حویلی شہر کے مضافات میں واقع تھی اور اس کی پیشانی پر سنسکرت میں "دواخانے" کے حروف لکھے تھے۔یہی پونم کے ماموں کا ٹھکانہ تھا۔۔۔۔وہ پختہ عمر ایک فربہ اندام شخص تھا۔اس نے ان تینوں کا استقبال کیا۔پونم خط کے ذریعے اسے اپنے حالات سے پہلے ہی آگاہ کر چکی تھی۔اشباح اور ہلابہ اپنا سفر جاری رکھنا چاہتے تھے مگر پونم کے ماموں نے انہیں رات وہاں گزارنے پر مجبور کیا۔اس نے کہا۔"آپ چنتا نہ کریں میں صبح سویرے آپ کو خود شہر سے باہر چھوڑ آؤں گا۔" وہ ایک روشن خیال ہندو تھا حالانکہ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کی بھانجی مسلمان ہو چکی ہے مگر وہ اسے زندگی بھر کی پناہ دینے پر تیار تھا۔اس نے پونم سے کہا کہ وہ خود ہی اپنے مہمانوں کے لئے کھانا وغیرہ تیار کرے۔

رات سونے سے پہلے اشباح کو کسی قریبی کمرے سے کسی مریض کی نحیف آواز سنائی دی۔وہ بری طرح کھانس رہا تھا۔اشباح نے اپنے میزبان سے پوچھا، یہ کون ہے۔میزبان نے جواب دیا ایک لاعلاج مریض ہے اور راجپوتانہ سے آیا ہے۔چند دن کا مہمان ہے۔میزبان نے مریض کا ذکر ایسے انداز سے کیا کہ اشباح اسے دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔وہ میزبان کیساتھ مریض کے کمرے میں پہنچا۔خستہ حال حویلی کے پچھواڑے ایک تنگ و

تاریک کمرے میں ایک زندہ لاش چارپائی پر نظر آرہی تھی۔دیے کی مدھم روشنی اس کے مدقوق چہرے کو کچھ اور بھی زرد دکھا رہی تھی۔اشباح نے اسے دیکھا اور اسے سکتے میں رہ گیا۔وہ مانک تھا۔اپنی ریاست کا سب سے بڑا جاگیر دار۔اپنے لوگوں میں سب سے خوبصورت اور سب سے باوقار نوجوان۔اشباح نے آخری بار اسے کوئی چار مہینے پہلے سفید محل میں دیکھا تھا۔جب اشباح اپنی بہن زلفہ کو پکارتا پھر رہا تھا، مانک بھی کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔اشباح جانتا تھا وہ کسے ڈھونڈ رہا ہے۔ان دونوں کی تلاش ایک ہی ہستی کے لئے تھی۔۔۔۔۔۔
اشباح کے دل سے ایک ناقابل برداشت ٹیس اٹھی۔سفید محل کے مناظر اس کی نگاہوں میں گھومنے لگے۔یقیناً مانک بھی چندا کی موت سے آگاہ ہو گیا تھا اور یہی آگاہی اسے اس حال تک لے آئی تھی۔یہ صدمہ اس کے لئے کم نہیں تھا۔اس کی جگہ پتھر کا انسان بھی ہوتا تو ٹوٹ کر ریت ہو جاتا۔وہ موت کی سرحد پار کر کے اس سے ملی تھی۔لیکن مل کر پھر بچھڑ گئی تھی۔دوبارہ کبھی نہ ملنے کے لئے۔"کاش ایسا نہ ہوتا۔کاش ہلابہ اسے پرماتما کی قید سے آزاد ہی نہ کراتی۔" اشباح نے بڑے درد سے سوچا۔

وہ دھیمے قدموں سے چلتا مانک کے سرہانے پہنچا۔پونم کے ماموں نے حیرانی سے کہا۔"شاید آپ اسے جانتے ہیں۔" اشباح نے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ بولا۔"کوئی ایک ماہ پہلے کچھ نامعلوم لوگ اسے علاج کے لئے میرے پاس چھوڑ گئے تھے۔"

اشباح مانک کے سرہانے بیٹھ گیا۔اس کی تپتی ہوئی پیشانی پر ہاتھ پھیرنے کے بعد اس نے کہا۔

"مانک آنکھیں کھولو۔دیکھو یہ میں ہوں۔ہلابہ بھی میرے ساتھ ہے۔آنکھیں کھولو مانک۔"

مانک کی پلکوں میں جنبش ہوئی اور ایک باریک درز سے اس کی دھندلی پتلیوں نے جھانکا۔اشباح کو دیکھ کر اور اسے پہچان کر بھی مانک کا چہرہ بے تاثر رہا۔شاید اس کے رگ و پے میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ چہرے پر تاثرات ابھر سکتے۔اس کے خشک لبوں نے حرکت کی۔اشباح نے کان اس کے ہونٹوں سے لگایا۔"چندا پھر مر گئی سردار۔۔۔چندا پھر مر گئی۔"وہ بار بار یہی فقرہ کہہ رہا تھا۔

اشباح نے کہا۔"حوصلہ رکھ میرے بھائی۔چندا مر گئی ہے۔یہ ایک بہت بڑا صدمہ ہے لیکن خدا کی بنائی ہوئی اس دنیا میں زندہ رہنے کا جواز ابھی موجود ہے۔تو ابھی زندہ رہے گا۔تو ضرور صحت یاب ہو گا۔"اشباح کا لہجہ جذباتی ہو رہا تھا۔

مانک بڑی بے دلی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔یوں لگتا تھا پچھلے چار مہینوں نے اس کے جسم سے زندگی کی ہر رمق چھین لی ہے۔اس کے لبوں نے سرگوشی کی۔"میں چند گھڑیوں یا چند پہروں کا مہمان ہوں سردار۔۔۔میری نجات کی دعا کرو۔"

اشباح نے کہا۔"نہیں میرے بھائی مایوسی کی باتیں نہ کر۔تیری عمر مرنے کی نہیں ہے۔میں تجھے مرنے نہیں دوں گا۔"

اشباح نے ہلابہ کو بھی مانک کے پاس بلا لیا۔وہ دونوں رات گئے تک اس سے باتیں کرتے رہے۔اسے دلاسے دیتے رہے۔اشباح نے کہا۔

"مانک!ہم تجھے اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔جونہی تیری حالت کچھ بہتر ہوئی ہم تجھے اپنے ساتھ عازم سفر کریں گے۔اس تاریک کوٹھڑی سے باہر کی زندگی تیری منتظر ہے۔تو ہمارے ساتھ عرب جائے گا۔وہاں کی صحت بخش کھلی آب و ہوا میں تیرے سارے روگ مٹ جائیں گے۔ہمارے علاقے کا پانی اور وہاں کی خالص غذا تو مردے میں جان ڈال دیتی ہے۔اللہ کے کرم سے تو بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"اشباح اور ہلابہ ساری رات مانک کی ہمت بندھاتے رہے۔اس کا رخ دوبارہ زندگی کی جانب پھیرنے کے لئے منصوبے بناتے رہے۔مانک عجب بے حسی سے یہ سب کچھ سنتا رہا۔اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا خوشی کا نہ غم کا۔ہاں یہ احساس ضرور ہوتا تھا کہ اس عالم بے کسی میں اسے اشباح اور ہلابہ کی آمد اچھی لگی ہے۔

اگلے روز تیسرے پہر مانک یکایک اپنے دکھوں کے بوجھ سے نجات پا گیا۔چند ہچکیوں کے ساتھ اس کے چہرے پر کسی معصوم بچے کی خوشی نظر آئی اور اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔مانک کے ساتھ ہی محبت اور خلوص کی ایک لافانی داستان ختم ہو گئی۔وہ داستان جو تاریک جنگل کے سفاک فرماں رواکے جبر سے شروع ہوئی اور حالات کے دشت میں رسم و رواج کے پتھر کھاتی ہوئی،روتی اور بلکتی ہوئی آج اس تاریک کمرے میں ڈھیر ہو گئی۔

مانک مسلمان ہو چکا تھا۔اس لئے اشباح اور ہلابہ نے اسے اسلامی طریقے سے اس کے کفن کا انتظام کروایا۔اس کے سفر آخرت میں سیستان میں موجود سینکڑوں مسلمان سپاہی بھی شریک تھے۔اس بہت بڑے جنازے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ خدا مرنے والے کے گناہوں کو معاف کر چکا ہے۔

سیستان سے اپنے بچے "مسلم" کو حاصل کرنے کے بعد اشباح نے اپنا سفر جاری رکھا۔ بچے کی آیا بھی انکے ساتھ تھی۔ چند روز بعد وہ لوگ دیبل پہنچ گئے۔ اشباح بری کی بجائے بحری راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا۔ لٰہذا مکران کیطرف جانے کی بجائے انہوں نے کاٹھیاواڑ کا رخ کیا۔ دراصل اشباح اپنے والد کی قبر بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ گرم صحرا میں ایک طویل دشوار سفر کے بعد وہ لوگ کاٹھیاواڑ پہنچ گئے۔ والد مرحوم کی قبر تک پہنچنے سے پہلے اشباح کو اپنے مختصر قافلے کیساتھ چند دن اور بھٹکنا پڑا۔ آخر وہ سعد گھڑی آئی جب اشباح اور ہلابہ بحر ہند کے ساحل پر کھجوروں کے ایک جھنڈ تلے ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ مچھیروں کو اس بستی کے لئے یہ ایک گمنام شخص کی قبر تھی۔ انہین معلوم نہیں تھا کہ صحرائے تھر کی وسعتوں میں ایک علاقہ ایسا بھی ہے جہاں ہزاروں انسانوں کے دلوں پر اس شخص کا نام کندہ ہے اور وہ ایک زمانے سے اس کی واپسی کے منتظر ہیں۔۔۔۔ اشباح اور ہلابہ دیر تک اس قبر پر موجود رہے اور پانچ ماہ کا معصوم مسلم آیا کی گود میں حیران آنکھوں سے دادا کی آرام گاہ کو دیکھتا رہا۔

اس ساحل کو دیکھ کر اشباح کی آنکھوں میں تمام بھولے بسرے منظر تازہ ہو چکے تھے۔ بحر ہند کے شور مچاتے پانی کو دیکھ کر اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ ابھی ابھی اپنے والدین کیساتھ اس ویران ساحل پر اترا ہے اور چچا امر ناتھ مچھیروں کے سردار سے بات چیت میں مصروف ہے۔۔۔۔ ابھی کوئی سانحہ رونما نہیں ہوا۔ نہ اس کے ابا جان کو لحد میں اتارا گیا ہے نہ اس کی والدہ پر غشی طاری ہوئی ہے۔ نہ چچا امر ناتھ نے اسے سینے سے لگایا اور آنسو بہائے ہیں۔۔۔۔ اور نہ ہی وہ بیس برس گزرے ہیں، جنہیں پل پل گزارنے کے بعد وہ آج پھر اسی جگہ کھڑا ہے۔

دور روز اس ساحل پر گزارنے کے بعد اشباح کو عدن کیطرف جانے والا ایک تجارتی جہاز مل گیا۔ انہوں نے گھوڑے اس بستی میں فروخت کر دیے اور جہاز پر سوار ہو گئے۔ اس جہاز نے چند ہفتے کے بعد انہیں عدنان کی بندرگاہ پر اتار دیا۔ یہاں سے ان کا صحرائی سفر شروع ہوا۔ سمندری سفر کے دوران ہی مسلم کی آیا بیمار ہو گئی تھی۔ لٰہذا اس نے صھرائی سفر سے انکار کر دیا اور ایک ساحلی بستی میں ہی رہنے کو ترجیح دی۔ اشباح نے یہاں سے دو صحت مند اونٹ خریدے۔۔۔۔ اور یوں وہ تینوں اپنی منزل حضر موت کی طرف روانہ ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضر موت میں اشباح کا استقبال فقید المثال تھا۔ یوں لگتا تھا پورا علاقہ بنو عمار کی بستی میں امڈ آیا ہے۔ اشباح سب سے پہلے نانا سے ملاقات کرنا چاہتا تھا لیکن یہ جان کر اسے بے پناہ دکھ ہوا کہ وہ کوئی ایک ہفتہ پہلے دار فانی کوچ کر چکے ہیں۔ اشباح کی والدہ اس کے گلے لگ کر رونے لگیں۔ اشباح نے انہیں بہت تسلی دی۔۔۔۔۔۔۔ دم توڑتے ہوئے اشباح کے نانا داؤد بن مغیرہ ایک عجیب فرمائش کر گئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب اشباح واپس آئے اور بستی والوں کو اپنے کامیاب واقعات سنائے تو یہ مجلس ان کی قبر کے نزدیک برپا کی جائے۔

بستی والے اس وصیت پر ہر صورت عمل کرنا چاہتے تھے۔ لٰہذا جونہی اشباح اپنے قریبی عزیزوں سے مل کر فارغ ہوا اسے ایک جلوس کی صورت داؤد کی قبر پر پہنچا دیا گیا۔ وہ عصر کا وقت تھا۔ اشباح کی گفتگو عصر کے فوراً بعد شروع ہوئی اور ساری رات جاری رہی۔ لوگ بے پناہ اشتیاق سے اپنی اپنی جگہوں پر جمے بیٹھے رہے۔ ایک

محفل آسمان پر چاند تاروں کی تھی اور ایک زمین پر اشباح اور اس کے ساتھیوں کی۔ صحرا کی پر لطف خنک ہوا میں کبھی کبھی سامعین کے پر جوش نعرے گونج جاتے تھے۔ اگلے روز طلوع آفتاب کے وقت لوگوں نے بمشکل اشباح کو جانے کی اجازت دی تھی۔

لیکن یہ سلسلہ رکا نہیں، اگلے دس پندرہ روز بنی حناں، بنی سفال اور دیگر قریبی علاقوں سے مسلسل چھوٹے چھوٹے قافلے آتے رہے اور جنگ کے واقعات سنتے رہے۔ بہت سے لوگ انہیں تحریر کر کے لے جاتے رہے۔ اسی طرح قریباً ایک ماہ گزر گیا۔ اشباح کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی حضر موت کے باشندوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا سنہری شاہین در حقیقت اشباح ہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سنہری شاہین سے وابستہ تمام محبتیں اور عقیدتیں بھی اب اشباح سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ لوگ اس کی یہ "خطا" بھی بھول چکے تھے کہ وہ خالصتاً عربی نہی۔ وہ ان کے لئے ایک نامور بہادر کے سوا اب اور کچھ نہیں تھا۔ ایک ایسا بہادر جس نے نہ صرف یوہانی رومی جیسے جنگجو کو ہلاک کیا تھا بلکہ سرزمین ہند پر شجاعت اور جوانمردی کے جھنڈ گاڑے تھے۔

وہ ایک سرمئی شام تھی۔ دور مغرب میں سرخ کناروں والے ابر کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ مشرق میں آسمان صاف اور گہرا نیلا تھا۔ ایسا آسمان جو صحرا کے پاسیوں سے ایک خوشگوار خنک رات کا وعدہ کرتا ہے۔ شباح نماز عصر ادا کر کے اپنے کمرے میں بیٹھا ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ سراط اپنے پوتے کو گود میں اٹھائے اندر آ گئی۔ اشباح ماں کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ سراط نے اس کے پاس پہنچتے ہوئے کہا۔

"اشباح! آج ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"فرمایئے امی جان۔"

"اشباح بیٹے! میں کئی دنوں سے سوچ رہی ہوں کہ تم شادی کر لو۔"

اشباح نے ذرا سا گھبرا کر کھڑکی کے باہر دیکھا۔ ہلابہ "مسلم" کے چھوٹے چھوٹے کپڑے دھو کر الگنی پر پھیلا چکی تھی اور اب صحت میں کھڑی اداسی سے اپنے گھر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہی گھر جس میں ایک ڈیڑھ سال پہلے وہ اپنے دادا کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہی تھی۔ اشباح کے صحن سے اس ویران مکان کے در و دیوار صاف دکھائی دیتے تھے اشباح نے کہا۔

"کیسی شادی امی جان! شادی تو ایک بار ہو چکی۔"

سراط نے بار بار پوتے کا منہ چوما اور بولی۔ "بیٹے، تیرے سامنے پوری زندگی پڑی ہے اور پھر یہ معصوم بچہ ہے۔ میں کب تک جیوں گی۔ اسے ماں کی ضرورت ہے۔"

اشباح نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "گستاخی کے لئے بے حد شرمندہ ہوں امی جان، میں اب شادی نہیں کروں گا۔ میں چند دن آپ کے نیاز حاصل کرنے کے بعد واپس ہندوستان جا رہا ہوں۔ وہاں میری ضرورت ہے۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میرے ساتھ اور میرے سپاہی میدان میں بر سرپیکار ہوں اور میں یہاں بیٹھا رہوں۔ اگر ہندوستان میں جنگ کا میدان سرد ہو گیا تو شاید میں شمالی افریقہ یا ترکستان کیطرف چلا جاؤں۔۔۔۔ امی جان! آپ نے مجھے ایک سپاہی بنایا تھا۔ پھر آپ مجھ سے یہ توقع کیوں کر رہی ہیں کہ میں اس بستی کا ہو کر رہ جاؤں گا۔"

اشباح کے دوبارہ جانے کا سن کر سراط ایک دم گہری اداسی میں ڈوب گئی۔ کچھ دیر بعد ایک طویل سانس لیکر بولی۔ "بیٹے تمہیں میں منع نہین کروں گی لیکن کہیں بھی جانے سے پہلے تجھے میری یہ آخری خواہش پوری کر دینی چاہیے۔"

اشباح نے آزردگی سے کہا۔ "امی جان! اب یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

سراط، اشباح کے انکار کو خاطر میں نہیں لائی اور اسے مسلسل سمجھاتی بجھاتی رہی۔ آخر اشباح نے عاجز آکر کہا۔

"امی محترم! آپ اس سے تو پوچھ لیں۔"

سراط نے بڑے اعتماد۔ "تو اس کی بات چھوڑو۔ وہ میری بیٹی ہے۔ میں اسے تجھ سے زیادہ جانتی ہوں۔"

لیکن اگلے روز اشباح نے اپنی والدہ کو بہت اداس اور مایوس دیکھا۔ وہ بہت خاموش نظر آرہی تھیں۔ اشباح سمجھ گیا کہ ہلابہ کیساتھ ان کی کوئی بات ہوئی ہے۔ اس رات جب اس کی والدہ حسب معمول چشمے سے پانی لینے گئی ہوئی تھیں، اس نے ہلابہ سے بات کی۔

"ہلابہ! امی سے کوئی بات ہوئی تھی؟" ہلابہ نے سر جھکا کر اثبات میں جواب دیا۔ وہ یکسر خاموش دکھائی دے رہی تھی۔ ننھا مسلم اس کی بانہوں سے لپٹ کر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اشباح نے کہا۔ "ہلابہ! یہ میری نہیں، امی کی سوچ ہے تم نے برا تو نہیں مانا۔"

ہلابہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ بولی "اشباح، میں امی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی لیکن۔۔۔۔۔۔ لیکن آپ جانتے ہیں دل پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ میرا دل مر گیا ہے میں یہاں سے چلی جانا چاہتی ہوں۔"

اشباح نے ایک طویل سانس لی۔ "چلو اچھا ہوا تم نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ بہر حال اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

ہلابہ نے کہا۔ "میں چاہتی ہوں آپ۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ خود انکار کر دیں۔"

ایک بے آواز آہ اشباح کے ہونٹوں سے نکلی۔ وہ بولا۔ "ٹھیک ہے ہلابہ میں خود ہی امی سے کہہ دوں گا تمہیں زحمت نہیں ہوگی، لیکن۔۔۔۔ تم کہاں جاؤ گی؟"

"ماعدن۔" ہلابہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

اشباح کو یاد آیا کہ ماعدن میں ہلابہ کے کچھ دودھیالی رشتے دار مقیم ہیں۔ چند سال پہلے وہ ایک دفعہ وہاں رہنے بھی گئی تھی۔ اشباح کو یاد تھا ان دنوں وہ کتنا اداس رہا تھا۔۔۔۔ وہ اب بھی ماعدن جارہی تھی۔ اس دفعہ شاید کبھی نہ آنے کے لئے مگر اب وہ پہلے سی بے تابیاں نہیں تھیں۔ غموں کی یورش سے دل پتھرا چکے تھے۔

چند روز بعد اشباح نے ننھے مسلم کو دودھ پلانے والی ایک کوہستانی عورت کے سپرد کر دیا۔ مقامی دستور کے مطابق اب بچے کو پانچ برس تک اس دایہ کے پاس رہنا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ ہندوستان جانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ ہلابہ اپنا آبائی مکان بیچ کر ماعدن کا رخ کر رہی تھی۔ آخر وہ صبح جدائی پہنچ ہی گئی جس کی آمد کا دھڑکا ہر لحظ لگا ہوا تھا۔ ہلابہ بنو عمار کی بستی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر ماعدن چلی گئی۔ اسے رخصت کرتے ہوئے اشباح نے پوچھا۔

"ہلابہ رک نہیں سکتی ہو؟"

ہلابہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف ایک دفعہ اشباح کی طرف دیکھ کر رہ گئی ان آنکھوں میں التجا تھی۔

"دیکھو! مجھے بھول نہ جانا، مجھے یاد رکھنا، موسم موسم، سال بہ سال، تہوار بہ تہوار، میں اپنی یادیں تمہارے پاس امانت چھوڑے جارہی ہوں۔ انہیں گنوانہ دینا۔ کسی ایسے ہی اجلے سویرے کو، جب کاروانوں کے اونٹ گھنٹیاں بجاتے جنوبی ساحلوں کا رخ کریں، یا بادِ شمال اس بستی کی گلیوں سے ہو کر گزرے اور تمہیں میری یاد آجائے تو دعا مانگنا کہ میرے بدنصیب دل کو سکون نصیب ہو جائے اگر زندگی کے کسی موڑ پر ایسا ہو گیا تو میں ضرور آؤں گی۔ تم کہیں بھی ہوگے میں تمہیں ڈھونڈلوں گی اور ایسا نہ ہو سکتا تو پھر۔۔۔۔۔۔ میرے محبوب خداحافظ۔۔۔خداحافظ۔"

دو آنسو ہلابہ کی آنکھوں سے ڈھلکے اور اس ریت میں جذب ہو گئے جس کا ہر ذرہ ان کی محبت کا گواہ تھا۔

ہلابہ چلی گئی اور اشباح اپنے اداس گھر میں واپس آگیا۔ اب وہ بھی یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ وہ ہندوستان جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اسی دوران اسلامی دارالخلافہ دمشق میں حالات بہت تیزی سے تبدیل ہوئے خلیفہ ولید وفات پا گئے اور ان کی جگہ سلیمان بن عبدالملک نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ سلیمان ایک کینہ پرور شخص تھا۔ محمد بن قاسم سے اس کی دشمنی مسلمہ تھی۔ اس نے مسند خلافت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ یزید بن ابو کبشہ کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا اور محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا۔ اسلامی تاریخ کے اس نوعمر ترین سالار کے اقبال کا سورج عین نصف النہار پر ڈوب گیا۔ اسے ناکردہ گناہوں کی سزا میں پابہ زنجیر عراق لایا گیا اور واسط کے قید خانے میں اذیتیں دے کر شہید کر دیا گیا۔۔۔۔ عالم اسلام کے لئے یہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ اس پر جتنے بھی آنسو بہائے جاتے کم تھے۔ اشباح مہینوں اس غم میں غلطاں رہا۔

ایک روز وہ نماز فجر کے بعد روتے ہوئے سعبِ ابوریاض کے گھنے پیڑوں کے سائے تلے سو گیا۔ اس نے خواب میں محمد بن قاسم کو دیکھا۔ وہ سفید لباس میں کوئی فرشتہ نظر آرہا تھا۔ اس کے زخم چہرے پر ایک آسودہ تبسم تھا۔ اس نے اشباح سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے محترم دوست! آنسو پونچھ لے اور ہونٹوں پر مطمئن مسکراہٹ سجا لے ہماری کوشش رائیگاں نہیں گئیں۔ خدا کی قسم ہم کامران ہیں۔ اپنی جانوں پر کھیل کر ہم نے کفر کی اس سرزمین پر جو نورانی یلغار کی ہے وہ ایک نئے سویرے کا آغاز کر چکی ہے۔ جو کرنیں ہم وہاں بو آئے ہیں وہ اس خطے کو سالہا سال تک اجالوں کی فصل دیں گی۔ اب وہاں کا ہر پرماتما اپنے ایک سردار ہاشم کو پائے گا۔ میرے عزیز ہم کامران ہیں ہمیں خود پر فخر کرنا چاہیے اور نئے منزلوں پر نگاہ رکھنی چاہیے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس خواب کے بعد اشباح بیدار ہوا تو اس کے دل کا بوجھ بہت حد تک ہلکا ہو چکا تھا۔ چند ہفتے بعد ایک روز اس نے ماں سے اجازت لی اور ترکستان کا رخ کیا۔۔۔۔۔۔ وہ پورے دو برس، اسلامی فوج کے عام مجاہد کی حیثیت سے مختلف محاذوں پر دادِ شجاعت دیتا رہا۔ اسلام کی سربلندی کے لئے اس کے بازو شب و روز تلوار زنی کرتے رہے۔ دشوار راستوں کی گرد اس کی پیشانی پر سجتی رہی اور نعروں کی گونج میں وہ دشمن پر جھپٹتا رہا۔ پورے دو سال بعد وہ واپس آیا۔ اس کی ماں نے قبیلہ بنی حنان کی ایک حسین لڑکی اس کی دلہن بنانے کے لئے چنی ہوئی تھی، مگر ماں کے بے پناہ اصرار اور اپنی غیر معمولی فرمانبرداری کے باوجود وہ خود کو زندگی کے اس سفر کے لئے

آمادہ نہ کر سکا۔ماں نے بیٹے کی مجبوری دیکھی تو اسنے بھی دل پر پتھر رکھ کر عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی بیٹے کے زخموں کو کریدنے کی کوشش نہیں کرے گی۔یوں آہستہ آہستہ ان دونوں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ زندگی ایک نئی ڈگر پر چل نکلی۔اشباح چار قبیلوں کا متفقہ سردار تھا۔اس کی انتظامی مصروفیات بے پناہ تھیں۔ اس نے ان مصروفیات کو کچھ اور بڑھا کر خود کو گردشِ روز وشب میں گم کر لیا۔ کبھی جب وہ فارغ ہوتا تو سراط اس کے پاس بیٹھ جاتی اور ہندوستان اور ترکستان کے واقعات سنتی۔ہندوستان کے تمام واقعات اشباح کئی کئی مرتبہ ماں کو سنا چکا تھا، لیکن ایک بات کا اس نے کبھی ذکر نہیں کیا اور نہ وہ کر سکتا تھا۔وہ ماں کو کیسے بتا سکتا تھا کہ برسوں پہلے اس بچھڑی ہوئی بیٹی اسے زندہ ملی تھی اور موت اسے پھر واپس لے گئی تھی۔وہ یہ خبر سنا کر ماں کو خون کے آنسو رلانا نہیں چاہتا تھا۔وہ تو اپنے دل کو بھی یہی سمجھا چکا تھا کہ زلفہ اسی وقت مر گئی تھی جب پرانے مندر میں اسے کسی کا نیزہ لگا تھا۔چندا تو ایک خواب تھا جو کچھ دیر کے لئے اس کی پلکوں پر اترا تھا اور پھر ٹوٹ گیا تھا۔

صحرا کا سورج دھوپ کی جھولیاں بھر بھر کر ریت پر بکھیرتا رہا۔ستارے رات رات بھر اس ریت میں اپنی کھوئی ہوئی شبنم ڈھونڈتے رہے۔وقت اپنی مخصوص رفتار سے آگے سرکتا رہا اور اسی طرح پانچ برس گزر گئے۔اشباح کا بیٹا اب قریباً ساڑھے پانچ برس کا ہو چکا تھا۔ایک روز اس نے دس روز کا سامان سفر تھیلوں میں رکھا اور اپنے بچے کو لینے کے لئے شط الخال روانہ ہوا۔وہ ایک تیز رفتار سرخ اونٹ پر سوار تھا۔اپنے سفر کے پانچویں روز اس کا گزر سوق العزیز سے ہوا۔سوق العزیز سے کچھ ہی فاصلے پر وہ ماعدن نامی قصبہ تھا جہاں ہلابہ رہتی تھی۔سوق العزیز سے گزرتے ہوئے اشباح پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔اتنے برس گزر چکے تھے۔

پھر بھی اس کے دل کی کوئی کھڑکی ابھی تک نیم وا تھی۔۔۔۔۔وہ سوق العزیز کے نخلستان میں پانی لینے کے لئے رکا تو ایک ادھیڑ عمر بدو نے اسے پہچان لیا وہ بولا۔

"تم سردار اشباح ہو نا؟"اشباح نے اثبات میں جواب دیا۔بدو نے بتایا کہ وہ ایک عرسہ بنو عمار کی بستی میں رہ چکا ہے اور چند ہی ماہ پہلے ماعدن آیا ہے۔اس نے ہلابہ کا ذکر بھی کیا اور بتایا کہ وہ ماعدن میں اپنے ایک چچا ابو یوسف کے گھر رہتی ہے۔

اس ذکر نے اشباح کو دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا۔اس نے ہلابہ کا حال احوال دریافت کیا اور پوچھا اس کی شادی ہو چکی ہے۔

بدّو بولا۔"شادی؟؟اس کا تو چار پانچ سالہ بچہ بھی ہے۔"

اشباح کے دل پر سخت چوٹ لگی۔نہ جانے کیوں وہ کھڑا کھڑا پسینے میں بھیگ گیا۔بدّو اصرار کرنے لگا کہ اب وہ یہاں تک آیا ہے تو وہ اسے ماعدن ضرور لے جائے گا ویسے بھی شام ہونے کو تھی اور اس علاقے میں لوگ شام کے وقت کسی شناسا مسافر کو سفر جاری رکھنے کی اجازت دینا بد اخلاقی سمجھتے تھے۔بدّو نے اشباح کو ساتھ جانے پر مجبور کیا۔اشباح کے دل میں اب ہلابہ اور اس کے بچے کو دیکھنے کی خواہش جاگ گئی تھی۔اس نے بدو کو ساتھ لیکر اونٹ کا رخ بدل دیا۔

شام کے فوراً بعد وہ ماعدن پہنچ گئے۔ایک مکان کے سامنے پہنچ کر اونٹ رک گیا۔یہی ہلابہ کا مسکن تھا۔ایک چار پانچ سالہ بچہ عقال پہنچے دروازے پر کھیل رہا تھا۔بدو نے بچے کیطرف اشارہ کیا۔اشباح سمجھ گیا کہ یہی ہلابہ

کا بچہ ہے۔اس نے اونٹ سے اتر کر بچے کو گود میں لیا۔وہ چمکیلی آنکھوں والا بے حد خوبصورت اور ہوشیار بچہ تھا۔اشباح نے اسے کافی دیر پیار کیا،وہ حیرت زدہ سا اسے دیکھتا رہا۔اشباح نے پوچھا۔

"تمہاری ماں کہاں ہے؟"

اس نے انگلی سے اندر اشارہ کر دیا۔اتنے میں دروازے کے پیچھے سے آواز آئی کسی نے بدو کو مخاطب کر کے کہا۔"عابد! انہیں اندر لے آؤ۔" یہ ہلابہ کی آواز تھی۔

اشباح اپنی جگہ سن کھڑا رہ گیا۔بچے کو دیکھنے کے بعد اس کے دل میں آئی تھی کہ واپس لوٹ جائے مگر اب اسے اندر جانا ہی تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ نفاست سے سجے ہوئے ایک کمرے میں چوبی تخت پر بیٹھا تھا۔ہلابہ کی فربہ اندام چچی اس کے سامنے سے کھانے کے خالی برتن اٹھا کر واپس جا چکی تھی۔بچہ اتنی دیر میں اشباح سے بے تکلف ہو چلا تھا اور اس کی گود میں بیٹھا تھا۔سامنے ایک ریشمی پردے کے پیچھے ہلابہ موجود تھی۔اس نے پردے کے پیچھے سے پوچھا۔

"آپ شط الخال سے ہو آئے؟"

"نہیں ابھی تو جا رہا ہوں۔" اشباح نے جواب دیا۔

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر ہلابہ نے پوچھا "گھر میں سب کیسے ہیں؟"

اشباح نے مختصر الفاظ میں اسے خیر خیریت سے آگاہ کیا۔بچہ اس دوران خاموشی سے ان کی گفتگو سنتا رہا۔جلد ہی اشباح اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" بچے نے توتلی زبان میں پوچھا۔عین اس وقت ہلابہ نے بھی یہی سوال کیا۔

اشباح نے کہا۔"میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔پیٹ بھر گیا ہے اب سفر جاری رکھنا دشوار محسوس نہیں ہوتا۔"

ہلابہ نے پوچھا۔"مسلم کو لینے جا رہے ہیں۔" اشباح نے اثبات میں جواب دیا۔وہ بولی۔"اتنے سالوں بعد اسے پہچان لیں گے۔"

اشباح نے کہا۔"شاید۔۔۔۔۔۔آخری بار جب اسے دیکھا تو وہ کوئی ڈیڑھ سال کا تھا۔بعد میں اس کی دایہ دو تین دفعہ اسے بنو عمار لیکر آئی مگر اتفاقاً میں اسے دیکھ نہ سکا۔"

ہلابہ نے کہا۔اب آپ کو شط الخال جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"کیوں؟" اشباح نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس لئے کہ مسلم اب وہاں نہیں ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مسلم آپ کے سامنے کھڑا ہے۔"

یکایک زمین و آسمان اشباح کی نگاہوں میں گھوم گئے۔ وہ اپنی زندگی کے حیرت ناک ترین لمحوں سے دو دو چار تھا۔ صم بکم کھڑا وہ بچے کو دیکھتا جا رہا تھا۔ "تم۔۔۔۔۔۔۔ تم مسلم ہو؟" اس نے پوچھا۔

بچے نے شوخی سے کہا۔ "آپ کو میری امی کی بات کا یقین نہیں آیا ہے۔"

اشباح نے گھوم کر پردے کیطرف دیکھا۔ ہلابہ کا نصف چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے نگاہیں جھکائے جھکائے کہا۔ "میں مسلم کو پچھلے برس ہی شط الخال سے لے آئی تھی۔"

"کک۔۔۔۔۔۔ کیوں؟"

"اس لئے کہ مجھے اطلاع ملی تھی، کچھ ہندو قیدی یمن کے قید خانے سے فرار ہو گئے ہیں۔۔۔ آپ شاید بھول رہے ہیں مسلم وہ بچہ ہے جس کی جان پر ہزاروں تنگ نظر ہندوؤں کی نظریں ہیں۔ ہمیں اس بچے کو ہمیشہ اپنی جان سے لگا کر رکھنا ہے اور کوئی خطرہ اس کی حیات کے لئے مول نہیں لینا۔"

اشباح نے گہری نظروں سے ہلابہ کیطرف دیکھا۔ اس کی جھکی جھکی نگاہیں اور کھلا کھلا چہرہ گواہی دے رہا تھا کہ بنو عمار کے اس گھر میں پھر سے بہار آنے والی ہے۔ وہ گھر جہاں پچھلے پانچ برس سے ایک اداس بڑھیا سراط اپنے اداس بیٹے اشباح کیساتھ ایک ویران زندگی گزار رہی تھی۔ ہلابہ پردے کی اوٹ سے نکلی تو مسلم بھاگ کر اس سے لپٹ گیا اور لگاتار اس کے رخساروں اور گردن پر بوسے دینے لگا۔ ہلابہ مسکرا رہی تھی اسے مسکراتے دیکھ کر اشباح بھی زیر لب مسکرا دیا۔ عرب کا خوبصورت چاند روزن سے جھک کر یہ حسین منظر دیکھنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆